فیضِ مشکوٰۃ
شرح
مشکوٰۃ شریف
۲
شارح:
مفتی حارث عبدالرحیم فاروقی قاسمی
مکتبہ فیض القرآن دیوبند
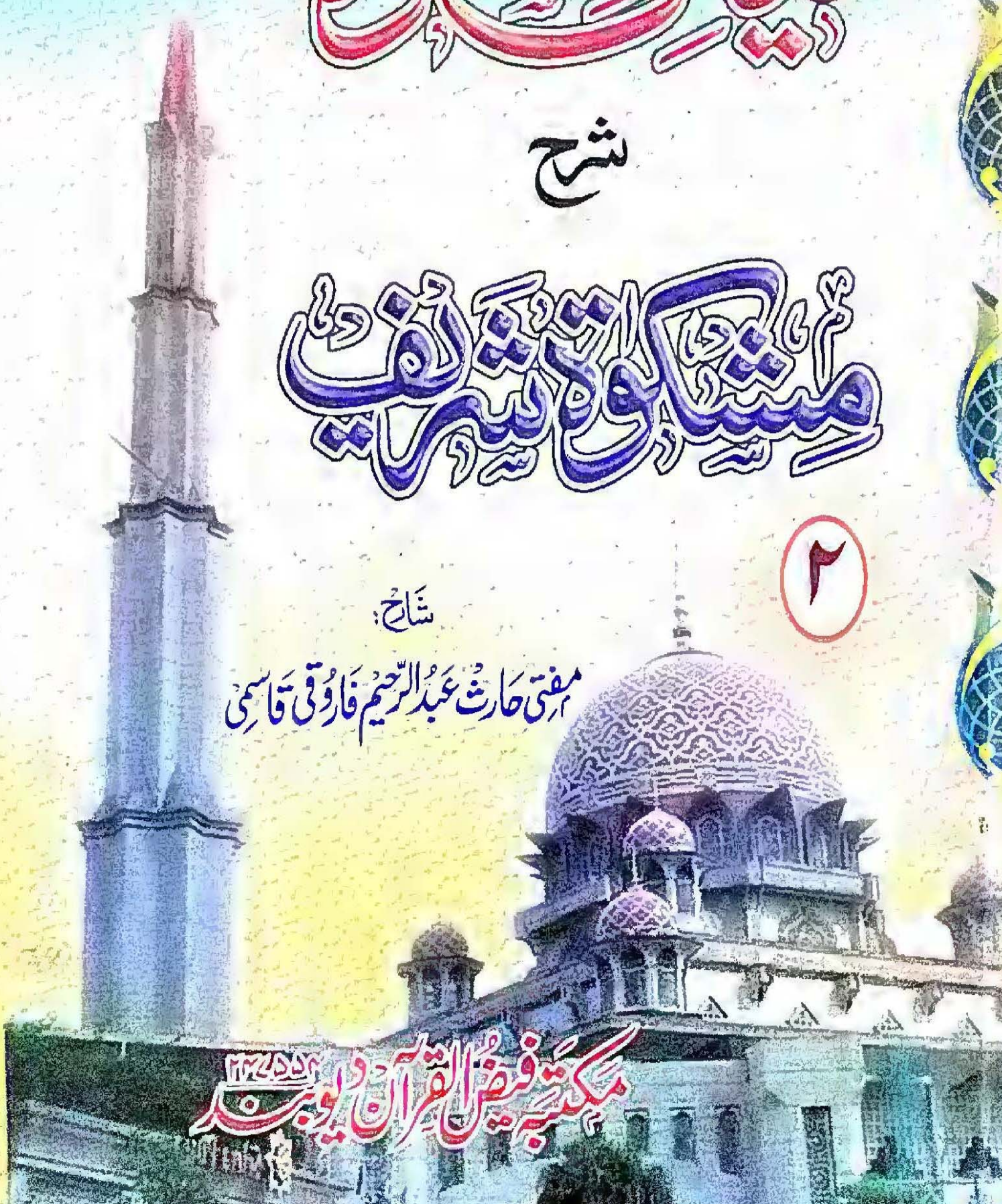
فیض المشکوٰۃ

شرح اردو

مشکوٰۃ شریف

جلد دوم

شارح
حارث عبدالرحیم فاروقی
ابن (مولانا) عبدالعلی فاروقی صاحب

ناشر
مکتبہ فیض القرآن دیوبند (یوپی) ۲۴۷۵۵۴

نام کتاب : فیض المشکوٰۃ شرح اردو مشکوٰۃ شریف جلد دوم

شارح : حارث عبدالرحیم فاروقی

باہتمام : تاج عثمانی ابن مشہود اقبال عثمانی

مطبوعہ : ۱۵/اپریل ۲۰۰۶ء

کمپیوٹر کتابت وڈیزائننگ : شاد کمپیوٹر مکتبہ فیض القرآن دیوبند

نوٹ: فہرست مضامین جلد کے آخر میں ملاحظہ کیجئے

مکتبہ فیض القرآن
نزد مسجد چھتہ دیوبند ضلع سہارن پور (یوپی)

Ph.No.(0)01336-222401
(R)01336-224601
Fax No.01336-223951

کتاب الصلاۃ

صلاۃ ، کے لغوی معنی دعا کے ہیں، اصطلاح شرع میں اس خاص عبادت کا نام نماز ہے۔ جو ارکان و شرائط کے ساتھ چند مخصوص اقوال وافعال کی صورت میں ادا کی جاتی ہے۔

ہر مسلمان، عاقل، بالغ مرد و عورت پر پورے دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں، وتر کی نماز مرد و عورت دونوں پر واجب ہے، جمعہ کی نماز صرف مردوں پر فرض ہے، اور عیدین کی نماز واجب ہے، نوافل میں مرد و عورت دونوں کا حکم یکساں ہے، جس سے جتنا ممکن ہو اس کے ذریعہ قرب خداوندی کو حاصل کر کے اپنے مقام و مرتبہ کو بڑھائے۔

اسلام نے عقائد کے بعد سب سے زیادہ اہمیت نماز کو دی ہے، اور اس کی فرضیت و اہمیت کا تذکرہ قرآن کریم میں سات سو مرتبہ سے بھی زائد بار ہوا ہے۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے ہوتا ہے "**إن اهمّ امورکم عندی الصلاۃ من حفظها وحافظ علیها حفظ دینه ومن ضیعها فهو لما سواها اضیع**"۔

نماز کے بارے میں خود رب العالمین نے فرمایا ہے کہ یہ دشوار ہے لیکن جن کے قلوب میں خشوع ہوگا، ان کے لئے دشوار نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا قلب آزادی کا خوگر ہونے کی وجہ سے نماز میں دشواری محسوس کرتا ہے، کیوں کہ نماز اس کی آزادی کے یکسر منافی چیز ہے اور دل کے تابع اعضاء انسانی بھی ہیں، اس لئے تمام اعضاء کو بھی نماز میں گرانی محسوس ہوتی ہے، دل کے اعضاء انسانی کس درجہ تابع ہیں اس کا اندازہ آپ کے اس فرمان سے ہوتا ہے "**إن فی الجسد لمضغة إذا صلحت صلح الجسد کله وإذا فسدت فسد الجسد کله ألا وهی القلب**" (جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ ٹکڑا صحیح ہے تو سارا جسم صحیح ہے اور اگر وہ خراب ہے تو سارا جسم خراب ہے، سنو وہ ٹکڑا دل ہے) دل نماز میں نہیں لگتا اس دشواری کا علاج کیا ہے؟ اس دشواری کا علاج خشوع و خضوع ہے، اگر خشوع خضوع پیدا ہو جائے تو نہ صرف نماز کی مواظبت و مداومت آسان ہو جائے گی بلکہ نماز کو اس کے حق کی طرح ادا کرنے میں بھی کافی سہولت پیدا ہو جائے گی۔ "خشوع" کے معنی سکون، عاجزی، نگاہ نیچی رکھنا وغیرہ ہیں۔

خشوع ، ظاہری بھی ہوتا ہے، اور باطنی بھی، نماز میں دونوں طرح کا خشوع مطلوب ہے خشوع اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کی وجہ سے اس کے سامنے اپنی حقارت کے علم سے پیدا ہوتا ہے کبھی کبھی اس کی وجہ سے بدن پر بھی اس کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جان بوجھ کر خاشعین کی صورت اختیار کرنا نفس کے فریب کے سوا کچھ نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھا ہے اس سے کہا سر اٹھاؤ خشوع دل میں ہوتا ہے۔

خشوع و خضوع کی اتنی اہمیت ہے کہ بعض علماء مثلاً امام غزالی نے اس کو فرض قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ جس نماز میں خشوع نہ ہو اور اس میں دھیان اللہ کے سوا ادھر ادھر رہتا ہو وہ نماز صحیح نہیں، ائمہ اربعہ کے نزدیک خشوع شرط صلاۃ تو نہیں ہے البتہ نماز کی روح ضرور ہے بغیر خشوع کے نماز کا ثواب نہیں ملے گا۔

نماز کے شرائط، ارکان، واجبات، سنن، مستحبات اور مفسدات وغیرہ دیکھنے کیلئے فقہ کی کتابوں کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۵۱۹ ﴿نماز سے گناہ معاف ہوتے ہیں﴾ عالمی حدیث ۵٦٤

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص: ۱۲۲ ج: ۱/ باب فضل الوضوء الخ، کتاب الطهارة ،حدیث نمبر ۲۳۳.

حل لغات: مُكفرات ، جمع ہے، واحد مُكَفِّرَةٌ معاف کنندہ، گناہوں کو مٹادینے والی، كَفَّرَ، تكفير (تفعيل) الشئَ ڈھانکنا، چھپانا، اجتنبت، اِجْتَنَبَ، الشيءَ (افتعال) بچنا، دور رہنا، الكبائر، جمع ہے واحد الكبيرة، الكبير، کی تانیث ہے، وہ بڑا گناہ جس کی شرعاً بالصراحت ممانعت کی گئی ہو، جیسے قتل، چوری، وغیرہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اگر کوئی شخص بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے، تو پانچوں نمازیں، جمعہ سے جمعہ تک، اور رمضان سے رمضان تک، اسکے ان گناہوں کو مٹادیتے ہیں، جوانکے درمیان ہوتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک نماز پڑھنے کے بعد سے دوسری نماز پڑھنے کے دوران جو صغیرہ گناہ ہوں گے، دوسری نماز سے وہ گناہ معاف ہوجائیں گے، اسی طرح ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ کے دوران جو صغیرہ گناہ ہوں گے دوسرے جمعہ سے وہ معاف ہوجائیں گے، اور یہی معاملہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان کے مابین ہونے والے صغیرہ گناہوں کا ہوگا، کہ وہ دوسرے رمضان سے معاف ہوجائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح اِذا اجتنبت الكبائر اس جملے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گناہِ صغیرہ اسی وقت معاف ہونگے، جب انکے درمیان کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا ہو؛ بلکہ یہاں مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا نیک کاموں سے صرف صغائر معاف ہوں گے، کبائر معاف نہ ہوں گے، کبائر یا تو توبہ سے معاف ہوں گے، یا پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے معاف ہوں گے۔

سوال: جب ہر روز کے صغیرہ گناہ یومیہ نمازوں کے ذریعہ مٹ گئے یعنی معاف ہوگئے، تو پھر جمعہ اور رمضان سے کون سے گناہ مٹیں گے؟

جواب: یومیہ نمازوں، جمعہ اور رمضان، تینوں میں صغیرہ گناہوں کو مٹانے کی صلاحیت ہے، اگر گناہ ہونگے تو یہ افعالِ حسنہ گناہوں کو مٹادیں گے۔ اور اگر گناہ نہیں ہونگے تو یہ نیک کام اپنے انجام دینے والے کے حق میں، نیکیاں لکھے جانے اور درجات کے بلند ہونیکا سبب بنیں گے۔ (مرقات ص: ۱۱۰ رج: ۲)

''درس ترمذی'' میں حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالے سے ایک بہت عمدہ توجیہ لکھی ہوئی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ''اس حدیث میں کچھ افعال کے خواص کا ذکر ہے، جس طرح دنیا کی مادی چیزوں میں کچھ خواص مفردات کے ہوتے ہیں اور کچھ مرکبات کے، اور مرکب کئی مفردات کے مجموعہ کا نام ہے، نیز یہ بات بھی ممکن ہے کہ کسی مرکب کے بعینہٖ وہی خواص ہوں جو مفردات کے ہوں، لہٰذا حدیث باب میں ''صلوٰت خمس'' کی حیثیت مفردات کی سی ہے، اور جمعہ الی الجمعہ کی حیثیت مرکب کی سی ہے، دونوں کی خصوصیات یکساں ہیں، جن کا حدیث میں علاحدہ علاحدہ ذکر کردیا ہے۔ (درس ترمذی ص: ۲۷۹ رج: ۱)

حدیث نمبر ۵۲۰ ﴿جس طرح نہانے سے میل زائل ہوتا ہے اسی طرح نماز سے گناہ زائل ہوتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۵٦۵

وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَ اَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهَرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ

خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْئٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْئٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلٰوتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص: ۷۶، ج:۱/ باب الصلوات الخمس، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۲۸، مسلم ص: ۲۳۵، ج:۱/ باب المشی الیٰ الصلاۃ تمحی به الخطایا، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۶۷.

حل لغات: دَرَنٌ، میل کچیل، دَرِنَ (س) دَرَنًا، میلا ہونا، یَمْحُوْ، محا، الشیئَ، (ن) مَحْوًا مٹانا، اثر زائل کرنا۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم لوگ بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو، جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، تو کیا اس کے بدن پر میل کا کوئی حصہ باقی رہے گا'' صحابہ نے عرض کیا جی نہیں، اس کا میل ذرا بھی باقی نہیں رہے گا، ''آپ نے فرمایا بس یہی پانچوں نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں فرض نمازوں کے گناہوں کے لیے کفارہ ہونے کو تشبیہ کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے، تشبیہ مضمون کی وضاحت اور معنویات کو محسوسات و مشاہدات میں تبدیل کرنے کے لیے لائی جاتی ہے۔ اس حدیث میں گناہوں کو ظاہری میل کچیل، اور نماز کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح ایک دن میں پانچ مرتبہ نہر میں نہانے کی وجہ سے جسم پر میل کچیل کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا، اسی طرح پانچوں نمازوں کی بھی یہی تاثیر ہے کہ وہ گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں؛ لہٰذا جو نمازی نماز کے تمام آداب کی رعایت کرتے ہوئے پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہے، وہ گناہوں سے پاک وصاف رہتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لایبقی من درنه شیٔ. نماز کے ذریعہ سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں، کبائر کی معافی کے لیے شریعت نے توبہ رکھی ہے؛ لیکن کچھ حضرات کہتے ہیں کہ پنج وقتہ نماز کی ادائیگی سے کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں کیوں کہ حدیث میں ''من درنه شیٔ'' کے الفاظ ہیں، ''شی'' کا مفہوم اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ تمام گناہ، خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ معاف ہو جانا ہے؛ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ ''درن'' سے مراد ظاہری میل ہے، اور آپ ﷺ کے اس سے تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ نماز سے وہ گناہ زائل ہوتے ہیں، جن کا تعلق ظاہر سے ہے، اور ظاہر سے صغائر کا تعلق ہے، کبائر کا اثر تو باطن یعنی دل تک پہنچ جاتا ہے، اسی کو آپ ﷺ نے فرمایا ''بندہ جب معصیت کا ارتکاب کرتا ہے، تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو مٹ جاتا ہے، اور اگر توبہ نہیں کرتا تو باقی رہتا ہے اور پھر یہ بڑھتا رہتا ہے، اسی کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا ہے '' کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون'' حاصل کلام یہ ہے کہ صغائر تو افعال حسنہ سے معاف ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ یہ ظاہری گناہ ہیں، کبائر کا اثر باطن تک پہنچتا ہے؛ لہٰذا جب تک قلب کو غسل نہ دیا جائے یعنی توبہ نہ کی جائے یہ معاف نہ ہوں گے۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام بلقینیؒ کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ ''گناہ صغیرہ وکبیرہ کے صادر ہونے کے اعتبار سے انسان کے مختلف احوال ہیں، اور یہ پانچ قسموں میں منحصر ہیں۔

۱- وہ شخص جس سے صغیرہ وکبیرہ میں سے کوئی بھی گناہ صادر نہ ہوئے ہوں، نماز کے ذریعہ سے اس شخص کے درجات بلند ہوں گے۔

۲- صغیرہ سرزد ہوتے ہوں، لیکن صغیرہ پر اصرار نہ ہو، نماز کے ذریعہ سے یقینی طور پر اس شخص کے گناہ زائل ہو جائیں گے۔

۳- صغائر کا اصرار کے ساتھ ارتکاب کرتا ہو، ایسے شخص کے نماز کے ذریعہ سے صغائر معاف نہ ہوں گے۔ کیوں صغائر کا اصرار کے ساتھ ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔

۴- کوئی ایک گناہ کبیرہ ہو، اور بہت سے صغیرہ گناہ ہوں۔

۵- صغائر و کبائر دونوں بڑی تعداد میں ہوں۔

آخری دو صورتوں میں ممکن ہے کہ صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں اور کبیرہ معاف نہ ہوں اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی معاف نہ ہوں؛ اس وجہ سے کہ بہت سی احادیث اور قرآن کریم کی آیت " ان تجتنبوا عن الکبائر الخ" میں صغائر کی معافی کے لیے اجتناب عن الکبائر کی شرط لگی ہے۔ (خلاصہ فتح الباری ص:۴۰۸، ج:۲ر)

حنفیہ کے یہاں چوں کہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا نماز کے ذریعہ سے صغائر بہر صورت معاف ہو جائیں گے، خواہ اجتناب عن الکبائر ہو یا نہ ہو، جیسا کہ گذشتہ کلمات حدیث کی تشریح کے تحت بھی یہ بات عرض کی گئی ہے۔

حدیث نمبر ۵۲۱ ﴿نماز سے برائیاں زائل ہوجاتی ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۶۶

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنِ امْرَاَةٍ قُبْلَةً فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَىِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّأٰتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِيْ هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِيْ كُلِّهِمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ اُمَّتِيْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص:۷۵، ج:۱/ باب الصلاۃ کفارۃ، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۲۶، مسلم ص: ۳۵۸، باب قولہ تعالیٰ "اِنَّ الحسنات یذھبن السیات" کتاب التوبۃ،

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے اپنا قصور بیان کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھو، بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں" اس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ حکم خاص میرے لیے ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "میری تمام امت کے لیے یہی حکم ہے" اور ایک روایت میں منقول ہے، "میری امت کے ہر اس شخص کے حق میں ہے، جس نے اس آیت پر عمل کیا" (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی رسول نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، اس کے بعد جب ان کو ندامت ہوئی، تو دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ بیان کیا، اور اس کے معاف ہونے کی صورت دریافت کی، آپ ﷺ نے ابھی کوئی جواب دیا بھی نہیں تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا، آپ ﷺ نے نماز پڑھائی، وہ صحابی بھی شریک جماعت ہوئے، نماز کے بعد آپ ﷺ نے ان صحابیؓ کو یہ خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ کو معاف فرما دیا ہے، پھر آپ ﷺ نے مذکورہ آیت پڑھ کر سنائی، جس میں نماز کی ادائیگی کی تاکید کے ساتھ یہ پیغام بھی ہے کہ نیکیوں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اِن رجلاً حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ "اِن صحابی کا نام ابوالیسر ہے" ان کے نام سے متعلق اس قول کے علاوہ بھی قول ہیں، چنانچہ علامہ عینیؒ نے چھے نام ذکر کیے ہیں، ابن حجرؒ مزید لکھتے ہیں کہ "روایات میں جس عورت کا تذکرہ ہے، ان کے نام پر مطلع نہیں ہو سکا لیکن احادیث میں یہ صراحت آئی ہے کہ یہ انصاریہ عورت تھیں (فتح الباری ص:۴۰۲، ج:۲)

ملا علی قاریؒ نے ترمذی سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں یہ صحابی اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ "ایک عورت میرے پاس کھجور خریدنے کی غرض سے آئی، میں نے کہا گھر میں جو کھجور ہے وہ اس سے اچھی ہے؛ چنانچہ وہ عورت میرے ساتھ گھر آ گئی، اس وقت شیطان نے مجھ کو بہکایا تو میں نے اس عورت کے بوسہ لے لیا، اس عورت نے مجھ سے کہا کہ اللہ سے ڈرو، چنانچہ میں شرمندہ ہوا، اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوا" (مرقات ص:۱۱۱، ج:۲)

اسی روایت کے تحت ملاعلی قاری نے لکھا ہے کہ ''یہ اجنبی مرد وعورت کے تنہائی میں یکجا ہونے کا نتیجہ ہے'' لہٰذا اجنبیہ سے خلوت میں ملنے سے کلی طور پر اجتناب کرنا چاہئے۔فاخبرہ صحابہ کرام کی یہ شان تھی کہ اگر بتقاضائے بشریت ان سے کوئی گناہ سرزد ہوجاتا، تو اس پر اصرار نہیں کرتے تھے؛ بلکہ وہ بے قرار ہوکر دربارِ رسالت میں آتے، اور آپ ﷺ کو پیش آمدہ واقعہ کی اطلاع دیتے، پھر انابت الی اللہ، اور توبہ واستغفار کے ذریعہ جب تک اللہ ورسول کو راضی نہ کرلیتے سکون سے نہ بیٹھتے، اقم الصلاۃ، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کے دومسلکوں کی دلیل ہے، اس آیت سے فجر میں اسفار اور عصر میں تاخیر، نیز وجوب وتر کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے، دونوں مسئلوں کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی، یہاں مختصراً عرض کیا جاتا ہے، ''طرفی'' تثنیہ کا صیغہ ہے۔ دن کے دونوں کنارے یعنی طلوع وغروب کے معنی میں مستعمل ہے، یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا جب معنی حقیقی مراد لینا محال ہے، تو مجاز کی طرف رجوع کیا جائے گا، اور یہ کہا جائے گا کہ یہاں طلوع وغروب کے قریب کا وقت متعین ہے، یعنی فجر کی نماز اسفار میں طلوع کے قریب پڑھی جائے گی اور عصر کی نماز غروب آفتاب کے قریب پڑھی جائے گی؛ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ آفتاب کے غروب سے قبل اصفرار کا وقت بھی مکروہ ہے؛ لہٰذا وقت مکروہ سے پہلے نماز پڑھی جائے گی، زُلفًا، چوں کہ یہ جمع کا صیغہ ہے؛ اس لئے رات میں تین ایسے وقت ہونا چاہئے، جس میں نماز قائم کی جائے؛ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک ایک مغرب ہے، دوسرے عشاء، اور تیسرے وتر ہے، وتر کی نماز آپ ﷺ کے فرمان'' ان اللہ امدکم بصلاۃ ھی خیر لکم من حمر النعم'' کی بنیاد پر بہت موکد یعنی واجب ہے، اگر وتر کو واجب نہ مانا جائے تو ''زلف'' کے صیغہ جمع کی رعایت نہ ہوگی اور رات کے تین حصوں میں واجب نمازیں واقع نہیں ہوں گی، لہٰذا اس آیت سے حنفیہ کے وجوب وتر کے مسئلہ کی بھی تائید ہوتی ہے (ایضاح البخاری ص:۳۷۶، ج:۳)

''طرفی النھار'' کی تشریح میں ایک قول یہ بھی ہے کہ صبح وشام کے دونوں کنارے مراد ہیں، صبح کی نماز فجر ہے، اور شام کی نماز ظہر اور عصر ہیں، اس لیے کہ زوال کے بعد سے جو وقت شروع ہوتا ہے اس کو شام کا وقت کہا جاتا ہے، اسی طرح رات کے ایک حصہ سے مغرب وعشاء کی نماز کی طرف اشارہ ہے، اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان پانچوں نمازوں کو فرض قرار دیا گیا ہے، ان کی ادائیگی سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں۔ (خلاصہ مرقات ص:۱۱۱رج:۲)

حدیث نمبر ۵۲۲ ﴿گناہوں کی معافی کا اعلان﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۶۷

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَيَّ قَالَ وَلَمْ يَسْأَلْهُ عَنْهُ وَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ اَوْ حَدَّكَ . (متفق عليه)

حوالہ: بخاری ص: ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ج: ۲ / باب إذا اقر بالحدو لم يبين الخ، كتاب المحاربين، مسلم ص: ۳۵۹، ج: ۲ باب قوله تعالىٰ ''إن الحسنات يذهبن السيآت'' كتاب التوبة .

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول مجھ سے ایسا فعل سرزد ہوگیا ہے، جس پر حد واجب ہے، لہٰذا آپ مجھ پر حد جاری فرمادیجئے، راوی کا بیان ہے کہ آپ نے اس سے کچھ بھی دریافت نہیں کیا، اتنے میں نماز کا وقت آگیا، اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے تو وہ شخص کھڑا ہوا اور پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے ایسا فعل سرزد ہوگیا ہے، جو حد کو واجب کرنے والا ہے، لہٰذا آپ ﷺ میرے

بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ فرمایئے، آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم نے میرے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟" وہ شخص بولا جی ہاں پڑھی ہے، آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے تمہاری غلطی معاف فرمادی ہے، یا یہ فرمایا کہ اللہ نے تمہاری حد بخش دی ہے۔" (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابیؓ سے کوئی گناہ صغیرہ سرزد ہوگیا؛ لیکن مقام صحابیت جیسے عظیم مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے، ان کو اپنے اس گناہ پر اتنی ندامت اور اللہ تعالیٰ کا اتنا زیادہ خوف تھا کہ انہوں نے حضور ﷺ سے اس گناہ کا اس انداز سے تذکرہ کیا، گویا کہ ان سے کوئی جرم عظیم سرزد ہوگیا ہو، آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ان کے گناہ پر مطلع کردیا گیا تھا؛ لہٰذا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا گناہ نماز کے ذریعہ سے زائل ہوگیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح حدًا ، حد اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزا کو کہتے ہیں، مثلاً چوری کی حد ہاتھ کاٹنا ہے، ولم یسال آپ نے ان صحابی سے ان کے گناہ کی نوعیت دریافت نہیں فرمائی۔

اشکال: آپ ﷺ نے گناہ کی نوعیت جانے بغیر بخشے جانے کا حکم کیوں صادر فرمایا؟

جواب: اس شخص کے گناہ کی نوعیت نیز اس کا بخشا جانا آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا تھا، آپ ﷺ نے اس سے ان صحابی کو مطلع فرمادیا: فَان اللّٰہ قدغفرلك ذنبك ، حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کی برکت کی وجہ سے ان کا گناہ معاف ہوگیا۔

اشکال: حد کو واجب کرنے والا عمل گناہ کبیرہ ہوتا ہے، آپ ﷺ نے گناہ کبیرہ کے بارے میں کیسے فرمادیا کہ وہ نماز سے معاف ہوگیا، گناہ کبیرہ تو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا؟

جواب: (۱) صحابیؓ سے جو فعل سرزد ہوا تھا وہ گناہ کبیرہ نہیں تھا؛ بلکہ گناہ صغیرہ تھا، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نماز سے معاف ہوگیا (۲) وہ گناہ کبیرہ ہی تھا؛ لیکن آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کی عظمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بغیر توبہ کے معاف کردیا، دوسروں کے ساتھ نماز پڑھنے کی یہ شان نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہ آپ کی خصوصیت تھی (۳) وہ صحابیؓ اپنے گناہ پر نادم ہوکر، اپنے اوپر حد جاری کرانے کے لیے حاضر ہوگئے، اور یہی توبہ ہے؛ لہٰذا آپ ﷺ نے صرف نماز پر بشارت نہیں دی؛ بلکہ ندامت اور صلاۃ کے مجموعہ پر بشارت دی۔

اشکال: مذکورہ بالا تین جوابوں میں سے پہلے جواب پر یہ اشکال ہے کہ، جب صحابیؓ سے صغیرہ گناہ سرزد ہوا تھا، تو انہوں نے یہ کیوں کہا؟ "اصبت حدًا" (یعنی میں حد کا مستوجب ہوگیا ہوں) حد تو گناہ کبیرہ پر جاری ہوتی ہے؟

جواب: حقیقت یہی ہے کہ ان سے صغیرہ گناہ سرزد ہوا تھا، جو کہ حد کو واجب کرنے والا نہیں تھا؛ لیکن انہوں نے اپنے گمان سے یہ سمجھا کہ یہ حد کو واجب کرنے والا عمل ہے؛ لہٰذا "اصبت حدًا" کہا، یا پھر حد سے "تعزیر" مراد تھی، اور صحابیؓ رسول ﷺ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوگیا ہے، اس پر آپ ﷺ جو سزا دینا چاہیں دے دیں۔

حدیث نمبر ۵۲۳ ﴿اللہ تعالیٰ کی نظروں میں پسندیدہ اعمال﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۶۸

وَعن ابنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحبُّ اِلَی اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوۃُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِهِنَّ وَلَوِاسْتَزَدْتُهٗ لَزَادَنِیْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۷۶/۷۵، ج: ۱، باب فضل الصلاۃ لوقتھا، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۲۷، مسلم ص: ۶۲، ج: ۱/ باب بیان کون الإیمان باللّٰہ تعالی، کتاب الإیمان.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک کونسا عمل سب سے زیادہ

محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا'' میں نے کہا اس کے بعد کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا'' میں نے کہا کہ اس کے بعد کونسا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا'' ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ''آپ نے یہ باتیں مجھ سے بیان کیں اور اگر میں اس سے زیادہ پوچھتا تو آپ ﷺ اور زیادہ بیان فرماتے۔(بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین چیزوں کے متعلق ترتیب وار اللہ کے نزدیک محبوب ہونے اور افضل الاعمال ہونے کی نسبت خبر دی ہے، ایمان کے بعد سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے، نماز میں بنیادی چیز خشوع و خضوع ہے، جس میں جتنی خشوع وخضوع کی صفت ہوگی، وہ اتنا ہی اوقات صلات کی پابندی کرنے والا ہوگا، دوسرے درجہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے، قرآن مجید میں بہت سے مواقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے معا بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک بھی وہی شخص کرے گا جس میں تواضع وانکساری کی صفت ہوگی۔ تیسرے درجہ میں سب سے پسندیدہ عمل اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے، اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی غرض سے جان ومال کی قربانی وہی شخص کرسکتا ہے، جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہو اور اس کا مطیع وفرماں بردار ہو۔

اخیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں کچھ اور چیزوں کے متعلق دریافت کرتا، تو آپ ﷺ مزید کچھ ارشاد فرماتے؛ لیکن میں نے اس سے زیادہ معلوم نہیں کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح حدیث کا یہ جز ان لوگوں کی دلیل ہے، جو کہتے ہیں کہ شہادتین کے بعد سب سے افضل عبادت نماز ہے، حدیث کے اس جز کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو اس کے مناسب وقت میں ادا کرنا چاہیے، نماز کا مناسب وقت کیا ہے؟ اس سلسلے میں روایات متعارض ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنا چاہئے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نمازوں میں تاخیر مستحب ہے، احناف ان روایات میں یوں تطبیق دیتے ہیں کہ اول سے مطلق اول وقت مراد نہیں ہے؛ بلکہ وقت مستحب کا اول مراد ہے، مزید تفصیل اپنے موقعہ پر آئے گی۔

سوال: آپ ﷺ سے کئی مرتبہ احب الاعمال اور افضل الاعمال کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے؛ لیکن آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف جواب دیے ہیں، اختلاف جواب کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اختلاف جواب کی کئی وجہیں ہیں (۱) مخاطبین کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے جواب میں اختلاف ہے، اگر کسی کی نماز میں کوتاہی دیکھی تو اس کے لیے "الصلاۃ لوقتھا" کو افضل الاعمال فرمایا، کسی کے متعلق حق والدین کے حوالے سے کوتاہی معلوم ہوئی تو اس کے بارے میں "برّ الوالدین" کو افضل الاعمال قرار دیا (۲) کبھی جوابات میں اختلاف حالات اور زمانے کے اعتبار سے ہوتا ہے، جس زمانے میں فقر وفاقہ اور قحط تھا، اس زمانے میں مسکینوں کو کھانا کھلانے کو افضل الاعمال قرار دیا۔ اس کے علاوہ بھی جوابات ہیں، سابقہ احادیث میں بھی کچھ جوابات گذر چکے ہیں مزید تحقیق کے لئے دیکھئے۔ (مرقات ص:۱۱۳ ج:۲ فتح الباری ص:۴۰۴ ج:۲)

قلت ثم ای، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "ثم" تراخی رتبہ کے لئے ہے، تراخی زمان کے لیے نہیں ہے، یعنی نماز کے بعد افضل عمل کون ہے، اس کے بابت دریافت کیا۔ بر الوالدین، والدین کے ساتھ حسن سلوک بہت افضل عمل ہے، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس نے پانچوں وقت کی نمازیں پڑھیں، اور پھر ہر نماز کے بعد والدین کے لیے مغفرت کی دعاء کی تو اس نے اللہ تعالیٰ اور والدین دونوں کا حق ادا کیا۔ (مرقات حوالہ بالا)

☆☆☆

حدیث نمبر ۵۲٤ ﴿ترک صلوة کفر کا سبب ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵٦٩

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم شريف ص: ٦١، ج: ١/ باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، كتاب الإيمان

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا نماز کا چھوڑنا بندے اور کفر کے درمیان ہے۔(مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز ایک بہت اہم عبادت ہے اور اس کا ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے جو شخص نما کو ترک کرتا ہے، وہ کفر کے قریب پہونچ جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح بين العبد وبين الكفر اس جملہ کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ جس نے نماز ترک کردی وہ کافر ہوگیا؛ لیکن اکثر علماء نے اس طرح کی احادیث کی مختلف توجیہات کی ہیں، جن میں سے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔(۱) یہ حقیقت پر محمول نہیں؛ بلکہ وعید وتہدید مراد ہے۔(۲) یہاں کفر کی حدود کے قریب پہونچنا مراد ہے، حقیقی کافر ہونا مراد نہیں ہے۔(۳) کفر لغوی مراد ہے یعنی اس نے ناشکری کی۔ مزید تحقیق کے لئے دیکھئے۔(فتح الملہم ص:۲۴۵،۲۴٦،ج:۱)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۵۲۵ ﴿تارک صلاة کو عذاب دیا جائے گا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۷۰

عن عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْئَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَآءَ غَفَرَلَهُ وَاِنْ شَآءَ عَذَّبَهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهُ.

حواله: مسنداحمد ص: ٣١٧، ج: ٥/ابوداؤد ص: ٦١، ج: ١/باب في المحافظة على وقت الصلوة كتاب الصلاة موطا امام مالك ص: ٤٣، باب الامر بالوتر كتاب صلاة الليل حديث نمبر ١٤، نسائی ص: ج: باب المحافظة على الصلوات الخمس حديث نمبر ٤٦٠.

ترجمه: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہیں، جس شخص نے ان نمازوں کیلئے اچھی طرح وضو کیا اور ان نمازوں کو ان کے وقت پر پڑھا، اور ان کے رکوع اور ان کے خشوع کو پورا کیا، تو اس شخص کے لئے اللہ کا عہد ہے کہ اس کو معاف فرمادیگا، اور جس شخص نے ایسا نہیں کیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد نہیں ہے، چاہے گا تو اس کو بخش دیگا اور اگر چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا۔(احمد، ابوداؤد) اور مالک ونسائی نے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز ادا کرنے سے پہلے اچھی طرح وضو کرنا چاہئے اور اچھی طرح وضو یہ ہے کہ وضوء کے فرائض وسنن اور آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے وضو کرنے کے بعد خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرنا چاہئے جو شخص ایسا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من احسن وضوء هن یعنی وضو کو اس کے فرائض وسنن کی رعایت کے ساتھ ادا کیا، وصلاهُنَّ لوقتهِنَّ، یعنی نمازوں کو ان کے پسندیدہ ومستحب وقت میں ادا کیا جائے۔

صلاۃ خمسہ کے اوقات مستحب : فجر اور عصر میں جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ تعجیل کے قائل ہیں، جب کہ امام ابوحنیفہ ان دونوں میں تاخیر کو پسند کرتے ہیں، صلاۃ ظہر میں سردی کے زمانے میں تعجیل اور گرمی کے زمانے میں تاخیر پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، امام شافعیؒ کے یہاں تاخیر کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کو کسی دوسرے موقع پر ذکر کیا جائے گا، نمازِ عشاء کے بارے میں اقوال مختلف ہیں، حنفیہ کے یہاں دو قول ہیں (۱) مطلقاً تاخیر اولی ہے (۲) جاڑے میں تاخیر اولی ہے اور گرمی میں تعجیل اولی ہے، امام شافعیؒ کے یہاں تعجیل اولی ہے، مغرب کی نماز میں ائمہ تعجیل کے استحباب پر متفق ہیں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

اَنْ یُغفرلَہٗ ، نماز سے گناہ صغیرہ بالاتفاق معاف ہوجاتے ہیں، حضرت شیخ زکریاؒ نے لکھا ہے کہ نماز سے صغیرہ وکبیرہ دونوں معاف ہوجاتے ہیں، صغیرہ کا معاف ہونا تو بالکل واضح ہے، اس وجہ سے کہ فرمانِ الٰہی "ان الحسنات یذھبن السیّاٰتِ" اور کبیرہ اس لئے معاف ہوجاتے ہیں کہ نماز میں توبہ واستغفار بھی داخل ہے اور توبہ سے گناہِ کبیرہ معاف ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

اِن شاء غفرلہٗ، اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا تارک حقیقتاً کافر نہیں اور جن احادیث میں تارکِ صلاۃ کو کافر کہا گیا ہے، ان کی مناسب تاویل کی جائیگی، جیسے کہ گذشتہ احادیث میں تاویل کی گئی ہے۔ حدیث نمبر ۵۲۳ دیکھئے۔

اِن شاءَ عَذَّبَہٗ، مرتکب کبیرہ کو عذاب دینا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے، اس جزء سے مرتکب کبیرہ کے سلسلے میں معتزلہ اور خوارج کے نظریے کی بھرپور تردید ہوگئی، مزید تفصیل کے لئے ص: ۳۴، ج: ۱ر کی طرف رجوع کیا جائے۔

حدیث نمبر ۵۲۶ ﴿جنت میں جانے کا راستہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۷۱

وعن اَبِی اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلُّوْاخَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَھْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکَاۃَ اَمْوَالِکُمْ وَاَطِیْعُوْا ذَا اَمْرِکُمْ تَدْخُلُوْاجَنَّۃَ رَبِّکُمْ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرمِذِیُّ۔

حوالہ: مسنداحمد ص: ۲۵۱، ج: ۵/ترمذی ص: ۱۳۳، ج: ۱، باب فضل الصلاۃ کتاب الجمعہ، حدیث نمبر ۶۱۶

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اپنی پنج وقتہ نمازیں ادا کرو، اپنے مہینے کے روزے رکھا کرو، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو، اور اپنے ذی امر لوگوں کی اطاعت کرتے رہو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاوگے۔ (احمد، ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی ہے، کہ جو شخص پنج وقتہ نمازوں رمضان المبارک کے روزوں اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر مداومت اختیار کرتا ہے، نیز امیر کی اطاعت کو لازم پکڑتا ہے، تو وہ جنت میں داخل ہوجاتا ہے، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ مذکورہ چاروں امور کی ادائیگی میں ذرہ، برابر کوتاہی نہ کرے، کیونکہ ان امور میں کوتاہی کا مطلب اپنے آپ کو جنت سے دور کرکے عذاب کا مستحق بنانا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح شھرکم، رمضان کا مہینہ مراد ہے، اَدُّوا زکوۃ اموالکم، یعنی جن اموال کے تم مالک ہو اس میں سے ادا کرو، آپ ﷺ نے زکوۃ اموالکم، فرمایا "زکوتکم" نہیں فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زکوۃ مطلقاً واجب نہیں ہوتی ہے، بلکہ ایسے مالِ نامی کے ساتھ معلق ہے جو کہ نصاب تک پہونچ رہا ہو، نیز اس بات کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ مال کی زکوۃ نفس پر بہت دشوار ہوتی ہے، اس لئے کہ انسان طبعی طور پر مال کا دلدادہ ہوتا ہے، اور کسی چیز سے محبت کے باوجود اس کو راہِ خدا میں خرچ کرنا، بہت افضل عمل ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی مدح کرتے ہوئے فرمایا ہے، "واٰتی المال علی حبہ" (مرقات ص: ۱۱۵، ج: ۲ر)

سوال: زکوٰۃ کو صوم سے موخر کیوں ذکر کیا؟

جواب: روزہ پہلے فرض ہوا اور زکوٰۃ بعد میں فرض ہوئی اسی وجہ سے پہلے روزے کو پھر زکوٰۃ کو ذکر کیا ہے۔

سوال: قرآنی آیات اور احادیث میں روزے اور زکوٰۃ کو عام طور سے ساتھ میں کیوں ذکر کیا جاتا ہے؟

جواب: روزہ جسمانی عبادات میں سب سے افضل عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادات میں سب سے افضل عبادت ہے، یہ دونوں اپنے اعتبار سے افضل عبادات ہیں، اس مناسبت کی وجہ سے ان کو ساتھ میں ذکر کیا جاتا ہے۔

واطیعوا اذا اَمرکم، اس سے خلیفۃ المسلمین، بادشاہ اور ان کے علاوہ دیگر امراء مراد ہیں، یا پھر اس سے علماء مراد ہیں، نیز وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں، جو مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی معاملات کے منتظم ہوتے ہیں۔

جنۃ ربکم، عمل کے مقابلہ میں ثواب رکھا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان بیع منعقد ہو جائے، یہی مضمون اللہ تعالیٰ کے فرمان "ان اللّٰہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم الخ" میں مذکور ہے، حاصل یہ ہے جو لوگ مذکورہ بالا اعمال پر مواظبت کریں گے، ان کو اللہ تعالیٰ بغیر عذاب دیے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

حدیث نمبر ۵۲۷ ﴿بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم کرنا ضروری ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۷۲/۵۷۳

وعن عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَكَذَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۷۱، ج: ۱/باب متی یؤمرُ الغلام بالصلاۃ، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۴۹۵، بغوی فی شرح السنہ ص: ۴۰۶، ج: ۲/ باب الصلاۃ فی مرابض الغنم و أعطان الابلِ، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۵۰۵

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں، تو اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں، تو انکو نماز چھوڑنے پر مارو، اور انکے بستر الگ الگ کر دو، (ابوداؤد) شرح السنہ میں بھی اس روایت کو عمرو بن شعیب سے اور مصابیح میں سبرہ بن معبد سے نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اولیاء کو اپنے بچوں کی تربیت کے حوالے سے تین بہت اہم حکم دیے گئے ہیں۔ (۱) اپنے بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز کی تاکید کرو، نماز کی ادائیگی کا طریقہ اس کے ارکان، واجبات، وغیرہ سکھاؤ (۲) اگر بچہ دس سال کی عمر کے بعد نماز نہ پڑھے، تو اس کو تادیباً مارو پیٹو، یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اگر کوئی شخص بلوغ کے بعد نماز ترک کرے گا، تو اس کو بھی حاکم ماریگا، لیکن یہ مارنا زجراً تعزیراً ہوگا، بچوں کو ان کے اولیاء جو ماریں گے وہ تادیباً ہوگا (۳) دس سال کی عمر کے بعد خواہ وہ آپس میں کتنا ہی قریبی تعلق ورشتہ رکھتے ہوں، ایک بستر پر سونے نہ دو، تاکہ بچہ جنسی بے راہ روی کا شکار نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح مروا اولادکم، بچوں کے اولیاء یعنی باپ، دادا، وغیرہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نابالغ بچوں کو نماز اور اس کے متعلق شرائط کا حکم کیا کریں، اولاد میں مذکر و مؤنث دونوں طرح کے بچے شامل ہیں۔

اشکال: ایک حدیث ہے "رُفع القلم عن ثلاثۃ عن المجنون حتی یَبْرأو عن النائم حتی یستیقظ و عن الصبی حتّٰی یحتلم" (ابوداؤد) اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے غیر مکلف ہے، تو پھر بچے کو حدیث باب میں نماز کا مکلف کیوں بنایا گیا ہے؟

جواب: حدیث باب میں "امر بالصلاۃ" کے مخاطب اولیاء صبی ہیں یعنی بچوں کے اولیاء ہیں خود بچے مخاطب نہیں ہیں، کیونکہ وہ تو غیر مکلف ہیں لہٰذا حدیث باب کے ذریعے سے بچوں کا مامور من الشارع ہونا لازم نہیں آیا البتہ وہ مامور من الاولیاء ہیں۔

سوال: جب بچوں پر نماز فرض نہیں ہیں، تو پھر اولیاء کو یہ حکم کیوں دیا گیا ہے کہ وہ بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم کریں؟

جواب: نماز بہت اہم عبادت ہے اور اہم شیٔ کی تیاری پہلے سے کی جاتی ہے، بچوں پر بلوغ کے بعد نماز فرض ہوتا ہے، لہٰذا صبی نابالغ کو اس کے والدین نماز پڑھنے کا حکم کرینگے؛ تاکہ اس کی عادت بنی رہے اور بالغ ہونے کے بعد بچے کو نماز کی ادائیگی میں دقت پیش نہ آئے، اگر بلوغ سے پہلے وہ نماز نہیں پڑھے گا تو بلوغ کے بعد بھی نماز کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگی۔

ابناء سبع سنین، جب بچہ سات سال کا ہو، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اولیاء اس کو نماز کا حکم کریں، اس حدیث میں سات سال کا ذکر ہے، ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں "اذا عرف یمینه من شماله الخ" کے الفاظ ہیں، یعنی جب بچہ اس عمر میں داخل ہو جائے کہ وہ دائیں بائیں میں تمیز کرنے لگے، تو اس کو نماز کا حکم کیا جائے، چونکہ عام طور پر سات سال کا بچہ دائیں کو بائیں سے تمیز کر لیتا ہے، اس وجہ سے اس حدیث میں آپ ﷺ نے سات سال کا تذکرہ فرمایا ہے، اگر بالفرض کوئی بچہ سات سال کی عمر میں پہونچنے کے بعد بھی دائیں بائیں میں تمیز نہ کر پاتا ہو، تو اس بچہ کو نماز کا حکم نہیں کیا جائیگا۔

عشر سنین اس جملہ کی شرح میں دو قول ہیں، (۱) جب بچہ دسویں سال میں داخل ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مارا جائے (۲) جب بچہ مکمل دس سال کا ہو جائے اور نماز ترک کرے تو پٹائی کی جائے، چونکہ دس سال کا بچہ قریب البلوغ ہوتا ہے اور اس میں مار برداشت کرنے کی طاقت بھی آجاتی ہے، اس لیے اولیاء کو مارنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن بہت زیادہ مارنا یا زخمی کرنا درست نہیں ہے۔

وفرقوا بینهم فی المضاجع، دس سال کی عمر کے بچوں کے بستر الگ کر دینا چاہئے، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ غیر مستور ہو کر دو بچے ایک بستر پر نہ سوئیں اگر مستور ہو کر دو بچے ایک بستر یا ایک چادر میں سوتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، لیکن اولیٰ یہی ہے کہ دو بچوں کا دس سال بعد خواہ وہ سگے بھائی بہن یا دو سگے بھائی ہی کیوں نہ ہوں بستر الگ کر دینا چاہئے، کیونکہ اس عمر میں جنسی جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ یہ مباحث مرقات ص: ۱۱۵، ۱۱۶، نیز الدر المنضود سے مستفاد ہیں۔

حدیث باب سے شوافع کا اپنے مذہب پر استدلال: بعض شوافع نے حدیث باب سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر بالغ نماز کو ترک کر دے تو اس کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ یہ بات معقولی ہے کہ بالغ کی سزا نابالغ کی سزا سے زائد ہونا چاہئے، حدیث باب میں نابالغ تارکِ صلاۃ کی سزا "ضرب" بیان کی گئی ہے، لہٰذا بالغ تارکِ صلاۃ کی سزا لامحالہ ضرب سے زائد ہوگی اور ضرب سے بڑھ کر سزا "قتل" ہی ہو سکتی ہے لہٰذا بالغ تارک صلاۃ کو قتل کیا جائے گا۔ (تلخیص عون المعبود ص: ۱۱۵، ج: ۲/ر)

شوافع کے استدلال کا جواب: امام صاحب کے نزدیک تارک صلاۃ عامداً کو مارا جائیگا، قید کیا جائیگا، لیکن قتل نہیں کیا جائیگا، کیونکہ ایک حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قصاص، زنا اور ارتداد کے علاوہ کسی وجہ سے قتل جائز نہیں ہے؛ لہٰذا تارک صلاۃ عامداً کو بھی قتل نہیں کیا جائیگا اور جہاں تک بالغ کی نابالغ کے مقابلہ میں سزا کا تعلق ہے، تو وہ بالغ کو زیادہ دی جائے گی، اور اس سلسلے میں یہ کہنا کہ ضرب کے بعد درجہ قتل ہی کا ہے، صحیح نہیں، کیونکہ خود ضرب کے مختلف درجات ہیں جیسے ضرب مبرح غیر مبرح نیز ضرب مع الحبس وبدون الحبس وغیرہ وغیرہ۔

حدیث نمبر ۵۲۸ ﴿نماز کا تارک اپنے کو کافر قرار دیتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۷۴

وعن بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ

كَفَرَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: مسنداحمد ص:۳۳۶،ج:۵/ ترمذی ص:۹۰ج:۲/ باب ماجاء فی ترک الصلاۃ کتاب الایمان حدیث نمبر ۲۶۲۱، نسائی ص:۸۱،ج:۱/ باب الحکم فی تارک الصلاۃ کتاب الصلاۃ حدیث نمبر۴۶۲، ابن ماجه ص:۷۵ باب ماجاء فی من ترک الصلاۃ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۰۷۹.

ترجمه: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم میں اوران منافقوں میں جوعہد ہے وہ نماز کا ہے، پس جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا۔ (احمد ترمذی نسائی ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ نماز کا ترک کرنا بہت بڑا جرم ہے اور یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے، یہی وہ عبادت ہے جس کی ادائیگی کرنے کی وجہ سے منافق کو برملا کافر نہیں کہا جاتا ہے، اگر کوئی منافق نماز کو ترک کرتا ہے تو پھر اس کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح العهد، یعنی منافقین اور مسلمانوں کے درمیان جو عہد ہے وہ اس وقت تک ہے، جب تک منافقین نماز پڑھ رہے ہیں، کیونکہ منافق اعتقادی اگرچہ کافر ہوتا ہے، لیکن نماز پڑھنے اور جماعت میں شریک ہونے کی وجہ سے اس کے کفر پر پردہ پڑا رہتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے، لیکن جب اس نے نماز کو جان بوجھ کر ترک کرنا شروع کر دیا، تو گویا اس نے برملا اپنے کفر کا اعتراف کرلیا، لہٰذا اب اس کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کیا جائیگا، اس حدیث کی تائید آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہورہی ہے، جو کہ آپ نے اس وقت فرمایا جب کہ آپ ﷺ سے منافقین کے قتل کی اجازت چاہی گئی، آپ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا "الا إنی نهیتُ عن قتلِ المصلین،" (مرقات ص:۱۱۶،ج:۲/)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۵۲۹ ﴿نماز سے گناہ معاف ہوتے ہیں﴾ عالمی حدیث ۵۷۵

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي عَالَجْتُ امْرَأَةً فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَاِنِّي اَصَبْتُ مِنْهَا مَادُوْنَ اَنْ اَمَسَّهَا فَاَنَا هٰذَا فَاقْضِ فِيَّ مَاشِئْتَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ سَتَرَكَ اللّٰهُ لَوْ سَتَرْتَ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ وَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَامَ الرَّجُلُ فَانْطَلَقَ فَاَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً فَدَعَاهُ وَتَلاَ عَلَيْهِ هٰذِهِ الآيَةَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِيْنَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ يَانَبِيَّ اللّٰهِ هٰذَا لَهُ خَاصَّةً فَقَالَ بَلْ لِلنَّاسِ كَافَّةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم شریف ص:۳۵۸،ج:۲: باب قوله تعالیٰ "ان الحسنات یذ هبن السیاتِ کتاب التوبۃ حدیث نمبر۲۷۶۳

حل لغات: عالجتُ، الشیءَ مُعالَجَةً، وعِلاَجًا، کسی چیز کی مشق کرنا، بار بار کرنا، لگے رہنا، اقصیٰ دور دراز۔ ج، اقاصٍ.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں نے مدینے کے ایک دور دراز گوشے میں ایک عورت کا پیچھا کیا، اور میں نے اس سے سوائے جماع کے سب مزے لیے، اب میں یہاں آیا ہوں، آپ جو چاہئے میرے بارے میں فیصلہ فرما دیجئے، حضرت عمرؓ نے کہا اللہ تعالیٰ نے تیرے جرم پر پردہ ڈال دیا تھا اگر تو بھی اپنی اس بات پر پردہ ڈالے رکھتا (تو تیرے لیے بہتر ہوتا) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں نبی کریمؐ نے اس کی بات کا کچھ بھی جواب نہیں

دیا، حتی کہ وہ شخص کھڑا ہوا اور چلا گیا، پھر نبی کریم ﷺ نے اس کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور اس کو بلوایا اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے سامنے یہ آیت تلاوت کی "واقم الصلاۃ الخ" دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے ایک حصے میں نماز پابندی سے پڑھا کرو، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔ اس پر حاضرین میں سے ایک صاحب نے پوچھا اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ حکم خاص اسی شخص کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تو اس پر اصرار نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس پر ندامت ہونا چاہے اور جلد از جلد توبہ و استغفار کرنا چاہئے، کیونکہ توبہ و استغفار نیز افعال حسنہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اپنے گناہ کا لوگوں کے سامنے تذکرہ نہ کرنا چاہئے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ستار ہے، جب اس نے گناہ پر پردہ ڈالدیا، تو پھر گناہ کے افشاء سے کوئی فائدہ نہیں، بلکہ بسا اوقات گناہ کا افشاء گناہ کے فروغ کا سبب بن جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح عالجت إمراۃً، میں نے ایک عورت کو چمٹالیا اور اس سے بوس وکنار ہوا، مادون ان اَمَسَّھا، بسا اوقات "مس" سے جماع مراد ہوتا ہے یہاں صحابی کا مقصد یہ ہے کہ میں نے جماع نہیں کیا، اس کے علاوہ دیگر طریقوں سے اجنبیہ سے لطف اندوز ہوا۔

فاقضِ فِیَّ ماشئت یعنی میں اپنے گناہ پر شرمندہ ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں، آپ ﷺ جو مناسب سزا سمجھیں دے دیں۔

لوسترتَ علی نفسك، اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ اگر کسی شخص سے مذکورہ بالا گناہ یا اس کے مثل کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کیلئے لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے اس گناہ سے حاکم کو مطلع کرے، ہاں اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنا لازم ہے (تکملہ فتح الملہم ص:۳۱۰، ج:۶)

علامہ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے اس قسم کی جو حدیث نمبر ۵۲۰ پیچھے پہلی فصل میں گذری ہے، وہ کسی اور صاحب کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہے، اور یہاں جو واقعہ مذکور ہوا وہ کسی دوسرے صاحب کا ہے، پہلے صاحب کے بارے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی تھی، جب یہی واقعہ دوسرے صاحب کو پیش آیا تو آپ ﷺ نے سند کے طور پر وہی آیت تلاوت فرمائی۔ فقال رجلٌ، حضرت عمرؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل میں سے کسی ایک نے کہا۔ ھذا له خاصَّةً، یہ حکم صرف سائل کے ساتھ خاص ہے، یا یہ حکم تمام لوگوں کے لئے ہے۔ بل للناس کافةً یہ حکم تمام لوگوں کے لئے عام ہے، کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیونکہ نزول آیت کے سبب میں عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، خصوصِ سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ (مرقات ص:۱۱۷، ج:۲)

حدیث نمبر ۵۳۰ ﴿نماز سے گناہ پتوں کی طرح جھڑتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۷۶

وَعَنْ اَبِی ذَرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَھافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ شَجَرَۃٍ قَالَ فَجَعَلَ ذَالِكَ الْوَرَقُ یَتَھافَتُ قَالَ فَقَالَ یَااَبَاذَرٍ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوۃَ یُرِیْدُ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ فَتَھافَتَ عَنْہُ ذُنُوْبُہٗ کَمَا یَتَھافَتُ ھٰذَا الْوَرَقُ عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ رَوَاہُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص:۱۷۹، ج:۵/

حل لغات: یَتَھافَتُ (باب تفاعل سے) ٹوٹ کر گرنا، غصنین غُصْنٌ کا تثنیہ ہے، ج غُصُوْنٌ وَاَغْصَانٌ، ٹہنی، شاخ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جاڑے کے دنوں میں جب کہ پتوں کے جھڑنے کا وقت تھا

باہر نکلے اور ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑلیں، حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں تو پتے جھڑنے لگے، حضرت ابوذر نے کہا کہ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں، آپ نے فرمایا بلاشبہ مسلمان بندہ جب نماز پڑھتا ہے، درانحالیکہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہے، تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں، جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص نماز کو جیسا کہ اس کا حق ہے اسی طرح ادا کرتا ہے یعنی اس میں کسی قسم کی ریاکاری شہرت اور عجب وغرور کا دخل نہیں ہوتا بلکہ صرف اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے، تو ایسے شخص کے گناہ زائل ہو جاتے ہیں اور یہ گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح خرجَ زمنَ الشتاء، جاڑے کا موسم مراد ہے، یا جاڑے کے قریب خزاں (پت جھڑ) کا موسم مراد ہے فاخذ بغصنینِ حضور ﷺ دو ٹہنیوں کو ہلایا تو پتے جھڑنے لگے۔

سوال: حضور ﷺ بغیر اجازت دوسرے کے درخت کے پتے کیوں گرائے؟

جواب: وہ درخت خود حضور ﷺ کی ملکیت میں تھا، یا کسی ایسے شخص کا تھا جن کی رضامندی حضور ﷺ کو حاصل تھی (مرقات ص:۱۱۷، ج:۲)

ورق، حضور ﷺ کے ہلانے سے پتے کثرت سے جھڑنے لگے، لبیك، آپ کی اطاعت کیلئے حاضر ہوں، إن العبد المسلم، مسلمان بندہ جب نماز کو اس کے جملہ شرائط وآداب کے ساتھ ادا کرتا ہے، کسی قسم کی ریاکاری کا دخل نہیں ہوتا، عن هذه الشجرة، اس سے مراد درخت کی شاخیں ہیں، یعنی جس طرح اس درخت کی شاخوں سے پتے جھڑ رہے ہیں اسی طرح نمازی کے گناہ جھڑتے ہیں۔

حدیث نمبر ۵۳۱ ﴿نماز میں غفلت نہ کرنا چاھئیے﴾ عالمی حدیث ۵۷۷

وعن زَيْدِبْنِ خالدِنِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى سَجْدَتَيْنِ لَايَسْهُوْفِيْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسنداحمد ص: ۱۹٤، ج:۵

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دو رکعت نماز پڑھی درانحالیکہ ان دونوں میں بھولا نہیں، اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہوں کو معاف فرمادیگا۔ (مسنداحمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، نماز میں کسی قسم کی غفلت اور عجلت سے کام نہ لینا چاہئے، جو شخص اس طرح نماز ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں، لایسهو فیهما یعنی دونوں سجدوں میں کسی قسم کی غفلت نہیں کرنا، حضور قلب کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے، یا ایسے طور پر عبادت کرتا ہے گویا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں (مرقات ص:۱۱۹ ج:۲) یہاں سجدے کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واسجدو اقترب" ماتقدم من ذنبه، نماز سے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۵۳۲ ﴿نماز قیامت کے دن نجات کا ذریعہ ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۷۸

وعن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ العَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ذَكَرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهٗ نُوْرًا وَلَابُرْهَانًا وَلَا نَجَاةً وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

حوالہ: مسند احمد ص:۱۶۹، ج:۲/ دارمی ص:۲۹۱،۲۹۰، ج:۲م باب فی المحافظة علی الصلاة، کتاب الرقاق بیهقی ص:۴۶، ج:۲.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے نماز کا تذکرہ فرمایا، پھر آپ نے فرمایا جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے، تو نماز اس کے لئے نور، دلیل اور قیامت کے دن ذریعۂ نجات بن جاتا ہے اور جو شخص نماز کی پابندی نہیں کرتا، تو نماز اس کے لئے نہ تو نور بنتی ہے، نہ دلیل بنتی ہے اور نہ ذریعۂ نجات بنتی ہے، اور وہ شخص قیامت کے دن قارون فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (احمد، دارمی، بیہقی فی شعب الایمان)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز کی پابندی کرنا چاہئے، جو شخص نماز کی اسکے جملہ شرائط وارکان وآداب کی رعایت کرتے ہوئے مواظبت کریگا، اس کا انجام نیک لوگوں کیساتھ ہوگا، نماز قبر سے لے کر میدانِ حشر تک اس کی اعانت کرے گی، اور ہر منزل پر اس کیلئے معاون بنے گی، اس کے برخلاف جو شخص نماز ترک کریگا اس کا حشر کافروں وفاجروں کے ساتھ ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح ذکر الصلاة، نبی کریم ﷺ نے نماز کی فضیلت اور اسکے مقام ومرتبے کا ذکر فرمایا، من حافظ علیها، نماز کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ نماز مداومت کے ساتھ پڑھی جائے، اس کو جملہ شرائط وآداب کے ساتھ بلاناغہ، وقت پر ادا کیا جائے، جو شخص اس طور پر نماز ادا کرتا ہے اس کو محافظت صلاۃ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

یوم القیامة، قیامت کے دن ہر شخص سے سب سے پہلے نماز کے بارے باز پرس ہوگی، ایسے میں جو شخص پابندی کے ساتھ نماز ادا کرتا رہا ہوگا، تو نماز اس کے لئے ذریعہ نجات بن جائے گی، اسی طرح نماز قبر میں بھی روشنی، رہنمائی اور نجات کا ذریعہ ہوگی، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے جو شخص مرا، تو اس کے مرتے ہی اس کی قیامت قائم ہوگئی۔

ومن لم یحافظ، یعنی جو شخص نماز کے ارکان، اس کی شرائط کی پوری رعایت نہیں کرتا، اس کے لئے آگے آنے والی وعید ہے یہیں سے معلوم ہوا کہ جو شخص بالکلیہ نماز ترک کرتا ہے وہ تو اور بڑا بدبخت ہے۔

وکان یوم القیامة، نماز سے غفلت کرنے والے لوگوں کا حشر اور ان کا عذاب فرعون وہامان وقارون وغیرہ کے ساتھ ہوگا۔ ان بدبختوں کے ساتھ تارک صلاۃ کا حشر ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ تارک صلاۃ کافر ہے، کیونکہ دونوں طرح کے لوگوں کے عذاب میں فرق ہوگا، فرعون وغیرہ کا عذاب ہمیشہ ہمیش کیلئے ہوگا، اور برائے اہانت ہوگا، جب کہ تارکِ صلاۃ کا عذاب ہمیشہ ہمیش کیلئے نہیں ہوگا، بلکہ گناہ کے بقدر عذاب دینے کے بعد اس کو جہنم سے رہائی مل جائیگی، اور یہ عذاب برائے اہانت نہیں ہوگا بلکہ برائے تطہیر وتذکیر ہوگا۔

غیر نمازی کا انجام فرعون وہامان کے ساتھ ہوگا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ نماز کی پابندی کرنے والے کا انجام، نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔ (مرقات ص:۱۱۸، ج:۲/)

حدیث نمبر ۵۳۳ ﴿سب سے بڑا گناہ نماز کا ترک کرنا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۷۹

وعن عبد اللهِ بنِ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ أَصْحابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلَاةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص:۹۰، ج:۲/ باب ماجاء فی ترک الصلاة، کتاب الایمان حدیث نمبر ۲۶۶۲

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیقؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نماز کے چھوڑنے کے علاوہ کسی بھی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک نماز کا چھوڑنا بہت بڑا جرم تھا، یہ ایسا بڑا گناہ تھا جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ کفر کے قریب پہنچانے والا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا یرون، یعنی صحابہ اعتقاد نہیں رکھتے تھے غیر الصلاۃ، نماز کا استثناء کیا ہے اور مستثنیٰ منہ وہ ضمیر ہے جو "شیئ" کی طرف راجع ہے، نماز کو حصر کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صحابہ کے نزدیک نماز کا ترک کرنا سب سے بڑا جرم اور کفر کے قریب کرنے والا عمل ہے۔ (مرقات ص:۱۱۹، ج:۲/ر)

حدیث نمبر ۵۲۴ ﴿نماز کا ترک کرنا اسلامی عہد سے نکلنا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۰

وعن اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِی خَلِیْلِی اَنْ لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلاَةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْبَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرِبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ رواهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجه ص: ۳۰۱، باب الصبر علي البلاء، كتاب الفتن، حديث نمبر ۴۰۳۴

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ میرے خلیل محمد (ﷺ) نے مجھ کو وصیت کی کہ تم اللہ کے ساتھ ذرہ برابر شرک نہ کرنا، اگرچہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں، اور تم جلادیے جاؤ، نماز جان بوجھ کر مت چھوڑو؛ کیونکہ جس شخص نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی، اس سے ذمہ اٹھ گیا، اور شراب مت پیو، اس لئے کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے حضرت ابودرداءؓ کو تین بیش قیمت نصیحتیں کی ہیں، (۱) شرک ہرگز نہ کرنا، خواہ کچھ بھی ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ مشرک کو قیامت کے دن ہرگز معاف نہیں فرمائینگے (۲) نماز ہرگز نہ ترک کرنا؛ کیونکہ نماز کے ترک کی وجہ سے آدمی کفر کے قریب پہونچ جاتا ہے (۳) شراب کے قریب نہ بھٹکنا، اس وجہ سے کہ شراب پینے کے بعد آدمی بھلے اور برے کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی برے عمل کو انجام دینے میں ذرہ برابر شرم و عار محسوس نہیں کرتا۔

کلمات حدیث کی تشریح باللّٰہ شیئاً، نہ زبان سے شرک کرو، نہ دل سے شرک کرو، مجبوری کی حالت میں اگرچہ زبان سے شرک جائز ہے؛ لیکن افضل یہی ہے کہ جان دے دی جائے اور زبان سے بھی شرک نہ کیا جائے۔

اشکال: حالت اضطراب میں کلمۂ کفر کہنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو، تو پھر حضور ﷺ نے حضرت ابوالدرداءؓ کو یہ حکم کیوں دیا کہ تم قتل ہو جانا، جل جانا لیکن شرک نہ کرنا؟

جواب: (۱) یہ حضرت ابودرداءؓ کی خصوصیت تھی کہ ان کو حالتِ اضطرار میں بھی زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی اجازت نہیں دی گئی، (۲) یہاں دل میں عقیدہ کفر قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور یہ حالت اضطرار میں بھی جائز نہیں۔ (۳) عزیمت یہی ہے کہ جان دے دی جائے اور زبان سے کلمۂ کفر نہ کہا جائے، حضرت ابودرداءؓ کو عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

صلاۃً مکتوبۃً، نماز اُم العبادات اور برائیوں سے روکنے والی ہے؛ اس لئے اس کا ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ متعمداً، غلطی سے، یا بھول کر، یا سونے، یا کسی شرعی ضرورت، یا قدرت نہ ہونے کی بناء پر نماز ترک کیا، تو اس کا حکم وہ نہیں ہے جو حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ یہ شخص ایک درجہ میں معذور ہے، اور معذور کی شریعت میں رعایت کی جاتی ہے۔

فقد برئت منہ، تارکِ صلاۃ عامداً نے اپنا عہد توڑ دیا، لہٰذا دین اس سے بری ہو گیا اور وہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا، آپ ﷺ کا یہ فرمان بطور تہدید ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حقیقتاً اسلام سے خارج ہو گیا، یا پھر یہ مطلب ہے کہ نماز چھوڑ دینے کی

وجہ سے اسلام کی امان اس سے اٹھ گئی، نماز پڑھنے کی صورت میں جو امن، تحفظ نیز اللہ کی رحمت ونصرت کا وعدہ تھا وہ اب نہیں رہا۔ فانھا مفتاح کل شرٍ، شراب ام الخبائث ہے اور ہر برائی کی جڑ ہے، اس سے آدمی کی عقل زائل ہو جاتی ہے، اس کے بعد اس سے ہر طرح کی برائیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے شراب کو آپ ﷺ نے ہر برائی کی کنجی قرار دیا ہے۔

باب المواقیت

﴿نماز کے اوقات کا بیان﴾

مواقیت: یہ میقات کی جمع ہے، بمعنی وقت متعین، بعض لوگوں نے کہا کہ میقات اور وقت دونوں مرادف لفظ ہیں، بمعنی زمانہ کی مقدار اور وقت کی جمع قلت اوقات، اور جمع کثرت وقوت آتی ہے، اور بعض نے کہا کہ مطلق زمانہ کو وقت کہا جاتا ہے اور جس میں کوئی عمل مقرر کیا جائے اس کو میقات کہا جاتا ہے تمام امت کا اسی پر اجماع ہے کہ ہر نماز کا وقت متعین ہے جس پر آیت قرآنی ''ان الصلاۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتاً'' دال ہے۔

اس باب میں نمازوں کے مطلق اوقات اور مستحب اوقات دونوں طرح کے وقتوں کا بیان ہے، احادیث کے ذیل میں تفصیل سے ہر نماز کے حقیقی اور مستحب دنوں طرح کے اوقات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور جن مسئلوں میں ائمہ کا اختلاف ہے ان کو دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، لہذا یہاں اعادہ کی قطعاً حاجت نہیں ہے۔ تین اوقات میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

(۱): آفتاب نکلنے کے وقت (۲) استواء الشمس کے وقت یعنی ٹھیک دوپہر کے وقت جب سورج بیچ آسمان میں ہوتا ہے۔ (۳) غروب شمس کے وقت، لیکن اگر اس دن کی عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے، اور سورج غروب ہونے کے وقت پڑھ رہا ہے، تو کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی۔

اوقات صلاۃ کی حکمت سے متعلق رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ میں بہت قیمتی بحث ہے، تفصیل وہیں دیکھی جائے، مختصراً یہاں ذکر کرتے ہیں۔

دو نمازوں کے بیچ میں فاصلہ نہ تو بہت زیادہ ہونا چاہئے نہ بہت کم، بہت زیادہ فصل کا نقصان یہ ہے کہ نمازوں کی نگہداشت کا حکم بے معنی ہو جائے گا، اور سابقہ نماز سے اللہ تعالیٰ کی یاد جو دل میں پیدا ہوئی تھی بندہ اس کو بھول جائے گا، یہ دنیا بھول نگری ہے، کچھ وقت کے بعد آدمی بہت بھول جاتا ہے اور بہت کم فصل ہونے کا نقصان یہ ہے کہ لوگوں کو کاروبار کا وقت نہیں ملے گا، حالانکہ نمازوں کے درمیان میں بھی اس کا کچھ نہ کچھ وقت ملنا چاہئے، اور نمازوں کی حد بندی ایسے معتد بہ وقت کے ذریعہ کرنی چاہئے جو واضح اور محسوس ہو، جس کو عام وخاص لوگ جان سکتے ہوں۔

پس نمازوں کے اوقات کی تشکیل اس طرح کی گئی ہے کہ رات کا وقت آرام کیلئے اور صبح کا وقت کاروبار کیلئے خالی رکھا گیا، اور زوال کے بعد سے رات چھانے تک کا وقت اوّلاً دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، ایک شام کا وقت یعنی زوال سے سورج غروب ہونے تک کا وقت دوسرا غروب کے بعد سے رات تک کا وقت، پھر ہر ایک کو دو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا، اور ہر حصہ میں ایک نماز رکھی گئی، زوال کے بعد پہلے تین گھنٹوں میں ظہر اور اسکے بعد کے تین گھنٹوں میں عصر، اور غروب کے بعد مغرب پھر اسکے بعد عشاء اور صبح تڑکے فجر کی نماز رکھی گئی، اور آرام و کاروبار کے اوقات کے درمیان میں تہجد اور چاشت کی نمازیں بطور استحباب رکھی گئیں۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ص: ۲۹۷ تا ۲۹۹ ج سوم)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۵۳۵ ﴿اوقات صلاۃ کی تعیین﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۱

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَالَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ مَالَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْأَوْسَطِ وَوَقْتُ صَلَاةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَأَمْسِكْ عَنِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص: ۲۲۳ ج: ۱ باب اوقات الصلوات الخمس، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۱۲

حل لغات: **اَلْقَرْنُ**، سینگ، انسان اور شیطان کے سر کا کنارہ، ج قُرُوْنٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ظہر کا وقت زوال شمس کے بعد ہے اور تب تک رہتا ہے جب تک کہ آدمی کا سایہ اس کے طول کے برابر نہ ہو جائے اور جب تک کہ عصر کا وقت نہ آ جائے، عصر کا وقت اس وقت تک ہے، جب تک کہ آفتاب زرد نہ ہو جائے، اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے، جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے، اور نماز عشاء کا وقت ٹھیک آدھی رات تک ہے، اور نماز فجر کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور جب تک کہ سورج نہ نکل آئے فجر کا وقت رہتا ہے، اور جب سورج نکل آئے تو نماز سے باز رہو؛ کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ (مسلم)

کلمات حدیث کی تشریح

وقت الظهر، یہاں سے آپ ﷺ ظہر کے وقت کو بیان کر رہے ہیں۔

سوال: دن بھر میں پانچ نمازیں فرض ہیں، ان میں ترتیب کے اعتبار سے سب سے پہلا نمبر ''نماز فجر'' کا ہے، تو پھر اوقاتِ صلاۃ کے بیان میں سب سے پہلے ''ظہر'' کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: حضرت جبرئیل جب آپ ﷺ کے پاس نماز کے اوقات بتانے کی غرض سے تشریف لائے، تو سب سے پہلے ظہر کی نماز پڑھائی، اسی بنا پر آپ ﷺ نے ظہر کا تذکرہ سب سے پہلے کیا ہے۔

وقت ظهر اور اختلاف ائمه: اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وقت ظہر کی ابتدا زوال شمس کے معاً بعد ہے؛ البتہ انتہائے وقت ظہر میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف دو طرح کا ہے۔ (۱) ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک ہے یا نہیں؟ (۲) ظہر کا انتہائے وقت مثل اول ہے یا مثلین؟ دونوں مسئلوں کو ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ اولیٰ کی وضاحت

امام مالکؒ کا مذهب: مثل اول کے بعد چار رکعت کے بقدر وقت ظہر اور عصر کے درمیان مشترک ہے، اس وقت میں اگر ظہر کی نماز ادا کی جائے تو وہ ادا شمار ہوگی، قضاء نہیں ہوگی، اور اسی وقت میں اگر عصر ادا کی جائے تو عصر کی نماز کی ادائیگی بھی درست ہوگی۔

دلیل: امامت جبرئیل والی حدیث، امام مالکؒ کی دلیل ہے؛ کیوں کہ اس میں پہلے دن کی عصر کے بارے میں یہ لفظ ہیں، ''حین صار ظل کل شیء مثله'' اور دوسرے دن کی ظہر کے بارے میں بھی یہی لفظ ہیں، ''حین کان ظله مثله'' اس سے معلوم ہوا کہ پہلے دن کی عصر اور دوسرے دن کی ظہر ایک ہی وقت میں ادا ہوئی۔

جمهور کا مذهب: جمہور علماء فقہاء کے نزدیک ظہر اور عصر کے درمیان وقت مشترک نہیں ہے۔

... جمہور کی دلیل حدیث باب ہے، اس میں آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ فرمایا'' مالم یحضر العصر '' یعنی ظہر کا وقت اسی

وقت ختم ہوتا ہے، جب عصر کا شروع ہوتا ہے، ظہر کے وقت کا ختم ہونا عصر کے وقت کے شروع ہونے پر موقوف؛ لہٰذا دونوں کے درمیان وقت مشترک ہونا ناممکن ہے۔

مالکیہ کی دلیل کا جواب: امام مالکؒ نے جو حدیث جبرئیلؑ پیش کی ہے، وہ بعد کی ان احادیث سے منسوخ ہے، جن میں آپ ﷺ نے تفصیل کے ساتھ اوقاتِ صلاۃ کا ذکر فرمایا ہے، یا پھر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دن کی عصر کی ابتداء مثل اول پر ہوئی اور دوسرے دن کی ظہر کی انتہاء مثل اول پر ہوئی یعنی مثل اول کے قریب ہوئی۔

مسئلہ ثانیہ کی وضاحت

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کی مشہور اور ظاہر روایت کے مطابق ظہر کا وقت مثلین تک ہے اور عصر کا وقت مثلین کے بعد شروع ہوتا ہے۔

دلیل: اذا اشتد الحرّ فابردوا بالصلوٰۃ، عرب میں ابراد مثل اول کے بعد ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت مثل اوّل کے بعد بھی رہتا ہے۔

جمہور کا مذہب: ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل تک باقی رہتا ہے، ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

جمہور کی دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا" **وقت الظهر إذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله مالم يحضر العصر**" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔

جواب: حدیث باب اس جزء میں منسوخ ہے، یا پھر بیان اولیت پر محمول ہے، ناسخ "ابراد" والی روایات ہیں۔

(نوٹ): حنفیہ کے یہاں فتوی صاحبین کے قول پر ہے، احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل سایہ ہونے سے پہلے ادا کرلی جائے، اور عصر مثلین کے بعد پڑھی جائے تاکہ نماز بالاجماع ہوجائے، بعض لوگوں نے امام صاحبؒ کا صاحبین کے قول کی طرف رجوع نقل کیا ہے۔ (البحر الرائق ص:۲۴۵، ج:۱)

وقت العصر، یہاں سے آپ ﷺ عصر کے وقت کی وضاحت فرمارہے ہیں۔

وقت عصر اور مذاہب ائمہ: ابتدائے وقت میں وہی اختلاف ہے، جو انتہائے وقت ظہر میں ہے، ائمہ ثلاثہ وغیرہ کے نزدیک مثل اول کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، جب کہ امام اعظمؒ کے نزدیک مثلین کے بعد وقت عصر شروع ہوتا ہے، ابتداءِ عصر کا اختلاف انتہائے ظہر پر موقوف ہے اور انتہائے ظہر کے حوالہ سے دلائل گذر چکے ہیں؛ لہٰذا اعادہ کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ البتہ انتہائے عصر کے وقت میں کچھ اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: انتہائے عصر جمہور کے نزدیک غروب شمس پر ہے؛ البتہ اصفرار شمس سے پہلے تک وقت مستحب ہے، پھر جائز مع الکراہت ہے؛ مگر فی نفسہ سارا وقت جواز کے حکم میں ہے۔

دلیل: (۱) "**ومن ادرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد ادرك العصر**" (۲) "**وقت العصر مالم تغرب الشمس**"

حسن بن زیاد کا مذہب: عصر کا وقت اصفرار شمس پر ختم ہوجاتا ہے، اس مذہب کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف بھی کی جاتی ہے۔

دلیل: ان حضرات کا استدلال وہ روایات ہیں جن میں آپؐ نے فرمایا" **وقت العصر مالم تصفر الشمس**"

جواب: یہ روایات استحباب پر محمول ہیں؛ یعنی عصر کا مستحب وقت یہ ہے کہ نماز عصر اصفرار شمس سے پہلے ادا کرلی جائے۔ اگرچہ اس کا حقیقی وقت کہ جس میں نماز ادا کرنے کی گنجائش رہتی ہے، غروب شمس تک ہے۔

وقت صلاة المغرب: یہاں سے آپ مغرب کی نماز کے وقت کو بیان فرمارہے ہیں۔

وقت مغرب اور اختلاف ائمه: مغرب کے وقت کی ابتدا بالاتفاق غروب شمس کے معا بعد ہے، لیکن مغرب کے انتہائے وقت کے بارے میں دو طرح کا اختلاف ہے، جس کی بنا پر یہاں دو مسئلے وضاحت طلب ہیں۔

مسئلہ اولیٰ کی وضاحت: مغرب کی نماز کا وقت وسیع ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: مغرب کا وقت غروبِ شفق تک وسیع ہے۔

دلیل: (۱) حدیث باب ہے، اس میں صاف طور پر آپ ﷺ نے فرمایا" **مالم يغيب الشفق**" (۲) حضرت بریدہؓ کی حدیث ہے، "**وصلى المغرب قبل ان يغيب الشفق**"

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ و امام مالکؒ ایک قول کے مطابق مغرب کا وقت صرف وضو اور تین یا پانچ رکعت کے بقدر ہے، اس کے بعد مغرب قضا ہو جائے گی، تو گویا ان کے یہاں مغرب کا وقت ضیق ہوا۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل امامتِ جبرئیلؑ والی حدیث ہے؛ کیوں کہ اس میں دونوں دنوں میں ایک ہی وقت میں نمازِ مغرب پڑھائی گئی، حالاں کہ حضرت جبرئیلؑ دوسرے دن انتہائے وقت کو بیان کرنے آئے تھے، معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت وسیع نہیں ہے۔

جواب: (۱) حدیث جبرئیلؑ منسوخ ہے، (۲) یہ افضل پر محمول ہے۔

مسئلہ ثانیہ کی وضاحت: مغرب کا وقت غروبِ شفق تک ہے؛ لیکن پھر شفق کی تفسیر میں دو مذاہب ہیں۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک شفق ابیض مراد ہے، جو کہ غروب شفق احمر کے بعد افق پر پھیلتی ہے،

دلیل: حضرت جابرؓ کی روایت ہے، "**ثم أذن العشاء حين ذهب بياض النهار وهو الشفق ثم امره فاقام الصلوٰة فصلى**" اس روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ شفق سے سفیدی مراد ہے،

جمہور کا مذہب: ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ کے نزدیک شفق سے احمر مراد ہے، جو غروب شمس کے بعد افق پر پھیلتی ہے۔

دلیل: **عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "الشفق الحمرة فاذا غاب الشفق وجبت الصلاة"** اس روایت میں صراحت ہے کہ شفق سے شفق احمر مراد ہے۔

جواب: یہ حدیث عبد اللہ بن عمرؓ پر موقوف ہے، لہٰذا اس کو مرفوع روایت کے مقابل میں پیش کر کے اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ (فتح القدیر ص: ۱۹۶، ج: ۱)

(نوٹ): بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ امام صاحبؒ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا ہے، لہٰذا وقت مغرب شفق احمر کے غروب تک ہی ہے، احتیاط اس میں ہے کہ مغرب کو شفق احمر کے غروب سے پہلے ادا کر لیا جائے، اور عشاء کو شفق ابیض کے غائب ہونے کے بعد ادا کیا جائے۔

وقت صلاة العشاء: آپ ﷺ یہاں سے عشاء کے وقت کی وضاحت فرمارہے ہیں۔

وقت عشاء اور مذاہب ائمه: ابتدائے وقت عشاء میں وہی اختلاف ہے، جس کی تفصیل انتہائے وقت مغرب کے تحت گذر چکی، امام صاحبؒ کے نزدیک شفق ابیض کے غائب ہونے کے بعد وقت عشاء شروع ہوتا ہے، دیگر ائمہ کے نزدیک شفق احمر کے غروب کے بعد وقت عشاء کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ انتہائے وقت عشاء میں بھی کچھ اختلاف ہے۔

امام صاحب کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک وقت عشاء صبح صادق کے طلوع تک ہے،

دلیل : (ا) حدیث عائشہؓ "قالت اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ حتی ذھب عامۃ اللیل وحتی نام اھل المسجد ثم خرج فصلی بھم" (مسلم) (۲) حضرت ابوہریرہؓ سے حضرت عبید بن جریجؒ نے پوچھا "ما افراط حد صلاۃ العشاء" جواب دیا "طلوع الفجر" (طحاوی) ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کا وقت طلوع فجر تک باقی رہتا ہے، البتہ ثلث لیل تک کی تاخیر مستحب ہے، اور نصف لیل تک کی تاخیر جائز بلا کراہت ہے اور طلوع فجر تک تاخیر جائز مع الکراہت ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعی کے ایک قول میں عشاء کا وقت نصف لیل تک اور ایک قول کے مطابق ثلث لیل ہے۔

دلیل ثلث لیل کی دلیل حدیث جبرئیلؑ ہے، جس میں الفاظ ہیں "وصلی بی العشاء الی ثلث اللیل" نصف لیل کی دلیل ترمذی کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں۔ "وانّ آخر وقتھا حین ینتصف اللیل"

جواب: ثلث لیل پر دلالت کرنے والی روایت میں وقت استحباب کا بیان ہے، اور نصف لیل کو عشاء کا آخیر وقت بتانے والی روایات کا مطلب یہ ہے کہ بلا کراہت عشاء کی نماز کا آخیر وقت نصف لیل تک ہے اور اس کے بعد عشاء کی نماز کا وقت ہے؛ لیکن کراہت کے ساتھ ہے، اس توجیہ کے بعد یہ روایت ہمارے مخالف نہ ہوں گی، بلکہ ہمارے موافق ہوں گی۔

وقت صلاۃ الصبح : یہاں سے آپ ﷺ فجر کے وقت کی وضاحت فرما رہے ہیں۔

وقت فجر اور مذاہب ائمہ : بعض لوگ نقل کرتے ہیں کہ وقت فجر بالاتفاق طلوع صبح صادق سے شروع ہو کر طلوع شمس تک رہتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن کچھ لوگ تھوڑا سا اختلاف نقل کرتے ہیں۔

امام صاحب کا مذہب : امام صاحبؒ کے نزدیک انتہائے وقت فجر طلوع شمس تک ہے۔

دلیل : (ا) حدیث باب ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "وقت صلاۃ الصبح من طلوع الفجر مالم تطلع الشمس الخ" (۲) من أدرك ركعة من الصبح قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصبح" ان احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز کا وقت طلوع شمس تک ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب : ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کا وقت اسفار تک ہے۔

دلیل : حضرت جبرئیلؑ نے دوسرے دن نماز اسفار تک پڑھائی، حدیث کے الفاظ ہیں "وصلی بی الفجر فاسفر" اور حضرت جبرئیل کی دوسرے دن آمد کا مقصد انتہائے وقت کا بیان تھا، معلوم ہوا کہ اسفار کے بعد نماز فجر درست نہیں ہے۔

جواب : (ا) یہ افضل وقت پر محمول ہے۔ (۲) یہ حدیث منسوخ ہے۔

فانھا تطلع بین قرنی الشیطان: اس جملے کی مختلف تشریحات کی گئیں ہیں۔ (ا) شیطان کی دو جماعتیں مراد ہیں، جن کو شیطان طلوع وغروب کے وقت لوگوں کے پاس ان کو گمراہ کرنے کیلئے بھیجتا ہے (۲) طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت شیطان سورج کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے، کیوں سورج کی پوجا کرنے والے ان اوقات میں سورج کی پوجا کرتے ہیں، سورج کے ساتھ شیطان اپنا سجدہ کروا کر خوش ہوتا ہے، اس وجہ سے آپ نے فرمایا ان اوقات میں عبادت نہ کرو۔ مزید تحقیق کیلئے دیکھئے۔ (فتح الملہم ص:۱۹۶، ج:۲)

حدیث نمبر ۵۳۶ ﴿پنج وقتہ نمازوں کے اوقات کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۲

وعن بُرَيدَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بَلَالًا فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ

غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهٗ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِیْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا اَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِي اَمَرَهٗ فَاَبْرِدْ بِالظُّهْرِ فَاَبْرَدَ بِهَا فَاَنْعَمَ اَنْ يُبْرِدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ اٰخَرَهَا فَوْقَ الَّذِيْ كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَمَاذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَايَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَارَاَيْتُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص:۲۲۳، ج:۱/ باب اوقات الصلوات الخمس، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۱۳۔

ترجمہ: بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے نماز کے وقت کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تم ان دودنوں میں ہمارے ساتھ نمازیں پڑھو، پھر آپ ﷺ نے جونہی سورج ڈھلا حضرت بلالؓ کو حکم دیا، چنانچہ حضرت بلالؓ نے اذان دی، پھر آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا، چنانچہ انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی، پھر آپ ﷺ نے ان کو (بلالؓ) حکم دیا اور انہوں نے عصر کی نماز کھڑی کی، درانحالیکہ سورج اس وقت بلند صاف چمکدار تھا، پھر جیسے ہی سورج غروب ہوا، آپ ﷺ نے حضر بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے مغرب کی نماز کھڑی کی، پھر شفق کے غائب ہوتے ہی آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا؛ چنانچہ انہوں نے عشاء کی نماز کھڑی کی اور پھر جب کہ فجر طلوع ہوئی آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا؛ چنانچہ انہوں نے فجر کی نماز کھڑی کی، پھر جب دوسرا دن آیا، آپ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ ظہر کو ٹھنڈا کریں؛ چنانچہ انہوں نے ظہر کو ٹھنڈا کیا اور بہت ٹھنڈا کیا، پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ سورج بلند تھا، عصر کی نماز اس سے بھی زیادہ دیر کر کے پڑھی جتنی دیر کر کے کل پڑھی تھی، اور مغرب کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے پڑھی، اور عشاء کی نماز تہائی رات گزرنے کے بعد پڑھی، اور فجر کی نماز پڑھی، اس وقت صبح صادق کی روشنی خوب پھیل گئی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا نماز کے وقت کے بارے میں دریافت کرنے والا کہاں ہے، وہ شخص بولا اے اللہ کے رسول میں حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری نماز کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھی ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک سائل نے نماز کے اوقات کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے عملی طور پر اس کو نماز کے اوقات کی تفصیل بتائی، چنانچہ آپ نے ایک دن ہر نماز کو اس کے شروع وقت میں اور دوسرے دن ہر نماز کو اس کے آخیر وقت میں ادا کیا، اس کے بعد سائل کو بتایا کہ دیکھو شروع اور آخیر کے درمیان جو وقت ہے اس پورے وقت میں تم نماز ادا کر سکتے ہو، اور یہی ہر نماز کا مستحب وقت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلِّ معنا هٰذَيْنِ یعنی تم دو دن ہمارے ساتھ نماز پڑھو، تاکہ ہر نماز کا شروع اور آخیر وقت، نیز مستحب اور مختار دونوں طرح کا وقت تم کو معلوم ہو جائے اور یہ علم مشاہدہ ہوگا، جو کہ سننے سے زیادہ قوی ہوتا ہے

امر بلالاً، بلال کو اذان کا حکم کیا۔ ثم بلال کو اقامت یعنی تکبیر کہنے کا حکم کیا، یہاں پر "ثم" کے ذریعہ عطف ہے، مقصد اس بات کو بتانا ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان تھوڑا توقف کرنا چاہئے، تاکہ لوگ جمع ہو جائیں۔

فاقام الظهر، ظہر کی تکبیر کہی، ثم امره فاقام العصر، آپ ﷺ نے عصر کے ابتدائی وقت میں بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ عصر کی نماز کے لیے تکبیر کے کلمات کہیں۔

سوال: عصر کی نماز اسی طرح دیگر نمازوں کے لئے حضور ﷺ نے بلالؓ کو اذان کا حکم کیوں نہیں دیا؟

جواب: احادیث میں صرف ظہر کے وقت اذان کا ذکر آیا ہے، دیگر نمازوں کے ساتھ اذان کا ذکر نہیں آیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب

پہلی مرتبہ اذان کا ذکر آ گیا، تو بعد کی نمازوں میں اذان خود بخود شامل ہوگئی، یہ بہت آسان بات ہے جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، اسی بناء پر ہر نماز کے ساتھ صراحتاً اذان کا ذکر نہیں کیا۔

بیضاء، عصر کی نماز کیوقت سورج بالکل سفید تھا زردی اسمیں نہیں تھی، قام المغرب، جب سورج کا غروب متحقق ہوگیا، اسوقت مغرب کی نماز کیلئے تکبیر کہی۔ حین طلع الفجر، فجر کی نماز کیلئے صبح صادق کیوقت تکبیر کہی۔ اخرھا فوق الذی کان، عصر کی نماز پہلے دن جتنی تاخیر کر کے پڑھی تھی دوسرے دن اس سے زیادہ تاخیر کر کے پڑھی، یعنی جب ہر چیز کا سایہ دومثل ہوگیا اسکے بعد نماز پڑھی۔

وصلی المغرب قبل ان یغیب، مغرب کی نماز کو اس کے آخیر وقت میں پڑھا، یہ حدیث امام مالکؒ وشافعیؒ کے خلاف حجت ہے، جو کہتے ہیں مغرب کا وقت تنگ ہے وسیع نہیں ہے، مذاہب ودلائل کے لئے گذشتہ حدیث نمبر ۵۳۵/ دیکھئے۔

وصلی العشاء، ثلث لیل گذرنے کے بعد عشاء کی نماز ادا کی، عشاء کا انتہاء وقت اگرچہ صبح صادق تک ہے، لیکن مستحب وقت ثلث لیل ہے اور نصف رات تک جائز بلا کراہت ہے، اس کے بعد سے صبح صادق تک جائز مع الکراہت ہے، اگر آخیر رات میں عشاء کی نماز ادا کی جائے، اور درمیان میں سویا نہ جائے تو تمام رات جاگنے کی وجہ سے مشقت میں پڑنا لازم آئیگا، اور اگر کچھ دیر سونے کے بعد نماز ادا کی جائے تو عشاء کی نماز سے پہلے سونے کی کراہت لازم آئے گی، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے دوسرے دن ثلث رات کے فوراً بعد نماز پڑھ لی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ثلث رات کے بعد عشاء کا وقت نہیں رہتا۔

وصلی الفجر فاسفر، دوسرے دن کی فجر اسفار میں واقع ہوئی، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن فجر میں اتنی تاخیر کی کہ فجر ثانی طلوع ہوگیا۔

وقت صلاتکم بین ما رایتم ان الفاظ سے آپ ﷺ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ تم لوگوں نے میرے ساتھ شروع وآخیر وقت میں دو دن نمازیں پڑھیں، اس سے تم کو ہر نماز کا اول وآخیر وقت معلوم ہوگیا، جو درمیانی وقت ہے، اس میں بھی تم نماز پڑھ سکتے ہو، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ اس حدیث میں جو آخیر وقت ہے، اس سے وقت مستحب کا آخیر مراد ہے، وقت جواز کا آخیر مراد نہیں، اس وجہ سے کہ ظہر کی نماز ابراد تام کے بعد جب تک کہ عصر کا وقت نہ آجائے جائز ہے، دوسرے دن کی عصر کی نماز میں آپ ﷺ نے جس قدر تاخیر فرمائی تھی، اس سے بھی زیادہ تاخیر کی گنجائش ہے، اس لئے کہ سورج غروب ہونے تک عصر کا وقت جواز ہے، اور مغرب کا وقت جواز اس وقت تک ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے اور عشاء کا وقت جواز اس وقت تک ہے جب تک کہ فجر طلوع نہ ہو جائے یعنی صبح صادق تک ہے، اور فجر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے۔ (تلخیص مرقات ص: ۱۲۱، ۱۲۲، ج: ۲ وفتح الملہم ص: ۱۹۶، ۱۹۷، ج: ۲)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۵۳۷ ﴿حضرت جبرئیلؑ کا حضورؐ کو نماز پڑھانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۳

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّنِیْ جِبْرِيْلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلّٰى بِیَ الظُّهْرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ قَدْرَ الشِّرَاكِ وَصَلّٰى بِیَ الْعَصْرَ حِيْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهُ وَصَلّٰى بِیَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِیَ الْعِشَآءِ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰى بِیَ الْفَجْرَ حِيْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلّٰى بِیَ الظُّهْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ وَصَلّٰى بِیَ الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَيْهِ وَصَلّٰى بِیَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰى بِیَ الْعِشَاءَ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلّٰى بِیَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ابو داؤد ص: ٥٦، ج: ١/ باب فی المواقیت، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ٣٩٣، ترمذی ص: ٣٨، ج: ١/ باب مواقیت الصلاۃ کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ١٤٩.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت جبرئیلؑ نے دوبار خانہ کعبہ کے قریب مجھے نماز پڑھائی مجھے ظہر کی نماز پڑھائی درانحالیکہ سورج کا سایہ تسمہ کے برابر تھا، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے مانند ہوگیا اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی، جب کہ روزے دار افطار کرتا ہے، اور مجھے عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہوگیا، اور فجر کی نماز مجھے اس وقت پڑھائی جب کھانا اور پینا روزے دار پر حرام ہوتا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جس وقت کہ اس کا سایہ ایک مثل (کے قریب) ہوا اور عصر کی نماز مجھ کو اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوگیا، اور مغرب کی نماز مجھے اس وقت پڑھائی جس وقت روزے دار افطار کرتا ہے، اور مجھے عشاء کی نماز ایک تہائی رات گذرنے پر پڑھائی، اور مجھے فجر کی نماز پڑھائی جب کہ روشنی اچھی طرح ہوگئی، پھر حضرت جبرئیلؑ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے محمد ﷺ! یہ وقت آپ سے پہلے نبیوں کا ہے۔ اور (ہر نماز کا) وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں حضرت جبرئیلؑ کی امامت کا تذکرہ ہے، حضرت جبرئیلؑ نے شب معراج کے بعد والے دن، ظہر کی نماز سے امامت کی ابتداء کی، اور انہوں نے دو دن میں دس نمازوں کی امامت فرمائی، اس واقعہ سے جہاں ایک طرف نماز کی اہمیت ثابت ہو رہی ہے، وہیں نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات پر ادا کرنے کی ضرورت بھی ثابت ہو رہی ہے۔

اللہ جل شانہ نے نماز کے اوقات کو عملی طور پر سکھانے کے لئے حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا، چنانچہ حضرت جبرئیلؑ نے دو دن امامت فرمائی، پہلے دن ہر نماز کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کیا، جب کہ دوسرے دن ہر نماز کو اس کے آخیر وقت میں ادا کیا۔ اور پھر یہ بتا دیا کہ ان دونوں کے درمیان جو وقت ہے، وہ ان نمازوں کا وقت مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

أَمَّنِيْ جبرئيل، حضرت جبرئیلؑ نے حضور ﷺ کو دو دن نماز پڑھائی، "مَرَّتَيْنِ" مراد دو دن ہیں دو دن نماز پڑھائی تاکہ نماز کی کیفیت اور ان کے اوقات کا اچھی طرح علم ہو جائے، عند البيت، سے مراد خانہ کعبہ ہے، اس لفظ سے ان لوگوں کی تردید ہوگئی جو کہ امامت جبرئیلؑ کے واقعہ کو مدنی قرار دیتے ہیں،

اشکال: حضور ﷺ افضل ہیں، جبرئیلؑ مفضول، پھر جبرئیل نے امامت کیوں کی، اور جبرئیل کی امامت کیوں کر صحیح ہوئی؟

جواب: (١) "أَمَّنِيْ" کے معنی امامت کرنے کے نہیں ہیں جس سے اشکال لازم آتا ہے، بلکہ معنی یہاں یہ ہے کہ جبرئیل نے مجھ کو امام بنایا اور جبرئیل مقتدی ہو کر لقمہ دیتے رہے، حاصل یہ ہے کہ امامت سے اصطلاحی امامت مراد نہیں ہے۔ (٢) یہاں حضرت جبرئیلؑ کے لئے فضیلت جزئیہ ثابت ہے، کیونکہ ان کو اوقات صلاۃ کا علم تھا اور آپ کو نہ تھا، اسی لحاظ سے حضرت جبرئیلؑ کو امام بنایا گیا ہے۔ (٣) مفضول کا امام بننا اور افضل کا مقتدی بننا جائز ہے، امامت مفضول للافضل سے نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے۔

اشکال: حنفیہ کے یہاں ضابطہ ہے کہ "اقتداء مفترض خلف المتنفل" جائز نہیں ہے، اور یہاں رسول اللہ ﷺ کی نماز فرض تھی، کیونکہ آپ ﷺ مکلف تھے، جب کہ جبرئیل کی نماز نفل تھی؛ کیونکہ وہ غیر مکلف تھے، تو یہ اقتدائے مفترض خلف المتنفل کیسے صحیح ہوئی؟

جواب: (١) جب تک آپ ﷺ کو نماز کی تعلیم جبرئیلؑ نے نہیں دی تھی، اس وقت تک نماز آپ پر فرض نہیں تھی، لہٰذا جبرئیل کی طرح

آپ بھی نفل ہی ادا فرمارہے تھے، ایسی صورت میں یہ اقتدائے متنفل خلف المتنفل ہوئی جو کہ صحیح ہے۔ (۲) جب جبرئیلؑ کو نماز کی تعلیم کا حکم ہوا تو وہ بھی نماز کے مکلف ہوئے، لہٰذا جبرئیل پر بھی نماز فرض ہوگئی تھی، اور وہ مامور من اللہ ہونے کی وجہ سے متنفل نہیں رہے تھے، اس صورت میں اقتدائے مفترض خلف المفترض ہوئی جو کہ صحیح ہے۔ (۳) یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے، اس وقت اقتدائے مفترض خلف المتنفل جائز تھی، بعد میں اس کو منسوخ کردیا گیا۔

اشکال: حضرت جبرئیل کی امامت کی کیا ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کے واسطے سے نماز کے اوقات کی زبانی تعلیم کیوں نہیں دی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ سے عملی تعلیم کو اس واسطے اختیار کیا کہ یہ اوقع فی الذہن ہوتی ہے۔

حین زالت الشمس: ظہر کی نماز میں تاخیر نہیں کی، بلکہ زوال شمس کے بعد فوراً پڑھی۔

و کان قدر الشراك: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اصلی جو نصف نہار کے وقت ہوتا ہے، جب اس میں شرقی جانب اضافہ شروع ہوجائے، تب ظہر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے، خواہ وہ اضافہ "شراك" کے بقدر ہی کیوں نہ ہو، "شراك" (جوتے کا تسمہ) سے مراد مقدار قلیل ہے، حاصل یہ نکلا کہ ظہر کی نماز پہلے دن اس وقت ہوئی جب کہ "سایہ اصلی" اتنا تھوڑا تھا کہ وہ نہ ہونے کے برابر تھا۔

وصلی بی العصر حین صار ظلُّ کل شیءٍ مثلهٗ: پہلے دن کی عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی یہ حدیث ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کی دلیل ہے، امام صاحب سے بھی اس سلسلے میں ایک روایت ہے جس کو حضرت گنگوہیؒ نے "الکوکب الدری" میں من حیث الدلیل راجح قرار دیا ہے۔

وصلّی بی العشاء حین غابَ الشفق: عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے بعد پڑھائی، صاحبین وغیرہ کے نزدیک شفق سے مراد شفق احمر ہے، جب کہ امام صاحب کے نزدیک شق ابیض مراد ہے، جو کہ شفق احمر کے بعد وجود میں آتا ہے، مزید تحقیق حدیث نمبر ۵۳۵ کے تحت دیکھئے۔

فلما کان الغد صلی بی الظهر حین کان ظلُّهٗ مثلهٗ: حدیث کے اسی جملہ سے استدلال کرتے ہوئے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ظہر اور عصر کے درمیان چار رکعت کے بقدر مشترک ہے، اس وقت میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں، اس وجہ سے کہ اس حدیث میں گذشتہ سطور میں مذکور ہوا کہ پہلے روز عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی، حدیث کے الفاظ ہیں "صارَ ظلُّ کلِ شیءٍ مثله" اور یہاں یہ کہا گیا ہے دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی، حدیث کے الفاظ ہیں "کان ظله مثله" معلوم ہوا کہ دونوں نمازوں کے لئے کچھ وقت مشترک ہے، جس میں دونوں نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں، جمہور وقت مشترک کے قائل نہیں ہیں، اس لئے جواب دیتے ہیں کہ پہلی جگہ مراد یہ ہے کہ عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھنی شروع کی اور دوسری جگہ مراد یہ ہے کہ ایک مثل پر ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے، ایک جگہ شروع کرنا مراد ہے، اور ایک جگہ فراغ مراد ہے، نیز یہاں مثل پر کا مطلب مثل کے قریب ہے، مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۵۳۵ دیکھیں۔ **فقال یامحمد**: حضرت جبرئیلؑ نے حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوکر ان کا نام لے کر پکارا۔

اشکال: قرآن مجید کی آیت ہے، "لاتجعلوا دعاءَ الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً" حضرت جبرئیلؑ کا آپ ﷺ کا نام لے کر پکارنا بظاہر اس آیت کے خلاف محسوس ہوتا ہے۔

جواب: (۱) ممکن ہے ملائکہ اس حکم کے مخاطب نہ ہوں (۲) یہ بھی ممکن ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول اس واقعہ کے بعد ہوا ہو۔

هذا وقت الانبیاء: اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صلاۃ خمسہ انبیاء سابقین اور سابقہ امتوں پر بھی فرض تھیں حالانکہ صلوات خمسہ گذشتہ کسی امت پر فرض نہیں تھیں۔ پھر انبیاء کا وقت کیوں قرار دیا گیا، اس کے متعلق بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ انبیاء کرام

علیہم السلام پر اگر چہ پانچ نمازیں فرض نہیں تھیں، لیکن وہ ان پانچوں اوقات میں نفل نمازیں پڑھتے رہے ہونگے، اسی وجہ ان اوقات کو وقت الانبیاء کہا گیا ہے، یا پھر یہاں ہذا کا اشارہ اوقات خمسہ کی طرف نہیں بلکہ اس سے پہلے جو وقت اسفار کا ذکر ہے، اس کی طرف اشارہ ہے اور اس وقت میں انبیاء سابقین بھی عبادت کرتے تھے۔ (بذل ص:۲۲۷، ج:۱/)

والوقت مابین الوقتین: اس جملہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو وقت ان دونوں کے درمیان ہے، اسی وقت میں نماز کی ادائیگی درست ہوگی، اس کے علاوہ میں درست نہیں ہوگی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وقت مستحب ان دونوں کے درمیان ہے، اصل میں ہر نماز کے دو حصے ہیں، ایک ابتدائی حصہ اور ایک آخری حصہ، حضرت جبرئیلؑ کی امامت سے ان دونوں حصوں کا وقت صلاۃ ہونا ثابت ہوگیا اور درمیان حصے کا وقت ہونا آپ ﷺ کے مذکورہ فرمان "والوقت مابین الوقتین" سے ثابت ہوا، چنانچہ بعض اوقات کا ثبوت قول سے ہوا اور بعض کا عمل سے۔ (یہ مباحث مرقات ص:۱۲۱، ۱۲۵، بذل المجہود اور الدر المنضود سے مستفاد ہیں)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۵۳۸ ﴿نماز کب پڑھنا افضل ہے؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸٤

عن ابنِ شِهَابٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ العَزِيْزِ اَخَّرَ العَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ اَمَا اِنَّ جِبْرِيْلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلّٰى اَمَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ اِعْلَمْ مَا تَقُوْلُ يَاعُرْوَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ بَشِيْرَبْنَ اَبِى مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ. سَمِعْتُ اَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَزَلَ جِبْرِئِيْلُ فَاَمَّنِيْ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحسَبُ بَاَصَابِعِهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ. (متفق عليه)

حواله : بخاری ص:٤٧٥، ج:١/ باب ذكر الملائكه كتاب بدء الخلق، حديث نمبر ٣٢٢١، مسلم شريف ص:٢٢١، ج:١/ باب اوقات الصلوات الخمس، كتاب المساجد و مواضع الصلاة حديث نمبر ٤١٠.

ترجمه : حضرت ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے عصر کی نماز میں کچھ تاخیر کی، تو ان سے حضرت عروہؓ نے کہا، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت جبرئیلؑ آسمان سے اترے اور رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھائی، حضرت عمر بن عبد العزیز نے عروہ سے کہا تم خوب سمجھ لو کیا کہہ رہے ہو اے عروہ!؟ اس کے بعد حضرت عروہ نے کہا کہ میں نے حضرت بشیر بن ابی مسعودؓ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابو مسعودؓ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت جبرئیلؑ آسمان سے اترے، تو انہوں نے مجھے نماز پڑھائی اور میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کیساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، اپنی انگلیوں پر پانچوں نمازیں گن کر بتائیں۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ کی طرف سے کوئی بات بیان کرنے میں پوری احتیاط سے کام لینا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ بے احتیاطی میں کوئی ایسی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کردیں جو حقیقتاً حضور ﷺ کا قول یا فعل نہ ہو اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نماز کو اگر کوئی مانع درپیش نہ ہوتو، ابتدائی اوقات میں ادا کرنا دیگر اوقات کے مقابلے میں افضل ہے

کلمات حدیث کی تشریح اَخَّرَ، عصر میں تھوڑی تاخیر کی، یہ بھی ممکن ہے کہ وقت مستحب سے تاخیر کی ہو اَمَا اَنَّ جبرئیل حضرت عروہ کا مقصد حضرت جبرئیل کی امامت والے واقعہ کو یاددلا کر حضرت عمر بن عبد العزیز کو تنبیہ کرنا تھا، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز کو اول وقت میں ادا کرنا افضل ہے، حضرت عروہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ آپ اول وقت کو چھوڑ کر فضیلت کو کیوں

فوت کررہے ہیں؟۔

اعلم ماتقول، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اول وقت کی فضیلت یا بیان وقت کا انکار نہیں کیا، کیونکہ یہ بات تو ہر ایک کے علم میں تھی، اصل میں عروہؒ نے نزول جبرئیل کی حدیث بلاسند بیان کی، اس بے احتیاطی پر ٹوکتے ہوئے عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا۔ "**اعلم ماتقول**" یعنی روایت کرنے میں احتیاط سے کام لو، حضرت عروہ کا علم وفضل بہت بلند تھا اور ان کا مقام ومرتبہ نمایاں تھا، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی نہایت متقی اور پرہیزگار اور بااصول شخص تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی احتیاط پسندی اور دینی حمیت کی بناء پر حضرت عروہؒ کی اس بے احتیاطی پر ان کو ٹوک دیا۔ **فقال سمعتُ**، یہاں سے عروہ اسی نزول جبرئیل والی حدیث کی سند ذکر کررہے ہیں۔ اور اس بات کی وضاحت کررہے ہیں کہ میں نے جو روایت کی ہے وہ بلاسند نہیں ہے۔ **نزل جبریل**، نزول اور امامت جبرئیل نیز اوقات صلاۃ کی تفصیل کا سب کو علم تھا، اس لئے اس کو اختصار سے ذکر کیا۔ تفصیل حدیث نمبر ۵۲۷ رمیں گذرچکی ہے۔

حدیث نمبر ۵۳۹ ﴿نماز کے اوقات کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا مکتوب﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۵

وعن عُمَرَ بْنِ الْخطّابِ اَنَّهُ كَتَبَ اِلٰی عُمَّالِهِ اَنَّ اَهَمَّ اُمُورِكُمْ عِنْدِیَ الصَّلاةُ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهُ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ ثُمَّ كَتَبَ اَنْ صَلُّوْا الظُّهْرَاِنْ كَانَ الْفَیْءُ ذراعاً اِلیٰ اَنْ يَكُوْنَ ظِلُّ اَحدِكُمْ مِثْلَهُ والعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرتَفِعَةٌ بَيْضاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَمَايَسِيْرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ اَوْثَلاثَةً قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ وَالْمَغرِبَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ اِلٰی ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَّامَ فَلاَ نَامَتْ عَيْنُهُ فَمَنْ نَامَ فَلاَ نَامَتْ عَيْنُهُ فَمَنْ نَامَ فَلاَ نَامَتْ عَيْنُهُ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُوْمُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا امام مالک ص: ۳، باب وقوت الصلاۃ، کتاب وقوت الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے عمال کو لکھا، کہ تمہارے کاموں میں میرے نزدیک سب سے اہم کام نماز ہے، جس نے نماز کی محافظت کی اور اس کی نگہبانی کی اس نے دین کی محافظت کی، اور جس نے نماز کو ضائع کیا، تو وہ نماز کے علاوہ دوسرے دینی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہے، پھر لکھا کہ ظہر کی نماز اس وقت پر پڑھو جب سایۂ زوال ایک گز ہو، یہاں تک کہ وہ ایک مثل ہوجائے اور عصر اس وقت پڑھو جب سورج بلند، صاف اور سفید ہو، اور اس قدر دن باقی ہو کہ سوار دو فرسخ یا تین فرسخ (چھ یا نو میل) سورج غروب ہونے سے پہلے سفر طے کرلے، اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھو جب کہ سورج غروب ہو، اور عشاء کی نماز اس وقت پڑھو جب کہ شفق غائب ہوجائے، ایک تہائی رات گزرنے تک، تو جو شخص پہلے سوگیا خدا کرے اس کی آنکھیں نہ سوئیں تو جو شخص پہلے سوگیا، خدا کرے اس کی آنکھیں نہ سوئیں، تو جو شخص پہلے سوگیا خدا کرے اس کی آنکھیں نہ سوئیں، اور فجر کی نماز پڑھو، جب کہ ستارے ظاہر ہوں جمع ہوکر چمک نے والے ہوں۔ (موطا مالک)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز ایک بہت اہم اور بنیادی عبادت ہے، جو شخص نماز کی مواظبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دیگر دینی امور انجام دینے کی بھی توفیق ملتی ہے، اور جو شخص نماز سے غفلت برتتا ہے، وہ دیگر اعمال حسنہ کی انجام دہی سے بھی محروم ہوجاتا ہے، اس حدیث میں حضرت عمرؓ نے جہاں ایک طرف اپنے امراء کو نماز کی مواظبت کا حکم دیا ہے، وہیں دوسری طرف اوقاتِ صلاۃ کی پابندی پر بھی متنبہ کیا ہے، اوقات صلٰوت کی مکمل بحث گذشتہ احادیث کے تحت تفصیل سے گزرچکی ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۵۳۵۔ اس حدیث میں عشاء کی نماز ادا کرنے سے پہلے سونے والوں کے حق میں حضرت عمرؓ نے بددعا کی ہے، اس لئے نماز کی ادائیگی سے پہلے سونے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح إلیٰ عُمَّالہ، عمال سے مراد امراء ہیں، اھم امور کم عندی الصلاۃ، یعنی میرے اعتقاد صحیح کے مطابق کتاب وسنت سے جو چیز سب سے اہمیت کے ساتھ ثابت ہے وہ نماز ہے، من حفظھا، نماز کو اس کے جملہ شرائط وارکان کے ساتھ ادا کیا، و حافظ علیھا، خلوص دل کے ساتھ نماز پر مداومت کی، شہرت، ریا کاری، غرور اور عجب کے ذریعہ نماز کو باطل نہیں کیا۔ حفظ دینہٗ، نماز پر مداومت کی وجہ سے بقیہ دینی امور کی ادائیگی بھی آسان ہو جاتی ہے، کیونکہ نماز دین کا ستون ہے، نماز وہ عبادت ہے جو برائیوں سے روکتی ہے، نماز مؤمن وکافر اور مطیع وعاصی کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہے، نماز میں بندہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اور یہ مومن کی معراج ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ محافظت صلاۃ کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے ذرہ برابر غفلت نہ ہو، اس کو اس کے اوقات مقررہ پر ادا کیا جائے، اس کے ارکان، اس کے رکوع وسجود کو اچھی طرح مکمل کیا جائے اور نفس کو اس کے اہتمام کی تاکید کی جائے، اور اس پر استقامت و دوام اختیار کیا جائے۔ ومن ضیعھا، یعنی جس نے نماز کو بالکلیہ ترک کردیا، یا نماز کے بعض واجبات کو ترک کردیا۔

فھو لما سواھا، جو شخص نماز سے غفلت کرتا ہے، وہ دیگر امور دینی کو اور بڑھ چڑھ کر ترک کرتا ہے، کیوں کہ نماز ام العبادات، رأس الطاعات اور ہر برائیوں کو ختم کرنے والی ہے، جو شخص اس کی مواظبت نہیں کریگا، وہ دیگر امور دینی کی کیا مواظبت کریگا؟

صلوا الظھر ان کان الفیئ ذراعاً۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ بالکل اس سایہ کے وقت میں پڑھو: کیونکہ وہ تو عین زوال کا وقت ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سایہ جیسے ہی بڑھے (یعنی زوال کے فوراً بعد) ظہر کی نماز پڑھ لو۔

فمن نام فلا نامت عینہٗ، خدا کرے جو عشاء کی نماز سے پہلے سوئے، اس کی آنکھیں نہ لگیں، یعنی وہ بے قراری اور بے آرامی میں مبتلا رہے، آپ کی یہ بددعا اس شخص کے لئے ہے، جو عشاء کی نماز سے غفلت برتے اور بغیر پڑھے سو جائے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشاء سے پہلے سونا مطلقاً حرام ہے، لیکن ہمارے علماء نے اس کی تفصیل کی ہے، اور وہ تفصیل یہ ہے کہ نماز کا وقت شروع ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص سونے کا ارادہ کرتا ہے اور گمان یہ ہو کہ نماز کا وقت ختم ہو جانے تک سویا رہوں گا، تو نماز سے پہلے اس کیلئے سونا جائز نہ ہوگا، اور اگر اس کو اپنے اوپر اعتماد ہے کہ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اٹھ کر نماز ادا کرلوں گا، تو اس کیلئے سونا جائز ہوگا۔ رہ گئی یہ بات کہ نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے سونے کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے بارے میں بعض لوگ وہی تفصیل کرتے ہیں جو نماز کے شروع ہو جانے کے بعد کی صورت میں ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نماز کا وقت آنے سے پہلے سونا کسی بھی طرح حرام وناجائز نہیں، کیونکہ وقت شروع ہونے سے پہلے بندہ نماز کا مکلف نہیں، ہوتا۔ (مظاہر حق ص:۵۲۱، ج:۱)

حدیث نمبر ۵۴۰ ﴿گرمی کے دنوں میں ظہر کی نماز کا وقت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۶

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ قَدْرُ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى خَمْسَةِ اَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى سَبْعَةِ اَقْدَامٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد ص:۵۸، ج:۱/ باب فی وقت الظھر کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۴۰۰، نسائی ص:۸۸، ج:۱/ باب آخر وقت الظھر. کتاب المواقیت حدیث نمبر ۵۰۲

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گرمی کے دنوں میں ظہر کی نماز تین سے پانچ قدم تک کے دوران پڑھتے تھے اور سردی کے دنوں میں پانچ سے سات قدم تک کے دوران پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں گھڑیاں نہ ہونے کی وجہ سے نماز کے اوقات کا حساب طلوع وغروب اور دھوپ وسایہ کے لحاظ سے کیا جاتا تھا، اس میں بھی ظہر کی نماز کے وقت کو سایہ کی مقدار سے سمجھایا جارہا ہے،

مزید تحقیق کلمات حدیث کی تشریح کے تحت دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح الظهر فی الصیف، سایۂ اصلی ہر مقام کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، کسی مقام پر بڑا ہوتا ہے، اور کسی مقام پر چھوٹا ہوتا ہے، چونکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں سردی کے دنوں میں سایہ اصلی لمبا پڑتا ہے۔ اور گرمی کے دنوں میں چھوٹا پڑتا ہے، اور اسی وجہ سے آپ ﷺ دونوں موسموں میں نماز کے وقت کے لئے سایہ کی لمبائی اور چھوٹائی کا خاص خیال فرماتے تھے۔ اور اسی کے ذریعے سے نماز کا وقت متعین فرماتے تھے، جہاں تک ظہر کے وقت اصلی کا تعلق ہے، تو وہ دونوں موسموں میں یکساں ہے، یعنی زوال آفتاب کے بعد ہے، خواہ سایہ اصلی لمبا پڑے یا چھوٹا۔

سایہ کی تحقیق :ظل (سایہ) کی دو قسمیں ہیں (۱) ظل اصلی (۲) ظل زائد، عین نصف النہار کے وقت جو سایہ ہوتا ہے وہ ظل اصلی کہلاتا ہے، اور زوال شمس کے بعد جو سایہ بڑھنا شروع ہوتا ہے وہ ظل زائد کہلاتا ہے، اصل میں تعجیل و تاخیر کا مدار اسی ظل زائد پر ہے، اس کا زائد ہونا تاخیر پر دلالت کرتا ہے اور کم ہونا تعجیل پر، لیکن اس حدیث میں جو ظل مذکور ہے وہ مطلقاً ہے اس میں زائد یا اصلی کی قید نہیں، بلکہ مجموعہ ظل مراد ہے۔

کچھ لوگ سایہ کو یوں بھی سمجھاتے ہیں کہ نصف النہار سے قبل ہر چیز کا سایہ مغرب کی سمت میں پڑتا ہے اور سورج کے وسط سماء سے ڈھلنے کے وقت جس کو زوال کہتے ہیں سایہ اصلی مشرق کی سمت میں بڑھتا ہے اسی ظل اصلی میں اضافہ سے ظہر کے وقت کی ابتداء ہوتی ہے۔ (مرقات، الدر المنضود)

باب تعجیل الصلاۃ

﴿نماز کو جلدی کرکے پڑھنے کا بیان﴾

نماز کا وقت مستحب آنے کے بعد تاخیر کرنا مناسب نہیں ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے اس کو سخت ناپسند فرمایا ہے، بلکہ عصر کی نماز کے بارے میں تو مشکوٰۃ شریف ہی میں حدیث ہے کہ "منافق بیٹھا انتظار کیا کرتا ہے یہاں تک کہ جب سورج زرد ہو جاتا ہے تو وہ اٹھ کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین کاموں میں تاخیر نہ کرنا چاہئے، ان میں سے ایک نماز ہے، نماز کو وقت آنے کے بعد موخر نہ کرنا چاہئے، کچھ فقہاء کہتے ہیں کہ نماز کا جوں ہی وقت آئے فوراً نماز پڑھنا بہتر ہے، اور کچھ کہتے ہیں کہ نماز کا جو مستحب وقت ہے اس میں تعجیل مراد ہے، نہ کہ مطلق وقتِ صلاۃ میں تعجیل مراد ہے، تحقیق کے لئے آگے آنے والی حدیث کا مطالعہ کیجئے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۵۴۱ ﴿نماز کے مستحب اوقات کی وضاحت﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۷

عَنْ سَيَّارِبْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخلتُ اَنَا وَاَبِي عَلٰى اَبِيْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِي فَقَالَ لَهٗ اَبِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْاُوْلٰى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُ نَا اِلٰى رَحْلِهٖ فِي اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَاقَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَآءَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا يُبَالِيْ بِتَاخِيْرِ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَايُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۷۷، ج: ۱/ باب فی وقت الظهر عند الزوال ، کتاب مواقیت الصلاۃ حدیث نمبر ۵٤۱، مسلم ص: ۲۳۰، ج: ۱/ باب استحباب التبكير بالصبح فی اول وقتها، کتاب المساجد حدیث نمبر ٦٤۷

حل لغات: الهجيرُ، گرمی کی دوپہر، ج هُجُرٌ، تدحضُ (ف) الشمس عن وسط السماء، مغرب کی طرف مائل ہونا، حَيَّةٌ حَيِيٌّ کا مؤنث ہے، زندہ۔

ترجمہ: حضرت سیار بن سلامہؒ روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کے پاس آئے، تو ان سے میرے والد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فرض نمازیں کیسے پڑھتے ہیں؟ تو حضرت ابو برزہؓ نے کہا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز جس کو تم لوگ پہلی نماز کہتے ہو، اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا، اور عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر ہم میں کا کوئی آدمی مدینہ کے کنارے جانب، اپنے گھر لوٹ جاتا تھا، درانحالیکہ سورج روشن ہوتا تھا، حضرت ابو سیارؒ کہتے ہیں کہ ابو برزہؓ نے مغرب کی نماز کے بارے میں جو کہا وہ میں بھول گیا اور عشاء کی نماز کہ جس کو تم لوگ عتمہ کہتے ہو، آپ ﷺ اس میں تاخیر کو پسند فرماتے تھے، اور عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد بات چیت کو آپ ناپسند فرماتے تھے، اور فجر کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے جب کوئی شخص اپنے ہم نشین کو پہچان لیتا ہے، اور آپ ﷺ اس نماز میں ساٹھ سے سو آیتوں تک قرأت فرماتے تھے، اور ایک روایت میں الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز تہائی رات تک مؤخر کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے اور عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد بات چیت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں نماز کے مستحب اوقات کا بیان ہے، نیز عشاء کی نماز سے پہلے سونے اور عشاء کے بعد فضول بکواس کی ممانعت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح يصلى الهجيرة، آپ ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد ظہر کی نماز ادا فرماتے تھے، یہاں سردی و گرمی کے موسم کی تفریق نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ شروع میں مسجد نبوی میں ظہر کی نماز اول وقت میں ہوتی تھی، کچھ عرصہ کے بعد جب اوقات ذہن نشین ہو گئے تو گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز کیلئے "ابراد" کا حکم ہوا، یعنی ظہر میں تاخیر سے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔

ظہر کا مستحب وقت اور اختلاف ائمہ

امام صاحب کا مذہب: امام ابو حنیفہ اور جمہور کے نزدیک سردی کے زمانے میں تعجیل اور گرمی کے زمانے میں تاخیر اولیٰ ہے۔

دلیل: (۱) آپ ﷺ کا فرمان ہے "إذا اشتدَّ الحرُّ فابردو ابالصلاۃ" (۲) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الحرُّ ابردَ بالصلاۃ و اذا کان البرد عجل . (نسائی ص: ۸۷، ج: ۱/) (۳) قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابردُوا بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم . (بخاری ص: ۷۷، ج: ۱/)

امام شافعی کا مذہب: امام شافعی اور امام مالکؒ علی الاطلاق سردی ہو یا گرمی تعجیل ظہر کو اولیٰ قرار دیتے ہیں، (امام شافعی چار شرطوں کے ساتھ ابراد ظہر کو اولیٰ قرار دیتے ہیں، اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جائے)

دلیل: شوافع کی پہلی دلیل حدیث باب ہے اور دوسری دلیل مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔ (جو ص: ٦۲ پر آرہی ہے) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد تعجيلاً للظهر منكم.

جواب: حنفیہ کے دلائل میں جو احادیث مذکور ہیں، ان کے قرینے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ روایات سردی کے زمانے پر محمول ہیں اور سردی کے زمانے میں تعجیل کے ہم بھی قائل ہیں، یا پھر یہ احادیث "ابراد" والی حدیث سے منسوخ ہیں، کیونکہ ابراد والی حدیث مدنی ہے اور یہ احادیث مکی ہیں، امام طحاویؒ نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز گرمی کے زمانے میں ابتداءً اول وقت میں ادا فرماتے

تھے، لہٰذا تعجیل والی روایات شروع کے زمانے پر محمول ہوں گی، ایک حدیث میں ہے، "کان آخر الامرین من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الابراد" (التعلیق الصبیح)

ویصلی العصر ثم یرجع احدنا: عصر کی نماز پڑھ کر سورج میں تغیر آنے سے پہلے یعنی اس کی سفیدی اور تیزی ختم ہونے سے پہلے اپنے گھروں کو پہنچ جاتے تھے، بعض لوگوں کے گھر مدینے کے آخری سرے پر تھے، مسجد نبوی سے اقصاء مدینہ کا فاصلہ اس وقت چار میل تھا اور یہ فاصلہ مثل ثالث میں نماز پڑھ کر باآسانی طے کیا جاسکتا ہے، لیکن بعض لوگ حدیث کے انہیں کلمات کے ذریعہ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عصر کی نماز کو زیادہ مؤخر نہ کرنا چاہئے۔

عصر کا مستحب وقت اور اختلاف ائمہ

امام صاحب کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عصر میں تاخیر الی ماقبل الاصفرار مستحب ہے۔

دلیل: حدیث علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینۃ فکان یؤخر العصر مادامت الشمس بیضاء نقیۃً. (ابوداؤد)

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک مطلقاً تعجیل افضل ہے۔

دلیل: جمہور کی ایک دلیل تو حدیث باب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر بہت جلد پڑھی جاتی تھی، دوسری دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی العصر والشمس مرتفعۃ۔ (بخاری)

جواب: جمہور کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مدینہ کے بعض حوالی دو تین میل پر بھی تھے، اور کچھ چار میل پر بھی، تیز رفتار آدمی اصفرار شمس سے قبل عصر کی نماز پڑھ کر چار میل سفر کرسکتا ہے، لہٰذا حدیث باب سے عصر کی تعجیل پر استدلال درست نہیں، اور جمہور کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ "الشمس مرتفعۃ حیۃ" کا جملہ تعجیل صلاۃ عصر پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ اس سے تاخیر سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ اس عنوان کا مقصد ہی یہی ہے کہ اگرچہ نماز عصر کی ادائیگی میں تاخیر کی گئی، لیکن اتنی تاخیر نہیں کی گئی کہ سورج میں تغیر پیدا ہوجاتا۔

ونسیت ماقال فی المغرب، حضرت ابو برزہؓ نے حضرت سیار سے حضور کے مغرب کی نماز سے متعلق معمول کو بھی بیان کیا تھا، لیکن حضرت سیار اس کو بھول گئے، مغرب کی نماز کا مستحب وقت باتفاق فقہاء سورج غروب ہونے کے فوراً بعد ہوجاتا۔

وکان یستحب ان یؤخر العشاء التی تدعونھا العتمۃ: عشاء کی نماز کو دیہاتی لوگ "عتمہ" کہتے تھے، لیکن بعد میں آپ ﷺ نے اس نام سے منع فرمادیا، عربی زبان میں عتمہ اس تاریکی کو کہتے ہیں جو شفق غائب ہوجانے کے بعد چھاجاتی ہے۔

عشاء کا مستحب وقت اور اختلاف ائمہ

بعض لوگ عشاء کی نماز کے وقت مستحب میں اختلاف ائمہ نقل کرتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صلاۃ العشاء میں بالاتفاق تاخیر الی ثلث اللیل مستحب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک ثلث لیل تک عشاء کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔

دلیل: ابوہریرہؓ کی روایت ہے، "لولا أن اشق علیٰ امتی لامرتھم ان یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفہ" (ترمذی)

شوافع کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک تمام نمازوں میں تعجیل افضل ہے؛ چنانچہ عشاء میں بھی وہ تعجیل کو افضل قرار دیتے ہیں۔

دلیل: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلیھا ای العشاء لسقوط القمر الثالثۃ (ابوداؤد) چونکہ تیسری رات کا چاند شفق کے ساتھ ہی غروب ہوجاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ عشاء کی نماز جلدی ادا کرتے تھے۔

جواب: تیسری رات کا چاند جلدی غروب نہیں ہوتا ہے، بلکہ کافی دیر بعد غروب ہوتا ہے لہٰذا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔اس سے متعلق مزید تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۵۶۵ر دیکھئے۔

و کان یکرہ النوم قبلھا و الحدیث بعدھا: آپؐ عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو ناپسند فرماتے تھے،اس کی تحقیق حدیث نمبر ۵۳۹ر کے تحت دیکھئے۔عشاء کی نماز کے بعد بات کرنا بھی مکروہ ہے، کیونکہ عشاء کے بعد اگر آدمی زیادہ دیر تک بکواس میں لگا رہے گا تو فجر سے پہلے اٹھ کر عبادت کرنا دشوار ہو جائے گا بلکہ بسا اوقات رات میں بات کرنے ہی کی وجہ سے نماز فجر بھی چھوٹتی ہے۔

تعارض: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کے بعد بات کرنا درست نہیں، حالانکہ حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے "انه كان يسمر عند ابى بكرِ الليلة كذلك في امر المسلمين" اور حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ "انه تحدث مع اهله ساعةً ثم رقد" (مسلم) ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کے بعد گفتگو کرنا جائز ہے۔

دفع تعارض: کراہت کا حکم اس گفتگو سے متعلق ہے، جس میں کوئی فائدہ نہ ہو، جیسے لایعنی امور پر بات چیت، نیز ہنسی مذاق وغیرہ، ایسی گفتگو جس کا تعلق احتیاج سے ہو، اسی طرح علمی و اصلاحی گفتگو، نیز مہمانوں سے گفتگو، مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کی اجازت ہے۔

(یہ مباحث مرقات، بذل المجہود ص:۲۳۴، ج:ا ر وغیرہ سے مستفاد ہیں)

و كان ينفتل من صلاة الغداة حين يعرف الرجل جليسه: آپ ﷺ فجر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ اپنے قریب بیٹھا ہوا آدمی پہنچان لیا جاتا تھا، مسجد نبوی کی چھت نیچی تھی، روشنی کا کوئی نظم نہیں تھا، اس کے باوجود بغل میں بیٹھا ہوا آدمی کی شناخت ہو جاتی تھی، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ فجر کی نماز غلس میں نہیں پڑھتے تھے؛ بلکہ آپ ﷺ کا معمول فجر کی نماز اسفار میں ادا کرنے کا تھا اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

فجر کا مستحب وقت اور اختلاف ائمہ

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: حنفیہ کے نزدیک فجر میں اسفار اولیٰ ہے، البتہ حنفیہ میں امام طحاویؒ کا مذہب یہ ہے کہ فجر کی نماز غلس میں شروع کرے اور قراءت لمبی کر کے نماز اسفار میں ختم کرے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرات حنفیہ کی ایک دلیل تو حدیث باب ہے، دوسری دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے " اَسْفِرُوْا بالفجر فانه اعظم للاجر" (ترمذی)

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کی نماز غلس میں پڑھنا افضل ہے۔

شوافع کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطهن مايعرفن من الغلس" (مسلم)

جواب: یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ آپ ﷺ کے دور میں عورتوں کو بھی نماز میں شرکت کی اجازت تھی، تاکہ وہ بھی نئے نازل شدہ احکام سے واقف ہو سکیں، آپ ﷺ عورتوں کی رعایت کی وجہ سے غلس میں نماز پڑھتے تھے، پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور ناسخ حدیث باب اور دیگر اسفار والی روایات نیز اجماع صحابہ ہے۔

(نوٹ): اس سے پہلے حدیث نمبر ۵۳۴ر کے تحت اوقات صلاۃ سے متعلق جو بحث ہے وہ نماز کے حقیقی وقت سے متعلق بحث ہے اور اس حدیث کے ضمن میں اوقات مستحبہ کی وضاحت کی گئی ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض محسوس نہ کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۵۴۲ ﴿نمازیوں کی کثرت کی بناء پر تاخیر افضل ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۸

وعن مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَبْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ صَلاَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۸۰، ج: ۱، باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس او تاخروا، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۶۵، مسلم ص: ۲۳۰، ج: ۱/ باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتها، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۴۶.

ترجمہ: حضرت محمد بن عمروؒ بن حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے نبی کریم ﷺ کی نماز کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز دوپہر ڈھلتے ہی پڑھتے اور عصر کی نماز اس حال میں پڑھتے کہ سورج روشن ہوتا، اور مغرب کی نماز جوں ہی واجب ہوتی (سورج چھپنے کے فوراً بعد) پڑھتے اور عشاء کی نماز جب لوگ زیادہ ہوتے جلدی پڑھتے، اور جب کم ہوتے تاخیر سے پڑھتے اور صبح کی نماز تاریکی میں پڑھتے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں ایک تابعی محمد بن عمرو بن حسن بن علی کے دریافت کرنے پر مشہور صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ نے آپ ﷺ کے نماز کے اوقات کے بابت بتایا، نماز میں افضل تو یہی ہے کہ شروع وقت میں ادا کی جائے لیکن موسم اور جماعتیوں کے کثرت کے پیش نظر بعض نمازوں میں تاخیر افضل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: عن صلاۃ النبی، نبی کریم ﷺ کے اوقات نماز کے متعلق دریافت کیا، یصلی الظهر بالهاجرة اس جملہ کی تشریح میں دو قول ہیں (۱) ظہر نصف نہار کے بعد پڑھتے تھے، (۲) اول وقت میں پڑھتے تھے۔ والشمس حیۃ، عصر کی نماز اس حال میں پڑھتے تھے کہ سورج کی روشنی باقی ہوتی تھی، والمغرب اذا وجبت، مغرب کی نماز ہر زمانہ اور ہر موسم میں اول وقت میں پڑھنا چاہئے کہ اس کو زیادہ مؤخر کرنا درست نہیں؛ البتہ اگر کوئی مغرب اول وقت میں شروع کرے اور پھر طول قرأت کی وجہ سے دیر ہوجائے، تو شفق کے ڈوبنے تک کراہت نہیں ہے۔ والعشاء اذا کثر الناس، عشاء کی نماز کے لیے اول وقت لازم نہیں ہے، بلکہ ضرورت کے وقت تقدیم وتاخیر کی جائے گی، اگر کثرت جماعت کے قصد سے تاخیر کی جارہی ہے تو یہ افضل ہے، امام صاحب نے نمازوں کو اول وقت میں پڑھنے کا جو التزام نہیں کیا ہے وہ اسی سبب سے ہے یعنی حق مصلین کی رعایت کی بناء پر تاخیر کو اولیٰ قرار دیا ہے۔ والصبح بغلس، حدیث کے ان کلمات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ فجر غلس میں پڑھتے تھے، بلکہ جب مصلین غلس میں جمع ہوجاتے، تو آپ ﷺ غلس میں نماز ادا فرماتے تھے، نیز آپ ﷺ کا اجالے میں حکم وارد ہوا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک فعل پر حکم راجح ہوتا ہے، لہٰذا اسفار میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

حدیث نمبر ۵۴۳ ﴿کپڑوں پر سجدہ کرنے میں حرج نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۸۹

وعن أَنَسٍ قالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ مُتَّفَقٌ.

حوالہ: بخاری ص: ۷۷، ج: ۱/ باب وقت الظهر عند الزوال، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۴۲، مسلم ص: ۲۲۵، ج: ۱. باب استحباب تقدیم الظهر فی اول الوقت فی غیر شدۃ الحر، کتاب المساجد حدیث نمبر ۶۲۰.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جب نبی کریم ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تھے، تو گرمی سے بچنے کے لئے ہم اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم) الفاظ بخاری کے ہیں۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابۂ کرام جب ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو اتنی شدید گرمی ہوتی تھی کہ ان کو زمین پر سجدہ کرنے کے لئے کپڑا بچھانا پڑتا تھا، گرمی کی شدت سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نماز اول وقت میں ہوتی تھی، اس

وجہ سے کہ عام طور پر یہی گرمی کی شدت کا وقت ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

الظهائر "ظہر" کی جمع ہے جمع لانے کا مقصد یہ ہے کہ ہر روز ظہر کی نماز اسی وقت میں پڑھی جاتی تھی، علی ثیابنا، اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے، اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس سے نمازی کے اپنے پہنے ہوئے کپڑے مراد ہیں، معلوم ہوا کہ نمازی کو اپنے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنا درست ہے، حضرات شوافع اس کپڑے پر سجدہ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے جو نمازی کے حرکت کرنے سے ہلتا ہو، لہٰذا وہ اس عبارت کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں نمازی کے پہنے ہوئے کپڑے مراد نہیں ہیں؛ بلکہ نمازی زمین کی گرمی سے بچنے کیلئے الگ کپڑے بچھایا کرتے تھے وہ مراد ہے۔ (ملخص مرقات ص:۱۲۹، ج:۲)

اتقاء الحر: گرمی سے بچنے کے لئے کپڑے پر سجدہ کرتے تھے، صاحب مشکوۃ نے باب تعجیل الصلاۃ میں اس روایت کو شامل کیا ہے، دراصل مصنف شافعی المذہب ہیں اور شوافع کے یہاں ظہر میں مطلقاً تعجیل افضل ہے، جب کہ حنفیہ کے یہاں گرمی کے موسم میں ابراد افضل ہے، حضرت مصنف اس حدیث سے گرمی میں تعجیل ثابت کرنا چاہتے ہیں، ان کا موقف یہ ہے کہ گرمی کے دنوں میں ظہر کے اول وقت میں ہی زمین گرم ہوتی ہے، اور اسی گرمی سے بچنے کے لئے صحابہ اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے، معلوم ہوا کہ صحابہ کا معمول گرمی کے موسم میں ظہر کو اول وقت میں ادا کرنے کا تھا، لیکن یہ موقف درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ بعض دنوں میں زوال کے فوراً بعد زمین بہت گرم نہیں ہوتی بلکہ دوپہر ڈھلنے کے بعد زیادہ گرم ہوتی ہے، لہٰذا اس حدیث سے تعجیل صلاۃ پر استدلال درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ٥٤٤ ﴿جهنم کی شکایت﴾ عالمی حدیث نمبر ٥٩٠، ٥٩١

وعن اَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَابْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ اَبِى سَعِيْدٍ بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ بَعْضِىْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِى الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِى الصَّيْفِ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ فَاَشَدُّ مَاتَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ فَمِنْ سَمُوْمِهَا وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَمِنْ زَمْهَرِيْرِهَا.

حواله: بخارى ص:٧٧، ج:١ باب الابراد بالظهر فى شدة الحر، كتاب مواقيت الصلاة حديث نمبر ٥٣٦، مسلم ص:٢٢٤، ج:١ باب استحباب الابراد بالظهرفى شدة الحر حديث نمبر ٦١٥.

حل لغات: فيح فاحَ (س) فيحاً. کشادہ ہونا، پھیلنا، (ض) الحرُّ گرمی سخت ہونا، واشتکت، شکایت (ن) مشکواً فلاناً الیٰ فلانٍ بکذا. کسی سے کسی کی کوئی شکایت کرنا۔ زمهریر، سخت سردی، جہنم کے ایک، شدید سردی والے طبقہ کا نام ہے۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب گرمی سخت ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو" اور بخاری کی ایک روایت جو حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے اس میں (بالصلاۃ کے بجائے) بالظہر ہے، اس لئے کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھانپ کی وجہ سے ہے، اور آگ نے اپنے رب سے شکایت کی؛ چنانچہ اس نے کہا میرے رب میرے بعض اجزا دوسرے بعض اجزاء کو کھا رہے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو دو سانسیں لینے کی اجازت دے دی، ایک سانس جاڑے میں اور ایک سانس گرمی میں، تو گرمی کی وہ بہت زیادہ شدت جو تم پاتے ہو اور سردی کی وہ بہت زیادہ شدت جو تم پاتے ہو (انہیں دونوں سانسوں کی وجہ سے ہے) بخاری و مسلم اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ گرمی کی وہ بہت زیادہ سختی جو تم پاتے ہو وہ دوزخ کی گرم سانس کی وجہ سے اور جاڑے کی وہ بہت زیادہ سختی جو تم پاتے ہو، وہ دوزخ کی ٹھنڈی سانس کی وجہ سے ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ موسم گرما میں ظہر کو اس وقت تک موخر کر کے پڑھنا چاہئے، جب گرمی کی شدت میں کمی آجائے، اس حدیث میں بارگاہ خداوندی میں جہنم کی شکایت کا تذکرہ بھی ہے، جہنم نے اپنی گرمی کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جاڑے اور گرمی دونوں موسموں میں ایک ایک سانس لینے کی اجازت دی، اب دنیا میں گرمی اور سردی کی جو شدت محسوس کی جاتی ہے وہ انہیں دونوں سانسوں کا اثر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فابردوا بالصلاۃ، ابرادبالصلاۃ کا مطلب یہ ہے کہ جب گرمی کی شدت ہوتو ظہر کی نماز وقت اخیر میں ادا کی جائے، کیونکہ وقت اخیر میں گرمی کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ " ابراد بالصلاۃ " کا مطلب اول وقت میں نماز ادا کرنا ہے، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، صحابہ کرام کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ ٹیلوں کے سایہ زمین پر لگنے لگتے تھے، ہر شخص کے مشاہدہ میں ہے کہ ٹیلوں کے سائے ان کے پھیلاؤ کی وجہ سے زمین پر دیر میں پڑتے ہیں۔

اشکال: بعض لوگ حنفیہ پر اشکال کرتے ہیں کہ "ابراد بالصلاۃ" کا حکم عام نہیں ہے، بلکہ یہ ان لوگوں کے لئے رخصت ہے جو دور دراز کا سفر طے کر کے مسجد آتے تھے، جو شخص تنہا نماز ادا کرے یا اپنے محلے کی قریبی مسجد میں نماز ادا کرے تو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے وہ تو اول وقت میں ہی نماز ادا کرے، حنفیہ ایک خاص حکم کو عام کیوں کر رہے ہیں؟

جواب: "ابراد بالصلاۃ" کا حکم خاص نہیں ہے اور اس کو بعض لوگوں کے حق میں رخصت قرار دینا درست نہیں ہے؛ بلکہ یہ حکم عام ہے، امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ دوران سفر باوجودیکہ سب لوگ یکجا ہوتے، کسی کو دور دراز سے نہ آنا ہوتا، ابراد کا حکم کرتے تھے، معلوم ہوا کہ ابراد کا حکم دور دراز سے مسجد میں آنے والوں کے لئے خاص نہیں ہے، امام ترمذیؒ مزید لکھتے ہیں کہ جو حضرات گرمی کی شدت میں ظہر میں تاخیر کے قائل ہیں، ان کا مذہب اقرب الی الصواب ہے۔

سوال: ابراد بالصلاۃ کی تاکید اتنی کیوں ہے؟

جواب: ابراد کا حکم کئی وجوں سے ہے (۱) نماز درحقیقت پروردگار عالم کے ساتھ مناجات اور سرگوشی ہے، شدت گرمی میں سکون قلب میسر نہ ہونے کی وجہ سے ٹھیک طرح سے مناجات نہیں ہو پائے گی، لہٰذا ابراد کا حکم دیا گیا (۲) شدت گرمی غضب خداوندی کے مظاہرے کا وقت ہے اس لئے اس وقت سے مؤخر کر کے ٹھنڈے وقت میں ظہر کی ادائیگی کو مستحب قرار دیا ہے۔

من فیح جھنم: فیح کے معنی کشادگی کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت بہت زیادہ پھیلنے کی وجہ سے ہے۔

واشتکت النارُ: جہنم نے پروردگار عالم سے شکایت کی، یہ شکایت حقیقت ہے یا مجاز یعنی جہنم نے زبان قال سے شکایت کی یا زبان حال سے، اس سلسلہ میں دونوں طرح کے اقوال ہیں، چونکہ معنی حقیقی مراد لینا عقلاً ممکن ہے عقلاً اور شرعاً کوئی مانع موجود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے بولنے کی طاقت دے سکتے ہیں، اس لئے اس کو حقیقت پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔

سوال: جہنم نے شکایت کیوں کی؟

جواب: یہ بات تو حق تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ جہنم نے کیوں شکایت کی، البتہ لوگوں کے سامنے اس کو اس واسطے بیان کر دیا، تاکہ لوگوں کو جہنم کی شدت معلوم ہو جائے اور وہ اعمال صالحہ اختیار کریں۔

اکل بعضی بعضا: جہنم کے بعض اجزاء بعض اجزاء کو کھا رہے ہیں، یہ جملہ اس بات سے کنایہ ہے کہ آگ کے بعض اجزاء دوسرے بعض اجزاء میں کثرت کی وجہ سے گھسے جا رہے ہیں اور یہ ایک دوسرے سے اس طرح ٹکرا رہے ہیں، گویا ہر ایک دوسرے کو نگل

کرفنا کر دینا چاہتا ہے۔

فاذن لها بنفسین: اللہ تعالیٰ نے جہنم کو دو سانسیں لینے کی اجازت دی، جہنم کے دو طبقے ہیں (۱) طبقۂ نار (۲) طبقۂ زمہریر، طبقۂ نار کی سانس سے جہنم گرمی پھینکتی ہے، جب کہ طبقۂ زمہریر کی سانس سے سردی پھیلتی ہے، یہاں صرف طبقۂ نار کی شکایت کا ذکر ہے۔ لیکن بخاری کی جس روایت کا صاحب مشکوٰۃ نے ذکر کیا ہے، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح طبقۂ نار کو شدت گرمی کی شکایت ہوگئی تھی، اسی طرح زمہریر کو شدت سردی کی شکایت ہوگئی تھی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک ایک سانس لینے کی اجازت دے دی، دنیا میں شدت گرمی طبقۂ نار کی سانس کا اثر ہے جب کہ شدت سردی طبقۂ زمہریر کی سانس کا اثر ہے۔

اشکال: تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں گرمی اور سردی نظام شمس کے تحت ہے، سورج کا قرب اور بعد گرمی اور سردی کا سبب ہے، لہٰذا گرمی اور سردی کا سبب جہنم کی سانسوں کو قرار دینا بظاہر سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب: (۱) اسباب میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا، ایک چیز کے کئی سبب ہو سکتے ہیں، گرمی اور سردی پڑنے کا ایک سبب قرب شمس اور بعد شمس ہے، جس کو ہمارے تجربات نے متعین کیا ہے، اور یہ صحیح بھی ہے اور ایک دوسرا سبب جہنم کا سانس لینا ہے، جس کو آپ ﷺ نے بیان کیا ہے وہ بھی برحق ہے، (۲) گرمی اور سردی کی شدت کا اصلی اور حقیقی سبب تو وہی ہے جو آپ نے فرمایا ہے، کیونکہ سردی اور گرمی کا اصلی خزانہ جہنم ہی ہے، لیکن دنیا میں اس کی تقسیم سورج کے ذریعہ سے کی گئی ہے، چنانچہ قرب شمس اور بعد شمس گرمی اور سردی پھیلانے کے لئے واسطہ ہے آپ ﷺ نے حقیقی سبب کی طرف اشارہ کیا ہے وہ بھی صحیح ہے، اور ہم واسطے کو سبب کہتے ہیں وہ بھی صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۵۴۵ ﴿وقت عصر کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۲

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِيْ فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَمْيَالٍ اَوْ نَحْوِهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری ص: ۷۸، ج: ۱/ باب وقت العصر، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۵۰، مسلم ص: ۲۲۵ ج: ۱/ باب استحباب التبکیر بالعصر، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۲۱.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج بلند اور روشن ہوتا تھا، چنانچہ جانے والا عوالی تک جاتا (مدینے کے اطراف میں بلند گاؤں) تو وہ ایسے وقت میں پہنچ جاتا کہ آفتاب ابھی اونچا ہوتا اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل یا اس کے قریب دوری پر واقع ہیں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عصر کی نماز اس وقت میں پڑھتے تھے جب کہ سورج کی تمازت باقی ہوتی تھی، اس روایت کو پیش کرنے کا مقصد عصر کی نماز میں تعجیل کو ثابت کرنا ہے، لیکن اس روایت سے صراحتاً تعجیل ثابت نہیں ہوتی، بلکہ بہت آسانی کے ساتھ اس کو تاخیر پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح والشمس مرتفعة حیّة، آپ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ سورج اونچا بھی ہوتا تھا اور اس میں حیات بھی ہوتی تھی، حیات کا مطلب سورج کی روشنی کا صاف ہونا ہے۔ فیذهب الذاهب، جاتے وقت بلندی اور حیات دونوں کا تذکرہ ہے، فیاتیهم والشمس مرتفعةٌ، جانے والا عوالی تک چلا جاتا اور آفتاب ابھی اونچا ہوتا، پہنچتے وقت صرف بلندی کا ذکر ہے، حیات اور زندہ ہونے کا ذکر نہیں ہے، اس کا حاصل یہ نکلا کہ نماز عصر تو اس وقت ہوتی تھی جب سورج اونچا اور روشن ہوتا تھا، لیکن چند میل کی مسافت طے کرتے کرتے اس میں تغیر اور اصفرار پیدا ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ عصر کی نماز

مثل ثالث کے بعد ہوتی تھی، وبعض العوالی من المدینة علی اربعة میال، حدیث میں صرف عوالی کا تذکرہ ہے۔ عوالی کی وضاحت میں چار میل کا قول یا تو امام بخاری کا ہے، یا امام زہری کا ہے، بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں "کنا نصلی العصر ثم یخرج الانسان إلی بنی عمرو بن عوف" اور ایک دوسری روایت میں "قبا" کا تذکرہ ہے، معلوم ہوا کہ عوالی مدینہ سے عمرو بن عوف کی جگہیں مراد ہیں، اور بنی عمرو بن عوف قباء میں رہتے تھے، اور قباء کا مسجد نبوی سے فاصلہ دو میل ہے، اب اگر نماز پڑھنے والا ان عوالی میں جاتا جن کا فاصلہ دو میل تھا اور اس کے پہنچنے کے بعد سورج میں تغیر آجاتا، تو اس سے خود یہ بات سمجھ میں آگئی کہ عصر مثل ثالث میں ادا کی جاتی تھی، اور جب خود بخاری کی روایت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ قصہ بنو عمرو بن عوف کا ہے جو قباء میں رہتے تھے، تو پھر دیگر عوالی کا ذکر کرنا اور یہ کہنا کہ بعض عوالی چار میل پر تھے بے فائدہ ہے۔

حدیث نمبر ۵۴۶ ﴿نماز بہت زیادہ مؤخر کرنا منافقانہ عمل ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۳

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمنافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اِصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَايَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص: ۲۲۵، ج: ۱/ باب استحباب التبكير بالعصر، كتاب المساجد، حديث نمبر ۶۲۲

حل لغات: يَرْقُبُ رقبَ (ن) رُقوباً نظر رکھنا، نگرانی کرنا، اِصْفَرَّتْ، زرد ہونا، زرد رنگ میں رنگ جانا، مصدر اصفیرار، نَقَرَ (ن) نَقْرًا، الطائِرُ الحبَّ، پرندہ کا دانا چگنا، چونچ سے اٹھانا، فی صلاته، نماز میں جلدی کرنا، ہلکا اور مختصر کرنا۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ منافق کی نماز ہے، وہ سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب سورج زرد ہوجاتا ہے اور وہ شیطان کے سر کے دونوں کنارے ہوجاتا ہے، تو وہ کھڑا ہوتا ہے، اور چار چونچیں لگاتا ہے، اس میں اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتا ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث: آپ ﷺ کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ نماز تو بالکل مؤخر کر کے نہ پڑھنا چاہئے، اس وجہ سے کہ جب وقت کم ہوگا تو نمازی نماز پڑھنے میں عجلت سے کام لیگا، اور سجدہ و رکوع وغیرہ میں جلد بازی کے نتیجے میں تعدیل ارکان فوت ہوجائے گا، جس کی بنیاد پر اس شخص کی نماز منافق کی نماز کے مانند ہوجائے گی، کیونکہ منافق ریاکاری کی بنا پر نماز ادا کرتا ہے، اس کا مقصد جلد از جلد اپنے سر سے بلا ٹالنا ہوتا ہے، لہٰذا وہ بہت عجلت سے نماز پڑھتا ہے، مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ منافقوں کی مخالفت کریں، اور نماز کو اس کے مستحب اوقات میں اچھی طرح ادا کریں۔

کلمات حدیث کی تشریح: تلك صلاة المنافق، وہ نماز جس کو اصفرار شمس تک موخر کر دیا ہو، یرقب الشمس، منافق سورج کے غروب ہونے کے وقت عصر کی نماز پڑھتا ہے، اور وہ سورج کے غروب ہونے کا انتظار کیا کرتا ہے۔

قام فنقر اربعا، جس طرح کوا دانہ چگنے کے لئے زمین پر جلدی جلدی چونچ مارتا ہے، اسی طرح آخیر وقت میں نماز ادا کرنے والا جلدی جلدی چار سجدہ کر لیتا ہے۔ "نقر" کا مطلب نماز میں جلدی کرنا ہے، اور بعض لوگوں نے قرأت میں جلدی کرنے کو نقر کہا ہے، اس کی تائید "لایذکرون اللہ فیھا الاقلیلاً" سے بھی ہورہی ہے، لایذکر، کوئی خاص ذکر نہیں کرتا ہے، اس وجہ سے کہ منافق کا دل اعتقاد سے عاری اور اخلاص سے خالی ہوتا ہے، إلاقلیلا، منافق دکھلانے کی غرض سے زبان سے تھوڑا بہت ذکر کرتا ہے۔

سوال: عصر کی نماز میں چار رکعتیں ہوتی ہیں جس میں آٹھ سجدہ ہوتے ہیں، یہاں چار سجدوں کا ذکر کیوں کیا ہے؟

جواب: (۱) چار رکعتوں کے اعتبار سے چار چونچیں مارنا فرمادیا ہے، ورنہ تو حقیقتاً چار رکعتوں والی نمازوں میں آٹھ سجدے ہوتے ہیں،

(۲) چاراس اعتبار سے فرمایا کہ پہلے سجدہ کے بعد جب پوری طرح سرنہیں اٹھایا، تو دونوں سجدہ ملا کر گویا ایک ہی ''سجدہ کے معنی میں ہوئے (۳) ایک رکعت کے دوسجدوں کوایک رکن اعتبار کر کے چار فرمایا ہے۔

سوال : آپ ﷺ نے یہاں عصر ہی کی نماز کا خاص طور پر کیوں ذکر کیا بقیہ نمازوں کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب : (۱) عصر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ صلاۃ وسطیٰ ہے، قرآن مجید میں اس نماز کی محافظت کا خاص طور پر ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "حافظوا علی الصلوات و الصلاۃ الوسطی" اس لئے اس حدیث میں بھی عصر کا خاص طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔ (۲) چونکہ عصر کے وقت تمام پیشے کے لوگ مشغول رہتے ہیں اس وجہ سے اس نماز کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے (تلخیص، مرقات ص:۱۳۱، ج:۲ر)

حدیث نمبر ۵٤۷ ﴿نماز چھوٹنا بھت بڑا خسارہ ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹٤

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِىْ تَفُوْتُهٗ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَا لُهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ : بخاری ص:۷۸، ج:۱، باب اثم من فاتته العصر، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۵۲، مسلم ص:۲۲۶، ج:۱ر باب التغلیظ فی تفویت صلاۃ العصر حدیث نمبر ۶۲۶.

ترجمہ : حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص کہ جس کی عصر کی نماز چھوٹ گئی تو گویا اس کا گھر بار اور مال لٹ گیا۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح آدمی اپنے گھر بار اور مال ومتاع کے نقصان اور اس کے ہلاک ہوجانے سے ڈرتا ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ عصر کی نماز چھوٹ جانے سے ڈرنا چاہئے، عصر کی نماز کی پوری پوری محافظت کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح تفوته صلاۃ العصر وہ شخص کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی، عصر کی نماز فوت ہونے کے بارے میں تین اقوال ہیں (۱) سورج غروب ہوگیا اور نماز ادا نہیں کی، (۲) وقت مستحب نکل گیا اور نماز ادا نہیں کی (۳) جماعت چھوٹ گئی۔ (مرقات ص:۱۳۱، ج:۲ر)

فکانما وتر اھله و ماله: یعنی جس کی نماز عصر چھوٹ گئی اس نے گھر بار اور مال ومتاع کا نقصان اٹھایا، بلکہ عصر کی نماز کا فوت ہونا یہ گھر بار اور مال ومتاع لٹ جانے سے بھی بڑا فساد ہے، حدیث کے اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ عصر کی نماز چھوٹ جانے پر اتنا رنج ہونا چاہئے، جتنا مال واسباب کے لٹ جانے اور اہل وعیال کے ہلاک ہونے پر ہوتا ہے۔

سوال : عصر کی نماز کا خاص طور پر ذکر کیوں کیا گیا؟

جواب : گذشتہ حدیث میں اس کا جواب ذکر کیا گیا ہے کہ یہ نماز وسطیٰ ہے اور اس کی محافظت کی تاکید خاص طور پر آئی ہے، نیز یہ معروفیت کا وقت ہوتا ہے، اس میں نماز چھوٹ نے کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے، اس بناء پر خاص طور پر اس کو ذکر کیا۔

سوال : روایت میں مال اور اہل وعیال کا ذکر خاص طور پر کیوں کیا گیا ہے؟

جواب : چونکہ نماز فوت ہونے کی وجہ بالعموم یہی دو چیزیں بنتی ہیں، اس وجہ سے خاص طور پر ان کو ذکر کیا ہے، انسان مال کمانے اور اہل وعیال کی خدمت کرنے کے چکر میں پڑ کر نماز کو بھول جاتا ہے۔

سوال : یہ وعید اور گناہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کے لئے ہے یا بھول کر نماز چھوڑنے والا بھی اس وعید کا مستحق ہے؟

جواب :اکثر لوگوں کے نزدیک اس وعید کا مستحق بھول کر نماز چھوڑنے والا ہے، اور جو جان بوجھ کر نماز چھوڑے اس کی سزا کا ذکر اگلی حدیث میں مذکور ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر جو باب قائم کیا ہے وہ یہ ہے (**باب ماجاء فی السھو عن وقت صلاۃ العصر**) نیز امام بخاریؒ کا بھی اسی جانب میلان معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو "**باب اثم من فاتته العصر**" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، اس کے بعد عنوان قائم کیا ہے" **باب من ترك العصر** " اس کے تحت جو حدیث لائے ہیں وہ یہ ہے "**من ترك صلاة العصر فقد حبط عمله**" اس حدیث سے عامداً نماز عصر ترک کرنے والا مراد ہے، اور حدیث باب سے مراد بھول کر نماز فوت کرنے والا ہے۔

سوال :اگر فوت سے مراد غیر عامد ہے تو یہ غیر اختیاری عمل ہے اور فوت کرنے والا''ناسی'' ہوا اور ناسی پر گناہ نہیں ہے، پھر اس حدیث میں ناسی کو اس سزا اور وعید کا مستحق کیوں قرار دیا گیا ہے؟ "حدیث میں آتا ہے **ان الله رفع عن امتی الخطأ والنسیان او کما قال علیه السلام**"

جواب : فوت اگر چہ غیر اختیاری طور پر ہوا؛ لیکن جن اسباب کی بناء پر نماز فوت ہوئی وہ اسباب غیر اختیاری نہیں تھے، مال ومتاع اور اہل وعیال کی اتنی زیادہ الفت نہ ہونا چاہئے کہ ان کے چکر میں پڑ کر آدمی کی نماز عصر ہی چھوٹ جائے، چنانچہ حدیث میں انہیں دونوں اسباب جن کی وجہ سے نماز چھوٹتی ہے کا ذکر ہے۔اور آدمی کا مؤاخذہ ان اشیاء کی الفت شدیدہ کی بناپر ہی ہوگا۔

حدیث نمبر ۵۴۸ ﴿نماز عصر جان بوجھ کر چھوڑنے کی وعید﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۵

وعن بُرَیْدَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَکَ صَلٰوۃَ الْعَصْرِ فَقَدْحَبِطَ عَمَلُہٗ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ

ترجمه : حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز عصر چھوڑ دی اس کا عمل بیکار ہوگیا۔(بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تو اس کے دن بھر کے سارے اعمال خیر اکارت ہوگئے، یعنی اعمال حسنہ کی تاثیر میں کمی واقع ہوگئی، یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ اعمال حسنہ بالکل ضائع ہوگئے، بلکہ حقیقت یہی ہے کہ اعمال حسنہ میں نقصان واقع ہوا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **من ترك الصلاة**، گذشتہ حدیث میں فوت کی تعبیر تھی جس کا مفہوم غیر اختیاری طور پر نماز عصر سے محرومی لیا گیا تھا، اب جان بوجھ کر نماز عصر ترک کرنیوالے کا بیان ہے، اگر کوئی شخص دیدہ ودانستہ عصر کی نماز ترک کردے تو اس کا گناہ بھول کر نماز چھوڑنے والے سے زیادہ ہوگا، اور بھول کر نماز چھوڑنے والے کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے، کہ ایسے شخص کے اہل وعیال اور مال ومتاع کیلئے آتا ہے، کہ گویا اسکے اہل وعیال تباہ ہوگئے، اور''ترک'' کے تحت جو مضمون ہے اس پر''قد'' داخل ہے جو تحقیق کیلئے آتا ہے یعنی جس نے عصر کی نماز ترک کردی اس کا عمل اکارت اور ضائع ہوگیا، دوسرا فرق یہ ہے کہ وہاں نقصان متعلقات کا تھا اور یہاں خود اپنا نقصان ہے، جس کا انسان پر زیادہ اور براہِ راست اثر ہوتا ہے (مستفاد ایضاح البخاری ص:۴۳۲، ۴۳۳، ج:۳)

فقد حبط عمله: جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والے کے تمام اعمال ضائع ہوگئے۔

اشکال : حبط عمل تو کفر وشرک اور ارتداد کی سزا ہے، قرآن مجید میں انہیں تینوں چیزوں کی سزا کے طور پر حبط عمل کا تذکرہ ہے، چنانچہ کفر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**من یکفر بالایمان فقط حبط عمله**" اور ارتداد کے بارے میں ہے "**ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وھو کافرٌ فاولٰئكَ حبطت اعمالھم**" اور شرک کے بارے میں ارشاد ہے "**ولو اشرکوا لحبط عنھم ماکانوا یعملون**" یہاں اشکال یہ ہے کہ جو سزا کفر، شرک وارتداد کی ہے، اس کو ترک صلاۃ کی سزا کیوں قرار دیا گیا؟ ظاہر بات ہے

ترک صلاۃ کفر وشرک نہیں ہے۔

جواب:(۱) ترک نماز علی سبیل الانکار کی یہ سزا ہے، یعنی نماز کی فرضیت کا انکار کرتے ہوئے نماز ترک کرنیوالیکی سزا حدیث میں مذکور ہے۔(۲)حبط عمل سے مراد حقیقت نہیں بلکہ تشبیہ دینا مقصود ہیکہ ایسا انسان اتنا محروم اور بدنصیب ہے، جتنا وہ انسان بدبخت ہے جسکے تمام اعمال سوخت ہوجائیں (۳)علی سبیل الاستھزاء مراد ہے، یعنی جو شخص نماز استہزاء ترک کریگا اسکے تمام اعمال ضائع ہوجائیں گے

حدیث نمبر ۵۴۹ ﴿مغرب کی نماز اول وقت میں پڑھنے کاذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۶

وعن رافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْه وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ اَحَدُنَا وَاِنَّهُ لِيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله:بخاری ص:۷۹،ج:۱ .باب وقت المغرب،کتاب مواقيت الصلاة،حديث نمبر ۵۵۹،مسلم ص: ۲۲۸، ج:۱ / باب بيان ان اول وقت المغرب عندغروب الشمس، كتاب المساجد، حديث نمبر ۶۳۷.

حل لغات: ینصرف، مصدر انصراف،عنه، ہٹنا، الگ ہونا، چھوڑنا، مواقع، جمع ہے، واحد المَوْقِعَةُ جائے وقوع۔نَبْلٌ تیر، ج، انبالٌ، ونِبَالٌ.

ترجمه : حضرت رافع بن خدیج ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم لوگ مغرب کی نماز پڑھتے تھے، پھر ہم میں سے کوئی بھی شخص نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے تیر گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا۔(بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام مغرب کی نماز اول وقت میں ادا کرتے تھے۔مغرب کا وقت ہونے کے بعد تاخیر نہیں کرتے تھے، تمام علماء کے نزدیک مغرب کی نماز اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہے، اسمیں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وانه ليبصر مواقع نبله مطلب یہ ہے کہ مغرب کے بعد بھی اتنی روشنی رہتی تھی کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آتی تھی۔نسائی کی روایت میں اور زیادہ وضاحت ہے، اس کے الفاظ ہیں "كانوا يصلون مع النبى صلى الله عليه وسلم المغرب ثم يرجعون الى اهليهم الى اقصىٰ المدينه ثم يرمون فيبصرون مواقع نبلهم" نسائی ص:۹۰،ج:۱(صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے پھر اقصائے مدینہ میں اپنے گھر لوٹ جاتے، پھر تیر اندازی کرتے تو اپنے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیتے تھے۔)

اس روایت سے اُس روایت کے معنی بھی سمجھ میں آتے ہیں، جس میں یہ تذکرہ ہے کہ صحابہ کرام عصر کی نماز پڑھ کر آفتاب غروب ہونے سے پہلے اقصاء مدینہ میں واقع اپنے گھروں تک پہنچ جاتے تھے، دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ گھر بہت زیادہ دور نہیں تھے۔اس سلسلہ کی مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۵۴۵ / دیکھئے۔

حضرت مفتی سعید صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے مغرب کے اوّل وقت کو بیان کرتے ہوئے دوران درس یہ بات ذکر کی تھی کہ مغرب کے سلسلہ میں امت کا اتفاق ہے کہ اول وقت میں پڑھنا چاہیے، مگر ہندوستان کے حنفیوں نے اول وقت کا مطلب سمجھا ہے، اذان کے بعد اتنا وقت ملنا چاہئے کہ آدمی گھر سے آسکے اور استنجاء، وضو سے فارغ ہوسکے، مغرب میں تاخیر مکروہ ہے؛ لیکن وہ تاخیر جو مکروہ ہے وہ نماز کو اتنی دیر مؤخر کرنا ہے کہ ستارے نکل آئیں، اور گھنے ہوجائیں۔

حدیث نمبر ۵۵۰ ﴿نماز عشاء کاوقت مستحب﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۷

وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ الْعَتَمَةَ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ اِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۱۱۹، ج: ۱. باب خروج النساء الی المساجد باللیل و الغلس، کتاب الاذان حدیث نمبر ۸٦٤.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے لے کر شروع تہائی رات کے درمیان پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں عشاء کے مستحب وقت کا بیان ہے، عشاء کا وقت مستحب شفق کے غائب ہونے کے بعد سے تہائی رات آنے تک ہے، اور عشاء کا وقت جواز صبح صادق تک ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یصلون العتمة، عتمہ سے مراد عشاء کی نماز ہے۔ **اشکال:** آپ ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع فرمایا تھا، پھر حضرت عائشہؓ نے عشاء کو عتمہ کیوں کہا؟ **جواب:** حضرت عائشہؓ نے جس وقت یہ بات بات بیان کی تھی، اس وقت تک عشاء کو عتمہ کہنے کی ممانعت والی حدیث ان کے علم میں نہیں آئی تھی۔

ان یغیب الشفق، شفق کے غائب ہونے کا جب تحقق ہوجاتا، اس کے بعد آپ ﷺ عشاء کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۵۳۵/۵۴۱ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۵۵۱ ﴿فجر کی نماز غلس میں پڑھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۸

وَعَنْهَاقَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ. مَايُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَس مُتَّفَقٌ عَلَيْه.

حوالہ: بخاری ص: ۱۲۰، ج: ۱/ باب خروج النساء إلى المساجد بالليل و الغلس، كتاب الاذان حديث نمبر ۸٦۷، مسلم ص: ۲۳۰، باب استحباب التبكير بالصبح في اول وقتها، كتاب المساجد حديث نمبر ٦٤٥.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے، کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس جاتیں، تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور چونکہ عورتیں نماز ختم ہوتے ہی مسجد سے نکل جاتی تھیں، اس وجہ سے ان کی واپسی کے وقت بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ عورتوں کو پہچاننا ممکن نہیں تھا، نہ پہچاننے کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے پورے بدن پر چادر ہوتی تھی۔

کلمات حدیث کی تشریح كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصلي الصبح، حضور ﷺ فجر کی نماز جلدی پڑھتے تھے، حضور ﷺ کا عام معمول فجر کے سلسلہ میں غلس میں نماز پڑھنے کا تھا، اس لئے اس میں تاویلات زیادہ نہ کرنا چاہئے، لیکن حضور ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی کے علاوہ مدینے میں جو مسجدیں تھیں، ان میں نماز اسفار میں ہوتی تھی، اس وجہ سے کہ حضور ﷺ کا حکم تھا کہ نماز فجر اسفار میں پڑھو۔ کیونکہ اسفار میں پڑھنے کی صورت میں جماعت میں کثرت ہوتی ہے۔

سوال: حضور ﷺ خود غلس میں نماز کیوں پڑھتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اسفار میں پڑھنے پر کیوں ابھارتے تھے؟

جواب: حضور ﷺ غلس میں اس وجہ سے نماز پڑھتے تھے کہ آپ ﷺ کی مسجد میں لوگ رات ہی سے جمع رہتے تھے، دور دراز سے لوگ مسائل سیکھنے کی غرض سے آکر مسجد ہی میں ٹھہرتے تھے، آپ ﷺ بھی تاریکی ہی میں مسجد تشریف لے آتے تھے، اب چونکہ آپ ﷺ کی مسجد میں مصلین جمع ہوتے تھے، اس وجہ سے آپ ﷺ غلس میں ہی نماز پڑھاتے تھے، جیسے آج کل ماہ رمضان میں لوگ غلس میں مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں، تو غلس ہی میں نماز بہتر قرار دیا گیا ہے، ورنہ نمازیوں کو تنگی ہوگی، عام دنوں میں اسفار ہی میں جماعت

میں لوگ کثرت سے شریک ہوتے ہیں اس وجہ سے عام دنوں میں اسفار میں نماز افضل ہے، اسی طرح مسجد نبوی کے علاوہ مدینے کی دیگر مساجد میں لوگ اسفار میں ہی جمع ہوتے تھے، اس بناء پر آپ ﷺ نے دیگر مساجد کے لوگوں کو اسفار میں جماعت کھڑی کرنے پر ابھارا۔

اصل میں ائمہ ثلاثہ مطلقاً ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کو مستحب سمجھتے ہیں، احناف بھی اول وقت ہی میں نماز کی ادائیگی کو بہتر قرار دیتے ہیں؛ کیونکہ شریعت کی جانب سے جو حکم ملا ہے اس کی ادائیگی جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی بہتر ہے، لیکن احناف کے نزدیک اگر عوارض درپیش ہوں، تو اول وقت میں نماز مستحب نہیں ہے؛ بلکہ اول وقت سے کچھ تاخیر کر کے نماز پڑھنا مستحب ہے۔ وہ عوارض کیا ہیں؟ وہ عوارض تین ہیں (۱) حق صلاۃ (۲) حق مصلی (۳) حق وقت۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرض نمازوں کے ساتھ نفل نمازیں بھی رکھی ہیں، لیکن عصر اور فجر نمازوں کے بعد نفل نماز نہیں ہے؛ لہٰذا عصر کی نماز کچھ تاخیر سے پڑھنا چاہئے؛ تا کہ جو شخص نفل پڑھنا چاہے وہ نفل پڑھ لے، عصر کی نماز اگر جلدی سے پڑھ لی جائے گی، تو پھر اس کے بعد نفل پڑھنے کی گنجائش نہیں رہے گی، عصر میں یہ تاخیر حق صلاۃ کی بناء پر ہوگی۔ اسی طرح اگر عام دنوں میں نماز فجر اول وقت میں پڑھی جائے، تو اتنے لوگ شریک نہ ہو پائیں گے، جتنے لوگ اسفار میں شریک ہو جاتے ہیں، لہٰذا حق مصلین کی بناء پر فجر کو ثانی وقت یعنی اسفار میں پڑھنا افضل ہے۔ جیسے گرمی میں ظہر کی نماز اول وقت میں نہ پڑھنا چاہئے، اس وجہ سے کہ سخت گرمی جہنم کا اثر ہے اور جہنم اللہ تعالیٰ کی صفت غضب کا مظہر ہے، لہٰذا سخت گرمی میں تاخیر افضل ہے، اور یہ تاخیر حق صلاۃ کی بناء پر ہوگی۔

مایعرفن، عورتوں کی ذات نہیں پہچانی جاتی تھی، یعنی یہ عورت خالدہ ہے، یا شاکرہ، گھر کی ہے یا اجنبیہ، یہ چیز نہیں پہچانی جاتی تھی، عورت کی صفت پہچان لی جاتی تھی۔

من الغلس، سب سے پہلے آسمان روشن ہوتا ہے، پھر فضاء روشن ہوتی ہے، آہستہ آہستہ ایک وقت آتا ہے، کہ جب رات کی تاریکی بھی کچھ رہتی ہے اور فضاء میں روشنی بھی رہتی ہے، اسی وقت کو غلس کہتے ہیں، اس کے مقابل میں ''اسفار'' ہے اسفار کے معنی ہیں روشنی کرنا، آسمان اور زمین کے مابین تمام فضاء روشن ہو جائے اور ابھی زمین روشن نہ ہو، ایسے وقت کو اسفار کہتے ہیں۔

یہ حدیث بظاہر ائمہ ثلاثہ کے مطابق ہے، کیونکہ وہ فجر کو غلس میں پڑھنے کے قائل ہیں، احناف کی طرف سے ایک جواب تو یہی ہے، کہ یہ حضور ﷺ کا عمل تھا، اور حضور ﷺ کا فرمان اسفار میں نماز پڑھنے کے لئے ہے، اور عمل پر قول کو ترجیح دی جاتی ہے، حضور ﷺ کا غلس میں نماز پڑھنے کا معمول کیوں تھا؟ اس کی وضاحت ماقبل میں ہو چکی ہے، اور بعض لوگ یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ درحقیقت لفظ ''من الغلس'' حضرت عائشہؓ سے مروی نہیں ہے، بلکہ ان کا قول ''مایعرفن'' پر ختم ہو گیا، حضرت عائشہ کا منشاء یہ تھا کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی آتی تھیں، اس وجہ سے انہیں کوئی پہچانتا نہیں تھا۔ کسی راوی نے یہ سمجھا کہ نہ پہچاننے کا سبب اندھیرا تھا، اس لئے انہوں نے ''من الغلس'' کا لفظ بڑھا دیا، گویا یہ ادراج من الراوی ہے، اس تقریر کے بعد ائمہ ثلاثہ کا اس حدیث سے غلس میں نماز پڑھنے پر استدلال ہی درست نہیں ہوگا۔

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں عورتیں مسجد نبوی میں نماز پڑھتی تھیں، اس دور میں علماء عورتوں کو مسجد میں آنے سے کیوں روکتے ہیں؟

جواب: آپ ﷺ نے عورتوں کو برقع وغیرہ میں سارا بدن چھپا کر چند شرائط کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دی تھی، اور ان کو مسجد میں آنے سے روکنے کو منع فرمایا تھا، مگر لیکن اس وقت بھی عورتوں کو ترغیب اسی بات کی دی جاتی تھی، کہ وہ گھروں میں ہی نماز ادا کریں، کیونکہ ان کیلئے گھروں میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے کے مقابل میں افضل ہے، چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے ''لم یختلفوا

ان صلاة المرأة فی بیتها افضل من صلاتها فی المسجد" (التمهید ص:۱۹۶، ج:۱۱/ر) آپ ﷺ کے وفات کے بعد وہ حالات نہیں رہے، لوگوں کے دلوں کی حالت بدلنے لگی اور جن شرائط کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دی گئی تھی، ان کی پابندی میں کوتاہی ہونے لگی، تو فتنے کے سدباب کیلئے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ "اگر آج کے حالات رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیتے" اسلئے عام صحابہ کرام نے یہی فیصلہ کیا کہ حالات کی اس تبدیلی کی بناء پر اب عورتوں کا مسجد میں آنا فتنہ سے خالی نہیں رہا، اس لئے حضرات صحابہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا، جب اس دور میں یہ حالات تھے، تو آج کے اس دور میں جب کہ جنسی بے راہ روی نہ صرف عام بلکہ قانونی طور پر درست بھی جا رہی ہے، عورتوں کا مسجد میں آنا کسی بھی طرح شریعت کے اصولوں سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے فقہاء اسلام عورتوں کا مسجد میں آنا مقاصد شریعت کے خلاف سمجھتے ہیں، اور اس کی اجازت نہیں دیتے ہیں، اس مسئلہ کی مزید تحقیق کے لئے "خواتین اسلام کی بہترین مسجد" رسالہ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۵۵۲ ﴿آپ سحری کے فوراً بعد نماز پڑھتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۵۹۹

وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلَاةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری ص:۸۲، ج:۱م باب وقت الفجر کتاب مواقیت الصلاة، حدیث نمبر ۵۷۶

ترجمه: حضرت قتادہؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم اور حضرت زید بن ثابت نے سحری کھائی، جب سحری سے فارغ ہوگئے، تو رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، پھر آپ نے نماز پڑھائی، ہم نے حضرت انسؓ سے کہا کہ سحری سے فارغ ہو کر، نماز شروع کرنے تک کتنا فاصلہ تھا، تو حضرت انسؓ نے جواب دیا جتنے وقت میں ایک انسان پچاس آیتیں پڑھ سکے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ سحری کھانے اور فجر کی نماز پڑھانے کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں فرماتے تھے، چنانچہ آپ سحری اخیر وقت میں تناول فرماتے تھے، اور نماز اول وقت میں پڑھتے تھے، دونوں عملوں کے درمیان پچاس آیتیں تلاوت کرنے کے بقدر وقفہ فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلما فرغا من سحورهما قام نبی الله إلى الصلاة، سحری کا وقت ختم ہوتے ہی آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، علامہ تورپشتیؒ نے لکھا ہے کہ وقت کا اندازہ ایک باریک مسئلہ ہے، جو عام لوگوں کی بس کی بات نہیں، لہٰذا عام لوگوں کو سحری اور نماز فجر کا وقت کا اندازہ اس حدیث کے مطابق نہ کرنا چاہے، آپ ﷺ نے جو اندازہ فرمایا تھا اس کی بنیاد وہ یقینی علم تھا جو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا تھا، آپ ﷺ معصوم عن الخطاء تھے دین کے کسی بھی معاملہ میں آپ ﷺ سے کوئی غلطی اصادر ہونا ناممکن ہے، ابن عبدالملکؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی جان کار آدمی ہے جو علم نجوم کے ذریعہ صبح صادق کے داخل ہونے کو یقینی طور پر سمجھ لیتا ہے تو اس کیلئے بھی اتنی تاخیر جائز ہے، صاحب مرقات نے ان دونوں قولوں کو نقل کرنے کے بعد اپنی رائے لکھی ہے کہ یہاں غلطی کا احتمال ہے، یقین کا حاصل ہونا ممکن نہیں ہے، لہٰذا اتنی تاخیر نہ کرنا چاہئے۔ (مرقات ص:۱۳۲، ج:۲)

یہ سب اس دور کی گفتگو ہے جب گھڑی عام نہیں تھی، آج کل صبح صادق کا بالکل صحیح اور یقینی علم ہو جاتا ہے، لہٰذا صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے پہلے سحری کھانے میں جتنی بھی تاخیر کی جائے کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابن علی)

یہ حدیث بھی بظاہر احناف کے خلاف ہے؛ کیونکہ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز اول وقت میں پڑھتے تھے،

اس کا جواب بھی گذشتہ حدیث کی تشریح سے سمجھ میں آجاتا ہے، کہ آپ ﷺ کا عمل تو غلس میں نماز پڑھنے کا تھا، لیکن فرمان اسفار کے لئے تھا، غلس میں نماز پڑھنے کا عمل کیوں تھا، اس کی بھی وضاحت گذشتہ حدیث میں ہو چکی ہے، نیز اگر یہ رمضان کی سحری ہے، تو رمضان میں عام طور پر لوگ غلس میں جمع ہو جاتے ہیں، اس لئے احناف بھی رمضان میں غلس میں نماز فجر کو مستحب سمجھتے ہیں۔ اس صورت میں یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں ہوگی۔

حدیث نمبر ۵۵۳ ﴿نماز کو مستحب وقت میں پڑھنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۰

وعن اَبِی ذرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتَ اِذَا کَانَتْ عَلَیْكَ اُمَرَاءُ یُمِیْتُوْنَ الصَّلَاۃَ اَوْ یُؤَخِّرُوْنَھَا عَنْ وَقْتِھَا قُلْتُ فَمَاتَاْمُرُنِی قَالَ صَلِّ الصَّلَاۃَ لِوَقْتِھَا فَاِنْ اَدْرَکْتَھَا مَعَھُمْ فَصَلِّ فَاِنَّھَا لَكَ نَافِلَۃٌ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم ص: ۲۳۰، ج: ۱، باب کراھۃ تاخیر الصلاۃ عن وقتھا المختار، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۴۸

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس دن تمہارا کیا حال ہوگا، جب تمہارے حاکم ایسے لوگ ہوں گے، جو نماز کو مار دینگے، یا نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر دینگے، تو میں نے کہا آپ مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تم نماز اس کے وقت پر پڑھ لینا، پھر اگر تم اسی نماز کو ان کے ساتھ پانا، تو پھر پڑھ لینا، یہ نماز تمہارے حق میں نفل ہوگی۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ نے حضرت ابوذرؓ کو ایک تدبیر بتائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمہارے حاکم اور دنیوی معاملات کے ذمہ داران اپنی غفلت اور سستی کی بناء پر نماز کو تاخیر سے پڑھیں اور تمہارے اندر ان کو ٹوکنے یا ان کی مخالفت کرنے کی سکت نہ ہو، تو تم ایسا کرنا کہ پہلے اپنی نماز کو مستحب وقت میں پڑھ لینا، ایسا کرنے سے تمہاری فرض نماز مستحب وقت میں ادا ہو جائے گی، پھر اگر تم کو ان حاکموں کے ساتھ بھی نماز پڑھنی پڑے، تو ان کے ساتھ بھی شریک ہو جانا، ان کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز تمہارے حق میں نفل ہو جائے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح کیف انت، یعنی اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے اوپر ایسے امراء مسلط ہو جائیں گے، جو نماز کو اس کے مستحب وقت میں نہیں پڑھیں گے؛ بلکہ مکروہ وقت میں پڑھیں گے، اور تم ان کی مخالفت پر قادر بھی نہیں ہوگے، اگر تم ان کیساتھ نماز پڑھوگے، تو اول وقت کی فضیلت سے محروم ہو جاؤگے، اور اگر انکی مخالفت کروگے، تو انکی جانب سے تکلیف اٹھاؤگے اور جماعت کی فضیلت ہاتھ سے جائیگی۔ یمیتون الصلاۃ او یؤخرونھا، یہاں راوی کو شک ہے، کہ اوپر کے راوی نے اس جگہ "یمیتون" کا لفظ نقل کیا یا "یؤخرون" کا لفظ نقل کیا۔ دونوں لفظ مفہوم کے اعتبار سے یکساں ہیں، کہ ایک وقت میں تمکو اپنے حکمرانوں کی وجہ سے مشقت میں پڑنا پڑیگا، وہ اپنی غفلت اور سستی کی بناء پر نماز مکروہ وقت میں پڑھیں گے، آپ ﷺ کا اعجاز تھا آپ ﷺ نے آئندہ کی خبر بالکل درست بتادی تھی؛ چنانچہ بنوامیہ کے عہد میں یہ صورت حال پیش آئی تھی، قلت فماتامرنی، حضرت ابوذرؓ نے کہا جب ایسی صورت پیش آئے تو میں کیا کروں؟ فان ادرکتھا معھم، یعنی پہلے اپنی نماز پڑھ لو، پھر امام کیساتھ بھی شریک ہو جاؤ، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کوئی امام اگر وقت مستحب سے تاخیر کر کے نماز پڑھتا ہے، تو اسکے مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ پہلے مستحب وقت میں اپنی نماز پڑھ لیں۔ اور پھر جماعت کیساتھ امام کے پیچھے بھی نماز میں شریک ہو جائیں، تاکہ جماعت کی فضیلت اور مستحب وقت میں نماز کی فضیلت دونوں حاصل ہو جائیں، لیکن یہ صورت صرف ظہر اور عشاء کی نمازوں میں ہی اختیار کی جاسکتی ہے، کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا درست نہیں، اور مغرب کی نماز میں تین رکعتیں ہوتی ہیں، نفل تین رکعت شریعت سے ثابت نہیں ہے۔

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا فرمان پانچوں نمازوں کے لئے ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان مطلق ہے، آپ اس کو دو نمازوں کے ساتھ متقید کیوں کر رہے ہیں؟

جواب: آپ ﷺ کا مذکورہ بالا حکم ضرور تا اسی خاص زمانہ کے لئے تھا، جب مملکت کے حکمران نمازوں میں امامت کرتے تھے، اور لوگ ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہونے پر مجبور تھے، اور جماعت میں نہ شریک ہونا فتنے کو دعوت دیتا تھا۔ لہٰذا فتنہ دبانے کی غرض سے مکروہ کام کی اجازت دے دی گئی تھی۔ (تلخیص مرقات ص:۱۳۳،۱۳۴، ج:۲)

حدیث نمبر ۵۵۴ ﴿ایک رکعت جس نے پائی اس نے نماز پالی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۱

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص: ۸۲، ج: ۱/ باب من ادرك من الفجر ركعةً، كتاب مواقيت الصلاة، حديث نمبر ۵۷۹، مسلم ص: ۲۲۱، ج: ۱/ باب من ادرك ركعةً من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، كتاب المساجد، حديث نمبر ۶۰۸

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سورج نکلنے سے پہلے صبح کی نماز ایک رکعت پالی اس نے صبح کی نماز پالی اور جس نے سورج چھپنے سے پہلے عصر کی نماز ایک رکعت پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہ نکلتا ہے کہ جس شخص کو فجر کی یا عصر کی ایک رکعت بھی مل گئی، تو اس کی نماز ہوگئی، یعنی بس ایک رکعت کافی ہے، بقیہ رکعت اس کے لئے پڑھنا لازم نہیں ہے، لیکن یہ مفہوم اجماع کے خلاف ہے، پھر اس حدیث کا کیا مفہوم لیا جائے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وقت نکلنے سے پہلے ایک رکعت اگر پڑھ لی تو وقت کے بعد نماز پوری کر کے نماز ادا ہو جائے گی، اور کچھ لوگ اس کے علاوہ بھی معنی بیان کرتے ہیں، مزید تحقیق کلمات حدیث کی تشریح کے تحت دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح من ادرك ركعة، رکوع اور سجود کے ساتھ ایک رکعت پالی، فقد ادرك الصبح، ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ جس نے ایک رکعت کے بقدر وقت پالیا، اس نے نماز کو پالیا کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو کہ نماز کا اہل نہیں تھا، مثلاً پہلے، نابالغ تھا، یا کافر تھا، پھر وہ اہل ہوگیا، اور ابھی ایک رکعت کے بقدر وقت باقی ہے، تو یہ نماز اس پر لازم ہو جائے گی، اور ایک قول یہ ہے کہ جس کو ایک رکعت مل گئی، اس کو جماعت کی فضیلت مل گئی۔

دوران نماز سورج طلوع یا غروب ہوجانے تو کیا حکم ہے؟

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر میں اگر طلوع شمس ہو جائے، اسی طرح اگر عصر میں غروب شمس ہو جائے، تو جس نماز میں لگا ہوا ہے، اس نماز کو پورا کر لے، یعنی درمیان میں طلوع شمس اور غروب شمس ہو جائے تو نماز مکمل کرنا چاہئے، دونوں میں سے کوئی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

دلیل: ایک دلیل تو حدیث باب ہے، دوسری دلیل آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ "إذا ادرك احدكم سجدةً من صلاة العصر قبل أن تغرب الشمس فليتم صلاته وإذا ادرك سجدةً من صلاة الصبح قبل أن تطلع الشمس فليتم صلاته" اس حدیث میں آپ ﷺ نے نماز پورا کرنے کا حکم دیا ہے، نماز کے فاسد ہونے کو نہیں بتایا، نیز فجر اور عصر میں کوئی فرق بھی نہیں کیا ہے۔

حنفیہ کا مسلک: حنفیہ کے نزدیک غروب شمس کے پیش آ جانے کے باوجود اس دن کی عصر کی نماز پوری کی جائے گی اور فجر میں طلوع شمس ہوگیا، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور قضاء ضروری ہوگی۔

حنفیہ میں سے امام طحاوی علیہ الرحمہ فجر کی طرح عصر یوم کو بھی فاسد قرار دیتے ہیں، تاکہ فجر اور عصر میں فرق نہ رہے۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ عصر کی طرح فجر کو بھی صحیح قرار دیتے ہیں، مگر انہوں نے اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ جب درمیان صلاۃ سورج طلوع ہوجائے، تو بوقت طلوع اداء ارکان سے رک جائے، جب طلوع ہوجائے تو پھر مابقیہ نماز پوری کرے۔

دلیل: حنفیہ کی دلیل وہ احادیث ہیں، جن میں تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، اور یہ احادیث درجۂ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، اس لئے طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت نماز کی اجازت نہیں دی جائے گی، سوال یہ ہوگا کہ عصر یوم کو مکمل کرنے کی اجازت کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا استثنا ایک وجہ سے ہے جس کی ہم آگے وضاحت کریں گے، حنفیہ کی ایک دلیل ابن عمر سے مروی یہ حدیث ہے "**ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لایتحری احدکم فیصلی عند طلوع الشمس ولاعند غروبھا**" اس کے علاوہ بھی اس قسم کی بہت سی احادیث حنفیہ کی دلیل ہیں۔

عصر اور فجر میں فرق کی وجہ

حنفیہ کے ضابطہ کے مطابق سورج غروب ہونے کے بعد عصر یوم کی بھی اجازت نہ ہونا چاہئے، لیکن حنفیہ عصر یوم کو مکمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں، جب کہ فجر کی نماز قضاء پڑھنے کو کہتے ہیں، اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

حنفیہ اس فرق کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ حدیث باب اور ان احادیث کے درمیان تعارض ہے، جن میں طلوع اور غروب کے وقت نماز کی ممانعت وارد ہوئی ہے، "**واذا تعارضا تساقطا**" اور جب احادیث کے درمیان تعارض ہو تو اصول فقہ کے قاعدہ کے مطابق ترجیح کے لیے قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا، اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ فجر کی نماز فاسد اور عصر کی نماز درست ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فجر کا سارا وقت کامل ہے، اس میں کوئی وقت ناقص نہیں ہے، لہٰذا جو شخص آخر وقت میں نماز شروع کر رہا ہے، وہ کامل وقت میں نماز شروع کر رہا ہے، اب اس کو نماز کامل وقت میں پوری بھی کرنا ہے، لیکن طلوع شمس کی وجہ سے ادائیگی ناقص ہوئی، اور وجوب کامل کی صورت میں اگر ادائیگی ناقص ہو تو نماز فاسد ہوجاتی ہے، اس کے برخلاف عصر کا آخری وقت ناقص ہے، جو شخص آخر وقت میں عصر کی نماز ادا کر رہا ہے، اس پر نماز ناقص واجب ہوئی، لہٰذا ادائے ناقص درست ہے، اس حکمت کے پیش نظر فجر اور عصر میں ہم فرق کرتے ہیں۔

حدیث باب حنفیہ کے خلاف ہے: اس حدیث میں عصر اور فجر کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، جب کہ حنفیہ کا مذہب عصر اور فجر کے درمیان فرق کرتا ہے، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کے خلاف ہے، حنفیہ اس حدیث کی مختلف تاویل کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی تاویل تشفی بخش نظر نہیں آتی ہے۔

ایک تاویل تو حنفیہ یہی کرتے ہیں کہ یہ حدیث اور ان احادیث جن میں اوقات ثلاثہ میں نماز کی ممانعت ہے، کے درمیان تعارض ہے، لہٰذا دونوں طرح کی روایات ساقط ہوجائیں گی، حالانکہ یہ تاویل صحیح نہیں ہے، کیونکہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ یہاں اثبات ہے اور ان احادیث میں نہیں ہے، اور نہی اور اثبات میں تعارض نہیں ہوتا، بلکہ تعارض نفی اور اثبات میں ہوتا ہے، نہ کہ نہی اور اثبات میں، بالفاظ دیگر احادیث نہی کا موضوع جواز وعدم جواز، اور حدیث باب کا موضوع فساد اور عدم فساد ہے، اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں، جیسے حنفیہ کے نزدیک صوم یوم النحر ممنوع ہے، لیکن اگر کسی نے رکھ لیا تو معتبر ہے، نیز اگر تعارض مان بھی لیا جائے تو حنفیہ نے جو قیاس کیا ہے، وہ بھی محل نظر ہے، کیونکہ اس قیاس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وجوب ادا میں کمال اور قصور کے اعتبار سے فرق ہوجانے پر نماز فاسد ہوجاتی ہے، آپ کے اس قیاس سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص اصفرار شمس سے ذرا پہلے عصر کے وقت کامل میں نماز شروع کرے اور اصفرار کے بعد وقت مکروہ میں نماز ختم کرے، تو اس کی بھی نماز فاسد ہوجائے، اس لئے کہ وجوب تو وقت کامل میں

ہوا، اور ادائیگی ناقص میں ہوئی، حالانکہ عصر کی نماز کے اس فساد کا کوئی قائل نہیں ہے، معلوم ہوا کہ آپ کا قیاس صحیح نہیں ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی تاویلات کی گئی ہیں۔لیکن تمام تاویلات محل نظر ہیں، کوئی بھی تشفی بخش نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں اور مولانا گنگوہیؒ نے الکوکب الدری میں ائمہ ثلاثہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے، اور یہ کہا ہے کہ جس طرح عصر یوم کی صحت تسلیم کی گئی ہے، اسی طرح فجر کی درستگی کا بھی اعتراف کرنا چاہئے، حضرت مفتی تقی عثمانی نے درس ترمذی میں لکھا ہے کہ حدیث باب حنفیہ کے بالکل خلاف ہے، مختلف مشائخ حنفیہ نے اس کا جواب دینے میں بڑا زور لگایا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی شافی جواب نہیں دیا جاسکا، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے مسلک پر، اس حدیث کو مشکلات میں شمار کیا گیا ہے۔

(یہ مباحث درس ترمذی، معارف السنن، وغیرہ سے مستفاد ہیں)

حدیث نمبر ۵۵۵ ﴿درمیان صلاۃ سورج طلوع ہو تو نماز مکمل کرنا چاہئے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۲

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ وَاِذَا اَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص: ۷۹ باب من ادرک رکعۃً من العصر قبل الغروب، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۵۶

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص جب عصر کی نماز کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالے، تو اس کو چاہئے کہ اپنی نماز پوری کرلے، اور جب صبح کی نماز کی ایک رکعت سورج نکلنے سے پہلے پالے، تو اس کو چاہئے کہ اپنی نماز پوری پڑھے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہی ہے کہ سورج غروب ہونے یا طلوع ہونے سے پہلے جو نماز شروع کی جاچکی ہے، اس کو باطل نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس کو مکمل کرلینا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح إذا أدرك احدکم سجدةً، یہاں سجدہ سے مراد رکعت ہے، چوں کہ سجدہ پر رکعت تمام ہوتی ہے، اسی بناء پر آخری جزء بول کر کل مراد ہے، نیز بعض روایت میں "من ادرک منکم رکعةً" وارد ہوا ہے،

فلیتم صلاتہٗ ، اگر وقت کے اندر ایک رکعت پڑھنے کا موقع مل گیا پھر وقت سورج غروب ہونے یا طلوع ہونے کی وجہ سے ختم ہوگیا، تو نماز باطل نہ کرنا چاہئے، بلکہ اس کو پوری کرلینا چاہئے، اس روایت میں بھی فجر اور عصر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ حنفیہ فجر اور عصر میں فرق کرتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث بھی حنفیہ کے خلاف ہے۔کچھ لوگوں نے یہاں یہ تاویل کی کہ نماز پوری کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وقت نکلنے کے بعد اس کی قضاء کرلی جائے لیکن بات وہی صحیح ہے جو گذشتہ حدیث میں ذکر کی گئی ہے کہ اس سلسلہ میں حنفیہ کے، پاس کوئی مضبوط جواب نہیں ہے، لہٰذا محققین کی رائے یہی ہے کہ دونوں نمازیں سورج طلوع یا غروب ہونے کے باوجود مکمل کرلی جائیں۔مزید تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث نمبر ۵۵۴ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۵۵۶ ﴿جو سوگیا وہ بعد میں قضاء نماز پڑھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۳

وعن اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَفِي رِوَايَةٍ لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذٰلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۸۴، ج: ۱/ باب من نسی صلاۃً فلیصل اذا ذکرھا، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر

۵۹۷، مسلم ص: ۲۴۱، ج: ۱/ باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ، واستحباب تعجیل قضائھا، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۸۴.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز کو بھول گیا یا نماز سے غافل ہو کر سویا رہا، تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ جب نماز اس کو یاد آئے تو وہ نماز پڑھ لے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا کفارہ وہی نماز ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نائم و ناسی نماز کے مکلف نہیں ہیں، لیکن اگر ناسی کو نماز یاد آجائے، یا نائم نیند سے بیدار ہوجائے تو نوم و نسیان کی صورت میں جو معافی تھی وہ ختم ہوجائے گی، اب نماز اس کے ذمہ واجب ہوگئی، لہٰذا جلد از جلد نماز ادا کرنا چاہئے، حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ نماز کی قضاء کے بعد انسان کی طبیعت میں تساہل پیدا ہوجاتا ہے، اور نماز کی اہمیت مکمل طور سے باقی نہیں رہتی، بلکہ طبیعت میں ٹال مٹول پیدا ہوجاتا ہے، اور یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ جب چاہیں گے پڑھ لیں گے، اس لئے شریعت میں حکم دیا گیا ہے کہ قضاء نماز یاد آتے ہی پڑھ لو۔

کلمات حدیث کی تشریح من نسی صلاۃً، یعنی جس نے بھول کر نماز کو ترک کردیا۔ اونام عنھا، یا نماز سے غافل ہو کر سویا رہا، فکفارتھا، تو اس شخص کے گناہ، زائل ہونے کی صورت یہی ہے کہ نماز یاد آتے ہی قضاء پڑھ لے، کئی نمازیں پڑھنا یا صدقہ و فدیہ دینا اس پر واجب نہیں۔ (تلخیص، مرقات ص: ۱۳۵، ج: ۲/)

یاد آنے پر نماز پڑھنے کا مطلب

امام صاحب کا مذھب: فوت شدہ نماز جب یاد آجائے، اور وقت بھی صحیح ہو تو فوراً ادا کرلے، ورنہ مکروہ وقت ختم ہوتے ہی ادا کرلے

دلیل: آپ ﷺ کی فجر کی نماز چھوٹ گئی، پھر آپ ﷺ جب بیدار ہوئے تو وقت مکروہ تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے فوراً نماز نہیں پڑھی، بلکہ کچھ انتظار کے بعد نماز پڑھی، حدیث کے الفاظ ہیں "فلما ارتفعت الشمس وابیضت قام فصلی "یعنی جب سورج بلند ہو کر بالکل صاف ہوگیا، اور وقت مکروہ ختم ہوگیا، تب آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔

شوافع کا مذھب: فوت شدہ نماز یاد آتے ہی پڑھنا ضروری ہے، خواہ یاد آنے کا وقت مکروہ وقت ہی کیوں نہ ہو،

دلیل: یہ حضرات حدیث کے ظاہر الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ "إذا ذکرھا" یعنی جوں ہی یاد آئے نماز پڑھنا ضروری ہے آپ ﷺ کے فرمان میں عموم ہے، اب اگر اس سے وقت مکروہ کو الگ کیا جائے تو عموم کو ختم کرنا ہے۔

شوافع کا جواب ومذھب حنفیہ کی ترجیح: حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ یہاں دو روایتیں ہیں، جن میں وقت اور مصلی کے سلسلے میں دو عموم اور دو خصوص ہیں، ایک تو یہی روایت ہے جو نائم و ناسی کے بارے میں ہے جس میں "فلیصلھا اذا ذکرھا" کے الفاظ ہیں، اس میں اوقات کا عموم ہے، کہ جس وقت بھی یاد آئے نماز پڑھ لے، اور مصلی کا خصوص ہے، کہ صرف نائم و ناسی کے لئے یہ حکم ہے، اور دوسری وہ مشہور روایات ہیں، جن میں اوقات مکروہہ میں نماز سے ممانعت کی گئی ہے، ان روایات میں مصلی کا عموم ہے کہ نائم ناسی ہو یا کوئی دوسرا، اور اوقات کا خصوص ہے کہ ان اوقات میں نماز کی ممانعت ہے، گویا دونوں روایتوں میں سے ہر روایت میں ایک عموم ہے، اور ایک خصوص، اور صورت حال یہ ہے کہ دونوں روایات کو نہ احناف پورے طور پر لے رہے ہیں، اور نہ شوافع، شوافع نے اوقات مکروہہ میں ممانعت کی روایت میں مصلی کے عموم میں سے نائم و ناسی کا استثناء کیا ہے، اور احناف نے نائم و ناسی کے لئے اوقات کے عموم میں سے اوقات مکروہہ کا استثناء کیا ہے، گویا دونوں روایتوں کو پورے طور پر نہ شوافع ہی لے سکے، اور نہ احناف، اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کی تخصیص قاعدہ کے موافق ہے اور دلیل کے لحاظ سے قوی ہے، تو اس کا فیصلہ پیغمبر علیہ السلام کے عمل سے ہوسکتا ہے، اور پیغمبر ﷺ

کا عمل جیسا کہ احناف کی دلیل میں گذرا یہ تھا کہ آپ ﷺ نے قضاء شدہ نماز وقت مکروہ میں نہیں پڑھی، معلوم ہوا کہ حنفیہ کی تخصیص پیغمبرؑ کے عمل کے موافق اور درست ہے۔

اشکال: شوافع کی جانب سے یہ اشکال کیا جاتا ہے، کہ آپ ﷺ کا عمل یعنی نماز کو مؤخر کرنا جگہ کی خرابی سے بچنے کی وجہ سے تھا، کیونکہ روایات میں وضاحت ہے، "إنَّ هذا وادٍ به شيطانٌ" کہ یہ ایسی وادی ہے جہاں شیطان ہے۔

جواب: آپ ﷺ کا نماز کے لئے وادی سے ہٹنا اور وقت کو مؤخر کرنا شیطان کی وجہ سے نہیں تھا، کیونکہ شیطان تو مسجد میں بھی آجاتا ہے اور انسان کے دل میں بھی آجاتا ہے، پھر بتایئے کہ جگہ کو شیطان کی وجہ سے چھوڑا جارہا ہے تو وقت کو شیطان کی وجہ سے کیوں نہیں چھوڑا جائے گا، حالانکہ وقت سے نماز کا گہرا تعلق ہے۔ (ایضاح البخاری ص: ۵۷، ۵۸، ج: ۴)

عمداً ترک صلاۃ پر قضاء ہے یا نہیں

ظواہر کا مذہب: اہل ظواہر کہتے ہیں کہ فوت شدہ نماز کی قضاء واجب نہیں۔

دلیل: یہ حضرات دلیل میں حدیث باب کو پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ قضاء کے لئے نوم ونسیان شرط ہیں، اور شرط کے انتفاء سے مشروط کا بھی انتفاء ہو جاتا ہے، لہٰذا نوم ونسیان نہ ہونے کی صورت میں قضاء واجب نہیں ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک عمداً ترک شدہ نماز کی قضاء لازم ہے، فرق یہ ہے کہ نوم ونسیان کی صورت میں ترک صلاۃ پر گناہ نہیں ہے، اور عمداً ترک کی صورت میں گناہ ہے۔

دلیل: عمداً ترک صلاۃ پر قضاء کی سب سے مضبوط دلیل یہی روایت ہے، جس میں نائم ونسیان پر قضاء کو واجب کیا گیا ہے؛ کیونکہ یہ حکم اس حدیث سے دلالت النص کے طور پر ثابت ہو رہا ہے، دلالت النص کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز حکم منصوص سے درجہ اولیٰ میں ثابت ہو، اور یہ استدلال کا نہایت قابل اعتماد طریقہ ہے، جیسے "لاتقل لهما افٍ" میں اف کہنے کی ممانعت سے ضرب وشتم کی ممانعت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جب نائم وناسی پر یاد آنے کے بعد قضاء واجب ہے، جب کہ ان کا عذر قابل قبول تھا، تو عمداً ترک کرنے والے پر بدرجہ اولیٰ قضاء واجب ہوگی، کیونکہ ان کے پاس کوئی قابل قبول عذر شرعی نہیں ہے۔ (بذل المجہود ص: ۲۵۲، ج: ۲ / ۱)

حدیث نمبر ۵۵۷ ﴿سونے رہنے کی حالت میں قصور نہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۴

وعن اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقْظَةِ فَاِذَا نَسِيَ اَحَدُ كُمْ صَلَاةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَاَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ رَوَاهُ مُسْلِم.

حواله: مسلم ص: ۲۴۲، ج: ۱ / باب قضاء الصلاة الفائتة، كتاب المساجد، حديث نمبر ۶۸۴

ترجمه: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قصور سوئے رہنے کی حالت میں نہیں ہے، بلاشبہ قصور تو جاگتے رہنے کی حالت میں ہے، سو تم میں سے کوئی شخص جب نماز پڑھنا بھول جائے، یا نماز سے غافل ہو کر سو جائے، تو اس کو چاہئے کہ یاد آتے ہی نماز پڑھ لے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، "واقم الصلاة لذكرى" یعنی نماز میرے یاد کرنے کے لئے قائم کرو۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ جو شخص محو خواب ہے، تو اس حالت میں (سونے کی حالت میں) نماز چھوٹ جانے کیوجہ سے اس غلطی کی نسبت سونے کی طرف نہیں ہوگی، کیونکہ سویا ہوا شخص کسی بات کا مکلف نہیں ہوتا ہے، مکلف تو بیداری کی حالت میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کوتاہی کی نسبت جاگتے رہنے کے وقت اس عمل کی طرف ہوگی، جس کی بناء پر وہ نماز کے وقت سوتا رہ گیا۔

کلمات حدیث کی تشریح انما التفریط بیداری کی حالت میں جس عمل میں مشغول رہا وہ عمل لائق گرفت ہے، مثلاً شطرنج کھیلتا رہا، یا فضول بکواس کرتا رہا، اور تاخیر سے سویا، جس کی بناء پر نماز فجر چھوٹ گئی، توان اعمال کی بابت باز پرس ہوگی۔ فلیصلها اذا ذکرها: اس جملہ کی وضاحت گذشتہ حدیث نمبر ۵۵۶ رمیں ہو چکی ہے۔

واقم الصلاۃ لذکری، میری یاد کے لئے نماز قائم کرو، مطلب یہ ہے کہ نماز کا اصل مقصد ذکر الٰہی کو تازہ رکھنا ہے، اصل میں بندہ کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے، لیکن چونکہ اس سلسلے میں کوتاہی ہی ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی آسانی کے لئے ذکر کی مخصوص صورتیں مخصوص اوقات سے متعلق کردی ہیں، پنج وقتہ نمازوں کا مقصد بھی اقامت ذکر ہے، انہیں مخصوص صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اگر انسان نماز کو بھول جائے یعنی قضاء ہو جائے تو جب یاد آئے اس کو ادا کر لے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۵۵۸ ﴿تین چیزوں میں عجلت پسندیدہ ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۵

عن عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاعَلِيُّ ثلاثٌ لاَ تُؤَخِّرْ هَا الصَّلَاةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا رَوَاهُ التِرمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص: ۴۳، ج: ۱ / باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۷۱.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اے علی تین کاموں میں دیر نہ کرو! (۱) نماز، جب اس کا وقت آجائے (۲) جنازہ، جب تیار ہو جائے، (۳) بے نکاحی عورت، جب اس کا کفو تمہیں مل جائے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تین کام بہت اہم ہیں، ان کا وقت آجانے پر ان میں تاخیر نہ کرنا چاہئے، تاخیر کی صورت میں فتنہ وفساد پھوٹتا ہے، اور معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، وہ تین کام یہ ہیں (۱) جنازہ جب آجائے تو اس میں تاخیر ہرگز نہ کی جائے (۲) نماز کا وقت مستحب آنے کے بعد اس کو مؤخر نہ کرنا چاہئے (۳) جو مرد یا عورت بے نکاح ہوں اور ان کا کفو مل جائے تو پھر ان کے نکاح میں تاخیر نہ کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتؤخرها، تین چیزوں میں تاخیر مت کرو، کیونکہ اس میں تاخیر آفت کو دعوت دینے کے مانند ہے، اور یہ تین چیزیں اس حدیث سے مستثناء ہیں، جس میں جلد بازی کو شیطان کی جانب سے کہا گیا ہے۔

الصلاۃ إذا اتت، نماز کا وقت آنے کے بعد اس کو مؤخر نہ کرنا چاہئے، یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف محسوس ہو رہی ہے، لیکن حقیقتاً یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ یہاں اولِ وقت سے مراد اول وقت مستحب ہے، اور اس کی دلیل اسفار وابراد کی احادیث ہیں، خود امام شافعیؒ نے وقت عشاء میں یہی تاویل کی ہے۔

والجنازۃ اذا حضرت، حنفیہ کے نزدیک یہ جزء اپنے ظاہر پر محمول ہے: لہٰذا اگر جنازہ طلوع، غروب، نیز استواء شمس کے وقت بھی آجائے، تو بھی اسی وقت نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور یہ مکروہ نہیں ہوگی، لیکن اگر جنازہ وقت مکروہ سے پہلے آچکا ہے اور پھر تاخیر کے نتیجے میں مکروہ وقت میں ادا کی جارہی ہے، تو کراہت پیدا ہو جائے گی، یہی حکم سجدہ تلاوت کا بھی ہے۔ والایم اذا وجدت لها كفواً، ''ایم'' سے بعض لوگ بے نکاحی مراد لیتے ہیں، حالانکہ ایم کا اطلاق اس عورت پر ہوتا ہے جو خاوند والی نہ ہو خواہ وہ کنواری ہو، ثیبہ ہو، مطلقہ ہو، یا ایسی عورت ہو جسکا خاوند مرگیا ہو، اور علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ ایم سے مراد وہ ہے جس کا زوج نہ ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، کفو ملنے کے بعد نکاح میں نہ یر درست نہیں، کفو سے مراد زوجین کا ایک دوسرے کے اسلام، حریت، دینداری، حسب ونسب، پیشہ

اور تمول میں برابر ہونا ہے، (مرقات ص:۱۳۶، ج:۲/) جنازہ کی نماز اور نکاح سے متعلق مزید مسائل اپنے مقام پر ذکر کئے جائیں گے۔

حدیث نمبر ۵۵۹ ﴿اول وقت میں نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے﴾

عالمی حدیث نمبر ۶۰۶

وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُاللّٰهِ رَوَاهُ التِّرمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص: ۴۳، ج: ۱/ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۷۱.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''نماز کا اول وقت تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے، اور آخیر وقت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی ہے۔'' (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز کو اول وقت میں ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، اور جو شخص بلا وجہ نماز مؤخر کرتا ہے، وہ اگرچہ غلط کرتا ہے، لیکن آخر وقت میں بھی نماز ادا ہوجاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس پر بھی ناراض نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ اس کو معاف فرمادیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح الوقت الاول، جو شخص اول وقت میں نماز ادا کرتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، لیکن اول وقت سے مراد وقت مختار کا اول ہے، فجر کی نماز اسفار تک، عصر کی نماز سورج میں تغیر نہ آنے تک اور عشاء کی نماز ثلث لیل سے کچھ پہلے تک مؤخر کرنا احناف کے نزدیک مستحب ہے، کیونکہ اس میں نماز کے انتظار کی فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے، اور جماعت کی کثرت بھی حاصل ہوتی ہے (مرقات ص:۱۳۷، ج:۲/) اسی طرح گرمی میں ظہر کی نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے۔

والوقت الاخر عفو اللّٰہ: نماز کو آخیر وقت میں پڑھنا ایک قسم کی کوتاہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کو معاف فرمادیں گے، اخیر وقت سے مراد وہ آخری حصہ ہے، جس میں نماز کی ادائیگی کراہت کے ساتھ ادا ہوتی ہے، جیسے عصر کی نماز اصفرار شمس کے بعد اور عشا کی نماز آدھی رات کے بعد پڑھنا، اور اگر تاخیر سے وقت اول کے بعد اور وقت مکروہ سے پہلے کی تاخیر مراد ہو تو پھر یہاں ''عفو'' کے معنی معاف کرنے کے نہ ہوں گے، بلکہ فضل کے معنی ہوں گے، کیونکہ عفو فضل کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو'' (وہ لوگ سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرمادیجئے جو بھی تمہاری اور تمہارے عیال کی روزی سے زائد ہو خرچ کرو) آیت میں عفو کے معنی فضل کے ہیں، اسی طرح اس حدیث کا بھی مطلب ہوگا کہ وقت کے آخیر میں اللہ کا بہت فضل ہے، اور مفہوم یہ نکلے گا کہ وقت مکروہ سے پہلے پہلے لیکن اول وقت سے تاخیر سے نماز پڑھنا چاہئے، یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔ نماز کو اول وقت سے مؤخر کرکے کیوں پڑھا جائے گا اس کی وضاحت حدیث نمبر ۵۵۱/ کے تحت ہوچکی ہے۔

حدیث نمبر ۵۶۰ ﴿نماز کا اول وقت میں پڑھنا افضل عمل ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۷

وَعَنْ اُمِّ فَرْوَةَ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَايُرْوَى الْحَدِيْثُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْعُمَرِيِّ وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ.

حوالہ: مسند احمد ص: ۳۷۴، ۳۷۵، ج: ۶/ ابوداؤد ص: ۶۱، ج ۱/ باب فی المحافظة علی وقت الصلوات، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۲۶، ترمذی ص: ۴۲، ج: ۱/ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، کتاب

الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۷۰۔

ترجمہ: حضرت ام فروہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا سب سے بہتر عمل کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کو اول وقت میں پڑھنا (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ روایت صرف عبداللہ بن عمر عمری کی سند سے نقل ہوئی ہے۔ اور عمری محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل نماز کا جماعت کے ساتھ اول وقت میں پڑھنا ہے، دیگر اعمال کے بارے میں جو افضلیت ثابت ہے وہ جزوی اعتبار سے ہے، عمومی اعتبار سے ایمان کے بعد نماز کو افضلیت حاصل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ای الاعمال افضل سب سے افضل عمل کون ہے؟ احادیث میں بہت سے اعمال کی طرف افضلیت کی نسبت کی گئی ہے، بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقتاً کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ مختلف وجوہات سے مختلف چیزوں کی طرف افضلیت کی نسبت کی گئی ہے۔ مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۵۲۳ر دیکھئے۔

الصلاۃ لاوّل وقتها، یہ حدیث بھی ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق ہے، کیونکہ وہ نماز کو اول وقت میں مطلقاً افضل قرار دیتے ہیں، حنفیہ کی جانب سے ایک جواب تو یہی ہے کہ یہاں اول وقت سے مراد مستحب وقت کا اول ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ خود امام ترمذی کی تشریح کے مطابق عبداللہ بن عمر عمری کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے، نیز اس حدیث میں متن کے اعتبار سے اضطراب ہے، کیونکہ بعض روایت میں "الصلاۃ لاول وقتها" اور بعض میں "الصلاۃ لوقتها" اور بعض میں "الصلاۃ علی مواقیتها" اور بعض میں "الصلاۃ علی میقاتها الاول" وارد ہوا ہے۔

حدیث نمبر ۵۶۱ ﴿آپ ﷺ نے آخیر وقت میں دوبار بھی نماز نہیں پڑھی﴾

عالمی حدیث نمبر ۶۰۸

وعن عائِشَةَ قَالَتْ مَاصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً لِوَقْتِهَا الاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعالٰى رَوَاهُ التِرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص: ۴۳، ج: ۱/ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۴۷۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آخر وقت میں نماز دومرتبہ نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں دو نمازیں بھی آخر وقت میں نہیں پڑھیں آپ ﷺ کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ آپ نماز کو اس کے مستحب وقت میں ادا فرماتے رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ماصلّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے علم کے مطابق یہ بات فرمائی ہے کہ حضور ﷺ نے دومرتبہ بھی آخیر وقت میں نماز نہیں پڑھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ سے دومرتبہ تو آخیرت وقت میں نماز پڑھنا ثابت ہے ہی، مشکوٰۃ شریف میں حدیث نمبر ۵۳۷ر کے تحت امامت جبرئیل والی حدیث میں دوسرے دن وقت اخیر میں نماز پڑھنا ثابت ہے، نیز حدیث نمبر ۵۳۶ر کے تحت حدیث السائل عن مواقیت الصلاۃ میں بھی دوسرے دن اخیر وقت میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔

علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسحاق بن عمرو کے تحت روایت ذکر کی ہے، نیز ترمذی کے بعض نسخوں میں بھی یہاں "اِلَّا مَرَّتَیْنِ" کے الفاظ آئے ہیں، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہوگا، کیونکہ مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے آخری وقت میں صرف دو مرتبہ نماز پڑھی۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ ساری بحث وقت کے آخری حصہ تک نماز کو مؤخر کرنے کے بارے میں ہے، جہاں تک اول وقت سے کچھ تاخیر کا تعلق ہے تو ایسا تو آپ ﷺ سے بہت سے مواقع پر ثابت ہے، ذیل میں ہم چند واقعات نقل کرتے ہیں (۱) ایک روایت میں ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لوگوں نے امام بنالیا، اس کے بعد حضور ﷺ تشریف لائے انہوں نے پیچھے آنا چاہا تو آپ ﷺ نے اشارہ سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ پیچھے آہی گئے۔ (۲) آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ سفر میں تھے، آپ ﷺ قضاء حاجت کے لئے تشریف لئے گئے، نماز میں تاخیر ہونے لگی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو امام بنالیا گیا۔ آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی، (۳) جس رات کو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا، نماز فجر میں نکلنے کے لئے آپ ﷺ نے تاخیر فرمائی اس کے بعد آپ ﷺ آئے اور اس واقعہ کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا (۴) آپ ﷺ کے مرض الوفات کے واقعہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپ ﷺ نے نماز پڑھانے کا کچھ تاخیر سے حکم فرمایا، یہ اور اس طرح کے واقعات بتارہے ہیں کہ آپ ﷺ نے اول وقت سے کچھ تاخیر کرکے کئی بار نماز پڑھی ہے۔

حدیث نمبر ۵۶۲ ﴿مغرب کی نماز اول وقت میں پڑھنا چاھئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۰۹، ۶۱۰

وعن اَبِی اَیُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ اَوْ قَالَ عَلَی الْفِطْرَۃِ مَالَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی اَنْ تَشْتَبِکَ النُّجُوْمُ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاہُ الدَّارِمِیُّ عن العبَّاسِ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۶۰، باب فی الوقت المغرب، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۱۸، دارمی ص: ۲۹۷، ۲۹۸، باب کراھیۃ تاخیر المغرب حدیث نمبر ۱۲۱۰۔

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت ہمیشہ بھلائی پر یا فطرت اسلام پر رہے گی، جب تک کہ وہ مغرب کی نماز اتنی مؤخر نہ کرنے لگیں، کہ چمکتے ہوئے تاروں کا ہجوم ہوجائے، (ابوداؤد) اور دارمی نے یہ حدیث حضرت عباسؓ سے نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے مصر میں عقبہ بن عامر کے پیچھے نماز پڑھی، عقبہ بن عامر مصر کے امیر تھے، انہوں نے مغرب کی نماز میں تاخیر کی، تو ابوایوب انصاریؓ نے تاخیر پر اشکال کیا، انہوں نے کسی مشغولی کا عذر کیا تو اس پر حضرت ابوایوبؓ نے یہ حدیث سنائی کہ آپ ﷺ فرماتے تھے، کہ میری امت خیر پر قائم رہے گی، جب تک نماز میں تاخیر نہ کرے گی، (یہاں پر حدیث مختصراً ہے طویل حدیث میں وہ مفہوم ہے جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔)

کلمات حدیث کی تشریح اِلٰی اَنْ تشتبك النجوم، امت اسی وقت تک خیر پر رہے گی جب تک مغرب میں تاخیر نہیں کرے گی اور اگر مغرب میں اتنی تاخیر کرنے لگی کہ چمکتے ہوئے ستاروں کا ہجوم ہوجائے، تو امت خیر کا دامن چھوڑ دے گی، یہیں سے معلوم ہوا کہ محض ستارے نکل آنے سے مغرب کے وقت میں کراہت پیدا نہیں ہوتی؛ بلکہ کراہت اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب ستاروں کا ہجوم ہوجائے۔

مغرب کا وقت مستحب باتفاق فقہاء غروب شمس کے معا بعد ہے، شیعہ کہتے ہیں کہ مغرب کا وقت اشتباک نجوم کے بعد داخل ہوتا ہے، مذکورہ بالا حدیث ان کے خلاف واضح دلیل ہے، آپ ﷺ سے مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھنا ثابت ہے، لیکن وہ بیان جواز کے لئے تھا، آپ کا مستقل معمول غروب شمس کے معا بعد نماز مغرب پڑھنے کا تھا۔

حدیث نمبر ۵٦۳ ﴿ثلث لیل تک تاخیر عشاء مستحب ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ٦۱۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ يُّؤَخِّرُوا الْعِشَآءَ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ اَوْ نِصْفِهٖ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: مسنداحمد ص: ۲۵۰، ج: ۲/ ترمذی ص: ٤۲، ج: ۱/ باب تأخیر العشاء، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱٦۷، ابن ماجه ص: ۵۰ باب وقت صلاۃ العشاء کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ٦۹۱

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں اپنی امت پر بھاری نہ سمجھتا تو میں ان کو عشاء کی نماز تہائی رات تک یا آپ ﷺ نے فرمایا نصف رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک تہائی رات تک عشاء کو مؤخر کرنا مستحب ہے؛ لیکن اگر قلت جماعت کا اندیشہ ہو، یا لوگوں کے مشقت میں پڑنے کا خدشہ ہو تو عشاء کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ منشاء رسول نمازِ عشاء کو مؤخر کرنا ہے، اور یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لولا ان اشق علی امتی حضور ﷺ نے حق مصلین کی وجہ سے تاخیر کا حکم نہیں دیا؛ لیکن اتنا تو معلوم ہوا کہ ثلث رات تک نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے، لیکن اگر تاخیر میں کثرت جماعت ہو تو تاخیر ہی اولی ہے لأمرتُ، مطلب یہ ہے کہ اگر خدشہ نہ ہوتا تو آپ وجوباً حکم دیتے، وجوباً حکم نہیں دیا، لیکن استحباب برقرار ہے، چنانچہ حنفیہ کے یہاں یہی مسئلہ ہے، کہ اگر تاخیر سے مشقت نہ ہوتو تاخیر مستحب ہے۔ الی ثلث اللیل او نصفه، راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے ثلث اللیل فرمایا یا نصف لیل فرمایا، لیکن دوسری روایات میں ثلث لیل کی صراحت ہے اس لئے حدیث میں بھی ثلث متعین ہے۔ وقت عشاء سے متعلق مزید تحقیق کے لیے حدیث نمبر ۵۳۵ و ۵٤۱/ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۵٦٤ ﴿"عشاء کی نماز صرف اس امت پرفرض ھونی"﴾ عالمی حدیث نمبر ٦۱۲

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِمُوْا بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فَاِنَّكُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلٰى سَائِرِ الْاُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا اُمَّةٌ قَبْلَكُمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ٦۱ ج: ۱/ باب وقت العشاء الأخرة، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ٤۲۱

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ اس نماز میں تاخیر کرو، دراصل گذشتہ تمام امتوں پر اسی نماز کے ذریعہ سے تم کو فضیلت بخشی گئی ہے تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ کو دیگر امتوں پر جہاں پر بہت سی چیزوں میں فضیلت و برتری حاصل ہے، وہیں عشاء کی نماز کے حوالے سے بھی یہ امت دیگر امتوں پر فائق ہے، امم سابقہ میں سے کسی بھی امت پر عشاء کی نماز فرض نہیں تھی، یہ نماز صرف امت محمدیہ پر فرض ہوئی ہے، لہٰذا امت محمدیہ کو اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی قدر کرنا چاہئے، اور اس نماز کو اہتمام کے ساتھ کچھ تاخیر کرکے پڑھنا چاہئے تاکہ جماعت میں کثرت ہوجائے اور اگر کثرت اول وقت میں ہو تو اول وقت میں عشاء ادا کرنا مستحب ہے، اعتموا بهذه الصلاة، نماز عشاء کو مؤخر کرنے کا حکم ہے، یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کے مطابق اور ائمہ ثلاثہ کے خلاف ہے، عشاء کے وقت سے متعلق مزید تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث اور حدیث ۵۳۵، ۵٤۱/ دیکھئے۔

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز امت محمدیہ کے علاوہ کسی امت نے نہیں پڑھی، حالانکہ حدیث نمبر ۵۳۷/ کے تحت

یہ بات گذری کہ آپ کو حضرت جبرئیلؑ نے پانچوں نمازیں پڑھائیں اور پھر فرمایا "هذا وقت الانبياء من قبلك" اس سے معلوم ہوا کہ دیگر انبیاء کرام کی امتیں بھی پانچوں نمازیں بشمول عشاء کے پڑھا کرتی تھیں، دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض نظر آ رہا ہے۔

جواب: دونوں طرح کی احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عشاء کی نماز دیگر امتوں پر فرض نہیں ہوئی، صرف امت محمدیہ پر فرض ہوئی، اور وہ حدیث جس میں حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا" هذا وقت الانبياء من قبلك" اس سے یہ تو نہیں ثابت ہوتا کہ دیگر امتیں عشاء کی نماز پڑھتی تھیں، اور جب یہ ثابت نہیں ہوا تو تعارض بھی نہیں ہوا، اس سے تو صرف اتنا ثابت ہوا کہ عشاء کی نماز پہلے انبیاء پڑھا کرتے تھے اور حدیث باب میں انبیاء کے عشاء کی نماز پڑھنے کی نفی نہیں ہے، اس کے علاوہ سابق میں ایک جواب نقل کیا جا چکا ہے، کہ "هذا وقت الانبياء " میں لفظ ہذا سے پانچوں نمازوں کی طرف اشارہ نہیں ہے، بلکہ صرف فجر کی نماز کے وقت اسفار کی طرف اشارہ ہے، اور جب یہاں پانچوں نمازیں مراد نہیں ہوں گی تو کوئی اشکال بھی نہیں ہوگا۔

حدیث نمبر ۵۶۵ ﴿آپ عشاء کی نماز کب پڑھتے تھے؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۳

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلَاةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: ابو داؤد ص: ۶۰، ج: ۱/ باب فی وقت العشاء الآخرہ کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۱۹، دارمی ص: ۲۹۸، ج: ۱/ باب وقت العشاء، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۲۱۱.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میں اس نماز یعنی عشاء آخرہ کا وقت خوب جانتا ہوں، رسول اللہ ﷺ اس نماز کو تیسری رات کے چاند چھپنے کے وقت پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے، جس وقت کے مہینے کی تیسری تاریخ کو چاند نظروں سے غائب ہوتا ہے، اور قمری مہینے کی تیسری تاریخ کو چاند شفق احمر کے کچھ دیر گذرنے کے بعد غائب ہوتا ہے؛ معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز اول وقت سے کچھ مؤخر کر کے پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح انا اعلم بوقت هذه الصلاة حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ عشاء کی نماز کے حوالے سے آپ ﷺ کا معمول میں زیادہ بہتر طور پر جانتا ہوں، دیگر صحابہ بھی جانتے تھے، لیکن بعض مرتبہ کسی وجہ سے کسی صحابی کو کسی خاص مسئلہ سے زیادہ واقفیت ہو جاتی تھی، اس بناء پر وہ صحابی اس مسئلہ کا خاص اہتمام بھی کرتے تھے، حضرت نعمانؓ کا اپنی طرف "اعلم" کی نسبت کرنا خود ستائی کی بناء پر نہ تھا، بلکہ مقصد یہ تھا، کہ سامعین ان کی روایت کو توجہ سے سنیں اور قبول کریں، اور یہ بھی لوگوں کے نفع کے پیش نظر تھا، اپنی کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں تھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا یہ کہنا اکابر صحابہ کے انتقال کے بعد ہو، جو راوی حدیث نعمان بن بشیرؓ سے علم میں بڑھے ہوتے تھے۔

صلاة العشاء الاخرہ: شروع میں مغرب وعشاء دونوں کے لئے "عشاء" کا لفظ بولا جاتا تھا اور فرق کے لئے مغرب کو "العشاء الاول" اور عشاء کو "العشاء الاخرہ" سے تعبیر کرتے تھے، پھر بعد میں صلاۃ مغرب کے لئے مغرب کا لفظ اور صلاۃ عشاء کے لئے عشاء کا لفظ خاص ہو گیا، یصلیها لسقوط القمر لثالثة، جس وقت تیسری رات کا چاند غروب ہوتا تھا، اس وقت آپ ﷺ نماز عشاء پڑھتے تھے، ابن حجر مکی شافعیؒ حدیث کے اس جزء سے اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں، ملا علی قاریؒ نے اسی موقع پر ابن حجرؒ کا قول نقل کر کے ان کی تردید کی ہے۔

ابن حجر مکی کہتے ہیں کہ تیسری تاریخ کو چاند عام طور پر شفق احمر کے ساتھ ساتھ غائب ہوتا ہے، اور شفق احمر ہی عشاء کا اول وقت ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ کا معمول عشاء کو اس کے اول وقت میں پڑھنے کا تھا، اور یہ امام شافعی کی تعجیل عشاء کے سلسلے میں صریح دلیل ہوگی۔ اس کے بعد ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ابن حجر کی یہ بات غیر محقق ہے، اس وجہ سے کہ شفق کے ساتھ چاند کی غیوبت دوسری رات میں ہوتی ہے، نہ کہ تیسری رات میں، اور یہ امر مشاہد ہے، جو چاہے تجربہ کر لے۔ (مرقات ص:۱۳۸ / ج:۲ / ر)

حاصل یہ نکلا کہ پہلے شفق احمر ہوتا ہے، اس کے کچھ دیر بعد چاند غائب ہوتا ہے، یہیں سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز اول وقت میں ادا نہیں فرماتے تھے، کیونکہ نماز عشاء کا وقت تو شفق احمر کے ساتھ ہوتا ہے۔

شفق احمر کے کتنی دیر بعد تیسری رات کا چاند غائب ہوتا ہے؟ حضرت مفتی سعید صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے دوران درس فرمایا تھا کہ اگر چاند انتیس کا ہے، تو تیسری رات کا چاند تیس کے چاند کے مقابل میں آدھا گھنٹہ پہلے غروب ہوگا یعنی دونوں راتوں میں آدھے گھنٹے کا فرق ہوگا، حضرت کی اس وضاحت سے ابن حجر مکی اور ملا علی قاری کے درمیان جو اختلاف ہے وہ بھی رفع ہو جاتا ہے، جس کی وضاحت حضرت سہارنپوریؒ نے یوں فرمائی ہے کہ ممکن ہے کہ ان دونوں کا اختلاف رؤیت پر مبنی ہو، انتیس کی رویت ہونے کی صورت میں ایسا ہوتا ہے جو ابن حجرؒ کہہ رہے ہیں، اور تیس کی رؤیت میں وہ ہو جو ملا علی قاریؒ کہہ رہے ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ انتیس کی رؤیت ہوگی تو شفق احمر اور غیوبت قمر ساتھ میں ہوگا، اور تیس کی رؤیت میں غیوبت قمر شفق احمر کے آدھا گھنٹہ بعد میں ہوگا۔

حدیث نمبر ۵۶۶ ﴿فجر اسفار میں پڑھنا افضل ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۴

وعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَلَيْسَ عِنْدَ النَّسَائِيُّ فَاِنَّهُ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ.

حوالہ: ابو داؤد ص: ۶۱، باب فی وقت الصبح، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۲۴، ترمذی ص: ۴۰، ج: ۱/ باب الاسفار بالفجر، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۵۴، نسائی ص: ۹۴، ج: ۱، باب الاسفار، کتاب المواقیت، حدیث نمبر ۵۴۸، دارمی ص: ۳۰۰، ۳۰۱، ج: ۱/ باب الاسفار بالفجر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۲۱۷.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی نماز اجالے میں پڑھو، کیونکہ اس میں بہت بڑا ثواب ہے، (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) اور نسائی کی روایت میں "فانہ اعظم للاجر" کے الفاظ نقل نہیں ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ فجر کی نماز اسفار میں پڑھو، یعنی جب آسمان اور فضاء کے درمیان روشنی پھیل جائے تو فجر کی نماز پڑھو، اس میں اجر بہت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اسفروا بالفجر آپ ﷺ نے اسفار میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے، حنفیہ کے نزدیک اسفار میں نماز پڑھنا مستحب ہے، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کی واضح دلیل ہوگی، جب کہ ائمہ ثلاثہ غلس میں نماز فجر پڑھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں، الہٰذا یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہوگی۔

یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے کہ حضور ﷺ کے عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ غلس میں نماز فجر پڑھتے تھے، لیکن آپ ﷺ کے اقوال سے اسفار کا استحباب ثابت ہوتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب قول اور عمل میں تضاد محسوس ہو تو قول کو ترجیح دی جائے گی، لہٰذا اسفار والی روایات کو ترجیح حاصل ہوگی، آپ ﷺ کے غلس میں نماز پڑھنے کی وضاحت حدیث نمبر ۵۵۱ / کے تحت ہو چکی ہے۔

سوال: جب اسفار میں ثواب زیادہ ہے تو آپ ﷺ اس پر عمل کیوں نہیں فرماتے تھے؟

جواب: اس سوال کی وضاحت حدیث نمبر ۵۵۰/ کے تحت ہو چکی ہے، لیکن مختصراً سمجھ لیا جائے کہ یہ فضیلت لغیرہ ہے، یعنی کثرت جماعت کی وجہ سے ہے، اور حضور کو یہ فضیلت اول وقت ہی میں حاصل ہے، لہٰذا آپ اول وقت ہی میں نماز پڑھتے تھے اور دو فضیلتیں میسر نہیں ہو سکتیں، اس لئے حکم یہ ہے کہ عام لوگ اسفار میں پڑھیں۔

حنفیہ کے یہاں راجح قول تو یہی ہے کہ نماز اسفار میں شروع کر کے اسفار میں ہی ختم کی جائے، لیکن امام طحاویؒ کا قول یہ ہے کہ نماز غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کی جائے، اس قول کو بعد کے علماء نے مستحسن قرار دیا ہے، کیونکہ اس قول پر عمل کرنے سے غلس اور اسفار دونوں طرح کی روایات پر عمل ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ دونوں طرح کی روایات پر عمل کرنے کیلئے یہ تطبیق دی اسفار کرنا افضل ہے، اس کی دلیل حضرت معاذؓ کی حدیث ہے "بعثنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الی الیمن فقال اذا کنت فی الشتاء فغلّس بالفجر واطِلْ القراءۃ قدر مایطیق الناس ولا تملهم، واذا کنت فی الصیف فاسفر بالفجر فان اللیل قصیر والناس ینامون فامهلهم حتی ادرکوا" (حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یمن بھیجا تو یہ حکم فرمایا کہ جب سردی کا موسم ہو تو فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا اور لوگوں کی برداشت بھر لمبی قرأت کرنا اور لوگوں کو اکتانہ دینا اور جب گرمی کا موسم ہو تو فجر کی نماز اسفار میں کرنا، کیونکہ رات چھوٹی ہوتی ہے، اور لوگ سوتے رہتے ہیں؛ لہٰذا ان کو مہلت دو تا کہ وہ فجر کی نماز میں شامل ہو جائیں۔

حدیث باب کی ائمہ ثلاثہ کی جانب سے توجیہ

چونکہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے خلاف ہے، لہٰذا اس کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ممکن ہے کچھ صحابہ اول وقت کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں طلوع فجر سے پہلے ہی فجر پڑھ لیتے ہوں، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا " اسفروا بالفجر " یعنی اتنی جلدی مت کرو بلکہ صبح روشن ہو جانے دو۔

توجیه کا جواب: ائمہ ثلاثہ کی توجیہ بالکل غیر مناسب ہے، اس لئے کہ قبل الوقت تو نماز صحیح ہی نہیں ہوتی، اور اس میں نہ اجر قلیل ہے، نہ کثیر، جب کہ حدیث باب میں قلت اجر کے مقابلے میں کثیر اجر کو بیان کیا جا رہا ہے۔

سوال: اسفار کی حد کیا ہے؟

جواب: اسفار کے معنی جیسے کہ پہلے گذر چکے کہ روشن کرنا ہے، آسمان وفضا کے بیچ میں روشنی ہو اور زمین نظر نہ آئے تو یہ اسفار ہے، اس کی حد کے بارے میں حنفی علماء نے لکھا ہے کہ فجر کی نماز اس وقت پڑھی جائے، جب کہ ترتیل کے ساتھ چالیس سے ساٹھ آیتوں کے مابین تلاوت ہو سکے، اور پھر بھی اتنا وقت بچ جائے کہ اگر وضو کر کے کوئی پھر سے چالیس سے ساٹھ آیتوں کی قرآت کے ساتھ طلوع شمس سے پہلے نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۵۶۷ ﴿وقت عصر کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۵

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ الْعَصْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تُنْحَرُ الْجَذُوْرُ فَتُقْسَمُ عَشْرَ قِسَمٍ ثُمَّ تُطْبَخُ فَنَاْكُلُ لَحْمًا نَضِيْجًا قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری ص: ۳۳۸، ج: ۱/ باب الشرکة فی الطعام، کتاب الشرکة حدیث نمبر ۲۴۸۵، مسلم- ص: ۲۲۵، ج: ۱/ باب استحباب التبکیر بالعصر، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۲۵.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کیساتھ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتے، پھر اونٹ ذبح کئے جاتے اور اس کو دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا، پھر گوشت پکایا جاتا، پھر سورج چھپنے سے پہلے پہلے ہم وہ پکا گوشت کھاتے تھے (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ عصر میں تعجیل فرماتے تھے، اسی وجہ سے عصر کی نماز اور مغرب کی نماز کے درمیان طویل وقفے کو گھیرنے والے اعمال صحابہ انجام دے لیتے تھے، اس حدیث میں بھی ایک طویل عمل کا تذکرہ ہے، اگر عصر میں تاخیر ہوتی تو اس قسم کا کوئی بھی عمل انجام دینا ممکن ہی نہیں تھا، ائمہ ثلاثہ عصر میں مطلقاً تعجیل کے قائل ہیں، جب کہ حنفیہ تعجیل اضافی کے قائل ہیں، یعنی وقت آنے کے کچھ دیر بعد عصر پڑھنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح کنا نصلی العصر، احناف کے نزدیک عصر کا وقت مشہور روایت کے مطابق مثلین کے بعد شروع ہوتا ہے، جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مثل اول کے بعد شروع ہوتا ہے، یہی صاحبین کا مذہب ہے، اور امام صاحب سے بھی ایک روایت اسی قسم کی مروی ہے۔ دلائل کے لئے حدیث نمبر ۵۳۵ دیکھئے۔

حدیث باب کا جواب: حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے، کیونکہ مثلین کے بعد اگر نماز پڑھی جائے، تو اتنا وقت نہیں رہتا کہ حدیث میں مذکور عمل انجام دیا جائے، حنفی علماء کی طرف سے یہ تاویل کی جاتی ہے کہ حضرت رافعؓ نے جو کچھ بیان کیا وہ موسم گرما کا ذکر ہے، اس موسم میں دن بڑا ہوتا ہے، اس لئے طویل کام کی گنجائش رہتی ہے، علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھنے کی صورت میں، غروب آفتاب تک اتنا وقت باقی رہتا ہے کہ وہ سب کیا جا سکے، جو حضرت رافعؓ نے اس حدیث میں بیان کیا ہے، جن لوگوں نے ماہر باورچیوں کو حکام وامراء کے ساتھ سفروں میں کھانا تیار کرتے دیکھا ہے، وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ اتنے وقت میں یہ عمل ناممکن نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا تمام تر تعلق مہارت سے ہے، عالم گیر کے زمانے کا واقعہ ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد وہیں قربانی کی جاتی تھی، اور خطبے سے فارغ ہونے کے بعد عالم گیر کو قربانی کا پکا ہوا گوشت پیش کیا جاتا تھا، اور وہ نوش فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ حدیث میں مذکور عمل عصر کی نماز کے بعد (جو کہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہو) اور مغرب کی نماز سے پہلے انجام دیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ درمیان میں تقریباً ایک گھنٹے کا وقت ہوتا ہے۔

(**نوٹ**): یہ تاویل چلے یا نہ چلے لیکن اتنا تو ماننا پڑے گا کہ عصر کے وقت میں کوتاہی کی حد تک تاخیر ہوتی ہے، مثلاً دیوبند کے اطراف میں مثلین کے کچھ دیر بعد اذان ہوتی ہے، پھر اذان کے آدھا گھنٹہ بعد نماز ہوتی ہے، جب حنفیہ کے یہاں مثل ثانی پر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے (اگرچہ مثل ثانی پر وقت شروع ہونا خود دلائل کی رو سے کمزور مذہب ہے) تو پھر اس کے بعد اتنی تاخیر کیوں کی جاتی ہے؟ اس سلسلے میں بہت توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

حدیث نمبر ۵٦۸ ﴿حضور ﷺ کا ثلث لیل پر نماز پڑھانا﴾ عالمی حدیث نمبر ٦١٦

وعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ فَخَرَجَ إِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ بَعْدَهُ فَلَا نَدْرِيْ أَشَيْءٌ شَغَلَهُ فِيْ أَهْلِهِ أَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ إِنَّكُمْ لَتَنْتَظِرُوْنَ صَلَاةً مَا يَنْتَظِرُهَا أَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْ لَا أَنْ يَثْقُلَ عَلٰى أُمَّتِيْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ أَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَلّٰى رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص: ۲۲۹، ج: ۱/باب وقت العشاء وتاخیرها، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ٦۳۹

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک رات ہم لوگ عشاء آخرہ کی نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے،

چنانچہ آپ ﷺ جس وقت رات کا تہائی یا اس سے زائد حصہ گذر گیا، ہم لوگوں کے پاس تشریف لائے، ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ کسی گھریلو کام میں مشغول رہے یا اس کے علاوہ کوئی بات تھی، جس وقت آپ ﷺ نکل کر آئے اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ تم لوگ ایک ایسی نماز کا انتظار کر رہے ہو کہ تمہارے علاوہ کوئی دین والا اس کا انتظار نہیں کر رہا، اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا، تو میں ان کے ساتھ اسی وقت نماز پڑھتا، اس کے بعد آپ نے موذن کو حکم دیا، چنانچہ موذن نے تکبیر کہی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عشاء کی نماز امت محمدیہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطیہ ہے، اور یہ ایسا عطیہ ہے جو کسی دوسری امت کو نصیب نہیں ہوا، لہٰذا اس عطیہ کی قدر کرنا چاہئے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشاء میں ثلث رات تک تاخیر کرنا افضل ہے، جتنی ہی تاخیر ہوگی اتنا ہی ثواب ہوگا، لیکن تاخیر کی صورت میں قلت جماعت کا اندیشہ ہو یا نمازیوں کے مشقت میں پڑنے کا خدشہ ہو، تو ایسی صورت میں عشاء کی نماز جلد پڑھ لینا افضل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **العشاء الاخرة**، پہلے مغرب کی نماز کو عشاء اول اور عشاء کی نماز کو عشاء آخرہ کہتے تھے، عشاء آخرہ سے وہی نماز مراد ہے جس کو ہم عشاء کہتے ہیں، **ثلث اللیل او بعدہٗ** یہاں راوی کو شک ہے کہ حضور ﷺ تہائی رات گذرنے کے بعد یا اس سے بھی کچھ زیادہ حصہ گذرنے کے بعد تشریف لائے **فلاندری اشیٌ شغله فی اهله او غیر ذالك** یعنی ہم لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ حضور ﷺ کو آج اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے، کوئی گھریلو مصروفیت ہے جس کی بناء پر آپ ﷺ تشریف نہیں لا رہے ہیں، یا کوئی دوسرا عذر پیش آ گیا ہے جسکی بنا پر آپ نہیں آ رہے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ حضور ﷺ نماز عشاء کے انتظار کی فضیلت اور اس میں تاخیر کرنے کے ثواب کو بتانا چاہتے تھے، اسی بناء پر آپ ﷺ نے تاخیر فرمائی، **ماینتظرها اهل دین**، یعنی عشاء کی نماز پڑھنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے صرف امت محمدیہ ﷺ کو بخشی ہے، دوسرے دین کے ماننے والے یعنی یہودی و نصاریٰ اپنی آرام گاہوں میں آرام و راحت میں لگے ہیں، جبکہ امت محمدیہ کے افراد محنت و ریاضت کے ذریعہ قرب خداوندی کے حصول میں لگے ہیں۔

اس حدیث سے عشاء کی نماز میں تعجیل کی افضلیت ثابت ہے یا تاخیر کی، جو لوگ تاخیر کو مستحب قرار دیتے ہیں ان کے حق میں تو یہ دلیل واضح طور پر حجت ہے، لیکن جو لوگ عشاء میں تعجیل کے قائل نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں آپ ﷺ کا جو عمل بیان ہوا وہ نہ کسی عذر کی وجہ سے تھا، نہ بیان جواز کیلئے تھا؛ بلکہ آپ ﷺ کا عمل بالقصد تھا، جیسا کہ حدیث باب کے الفاظ سے بخوبی ثابت ہو رہا ہے (تلخیص، مرقات ص: ۱۴۰، ج: ۲ ر) (عشاء کے وقت سے متعلق مزید مباحث کے لئے حدیث نمبر ۵۴۱ ر دیکھئے)۔

حدیث نمبر ۵۶۹ ﴿حضور ﷺ ہلکی قرأت فرماتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۷

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ نَحْوًا مِنْ صَلَاتِكُمْ وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَتَمَةَ بَعْدَ صَلَاتِكُمْ شَيْئًا وَكَانَ يُخَفِّفُ الصَّلَاةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص: ۲۲۹، ج: ۱ ر باب وقت العشاء و تاخیرها، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، حدیث نمبر ۶۴۳.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ تمہارے جیسے ہی نماز پڑھتے تھے، البتہ عشاء کی نماز تمہاری عشاء کی نماز کے بنسبت کچھ تاخیر سے پڑھتے تھے، اور آپ ﷺ نماز کچھ ہلکی پڑھتے تھے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا بھی حاصل یہی ہے کہ آپ ﷺ عشاء کی نماز اول وقت سے تاخیر کر کے پڑھتے تھے، اور آپ ﷺ کمزوروں اور بوڑھوں کی رعایت کی وجہ سے عام طور پر نماز میں چھوٹی سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح **یصلی الصلوات نحوا** حضور ﷺ تمہاری طرح نماز پڑھتے تھے یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کیفیت پر تم نماز پڑھتے ہو اسی کیفیت پر حضور ﷺ نماز پڑھتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جن اوقات میں تم نماز

پڑھتے ہو تقریباً انہیں اوقات میں آپ ﷺ بھی نماز پڑھتے تھے۔ وکان یؤخر العتمه، حضور ﷺ عشاء میں تاخیر فرماتے تھے، "عتمہ" سے مراد عشاء کی نماز ہے، عشاء کی نماز کو پہلے عتمہ کہا جاتا تھا، کہ دیگر نمازوں کے نام سے ان کے اوقات کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے، مثلاً فجر کی معنی صبح، ظہر کے معنی دو پہر، عصر کے معنی نچوڑنا، مطلب یہ ہے کہ دن کا بڑا حصہ نچوڑ کر نکال دو پھر جو وقت بچے اس میں عصر پڑھو، مغرب کے معنی سورج غروب ہونے کا وقت، عشاء کے لئے عتمہ کا لفظ درست نہیں تھا، اس وجہ سے کہ اونٹ کے دوہنے کے وقت میں تبدیلی آ سکتی تھی، اس وجہ سے اس لفظ سے روک دیا گیا اور اس کی جگہ عشاء نام رکھ دیا گیا۔

اشکال: جب عتمہ کہنے سے منع فرما دیا گیا تھا، تو پھر حضرت جابر نے عشاء کو عتمہ سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: (۱) ممانعت والی حدیث اس وقت تک ان کے علم میں نہیں تھی، اس لئے لاعلمی میں عشاء کے بجائے عتمہ کا لفظ استعمال فرمایا، (۲) عام لوگ لفظ عتمہ سے واقف تھے، اور لفظ عشاء نہیں جانتے تھے، اس بناء پر لفظ عتمہ استعمال کیا۔

وکانا یخفف الصلاۃ، آپ ﷺ مقتدیوں کی رعایت کی بناء پر عام طور سے نماز میں چھوٹی سورتیں تلاوت فرماتے تھے، کبھی کبھی لمبی سورتیں بھی تلاوت فرماتے تھے؛ چنانچہ مغرب کی دونوں آیتوں میں سورہ اعراف کا پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے؛ لیکن آپ ﷺ بڑی سورت پڑھتے تو بھی لوگوں کو قرأت ہلکی لگتی تھی، کیونکہ آپ ﷺ کی طویل قرأت سے لوگ اکتاتے نہیں تھے۔ (تلخیص، مرقات ص: ۱۴۰/۱)

حدیث نمبر ۵۷۰ ﴿عشاء کی نماز کا انتظار عبادت ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۱۸

وَعَنْ اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى مَضٰى نَحْوٌ مِّنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوْا مَقَاعِدَكُمْ فَاَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَاَخَذُوْا مَضَاجِعَهُمْ وَاِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِيْ صَلَاةٍ مَّا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ وَلَوْ لَا ضَعْفُ الضَّعِيْفِ وَسَقَمُ السَّقِيْمِ لَاَخَّرْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةَ اِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: ابو داؤد ص: ۶۱/ج: ۱، باب فی وقت العشاء الاخرۃ، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۴۲۴، نسائی ص: ۹۳، ج: ۱/ باب آخر وقت العشاء، کتاب المواقیت، حدیث نمبر ۵۳۷۔

ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کیساتھ عشاء کی نماز پڑھنے کیلئے حاضر ہوئے آپ ﷺ باہر نہیں نکلے، یہاں تک کہ تقریباً نصف شب گذر گئی، پھر آپ نے فرمایا تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو، چنانچہ ہم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہے، پھر آپ نے فرمایا بلاشبہ لوگوں نے نماز پڑھ لی اور انہوں نے اپنے بستر سنبھال لئے، اور بلاشبہ تم لوگ نماز کی حالت میں ہو جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہو، اور اگر بیمار کی بیماری اور مریض کے مرض کا خیال نہ ہوتا تو میں اس نماز کو آدھی رات تک مؤخر کرنا مستحب کر دیتا (ابوداؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ عشاء کی نماز کو مؤخر کرنا مستحب اور پسندیدہ ہے، اور جو شخص اپنی راحت و آرام کو قربان کر کے نماز کے انتظار میں جاگتا رہتا ہے، تو جتنی دیر نماز کے انتظار میں رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ نماز پڑھنے والے کے مانند ہے، گویا کہ نماز کا انتظار بھی نماز پڑھنے کی طرح عبادت اور ذریعۂ ثواب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح إن الناس قد صلوا واخذوا مضاجعهم، اس سے دو طرح کے لوگ مراد ہو سکتے ہیں (۱) غیر دین والے، تو مطلب یہ ہوگا کہ دوسرے مذہب کے لوگ شام کو اپنی عبادت سے فارغ ہو کر رات میں آرام میں لگے ہوئے ہیں، (۲) دوسرے محلہ کے مسلمان مراد ہیں، مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ مسجد نبوی میں نہیں آتے، وہ عشاء کی نماز پڑھ کر سو چکے ہیں، اور تمہیں یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے کہ تم نماز کے انتظار میں جاگ رہے ہو، إلى شطر الليل، نصف یا اس سے قریب

کے لئے شطر بولا جاتا ہے، مراد ثلث لیل ہے، جیسا کہ دوسری روایت میں ذکر ہوا ہے، (مرقات ص: ۱۴۱/۲) عشاء کے وقت سے متعلق مزید مباحث کے لئے حدیث نمبر ۵۳۵، ۵۴۱/ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۵۷۱ ﴿ظہر میں تاخیر اور عصر میں بہت جلدی نہ کرنا چاہئے﴾

عالمی حدیث نمبر ۶۱۹

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ تَعْجِيْلاً لِلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَاَنْتُمْ اَشَدُّ تَعْجِيْلاً لِلْعَصْرِ مِنْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: مسند احمد ص: ۲۸۹، ج: ۶/ ترمذی ص: ۴۲، ج: ۱/ باب ماجاء فی تأخیر صلاۃ العصر، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۶۱.

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز تم سے بہت پہلے پڑھتے تھے، اور تم لوگ عصر کی نماز حضورؐ سے بہت پہلے پڑھ لیتے ہو۔ (مسند احمد، ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت ام سلمہؓ آپ ﷺ کے عمل کو لازم پکڑنے کے لئے کہہ رہی ہیں، اور نمازوں کے اوقات کے حوالے سے لوگوں کو افراط وتفریط کا شکار دیکھ کر آپ ﷺ کے عمل کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دے رہی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اشد تعجيلاً للظهر منكم: آپ ﷺ ظہر میں بہت زیادہ تاخیر نہیں کرتے تھے، خاص طور سے جاڑے کے موسم میں تو آپ ﷺ بہت جلد نماز پڑھتے تھے" وانتم اشد تعجيلا للعصر منه'' حضرت امہ سلمہ جن لوگوں پر تنقید کررہی ہیں ظاہر ہے کہ وہ لوگ عصر کی نماز وقت آنے پر ہی پڑھتے ہوں گے، لیکن ام سلمہؓ کہہ رہی ہیں تم جتنی جلدی عصر پڑھتے ہو حضور ﷺ اتنی جلدی نہیں پڑھتے تھے، بلکہ حضور ﷺ کچھ تاخیر کر کے پڑھتے تھے، معلوم ہوا کہ آج کل کے غیر مقلدین جو مثل اول کے معا بعد نماز عصر پڑھتے ہیں، وہ خلاف سنت عمل کرتے ہیں اولاً تو مثل اول پر وقت آنا خود ہی مختلف فیہ مسئلہ ہے، پھر مثل اول پر وقت بھی جاتا ہو، تو بھی وقت آنے کے معا بعد حضور ﷺ نماز نہیں پڑھتے تھے، جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہورہا ہے، یہ روایت مذہب حنفیہ کی واضح دلیل ہے، وقت ظہر وعصر سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۵۳۴/ دیکھئے

حدیث نمبر ۵۷۲ ﴿ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۰

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ عَلَيْكُمْ بَعْدِيْ اُمَرَآءُ يَشْغُلُهُمْ اَشْيَاءُ عَنِ الصَّلَاةِ لِوَقْتِهَا حَتّٰى يَذْهَبَ وَقْتُهَا فَصَلُّوا الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُصَلِّيْ مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص: ۶۲، ج: ۱/ باب إذا أخر الإمام الصلاة عن الوقت، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۴۳۳.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہیکہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، میرے بعد تمہارے اوپر ایسے لوگ حاکم ہونگے، جنکو کچھ چیزیں نماز کو اسکے وقت پر ادا کرنے سے باز رکھیں گی، یہاں تک کہ نماز کا وقت چلا جائیگا، تو تم لوگ نماز کو اسکے وقت پر ادا کرلینا، ایک صاحب بولے کہ اے اللہ کے رسول! کیا وہی نماز ان حکمرانوں کیساتھ بھی پڑھوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر امام نماز کو مستحب وقت میں ادا نہیں کررہا ہے، بلکہ مستحب وقت گذرنے کے بعد ادا کررہا ہے، تو عام آدمی کو چاہئے کہ مستحب وقت میں اپنی نماز ادا کرلے، پھر اگر مسجد میں حاضر ہو تو پھر سے امام کے

پیچھے نماز پڑھ لے، پہلی نماز فرض ہوگی اور دوسری نفل ہوگی۔

اصل میں نماز پڑھانا امام المسلمین کا منصب ہے، یا اس کا منصب ہے جس کو امیر المسلمین مقرر کردے، اب ایسی صورت میں اگر کوئی ایسے امام کی مخالفت کرے گا تو فتنہ فساد پھوٹے گا، اور ملکی نظام میں خلل واقع ہوگا، لہٰذا حکم دیا گیا کہ امام پر نکیر نہ کرو، لیکن اگر صورت حال وہ ہو جو ہمارے زمانے میں ہے۔ یعنی اہل محلہ مسجد کا اور امام کا انتظام کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں امام سے مستحب وقت میں نماز پڑھانے کے لئے کہا جائے گا۔ اس مضمون کی حدیث نمبر ۵۵۳/ابوذرؓ کی سند سے گزر چکی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ستکون علیکم امراء: اللہ کے نبی ﷺ کا یہ اعجاز تھا کہ انہوں نے جن لوگوں کے پیدا ہونے کی پیشین گوئی کی تھی وہ لوگ بعد میں پیدا ہوئے، چنانچہ بنو امیہ میں ایسے ائمہ ہوئے جو حدیث کا مصداق بنتے ہیں، یشغلہم اشیاء، یعنی بعض امور میں لگ کر نماز سے غافل ہو جائیں گے لوقتھا، بمعنی نماز کو اس کے مستحب وقت میں ادا نہیں کریں گے، حتی یذھب وقتھا، وقت مختار نکل جائے گا اور وقت مکروہ آجائے گا، فصلوا ا لصلاۃ لوقتھا، تم لوگ وقت مستحب میں نماز ادا کرلینا، خواہ تنہا تنہا ادا کرنا پڑے، لیکن ایسے طور پر ادا کرنا کہ فتنہ فساد نہ پھوٹے، اصلی معھم، یعنی اگر ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہو تو ان کی اقتداء میں بھی نماز پڑھ لینا چاہئے۔

حدیث نمبر ۵۷۳ ﴿امراء نماز کو مؤخر کریں گے﴾ حدیث نمبر عالمی ۶۲۲

وعن قَبِيْصَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِىْ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاةَ فَهِيَ لَكُمْ وَهِيَ عَلَيْهِمْ فَصَلُّوْا مَعَهُمْ مَّاصَلُّوْا الْقِبْلَةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۶۲، ج: ۱/ باب إذا أخّر الإمام الصلاة عن الوقت، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۴۳۳.

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد جب تم لوگوں کے حکمراں ایسے ہوں گے نمازوں کو دیر کرکے پڑھیں گے، تو تمہارے لئے یہ فائدہ کی چیز ہوگی اور خود ان کے لئے نقصان دہ ہوگی، لہٰذا تم ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہو، جب تک کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہیں۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی وہی ہے جو گذشتہ حدیث کا ہے، اس میں مزید یہ بات بتائی گئی ہے، کہ امراء کا نماز میں کوتاہی کرنا خود ان کے حق میں مصیبت ہوگا، لیکن تمہارے حق میں رحمت ہوگا، کیونکہ دو مرتبہ نماز پڑھنے کی وجہ سے تمہارا ثواب بڑھ جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح فھی لکم، امراء تاخیر سے نماز پڑھیں گے، لیکن تم مستحب وقت میں نماز ادا کرلو گے، پھر ان کے ساتھ بھی جماعت میں شریک ہو جاؤ گے، تو دو مرتبہ نماز پڑھنے کی وجہ سے تمہارا ثواب بڑھ جائے گا، اور امراء کی یہ تاخیر خود ان کے حق میں وبال جان ہوگی اس وجہ سے کہ وہ قدرت کے باوجود نماز میں دیر کر رہے ہیں فصلوا معھم، تم ان کی اطاعت کرو، یعنی ان کے ساتھ نماز میں دفع فتنے کے لئے شریک ہو، اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرو، لیکن یہ سب اس وقت تک ہوگا جب تک کہ وہ مسلمانوں کے قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے رہیں، یعنی جب تک ان میں علامات اسلام پائی جائیں گی اور وہ دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوں گے، اس وقت تک ان کی اطاعت کی جائے گی۔

حدیث نمبر ۵۷۴ ﴿باغی شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۳

وعن عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ وَهُوَ مَحْصُوْرٌ فَقَالَ اِنَّكَ اِمَامُ عَامَّةٍ ونزلَ بِكَ

مَاتَرٰی وَيُصَلِّي لَنَا اِمَامُ فِتْنَةٍ وَنَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلَاةُ اَحْسَنُ مَايَعْمَلُ النَّاسُ فَاِذَا اَحْسَنَ النَّاسُ فَاَحْسِنْ مَعَهُمْ وَاِذَا اَسَاؤُا فَاجْتَنِبْ اِسَاءَ تَهُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص: ۹۶، ج: ۱/ باب إمامة المفتون والمبتدع، کتاب الأذان حدیث نمبر ۶۹۵

ترجمہ: حضرت عبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت ہے کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ کے پاس اس وقت آئے، جب کہ عثمان غنیؓ محصور تھے، اورانہوں نے کہا آپ رضی اللہ عنہ امام المؤمنین ہیں، اور آپ جس حادثہ سے دوچار ہیں وہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں، لیکن جوشخص ہماری نمازوں کی امامت کررہاہے، وہ فتنوں کا امام ہے، حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا وہ لوگ جو کچھ کررہے ہیں، ان میں سب سے بہتر عمل نماز ہے، توجب لوگ اچھا کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اچھا کام کرو، اور جب لوگ براکام کریں تو ان کی برائی سے بچو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک تابعی عبیداللہ بن عدی بن خیارؒ عین اس زمانے میں جب بلوائیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کونظر بند کررکھاتھا، حضرت عثمان غنیؓ کے پاس پہنچ گئے، اوران سے کہاکہ امام برحق آپؓ ہیں، لیکن آپ کوقید کرکے باغیوں کا سردار امامت کررہاہے، توکیا ہم لوگ اس کی اقتداء کریں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا نماز اچھا کام ہے؛ لہٰذا اچھے کام میں اس کیساتھ رہو، البتہ براکام اسکے ساتھ نہ کرو، معلوم ہوا کہ امام اگر مسلمان ہے، خواہ وہ کتنا بدعمل کیوں نہ ہو، اس کے پیچھے نماز کی ادائیگی درست ہوجائے گی، ابوداؤد میں روایت ہے کہ "الصلاة المكتوبة واجبةٌ خلف كل مسلم برًّا كان او فاجراً وإن أمر الكبائر"

کلمات حدیث کی تشریح انك امام عامةٍ: آپ امام المسلمین ہیں اورحق پر ہیں، لیکن آپ امامت کرنے سے مجبور ہیں؛ کیونکہ محصور ہونے کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتے ہیں ويصلي لنا امام فتنة ہماری امامت وہ شخص کررہاہے جوفتنہ کا بانی ہے، اس سے مراد کنانہ بن بشر ہے، الصلاة احسن مايعمل، حضرت عثمان نے فرمایا لوگوں کے عمل میں سب سے اچھا عمل نماز ہے، جب وہ اچھا عمل کریں تو تم ان کے ساتھ شریک ہوجاؤ، اور جب وہ نماز کے بعد شرارت اورفتنہ وفساد کی باتیں کرنے لگیں توتم اپنے آپ کوان سے الگ کرلو۔

حضرت عثمانؓ کے اس جملہ سے ان کی عالی ظرفی اوران کے بلند مرتبہ کا علم ہورہاہے، وہ لوگ جوناحق خون کے پیاسے ہیں اوردانا پانی تک بند کررکھاہے، ان کے حق میں بھی وہی بات نکل رہی ہے جواس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہرطرح کے امام کے پیچھے نماز جائز ہے، حنفیہ اس سلسلے میں تفصیل کرتے ہیں، اگر بدعتی کی بدعت کفر تک پہنچی ہوتواس کے پیچھے نماز درست نہیں، اسی طرح مجبوری کی حالت الگ ہے، ورنہ امام اسی کو بنایا جائے جواچھی خصلتوں کا حامل ہو، فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے بدعمل کے پیچھے بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ (مزید تفصیل اپنے موقع پر آئے گی)

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

باب فضائل الصلاۃ

﴿نماز کے فضائل کا بیان﴾

اس باب میں نماز کے فضائل کا بیان ہے، یوں تو پانچوں نمازوں کی پابندی لازم ہے، اور کسی بھی نماز کا ترک کرنا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن اس باب میں خاص طور پر عصر اور فجر نماز کی بہت تاکید آئی ہے ایک طرف ان دونوں نمازوں کے فضائل ہیں تو دوسری طرف ان کی تساہلی پر سخت وعیدیں بھی مذکور ہیں، پانچوں نمازوں کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر بہتی ہو جس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ اس کے میل میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، آپ ﷺ نے فرمایا یہ پانچوں نمازوں کی مثال ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹاتے ہیں (فضائل صلاۃ سے متعلق مزید احادیث اور ان کی تحقیق و تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ کیجئے)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۵۷۵ ﴿نماز فجر وعصر کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢٤

عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَنْ يَلِجَ النَّارَ اَحَدٌ صَلّٰى قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص: ۲۲۸ / ج: ۱، باب فضل صلاتي الصبح والعصر، كتاب المساجد حديث نمبر ٦٣٤.

ترجمه: حضرت عمارہ بن رویبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "وہ شخص آگ میں ہرگز نہ ڈالا جائے گا، جس نے سورج نکلنے سے پہلے اور سورج چھپنے سے پہلے یعنی فجر اور عصر کی نمازیں پڑھ لی" (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں فجر اور عصر کی نماز کی اہمیت کا ذکر ہے، چونکہ ان دونوں اوقات میں نماز کی محافظت زیادہ دشوار ہے، اس وجہ سے کہ فجر کا وقت آرام کا ہوتا ہے، اور عصر کا وقت کاروبار میں مصروفیت کا ہوتا ہے؛ لہٰذا جو لوگ ان دونوں نمازوں کی پابندی کرلیں گے، ان کے لئے دیگر نمازوں کی پابندی بھی آسان ہو جائے گی، اور شریعت پر چلنا بھی سہل ہو جائے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کو آگ کے قریب بھٹکنا بھی نہ پڑے گا، اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف ان دونوں نمازوں کی پابندی کرلی جائے، جہنم سے رہائی ہو جائے گی، باقی نمازیں پڑھی جائیں چاہے نہ پڑھی جائیں، اس حدیث کا تو صرف یہ مقصد ہے کہ لوگوں کے دلوں میں فجر وعصر کی نمازوں کی اہمیت راسخ ہو جائے، یہی مفہوم اگلی حدیث میں بھی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "من صلى البردين دخل الجنة"

کلمات حدیث کی تشریح لن يلج النار احدٌ، دخول نار سے نجات کے لئے تمام نمازوں پر مداومت لازمی ہے، لیکن فجر وعصر کو خاص طور پر ذکر کیا ہے، اسکی ایک وجہ تو گذری کہ فجر کا وقت آرام کا اور عصر کا وقت کاروباری مصروفیات کا ہوتا ہے؛ لہٰذا جو شخص ان نمازوں کی محافظت کرے گا وہ دوسری نمازوں کی بھی محافظت کرے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فجر اور عصر دونوں شہود ملائکہ کے اوقات ہیں جیسا کہ ایک حدیث کے بعد جو حدیث نمبر ۵۷۷ آرہی ہے، اس میں صراحت ہے، ان دونوں نمازوں میں ملائكة الليل والنهار کا اجتماع ہوتا ہے، اور وہ بندوں کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے آگے پیش کرتے ہیں، اس بناء پر ان دونوں نمازوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ (مرقات ص: ۱۴۲ / ج: ۲)

حدیث نمبر ٥٧٦ ﴿عصر اور فجر پڑھنے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢٥

وَعَنْ اَبِي مُوسىٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ، دَخَلَ الْجَنَّةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ٨١/ج:١، باب فضل صلاۃ الفجر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ٥٧٤، مسلم ص: ٢٢٨/ج:١، باب فضل صلاۃ الصبح والعصر، کتاب المساجد، حدیث نمبر ١٣٥٣٢.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ٹھنڈے وقت کی دونوں نمازیں پڑھیں، وہ جنت میں جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی فجر اور عصر کی نمازوں کی اہمیت کا تذکرہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا جس نے ان دونوں نمازوں کی محافظت کرلی وہ جنت میں جائے گا؛ کیونکہ ان دونوں نمازوں کی مداومت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ہر نماز کی محافظت کرے گا اور نماز کی خصوصیت ہے کہ وہ برائی سے روکتی ہے، لہٰذا ایسا شخص رب کریم کا مکمل فرماں بردار بندہ بن کر جنت کا مستحق ہوجائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح **من صلی البردین:** آپ ﷺ نے فجر اور عصر کی نمازوں کو ٹھنڈے وقت کی نمازیں فرمایا ہے، کیونکہ یہ دونوں نمازیں دن کے دونوں کناروں پر واقع ہیں، ان اوقات میں گرمی نہیں ہوتی اور ہوا خوش گوار ہوتی ہے، اس لئے ان کو "بردین" کہا ہے۔

حدیث نمبر ٥٧٧ ﴿عصر اور فجر کی نماز میں شهود ملائکہ﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢٦

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلَائِکَةٌ بِاللَّیْلِ وَمَلَائِکَةٌ بِالنَّهَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُوْنَ الَّذِیْ باتُوْافِیْکُمْ فَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَاَعْلَمُ بِهِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری، ص: ٧٩/ج:١، باب فضل صلاۃ العصر، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ٥٥٥، مسلم ص: ٢٢٧/ج:١، باب فضل صلاتی الصبح والعصر، کتاب المساجد، حدیث نمبر ٦٣٢.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے تمہارے پاس رات ودن میں باری باری آتے ہیں، اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں اکٹھا ہوتے ہیں، پھر وہ فرشتے جو تمہارے درمیان میں ہوتے ہیں اوپر جاتے ہیں، تو ان سے ان کا رب باوجودیکہ وہ خوب جانتا ہے، سوال کرتا ہے، تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں، ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے، اور جب ہم ان کے پاس پہونچے تھے تو بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں نماز فجر وعصر کی مواظبت پر ابھارنا مقصود ہے، ان اوقات میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتے ہیں، اور فرشتے ان اوقات میں بندوں کو نماز میں مشغول دیکھ کر رب العالمین کے دربار میں شہادت دیتے ہیں، جس کی بناء بندہ رب کریم کے رحم وکرم کا مستحق بن جاتا ہے، لہٰذا ان اوقات میں نماز سے ذرہ برابر غفلت نہ کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح **یتعاقبون فیکم ملائکة باللیل وملائکة بالنهار** اللہ تعالیٰ نے دن اور رات دونوں وقتوں کی ڈیوٹیوں کے لئے الگ الگ فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں، کچھ فرشتے دن میں ڈیوٹی دیتے ہیں، اور کچھ فرشتے رات کی ڈیوٹی بجالاتے ہیں۔ **ویجتمعون فی صلاۃ الفجر والعصر،** رات والے فرشتے فجر میں جاتے ہیں، اور صبح والے فرشتے فجر کے وقت آجاتے ہیں، لہٰذا دونوں جماعتوں کی صبح ملاقات ہوتی ہے، اسی طرح صبح والے فرشتے عصر بعد جاتے ہیں، اور شام کے فرشتے عصر سے پہلے آجاتے ہیں، لہٰذا عصر میں بھی دونوں جماعتوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ **ثم یعرجون،** رات کے فرشتے صبح کی نماز کے بعد اوپر جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے۔

سوال: رات اور دن دونوں طرح کے فرشتے ڈیوٹی دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ صرف رات کے فرشتوں سے کیوں سوال کرتے ہیں؟ دن کے فرشتوں سے سوال کیوں نہیں کرتے ہیں؟

جواب: (۱) عمدۃ القاری ص:۴۶ ج:۳، پر صحیح ابن خزیمہ کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں طرح کے فرشتوں سے سوال فرماتے ہیں۔ (۲) دربار خداوندی میں صرف رات کے فرشتوں کی گواہی کا ذکر، اس لئے ہے کہ جب بندے رات کے وقت عبادت میں مشغول ہیں جو کہ آرام وراحت کا وقت ہوتا ہے، تو دن میں ہرگز غفلت نہیں برتیں گے۔ (۳) یہ ایسے ہی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے "سرابیل تقیکم الحر" یعنی ایک چیز کو ذکر کر کے مقابل کو چھوڑ دیا جاتا ہے، کیونکہ مقابل خود سمجھ میں آجاتا ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہیں پھر فرشتوں سے کیوں سوال کر رہے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ فرشتوں سے جاننے کے باوجود اس لئے معلوم کر رہے ہیں، تاکہ فرشتوں کی زبان سے شہادت اور اقرار ثابت ہوجائے، کیونکہ یہ فرشتے ہی تھے جنہوں نے آدمؑ کی خلافت کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا "اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء" اللہ تعالیٰ نے سب کچھ جانتے ہوئے فرشتوں سے سوال کیا، تاکہ فرشتوں پر واضح ہوجائے کہ وہ بندے جن کے بارے میں انہوں نے خون ریزی اور فساد مچانے کی بات کہی تھی، انہیں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں، جو ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔

فیقولون ترکناھم وھم یصلون، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے جب پوچھتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ تو فرشتے دو باتیں عرض کرتے ہیں (۱) ہم نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا (۲) جب ہم ان کے پاس گئے تھے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ نے ایک بات پوچھی تھی تو فرشتوں نے دو باتیں کیوں بتائیں؟ یعنی سوال سے زائد جواب کیوں دیا؟

جواب: فرشتوں کی جانب سے جواب میں اضافہ اس لئے ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی منشاء کو سمجھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ بندوں کے اعمال صالحہ پر گواہی دیں، اس لئے فرشتوں نے سوال سے زیادہ جواب دیا کہ ہم جب گئے تھے تب بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

سوال: فرشتوں نے صرف نماز پڑھنے کی شہادت کیوں دی؟ ظاہر بات ہے کہ انہوں نے دن رات میں اور اعمال بھی دیکھے ہوں گے ان کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: چونکہ اللہ تعالیٰ کا مقصد اعمال صالحہ پر شہادت لینا تھا، اس لئے انہوں نے سب سے اچھے عمل نماز کا تذکرہ کیا ہے، یا پھر ممکن ہے وہ ایسے فرشتے ہوں جو صرف نمازوں میں شرکت کے لئے، نازل کئے جاتے ہوں اور ان کی نظروں سے برے اعمال پوشیدہ رکھے جاتے ہوں، وہ صرف مسجدوں میں آکر نمازوں میں شرکت کر کے عالم بالا کی طرف لوٹ جاتے ہیں واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۵۷۸ ﴿فجر کی نماز پڑھنے والا اللہ کی امان میں ہے﴾ عالمی حدیث ۶۲۷

وَعَنْ جُنْدُبِ ن الْقَسْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ مَنْ يَطْلُبْهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبَّهُ عَلَى وَجْهِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ الْقُشَيْرِيُّ بَدَلَ الْقَسْرِيِّ.

حوالہ: مسلم ص: ج: ۱ ،باب فضل صلاۃ العشاء والصبح فی جماعۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۵۷۔

ترجمہ: حضرت جندب قسریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ کے عہد وامان میں ہے، تو ایسا ہرگز نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے سلسلے میں تم سے کسی چیز کا مطالبہ کریں، اس لئے کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے حوالے

سے کچھ بھی طلب کریں گے، اس کو پکڑ لیں گے، اور اس کو چہرہ کے بل دوزخ کی آگ میں ڈال دیں گے۔ (مسلم)

مصابیح کے بعض نسخوں میں ''قسریؒ'' کے بجائے ''قشیری'' کا لفظ آیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں فجر کی نماز کی پابندی پر ابھار کر یہ بتایا ہے کہ فجر کی نماز پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہے، لہٰذا اس کو اس عہد کا پورا خیال رکھنا چاہئے، اور دوسرے لوگوں کو ایسے شخص کو ایذاء و تکلیف پہنچانے سے گریز کرنا چاہئے

کلمات حدیث کی تشریح من صلى صلاة الصبح، یعنی جس نے اخلاص کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی، فهو فى ذمة الله، ایسا شخص دنیا و آخرت دونوں جگہ اللہ کے عہد و امان میں ہے، اور یہ اس عہد و امان کے علاوہ ہے، جو کلمہ توحید کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے، فلا يطلبنكم الله من ذمته بشیءٍ فانه من يطلبه، جو شخص اللہ کے عہد میں آ گیا اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا چاہئے، اس لئے کہ اس کو تکلیف پہنچانا یہ اللہ کے عہد میں خلل ڈالنا ہے، اس کی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جواب طلبی فرمائیں گے، اور ایسا شخص جواب نہ دے سکنے کی بناء پر اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا، ایک مطلب یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جس نے صبح کی نماز چھوڑ دی، تو گویا اس نے اللہ کے عہد کو توڑ دیا، جس کی بناء پر اس سے باز پرس ہوگی اور قیامت کے دن جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یہاں صرف فجر کی نماز کا خاص طور پر اس لئے ذکر ہے کہ اس نماز کی مواظبت مخلص شخص ہی کرتا ہے۔ (تلخیص، مرقات)

حدیث نمبر ٥٧٩ ﴿صف اول کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٢٨

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَافِى النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَافِى التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِى الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْحَبْوًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص:٨٦/ج:١، باب الاستهام فى الاذان، كتاب الاذان، حديث نمبر ٦١٥، مسلم ص:١٨٢/ج:١، باب تسوية الصفوف واقامتها، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٤٣٧.

حل لغات: يَسْتَهِمُوْا، مصدر استہام، قرعہ اندازی کرنا، ساهَمَهُ، مُسَاهَمَةً، قرعہ اندازی میں مقابلہ کرنا۔ استبقوا، الى الشئى او كذا، کسی چیز کی طرف پہنچنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں کھڑے ہونے کا ثواب جان لیں، پھر بغیر قرعہ ڈالے وہ چیز نہ ملے تو وہ لوگ ضرور قرعہ ڈالیں، اور اگر لوگ جان لیں ظہر کی نماز میں جلدی جانے میں کیا ثواب ہے تو لوگ اس کیلئے جلدی کریں، اور اگر لوگ عشاء اور فجر کی نماز کا ثواب جان لیں تو ضرور آئیں، اگرچہ گھٹنوں پر گھسٹ کر آنا پڑے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اذان، صف اول، ظہر، عشاء اور فجر کی نمازوں میں اہمیت اور اجمالاً ان کے ثواب کا تذکرہ ہے، ان چیزوں میں اتنا ثواب ہے کہ اگر لوگوں کو صحیح طور پر ان کا علم ہو جائے، تو ان اعمال کو ضرور ادا کریں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی بھرپور کوشش کریں۔

کلمات حدیث کی تشریح لو يعلم الناس مافى النداء، ''ما'' کے ذریعہ ابہام پیدا کر کے مبالغہ پیدا کیا گیا ہے، گویا ان چیزوں کا اتنا زیادہ ثواب ہے، جس کا احاطہ مشکل ہے، اذان کا ثواب بہت زیادہ ہے، اگر اذان دینے کی متعدد لوگوں کے دلوں میں خواہش ہو، اور اس خیر کے حصول کو لے کر آپس میں اختلاف ہونے لگے، تو حسن صوت یا معرفت اوقات کے سبب ترجیح دی جاسکتی ہے، لیکن اگر خواہش مند استحقاق میں برابر کے مستحق ہوں، تو قرعہ اندازی کے ذریعہ فیصلہ کیا جائے گا، بعض لوگ کہتے

ہیں کہ "ندا" سے اقامت مراد ہے، ملا علی قاریؒ نے مرقات میں اسی کو اوفق قرار دیا ہے، **والصف الاول**، چونکہ صف اول میں کھڑے ہونے میں سب لوگ برابر کے مستحق ہیں، اس لئے نزاع کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی، صفوں میں مردوں کی صف کے اعتبار سے پہلی صف سب سے بہترین ہے اور سب سے بدترین آخری صف ہے اور عورتوں میں سب سے بہتر آخری صف اور سب سے بدتر صف پہلی صف ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے "**خیر صفوف الرجال اولھا و شرھا آخرھا و خیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا**" (ترمذی ص:۵۳/ج:۱)

علماء نے یہیں پر ایک مسئلہ اور جوڑا ہے کہ جنازہ کی صفوں میں بہترین صف آخری صف ہے، اور بدترین صف پہلی صف ہے۔ نماز میں مردوں کی صف میں پہلی صف کو بہتر اس لئے کہا ہے کہ جو شخص سب سے پہلے آئے گا وہ **اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ** میں ہوگا۔ اور بعد میں آنے والا اس فضیلت کو پانے والا نہیں ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ آخری صف عورتوں کی صف کے قریب ہے، پھر عورتوں میں جو صف آخری ہے، وہ مردوں سے سب سے زیادہ دور ہے، اس لئے وہ افضل ہے، اور جنازہ میں صفیں بنانے کا حکم ہے، اگر پہلی صف افضل ہو تو پھر کوئی پیچھے آنے کو تیار نہیں ہوگا۔ (**واللہ اعلم**)

ولو یعلمون ما فی التھجیر، نماز ظہر میں سویرے جانے سے کیا مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں، (۱) جاڑے کے موسم میں ظہر جلد ادا کرنے کی طرف راغب کرنا ہے، جاڑے میں تعجیل افضل ہے، اور گرمی میں تاخیر مستحب ہے، (۲) جس طرح ہر نیکی میں سبقت کے لئے ابھارا جاتا ہے ایسے ہی ظہر کی ادائیگی میں سبقت کرنے کی طرف ابھارا ہے، اور مراد یہ ہے کہ وقت مستحب آتے ہی ظہر ادا کرو، (۳) جمعہ کی نماز کے لئے زوال کے فوراً بعد نکل جاؤ۔

والعتمه، اس سے مراد عشاء کی نماز ہے عشاء کو عتمہ کہنے کی ممانعت تھی پھر عتمہ کیوں کہا؟ جواب گذر چکا ہے، حدیث نمبر ۵۷۹ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۵۸۰ ﴿منافق پر عشاء وفجر زیادہ بھاری ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۲۹

وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الفَجْرِ وَالعِشَاءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَافِيْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۹۰/ ص: ۱، باب فضل العشاء فی جماعة، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۵۷، مسلم ص: ۲۳۲/ ج: ۱، باب فضل صلاة الجماعة، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۵۱.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافقین پر فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں ہے، اگر لوگوں نمازوں کا ثواب معلوم ہو جائے، تو وہ ضرور آئیں اگر چہ گھسٹتے ہوئے آئیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں عشاء اور فجر کی نماز کی مواظبت پر ابھارا ہے، ان نمازوں کی ادائیگی منافق پر دیگر نمازوں کے مقابلہ میں زیادہ بھاری ہے، اس لئے ان نمازوں کی مواظبت زیادہ ضروری ہے، تاکہ منافقین کی مخالفت ہو سکے۔

کلمات حدیث تشریح **لیس صلاۃ اثقل علی المنافقین** منافقین پر ان دونوں نمازوں سے زیادہ کوئی نماز گراں نہیں ہے، یوں تو منافقین کے لئے ہر نماز بہت دشوار ہے، اس وجہ سے کہ ان کا مقصد نماز سے نہ تو قرب الٰہی طلب کرنا ہوتا ہے، اور نہ ہی نماز سے ان کو حصول ثواب کی امید ہوتی ہے، یہ تو نماز ریاء کاری کی وجہ سے پڑھتے ہیں، چونکہ عشاء اور فجر کی نماز میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے ریاکاری اور شہرت کا موقع کم ہوا ہے، نیز یہ استراحت کے اوقات ہیں، اس بناء پر یہ نمازیں دیگر نمازوں کے مقابلہ میں منافقین کے لئے زیادہ دشوار کن ہیں، منافقین موقع ہاتھ آتے ہی ان نمازوں کو ترک کر دیتے ہیں، اسی بناء پر مسلمانوں کو ان دونوں

نمازوں کی مواظبت پر ابھارا ہے، تاکہ مخلصین ان نمازوں کی مداومت کر کے منافقین سے ممتاز ہو جائیں، من الفجر و العشاء، عشاء آرام کا وقت ہے، اور فجر گرمی کے دنوں میں نیند کی لذت اور جاڑے کے دنوں میں شدید ٹھنڈک کا وقت ہے، ولو یعلمون، یعنی لوگوں کو ان دونوں نمازوں کا اجر و ثواب معلوم ہو جائے، تو چاہے جتنی پریشانی اٹھا کر نماز میں حاضر ہونا پڑے یہ ضرور حاضر ہوں۔

حدیث نمبر ۵۸۱ ﴿عشاء اور فجر جماعت کے ساتھ پڑھنا پوری رات نماز پڑھنے کے حکم میں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۳۰

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّی الْعِشَاءَ فِی جَمَاعَۃٍ فَکَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّیْلِ وَمَنْ صَلَّی الصُّبْحَ فِی جَمَاعَۃٍ فَکَاَنَّمَا صَلَّی اللَّیْلَ کُلَّہٗ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم ص: ج: ۱، باب فضل صلاۃ العشاء والصبح فی جماعۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۵۶.

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، اس نے گویا آدھی رات قیام کیا، اور جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں فجر اور عشاء کی نمازوں کے ثواب کا تذکرہ ہے، ان دونوں نمازوں کے ثواب کی کثرت بتا کر ان دونوں نمازوں پر ابھارنا مقصود ہے، واقعی ہماری شریعت انسانیت کے حق میں کتنی شفیق ہے، کہ وہ دونوں نمازیں جو نفس پر شاق ہیں ان کا ثواب بہت زیادہ رکھا؛ تاکہ حصولِ ثواب کے شوق میں نفس پر ان کی مشقت کسی قدر کم ہو جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح من صلی العشاء فی جماعۃ جس نے عشاء کی نماز جماعت کیساتھ ادا کی تو اس کو شروع کی آدھی رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب ملے گا، جماعت کا ذکر کر کے بتا دیا کہ مسجد میں حاضر ہونا چاہیے، نیز اس میں نماز کے انتظار پر بھی ابھارا ہے، انتظار صلاۃ اگر چہ پُر مشقت ہے؛ لیکن اس میں اعتکاف کا ثواب ملتا ہے، اور یہ مشقت وہی برداشت کر سکتا ہے، جس میں کامل اخلاص، اللہ کا خوف اور امید ثواب ہو، ومن صلی الصبح فی جماعۃ، جس نے عشاء کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، پھر فجر بھی جماعت کے ساتھ پڑھی، تو پوری رات جاگ کر عبادت کرنے کا ثواب ملے گا، نصف شب کے قیام کا ثواب عشاء کی وجہ سے اور باقی نصف شب کا قیام فجر کی وجہ سے ملے گا، "کلہ" کا یہ بھی مطلب ذکر کیا جاتا ہے کہ فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا پوری رات نماز پڑھنے کے حکم میں ہے، ایسی صورت میں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ فجر کی نماز کا ثواب عشاء کی نماز کے ثواب سے زیادہ ہے، اس وجہ سے کہ فجر کی نماز میں عشاء کے مقابلے زیادہ مشقت اور زیادہ دشواری ہے، اس میں شیطان سے زیادہ لڑنا پڑتا ہے، اس وجہ سے نیند آ جانے کے بعد اس کو چھوڑنا بہت بڑا مجاہدہ ہے؛ لہٰذا شریعت نے نماز فجر کا ثواب نماز عشاء سے زیادہ رکھا ہے۔ (تلخیص، مرقات ص:۱۴۵/ج:۲)

حدیث نمبر ۵۸۲ ﴿مغرب کو عشاء اور عشاء کو عتمہ کہنے کی ممانعت﴾

عالمی حدیث نمبر ۶۳۱، ۶۳۲

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْلِبَنَّکُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰی اِسْمِ صَلَاتِکُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَیَقُوْلُ الْاَعْرَابُ ھِیَ الْعِشَآءُ وَقَالَ لَا یَغْلِبَنَّکُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰی اِسْمِ صَلَاتِکُمُ الْعِشَآءِ فَاِنَّھَا فِی کِتَابِ اللّٰہِ الْعِشَآءُ فَاِنَّھَا تَعْتِمُ بِحِلَابِ الْاِبِلِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: بخاری ص: ۲۲۹/ ج: ۱، باب من کرہ ان یقال للمغرب العشاء، کتاب مواقیت الصلاۃ حدیث نمبر

۵۶۳، مسلم ص: ج: ۱، باب وقت العشاء وتأخيرها، كتاب المساجد، حديث نمبر ٦٤٤.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری مغرب کے نماز کے نام پر دیہاتی ہرگز ہرگز غالب نہ آئیں، راوی نے کہا اور آپ نے فرمایا دیہاتی لوگ مغرب کو عشاء کہتے ہیں، اور فرمایا تمہاری عشاء کے نام پر دیہاتی ہرگز غالب نہ آئیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس نماز کو عشاء ہی کہا گیا ہے، دیہاتی اونٹنیوں کا دودھ دوہنے کی وجہ سے دیر کر دیا کرتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں مغرب کی نماز کو عشاء کہنے اور عشاء کی نماز کو عتمہ کہنے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کے گنواروں اور دیہاتیوں سے متاثر ہو کر رکھے ہوئے نام ہیں، شریعت نے جو نام مغرب اور عشاء کے تجویز کئے ہیں انہیں ناموں سے ان نمازوں کو موسوم کرنا چاہئے، اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی بول چال اور عادات واطوار شریعت کی متعین کردہ حدود میں رکھنا چاہئے، غیروں سے مرعوب ہو کر ان کے طور طریقے اختیار کرنا ممنوع ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لايغلبنكم الاعراب، زمانہ جاہلیت کے دیہاتی مراد ہیں صلاتكم المغرب یعنی تم لوگ دیہاتیوں کی دیکھا دیکھی مغرب کو عشاء نہ کہا کرو، ورنہ مغرب کی نماز کا نام عشاء ہی پڑ جائے گا، صلاتكم العشاء اور عشاء کو عتمہ نہ کہا کرو، فانها تعتم، یہاں سے ممانعت کی علت بیان کر رہے ہیں۔

قدیم زمانے سے عرب میں دستور تھا کہ شفق ڈوبنے کے بعد وہ اونٹنیوں کا دودھ دوہتے تھے، اور اس میں بہت تاخیر کرتے تھے، حتی کہ رات تاریک ہو جاتی تھی، پھر اسی وقت کو عتمہ کہتے تھے، جب اسلام نے عرب کو منور کیا اور نمازیں فرض ہوئیں، تو دیہاتی دودھ دوہنے کے بعد بہت تاخیر سے نماز عشاء پڑھتے تھے، اور اس نماز کو عتمہ والی نماز کہتے تھے، چونکہ یہ غیر شرعی نام تھا، اس وجہ سے آپ نے اس سے منع فرمایا، اور جن احادیث میں عشاء کو عتمہ کہا گیا ہے، وہ ممانعت سے پہلے والی احادیث ہیں، (مرقات ص: ۱۴۶/ ج: ۲)

سوال: اس حدیث میں عتمہ کہنے سے منع کیا گیا ہے، جب کہ ابوہریرہؓ کی حدیث گذری "لو يعلمون ما في العتمة لأتوهما" دونوں حدیثوں میں تطبیق کی کیا شکل ہے؟

جواب: ابوہریرہؓ نے حدیث مذکور قرآن مجید کی آیت "من بعد صلاة العشاء" نازل ہونے سے پہلے سن رکھی تھی، اس لئے آپ ﷺ کے فرمان کو بعینہ نقل کیا ہے، خود آپ ﷺ نے عتمہ کیوں کہا؟ اس کے بارے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عتمہ کا استعمال بیان جواز کے لئے تھا، اور نہی تنزیہی ہے، یا پھر عتمہ کہہ کر ان لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے، جو عشاء کے نام سے ناواقف تھے، عرب میں عشاء کے لئے عتمہ زیادہ مشہور تھا۔ (التعلیق الصبیح ص: ۲۸۸/ ج: ۱)

حدیث نمبر ۵۸۳ ﴿عصر کی نماز صلاۃ وسطیٰ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۳۳

وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُوْنَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ج: ۲، تفسير سورة البقره، باب حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطىٰ، كتاب التفسير، حديث نمبر ٤٥٣٣، مسلم ص: ۲۲۷/ ج: ۱، باب الدليل لمن قال الصلاة الوسطىٰ هي صلاة العصر، كتاب المساجد، حديث نمبر ٦٢٧.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خندق کے دن فرمایا کافروں نے ہمیں "صلاۃ وسطی" یعنی عصر کی نماز سے روک دیا، اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر آپ ﷺ کی چار نمازیں قضاء ہوگئی تھیں، آپ ﷺ نے عصر کی اہمیت کی بناء پر اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کفار مکہ کے لئے بددعا کی چونکہ نماز کی قضاء کے اصل محرک کفار مکہ ہی تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کے لئے بددعا کی۔

کلمات حدیث کی تشریح یوم الخندق، خندق کے دن سے مراد غزوۂ خندق ہے، چونکہ آپ ﷺ نے حفاظت کے پیش نظر مدینہ کے اردگرد صحابہ کرام کے ساتھ خندق کھودی تھی، اس لئے اس کو غزوۂ خندق کہتے ہیں، اس غزوہ کا دوسرا نام غزوۂ احزاب ہے، جو کہ حزب کی جمع ہے، گروہ اور جماعت کے معنی میں ہے، اس غزوہ میں کفار کے بہت سے قبائل اور بہت سی جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو مٹانے کے لئے آئی تھیں، اس لئے اس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں، یہ غزوہ ۵ھ میں پیش آیا، اس غزوۂ میں خندق کھودنے میں آپ کی چار نمازیں فوت ہوگئیں، جن میں سے ایک عصر کی نماز بھی تھی،

صلاۃ الوسطیٰ صلاۃ العصر، قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے "حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطیٰ" پانچوں نمازوں کی پابندی کرو، بالخصوص درمیانی نماز کی، درمیانی نماز کون سی ہے؟ اس سلسلہ میں اقوال متعدد ہیں، ان میں سے جمہور کا قول جو کہ احادیث مرفوعہ سے مؤید ہے، عصر کی نماز کا ہے، عصر کی نماز کے علاوہ دیگر نمازوں کو بھی وسطیٰ قرار دیئے جانے کے اقوال ہیں، صلاۃ ضحیٰ، اوابین، تہجد، جمعہ، عید، خسوف، کسوف، جنازہ، ظہر ہر نماز کو صلاۃ وسطیٰ کا مصداق بتایا گیا ہے۔ لیکن روایات سے صلاۃ عصر کی جس طرح تائید ہو رہی ہے، کسی دوسری نماز کی اتنی تائید نہیں ملتی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ صلاۃ وسطیٰ کی تائید میں یہ اختلاف اس وقت تھا جب حدیث باب لوگوں تک پہنچی نہ تھی، لیکن جب یہ حدیث اپنی صحت کے ساتھ ثابت ہوگئی اور پھیل گئی، تو پھر لوگوں کا اختلاف رفع ہوگیا، اور متفقہ طور پر صلاۃ عصر ہی کو صلاۃ وسطیٰ قرار دیا گیا۔

ملاء اللہ بیوتھم وقبورھم ناراً: اللہ کے نبی ﷺ کبھی بھی اپنی ذاتی پریشانیوں اور صدمات کی بناء پر مشرکین کے لئے بددعاء نہیں کرتے تھے، لیکن یہاں چونکہ مشرکین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی وقت پر نہیں ہو پائی، اس لئے آپ ﷺ نے ان کے حق میں بددعا فرمائی۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۵۸۵ ﴿صلاۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۳۴

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الْعَصْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص: ۴۵/ ج: ۱، باب ماجاء فی صلاۃ الوسطیٰ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۸۱.

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے، (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے، کہ جو ثواب اور فضیلت وسطیٰ نماز سے متعلق احادیث میں بیان ہوئی ہے، وہ فضیلت نماز عصر پڑھنے سے حاصل ہوگی، کیونکہ نماز وسطیٰ کا مصداق نماز عصر ہی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وسطیٰ کی نماز کا مطلب وہ نماز جو درمیان میں ہے، عصر کی نماز دن کی دو نمازوں یعنی فجر اور ظہر اور رات کی دو نمازوں یعنی مغرب اور عشاء کے درمیان ہے، اس لئے اس کو وسطیٰ کہا گیا ہے، عصر کی نماز کا وقت کاروبار کی مصروفیت کا وقت ہوتا ہے، کاروبار میں پھنس کر آدمی نماز عصر کو قضاء نہ کردے، اس لئے خاص طور پر اس نماز کا ذکر کیا گیا

ہے۔ (مرقات ص:۱۴۷/ج:۲)

حدیث نمبر ۵۸۶ ﴿نماز فجر کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۳۵

وعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی قَوْلِهٖ تَعَالیٰ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا قَالَ تَشْهَدُهٗ مَلاَئِکَةُ اللَّیْلِ وَمَلاَئِکَةُ النَّهَارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حواله: ترمذی، ص: ۱۴۵/ج: ۲، باب ومن سورة بنی اسرائیل کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر ۳۱۳۵.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان، "ان قرآن الفجر کان مشهودا" کی تفسیر میں آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے نماز فجر کی مواظبت اور اس کو دل جمعی کے ساتھ ادا کرنے پر ابھارا ہے، چونکہ اس نماز میں فرشتے آتے ہیں اور فرشتے بندہ کو جس کیفیت پر پاتے ہیں، اللہ کے حضور میں اس کا ذکر کرتے ہیں؛ لہٰذا بندہ کو چاہیے کہ پورے اطمنان اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز فجر ادا کرے، تاکہ فرشتے اس کے حق میں بہتر سے بہتر گواہی دیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ان قران الفجر، قرآن سے مراد قرأت ہے، اور قرآن الفجر سے مراد نماز فجر ہے، قرأت نماز کا ایک جزء ہے، لہٰذا یہاں جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے، جیسے کہ کئی احادیث میں سجدہ بول کر رکعت مراد لی گئی ہے، یہاں فجر کی نماز کو قرأت کہہ کر طولِ قرأت پر ابھارنا بھی مقصود ہے، مشهوداً اس کی تشریح آپ نے خود فرمائی ہے، کہ اس نماز میں رات ودن کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں، دن کے ملائکہ تو فجر سے پہلے آتے ہیں، اور عصر کی نماز تک رہتے ہیں، اور رات کے ملائکہ عصر سے پہلے آتے ہیں اور فجر تک رہتے ہیں فجر اور عصر ایسی نمازیں ہیں کہ جن میں دونوں وقتوں کے ملائکہ موجود رہتے ہیں، مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۵۷۸/ دیکھئے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۵۸۷ ﴿نماز وسطی کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۳۶

وَعَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَائِشَةَ قَالاَ الصَّلٰوةُ الْوُسْطیٰ صَلاَةُ الظُّهْرِ رَوَاهُ مَالِکٌ عَنْ زَیْدٍ وَالتِّرْمِذِیُّ عَنْهُمَا تَعْلِیقًا.

حواله: موطاامام مالك ص: ۴۸/ باب الصلاة الوسطیٰ، کتاب صلاة الجماعة، حدیث نمبر ۲۷، ترمذی ص: ۴۵/ج: ۱، باب ما جاء فی الصلاة الوسطیٰ انها العصر، کتاب الصلاة، حدیث، نمبر ۱۸۲.

ترجمه: حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا نماز وسطیٰ نماز ظہر ہے، اس روایت کو امام مالک نے صرف زید بن ثابتؓ سے اور امام ترمذیؒ نے دونوں سے تعلیقاً نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت عائشہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے اقوال ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صلاۃ وسطیٰ نماز ظہر ہے، چونکہ ظہر کی نماز دن کے دونوں کناروں پر ہے، اس وجہ سے ان حضرات نے اس نماز کو صلاۃ وسطیٰ کہا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الصلاة الوسطیٰ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ صلاۃ وسطیٰ، کے حوالے سے اقوال متعدد ہیں، شاید کوئی ایسی نماز ہو جس کو وسطیٰ نہ کہا گیا ہو، لیکن شواہد اور دلائل پر مبنی اور بہت سی مرفوع احادیث سے ثابت شدہ قول عصر کی نماز سے متعلق ہے، عصر کے علاوہ جن نمازوں کو وسطیٰ کہا گیا ہے، وہ راویوں کے اقوال ہیں، جو اس وقت کے ہیں جب کہ آپ کا

فرمان عصر سے متعلق پھیلا نہیں تھا،لوگوں نے اپنے اجتہاد سے صلاۃ وسطیٰ کی تعیین کی تھی،لیکن جب آپ ﷺ کا فرمان "صلاۃ الوسطیٰ صلاۃ العصر" لوگوں میں پھیل گیا تو کوئی اختلاف نہیں رہا۔

حدیث نمبر ۵۸۸﴿ظھر کی نماز کو وسطیٰ کھاگیا ھے﴾عالمی حدیث نمبر ۶۳۷

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّي صَلَاةً اَشَدَّ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا فَنَزَلَتْ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقَالَ اِنَّ قَبْلَهَا صَلَاتَيْنِ وَبَعْدَهَا صَلَاتَيْنِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: مسند احمد ص:۱۸۳/ ج:۵، ابوداؤد ص:۵۹/ ج:۱، باب فی وقت صلاۃ العصر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۱۱.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت گرمی میں ظہر کی نماز پڑھتے تھے،اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر سب سے زیادہ سخت یہی نماز تھی،چنانچہ "حافظوا علی الصلوات و الصلوۃ الوسطیٰ" (تمام نمازوں کی پابندی کرو خاص طور سے درمیانی نماز کی) آیت نازل ہوئی،اور راوی نے کہا کہ اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔(احمد،ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت زید بن ثابت یہ بتا رہے ہیں کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز عین دوپہر اور شدت گرمی کے وقت پڑھتے تھے،اسی لئے صحابہ کرام پر یہ نماز شاق تھی،اس نماز میں صحابہ کو بڑی دشواری اٹھانا پڑتی تھی،اسی بناء پر آیت نازل ہوئی "حافظوا علی الصلوات" زید بن ثابت کی اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) آپ ﷺ ظہر میں تعجیل فرماتے تھے، ظہر کی نماز سے متعلق تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۵۳۴ دیکھئے،(۲) صلاۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے،اس سلسلہ کی کچھ تحقیق گذشتہ احادیث میں گذر چکی ہے،مزید تحقیق تشریح کلمات کے تحت دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح یصلی بالھاجرۃ، زوال کے بعد سخت گرمی کے وقت نماز پڑھتے تھے ولم یکن یصلی صلاۃ گرمی کی شدت کی بناء پر ظہر کی نماز صحابہ پر بہت دشوار تھی،اسی وجہ سے صحابہ کرام باوجودیکہ زمین پر سجدہ کرنا افضل ہے اور اس میں خشوع وخضوع اور تضرع زیادہ ہے،اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے،فنزلت حافظوا، اس آیت کو ظہر کی نماز کے سلسلے میں پیش کرکے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صلاۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے،وقال ان قبلھا صلاتین وبعدھا صلاتین، ظہر کی نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں،اس سے اور مؤکد کرکے یہ بات بتا رہے ہیں کہ صلاۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے، حضرت زید نے یہ بات اپنے اجتہاد سے کہی ہے جب کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان یہ ہے کہ "صلاۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے" حضرت زید نے یہ بات اس وقت کہی ہے جب ان کو حدیث مرفوع پہنچی نہیں تھی۔(مرقات ص:۱۴۸،ج:۲)

اشکال: حضرت زید نے نماز ظہر کو وسطیٰ قرار دیا اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ذکر کی کہ اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں،اشکال یہ ہے کہ یہ بات تو ہر نماز پر صادق آتی ہے،آپ جس نماز کو بھی لیں گے تو دو نمازیں اس سے پہلے ہوں گی اور دو نمازیں اس کے بعد ہوں گی،کیونکہ کل پانچ نمازیں ہیں۔

جواب: حضرت زید بن ثابت کی مراد یہ ہے کہ بعض رات کی نمازیں اور بعض دن کی،ظہر کی نماز پر یہ بات صادق آتی ہے کہ اس سے پہلے ایک رات کی نماز ہے،اور ایک دن کی،اور ایسے ہی اس کے بعد بھی ایک رات کی نماز ہے،اور ایک دن کی، یہ بات کسی اور نماز پر صادق نہیں آتی۔

حدیث نمبر ۵۸۹ ﴿نماز فجر کو وسطیٰ کہا گیا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۳۸، ۶۳۹

وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَا يَقُوْلَانِ الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الصُّبْحِ رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ تَعْلِيْقًا.

حواله: موطا امام مالك ص: باب الصلاة الوسطىٰ، كتاب صلاة الجماعة، حديث نمبر ۲۸. ترمذی ص:۴۵/ج:۱، باب ما جاء في صلاة الوسطىٰ انها العصر، كتاب الصلاة حديث نمبر ۱۸۲.

ترجمہ: حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ ان کو حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن عباس کی روایت پہنچی کہ وہ دونوں فرماتے تھے کہ "نماز وسطیٰ" نماز فجر ہے (موطا امام مالک) امام ترمذی نے اس روایت کو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صلاۃ وسطیٰ فجر کی نماز ہے؛ لیکن یہ راویوں کے اجتہادات ہیں، قول رسول تو عصر کی نماز کے بارے میں ہے، لہٰذا یہ اجتہادات قول رسول کے معارض نہیں ہوسکتے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلاة الوسطىٰ صلاة الصبح، اس باب میں میں نے پہلے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ تقریباً ہر نماز کو وسطیٰ کہا گیا ہے، اس روایت میں بھی حضرت ابن عباس اور حضرت علی کا اجتہاد منقول ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز وسطیٰ نماز ہے، فجر کی نماز کو وسطیٰ اس وجہ سے کہا ہے، کہ یہ رات کی دو نمازوں مغرب و عشاء اور دن کی دو نمازوں ظہر و عصر کے درمیان ہے، اور خاص طور پر اس نماز کی مواظبت پر اس لئے ابھارا ہے کہ یہ میٹھی نیند کا وقت ہوتا ہے، حضرت علی و عباس کے اقوال کے سلسلے میں ایک امکان تو یہ ہے کہ ان تک حضور ﷺ کا فرمان "صلاۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے" نہ پہنچا ہو، لہٰذا انہوں نے اپنے اجتہاد سے فجر کی نماز کو وسطیٰ قرار دیا ہو، دوسرا امکان یہ ہے کہ ان حضرات نے یہ بات احتمال کے طور پر کہی ہو، یعنی احتمال ہے کہ فجر کی نماز صلاۃ وسطیٰ ہو۔ (مستفاد مرقات ص:۱۴۸/ج:۲)

لیکن یہ سب اقوال اس وقت کے ہیں، جب لوگوں میں آپ کا فرمان "صلاة الوسطىٰ صلاة العصر" پھیلا نہیں تھا، جب یہ فرمان پھیل گیا تو متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ عصر کی نماز وسطیٰ ہے، امام شافعی اور امام مالک بھی صلاۃ وسطیٰ سے صلاۃ فجر مراد لیتے ہیں، لیکن علامہ نووی شافعیؒ نے صراحت کی ہے کہ عصر کی نماز صلاۃ وسطیٰ ہے اور یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، چنانچہ امام شافعی کی وصیت کے مطابق صلاۃ وسطیٰ عصر ہی کو سمجھنا چاہئے، امام شافعیؒ کی یہ وصیت ہے کہ اگر تمہارے سامنے کوئی ایسی صحیح حدیث آجائے، جو کسی مسئلہ میں میرے قول کے خلاف ہو، تو میرا مسلک وہی سمجھو، جو اس حدیث صحیح میں مذکور ہو اور میرے قول کو دیوار پر مار دو۔

حدیث نمبر ۵۹۰ ﴿فجر کی نماز کا تارک شیطان کا لشکری ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۴۰

وعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلَى صَلَاةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حواله: ابن ماجه، ص:۱۶۲/باب الاسواق، كتاب التجارات حديث نمبر ۲۲۳۴.

ترجمہ: حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح کو فجر کی نماز کے لئے جاتا ہے، تو وہ ایمان کا جھنڈا لے کر جاتا ہے، اور جو شخص صبح کو بازار جاتا ہے وہ شیطان کا جھنڈا لے کر جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھتا ہے وہ دین کا حامی اور خیر خواہ ہے، اور جو شخص فجر کی نماز پڑھے بغیر کاروبار میں مصروف ہوجاتا ہے، وہ شیطان کا دوست اور دین کا دشمن ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من غدا الی صلاۃ الصبح، علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں اللہ کے لشکر اور شیطان کے لشکر کی طرف تمثیلاً اشارہ ہے، جو شخص صبح کی نماز پڑھنے کے ارادے سے مسجد کا رخ کرتا ہے تو گویا وہ ایمان کا جھنڈا لے کر شیطان سے لڑنے کے لئے نکلتا ہے، لہٰذا ایسا شخص اللہ کا لشکری ہے اور جو شخص صبح ہوتے ہی مسجد کے بجائے بازار کا رخ کرتا ہے، گویا وہ شیطان کا جھنڈا لے کر دین کو کمزور کرنے کے ارادے سے نکلتا ہے، لہٰذا یہ شخص شیطان کا لشکری ہے۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر اپنے معاش کی تلاش میں بازار جاتا ہے، تو وہ شیطان کا لشکری نہیں ہے؛ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لشکر میں ہے۔ (مستفاد مرقات ص:۱۳۹،ج:۲)

باب الاذان

﴿اذان کا بیان﴾

اذان کے لغوی معنی ہیں اعلان کرنا، اصطلاح شرع میں اذان کے معنی ہیں "**الاعلام بالفاظِ مخصوصۃ فی اوقاتِ مخصوصۃٍ للصلاۃ المفروضۃ**" یعنی فرض نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ کے ساتھ اعلان کرنا۔

اذان کی مشروعیت : اذان کی مشروعیت کے سلسلہ میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ "ہجرت سے پہلے" ہی اذان مشروع ہوگئی تھی، لیکن جمہور نے اس قول کی تردید کی ہے۔ جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اذان کی مشروعیت ہجرت کے بعد ہوئی ہے، لیکن ہجرت کے کون سے سال میں ہوئی ہے، اس میں جمہور کا خود اختلاف ہے۔ ملا علی قاری اور صاحب مواہب نے ۲ھ میں اذان کی مشروعیت کا قول نقل کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ، علامہ نوویؒ، اور صاحبِ درمختار وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اذان کی مشروعیت ۱ھ میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کے خواب اور آپ ﷺ کی طرف سے اس کی تصدیق کے بعد ہوئی ہے۔ اذان کی مشروعیت کا جو خواب حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ نے دیکھا تھا اس کی تفصیل حدیث نمبر ۶۵۱ کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔

اذان کی حکمت : اذان کی چار حکمتیں بیان کی جاتی ہیں، اذان کی پہلی حکمت دخول وقت کی اطلاع دینا ہے، اسی وجہ سے وقت سے پہلے اذان دینا ممنوع ہے اور اگر کسی نے وقت سے پہلے اذان دی تو اذان کا اعادہ کیا جائے گا۔

دوسری حکمت بیان توحید و رسالت ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے دل کے یقین کے ساتھ کلمات اذان کہے تو وہ جنت کا مستحق ہوگیا۔

تیسری حکمت شعائر اسلام کا اظہار ہے اسی وجہ سے اگر کسی بستی کے لوگ متفقہ طور پر اذان ترک کردیں تو ان سے قتال کیا جائے گا اور چوتھی حکمت امت مسلمہ اور ان کے تابع کر کے دوسری امت کو دعوت دینا ہے اسی وجہ سے اذان کا قولی جواب دینا مستحب ہے اور عملی جواب دینا یعنی نماز کے لئے مسجد آنا واجب ہے۔

اذان و اقامت کی شرعی حیثیت : پانچوں نمازوں کے لئے اذان سنت موکدہ ہے اسی طرح جمعہ کے لئے دو اذانیں سنت موکدہ ہیں، ان کے علاوہ کسی دوسری نماز کیلئے اذان کہنا مسنون نہیں ہے، درمختار میں ہے" **وھو سنۃ مؤکدۃ للفرائض الخمس ولایسن لغیرھا**" (شامی ص ۲۵۷، ج ۱)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۵۹۱ ﴿اذان کی مشروعیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۴۱

عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَكَرُوْا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَكَرُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَشْفَعَ الْاَذَانَ وَاَنْ يُوْتِرَ الْاِقَامَةَ قَالَ اِسْمَاعِيْلُ فَذَكَرْتُهُ لِاَيُّوْبَ فَقَالَ اِلَّا الْاِقَامَةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۸۵/ ج: ۱ ،باب بدء الاذان، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۰۳، مسلم ص: ۱۶۴/ ج: ۱، باب الامر بشفع الاذان الخ.

حل لغات: النَّاقُوسَ، نصاریٰ کا گھنٹہ جسے وہ اپنی نماز کے وقت بجاتے ہیں، ج نَوَاقِيسُ، يشفع، شَفَعَ (ف) شفعًا، الشئ، جوڑا بنانا،یوتر،مصدر، ایتار، العَدَدَ،ایک کرنا،طاق کرنا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا،تو یہود ونصاریٰ کا ذکر آیا،پھر حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات کو دو دو بار کہیں اور اقامت کے کلمات کو ایک ایک بار کہیں۔اسماعیل نے کہا کہ اس کا ذکر ایوب سے کیا تو انہوں نے کہا کہ اقامت (قدقامت الصلاۃ) کے علاوہ۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث

جب آپ ﷺ مکہ میں تھے تب اذان ہوتی نہیں تھی، مدینہ میں بھی شروع دور میں اذان کا سلسلہ نہیں تھا: چنانچہ بعض لوگ مسجد میں بہت پہلے آجاتے تھے،اور بعض لوگوں کو مسجد آنے میں تاخیر ہوجاتی تھی، آپ نے صحابہ کرام سے نماز کی اطلاع دینے کی غرض سے مشورہ کیا،کسی نے ناقوس بجانے اور کسی نے اونچی جگہ پر آگ جلانے کا مشورہ دیا؛چونکہ ناقوس نصاریٰ کا شعار تھا اور آگ روشن کرنا یہود کا شعار تھا: لہٰذا کوئی بات مشورہ میں طے نہیں پائی،اسی اثناء میں حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ نے خواب دیکھا اس میں اذان اور اقامت کا مسنون طریقہ بتایا گیا تھا؛حضرت عبداللہ بن زید نے تہجد کے نماز کے وقت،اس خواب سے آپ ﷺ کو مطلع کیا،تو آپ نے فرمایا ''انها لرؤيا حقٌ إن شاء الله'' اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلال تم سے بلند آواز والے ہیں،ان کو اذان کی تعلیم دو؛چنانچہ حضرت بلال نے حضرت عبداللہ بن زید سے سیکھ کر اذان دی،جب حضرت عمرؓ نے اذان سنی تو وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے،اور بولے اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی بنا کر حق کے ساتھ مبعوث کیا، میں نے بھی خواب میں وہی دیکھا ہے جو عبداللہ بن زید نے بیان کیا ہے،روایتوں میں آتا ہے کہ اس رات میں گیارہ صحابہ نے اس طرح کا خواب دیکھا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح

ذكروا النار والناقوس یعنی نماز کا وقت جاننے کیلئے آپس میں مشورہ کیا،تو کچھ لوگوں نے آگ جلانے کا مشورہ دیا اور کچھ لوگوں نے ناقوس بجانے کا،''ناقوس'' ایک بڑی لکڑی پر چھوٹی لکڑی سے مارنے پر،جو آواز نکلتی ہے،اس کا نام ہے ناقوس،نصاریٰ اسی سے اپنی نماز یا عبادت کیلئے بلاتے تھے،فذكروا اليهود والنصارى، لوگوں نے اس مشورہ کی مخالفت کی؛ کیونکہ یہ دونوں طریقے اسلامی تعلیمات کے خلاف تھے،آگ روشن کرکے عبادت کے وقت کی اطلاع دینا، یہودیوں کے یہاں رائج تھا،دوسری روایات [illegible] آیا ہے کہ یہودی سنکھ بجا کر عبادت کے لئے بلاتے تھے،دونوں طرح کی روایات میں کوئی تعارض نہیں،اس وجہ سے کہ ممکن ہے کہ یہود میں دو فرقے ہوں،ایک فرقہ آگ جلا کر عبادت کے لئے بلاتا ہو،اور دوسرا فرقہ سنکھ بجا کر عبادت کے لئے بلاتا ہو،اور ناقوس بجا کر عبادت کے لئے بلانا نصاریٰ کا طریقہ تھا،اس وقت عرب میں اگرچہ نصاریٰ نہیں تھے،لیکن چونکہ یہ غیر مسلم قوم کا مذہبی طریقہ تھا: اس لئے اس کی مشابہت سے بچنے کو ترجیح دی گئی ہے،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دن کوئی تجویز پاس نہ ہو پائی،اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ نے خواب دیکھا جس کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔

اشکال: غیر نبی کا خواب حجت شرعیہ نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ کے خواب پر اذان کو کیوں شروع قرار دیا؟

جواب: (۱) آپ ﷺ نے اذان کے کلمات سن کر اپنے اجتہاد سے اس کی مشروعیت کی اجازت دی، جیسا کہ آپ ﷺ کے فرمان ''انها لرؤيا حق ان شاء الله'' سے ثابت ہو رہا ہے، آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ اگر آپ ﷺ کے اجتہاد میں غلطی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی اصلاح کردی جائے گی، (۲) پہلے آپ ﷺ کے پاس اذان کے کلمات کی وحی آئی تھی،اس کے بعد خواب دیکھنے

والے لوگ حاضر ہوئے تھے، معلوم ہوا اذان کی مشروعیت وحی کے ذریعہ ہوئی تھی، ایسا بھی ممکن ہے کہ پہلے آپ ﷺ نے اجتہاد فرمایا ہو، پھر وحی سے اس کی تائید ہوگئی ہو، (۳) "جبرئیل نے معراج میں اذان کے یہی کلمات کہے تھے؛ لیکن آپ ﷺ بھول گئے تھے، حضرت عبداللہ بن زید کے خواب کا ذکر کرنے کی وجہ سے، آپ ﷺ کو وہ کلمات یاد آ گئے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو اذان میں جاری کر دیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان کی مشروعیت وحی سے ہے نہ کہ خواب سے، فامر بلال، اذان کے لئے حضرت بلال کا انتخاب ہوا۔

اشکال: جب خواب حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ نے دیکھا تھا، تو بلال کو اذان دینے کے لئے کیوں کہا گیا؟

جواب: (۱) حضرت بلال کی آواز میں کشش اور بلندی تھی جس کی بناء پر آپؐ کا انتخاب ہوا، چنانچہ حدیث کے کلمات میں "فانه اندیٰ صوتاً منك" (۲) حضرت عبداللہ بن زید بیمار تھے اس لئے حضرت بلال کو حکم دیا گیا، حدیث میں آتا ہے، "لو لانه كان يومئذٍ مريضاً لجعله رسول الله صلى الله عليه وسلم مؤذناً" (یعنی اگر اس دن حضرت عبداللہ بن زید بیمار نہ ہوتے تو آپ ﷺ انہیں کو موذن بناتے۔

ان يشفع الاذان وان يوتر الاقامة: علامہ طیبی نے ذکر کیا ہے کہ سوائے لااله الا الله کے اذان کے ہر کلمہ کو دو دو بار کہا جائے گا، اور اقامت میں شروع و آخر کی تکبیر کے علاوہ تمام کلمات کو ایک بار کہا جائے گا۔

اس حدیث کے تحت شراح حدیث تین بہت اہم مسئلے ذکر کرتے ہیں، ہم ذیل میں ان تینوں مسائل کی مختصر اُوضاحت کرتے ہیں، وہ تین مسئلے یہ ہیں (۱) ترجیع، (۲) ترجیع، (۳) عدد کلمات اقامت۔

مسئله اولیٰ "تربیع" کی وضاحت مع اختلاف ائمه

تربیع کا مادہ ربعٌ ہے، اس کے معنی ہیں چار، یہاں زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ اذان کے شروع میں "اللہ اکبر" چار مرتبہ کہا جائے گا، یا نہیں کہا جائے گا۔

امام صاحب کا مذهب: امام ابوحنیفہ واحمدؒ کے نزدیک اذان کے شروع میں چار مرتبہ "اللہ اکبر" کہا جائے گا۔

دلیل: امام صاحب کی دلیل حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کی حدیث ہے اس میں آسمان سے اترنے والے فرشتے نے اذان کی تعلیم دیتے ہوئے چار مرتبہ تکبیر کہی ہے، روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: قال لما امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالناقوس يُعمَل ليضربَ به للناس لجمع الصلاة طاف بي وانا نائمٌ رجلٌ يحمل ناقوساً في يدهٖ فقلتُ ياعبدالله أتبيع الناقوس فقال وماذا تصنع به فقلتُ ندعُوْا به إلى الصلاة قال آفلا ادُلك على ماهو خيرٌ من ذالك فقلت له بلىٰ قال فقال تقول الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، اشهد ان لااله إلاالله، اشهد ان لا اله الاالله، اشهد أن محمدا رسول الله، اشهد أن محمدا رسول الله، حى على الصلاة، حى على الصلاة، حي على الفلاح، حى على الفلاح، الله اكبر، الله اكبر، لااله الاالله. اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں شروع میں چار مرتبہ "اللہ اکبر" کہا جائے گا۔

امام مالک کا مذهب: امام مالک کے نزدیک تکبیر صرف دو مرتبہ ہے۔

دلیل: امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے، يؤذن مثنیٰ مثنیٰ، اسی طرح حدیث باب بھی امام مالک کی دلیل ہے۔

جواب: امام مالک نے جو حدیث پیش کی ہے "يؤذن مثنیٰ مثنیٰ" اسی طرح حدیث باب یہ سب اجمالی احادیث ہیں، اس کا ان احادیث سے موازنہ کیا جائے گا، جن میں صراحتاً "اللہ اکبر" کے جملے کو چار مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، نتیجہ یہ نکلے گا کہ تکبیر چار مرتبہ کہی جائے گی باقی چیزیں دو مرتبہ، نیز جب ثقہ راویوں سے صراحتاً چار دفعہ کی زیادتی ثابت ہے، تو یہ زیادتی معتبر ہوگی۔

مسئلہ ثانیہ "ترجیع" کی وضاحت مع اختلاف ائمہ

ترجیع کہتے ہیں کہ اذان میں کلمات شہادتین کو دوبار پست آواز سے کہا جائے، پھر دوبار بلند آواز سے کہا جائے۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے، امام احمدؒ کا بھی تحقیقی مذہب یہی ہے۔

دلیل: حنفیہ کی دلیل ایک تو حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے۔ "كان الاذان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مرتين مرتين" اس کے علاوہ حضرت محذورہؓ کی اذان کو چھوڑ کر آپ ﷺ کے دور کی کسی بھی اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ حضرت بلالؓ، عبداللہ بن مکتومؓ اور ان کے علاوہ دوسرے موذن اذان میں ترجیع نہیں کرتے تھے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے اور وہ اس کو مسنون قرار دیتے ہیں۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل مشکوۃ کی اگلی روایت ہے، اس میں شہادتین کا چار مرتبہ تذکرہ ہے، معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیع ہے، نیز ابوداؤد میں صراحت ہے، "تخفض بها صوتك، ثم ترفع صوتك بالشهادة.

جواب: (۱) جن روایات میں ترجیع کا ذکر ہے، وہ ابومحذورہؓ کی روایات ہیں، آپ ﷺ نے ابومحذورہ کو تعلیماً دوبارہ بلند آواز سے شہادتین کے لئے کہا، جس کو انہوں نے اپنا معمول بنالیا، اصل میں واقعہ یہ پیش آیا، کہ رسول اللہ ﷺ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، ایک جگہ پر اذان دی گئی، کچھ بچوں نے اذان کی نقل کی، ان میں ابومحذورہؓ بھی تھے، آپ ﷺ نے ابومحذورہؓ کو بلاکر، اذان دینے کے لئے کہا، تو ابومحذورہؓ نے سب کلمات تو زور سے کہے، لیکن شہادتین کے کلمات آہستہ سے کہے، وجہ یہ تھی کہ وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، آپ ﷺ نے زور سے اعادہ کے لئے کہا، حضرت ابومحذورہؓ نے دوبارہ زور سے شہادتین کا تلفظ کیا اور یہی تلفظ کرنا آپؐ کے ایمان لانے کا سبب بن گیا، آپ ﷺ کا مقصود بلند آواز سے ادا کرنے کی تعلیم تھی، ترجیع کو مسنون قرار دینا نہ تھا؛ لیکن ابومحذورہؓ نے یہ سمجھا کہ یہ اذان کی سنت ہے؛ اس لئے انہوں نے اذان میں ترجیع کو باقی رکھا۔ (۲) ترجیع والی حدیث بیان جواز کے لئے ہے، (۳) ترجیع والی روایات مقدم ہیں اور عدم ترجیع والی روایات موخر ہیں؛ لہٰذا ترجیع والی روایات منسوخ ہوں گی۔

سوال: جب حضورؐ نے ابومحذورہؓ کو تعلیماً ترجیع کا حکم دیا تھا، تو انہوں نے ہمیشہ کے لئے کیوں اختیار کیا؟

جواب: چونکہ یہی ترجیع آپؐ کے ایمان لانے کا سبب بنی تھی، اس وجہ سے ابومحذورہؓ نے اس طریقہ کو کبھی نہیں چھوڑا؛ جیسا کہ ابومحذورہؓ سر کے بال محض اس لئے نہیں کٹوائے تھے کہ ان بالوں میں آپ ﷺ کے ہاتھ لگے تھے۔

دونوں مسئلوں کا خلاصہ: امام صاحب کے نزدیک تربیع ہے تو ترجیع نہیں ہے، اس لئے کل کلمات اذان پندرہ ہیں، اور امام مالک کے نزدیک تربیع نہیں ہے اور ترجیع ہے، اس لئے ان کے نزدیک کلمات اذان سترہ ہیں، اور امام شافعیؒ کے نزدیک تربیع اور ترجیع دونوں ہیں؛ اس لئے کلمات اذان ان کے نزدیک انیس ہیں۔

مسئلہ ثالثہ عدد کلمات اقامت کی وضاحت مع اختلاف ائمہ

﴿تکبیر میں کتنے کلمات کہنا افضل ہے، اس مسئلہ میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے﴾

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقامت کے کلمات سترہ ہیں، پندرہ اذان والے کلمات اور دو مرتبہ قدقامت الصلاۃ۔

دلیل: (۱) "ان النبى صلى الله عليه وسلم علمه الاذان تسع عشرة كلمة والاقامة سبع عشرة كلمة، " یہ ابومحذورہ کی روایت ہے اس میں صاف طور پر یہ بات مذکور ہے کہ اقامت کے کلمات سترہ ہیں، اذان میں انیس کلمات کا تذکرہ ہے، اس کا ہم

سابق میں جواب دے چکے ہیں (۲)"إن بلالا كان يثنى الاذان ويثنى الإقامة"

امام شافعیؒ کامذھب: امام شافعیؒ کے نزدیک کلمات اقامت کل گیارہ ہیں، پہلے دومرتبہ تکبیر، پھر شہادتین ایک ایک بار، پھر حیعلتین ایک ایک بار، دومرتبہ قد قامت الصلاۃ، دوبار تکبیر، ایک لا الہ الا اللہ، اس طرح یہ کل گیارہ کلمات ہو گئے، یہی امام احمد کا مذہب ہے۔

امام مالک کامذھب: امام مالکؒ کے نزدیک اذان میں کل دس کلمات ہیں، وہ قد قامت الصلاۃ بھی ایک بار کہنے کا قائل ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آیا ہے، "فأمر بلال ان يشفع الاذان وان يوتر الاقامة، یہاں حضرت بلال کو ایتار اقامت کا حکم دیا گیا ہے، بعض روایات میں "الا الاقامة" کا استثنا موجود ہے، اور بعض میں نہیں ہے، امام شافعی ان روایات کو لیتے ہیں جس میں استثناء ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ تکبیر میں سوائے اقامت کے ہر چیز ایک بار کہی جائے گی، امام مالک ان روایات کو لیتے ہیں جن میں استثناء مذکور نہیں ہے؛ چنانچہ وہ قد قامت الصلاۃ کو ایک مرتبہ کہنے کے قائل ہیں۔

جواب: (۱) حضرت بلالؓ کو شروع میں ایتار کا حکم تھا اور عہد رسالت میں اسی پر عمل بھی تھا، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں حضرت بلالؓ کا عمل اقامت میں ایتار کے بجائے تثنیہ کا ہو گیا تھا۔ (۲) یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہے (۳) شفع اور وتر کلمات کے اعتبار سے نہیں؛ بلکہ سانس کے اعتبار سے ہے، مراد یہ ہے کہ اذان کے ہر دو کلمات دو الگ الگ سانسوں میں کہے جائیں، اور اقامت کے دو کلمات ایک ہی سانس میں کہے جائیں، لیکن یہ جواب "الا الاقامة" میں نہیں چل پائے گا، کیونکہ اقامت میں قدقامت الصلاۃ کو بھی ایک ہی سانس میں کہا جاتا ہے، حالانکہ حدیث میں اس کا استثناء معلوم ہو رہا ہے اس کے استثناء کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "مدرج من الراوی" ہے اس لئے یہ معتبر نہیں (۴) اگر ائمہ ثلاثہ اقامت میں ایتار کے قائل ہیں؛ تو تکبیر کا استثنیٰ کن دلائل سے کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟

نوٹ: یہ تمام اختلافات جواز اور عدم جواز کے طور پر نہیں ہے، بلکہ یہ اختلاف راجح اور مرجوح کے طور پر ہیں، یہ مباحث مرقات فتح الملہم معارف السنن اور ایضاح البخاری وغیرہ سے مستفاد ہیں۔

حدیث نمبر ۵۹۲ ﴿اذان میں ترجیع کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۴۲

وَعَنْ اَبِي مَحْذُوْرَةَ قَالَ اَلْقَى عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّأْذِيْنَ هُوَ بِنَفْسِهٖ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ على الفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الفَلَاحِ اَللّٰه اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص: ۱۶۵/ ج: ۱، باب صفة الاذان، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۳۷۹۔

ترجمہ: حضرت ابومحذورہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود مجھ کو اذان دینی سکھلائی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہو اللہ اکبر (اذان کے کلمات متن میں موجود ہیں میں ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں) اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، آپ ﷺ نے پھر دوہرانے کے لئے کہا اور فرمایا کہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں

کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز کی طرف آؤ، نماز کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

خلاصہ حدیث یہ وہی حدیث ابومحذورہ ہے، جس کا گذشتہ حدیث میں تذکرہ ہوا ہے، واقعہ یہ پیش آیا کہ غزوہ حنین سے واپسی کے موقع پر، آپ کے موذن نے اذان دی، چند لڑکوں نے اذان کی نقل کی، ان میں سب سے بلند آواز حضرت ابومحذورہؓ کی تھی، آپ کے حکم سے وہ لڑکے حاضر کئے گئے، آپ ﷺ نے حضرت ابومحذورہؓ کو اذان کی تلقین کی، چنانچہ ابومحذورہ نے پوری اذان دی، ابومحذورہؓ چونکہ ان کو شہادتین دوہرانے کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے شہادتین کو دہرایا، اور اس دہرانے کی برکت سے ان کے دل میں ایمان اور آپ کی محبت سما گئی، ایک موقع پر ابومحذورہ خود کہتے ہیں، "ذهب كُلُّ شيءٍ كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم من كراهيته وعاد ذالك محبةً لرسول الله صلى الله عليه وسلم" (مسند احمد) اس حدیث میں حضرت ابومحذورہؓ نے اپنی اسی پہلی اذان کا تذکرہ کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الله اكبر اللہ سب سے بڑا ہے، یعنی اس سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے، وہ ہر چیز سے بڑا ہے، راء کو ساکن پڑھا جائے گا، اس کو ضمہ نہیں دیا جائے گا، اس حدیث میں اللہ اکبر چار بار کا تذکرہ ہے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے، امام مالکؒ کے نزدیک شروع کی تکبیر میں دو بار کہی جائے گی، اس اختلاف کو مع دلائل کے گذشتہ حدیث میں مسئلہ اولیٰ کے تحت ذکر کیا گیا ہے، دیکھ لیا جائے، اشهد ان لااله الا الله، شہادتین کا تلفظ حنفیہ کے نزدیک دو دو بار کیا جائیگا، لیکن شوافع و مالکیہ اذان میں ترجیع کے قائل ہیں، یعنی شہادتین کا دو بار پست آواز سے تلفظ کیا جائے گا اور دو بار بلند آواز سے، کل چار بار تلفظ کیا جائے گا۔

ثم تعود فتقول اشهد ان لااله الاالله، ابومحذورہؓ نے شہادتین کا تلفظ پست آواز سے کیا، تو آپ ﷺ نے زور سے تلفظ شہادتین کے اعادہ کے لئے کہا، حدیث کے اسی جزء سے ترجیع کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، شوافع و موالک حدیث کے اسی جزء کو دلیل میں پیش کرتے ہیں گذشتہ حدیث میں حدیث باب کا جواب اور حنفیہ کا مذہب مع دلائل مسئلہ ثانیہ کی وضاحت کے تحت ذکر کر دیا گیا ہے، دیکھ لیا جائے، حقیقت یہی ہے کہ ابومحذورہ کو ترجیع کا حکم تعلیماً تھا تشریعاً نہیں تھا، اگر تشریعاً ہوتا تو یہ حکم موذن رسول حضرت بلالؓ، مسجد نبوی کے موذنِ ثانی عبداللہ بن مکتومؓ، مسجد قباء کے موذن حضرت سعدؓ کو بھی ضرور ملتا، حالانکہ ان میں سے کوئی بھی اذان میں ترجیع نہیں کرتا تھا، اس طرح حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کے خواب میں سنے ہوئے کلمات کے اندر بھی ترجیع کا ذکر نہیں ہے۔ مزید تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث نمبر ۵۹۱ دیکھئے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۵۹۳ ﴿اذان واقامت کے کلمات کی تعداد﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۴۳

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الاذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

حواله: ابوداؤد ص: ۷۶، باب فی الاقامة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۵۱۰، نسائی ص: ۱۰۷، باب الاذان مثنیٰ مثنیٰ، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۱۹۳۔

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے، اور اقامت کے کلمات سوائے "قدمت الصلاة، قدقامت الصلاة" کے ایک بار تھے، قد قامت الصلاۃ موذن دو بار کہتا تھا۔ (ابوداؤد، نسائی، داری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں اذان کے کلمات کا تلفظ دو دو بار کیا جاتا تھا اور اقامت کے کلمات "قدقامت الصلاۃ" کے علاوہ ایک ایک بار کہے جاتے تھے، اقامت کے حوالے سے یہ حدیث امام شافعیؒ کے مذہب کے عین مطابق ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الاذان مرتین مرتین، اذان میں شروع کی تکبیر چار بار کہی جائے گی اور آخیر میں لاالٰہ الا اللہ ایک بار، باقی کلمات دو دو بار ادا کئے جائیں گے، امام مالک شروع کی تکبیر دو مرتبہ کہنے کے قائل ہیں، نیز امام مالک وشافعی شہادتین دو مرتبہ کہنے کے بجائے چار بار کہنے کے قائل ہیں، ان دونوں مسائل کو مع دلائل کے حدیث نمبر ۵۹۰ر کے تحت دیکھا جاسکتا ہے۔

والاقامة مرةً مرةً، امام شافعی کے نزدیک اقامت میں کل گیارہ کلمات ہیں، دو بار شروع میں تکبیر، دو بار لاالٰہ الا اللہ سے پہلے تکبیر، دو بار قدقامت الصلاۃ، بقیہ کلمات ایک ایک بار، امام مالک قدقامت الصلاۃ بھی ایک بار کہنے کے قائل ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک اقامت میں دس کلمات ہیں، امام صاحبؒ کے نزدیک اقامت کے کل کلمات سترہ ہیں، پندرہ اذان والے اور دو بار قدقامت الصلاۃ کا اضافہ ہے، یہ اختلاف مع دلائل بھی حدیث نمبر ۵۹۰ر کے تحت گذر چکا ہے وہیں دیکھ لیا جائے۔

حدیث باب کا جواب: حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے؛ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کے کلمات کا تلفظ ایک ایک بار کیا جائے گا، دو دو بار نہیں کیا جائے گا، احناف کی طرف سے اس کے چند جواب دیے جاتے ہیں، (۱) حضرت شیخ سہارن پوریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کا تعلق ہر اذان سے نہیں، بلکہ صرف اذان صبح سے ہے، آپ کے زمانے میں صبح کے وقت دو بار اذان ہوتی تھی۔(۱) تہجد کے لئے آخر شب میں (۲) فجر کے لئے صبح صادق کے بعد، ایک مرتبہ بلالؓ اذان کہتے تھے، اور ایک مرتبہ ابن مکتومؓ، اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے، کہ اذان تو دو بار کہی جائے گی اور اقامت صرف ایک بار، جواب (۲) اذان دو بار کہنے کا مقصد اذان میں ترسل، ہے، یعنی اس کا دو سانس میں تلفظ کیا جائیگا، اور اقامت کو ایک بار کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو حدراً ایک سانس میں کہا جائے گا، حاصل یہ نکلا کہ یہ یہاں مرتین اور مرۃ کیفیت ادا پر محمول ہیں، عدد پر محمول نہیں ہیں، اذان میں ترسل، اور اقامت میں حدر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، "یابلال اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ فِی اَذَانِكَ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ" (ترمذی) اس کے علاوہ بھی چند جوابات ہیں، مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۵۹۱ دیکھئے۔

غیر انه کان یقول قدقامت الصلاۃ، یہ راوی کا ادراج ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اقامت کا استثناء مفہوم کلام سے ہے، یعنی حدیث سے بظاہر سمجھ میں آرہا تھا کہ اذان واقامت کے کلمات یکساں ہیں، لہٰذا استثناء کر کے بتادیا کہ تکبیر میں "قدقامت الصلاۃ" زائد ہے۔

حضرت کا یہ قول بہت مناسب اور بہت عمدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ احادیث میں صرف "قدقامت الصلاۃ" کا استثناء ہے، اگر تعداد سے استثناء ہوتا، تو "اللہ اکبر" کا بھی استثناء ہوتا، کیونکہ یہ اقامت میں بھی بالاتفاق مکرر ہے۔ (ابن علی)

حدیث نمبر ۵۹۴ ﴿اقامت میں سترہ کلمات ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٤٤

وَعَنْ اَبِی مَحْذُوْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وسَلَّمَ عَلَّمَهُ الاَذانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمةً وَالْاِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِرْمِذِیُّ وَابُوْدَاوُدَ والنَّسَائِیُّ والدَّارِمِیُّ وابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: مسند احمد ص: ۱ ۰ ٤ /ج: ٦، ابو داؤد، ص: ۷۳/باب کیف الاذان، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۲ ۰ ۵/

ترمذی: ج:۱، باب الترجیع فی الاذان، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۹۲/ نسائی ص:۱۰۳/ ج:۱، باب کم الاذان من کلمۃ، کتاب الاذان حدیث نمبر ۶۲۹/ بن ماجہ ص:۵۲/ ج:۱، باب الترجیع فی الاذان، کتاب الاذان حدیث نمبر ۷۰۹/ دارمی ص:۲۹۲/ باب الترجیع فی الاذان، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۱۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابومحذورہ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ان کواذان انیس کلمے کے ساتھ اور اقامت (تکبیر) سترہ کلمات کے ساتھ سکھائی۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اذان واقامت کے کلمات کی تعداد کا ذکر ہے، حضرت ابومحذورہ کہتے ہیں کہ اذان میں انیس کلمات ہیں، اور اقامت میں سترہ کلمات، اقامت کے سلسلہ میں تو حدیث حنفیہ کی مؤید ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اقامت میں سترہ کلمات ہی ہیں؛ لیکن اذان میں حنفیہ کے نزدیک پندرہ کلمات ہیں؛ اس وجہ سے اذان کے حوالے سے یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے، جواب سابقہ احادیث میں گذر چکا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **الاذان تسع عشر کلمۃ،** اذان میں انیس کلمات ہیں، اذان میں انیس کلمات اس وقت ہیں جب ترجیع کو شامل کرلیا جائے، یعنی دوبار شہادتین کا تلفظ پست آواز سے کیا جائے۔ پھر دوبارہ شہادتین کا تلفظ بلند آواز سے کیا جائے، آپ ﷺ نے حضرت محذورہؓ کو تعلیماً ترجیع کا حکم دیا تھا؛ تشریعاً حکم نہیں دیا تھا؛ لہٰذا حنفیہ کے نزدیک ترجیع اذان کا جز نہیں ہے، اور ترجیع نہ ہونے کی بناء پر اذان کے کلمات کی کل تعداد پندرہ ہے، مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۵۹۰ دیکھئے۔

والاقامۃ سبع عشرۃ کلمۃ: اقامت میں سترہ کلمات ہیں، پندرہ اذان والے کلمات اور دوبار قد قامت الصلاۃ، اس طرح اقامت کے کلمات کل سترہ ہوگئے، اس سلسلے میں امام شافعی و مالک کا اختلاف ہے، اختلاف مع دلائل کے لئے حدیث نمبر ۵۹۱ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۵۹۵ ﴿حضرت ابومحذورہ کوتعلیم اذان﴾ عالمی حدیث نمبر ۶٤٥

وعنه قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ سُنَّةَ الاَذَانِ قَالَ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رأسِه قَالَ تَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ تَرْفَعُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تَخْفِضُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَرْفَعُ صَوْتَكَ بِالشَّهَادَةِ اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ فَاِنْ كَانَ صَلٰوةُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَوَاهُ اَبُو دَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص:۷۲/ ج:۱، باب کیف الاذان، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۰۰

ترجمہ: حضرت ابومحذورہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول مجھ کواذان کا طریقہ سکھادیجئے، تو آپ ﷺ نے ان کے سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ پھیرا، پھر کہا کہو (کلمات حدیث متن میں دیکھئے یہاں ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے) اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، ان کلمات کو کہتے وقت اپنی آواز بلند کرو، اور پھر کہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، ان کلمات کو پہلے آہستہ آواز سے کہو پھر کلمات شہادت کے وقت اپنی آواز بلند کرتے ہوئے کہو کہ میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے

رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، آ ؤنماز کیطرف، آ ؤنماز کیطرف، آ ؤکامیابی کیطرف، ادرکامیابی کیطرف، پھر اگر صبح کی نماز ہوتو کہونماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔(ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی حضرت ابومحذورہؓ کی اذان کا تذکرہ ہے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت ابومحذورہؓ کو ترجیع کا حکم دیا تھا، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ فجر کی اذان میں "الصلاۃ خیر من النوم" دوبار کہنا مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فمسح مقدم راسه، آپ ﷺ نے اذان سکھانے سے پہلے ابومحذورہؓ کے سر پر دست شفقت پھیرا؛ تاکہ اس کی برکت سے ان کو اذان کے کلمات، ان کے معانی اور دین سے متعلق دوسری باتیں اچھی طرح سمجھ میں آ جائیں، حضرت ابومحذورہؓ نے اس کے بعد بال کبھی نہیں کٹوائے؛ کیونکہ اس پر آپ ﷺ کا دستِ مبارک پھرا تھا، تخفض بها صوتك ثم ترفع صوتك بالشهادة آپ نے حضرت ابومحذورہؓ کو ترجیع کا حکم دیا، یعنی شہادتین کا تلفظ پست آواز سے دومرتبہ کرو، پھر بلند آواز سے دومرتبہ کرو، ترجیع ہمارے یہاں نہیں ہے، اس لئے ہماری جانب سے سابق میں جواب دیا گیا تھا، کہ ابومحذورہؓ کو تعلیماً ترجیع کا حکم تھا۔ تشریعاً نہیں تھا؛ لیکن اس حدیث سے سمجھ میں آتا ہے کہ ترجیع کا حکم تشریعاً تھا؛ لہٰذا سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ ابومحذورہؓ کے علاوہ دیگر مؤذنوں نے مثلاً حضرت بلالؓ، حضرت عبداللہ بن مکتومؓ اور سعد قرظیؓ کی اذانوں میں ترجیع نہیں ہے؛ لہٰذا ان کثیر راویتوں کے پیش نظر جس میں ترجیع نہیں ہے؛ ابومحذورہؓ کی روایت کو منسوخ یا مرجوح قرار دیا جائے گا۔

حضرت ابومحذورہؓ کا واقعہ غزوہ حنین سے واپسی کے موقع پر پیش آیا، آپ ﷺ اس کے بعد مدینہ تشریف لائے، حضرت بلالؓ اس واقعہ کے بعد بھی بغیر ترجیع کے اذان دیتے رہے، معلوم ہوا کہ ابومحذورہؓ کی حدیث منسوخ ہے، آپ ﷺ نے ان کو ترجیع کا حکم کسی وقتی مصلحت کی بناء پر دیا تھا۔

فان كان صلاة الصبح، حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوا کہ فجر کی اذان میں "الصلاة خير من النوم" کا اضافہ احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے، فجر کی اذان میں ان کلمات کو دومرتبہ کہنا مستحب ہے۔

حدیث نمبر ۵۹۶ ﴿مسئلہ تثویب کی وضاحت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۴۶

وَعَنْ بِلَالٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُثَوِّبَنَّ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلوٰاتِ اِلَّا فِيْ صَلوٰةِ الْفَجْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ اَبُوْ اِسْرَائِيْلَ الرَّاوِيُّ لَيْسَ بِذَالِكَ الْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحدیث.

حواله: ترمذی ص:۴۹/ ج:۱، باب التثويب في الفجر، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۱۹۸/ ابن ماجه ص:۵۲/ باب السنة في الاذان، كتاب الاذان، حديث نمبر ۷۱۵.

ترجمه: حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ فجر کی نماز کے علاوہ کسی دوسری نمازمیں تثویب مت کرو، (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے کہا ہے کہ "ابواسرائیل راوی" محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز فجر میں تثویب یعنی ایک بار آگاہ کرنے کے بعد دوبارہ آگاہ کرنا مسنون ہے، دوسری نمازوں کے لئے تثویب درست نہیں ہے، بلکہ بعض لوگوں نے مکروہ اور بعض نے بدعت قرار دیا ہے۔

اصل میں حضرت بلالؓ فجر کی اذان دینے کے بعد بیٹھ جاتے تھے، جب مسجد میں لوگ اکٹھا ہوجاتے، تو حضرت بلالؓ آوازدے کر آپ کو اٹھاتے تھے، کیا الفاظ استعمال کرتے تھے یہ معلوم نہیں؛ ایک دن اذان دینے کے بعد حسب معمول اٹھانے گئے تو دیکھا کہ

آپ ﷺ کی آنکھ لگ گئی ہے، اس پر حضرت بلالؓ نے کہا، " الصلاۃ خیرٌ من النوم یارسول اللہ "حضور کی آنکھ کھل گئی اور آپ کو یہ جملہ پسند آیا؛ چنانچہ آپ نے فرمایا، اسے اپنی نماز میں کہا کرو' حضرت بلالؓ نے پانچوں نمازوں میں اس کو شامل کرلیا۔ اس پر آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ صرف فجر کی نماز میں اس کو شامل کرو، بقیہ نمازوں میں نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تثوبن، تثویب ثوب سے مشتق ہے، کسی کو بلانے کے لئے بار بار کپڑا ہلانا، اصطلاح شرع میں تثویب کہتے ہیں اعلان کے بعد اعلان کرنا۔ (بذل المجہود ص:۳۰۶رج:۱)

تثویب کی تحقیق کہتے ہوئے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے دوران درس فرمایا تھا، ثا، واو، با، اس مادہ کے معنی، لوٹنا ہے، اسی لئے ثواب کا مطلب ہے عمل کا بدلہ لوٹ کر آنا، کپڑے کو ثوب کہتے ہیں اس لئے کہ وہ دھلنے کے بعد پھر ہمارے بدن پر آجاتا ہے، تثویب کے معنی ہیں ایک بار اعلان کے بعد اعلان کرنا، حی علی الصلاۃ کے بعد، الصلاۃ خیر من النوم کہنا تثویب ہے، کیونکہ ایک بار حی علی الصلاۃ سے نماز کے لئے بلایا گیا ہے اور پھر الصلاۃ خیر من النوم سے بھی نماز کی طرف دعوت دینا ہی ہے، یہ تثویب صرف فجر میں ہے اور یہ بالاتفاق مسنون ہے۔

البحر الرائق میں تثویب کی دو قسمیں مذکور ہیں (۱) تثویب قدیم (۲) تثویب جدید، تثویب قدیم تو فجر کی نماز میں ''الصلاۃ خیر من النوم'' ہے اور یہ بالاتفاق مسنون ہے، تثویب جدید یہ ہے کہ موذن اذان واقامت کے درمیان ''الصلاۃ جامعۃ'' یا ''الصلاۃ'' پکارے، اسی طرح ہر شہر میں اس کے عرف کے مطابق تثویب ہوگی، کسی جگہ صرف تنحنح سے بھی تثویب ہوجاتی ہے، تثویب جدید کے سلسلے میں فقہاء کے تین طرح کے اقوال ہیں (۱) صرف فجر میں تثویب مستحسن ہے، یعنی فجر میں اذان واقامت کے درمیان سونے والوں کو غفلت سے بیدار کرنے کے لئے الصلاۃ جامعہ یا اسطرح کے الفاظ کہے جائیں (۲) پانچوں نمازوں میں تثویب مستحسن ہے۔ (۳) جولوگ ملت اور دین کے کاموں میں مشغول ہوں ان کو شخصی طور پر تثویب کی جائے۔

ان تینوں اقوال میں سے تیسرا قول علماء دیوبند نے لیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت بلالؓ فجر میں صرف حضور کو تثویب کرتے تھے اور بقیہ دو قولوں کو بدعت قرار دیا ہے، چنانچہ ان پر عمل نہیں ہے؛ کیونکہ یہ اقوال نص کے خلاف ہیں علماء دیوبند کا یہ مزاج ہے کہ فقیہ کا قول اگر نص کے خلاف ہوتا ہے، تو اس کو نہیں لیتے ہیں، اور اس فقیہ کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق نص اس کو نہیں پہنچی ہوگی، تثویب سے متعلق پہلا اور دوسرا قول بدعت ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ "انه رأى موذنا يثوب في العشاء فقال أخرجوا هذا المبتدع من المسجد "اس بدعتی کو مسجد سے باہر کردو۔ تیسرے قول میں کچھ گنجائش ہے، چنانچہ حضرت مفتی تقی عثمانی نے درس ترمذی میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ وہ مشتغلین بالعلم کے لئے اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اقامت سے کچھ پہلے ان کو یاد دہانی کرائی جائے، اس قول کی وجہ یہ ہے کہ اصلاً اس قسم کی یاد دہانی مباح تھی، کیونکہ نصوص میں نہ اس کا امر کیا گیا تھا نہ اس سے نہی، لیکن بعض علاقوں میں اس تثویب کو سنت کی حیثیت سے اختیار کرلیا گیا، تو علماء نے اس کو بدعت کہا، اگر ضرورت کے مواقع پر اس کو سنت اور عبادت سمجھے بغیر اختیار کیا جائے تو مباح ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ (درس ترمذی ص:۴۶۴رج:۱)

الحاصل اگر بغیر اہتمام اور تکلف کے تثویب کی جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں فقہاء کرام نے اس تثویب کو ممنوع اور مکروہ قرار دیا ہے، جس میں تکلف اور تصنع ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۵۹۷ ﴿اذان ٹھہر ٹھہر کر دینا چاہئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٤٧

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَاِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ

بَيْنَ اَذَانِكَ وَاِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الاٰكِلُ مِنْ اَكْلِهِ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهِ وَالْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ وَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِىْ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ لَانَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِالْمُنْعِمِ وَهُوَاِسْنَادٌ مَجْهُوْلٌ.

حوالہ: ترمذی ص: ۴۸ / ج: ۱، باب الترسل فی الاذان، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۹۵ / ۱۹۶.

حل لغات: تَرَسَّلْ، امر حاضر ہے، تفعل سے، مصدر تَرَسُّلاً، فی کلامه وقراء ته، ومشیه، ٹھہر ٹھہر کر بولنا، پڑھنا، اور آہستہ آہستہ چلنا، اُحْدُرْ، حَدَرَ، (ن) حُدُوْرًا. القراۃ و الأذان، جلدی پڑھنا، جلدی اذان دینا، و المعتصر، اعتصر من الشیء، کوئی چیز لینا، بہ، پناہ لینا، الشیء نچوڑنا، یہاں قضائے حاجت کو جانے والا مراد ہے۔

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا جب اذان دو تو ٹھہر ٹھہر کر اذان دو، جب اقامت کہو تو جلدی جلدی کہو، اور اپنی اذان اور اپنی اقامت کے درمیان اتنا وقفہ رکھو کہ کھانے والا، اپنے کھانے سے اور پینے والا اپنے پینے سے اور استنجاء کرنے والا، اگر قضائے حاجت کیلئے گیا ہو تو وہ قضاء حاجت سے فارغ ہو جائے، اور تم لوگ جب تک مجھ کو نہ دیکھ لو نماز کے لئے نہ کھڑے ہو (ترمذی) امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس روایت کو ہم عبد المنعم کے سوا کسی اور سند سے نہیں جانتے اور ان کی اسناد مجہول ہے۔

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اذان واقامت کے حوالے سے چند امور کی تعلیم دی ہے (۱) اذان بہت جلدی جلدی نہ کہنا چاہئے (۲) تکبیر کہنے میں اذان کی طرح بہت ٹھہرنا نہ چاہئے، (۳) اذان واقامت کے درمیان تھوڑا فاصلہ ضرور رکھنا چاہئے کہ (۴) امام اگر موجود نہ ہو تو صف نہ بنانا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح

اذا اذنت فترسل، ترسل کے معنی ہیں، اطمنان سے کوئی کام کرنا، ترسل فی الکلام کا مطلب ہے جلد جلدی نہ بولا جائے، اور ترسل فی المشی اسی وقت بولا جاتا ہے جب آدمی جلدی جلدی نہ چلے، اذان میں ترسل کا مطلب ہے کہ اذان میں دو کام کرنا ہے، (۱) ٹھہر ٹھہر کر اذان دینا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک کلمہ کہہ کر اتنی ہی دیر ٹھہرا جائے، ٹھہرنے کا مقصد آگے سانس بڑھانا ہے، (۲) آخر حرف کو کھینچا جائے، لیکن کھینچنا ایک حد میں ہوگا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ جتنی سانس ہو اتنا کھینچا جائے، اس سلسلہ میں آج کل بہت افراط ہے، اذان میں یہ دو کام اس لئے کئے جاتے ہیں تا کہ آواز بلند ہو جائے، اور آواز کا بلند ہونا اذان کے مقصد میں داخل ہے، اس لئے کہ اذان اصلاً غائبین کے لئے ہے۔

و اذا اقمت فاحدر، تکبیر میں حدر ہے یعنی تکبیر جلدی کہی جائے گی، مطلب یہ ہے کہ کلمات اقامت کو روانی سے ادا کیا جائے، اس میں نہ ٹھہرا جائے گا، اور نہ آخری لفظ کو کھینچا جائے گا، اصل میں اقامت میں آواز کا بلند کرنا مقصود نہیں ہے؛ لہٰذا اقامت میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں، لیکن اقامت اتنی جلدی بھی نہیں کہی جائے گی، جتنی جلدی آج کل عام طور پر ہو رہی ہے، کہ ایک سانس میں تمام کلمات اقامت کہہ لئے جاتے ہیں، اس زمانہ میں اذان میں افراط ہو گیا ہے کہ سانس ختم ہونے تک لفظ کو کھینچا جاتا ہے اور اقامت میں تفریط ہو گئی ہے کہ سب کچھ ایک ہی سانس میں کہہ دیا جاتا ہے، حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ تکبیر شروع ہونے سے پہلے میں بازار سے چلتا تھا اور تکبیر ختم ہونے سے پہلے میں حاضر ہو جاتا تھا۔

و اجعل بین اذانك و اقامتك، اذان واقامت کے درمیان کچھ فصل ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں بھی بہت افراط و تفریط ہے، مغرب میں اذان ختم ہوتے ہی نماز شروع ہو جاتی ہے؛ حالانکہ حدیث میں صاف مذکور ہے کہ اذان واقامت کے درمیان اتنا فصل ہونا چاہئے کہ آدمی ضروریات سے فارغ ہو جائے، اس کے برخلاف بعض نمازوں میں اذان واقامت کے درمیان آدھے اور پون گھنٹے کا فرق ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اذان بے معنی ہو کر رہ گئی ہے، لوگ اذان کے بعد بھی اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور اپنی گھڑی

کے اعتبار سے نماز کے لئے حاضر ہوتے ہیں، حتی کہ جمعہ میں بھی اذان کے بعد نماز کے لئے سعی نہیں کرتے، حضور ﷺ کے دور میں نماز کا وقت مقرر نہیں تھا، صرف اذان کا وقت مقرر تھا، اذان کے بعد لوگ آتے جب کچھ لوگ ہوجاتے نماز کھڑی ہوجاتی۔

ولاتقوموا حتی ترونی، یہ خطاب اگر قوم سے ہے تو مطلب یہ ہے کہ میرے آنے سے پہلے نہ کھڑے ہو، اس لئے کہ اس میں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا ہے۔ اور اگر یہ خطاب موذنوں کو ہے تو مطلب یہ ہے کہ میرے آنے سے پہلے اقامت نہ کہو اور کھڑے نہ ہو اس لئے کہ اس صورت میں ایک طرح سے امام کو مجبور کرنا ہے۔

اصلاً اقامت حاضرین کی اطلاع کیلئے ہے؛ لہٰذا امام کے آنے پر تکبیر کہی جائے اور تمام لوگ کھڑے ہوجائیں، یہی قول سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ اسکے علاوہ بھی چند اقوال ہیں انکی وضاحت کسی اور موقع پر کیجائیگی، بریلوی حضرات امام کے موجود ہونے کے باوجود حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوتے ہیں، وہ غلط کرتے ہیں کیونکہ اسمیں تکبیر کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہوا، کیونکہ تکبیر تو اللہ اکبر سے شروع ہوتی تھی، انہوں نے فقہ کی عبارتوں "یقوم الناس عند حی علی الصلاۃ" سے یہ سمجھا کہ اس سے پہلے کھڑا نہ ہونا چاہئے حالانکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہیکہ اگر کسی وجہ سے آدمی تکبیر شروع ہونے کیوقت بھی بیٹھا رہا، تو اب حیّ علی الصلاۃ پر ضرور کھڑا ہوجائے۔

تعارض: اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ لوگ حضور کو دیکھنے سے پہلے نماز میں کھڑے ہوجاتے تھے، کیونکہ اگر دیکھنے سے پہلے کھڑے نہ ہوتے تو حضور منع کیوں کرتے اور دوسری روایت ہے جس میں مذکور ہے، "ان بلالاً کان لایقیم حتی یخرج النبی ﷺ" یعنی حضور کے گھر سے نکلنے سے پہلے حضرت بلال تکبیر نہیں کہتے تھے، یعنی جب بلال؄ آپ کو دیکھ لیتے تھے، تبھی تکبیر کہتے تھے۔

دفع تعارض: حضرت بلال؄ حضور ﷺ کے نکلنے کا انتظار کرتے تھے، اور جوں ہی آپ کو دیکھتے اقامت شروع کردیتے، حالانکہ اکثر لوگوں نے ابھی تک دیکھا نہ ہوتا تھا اور کھڑے ہوجاتے تھے؛ لہٰذا آپ نے فرمایا مجھے دیکھ کر کھڑے ہوا کرو، اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر پیش امام نہ ہو اور تکبیر شروع بھی ہوجائے تو بھی مقتدی کھڑا نہ ہو،

قال لانعرفه الا من حدیث عبدالمنعم: امام ترمذی کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کو صرف "عبدالمنعم" نے روایت کیا ہے کسی اور راوی نے روایت نہیں کیا، امام ترمذی کا یہ قول اپنے علم کی بنیاد پر ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو دوسرے راویوں نے بھی نقل کیا ہے، اور یہ مضمون دیگر صحابہ سے بھی منقول ہے۔

حدیث نمبر ۵۹۸ ﴿اقامت موذن کھے﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٤٨

وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَمَرَ نِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُذِّنَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَاَذَّنْتُ فَاَرَادَ بِلَالٌ اَنْ يُقِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخَاصُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ وَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ترمذی ص:٧٦/ ج:١، باب من اذن فهويقيم، كتاب الصلاة، حديث نمبر ١٩٩/ ابوداؤد ص: ج:١، باب فی الرجل يؤذن ويقيم آخر، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٥١٤/ ابن ماجه ص:٥٢/ باب السنة فی الاذان، كتاب الاذان حديث نمبر ٧١٧.

ترجمه: حضرت زیادہ بن حارث صدائی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو نماز فجر کی اذان دینے کا حکم کیا، تو میں نے اذان دی، پھر حضرت بلال نے تکبیر کہنے کا ارادہ کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ صدائی بھائی نے اذان دی ہے، اور جو اذان دے وہی تکبیر بھی کہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک سفر میں حضرت زیادہ بن حارث صدائی نے آپ کے حکم سے اذان دی، اس کے کچھ دیر کے بعد حضرت بلال نے تکبیر کہنا چاہی، تو آپ ﷺ نے بلالؓ کو منع کر دیا، اور فرمایا کہ تکبیر مؤذن کا حق ہے، لہٰذا حضرت زیاد ہی تکبیر کہیں گے، چنانچہ حضرت زیاد نے تکبیر کہی۔

کلمات حدیث کی تشریح ان اخاصداء، رجل صدائی نے اذان کہی ہے؛ لہٰذا اقامت بھی وہی کہیں گے، آپ ﷺ نے زیاد بن حارث کو اخوصداء اسلئے کہا ہے کہ یہ قبیلہ صدا سے تعلق رکھتے تھے، اور عرب میں دستور ہے کہ جو شخص جس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اس کو اس کا بھائی کہتے ہیں،

من أذَّنَ فهو يقيم: یعنی اقامت موذن کا حق ہے، بعض ابواب میں امام کے لئے "احق بالاقامة" کا لفظ آیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اقامت جس وقت امام چاہے اسی وقت ہونی چاہئے۔

اقامت کے حق کے حوالے سے ائمہ کا اختلاف

امام صاحب کامذہب: امام صاحب کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ جو اذان کہے وہی اقامت بھی کہے، لیکن اگر موذن کو ناگوار نہ ہو، تو اس سے اجازت لے کر دوسرا شخص بھی اذان کہہ سکتا ہے۔

دلیل: اذان مؤذن کے لئے کہنا مستحب ہے، اس کی دلیل تو حدیث باب ہے، اور اس بات کی دلیل کہ مؤذن کی مرضی کے ساتھ دوسرا شخص بھی اذان دے سکتا ہے، وہ بہت سے واقعات ہیں جن میں حضرت بلالؓ نے اذان کہی اور عبداللہ بن ام مکتومؓ نے اقامت کہی اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوا۔

امام شافعیؒ کامسلک: امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مؤذن کے بجائے کسی اور کو تکبیر کہنا مکروہ ہے۔

دلیل: ان کی دلیل حدیث باب ہے، "من اَذَّنَ فهو يقيم" وہ اس حدیث کو اولویت پر محمول نہیں کرتے، بلکہ اقامت کے حق کو، مؤذن کے لئے اس حدیث سے مخصوص کرتے ہیں۔

جواب: یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کے خلاف نہیں ہے؛ اس لئے کہ حنفیہ تو خود کہتے ہیں کہ موذن کے لئے ہی تکبیر کہنا مستحب ہے، البتہ مؤذن کے علاوہ دوسرا شخص بھی کہہ سکتا ہے، جب مؤذن کو ناگوار نہ ہو، اور یہاں حضرت زیاد کو تکلیف پہنچ سکتی تھی، اس لئے آپ نے زیاد ہی سے تکبیر کہلوائی، حضرت زیاد نے اذان کے کہنے کے بعد حضورؐ سے عرض کر دیا تھا کہ میں اقامت بھی کہوں گا، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے ہرگز خلاف نہیں، نیز یہ حدیث ضعیف بھی ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ہیں، جو اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔ مسجد نبوی بسا اوقات حضرت بلالؓ اذان دیتے تھے اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اقامت کہتے تھے۔ ایسے ہی اس کے برعکس بھی ہوتا تھا، اس لئے "من اذن فهو يقيم" محض اولویت پر محمول ہوگا۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۵۹۹ ﴿اذان مشروع ہونے سے پہلے کا مشورہ﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٤٩

عن ابْنِ عُمَرَ قال كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوْا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ لِلصَّلَاةِ وَلَيْسَ يُنَادِيْ بِهَا اَحَدٌ فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ، اتَّخِذُوْا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارىٰ وَقَالَ بَعْضُهُمْ قَرْنًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَ لَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُنَادِيْ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَابِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص: ۸۵/ ج: ۱، باب بدء الاذان، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۰۴، مسلم ص: ۱۶۴/ ج: ۱، باب بدء الاذان، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۷۷/

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ مسلمان جب مدینہ منورہ میں آئے تو وہ جمع ہوتے اور نماز کا وقت اندازے سے طے کرتے، نماز کیلئے کوئی شخص آواز نہیں لگاتا تھا؛ چنانچہ ایک دن اس سلسلہ میں بات چیت ہوئی، بعض لوگوں نے کہا کہ نصاریٰ کے ناقوس کی طرح کوئی چیز متعین کرلی جائے، اور بعض نے کہا یہودیوں کے سینگ کی طرح سینگ اختیار کرلیا جائے، تو حضرت عمرؓ نے کہا تم لوگ کسی آدمی کو متعین کیوں نہیں کردیتے جو بلند آواز سے نماز کا اعلان کردیا کرے؛ تو رسول اللہ ﷺ نے کہا اے بلال کھڑے ہو اور بلند آواز سے اعلان کردو۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث: تقریباً اسی مضمون کی حدیث نمبر ۵۹۰/ گذر چکی ہے، حاصل یہ ہے کہ مدینہ طیبہ پہنچنے تک اذان کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا، لوگ اپنے اپنے انداز سے مسجد حاضر ہوتے تھے، کوئی نماز سے بہت پہلے آجاتا، اور کسی کو آنے میں تاخیر ہوجاتی لئے اس بابت غور ہوا کہ کوئی ایسی چیز طے پایا جائے جس سے تمام لوگ وقت پر جمع ہوجائیں، مشورہ میں کئی چیزیں آئیں؛ لیکن ان میں غیر قوموں سے مشابہت تھی، اس لئے ان چیزوں کو ترک کرکے حضرت عمرؓ کے مشورہ کے مطابق یہ طے پایا کہ نماز سے پہلے مدینہ کے گلے کوچوں میں ''الصلاۃ جامعۃ'' پکارا جایا کرے، تقریباً بیس دن تک یہ سلسلہ چلتا رہا، پھر عبداللہ بن زید بن عبدربہ کے خواب والا واقعہ پیش آیا، جس کی تفصیل اگلی حدیث نمبر ۶۰۰/ میں آرہی ہے۔

الصلاۃ جامعۃ، یہاں اذان شرعی مراد نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس بات کی اطلاع دینا ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ اور اس کے لئے صرف یہی ایک لفظ کہا جاتا تھا، اور پوری اذان کا مسئلہ عبداللہ بن زید کے خواب دیکھنے کے بعد طے ہوا۔

حدیث نمبر ۶۰۰ ﴿عبداللہ بن زید کا اذان سے متعلق خواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۵۰

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بِنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِرَبِّهِ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهِ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِيْ وَاَنَانَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِي يَدِهٖ فَقُلْتُ يَاعَبْدَاللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْا بِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَاهُوَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَكَذَا الْاِقَامَةُ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَارَاَيْتُ فَقَالَ اِنَّهَا لَرُؤْيَاحَقٌّ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَارَاَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِي بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّرِدَاءَهٗ يَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَاَيْتُ مِثْلَ مَا اُرِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْاِقَامَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ لٰكِنَّهٗ لَمْ يُصَرِّحْ قِصَّةَ النَّاقُوْسِ.

حوالہ: ابوداؤد ص: ۷۱/ ۷۲/ ج: ۱، باب کیف الاذان، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۹۹/ دارمی، ص: ۲۸۶/ ۲۸۷/ ج: ۱، باب فی بدء الاذان، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۸۷، ابن ماجہ ص: ۵۱/ باب بدء الاذان، کتاب الاذان والسنۃ فیھا حدیث نمبر ۷۰۶/ ترمذی ص: ج:، باب ماجاء فی بدء الاذان، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۸۹.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ناقوس تیار کرنے کا حکم دیا، تاکہ نمازکی جماعت میں لوگوں کو بلانے کے لئے وہ بجایا جائے، تو میرے پاس ایک آدمی نے چکر لگایا درانحالیکہ میں سورہا تھا، وہ آدمی اپنے ہاتھوں میں ناقوس

اٹھائے ہوئے تھا، میں نے اس شخص سے کہا کہ اے اللہ کے بندے کیا تم ناقوس بیچ رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا تم ناقوس کا کیا کروگے؟ میں نے کہا میں اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے بلاؤں گا، تو اس آدمی نے کہا کہ کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ میں نے اس سے کہا کیوں نہیں، تو اسنے کہا کہو اللہ اکبر آخیر تک اور اسی طرح اقامت بھی کہلوائی، پس جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا اس سے مطلع کیا، آپنے فرمایا یقیناً یہ سچا خواب ہے اگر اللہ نے چاہا، تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، اور تم نے خواب میں جو کلمات دیکھے ہیں، وہ بلال کو بتاتے جاؤ، اور بلال ان کلمات کے ذریعہ سے اذان دیں، اس لئے کہ بلال کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے، چنانچہ میں بلالؓ کیساتھ کھڑا ہو گیا، میں انکو اذان بتاتا جاتا، وہ اذان دیتے جاتے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اذان سنی، درانحالیکہ وہ اپنے گھر میں تھے؛ چنانچہ وہ اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے، اے اللہ کے رسول قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، بیشک میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے؛ جو دکھایا گیا ہے (عبداللہ کو) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الحمد للہ (ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ) مگر ابن ماجہ کی روایت میں اقامت کا ذکر نہیں ہے، اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، لیکن ترمذی نے ناقوس کی بات نقل نہیں کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بہت تفصیل کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کے خواب کا تذکرہ ہے، اس میں ان کو خواب کی حالت میں ایک شخص نے کلمات اذان واقامت سکھائے، جب وہ بیدار ہوئے تو حضور کو آکر اطلاع دی، آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے یا وحی کے ذریعہ سے یہ بتایا کہ تمہارا خواب سچا ہے، پھر ان کو حکم دیا کہ تم بلال کو اذان سکھادو، بلال اذان دے دیں، حضرت عمرؓ نے اذان سن کر آپ کی خدمت میں آکر یہ بات بتائی کہ میں نے بھی اسی جیسا خواب دیکھا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالناقوس، آپ نے ناقوس کی تیاری کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ارادہ فرمایا تھا، جس کو راوی نے حکم سے تعبیر کیا ہے، وكذا الاقامة، یعنی اذان ہی کی طرح اقامت بھی سکھائی، یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کے موید ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ جتنی مرتبہ اذان میں کلمات کہے جائیں گے اتنی ہی بار اقامت میں بھی کہے جائیں گے، امام مالک وشافعی اذان میں شفعہ اور اقامت میں ایتار کے قائل ہیں مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۵۹۰؍ دیکھئے۔ لرؤيا حق، آپ نے حضرت زید کے خواب کو حق کہا یعنی (اگر اللہ نے چاہا تو یہ خواب سچا ہوگا۔

اشکال: غیر نبی کا خواب حجت شرعیہ نہیں تو پھر اس خواب پر آپ نے حکم شرعی کی بناء کیسے رکھی؟

جواب: (۱) اس رؤیا کے ساتھ وحی کی مقارنت ہو گئی تھی، لہٰذا اذان کے کلمات کی بنیاد وحی ہے نہ کہ خواب (۲) آپ ﷺ نے کلمات اذان اپنے اجتہاد سے جاری فرمائے، اور آپ ﷺ کو اجتہاد کا حق تھا، اس صورت میں بھی اذان کے کلمات کا جاری ہونا خواب پر مبنی نہ ہوگا۔ فانه اندی صوتاً، اندی کے دو معنی ذکر کئے گئے ہیں، (۱) احسن (۲) ارفع، پہلی صورت میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ مؤذن کا حسن الصوت ہونا بہتر معلوم ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں رفیع الصوت ہونا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت بلالؓ نے اذان کیوں دی؟ جواب کے لئے دیکھئے حدیث نمبر ۵۹۰۔

حدیث نمبر ۶۰۱ ﴿سوئے ہوئے شخص کو نماز کے لئے جگانے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۵۱

وَعَنْ اَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَكَانَ لَايَمُرُّ بِرَجُلٍ اِلَّا نَادَاهُ بِالصَّلٰوةِ اَوْ حَرَّكَهُ بِرِجْلِهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد: ص: ج:، باب الاضطجاع بعدها، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۲۶۴.

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز کے لئے نکلا، تو نبی کریم ﷺ جس سوئے ہوئے شخص کے پاس سے گذرتے، اس کو نماز کے لئے پکارتے، اپنے پاؤں سے اس کو ہلاتے (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز کے وقت سوئے ہوئے شخص کو پکار کر یا ہلا کر جگانا جائز ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلاۃ الصبح، فجر کی نماز مراد ہے، الاناداہ، آپ جس سونے والے کے پاس سے گذرتے تھے، اس کو پکار کر یا پیر سے ہلا کر بیدار کرتے تھے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس سے تثویب کی مشروعیت نکلتی ہے، ویحرکه برجله، جگانے کے مقصد سے سونے والے کو اپنے پیر سے ہلاتے تھے، سونے والے کی اہانت یا تحقیر مقصود نہیں تھی، جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔

حدیث نمبر ۶۰۲ ﴿فجر کی اذان میں الصلاۃ خیر من النوم کہنا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۵۲

وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَاءَ عُمَرَ يُؤْذِنُهُ لِصَلاَةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهُ نَائِمًا فَقَالَ الصَّلاَةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ فَأَمَرَهُ عُمَرُ اَنْ يَجْعَلَهَا فِيْ نِدَاءِ الصُّبْحِ رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا.

حواله: موطا امام مالك ص: ۲۴، باب ماجاء فی النداء للصلاة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۸.

ترجمه: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو یہ روایت پہنچی کہ مؤذن حضرت عمرؓ کے پاس آیا تاکہ ان کو فجر کی نماز کی اطلاع دے، تو مؤذن نے حضرت کو سوتے ہوئے پایا، چنانچہ موذن نے کہا ''الصلاة خير من النوم'' (نماز نیند سے بہتر ہے) تو حضرت عمرؓ نے موذن کو حکم دیا کہ وہ اس کلمہ کو فجر کی اذان میں رکھے۔ (موطا امام مالک)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے موذن نے جب آپؓ کو نماز فجر کے وقت سوتے ہوئے دیکھا، تو بیدار کرنے کی غرض سے مذکورہ کلمات کا استعمال کیا، چونکہ یہ کلمات اذان فجر میں کہے جاتے تھے، اس لئے آپ نے موذن سے کہا ان کلمات کو اپنے موقع پر استعمال کرو، سونے والے کو بیدار کرنے کے لئے یہ کلمات استعمال نہ کرو۔

کلمات حدیث کی تشریح فامره ان يجعلها اس جملہ سے ایسا لگتا ہے کہ حضرت عمر کے حکم پر ''الصلاة خير من النوم'' کا اذان فجر میں اضافہ ہوا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کلمہ کو اذان کا جز بنانے کے لئے آپ ﷺ نے حضرت بلال کو پہلے ہی حکم کیا تھا، جیسا کہ یہ مضمون حدیث نمبر ۵۹۵/کے تحت گذر چکا ہے۔

یہاں اس جملہ کا مقصد موذن کو تنبیہ کرنا ہے، چونکہ یہ کلمہ اذان فجر میں کہنا مسنون تھا، لیکن موذن نے حضرت عمرؓ کو جگانے کے لئے استعمال کیا، تو حضرت کو یہ بات ناگوار ہوئی، چنانچہ آپؓ نے موذن کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کلمہ کو سوئے ہوئے شخص کو جگانے کے لئے استعمال نہ کرو، بلکہ نماز فجر کی اذان میں کہو، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو شخص مسلمانوں کے امور میں مشغول رہتا ہو، مثلاً خلیفہ، قاضی، مفتی وغیرہ تو ان کے حق میں تثویب مستحسن ہے۔

حدیث نمبر ۶۰۳ ﴿اذان دیتے وقت کانوں میں انگلیاں دینے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۵۳

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بنِ سَعْدِ بْنِ عَمَّارِبْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلاَلاً اَنْ يَجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَقَالَ اِنَّه اَرْفَعُ لِصَوْتِكَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابن ماجه، ص: ۵۲، باب السنة في الاذان، كتاب الاذان، والسنة فيها، حديث نمبر ۷۱۰.

ترجمه: حضرت عبدالرحمٰن بن سعد بن عمار بن سعد موذن رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے نقل کر کے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیا کریں، آپ نے فرمایا یہ چیز تمہاری آواز کو بلند کر دے گی۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اذان دیتے وقت اپنے کانوں کو انگلیوں سے بند کر لینا چاہئے؛ کیونکہ اس سے آواز بلند ہو جاتی ہے اور دور تک کے لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح وعن عبدالرحمن بن سعد، حضرت سعدؓ صحابی ہیں، اور مسجد میں قباء میں آن حضرت ﷺ کے مقرر کردہ موذن تھے، آنحضرت ﷺ جب تک حیات رہے یہ حضرت سعدؓ اسی مسجد میں اذان دینے کی خدمت انجام دیتے رہے، آن حضرت کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو قبا سے بلا کر مسجد نبوی میں موذن مقرر کر دیا تھا، کیونکہ مسجد نبوی کے اصل مؤذن حضرت بلالؓ نے آنحضرت کے بعد اذان دینا چھوڑ کر ملک شام کو چلے گئے تھے، اور پھر حضرت سعد اپنی وفات تک مسجد نبوی ہی میں مؤذن رہے۔ انہی حضرت سعدؓ کے بیٹے کا نام عمارؒ ہے جو تابعی ہیں، حضرت عمار کے بیٹے کا نام بھی سعد ہے اور سعد کے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن ہے، پس یہ روایت حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد حضرت سعد سے نقل کرتے ہیں، اور وہ (سعد) اپنے والد حضرت عمار سے، اور حضرت عمار اپنے والد حضرت سعد صحابی سے کہ جو سعد بن عمار کے دادا ہوئے، لہٰذا عن ابیہ اور عن جدہ، دونوں کی ضمیریں لفظ ابی کی طرف راجع ہیں۔ (مظاہر حق جدید ص: ۵۶۸/۵۶۹، ج:۱)

انه ارفع لصوتک: کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان دینے سے آواز بلند ہو جاتی ہے، اسوجہ سے کہ مؤذن کان میں انگلیاں ڈالنے کے بعد بلند آواز ہی سن پاتا ہے، اور بلند آواز بھی اسکو پست محسوس ہوتی ہے، اور یہ چیز مزید قوت صرف کر کے آواز نکالنے کو تحریک بخشتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اقامت میں کانوں میں انگلیاں نہیں ڈالی جائیں گی، اسوجہ سے اقامت کا مقصد حاضرین کو اطلاع دینا ہے، اسمیں بلند آواز کی ضرورت نہیں ہے، اور یہی معمول بھی ہے، فقہاء لکھتے ہیں کہ اذان کیوقت کانوں میں انگلیاں ڈالنا مستحب ہے۔

باب فضل الاذان واجابة المؤذن

﴿اذان اور مؤذن کے جواب دینے کی فضیلت﴾

اذان ایک بہت ہی اہم فریضہ ہے، لہٰذا اس سے متعلق اذان و اقامت کی بھی بہت فضیلت و اہمیت قرآن و احادیث سے ثابت ہے، اذان و اقامت شعار دین میں سے ہیں، اور شعائر دین کا احترام وہی لوگ کرتے ہیں جن کے پاس تقویٰ کا قیمتی سرمایہ ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے "**ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب**"

آج عام طور پر مسلمان اس عظیم شعار کی حقیقت سے ناواقف ہونے کی بنا پر نہ تو خود اذان و اقامت کا اہتمام کرتا ہے اور نہ ہی ان لوگوں کی انکی نگاہ میں کوئی اہمیت ہے، جو اس مقدس فریضہ کو انجام دیتے ہیں۔ اس باب میں جو احادیث ہیں انسے مؤذن کی اتنی اہمیت معلوم ہوتی ہیکہ اگر اسپر یقین ہو جائے تو اس فریضہ میں سبقت کرنے کو ہر ایک بے چین ہو جائے، اور بغیر قرعہ ڈالے اس مسئلہ کا تصفیہ نہ ہو سکے۔ لیکن ناواقفیت اور یقین کی کمی کی وجہ سے اذان کو کمتر درجہ کے لوگوں کا کام سمجھ لیا ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے مؤذن کا جواب دینے کی بھی بہت فضیلت بیان کی ہے، لیکن آج اسکی بھی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہے، چنانچہ اس جانب بھی مجرمانہ حد تک غفلت برتی جا رہی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اذان کا جواب دل کے یقین کیساتھ دیگا، وہ جنت میں جائیگا، مؤذن کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے لمبی گردن والے مؤذن ہوں گے، مؤذن کی بخشش کی جاتی ہے اسکی آواز کی درازی تک۔

رحمۃ اللہ الواسعہ میں فضائل اذان اور اجابت مؤذن سے متعلق بہت سی اہم باتیں مذکور ہیں چند کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

فضائل اذان کی بنیادیں: احادیث میں اذان دینے کے جو فضائل وارد ہوئے ہیں ان کی دو بنیادیں ہیں۔

پہلی بنیاد: اذان اسلام کا ایک امتیازی شان ہے۔ اس کی وجہ سے ملک دارالاسلام محسوس ہوتا ہے، حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم

علیہ صبح صادق کے بعد حملہ کیا کرتے تھے، یعنی شب خون نہیں مارا کرتے تھے، اور صبح کے بعد بھی اذان سنا کرتے تھے، اگر اذان کان میں پڑتی تو حملہ کرنے سے رک جاتے، یعنی مسلمانوں کو علیحدہ ہونے کا موقعہ دیتے، ورنہ حملہ کرتے۔ (مشکوٰۃ شریف: حدیث نمبر ۶۶۲؛ باب فضل الاذان) پس جو کام اس درجہ اہمیت کا حامل ہو، اس کے فضائل ہونے ہی چاہئیں۔

دوسری بنیاد: اذان نبوت کا ایک اہم شعبہ ہے، نبوت کا کام لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہے، اور اذان کے ذریعہ لوگوں کو نماز کی دعوت دی جاتی ہے، جو اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے اور عبادت میں مرکزی عبادت ہے، اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند اور شیطان کو سب سے زیادہ ناپسند دین کے وہ کام ہیں جن کا فائدہ دوسروں تک پہنچتا ہے اور جن سے اللہ کا بول بالا ہوتا ہے۔

اذان کے جواب کی حکمت: اذان کے ذریعہ آنے کی لوگوں کو دعوت دینا ہے، اس بلاوے پر مسجد پہنچنا اجابت فعلی ہے، اور منہ سے اذان کا جواب دینا اجابتِ قولی ہے اور دونوں ہی مطلوب ہے، اول کی تاکید زیادہ ہے، کیوں کہ اذان سے وہی اصل مقصود ہے، اور ثانی سنت ہے، دونوں طرح سے جواب دینے کا الگ الگ حدیثوں میں حکم دیا گیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان کی دو حیثیتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ جماعت میں آنے کا بلاوا ہے، دوسرے یہ کہ وہ ایمان کی دعوت عام ہے، پہلی حیثیت سے اذان سننے والے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اذان سنتے ہی نماز میں شرکت کے لئے تیار ہو جائے، اور ایسے وقت مسجد میں پہنچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے۔ اور دوسری حیثیت سے ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ جب اذان سنے تو اپنے ایمان کی تجدید کرے، اور اذان کے ہر کلمہ کا جواب دے، اور اپنے دل اور زبان سے ان باتوں کی تصدیق کرے۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۶۰۴ ﴿مؤذن کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٥٤

عن مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص: ۱٦٧ / ج: ۱، باب فضل الاذان، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۳۸۷.

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، مؤذن حضرات قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ لمبی گردن والے ہوں گے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن مؤذنوں کا بہت بڑا مقام و مرتبہ ہوگا، اور ان کو اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب میسر ہوگا (۱) بعض لوگوں نے اس کے معنی، "اکثر هم اعمالاً" بیان کیے ہیں، جیسے "فلان عنقٌ من الخير" بولا جاتا ہے، (فلاں آدمی اچھائی کا ایک حصہ رکھنے والا ہے) (۲) بعض لوگوں نے "اکثرهم رجاء" معنی ذکر کیے ہیں؛ کیونکہ جب آدمی کو کسی چیز کے حصول کی امید ہوتی ہے، تو وہ گردن اونچی کر کے اس کی طرف دیکھتا ہے، قیامت کے دن جب لوگ غم اور پریشانی میں مبتلا ہوں گے، تو یہ حضرات مؤذن آرام و راحت کے ساتھ اس بات کے منتظر ہوں گے کہ کب انہیں دخول جنت کا پروانہ ملے۔ (۳) بعض نے "الدنو من الله تعالی" معنی ذکر کیے ہیں، یعنی قیامت کے دن مؤذن کو اللہ تعالیٰ کا قرب میسر ہوگا۔ (۴) بعض لوگ کہتے ہیں کہ اہل عرب اپنے سرداروں کو لمبی گردن والوں سے متصف کرتے تھے، یعنی لمبی گردن سرداری کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لئے اللہ کے نبی نے فرمایا کہ مؤذن لوگ قیامت کے دن لمبی گردن والے یعنی سردار ہوں گے۔ (۵) بعض نے اعناق بکسر الہمزہ ذکر کیا ہے، جس کے معنی "الاسراع" ہیں، یعنی جنت کی طرف چلنے کے حوالے سے مؤذن لوگ تیز رفتار ہوں گے۔ (٦) چونکہ مؤذن دنیا میں گردن لمبی

کر کے اذان دیتا ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے مراتب بلند کریں گے، اسی کو آپ نے طولِ اعناق فرمایا ہے، مزید تحقیق کے لئے مرقات ص:۱۵۸/۱۵۹/ج:۱/دیکھئے۔

حدیث نمبر ۶۰۵ ﴿اذان سے شیطان بھاگتا ھے﴾ عالمی حدیث ۶۵۵

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ لَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَا یَسْمَعَ التَّاْذِیْنَ فَاِذَا قُضِیَ النِّدَاءُ اَقْبَلَ حَتّٰی اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ حَتّٰی اِذَا قُضِیَ التَّثْوِیْبُ اَقْبَلَ حَتّٰی یَخْطُرَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ یَقُوْلُ اذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا لِمَالَمْ یَكُنْ یَذْكُرُ حَتّٰی یَظَلَّ الرَّجُلُ لَایَدْرِیْ كَمْ صَلّٰی مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری ص:۸۵/ ج:۱، باب فضل التأذین، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۰۸، مسلم ص:۱۶۸/ ج:۱، باب فضل الاذان، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۸۹۔

حل لغات: ضراط، گوز (آواز کے ساتھ سرین سے نکلنے والی ریح) ضرط (ض) ضَرْطًا، گوز مارنا، ثُوِّبَ، مصدر تثویب، جاکر لوٹنا، بالصلاۃ، نماز کے لیے بلانا، یخطُرُ، خَطَرَ(ن) خُطُوْرًا، سامنے آنا بالہ، ذہن میں آنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان آواز کے ساتھ ریح خارج کرتا ہوا پشت پھیر کر بھاگتا ہے؛ تاکہ اس کو اذان سنائی نہ دے، پھر جب اذان ہو چکتی ہے تو آجاتا ہے، یہاں تک کہ جب نماز کے لئے تکبیر کہی جاتی ہے، پھر پشت پھیر کر بھاگتا ہے، پھر جب اقامت ہو چکتی ہے تو آجاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی اور اس کے درمیان وسوسہ اندازی کرتا ہے، کہ فلاں چیز کو یاد کرو، فلاں بات کو یاد کرو، وہ چیزیں اور وہ باتیں یاد دلاتا ہے، جو نمازی کو یاد نہیں تھیں، حتی کہ نمازی اس بات سے غافل ہو جاتا ہے کہ کتنی رکعت نماز پڑھی۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اذان وتکبیر میں اتنی ہیبت رکھی ہے کہ شیطان اس کا تحمل نہیں کر پاتا، چنانچہ جیسے ہی اذان وتکبیر شروع ہوتی ہے، وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے، لیکن نماز میں حاضر ہو کر نمازی کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے، اسکے ذہن کو اس اہم عبادت سے ہٹا کر دوسرے خیالات میں مشغول کر دیتا ہے، اس حدیث سے جہاں ایک طرف اذان و اقامت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان جوں ہی موقع پاتا ہے انسان کو نقصان پہنچانے سے باز نہیں رہتا؛ لہٰذا نمازیوں کو خاص طور پر اپنے اس ازلی دشمن کو پہچاننا چاہئے کہ اور اپنی بھرپور قوت صرف کر کے حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھنا چاہئے، تاکہ شیطان کا قابو اس پر نہ چل سکے۔

کلمات حدیث کی تشریح اَدْبَرَ الشیطان ضراط، "ضراط" کہتے ہیں مقصد کی راہ سے باآواز بدبودار ہوا کے نکلنے کو، اذان واقامت کے وقت شیطان ریح خارج کرتا ہے، ریح خارج کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کلمات اذان کان میں نہ پڑیں، یا پھر استہزاءً ریح خارج کرتا ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ریح خارج کرنا حقیقتاً ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے، کیونکہ وہ بھی جسم رکھتا ہے غذائیں کھاتا ہے، اور دیگر ضرورتیں بھی پوری کرتا ہے، جیسا کہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے، یا پھر یہ شدت نفرت سے مجاز ہے، یا اس چیز سے کنایہ ہے کہ شیطان اپنے نفس کو کسی ایسے چیز میں مشغول کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اذان نہ سن سکے، اکثر لوگوں نے یہاں پر یہی بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ایسی ہیبت رکھی ہے کہ مارے خوف کے اس کے ریح نکل جاتی ہے۔

حتی اذا قضی التثویب اقبل، تکبیر کے ختم ہوتے ہی شیطان پھر حاضر ہو جاتا ہے نماز میں انسان کے دل میں شیطان طرح

طرح کے خیالات ڈالتا ہے، چونکہ شیطان نماز سے تو روک نہیں پاتا، لہٰذا اپنی تسلی کے لئے وسوسہ اندازی کا سہارا لیتا ہے، اور اس قدر وسوسہ اندازی کرتا ہے کہ بسا اوقات نمازی کو یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، اور کبھی کبھی نمازی سے اسی غفلت کی بناء پر واجبات تک چھوٹ جاتے ہیں، شیطان اس پر بہت خوش ہوتا ہے، لیکن شریعت نے شیطان کو رسوا کرنے کیلئے یہ تدبیر بتائی کہ سجدہ سہو کر لیا جائے، روایت میں الفاظ ہیں" کانتا ترغیما للشیطان " یعنی یہ دو سجدے شیطان کے ناک رگڑنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

اشکال: شیطان نماز سے تو نہیں بھاگتا جو کہ اتنی اہم عبادت ہے پھر اذان و اقامت سے کیوں بھاگتا ہے۔

جواب: (۱) علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ اذان چونکہ شعائر اسلام اور دین کے بنیادی عقائد پر مشتمل ہے، اس کے عظمت کے سبب شیطان بھاگنے پر مجبور ہو جاتا، نیز توحید کے اعلان کے سبب وہ قطعاً مایوس ہو جاتا ہے، (۲) ابن الجوزی نے فرمایا کہ کلمات اذان میں ایک خاص ہیبت ہے جس کی بناء پر شیطان بھاگتا ہے، (۳) بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حدیث میں ہے (اگلی حدیث میں بھی یہ مضمون ہے) کہ موذن کی آواز جتنی دور تک بھی جن وانس کے کان میں پڑے گی، سب کے سب گواہی دیں گے، شیطان اس گواہی سے بچنے کے لئے بھاگ کھڑا ہوتا ہے، چونکہ اقرار شہادت کا یہ معاملہ دیگر اعمال میں نہیں ہوتا، اس وجہ سے دیگر اعمال کی انجام دہی کے وقت شیطان نہیں بھاگتا ہے۔ (مستفاد عینی، فتح الباری، مرقات)

حدیث نمبر ۶۰۶ ﴿اذان دینے والے کے لئے گواہی دینے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۵۶

وعن اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَسْمَعُ مَدَی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَلَا شَیْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

حوالہ: بخاری ص: ۸۶/ ج: ۱، باب رفع الصوت بالنداء، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۰۹

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے، وہاں تک جو بھی جن انسان یا اور کوئی بھی ہوگا اور اس آواز کو سنے گا تو قیامت کے دن اس موذن کے لئے گواہ بنیں گے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث یہاں یہ حدیث مختصراً منقول ہے بخاری میں مزید الفاظ ہیں، یہ حدیث درحقیقت آپ ﷺ کی حضرت ابو سعیدؓ کو نصیحت ہے، آپ ﷺ نے ابو سعیدؓ کو جنگل میں بکریاں چراتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ جنگل کی فضا تمہیں بہت راس آئی ہے، اور اسمیں مصلحت بھی ہے کہ بکریوں کیلئے وہاں آسانی رہتی ہے، اگر جنگل میں رہتے ہوئے نماز کا وقت آجائے تو تم اذان دے لینا، اور اذان دینے میں یہ خیال نہ کرنا کہ یہاں کون ہے، جس کو بلانے کیلئے زور سے پکارا جائے، تم اذان بلند آواز سے ہی دینا، اسمیں بہت فوائد ہیں، جہاں تک تمہاری آواز جائیگی وہاں تک کے لوگ تمہارے حق میں قیامت کے دن گواہ بن جائیں گے، درحقیقت اس حدیث میں موذنوں کو رغبت دلائی گئی ہے کہ اذان دیتے وقت اپنی آواز کو ممکنہ حد تک بلند کریں، کیونکہ آواز جتنی بلند ہوگی اتنی ہی دور تک جائیگی، اور جتنی زیادہ دور تک آواز جائیگی اتنے ہی زیادہ گواہ قیامت کے دن موذنوں کے حق میں ہونگے

کلمات حدیث کی تشریح مدی الصوت، "مدی" کے معنی انتہا اور غایت کے ہیں، آواز کی پہنچنے کی انتہا یہ ہے کہ اس کی بھنک لوگوں کے کانوں میں پڑ جائے، اگر یہ کہا جاتا ہے کہ موذنوں کی اذان جن کو سنائی دے گی وہ گواہی دیں گے، تو اس میں صرف وہی لوگ شامل ہوتے جو اذان کو سنتے۔ لیکن آپ ﷺ نے یہ کہہ کر جس کے کان میں بھنک بھی پڑ جائے وہ بھی گواہی دے گا مفہوم کو وسیع کر دیا ہے، اس میں جو قریب کے انسان و جنات ہیں وہ تو داخل ہیں ہی، وہ انسان و جنات بھی داخل ہو گئے جو دور ہونے کی وجہ سے اذان کی آواز صاف طور سے نہیں سن سکیں گے، صرف اذان کی آواز کی بھنک پڑے گی، لیکن وہ بھی گواہی دیں گے۔

اس گواہی کو بعض علماء نے مجاز پر محمول کیا ہے کہ زبانِ حال سے ساری مخلوق باری تعالیٰ کے جلال و جمال کی شہادت دیتی ہے، روایات میں اسی کو بیان کیا گیا ہے، لیکن اکثر علماء اس کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ظاہر پر محمول کرنے میں کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں ہے۔

حدیث نمبر ٦٠٧ ﴿اذان کا جواب دینا چاہئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٥٧

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَايَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَاتَنْبَغِيْ إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم ص: ١٦٦/ ج: ١، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ٣٨٤.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ جب مؤذن کو سنو تو جو مؤذن کہے وہی تم لوگ بھی کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو؛ اسلئے کہ جو شخص میرے اوپر ایک درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس درود کی برکت کے ذریعہ اسپر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو، اور وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملیگا، اور مجھے امید ہے کہ میں ہی وہ بندہ ہوں، تو جس شخص نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا، اس کیلئے شفاعت واجب ہوگئی۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ نے تین چیزوں کا حکم کیا ہے (١) اذان کا قولی جواب دو (٢) میرے اوپر درود بھیجو، آپ پر درود بھیجنے سے بندے کا خود مقام و مرتبہ بڑھتا ہے، اس وجہ سے آپ نے اس کی بہت تاکید فرمائی ہے (٣) میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو، یعنی جنت کے اس مقام کی دعا کرو، جہاں اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب میسر آئے گا، جتنا قرب کسی اور درجے والے کو نصیب نہ ہوگا، آپ ﷺ کو یقیناً یہ جنت کا درجہ نصیب ہوگا؛ لیکن دعاء کرانے کا مقصد یہی ہے کہ دعا کے نتیجے میں بندہ کا خود فائدہ ہوجائے، اور وہ آپ کی شفارش کا مستحق بن جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح إذاسمعتم المؤذن، یعنی جب تم مؤذن کی اذان، یا اس کی آواز سنو، فقولوا مثل مایقول تو مؤذن کے کلمات نقل کرو، یعنی مؤذن کی اذان کا جواب دو، اجابت کی دو قسمیں ہیں (١) اجابت فعلی (٢) اجابت قولی، اجابت فعلی تو یہ ہے کہ اذان کے بعد نماز کے لئے مسجد حاضر ہوا جائے، یہ لازم اور ضروری ہے، اور اجابت قولی یہ ہے کہ جو کلمات مؤذن کہے، انہیں کو دہرایا جائے، تمام کلمات کو تو بعینہا دوہرایا جائے گا، اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، البتہ حیعلتین کے بارے میں دو قسم کی روایات ہیں، جس کی بناء پر فقہاء کا آپس میں اختلاف بھی ہے، البتہ حیعلتین کے بارے میں دو قسم کی روایات ہیں، جس کی بناء پر فقہاء کا آپس میں اختلاف بھی ہے، روایات میں حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں انہیں کلمات کو دہرانا بھی منقول ہے، اور حوقلتین یعنی "لا حول و لاقوۃ الا باللّٰہ" کہنا بھی منقول ہے۔

اہل ظواہر و امام شافعیؒ کے نزدیک حیعلتین کے جواب میں انہیں کلمات کا اعادہ افضل ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حیعلتین کے جواب میں حوقلہ کہنا زیادہ بہتر ہے، امام شافعیؒ وغیرہ حدیث باب "فقولوا مثل مایقول المؤذن" سے استدلال کرتے ہیں۔ اس میں کوئی استثناء نہیں ہے، احناف کی دلیل اگلی حدیث ہے، جس میں استثناء موجود ہے، آپ ﷺ نے "حی علی الصلاۃ" کے جواب میں "لاحول ولاقوۃ" فرمایا نیز بخاری شریف میں بھی حضرت معاویہؓ کی حدیث ہے جس میں لاحول کہنے کا ذکر ہے، اس کے علاوہ جب مؤذن "حی علی الصلاۃ" اور حی علی الفلاح" سے لوگوں کو نماز و کامیابی کی طرف بلا رہا ہے، اگر لوگ بھی انہیں کلمات کو دوہرائیں گے تو یہ

بے معنی بات ہوگی، بلکہ ایک قسم کا استہزاء ہوگا، لہٰذا یہ الفاظ کہنا چاہئے، بلکہ اس وقت نفس اور شیطان کے دھوکے سے بچنے کے لئے لاحول کہنا ہی مناسب ہے۔ اور جہاں تک حدیث باب ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مجمل ہے اور ہماری حدیث مفسر ہے، لہٰذا اس پر عمل کیا جائے گا، یا اکثر کے اعتبار سے مثل کہا گیا ہے۔

اور الصلاۃ خیر من النوم کہنے کے وقت "صدقت وبررت وبالحق نطقت" کہنا چاہئے (تو نے سچ کہا، تو بھلائی والا ہے، اور تیری زبان سے حق بات ادا ہوئی)

ثم صلوا علیّ: اذان کے بعد میرے اوپر درود بھیجو، صلی اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ اس شخص پر جو آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، آپ پر درود بھیجنے کے بہت فضائل آئے ہیں، روایت میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین قسم کی بشارتوں کا اعلان ہے (۱) اللہ کی طرف سے اس پر دس مرتبہ رحمت کی بارش برسائی جائے گی، (۲) اس کے دس گناہ معاف کر دیے جانے کا فیصلہ ہو جائے گا (۳) اس کے لئے دس درجات بلند کئے جانے کا فیصل ہوگا، روایت کے الفاظ ہیں "عن انس بن مالك قال قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من صلیٰ علیَّ صلاۃ واحدۃ صلی اللّٰہ علیه عشر صلواتٍ وحطّت عنه عشر خطیئات ورُفعت له عشر درجات". (نسائی)

ثم سلوا اللّٰہ لی الوسیلۃ، وسیلہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ درود شریف پڑھنے کے بعد میرے لئے جنت کے سب سے بلند اور اعلیٰ درجہ کے لئے دعا کرو، جنت کے سب سے بلند درجہ کو وسیلہ اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ کے بہت قریب پہنچاتا ہے، وسیلہ کے معنی ہی ہیں مقصد تک پہنچانے کا ذریعہ۔

وارجوان اکون، اس سلسلہ میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ یہ مقام بالیقین آپ کو ملے گا! کیونکہ اس درجے کے لائق اور مستحق آپ ہی ہیں۔ اور آپ کا امید کے ساتھ ذکر کرنا، درحقیقت انکساری اور تواضع کے طور پر ہے، حلت علیه شفاعتی، اس کی شفارش لازم ہوگئی، یعنی وہ اس بات کا مستحق ہوگیا کہ اس کی شفارش کی جائے اور یہ شفارش دعا کے بدلے کے طور پر ہوگی۔

حدیث نمبر ۶۰۸ ﴿اذان کے جواب کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۸۵

وعن عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ فَقَالَ اَحَدُکُمْ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ ثُمَّ قَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ قَالَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًارَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًارَسُوْلُ اللّٰہِ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ثُمَّ قَالَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ثُمَّ قَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ قَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مِنْ قَلْبِہٖ دَخَلَ الْجَنَّۃَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

حوالہ: مسلم ص:۱۶۷/ ج:۱، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۸۵.

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن جب کہے (کلمات متن میں موجود ہیں یہاں صرف ترجمہ کیا جارہا ہے) اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، تو تم بھی کہو اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، پھر جب مؤذن کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تو تم بھی کہو کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پھر جب مؤذن کہے نماز کی طرف آ دتو تم لوگ کہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی طاقت وقوت نہیں ہے، پھر جب مؤذن کہے کہ آ و کامیابی کی طرف تو تم لوگ کہو اللہ کے سوا کوئی طاقت وقوت نہیں ہے پھر جب مؤذن کہے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، تو تم لوگ بھی کہو کہ اللہ سب سے بڑا ہے،

اللہ سب سے بڑا ہے، پھر جب مؤذن کہے کہ اللہ کے سوائی کوئی معبود نہیں ہے، تو تم بھی کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جس نے صدق دل سے یہ بات کہی، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم شریف)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اذان کا جواب دینے کی اہمیت کا تذکرہ ہے کہ اذان دینا اتنا اہم ہے کہ اگر کوئی صدق دل سے کلمات اذان کا جواب دے تو اس کو جنت میں داخلہ مل جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح الله اکبر، الله اکبر، یہ کلمہ اذان میں چار بار کہا جاتا ہے؛ مگر اختصار کے پیش نظر یہاں دو بار ذکر کیا گیا ہے، جیسے کہ شہادتین کا ایک مرتبہ تذکرہ ہے، **لاحول ولاقوۃ الاباللہ**، اس سے حنفیہ کی تائید ہو رہی ہے جو کہ اس بات کے قائل ہیں کہ حی علی الصلاۃ اور حی الفلاح کے جواب میں حوقلہ کہا جائے گا، **من قلبه دخل الجنة**، اس میں دو احتمال ہیں (۱) اس کا تعلق صرف آخری کلمۂ اذان لا الہ الا اللہ کے جواب سے ہے، (۲) اس کا تعلق تمام کلمات اذان کے جواب سے ہے، یہی زیادہ قوی احتمال ہے۔ **دخل الجنة**، جنت میں تو ہر مسلمان جائے گا، مگر کلمات اذان کا جواب دینے والا اگر صدق دل سے جواب دے رہا ہے، تو وہ دخول اولین کا مستحق ہوگا۔

اذان کا ہر شخص کو جواب دینا چاہئے؛ لیکن اگر کسی اہم عمل میں مشغول ہے تو وہ جواب نہ دے، فراغت کے بعد اگر اذان ہوئے زیادہ وقت نہ گذرا ہو تو جواب دے دینا چاہئے۔

حدیث نمبر ۶۰۹ ﴿اذان کے بعد کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۵۹

وعن جابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَانِ الوسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَانِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری، ص: ۸٦/ ج: ۱، باب الدعاء عند النداء كتاب الاذان، حديث نمبر ٦١٤.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے (کلمات دعا متن میں دیکھئے) اے اللہ! اے اس مکمل دعوت اور ہمیشہ رہنے والی نماز کے پروردگار! محمد ﷺ کو وسیلہ عطا کر، بڑا مرتبہ عنایت فرما، اور ان کو وہ مقام محمود عطا فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، تو اس دعا کرنے والے کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اذان کے بعد پڑھی جانے والی دعا کا تذکرہ ہے، اس دعا کو پڑھنے سے دعا پڑھنے والا، آپ کی شفارش کا مستحق ہوجاتا ہے، یہی وہ دعا ہے جس کا تذکرہ گذشتہ حدیث نمبر ۶۰٦/ میں ''سلوا الله لی الوسیلة'' سے ہوا ہے، یعنی آپ کے لئے وسیلہ انہیں الفاظ میں طلب کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح هذه الدعوة التامة، دعوت کے لغوی معنی ہے پکار، یہاں اذان کے وہ کلمات مراد ہیں جن کے ذریعہ سے مسلمانوں کو فریضۂ نماز کی جماعت کے ساتھ ادائیگی کے لئے پکارا جاتا ہے، ''التامة'' یہ دعوۃ کی صفت ہے کامل ومکمل ہے مطلب یہ ہے کہ وہ اذان جو کاملیت کی شان رکھتی ہے، اس کے کلمات اسلام کے بنیادی عقائد کے جامع ہیں، چونکہ اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں اور یہ قیامت تک باقی رہنے والی دعوت ہے؛ اس لئے بھی اس کو ''تامۃ'' کہا گیا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اذان سب سے زیادہ مکمل قول '' لاالہ الا اللہ'' پر مشتمل ہے، اس لئے اس کو تامہ کہا گیا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ اکبر سے محمد رسول اللہ تک کلمات ''الدعوۃ التامۃ'' کا مصداق ہیں، اور حی علی الصلاۃ، وغیرہ ''القائمة'' کا مصداق ہیں، **الصلاة القائمة**، ہمیشہ

قائم رہنے والی نماز مراد یہی نماز ہے جس کے لئے دعوت دی جا رہی ہے، چونکہ اسلام کے بعد کوئی اور دین آنے والا نہیں اور قیامت تک کے مسلمان نماز کو قائم رکھیں گے، اس لئے نماز کو قائمۃ کہا گیا ہے۔ اٰتِ محمدن الوسیلۃ، وسیلہ کے لغوی معنی ذریعہ ہیں، یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ کسی کا تقرب حاصل کیا جائے، گذشتہ حدیث نمبر ۶۰۶ رمیں اس بات کی صراحت ہے کہ یہ جنت کا ایک درجہ ہے جو آپ کو ملے گا جو شخص اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے اس درجہ کو طلب کرے گا وہ آپ کی شفارش کا مستحق ہوگا، و الفضیلۃ، فضیلت کے معنی ہیں زیادتی فضل میں بلند مرتبہ، تمام مخلوق میں آپ کے لئے سب سے بڑے مرتبے کی دعا ہے، فضیلہ ممکن ہے وسیلہ کی طرح کسی درجہ کا نام ہو، فضیلہ کے بعد بعض لوگ و الدرجۃ الرفیعۃ، کے الفاظ ذکر کرتے ہیں، یہ الفاظ روایات میں منقول نہیں ہیں؛ لیکن اگر کوئی شخص ان کلمات کا اضافہ کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں، اس وجہ سے کہ دعا میں تنگی نہیں ہے، حضرت ابن عمرؓ سے تلبیہ کے آخر میں بعض کلمات کا اضافہ منقول ہے و ابعثہ مقاماً محموداً، اس سے مراد شفاعت کبریٰ کا مقام ہے، حضور ﷺ امت کی شفاعت کریں گے، روایات میں آتا ہے کہ لوگ تمام پیغمبروں کے پاس جانے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے شفارش کریں گے، اور اللہ تعالیٰ شفارش قبول کریں گے۔ الذی وعدتّہ، وہ مقام محمود جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً، میں آپکو مقام محمود عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ حلت لہ شفاعتی، امت کے اسی فائدہ کی بناء پر آپ ﷺ نے وسیلہ کے لئے دعا کرنے کو کہا ہے، یعنی آپ کو تو وسیلہ ملے گا ہی خواہ کوئی طلب کرے نہ کرے، لیکن جو مقام وسیلہ کی آپ کیلئے دعا کریگا، اسکو آپکی شفاعت ضرور ملیگی، اسی وجہ سے بعض روایات میں "حلت" کے بجائے "وجبت" کے الفاظ منقول ہیں۔

سوال: جب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مقام محمود کا وعدہ فرمالیا ہے، تو دعا کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: اس کا جواب گذر چکا ہے کہ دعا کا فائدہ دعا کرنے والوں کے حق میں ظاہر ہوگا، یعنی وہ آپ کی سفارش کے مستحق ہوجائیں گے۔ (مستفاد ایضاح البخاری ص: ۹۳/۹۴ رمرقات ص: ۱۶۳ رج: ۲،)

حدیث نمبر ۶۱۰ ﴿اذان ایمان کی علامت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۶۰

وعن اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُغِيْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَكَانَ يَسْتَمِعُ الاذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَكَ وَاِلَّا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ رَاعِي مِعْزًى رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: ص: ۱۶۶/ ج: ۱، باب الامساك عن الاغارة على قومٍ فى دارالكفر اذا سمع فيهم الاذان، كتاب الصلاة حديث نمبر ۳۸۲.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ حملہ اس وقت کرتے تھے جب فجر طلوع ہوجاتا، آپ اذان سننے کا انتظار کرتے، اگر اذان سن لیتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کردیتے، ایک آدمی کو سنا جو کہہ رہا تھا، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اس پر آپ نے فرمایا یہ شخص فطرت پر ہے، پھر اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جہنم سے نکل گیا، پھر صحابہ نے اس شخص کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ بکریوں کا چرواہا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ آپ ﷺ کسی ایسی قوم پر جس کے بارے میں صحیح طور پر معلوم نہ ہوتا کہ آیا یہ کافر قوم ہے یا یہ قوم حلقہ بگوش اسلام ہوچکی ہے، حملے کا ارادہ کرتے تو صبح تک ٹھہرے رہتے اگر وہاں اذان

ہوتی تو حملہ نہ کرتے، اور اگر اذان فجر نہ ہوتی تو حملہ کردیتے، اس حدیث سے اذان کی اہمیت وعظمت سمجھ میں آرہی ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ اگر کوئی جماعت اذان ترک کردے، تو اس سے قتال کیا جائے گا، اذان اگرچہ مسنون ہے؛ لیکن شعار اسلام ہونے کی وجہ سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغیر آپ ﷺ فجر طلوع ہونے پر حملہ کرتے تھے، تاکہ بات اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ جس قوم پر حملہ ہورہا ہے، وہ قوم مسلمان ہے یا کافر قوم ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "والمغیرات صبحاً" سے مستفاد ہے، اس موقع پر علامہ طیبیؒ نے کہا ہے کہ مضارع استمرار پر دلالت کرتا ہے، یعنی حضورؐ کی یہ عادت اور ہمیشہ کا معمول تھا کہ آپ صبح ہی حملہ کرتے تھے، اور "اغارۃ" کا مطلب ہے کسی پر غفلت میں چھاپا مارنا، اور یہ رات میں زیادہ مناسب رہتا، ممکن ہے کہ آپ ﷺ کا صبح تک حملے کو مؤخر کرنا، اذان سننے کی غرض سے ہوا ہو؛ علامہ طیبی کا یہ قول میرک شاہ نے نقل کیا ہے، اس کے بعد نیچے "وفیہ" لکھ دیا ہے، یعنی اس میں سقم ہے صاحب مرقات ملاعلی قاری فرماتے ہیں "ولا اعلم مافیہ" اس میں کیا سقم ہے مجھے معلوم نہیں، ہاں بس اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ استمرار "کان" سے مستفاد ہوتا ہے نہ کہ محض مضارع کے صیغے سے، وکان یستمع الاذان، آپ ﷺ اذان سننا چاہتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ سے قوم کی حالت معلوم ہوجائے، فان سمع اذاناً، یہاں پر ضمیر کے بجائے لفظ اذان کا اعادہ کیا، مقصد یہ بتانا ہے کہ اذان دین کی علامات میں سے ہے، جو اذان کہتا ہے اس کے ساتھ تعرض درست نہیں۔ امسك، یعنی اذان سننے کے بعد حملہ نہیں کرتے تھے۔ والا اغار، اگر اذان سنائی نہیں دیتی تو حملہ کردیتے تھے۔

ایک قول ہے کہ آپ کا اذان سننا اور اس کی وجہ سے انتظار کرنا اس وجہ سے ہوتا تھا تاکہ غفلت کی بنا پر کسی مومن پر حملہ نہ ہوجائے، آپ ﷺ کا کفار پر حملہ کرنا بتا رہا ہے کہ اقدامی جہاد جائز ہے، اور کفار کو دعوت دینے یا ڈرانے سے پہلے بھی حملہ کرنا جائز ہے، لیکن پہلے دعوت اسلام دینا مستحب ہے، امام ثوریؒ، ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ، کا یہی مذہب ہے، مالکؒ نے دعوت دینے سے پہلے حملہ کرنے سے منع کیا ہے، رجلا یقول اللہ اکبر، آپ ﷺ نے ایک شخص کو اللہ اکبر کہتے سنا تو آپ نے فرمایا یہ فطرت پر ہے، یعنی دین پر ہے، یا سنت پر ہے، یا اسلام پر ہے، اس وجہ سے کہ اللہ اکبر اور اذان مسلمان ہی کہتا ہے، اشھدان لا الٰہ اللہ یعنی توحید کے اقرار واعتراف کی بناء پر جہنم سے رہائی پائے گا، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ شخص اپنی فطرت پر باقی ہے اور شرک کے حوالے سے والدین کا اس پر زور نہیں چل پایا ہے۔ (خلاصہ مرقات ص: ۱۶۳/۱۶۴/ ج: ۲)

حدیث نمبر ۶۱۱ ﴿گناہوں کی بخشش کا ذریعہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۶۱

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِی وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا غُفِرَلَهٗ ذَنْبُهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص: ۱۶۷/ ج: ۱، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۸۶.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی مؤذن کی اذان سن کر یہ پڑھے "اشھد ان لاالہ الخ" (دعا کے کلمات متن میں دیکھئے) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ کے رب ہونے پر محمد ﷺ کے رسول ہونے پر اور اسلام کے دین حق ہونے پر راضی ہوں، تو اس شخص کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس کا حاصل یہ ہے کہ اذان کے بعد اگر کوئی شخص حدیث باب میں موجود کلمات کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح اشهد ان لا الٰه الاّ الله، اللہ تعالیٰ تن تنہا معبود ہیں، لاشریك له، اللہ کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں ہے، واشهدان محمداعبده "عبد" کومقدم کیا تاکہ عبودیت کا اظہار ہو، اوررب العالمین کے حضور تواضع ہوسکے، ورسوله، اس کا تذکرہ تحدیث نعمت کے طور پر کیا ہے، اس سے یہود ونصاریٰ کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ آپ ﷺ کو رسول نہیں مانتے ہیں، رضيتُ بالله ربًّا، "رب" تمیز ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلوں اور تقدیر سے متعلق ہر شئی پر راضی ہوں، وبمحمد رسولا، یعنی آپ ﷺ پر ان تمام چیزوں کے ساتھ جو آپ دے کر بھیجے گئے صدق دل سے ایمان لایا، وبالإسلام، اسلام کے تمام احکام، وامر ونہی کی اطاعت برضا ورغبت کرتا ہوں۔ (مرقات ص:۱۶۴/ج:۱)

حدیث میں مذکور دعا کب پڑھی جائے، اس سلسلہ میں دو قول ہیں (۱) جب مؤذن اشہدان لا الٰہ الا اللہ، کہے، تب پڑھی جائے (۲) پوری اذان ہوجانے کے بعد پڑھی جائے؛ تاکہ دوسرے کلمات اذان کا جواب فوت نہ ہو، یہی زیادہ راجح قول ہے، غفرله ذنبه، یعنی جو شخص پوری اذان کا جواب دے، پھر مذکورہ کلمات پڑھے، تو اس کے گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۶۱۲ ﴿اذان واقامت کے درمیان نوافل کابیان﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٦٢

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلَاةٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص:۸۷/ج:۱، باب بين كل اذانين صلاة لمن شاء، كتاب الاذان، حديث نمبر ۶۲۷، مسلم ص: ج:۱، باب بين كل اذانين صلاة، كتاب صلاة المسافرين، حديث نمبر ۸۳۸.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، اور تیسری بار فرمایا جو چاہے اس شخص کے لئے ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اذان اور تکبیر کے درمیان جو وقت ہوتا ہے، وہ بہت قیمتی اور بابرکت وقت ہوتا ہے، اس وقت میں نوافل پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہے، اس وقت کی افضلیت کے لئے یہی کافی ہے کہ اس وقت جو دعا کی جاتی ہے وہ دعا رد نہیں ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح بينَ كل اذانين، یہاں دو اذان سے مراد اذان اور اقامت یعنی تکبیر ہے، اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیباً کردیا ہے، جیسے والدین، قمرین وغیرہ چونکہ اقامت بھی دخولِ صلاۃ کے واسطے اطلاع دینا ہے، ایسے ہی اذان دخولِ وقت کے واسطے اطلاع دینا ہے، یا یوں کہئے کہ اذان جسطرح غائبین کے اعلام کیلئے ہے، اقامت حاضرین کیلئے ہے، یہاں آپ ﷺ نے اس جملہ کو دوبار فرمایا، آپ ﷺ کا یہ دوبار فرمانا تاکید کے واسطے تھا، مؤذن نے نماز کے فریضہ کو جماعت سے ادا کرنے کی دعوت دی ہے، کوئی شخص اذان سنکر مسجد میں آگیا، اقامت میں ابھی تاخیر ہے، اب اس درمیان وقت میں کیا کرے؟ اگر کوئی شخص ذکر واذکار میں لگتا ہے، تو ثواب کا مستحق ہے، کوئی خاموش بیٹھا نماز کا انتظار کررہا ہے، وہ بھی مستحق ثواب ہے، اگر نفل نماز پڑھ رہا ہے تو اسکو بھی ثواب ملیگا، اس حدیث میں اسی بات کو بتانے کیلئے دوبار "بين كل اذانين صلاة" آپ نے فرمایا ہے، اصل میں یہاں غلط فہمی ہوسکتی تھی، کہ نوافل پڑھنے کی موزوں جگہ تو گھر ہے، مسجد میں نوافل نہیں پڑھنا چاہئے، اسلئے صراحت کردی کہ نوافل کی مسجد میں

اجازت ہے، اوراس پر ثواب بھی ملے گا۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اذان واقامت کے درمیان فصل ہے اور فصل بھی اسی قدر ہے، کہ اگر کوئی درمیانی وقت میں نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ لے، فقہاء کرام نے اس فصل کی وضاحت کی ہے، کسی نے کہا ہے کہ وضو کے بعد چار رکعت کے بقدر فصل ہے، اور کسی نے ایسی دو رکعت کے بقدر جن میں سے ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھی جاسکیں فصل قرار دیا ہے۔

مغرب کی اذان کے بعد نماز ہے یانہیں؟

امام ابو حنیفہ کا مذهب: امام صاحبؒ کے نزدیک تمام نمازوں میں اذان واقامت کے درمیان نماز پڑھنا مسنون ہے؛ لیکن مغرب کی نماز میں اذان واقامت کے درمیان نماز پڑھنا مسنون نہیں ہے، اور نہ ہی مستحب ہے۔ صاحب درمختار نے کہا ہے کہ حنفیہ کے یہاں مغرب کی اذان واقامت کے درمیان رکعتین پڑھنا مکروہ ہے۔ بذل میں حضرت سہارن پوریؒ کا بھی یہی رجحان محسوس ہوتا ہے۔ لیکن شیخ ابن ہمام نے کراہت کی نفی کی ہے، اور اباحت کو ترجیح دی ہے، راجح مذہب یہی ہے، کہ قبل المغرب رکعتین پڑھنا مستحب تو نہیں، لیکن مباح ضرور ہے، حنفیہ کے یہاں کراہت کا قول زیادہ مشہور ہے، ذیل میں ہم کراہت کے قول کی وجہ لکھیں گے۔

امام صاحبؒ کی دلیل: "عن حماد قال سألتُ ابراهم عن الصلاة قبل المغرب فنها نی عنها وقال إن النبی صلی اللہ علیه وسلم و ابابکر وعمر لم یصلوها" (جامع المسانید ص: ۳۰۳ ر ج:۱)

امام احمدؒ کا مذهب: امام احمد وامام اسحٰق کی طرف بعض لوگوں نے استحباب رکعتین قبل المغرب کی نسبت کی ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا" بین کُلِّ اذانین صلاۃ" اس حدیث کا عموم بتا رہا ہے کہ ہر نماز کی اذان پر اقامت کے درمیان نفل پڑھنا مستحب ہے۔

جواب: حدیث باب میں موجود آپ کا فرمان اکثری اعتبار سے ہے، یعنی اکثر نمازوں میں اذان واقامت کے درمیان نماز پڑھنا مسنون ہے، مغرب کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے، استثنا کی دلیل یہ روایت ہے" قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان عند کل اذانین رکعتین ماخلاصلاۃ المغرب "

حنفیه کے کراهت کے قول کی وجه: حنفیہ کے یہاں مغرب کی نماز سے قبل رکعتین کو مکروہ کا جو قول ہے، اس سے یا تو کراہت تنزیہی مراد ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں اگرچہ بذات خود مباح ہیں؛ لیکن اس پر عمل کرنے کی وجہ سے مغرب کی نماز کی تعجیل کا حکم جو کہ کم از کم مسنون ہے فوت ہونے کا اندیشہ ہے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ ان دو رکعتوں کو مسنون قرار دینا مکروہ ہے (واللہ اعلم)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۶۱۳ ﴿امام ضامن ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۶۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالشَّافِعِیُّ وَفِی اُخْرٰی لَهٗ بِلَفْظِ الْمَصَابِیْحِ.

حواله: مسنداحمد ص: ۴۶۱ / ج: ۲، ابوداؤد ص: ۷۷ / ج: ۱، باب مایجب علی المؤذن من تعاهد الوقت، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۵۱۸/۵۱۷ / ترمذی ص: ۵۱ / ج: ۱، باب الامام ضامن والمؤذن مؤتمن، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۲۰۷. الشافعی فی الامام ص: ۸۷ / ج: ۱، باب اجتزاء المرء باذن غیره.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے، اے اللہ آپ اماموں کی رہنمائی فرمایئے، اور موذنوں کو بخش دیجئے" (احمد، ابوداؤد، ترمذی، شافعی) اور شافعی کی ایک دوسری روایت مصابیح کے لفظ کے

مطابق نقل ہوئی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کے صحت وفساد کا ذمہ دار ہے، اسی طرح مؤذن امانت دار ہے، لوگ اذان کے حوالے سے اسی پر اعتماد کر کے نماز کے لئے آتے ہیں، اور روزہ وغیرہ کھولتے ہیں، آپ ﷺ کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ امام اور مؤذن دونوں کو اپنی ذمہ داری کی اہمیت کا احساس کر کے خلوص کے ساتھ اپنے فریضے کی ادائیگی کرنا چاہئے، آخیر میں آپ نے اول الذکر کے لیے ہدایت اور ثانی الذکر کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الامام ضامن، امام ضامن ہے، جس طرح کفالہ کی بحث میں مدیون کے قرضہ کی جو شخص ذمہ داری اوڑھ لیتا ہے، اس کو کفیل کہا جاتا ہے، اسی طرح امام مقتدیوں کی ذمہ داری اوڑھ لیتا ہے، اس لیے اس کو ضامن کہا جاتا ہے، امام ضامن ہونے کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز کے صحت وفساد کا ذمہ دار ہوگیا، یعنی اب امام کی نماز کے صحت وفساد پر مقتدی کی نماز کے صحت وفساد کا دارومدار ہے، ضامن کی یہ تشریح حنفیہ کے نزدیک ہے۔

شوافع کہتے ہیں کہ ضامن کے معنی چرواہے کے ہیں، یعنی جس طرح بکری چرانے کی یہ ذمہ داری ہے، کہ بکریوں کی دیکھ ریکھ کرے، اسی طرح امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ نماز کی رکعت وغیرہ کی تعداد کا خیال رکھے، جہاں تک نماز کے صحت وفساد وغیرہ کا تعلق ہے تو امام اس کا ذمہ دار نہیں، اگر کسی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہوگئی، تو اس سے مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی، چنانچہ علامہ یوسف بنوریؒ نے معارف السنن ص:۲۳۱، ج:۱، پر کتاب الام کے حوالے سے امام شافعی کا یہ مذہب لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے حالتِ جنابت میں امامت کی، بعد میں مقتدیوں کو امام کی جنابت کا علم ہوا تو مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی، امام کی نماز نہیں ہوگی حنفیہ کے نزدیک مقتدیوں کی بھی نماز نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ امام ضامن ہے؛ لہٰذا اس کی نماز کے فساد سے مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

حدیث باب کا یہ جزء "الامام ضامن" کو جوامع الکلم میں سے کہا گیا ہے، چنانچہ معارف السنن میں علامہ بنوریؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث بہت سے فقہی مسائل پر مشتمل ہے، چونکہ حنفیہ اور شوافع کے درمیان ضامن کے معنی ہی میں اختلاف ہوگیا ہے، لہٰذا اس سے نکلنے والے مسائل بھی دونوں کے درمیان مختلف فیہ ہیں۔ آگے اس جزء سے نکلنے والے چار اہم مسائل کا ہم مختصراً تذکرہ کریں گے تفصیل اپنے مقام پر آئیگی

والمؤذن مؤتمن: "مؤتمن" اسم مفعول ہے، مطلب یہ ہے کہ مؤذن پر بھروسہ کیا گیا ہے؛ لہٰذا جب اذان کا وقت ہوجائے تو وہ اذان کے ذریعہ لوگوں کو فریضہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے بلالے۔ **اللھم ارشد الائمہ،** "ارشاد" کے معنی ہیں، راہ راست دکھانا، آپ نے اماموں کے لئے یہ دعا کی ہے کہ وہ گمراہ نہ ہوں، کیونکہ اگر یہ سیدھے راستہ پر چلیں گے تو مقتدی بھی سیدھے راستہ پر جائیں گے، **واغفر للمؤذنین،** آپ نے امام کے حق میں دعا ان کی شان کے مطابق، اور مؤذن کے حق میں دعا ان کی شان کے مطابق فرمائی، مؤذن کے بارے میں آپ نے دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے، چونکہ مؤذن اونچی جگہ چڑھ کر اذان دیتا ہے، ممکن ہے کہ بے محل نظر پڑ جائے، یا اس قسم کی کوئی اور کوتاہی سرزد ہو جائے؛ لہٰذا آپ نے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی۔

"الامام ضامن" سے نکلنے والے چار اہم مسائل۔

مسئلہ اولیٰ

"قرأت خلف الامام": اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سورت کی قرأت نہیں کرے گا، لیکن سورۂ فاتحہ کی قرأت کرے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں روایات متعارض ہیں، جس کی بنا پر ائمہ کے اقوال بھی مختلف ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب ﷺ کے نزدیک مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، بلکہ مکروہ تحریمی ہے، خواہ

جہری نماز ہو یا سری نماز ہو، اور مقتدی خواہ امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو۔

دلائل: (۱) واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا (۲) من كان له امام فقرأة الامام له قرأة . ان دونوں دلیلوں سے معلوم ہوا کہ مقتدی فاتحہ نہیں پڑھے گا، اس وجہ سے کہ قرأت کی مطلقاً ممانعت ہے، اور سورہ فاتحہ بھی قرأت میں شامل ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی کے حق میں بھی سورہ فاتحہ کی قرأت واجب ہے۔

دلیل: لاصلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب.

جواب: شروع اسلام میں مقتدی فاتحہ اور سورت سب پڑھتے تھے، اولاً سورت پڑھنے سے منع کیا گیا، اور فاتحہ کا جواز باقی رکھا گیا، پھر جب آیت کریمہ "واذاقرئ القرآن الخ" نازل ہوئی، تو فاتحہ کا جواز بھی ختم ہوگیا۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنے کے حق میں آیت مذکورہ ناسخ ہے، اس پر کیا دلیل ہے؟ تو اس کا جواب ہے یہ ہے کہ اس کی دلیل بہت سی احادیث ہیں، جن میں سے ہم صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "صلى النبي صلى الله عليه وسلم فقرأ خلفه قومٌ فنزلت واذا قرئ القران فاستمعوا الخ" (نبی کریمؐ نے نماز پڑھی تو چند لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت کی، پس آیت کریمہ واذا قرئ القران الخ نازل ہوئی) معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے قبل فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی، جو کہ اس آیت کے نزول کے بعد منسوخ ہوگئی۔ اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے دیکھئے۔ (معارف السنن ص: ۳۸۲/۲۹۶ روص: ۲۲۸ تا ۲۳۳ ج: ۱، وادلہ کاملہ)

مسئلہ ثانیہ "اقتداء المفترض خلف المتنفل": امام نفل نماز پڑھ رہا ہے، کوئی شخص اس کی اقتداء میں اپنی فرض نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور یہ بھی حدیث باب سے متعلق ہے، کیونکہ اگر امام حنفیہ کی تشریح کے مطابق ضامن ہے اور وہ نفل پڑھ رہا ہے، تو اس کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ قاعدہ ہے "الشيء لايتضمن مافوقه" ذیل میں ہم ائمہ کے مذاہب نقل کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز جائز نہیں ہے۔

دلیل: حنفیہ کی ایک دلیل تو حدیث باب ہے، اس میں امام کو ضامن کہا گیا ہے، اور قاعدہ ہے ضعیف قوی کی ضمانت نہیں دے سکتا ہے، چونکہ نفل پڑھنے والا ضعیف ہے، لہٰذا وہ فرض پڑھنے والے کا امام نہیں بن سکتا ہے، دوسری صلاۃ خوف ہے، اگر فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے ہوجاتی، تو آپ ﷺ پہلے ایک جماعت کو نماز پڑھاتے پھر دوسری جماعت کو نماز پڑھا دیتے۔ ایسا کرنے میں بہت سے منافی صلاۃ امور پیش نہ آتے، حالانکہ آپ نے ایسے نہیں کیا، وجہ یہی ہے کہ ایسا کرنے میں دوسری جماعت کی امامت کے وقت آپ کی نفل نماز ہوتی اور مقتدیوں کی فرض، اور "اقتداء المفترض خلف المتنفل" جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے جائز ہے۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل حدیث معاذ ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں "كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم يأتي فيؤم قومه الخ" (حضرت معاذ بن جبلؓ نبی کریمؐ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر واپس آ کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے)

امام شافعیؒ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ نے جب حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ لی، تو ان کا فریضہ ادا ہوگیا، اب وہ قوم کو نماز پڑھا رہے ہیں تو انکی نفل نماز ہے اور قوم کی فرض نماز ہے، معلوم ہوا کہ مفترض متنفل کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے

جواب: حضرت معاذ حضور ﷺ کے پیچھے کس نیت سے نماز پڑھ رہے تھے، اس کا یقینی علم کسی کو نہیں، اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت معاذ حضور کے پیچھے نفل کی نیت سے نماز پڑھ رہے ہوں اور قوم کو بنیت فرض پڑھا رہے ہوں، اور یہ صورت مختلف فیہ نہیں ہے، لہٰذا

شوافع کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں، کیونکہ قاعدہ ہے۔ " **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** "

۲- حضرت معاذ کا عمل اس وقت کا ہے جب تکرارِ فریضہ جائز تھا، بعد میں تکرارِ فریضہ کا عمل منسوخ ہوگیا، چنانچہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ " **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، ان تصلى فريضة في يوم مرّتين** " (طحاوی) آپ ﷺ نے ایک فرض نماز کو ایک دن میں دو مرتبہ (فرض کی نیت سے) پڑھنے سے منع فرمادیا۔

۳- یہ حضرت معاذ کا اپنا فعل تھا، جب حضور ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمائی "یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو، اور قوم کو نماز نہ پڑھاؤ، یا میرے ساتھ نماز نہ پڑھو، اور قوم کو نماز پڑھاؤ، لیکن نماز میں تخفیف کرو" یعنی بہت لمبی قرأت نہ کرو، حدیث کے الفاظ یہ ہیں " **اما ان تصلى معىٰ او اما ان تخفف بقومك** " یعنی آپ نے دو چیزوں میں سے اختیارات دے کر ایک پر عمل کرنے اور دوسرے کو ترک کرنے کا حکم دیا۔ اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق اور نفیس بحث دیکھنے کے لئے رجوع کیجئے۔ (نخب الافکار ص:۱۵۳ تا ۱۶۰، جلد:۴)

مسئله ثالثه " اقتداء المفترض بمفترض آخر ": امام ایک فرض نماز پڑھ رہا ہے، اور مقتدی دوسری فرض نماز پڑھ رہا ہے، مثلاً امام ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے اور مقتدی عصر کی نماز کی نیت سے اس کی اقتداء کرتا ہے تو کیا یہ اقتداء صحیح ہے؟ یہ مسئلہ بھی حدیث باب کے جزء " **الامام ضامن** " سے نکلتا ہے۔ اگر حنفیہ کی تشریح کے مطابق ضامن کے معنی لیے جائیں تو اقتداء صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ قاعدہ ہے " **الشئی لایتضمن ماهو فوقه** " ذیل میں ہم مذاہب نقل کرتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اقتداء المفترض بمفترض آخر جائز نہیں، ہدایہ میں ہے " **ولا من يصلى فرضا خلف من يصلى فرضا آخر** " (وہ شخص جو فرض پڑھتا ہے اس کے پیچھے وہ شخص جو دوسرا فرض پڑھتا ہے اقتداء نہ کرے)

دلیل: " **يونس بن عبيد يقول جاء عباد الناجي الى المسجد في يوم مطر فوجد هم يصلون العصر فصلىٰ معهم وهو يظن انها الظهر ولم يكن صلى الظهر فلما صلوا فاذا هي العصر، فاتى الحسن فسأله عن ذالك فامره ان يصليها جميعاً** " اس حدیث کا حاصل یہ کہ ایک شخص جماعت کے ساتھ اس گمان سے شریک ہوا کہ لوگ ظہر کی نماز پڑھ رہے ہیں، چنانچہ اس نے ظہر کی نیت سے نماز پڑھی حالانکہ لوگ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، اس شخص نے حضرت حسن سے مسئلہ دریافت کیا تو حضرت حسن نے دونوں نمازیں دوہرانے کا حکم دیا۔ (نخب الافکار ص:۱۶۸، ج:۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقتداء المفترض بمفترض آخر درست نہیں، نخب الافکار ہی میں مذکور شخص کے بارے میں یوں مذکور ہے " **يصلى الظهر ثم يصلى العصر** " اراد انه اذا صلى الظهر وراء من يصلي العصر فإنه يعيد الظهر والعصر جميعاً والله اعلم " . (نخب الافکار ص:۱۶۹، ج:۴)

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک اقتداء المفترض بمفترض آخر جائز ہے۔

دلیل: ہدایہ میں امام شافعی کی دلیل ذکر کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے کہا ہے " **وعند الشافعي يصح في جميع ذالك لان الاقتداء عنده اداءٌ على سبيل الموافقة** " امام شافعیؒ کے نزدیک ہر صورت میں اقتداء صحیح ہو جائے گی، کیونکہ ان کے نزدیک اقتداء علی سبیل الموافقت ارکان کے ادا کرنے کا نام ہے، یعنی صرف اعمال میں موافقت ضروری ہے، شرکت فی التحریمہ ضروری نہیں، صاحب فتح القدیر نے امام شافعی کی دلیل نقل کرتے ہوئے فرمایا " **اذا ثبت جواز الفرض بالنفل ثبت بالكل** " یعنی جب نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء صحیح ہو جاتی ہے تو ایک فرض پڑھنے والے کے پیچھے دوسرے فرض پڑھنے والے کی اقتداء بھی صحیح ہو جائے گی۔

جواب: جو دلیل صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے اسکا جواب تو یہ ہیکہ صرف افعال میں شرکت ضروری نہیں ہے بلکہ تضمن کے معنی بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے جیسا کہ حدیث باب میں آپکے فرمان ''الامام ضامن'' سے معلوم ہورہا ہے، اور جہاں تک صاحب فتح القدیر کی دلیل کا جواب ہے تو وہ تو اس بات پر مبنی ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء صحیح ہوجائے، اور یہ بھی صحیح نہیں ہے، امام شافعی کی مسئلہ ثانیہ کے تحت اس سلسلہ میں دلیل ذکر کی گئی ہے، انکی دلیل حدیث معاذ ہے جسکا ہم نے جواب وہیں پر ذکر کر دیا ہے۔ دیکھ لیا جائے

مسئله اربعه ''امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کا فساد ہے'': امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کے فساد کو مستلزم ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ بھی حدیث باب کے اسی جزء ''الامام ضامن'' سے نکلتا ہے، اس وجہ سے کہ اگر امام حنفیہ کی تشریح کے مطابق ضامن ہے تو اس کی نماز کے فساد سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی۔

امام ابو حنفیہ ؒ کا مذہب: امام صاحب کا مذہب جیسا کہ ابھی ذکر کیا امام کی نماز کا فساد مقتدی کے نماز کو مستلزم ہے۔

دلیل: ابن ماجہ میں حدیث ہے '' كان سهل بن سعد الساعدى يقدم فتيان قومه يصلون بهم فقيل له تفعل ولك من القدم مالك قال إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الامام ضامن فان احسن فله ولهم وان اساء يعني فعليه ولا عليهم'' اس روایت کا ظاہر یہی ہے کہ ضامن کفیل ہی کے معنی میں ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ امام کی نماز کے فساد سے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کا گناہ مقتدیوں کے بجائے خود امام پر ہوتا ہے۔

امام شافعی ؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک امام کی نماز سے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، کیونکہ ہر ایک حقیقتاً اپنی الگ نماز پڑھ رہا ہے، کوئی کسی کا ذمہ دار نہیں ہے۔

دلیل: شوافع اپنی دلیل میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتے ہیں '' ولا تزرو ازرة وزرىٰ اخرىٰ''

جواب: قرآن مجید کی اس آیت سے زیر بحث مسئلہ پر استدلال درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ یہ آیت گناہ وثواب سے متعلق ہے، نہ کہ افعال کی صحت وفساد سے۔

(نوٹ): متن میں مصابیح کے الفاظ کے مطابق امام شافعیؒ کی جس دوسری روایت کا تذکرہ ہے وہ یہ ہے '' الائمة ضمناء والمؤذنون امناء فارشد الله الائمة واغفر للمؤذنين'' حدیث میں جن مسائل سے بحث کی گئی ہے ان کی عمدہ تحقیق دیکھنے کے لئے رجوع کیجئے۔ (نخب الافکار ج:۴/ر)

حدیث نمبر ٦١٤ ﴿اذان دینے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٦٤

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحتَسِبًا كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ترمذی، ص: ٥١ / ج: ١، باب فضل الاذان، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ٦٠٦، ابن ماجه ص: ٥٣ / باب فضل الاذان وثواب المؤذنین، کتاب الاذان، حدیث نمبر ٧٢٧

حل لغات: اذّن بالصلاة، نماز کے لئے اذان دینا، تأذیناً واذاناً، بہت اعلان کرنا، محتسباً، احتسب بکذا باب افتعال سے اکتفاء کرنا، الاجر علی اللہ، اللہ سے ثواب کی امید رکھنا، حَسِبَ (س) حِساباً گمان کرنا، کسی چیز کو سمجھنا۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سات سال تک ثواب کی نیت سے اذان دی اس کے لئے جہنم کی آگ سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ بغیر کسی لالچ و ریاء کے سات سال تک اذان دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے جہنم سے رہائی کا پروانہ عطا فرمائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح محتسباً اذان دینے کا مقصد حصول ثواب ہو، طلب اجرت نہ ہو، احتساب عمل اس شخص کیلئے بولا جاتا ہے جو لوجہ اللہ کوئی عمل انجام دیتا ہے، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے "یاایھا الناس احتسبوا اعمالکم فانہٗ من احتسب عملہ کتب لہ اجر عملہ واجر حسبہ" (مرقات ص:۱۷۶رج:۲)

کتب لہ براءۃ من النار: جہنم کی آگ سے چھٹکارا پا جائے گا، اس وجہ سے کہ جس نے سات سال تک خلوص دل کے ساتھ اذان دی اس کے ایمان ویقین کی صحت ثابت ہوگئی، کیونکہ لوجہ اللہ اذان پر مواظبت اللہ کے فرماں بردار بندہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے ممکن ہی نہیں ہے۔ (التعلیق الصبیح ص:۲۹۸رج:۱)

حدیث نمبر ۶۱۵ ﴿تنہا شخص اذان دے کر نماز پڑھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۶۵

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلَاةِ وَيُصَلِّيْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ الصَّلَاةَ يَخَافُ مِنِّيْ فَقَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حواله: ابوداؤد ص:۱۷۰رج:۱، باب الاذان فی السفر، کتاب صلاۃ السفر، حدیث نمبر ۱۲۰۳، نسائی ص:۱۰۸رج:۱ باب الاذان لمن یصلی وحدہٗ، کتاب الاذان حدیث نمبر ۶۶۵.

حل لغات: شَظِيَّة، ج، شظایا، کرچ، چھوٹا ٹکڑا، مراد پہاڑ کی چوٹی ہے۔

ترجمه: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پروردگار کو وہ بکری کا چرانے والا بہت اچھا لگتا ہے جو پہاڑ کی چٹان کی چوٹی پر اذان دیتا ہے، اور نماز پڑھتا ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں میرے اس بندہ کو دیکھو اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، مجھ ہی سے ڈرتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اور اس کو جنت میں داخل کیا۔ (ابوداؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اگر کسی ویران مقام میں ہے، تو اس کو اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھنا چاہئے، ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں، اس کا تذکرہ فرشتوں سے کرتے ہیں اور اس کو معاف کرنے اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح راعی غنم، بکری کا چرواہا، مراد ہر وہ شخص ہے جو گوشہ نشینی اختیار کر کے غیر آباد جگہ پہنچ جاتا ہے، شظیة للجبل، پہاڑ کی چوٹی جو کہ غیر آباد ہے، اگر کوئی شخص غیر آباد جگہ میں اذان دے کر نماز پڑھتا ہے تو وہ بہت عظیم کام کرتا ہے، اسکے عمل میں کسی قسم کی ریاکاری کا شبہ نہیں، اسکی اذان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جس مخلوق تک بھی اذان کے کلمات کی بھنک پہنچے گی، وہ مخلوق قیامت تک کے دن اذان دینے والے کے حق میں گواہی دے گی، یہ شخص اکیلے ہونے کے باوجود اذان دیکر نماز پڑھ رہا ہے جو عام مسلمانوں کا طریقہ ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جماعت کا ثواب عطا فرماتے ہیں، روایت میں آتا ہے کہ تنہا اذان دیکر نماز پڑھنے والے کیساتھ فرشتے نماز پڑھتے ہیں، یؤذن اذان سے مراد اذان واقامت دونوں ہیں، یہیں سے معلوم ہوا کہ جو شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے، اس کیلئے اذان واقامت دونوں کہنا مستحب ہے، یخاف منی، یعنی تنہائی میں اذان واقامت اور نماز کی مواظبت صرف میرے خوف کی وجہ سے ہے، کسی قسم کی ریاءکاری یا لالچ کا اسمیں دخل نہیں ہے، قد غفرت لعبدی، اللہ تعالیٰ ملائکہ

کوجوانسانوں کوگناہ کا پتلا قرار دے چکے تھے،اپنے اس مخلص بندے کودکھاتے ہیں، تاکہ انکے تعجب میں اضافہ ہو،اسکے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اس مخلص بندے کو نہ صرف معاف کردیا؛ بلکہ اسکو جنت میں بھی داخل کریں گے،اللہ تعالیٰ کا مؤذنوں کو بندہ کہنا،پھر اپنی طرف انکی نسبت کرنا،انکی عظمت میں چار چاند لگانا ہے،کیسے افسوس کی بات ہے کہ آج ہم مؤذن کوحقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حدیث نمبر۶۱۶ ﴿مؤذن اورامام کی عظمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۶۶

وعن ابن عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ ورَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُنَادِيْ بِالصَّلٰوات الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ رَوَاهُ التِّرمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی ص: ۱۹/ج:۲،باب ماجاء فی فضل المملوك الصالح، کتاب البر و الصلة،حدیث نمبر ۱۹۸۶

حل لغات: کثبان، ٹیلے، کَثَبَ (ن) کَثْباً،جمع ہونا، المسك، مشک، ج مِسَكٌ، ینادی، مصدر مناداۃ، مفاعلت سے، پکارنا، یہاں مراداذان دینا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تین (طرح کے) لوگ مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے(۱)وہ غلام کہ جس نے اللہ تعالیٰ کا بھی حق ادا کیااوراپنے آقاء کا بھی حق ادا کیا(۲)وہ شخص جوکسی قوم کاامام بنااورلوگ اس سے راضی رہے،(۳)وہ آدمی جودن رات کی پانچوں نمازوں کی اذان دیا کرتے تھے۔(ترمذی)امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کوقیامت کے دن مشک کے ٹیلے عطافرمائیں گے،اللہ تعالیٰ مذکورہ تین طرح کے لوگوں کو یہ اعزاز اسلئے عطافرمائیں گے کہ ان تینوں طرح کے لوگوں نے اللہ کیلئے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا تھا،چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی محنتوں کوقبول کرکے ان کی بزرگی کے اظہار کے لئے ان کومشک کے ٹیلے عطافرمائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح کثبان المسك، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ان تینوں طرح کے لوگوں کے ثواب کومشک کے ٹیلوں سے تعبیر کیا ہے،چونکہ ان تینوں طرح لوگوں کے اعمال ان کی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ ذات سے غیر ذات کی طرف متجاوز ہوجاتے ہیں،اس وجہ سے ان کو یہ مقام ملے گا۔ ادی حق الله، یعنی اپنے حقیقی آقاء اللہ تعالیٰ کاحق ادا کیا، وحق مولاہ، اوراپنے مجازی آقا جس کا وہ مملوک ہے اس کا بھی حق ادا کیا"عبد" سے عبد مملوک مراد ہے،خواہ مرد ہو یاعورت، ورجل ام قوماً، یعنی وہ شخص جوخود اپنی نماز بھی ادا کرتا ہےاورلوگوں کونماز پڑھاتا بھی ہے،قوم کا تذکرہ تغلیباً ہے،چونکہ عام طور پرچھ لوگ جماعت میں رہتے ہیں، اس وجہ سے قوم کہا، ورنہ اگرکوئی شخص ایک یادولوگوں کی امامت کرتا ہے وہ بھی اس ثواب کامستحق ہے۔ وھم به راضون، یعنی امام کے صلاح وتقویٰ اورنماز کواس کے حق کے مطابق ادا کرنے کی وجہ سے مقتدی اس سے خوش رہے ہوں،مقتدیوں کی رضامندی کی وجہ سے امام کاثواب بڑھ جاتا ہے،کیونکہ مقتدیوں کی رضامندی امام کے صلاح وتقویٰ کی دلیل ہے،لیکن مقتدیوں میں ان مقتدیوں کااعتبار ہوگا جودین دار، دین پسند ہوں،نماز کے احکام سے واقف ہوں۔

سوال: امام کے سلسلہ میں تو یہ کہا کہ مقتدی اس سے خوش رہتے ہوں،مؤذن کے سلسلہ میں یہ بات نہیں کہی،اس کی کیاوجہ ہے؟

جواب: امام کی نماز کے نقص سے مقتدیوں کی نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے،اسی طرح امام کی نماز کے کمال سے مقتدیوں کی نماز میں کمال پیدا ہوتا ہے،اذان میں ایسا کچھ نہیں ہے،لہٰذا امام کے ساتھ مقتدیوں کی رضا کی قید لگی ہے،اورمؤذن کے ساتھ نہیں لگی ہے۔

ورجلٌ ینادی، یہاں مضارع کا صیغہ ذکر کرکے یہ بتایا ہے کہ اذان دینے کی فضیلت اسی وقت ہے جب اس میں استمرار ہو،اسی

وجہ سے اس کو "بالصلوات الخمس" کے ساتھ مقید کیا ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مؤذن کا مقام و مرتبہ امام سے کم ہے، جیسا کہ مؤذن کا مؤخر کرنا خود اس بات پر غمازی کر رہا ہے۔ (ملخص، مرقات ص:۱۶۸/ج:۲)

حدیث نمبر ۶۱۷ ﴿مؤذن کے حق میں تمام مخلوقات کا گواہی دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۶۷

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤَذِّنُ یُغْفَرُلَهٗ مَدیٰ صَوْتِهٖ وَیَشْهَدُ لَهٗ کُلُّ رَطْبٍ وَّیَابِسٍ وَشَاهِدُ الصَّلاَةِ یُکْتَبُ لَهٗ خَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ صَلاَةً وَّیُکَفَّرُعَنْهُ مَابَیْنَهُمَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَی النَّسَائِیُّ اِلٰی قَوْلِهٖ کُلُّ رَطْبٍ وَّیَابِسٍ وَقَالَ وَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰی۔

حوالہ: مسند احمد، ص:۴۱۱/ ج:۲، ابوداؤد، ص:۷۶/ج:۱، باب رفع الصوت بالاذان، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۵۱۵، ابن ماجہ ص:۵۳/ باب فضل الاذان وثواب المؤذنین، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۲۴، نسائی ص:۱۰۶/ج:۱، باب رفع الصوت بالاذان، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۴۴۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اذان دینے والے کی بخشش کی جاتی ہے، جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہے، اور اس کے حق میں ہر تر اور خشک چیز گواہ بنے گی اور نماز میں آنے والا، اس کے لئے پچیس نمازیں لکھی جاتی ہیں، اور اس کے وہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں جو دو نمازوں کے درمیان کئے ہیں"۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مؤذن کو اذان دینے میں استطاعت بھر آواز بلند کرنا چاہئے؛ کیونکہ آواز جتنی بلند ہوں گی، اس کے حق میں اتنی ہی فائدہ مند ہوگی، اگر پوری توانائی صرف کرکے اذان دے گا، تو مغفرت بھی مکمل ہوگی اور جس مخلوق تک بھی اذان کی آواز پہنچے گی، وہ مخلوق قیامت کے دن اس کے حق میں گواہ ہوگی؛ مؤذن کو نماز پڑھنے والے کی طرح بھی ثواب ملے گا؛ کیونکہ وہ لوگوں کو نماز کی طرف بلاتا ہے، اور حدیث میں آتا ہے کہ "الدال علی الخیر کفاعله"

کلمات حدیث کی تشریح المؤذن یغفرلهٗ مدیٰ صوته، مؤذن کے اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے، وہاں تک اس کی مغفرت کی جاتی ہے اس جزء کی بہت سی تشریحات کتب حدیث میں منقول ہیں، چند ہم یہاں ذکر کرتے ہیں، (۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن کو اپنی آواز ممکنہ حد تک بلند رکھنا چاہئے؛ کیونکہ جتنی بلند آواز ہوگی، اتنی ہی لمبی چوڑی مغفرت ہوگی، یعنی مغفرت تامہ ہوگی، (۲) اگر مؤذن کے گناہوں کو جسم فرض کیا جائے اور وہ اتنی دور تک بھر جائیں، جتنی دور تک اس کی اذان کی آواز جارہی ہے، تو یہ سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔ (۳) جہاں تک اس کی اذان کی آواز جائے گی اس جگہ میں اگر مؤذن نے کوئی گناہ کیا ہوگا تو وہ گناہ معاف ہوجائے گا۔ (۴) جہاں تک اذان کی آواز جائے گی، اس حصہ میں جو لوگ بھی ہوں گے مؤذن کی شفارش سے ان کی بخشش کردی جائے گی۔ (۵) مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہ جتنی بھی چیزیں ہوتی ہیں، مؤذن کے لئے استغفار کرتی ہیں، یہ تشریح اس وقت ہوگی جب یغفر کو یستغفر کے معنی میں لیا جائے، رطب، مراد ہر شئی نامی ہے، یعنی ہر بڑھنے والی چیز جیسے انسان، حیوانات، نباتات وغیرہ، یابس، مراد شئی غیر نامی ہے، یعنی ہر وہ چیز جو بڑھنے والی نہ ہو؛ جیسے جمادات وغیرہ، حاصل یہ ہے کہ ہر خشک اور تر یعنی بڑھنے والی اور نہ بڑھنے والی، ہر طرح کی مخلوقات قیامت کے دن مؤذن کے حق میں گواہی دیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں سے ہر چیز کو اپنی معرفت کا کچھ نہ کچھ حصہ عطا فرمایا ہے؛ چنانچہ ارشاد ربانی ہے "وان من شئی الایسبح بحمده ولکن لاتفقهون تسبیحهم" (کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اللہ کی، پاکی بیان نہ کرتی ہو، لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو) قیامت کے دن جن وانس کے ساتھ دیگر مخلوقات بھی مؤذن کے حق میں گواہ ہوں گی یہ تمام لوگ مؤذن کے

بارے میں کس چیز کی گواہی دیں گے؟ اسکے ایمان کی گواہی دیں گے، یا اسکے عمل خیر کی، کہ اسنے ان باتوں کا اعلان کر کے لوگوں کو نماز کی طرف بلایا تھا، یہ گواہی حقیقت پر محمول ہے یا مجاز پر؟ حقیقت پر بھی محمول ہو سکتی ہے، اور یہ اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں جسمیں گویائی کی طاقت نہیں ہے، اپنے فضل سے گویائی کی طاقت عطا فرمادیں، اسکے بعد وہ چیزیں گواہی دیں، اور اسمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین رکھنے والے کیلئے چنداں تعجب کی گنجائش نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ گواہی دینا مجاز پر محمول ہو اور مقصود مبالغہ ہو جیسا کہ ابن ملکؒ نے کہا ہے، وشاهد الصلاة، اسکا عطف کس پر ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں (۱) المؤذن پر ہے، مطلب یہ ہے کہ مؤذن کی مغفرت کی جاتی ہے، اور اس شخص کی مغفرت کی جاتی ہے، جو مؤذن کی اذان سنکر جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کیلئے حاضر ہوتا ہے، اس قول کے قائل علامہ طیبیؒ ہیں، (۲) "کل رطب ویابس" پر عطف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مؤذن کے حق میں ہر خشک وتر چیز گواہی دیگی اور نماز پڑھنے والا بھی گواہی دیگا، چونکہ ہر خشک وتر چیز میں نماز پڑھنے والا بھی شامل ہے، اسلئے کہا جائیگا، کہ یہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے۔ صاحب مرقات کے نزدیک دوسرا قول زیادہ راجح ہے، کتب له "له" ضمیر اور آگے "عنه" ضمیر دونوں کا مرجع "شاهد الصلاة" بھی بن سکتا ہے اور یہ لفظاً زیادہ قریب بھی ہے، اور "المؤذن" بھی بن سکتا ہے، یہ معنی انسب ہے، کیونکہ اصلاً مؤذن ہی کا حدیث میں تذکرہ ہو رہا ہے، یہاں یہ بات کہی گئی ہے کہ نماز میں جماعت کیساتھ شرکت کرنے والے کیلئے پچیس نمازیں لکھی جائیں گی، جب کہ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جماعت کیساتھ نماز پڑھنا ستائیس درجہ افضل ہے، روایات میں اختلاف حالات اور مقامات کے اختلاف کیوجہ سے ہے۔ ویکفر عنه، مؤذن کے گناہ صغیرہ جو دو اذانوں کے درمیان ہوئے ہوں اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنے والے کے گناہ صغیرہ جو دو نمازوں کے درمیان ہوئے ہوں اذان اور نماز کیوجہ سے معاف ہو جاتے ہیں، وله مثل اجر، مؤذن کو اذان دینے کی بنا پر وہ ثواب بھی ملتا ہے، جو نمازیوں کو ملتا ہے؛ کیونکہ مؤذن جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کا سبب بنتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جو نیکی کا ذریعہ بنتا ہے اسکو نیکی انجام دینے والے کے بقدر ثواب ملتا ہے۔ (مرقات ص: ۱۶۸/۱۶۹/ ج: ۲، بعد حذف واضافہ)

حدیث نمبر ۶۱۸ ﴿امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنا چاہئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۶۸

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِجْعَلْنِيْ اِمَامَ قَوْمِيْ قَالَ اَنْتَ اِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بَاَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْمُؤَذِّنًا لَايَأْخُذُ عَلٰى اَذَانِهٖ اَجْرًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حواله: مسنداحمد ص: ۲۱۷. ابوداؤد ص: ۷۹/ ج: ۱، باب اخذ الاجر علی التأذین، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۵۳۱، نسائی ص: ۱۰۹/ ج: ۱، باب اتخاذ المؤذن الذی لایأخذ علی اذانه اجراً، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۷۱.

ترجمه: حضرت عثمان بن ابی العاص سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں کے امام ہو، تم کمزور لوگوں کی پیروی کرو، اور اس شخص کو مؤذن بناؤ جو اپنی اذان کا معاوضہ نہ لیتا ہو۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امام اپنے پیچھے نماز پڑھنے والے ضعیف اور کمزور مقتدیوں کی مکمل رعایت کرنا چاہئے نماز میں اتنی طویل قراءت ہرگز نہ کرے جس سے مقتدی گھبرا جائیں، اور جماعت میں آنا ہی چھوڑ دیں، نیز اذان کا فریضہ اس شخص کے سپرد کرنا چاہیے، جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اذان دیتا ہو، جس شخص کا مقصد ہی اذان سے پیسہ کمانا ہو اس کو مؤذن نہ مقرر کرنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح وعن عثمان بن ابی العاص قال قلت، یہ عثمان بن عاص طائفی ہیں، وفد ثقیف کے ساتھ ۹ھ میں آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے، ان کو آپ ﷺ نے طائف کا عامل بنا کر بھیجا، انہوں نے

حضور ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے میری قوم کا امام بنادیجئے۔ آپ نے فرمایا، انت امامهم، میں نے تم کو ان کا امام بنادیا۔

اشکال: آپ ﷺ عہدہ طلب کرنے کو ناپسند کرتے تھے، پھر آپ سے عثمان بن ابوالعاص نے امامت کا عہدہ کیوں طلب کیا؟

جواب: (۱) حضور ﷺ نے عثمان کو طائف کا عامل بنایا، تو گویا خود حضور ﷺ کی جانب سے ان کو عہدہ مل گیا، پھر حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ نے آپ ﷺ سے عہدہ نہیں طلب کیا؛ بلکہ نماز پڑھانے کی اجازت طلب کی، جو آپ نے بلاتامل عطا فرمادی، (۲) اگر کوئی شخص کسی عہدہ کا مستحق ہے اور وہ دینی مصلحت کے پیش نظر اس عہدہ کو طلب کررہا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے کہ حضرت یوسفؑ نے عزیز مصر سے کہا تھا "اجعلني على خزائن الارض إني حفيظ عليم" حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ بھی امامت کے مستحق تھے، اور اس میں انہوں نے مصلحت سمجھی؛ لہٰذا انہوں نے حضور ﷺ سے امامت کرنے کی درخواست کی جو کہ حضور ﷺ نے قبول فرمالی۔

واقتد باضعفهم، اس کی دو تشریحیں ہیں (۱) بدنی طاقت کے اعتبار سے کمزور لوگوں کی رعایت کا حکم ہے (۲) بہت زیادہ نیک وفرماں بردار لوگ جو خشوع وخضوع میں بہت بڑھے ہوئے ہوں ان کی تعظیم کا حکم ہے۔

پہلی تشریح کے اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ نمازیوں میں جو سب سے ضعیف وکمزور لوگ ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھانا چاہئے، نہ بہت زیادہ لمبی نماز پڑھائی جائے اور نہ بہت تیزی سے نماز پڑھائی جائے، اس وجہ سے کہ کمزور آدمی نہ تو بہت دیر قیام کرسکتا ہے اور نہ بہت تیزی سے رکوع وسجدہ کرسکتا ہے، لہٰذا دونوں چیزوں کو ملحوظ رکھ کر امام کو نماز پڑھانا چاہئے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ اپنے مقتدیوں میں ان لوگوں کی تعظیم وتکریم کرو جو بوڑھے ہوں، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سفید ریش بوڑھے سے شرم کرتے ہیں، اور بوڑھے کی تعظیم گویا اللہ کی تعظیم ہے، لہٰذا آپ نے حضرت عثمان کو وصیت کرکے یہ بتایا کہ امام ہونے کی وجہ سے تمہارا مرتبہ بلند ہوگیا؛ لیکن تم اس کے باوجود بوڑھوں کی تعظیم کرتے رہنا، اور اگر اضعف کی دوسری تشریح "اکثرهم خشوعاً وتذللاً" لی جائے تو بھی یہی مطلب ہے کہ امام ہونے کے باوجود امت میں جو پرہیزگار ومتقی لوگ ہوں ان کی تعظیم کرتے رہنا۔

حدیث نمبر ٦١٩ ﴿اذان کے وقت دعا قبول ہوتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٦٩

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْلَ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْلِیْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِیْرِ

حواله: ابوداؤد ص ۷۸-۷۹ ج ۱، باب مایقول عند اذان المغرب، کتاب الصلوٰة، حدیث ۵۳۰.

ترجمه: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو سکھلایا کہ میں مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھوں، "اللّٰهم الخ" اے اللہ! یہ وقت آپ کی رات کے آنے اور آپ کے دن کے جانے کا ہے اور آپ کو پکارنے والوں کی آوازوں کا ہے، تو آپ مجھکو بخش دیجئے۔ (ابوداؤد، بیہقی نے دعوات کبیر میں یہ روایت نقل کی ہے)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اذان کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا اذان کے وقت دعا کرنا چاہئے؛ خاص طور سے مغرب کے وقت اذان مکمل ہونے پر مذکورہ بالا دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح اللّٰهم هذا، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ حدیث میں موجود کلمات فجر کی اذان کے بعد بھی تھوڑے سے تغیر کے بعد کہے جائیں، فجر کی اذان کے بعد یوں کہنا چاہئے "هذا اِدبار ليلك واِقبال نهارك".

اعتراض: حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ امور توقیفی ہیں ان میں قیاس نہیں چلتا؛ لہٰذا اذان فجر کے بعد یہ دعا نہ پڑھی جائے۔

جواب: اذان کے بعد دعا مانگنے سے کوئی مانع شرعی موجود نہیں ہے، آدمی اپنے الفاظ سے دعا مانگتا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہوتا تو ان

الفاظ سے جو کہ الفاظ نبوی ﷺ سے ماخوذ ہیں کیسے حرج ہوسکتا ہے؟۔(مرقات ص ۱۷۰۔۱۷۱ ج ۲)

حدیث نمبر ۶۲۰ ﴿کلمات تکبیر کا جواب دینا چاهئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۷۰

وعَنْ اَبِی اُمامَةَ اوْ بَعْضِ اَصْحابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وسَلَّمَ قَالَ اِنَّ بِلالاً اَخَذَ فِی الْاِقَامَةِ فَلَمَّا اَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا وَقَالَ فِیْ سَائِرِ الْاِقَامَةِ کَنَحْوِ حَدِیْثِ عُمَرَ فِی الاذَانِ رَوَاهُ اَبُوْداوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۷۸ ج ۱، با مایقول اذا سمع الاقامة، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۵۲۸.

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ یا اللہ کے نبی ﷺ کے کسی دوسرے صحابی سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ نے تکبیر کہنا شروع کی چنانچہ جب انہوں نے "قد قامت الصلوٰۃ" کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اقامہا اللہ وادامہا" (اللہ نماز کو قائم رکھے اور ہمیشہ باقی رکھے) اور آپ نے باقی تکبیر میں اسی طرح الفاظ کہے جس طرح حضرت عمرؓ کی حدیث میں اذان کے متعلق مذکور ہے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب اقامت کہی جائے تو جس طرح اذان سن کر کلمات اذان کا جواب دیا جاتا ہے، اسی طرح اقامت سن کر کلمات اقامت کا بھی جواب دیا جائے، لیکن "قد قامت الصلوٰۃ" کہتے وقت "اقامہا اللہ وادامہا" کہا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح اَقامها اللّٰه و ادامها آپ ﷺ نے تکبیر کہنے والے کی زبان سے جو کلمات سنے اسی کے مثل خود بھی کہے لیکن "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" "قد قامت الصلوة" کے جواب میں "اقامها اللّٰه و ادامها" کہا۔ اور "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کے جواب میں۔ لاحول و لا قوۃ الا باللّٰه کہا۔

سوال: تکبیر کے جواب دینے کے بارے میں ائمہ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: امام مالک تکبیر کے جواب دینے کے قائل نہیں ہیں اور وہ حدیث باب کو ضعیف قرار دیتے ہیں، شوافع و حنابلہ تکبیر کا جواب دینے کے قائل ہیں اور حنفیہ کے یہاں دونوں طرح کے اقوال ہیں، البتہ جواب دینا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، حدیث باب اگر چہ ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف پر بھی عمل ہوجاتا ہے۔

سوال: اگر کوئی اقامت کا جواب نہ دے تو وہ کیا کرے؟

جواب: وہ کوئی دعا پڑھے، شامی میں ہے "و لابأس ان یشتغل بالدعاء" دعا میں مشغول ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث نمبر ۶۲۱ ﴿اذان و تکبیر کے درمیان کی جانیوالی دعارد نہیں ہوتی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۷۱

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یُرَدُّ الدُّعَاءُ بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ رَوَاهُ ابوداوٗدَ و التِّرمِذِیُّ

حوالہ: ابوداؤد: ص نمبر ۷۷، ج: ۱، باب ماجاء فی الدعاء بین الاذان و الاقامة، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۵۲۱، ترمذی ص ۵۱ ج ۱، باب الدعاء لایُرَدُّ بین الاذان و الاقامة، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۲۱۲.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اذان اور تکبیر کے درمیان (جو دعا کی جاتی ہے) وہ دعا رد نہیں کی جاتی۔ (ابوداؤد، ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے اذان و اقامت کے درمیان دعا مانگنے پر ابھارا۔ بے اس مخصوص وقت میں اپنی حاجات کو اللہ تعالیٰ کیسامنے رکھنا چاہئے، کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہے، اسوقت میں اللہ تعالیٰ بندے کی دعا قبول فرماتے ہیں

کلمات حدیث کی تشریح لایرد الدعاء، دعارد نہیں کی جاتی، یعنی اس وقت میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے، بین الاذان والاقامۃ اسکے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) اذان کے درمیان دعارد نہیں ہوتی ہے یعنی ابتداء سے لے کر انتہا اذان تک اسی طرح ابتداء اقامت سے لے کر انتہاء اقامت تک جو وقت ہے اس میں دعارد نہیں ہوتی ہے (۲) ابتداء اذان سے لے کر انتہاء اقامت تک پورے وقت میں دعارد نہیں ہوتی ہے۔ (بذل)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جب صحابہ سے دعا مانگنے کے لئے کہا تو صحابہؓ نے عرض کیا "ماذا نقول یا رسول اللّٰہ" (اے اللہ کے رسول ہم کیا دعا مانگیں؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "سلو اللّٰہ العافیۃ فی الدنیا والآخرۃ" (دنیا وآخرت دونوں جہاں میں اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو) (مرقات: ص: ۱۷۱، ج: ۲)

حدیث نمبر ۶۲۲ ﴿دعا رد نہیں ہوتی﴾ عالمی حدیث ۶۷۲

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليهِ وَسلَّم ثِنْتَانِ لا تُرَدَّ ان اَوْ قَلَّمَا تُرَدَّ نِ الدُّعاءُ عِنْدَ النِّداءِ وَعِنْدَ البأْسِ حِيْنَ يَلْحَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً وَ فِيْ رِوَايَةٍ وَتَحْتَ المَطَرِ رَواهُ اَبُوداؤدَ والدَّارِمِيُّ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَحْتَ المَطَرِ.

حوالہ: ابوداؤد: ص: ۳۴۴، ج: ۱، باب الدعاعندااللقاء، کتاب الجهاد، حدیث نمبر ۲۵۴۰، دارمی: ص ۲۹۳ ج: ۱، باب الدعاء عند الاذان، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۱۲۰۰.

حل لغات: یلحم، لَحِمَ (س) لَحماً کسی جگہ پھنس جانا، پیوست ہوجانا، اسی سے المَلْحمَۃ ہے گھمسان کی جنگ۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو دعائیں رد نہیں کی جاتی، یا یہ فرمایا دو دعائیں کم رد کی جاتی ہیں، (۱) اذان کیوقت کی دعا، (۲) جنگ کیوقت جب کہ لوگ ایک دوسرے میں گھسے جارہے ہوں اور ایک روایت میں ہے بارش کیوقت کی دعا، اس روایت کو ابوداؤد اور دارمی نے نقل کیا ہے، لیکن دارمی نے "تحت المطر" (بارش کے نیچے) الفاظ نقل نہیں کئے ہیں

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ مندرجہ ذیل اوقات میں دعا کا اہتمام کرنا چاہئے، ان اوقات میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں وہ اوقات یہ ہیں، (۱) اذان کے شروع ہونے سے لیکر اقامت کے انتہا تک کا وقت (۲) کفار سے جنگ کے وقت (۳) بارش کے نزول کے وقت۔

البأس: جب لڑائی شروع ہوجائے اس وقت مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے، آپؐ جنگ بدر میں مستقل دعا کرتے رہے، حتیٰ کہ جبرئیل نے آپ ﷺ کو فتح کی بشارت سنائی، تحت المطر، بارش کے نزول کے وقت بارش کے نیچے کھڑے ہو کر مانگی جانے والی دعا بھی رد نہیں ہوتی، بعض روایات سے ثابت ہے کہ جب بارش شروع ہوتی ہے، تو آپ ﷺ اپنے جسم سے کپڑا اٹھا کر تھوڑی دیر کھڑے ہوتے اور بارش کا پانی اپنے اوپر لیتے، کسی صحابی نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ وہ تازہ پانی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے آرہا ہے، ابوداؤد میں ایک روایت ہے جس کے الفاظ یوں ہیں " سَاعَتَانِ يُفْتَحُ فِيْهِمَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَقَلَّمَا تُرَدُّ عَلَى دَاعٍ دَعْوَتُهُ عِنْدَ حُضُوْرِ النِّدَاءِ وَوَقْتَ الْمَطَرِ" (دو گھڑیاں ایسی ہیں جن میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اذان اور بارش کے وقت دعا کرنے والے کی دعا رد ہو) (مرقات ۱۷۲ ج ۲)

حدیث نمبر ۶۲۳ ﴿اذان کے جواب دینے والے کا ثواب﴾ عالمی حدیث ۶۷۳

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجُلٌ يا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ المُؤَذِّنِيْنَ يَفْضُلُوْنَنَا فَقَال رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه

وَسَلَّمَ قُلْ كَمَا يَقُولُونَ فَإِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۷۸ ج ۱، باب ما یقول اذا سمع المؤذن، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۵۲۴.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اذان دینے والے ہم سے بڑھے جارہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا مؤذن جو کہتے ہیں تم بھی وہی کہو، اور جب کہہ چکو تو مانگو تم کو دیا جائے گا۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ مؤذن کا بہت بڑا مقام ومرتبہ ہے، اگر کوئی اس مقام کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسکو چاہئے کہ وہ مؤذن کی اذان کا جواب دے، جوکوئی مؤذن کی اذان کا جواب دے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے تو اسکا مقام مؤذن سے بھی بڑھ جائیگا الا یہ کہ مؤذن بھی اذان دینے کے بعد دعا مانگے، ایسی صورت میں دونوں کا مقام بہت بلند ہوجائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح **إن المؤذنين يفضلوننا،** مؤذنوں کو اذان دینے کی وجہ سے بہت بڑی خصوصیت حاصل ہے، اسلئے وہ مقام ومرتبہ میں ہم سے بڑھے چلے جارہے ہیں **قل كما يقولون،** مؤذن کے مثل کہو یعنی مؤذن کو جواب دو، اجابت کی دو قسمیں ہیں (۱) اجابت بالاقدام یہ تو بالاتفاق واجب ہے (۲) اجابت بالقول، بعض لوگ اس کے بھی وجوب کے قائل ہیں، لیکن راجح قول استحباب کا ہے؛ اگر اجابت بالقول واجب ہوتا تو آپ ﷺ ایک مؤذن کے اللہ اکبر کہنے پر "عَلَى الْفِطْرَةِ" اور شہادتین کہنے پر "خَرَجَ مِنَ النَّارِ" نہ فرماتے۔

اشکال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن جب حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہے تو جواب دینے والا بھی انہیں الفاظ کو دہرائے کیونکہ حدیث میں مطلقاً "قل كما يقولون" ہے جب کہ ماسبق میں یہ بات گزری کہ **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** کے جواب میں **لاحول و لاقوۃ الا باللہ** کہنا چاہئے۔ دونوں میں تضاد محسوس ہورہا ہے۔

جواب: اس حدیث میں پوری تفصیل نہیں ہے، دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** کے جواب میں **لاحول و لاقوۃ الا باللہ** کہنا چاہئے، لہٰذا اس حدیث اور اس حدیث جسمیں صراحت ہے، دونوں میں تضاد نہ ہوگا، بلکہ یہ حدیث مجمل ہے جسکے لئے وہ بیان ہے، بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ دونوں طرح کے کلمات کہے جائیں گے تاکہ دونوں طرح کی روایات پر عمل ہوجائے

سوال: خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی ہے اس کا جواب دینا مستحب ہے یا نہیں۔

جواب: بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جواب نہیں دیا جائے گا اور بعض نے کہا ہے کہ جواب دینا مستحب ہے؛ لیکن دل میں۔

فاذا انتهیت، جب اذان کا جواب دے کر فارغ ہوجاؤ تو اللہ تعالیٰ سے جو چاہو دعا مانگو اللہ تعالیٰ تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائیں گے اور تمہاری حاجات پوری فرمائیں گے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۶۲۴ ﴿شیطان کلمات اذان سے ڈرتا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۷۴

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلوٰةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُونَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ قَالَ الرَّاوِيُ وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِينَةِ عَلٰى سِتَّةٍ وَ ثَلَاثِينَ مِيلًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص ۱۶۷ ج ۱، باب فضل الاذان، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۳۸۸.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، بلاشبہ شیطان جب نماز کی اذان سنتا ہے تو وہ راہ فرار اختیار کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ "روحاء" نامی جگہ تک پہنچ جاتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ روحا مدینے سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمات اذان میں وہ ہیبت رکھی ہے کہ شیطان اس کا تحمل نہیں کر پاتا، چنانچہ وہ اذان شروع ہوتے ہی اذان سے بہت دور بھاگتا ہے تاکہ کلمات اذان اس کے کان میں نہ پڑیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اِنَّ الشیطان، شیطان سے مراد یا تو جنس شیطان ہے یا پھر سب کا سردار ابلیس مراد ہے اور یہی زیادہ راجح ہے، اذاسمع النداء، اذان کی نفرت کی بناء پر بھاگ کھڑا ہوتا ہے، مکان الروحاء، یعنی وہ نماز سے بھاگ جاتا ہے، تقدیر عبارت یوں ہے، شیطان اتنی دور ہو جاتا ہے جتنی دور روحاء نامی جگہ ہے۔ (مرقات ص ۱۷۲ ج ۲،)
اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث ۶۰۵ ملاحظہ کیجئے۔

حدیث نمبر ۶۲۵ ﴿حیعلتین کے جواب میں لاحول الخ کہا جائے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۷۵

وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ اِنِّی لَعِنْدَ مُعَاوِیَةَ اِذْ اَذَّنَ مُؤَذِّنُهٗ فَقَالَ مُعَاوِیَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهٗ حَتّٰی اِذَا قَالَ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَلَمَّا قَالَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَقَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذٰلِكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص ۹۱-۹۲ ج ٤.

ترجمہ: حضرت علقمہ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت معاویہؓ کے پاس تھا، اتنے میں ان کے مؤذن نے اذان دینا شروع کی، حضرت معاویہؓ نے مؤذن کے جواب میں وہی کلمات دوہرائے جو مؤذن نے کہے، یہاں تک کہ جب مؤذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہؓ نے ''لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ'' فرمایا، پھر جب مؤذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہ نے ''لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم'' فرمایا اور بقیہ کلمات میں حضرت معاویہؓ نے وہی کہا جو مؤذن نے کہا، پھر حضرت معاویہؓ نے کہا'' میں رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اذان کا جواب دینا چاہئے اس میں بہت زیادہ ثواب بھی ہے اور یہ اللہ کے نبی ﷺ کی قولی اور عملی دونوں طرح کی احادیث ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا حول ولاقوۃ الا باللّٰہ، اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ کہا جائے گا۔
صاحب مرقات نے علامہ طیبیؒ کا قول نقل کیا ہے ''العلی العظیم'' کے الفاظ کا اضافہ روایات میں نادر ہے یعنی صرف اس روایت میں یہ الفاظ ہیں، دیگر روایات میں یہ الفاظ نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۶۲۶ ﴿کلمات اذان کہنے والا جنت کا مستحق ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۷۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ یُنَادِیْ فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا یَقِیْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ.

حوالہ: نسائی ص ۱۰۹ ج ۱، باب ثواب ذالك، کتاب الاذان حدیث ۶۷۳.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، حضرت بلالؓ اذان دینے لگے جب وہ خاموش ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا جس نے اس طرح کے کلمات دل کے یقین کے ساتھ کہے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اذان کے کلمات بنیادی عقائد پر مشتمل ہیں؛ لہٰذا جو شخص ان کلمات کو دل کے یقین کے ساتھ ادا کرے گا وہ مسلمان ہوا اور مسلمان خواہ عاصی ہی کیوں نہ ہو جنت میں ضرور جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح یقینا، یعنی کلمات اذان کہنے میں مخلص ہو، دخل الجنة، جنت میں دخول کا مستحق ہوگیا اور نجات پانے والوں میں شامل ہوگیا، یہیں سے معتزلہ اور خوارج کی تردید ہوتی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں مرتکب کبیرہ مؤمن نہیں ہے۔ لہٰذا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

حدیث نمبر ۶۲۷ ﴿آنحضرتؐ اذان کے جواب دیتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۷۷

وَعَنْ عائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّم اذا سَمِعَ المُؤَذِّنَ يَتَشَهَّدُ قَالَ وَانَا وَانَا، رواہُ ابو داؤد.

حوالہ: ابو داؤد ص ۷۸ ج۱، باب مایقول اذا سمع المؤذن، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۵۲۶.

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ اذان کا جواب دیتے تھے لہٰذا امت کو بدرجہ اولیٰ اذان کے کلمات کا جواب دینا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح و انا و انا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بھی اپنی رسالت پر شہادت دینے کے مکلف تھے، پہلے "انا" کا تعلق اشهد ان لا اله الا الله سے ہے، اور دوسرے "انا" کا تعلق محمد رسول اللہ سے ہے۔

تعارض: ماقبل میں حدیث گذری "قولوا مثل ما يقول المؤذن" یعنی جو کلمات مؤذن کہے جواب میں وہی کلمات کہو، جب کہ اس حدیث میں آپ ﷺ شہادتین کے جواب میں "انا" "انا" پر اکتفا کرتے ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے قول وعمل میں تضاد ہے۔

جواب: (۱) یہ واقعہ جو اس حدیث میں ہے وہ "قولوا مثل مايقول المؤذن" سے پہلے کا ہے۔ (۲) آپ ﷺ کا فرمان "قولوا الخ" وجوب کے لئے نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۶۲۸ ﴿اذان کے ثواب میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۷۸

وَعَنْ اِبْنِ عُمرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ قَالَ مَنْ اَذَّنَ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِيْنِهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ سِتُّوْنَ حَسَنَةً وَلِكُلِّ اِقَامَةٍ ثَلاثُوْنَ حَسَنَةً رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ .

حوالہ: ابن ماجة، باب فضل الاذان، کتاب الاذان، والسنة فيه، حدیث ۷۲۸.

ترجمہ: حضرت بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بارہ برس اذان دی، اس کیلئے جنت واجب ہوگئی اور اس کیلئے اسکی اذان کی وجہ سے ہر دن ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور اس کیلئے اقامت کی وجہ سے تیس نیکیاں لکھیں جاتی ہیں۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اذان وتکبیر کہنے میں سبقت کرنے پر ابھارنا مقصود ہے، دونوں کام حصول ثواب کا ذریعہ اور دخول جنت کا سبب ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح وجبت له الجنة، اللہ تعالیٰ کے اوپر اصلاً کچھ واجب نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہیکہ حدیث میں مذکور مدت تک اذان دینے والیکو جنت میں داخل فرمائینگے، اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے اسوجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت اسکے لئے واجب ہے۔ و کتب له بتاذینه، یعنی فقط اذان دینے سے یہ نیکیاں لکھی جائینگی نہ کہ نماز کو شامل کرکے

وفی کل یوم: مراد یہ ہے کہ ہر اذان پر ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اس پر قرینہ حدیث کے آگے آنے والے الفاظ "ولکل اقامة" ہیں۔

للثون حسنة: تکبیر کا ثواب اذان کے بہ نسبت آدھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان حاضرین اور غائبین دونوں کو آگاہ کرنے کے لئے دی جاتی ہے، جب کہ تکبیر صرف حاضرین کے لئے ہوتی ہے، نیز اذان میں محنت و مشقت زیادہ ہے، اس لئے اذان کا ثواب بھی زیادہ ہے، ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ ثواب اس شخص کے لئے ہے جو اذان واقامت پر مداومت کرے لیکن یہ بات خلاف ظاہر ہے۔

حدیث نمبر ۶۲۹ ﴿اذان کے وقت دعا مانگنے کا حکم﴾ عالمی حدیث ۶۷۹

وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نُؤْمَرُ بِالدُّعَاءِ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ، رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ.

حواله: بیهقی فی الدعوات الکبیر.

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہمیں مغرب کی اذان کے وقت دعا مانگنے کا حکم دیا گیا تھا، اس روایت کو بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اذان کے وقت دعا قبول ہوتی ہے خاص طور سے مغرب کے وقت، لہٰذا اس وقت ضرور دعا کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح کُنَّا نُؤْمَرُ، صحابہ کرام کو آپ نے مغرب کی اذان کے وقت دعا کرنے کی خاص طور پر تاکید فرمائی تھی، اس وجہ سے کہ اسوقت سورج غروب ہوتا ہے اور رات آتی ہے، اس حدیث میں اسی دعا کی طرف اشارہ ہے جس کا تذکرہ حدیث نمبر ۶۱۹ میں ہوا ہے۔

باب فیه فصلان

اس باب میں تین کے بجائے صرف دو فصلیں ہیں (۱) فصل اول (۲) فصل ثالث، درمیان کا فصل ثانی نہیں ہے، یہ باب درحقیقت کوئی مستقل باب نہیں ہے بلکہ سابقہ دو ابواب کا تتمہ ہے، چنانچہ صاحب مرقات نے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے اس باب کی بابت لکھا ہے "هٰذَا بَابٌ فِيْ تَتِمَّاتٍ لِمَا سَبَقَ فِي الْبَيَاضِ مَا قَبْلَهُ" یعنی گذشتہ صفحات میں جو دو باب (۱) باب الاذان (۲) باب فضل الاذان واجابة المؤذن گذرے ہیں انہیں کا تتمہ ہے۔

اس باب میں میری ترتیب کے اعتبار سے نو احادیث ہیں، ان احادیث میں اس بات پر زور ہے کہ نماز پڑھنے سے پہلے اذان و اقامت ضرور کہنا چاہئے، مشکوۃ شریف کے بعض بیروتی نسخوں میں اس باب پر "بَابُ تَاخِيْرِ الْاَذَانِ" کا عنوان لگا ہے، اس عنوان لگانے کی وجہ یہ ہے کہ اس باب میں وہ احادیث بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز میں تاخیر ہوگئی حتی کہ نماز قضا ہوگئی اور قضا نماز پڑھی گئی تو اس تاخیر کی وجہ سے ایسا نہیں کیا جائے گا کہ اذان نہ دی جائے، تاخیر ہونے کے باوجود اذان دے کر ہی نماز پڑھی جائے گی، نیز اس باب میں وہ احادیث بھی ہیں جن میں آپ ﷺ نے فجر کی اذان بہت جلد یعنی وقت سے پہلے دینے سے منع کیا ہے، لہٰذا اس مناسبت سے بھی باب کا نام "باب تاخیر الاذان" رکھنا ممکن ہے۔

حدیث نمبر ۶۳۰ ﴿طلوع فجر کے بعد اذان فجر ہوگی﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۸۰

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ وَكَانَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ رَجُلًا اَعْمٰى لَا يُنَادِيْ حَتّٰى يُقَالَ لَهُ اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص ۸۲ ج ۱، باب اذان الاعمی، کتاب الاذان حدیث نمبر ۶۱۷، مسلم ص ۳۴۹ ج ۱، باب بیان ان الدخول فی الصوم کتاب الصیام حدیث ۱۰۹۲.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلالؓ رات کو ہی اذان دے دیتے ہیں لہٰذا تم لوگ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن مکتومؓ اذان پکاریں، راوی نے کہا کہ ابن مکتومؓ نابینا تھے وہ اس وقت تک کے اذان نہیں دیتے تھے جب تک کہ ان سے یہ نہ کہا جاتا کہ صبح ہوگئی صبح ہوگئی۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقت آنے سے پہلے اذان دے دے تو اس کی اذان سن کر کھانے پینے سے رکنا نہیں چاہئے، کیونکہ روزہ رکھنے والے کیلئے صبح صادق سے پہلے تک کھانے پینے کی گنجائش ہے، آپ ﷺ نے اس حدیث میں یہی بات بتائی ہے کہ بلالؓ وقت آنے سے پہلے اذان دے دیتے ہیں اور ابن مکتومؓ وقت آنے پر اذان دیتے ہیں لہٰذا اذان فجر کے سلسلہ میں ابن مکتومؓ کی ہی اذان معتبر ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح بلالا ینادی، حضرت بلالؓ لوگوں کو تہجد کے لئے بیدار کرنے یا سحری کھانے پر متنبہ کرنے کے لئے طلوع صبح صادق سے پہلے اذان دے دیتے تھے، ینادی ابن مکتومؓ، حضرت ابن مکتومؓ طلوع فجر کے بعد اذان دیتے تھے، اصبحت اصبحت، چونکہ عبداللہ بن مکتوم نابینا تھے لہٰذا جب ان کو دوسرے لوگوں کے ذریعہ یقینی طور پر معلوم ہوجاتا کہ اذان فجر کا وقت ہوگیا ہے تبھی وہ اذان دیتے تھے۔

قبل از وقت اذان کا مسئلہ

اذان کا وقت آنے سے پہلے اذان دینا درست نہیں ہے، البتہ اذان فجر کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک دوسری نمازوں کی طرح فجر کی نماز میں بھی وقت آنے سے پہلے اذان دینا جائز نہیں، اگر کسی نے وقت سے پہلے اذان دے دی تو دوبارہ اذان دینا ضروری ہے۔

دلیل : "اِنَّ بِلَالاً اَذَّنَ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَاَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَنْ يَرْجِعَ فَيُنَادِىَ اَلَا اِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ" (ابوداؤد)

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک فجر کی اذان قبل از وقت جائز ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

دلیل: ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیث باب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ طلوع فجر سے پہلے ہی اذان دیا کرتے تھے، لہٰذا اذان فجر قبل از وقت جائز ہے۔

جواب: حضرت بلالؓ کی اذان نماز فجر کے لئے نہیں تھی، بلکہ سحری کی اطلاع دینے کے لئے تھی، چنانچہ حدیث کے الفاظ خود اس بات پر شاہد ہیں کہ حضرت بلالؓ کا فجر کے وقت سے پہلے اذان دینا ماہ رمضان کے ساتھ مخصوص تھا، چنانچہ بخاری کی روایت سے اور زیادہ وضاحت ہوتی ہے، "لَا يَمْنَعَنَّ اَحَدَكُمْ اَوْ اَحَداً مِّنْكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سُحُوْرِهٖ فَاِنَّهٗ يُؤَذِّنُ اَوْ يُنَادِىْ بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ" (یعنی حضرت بلالؓ کی اذان سن کر سحری کھانے سے نہ رکو، اس لئے کہ بلال کے اذان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو شخص تم میں سے تہجد پڑھ رہا ہے وہ سحری کھانے کے لئے گھر چلا جائے اور جو سو رہا ہے وہ بیدار ہوجائے)

مذہب حنفیہ کی وجہ ترجیح: مذہب حنفیہ قرآن سے ثابت شدہ قانون کلی کے مطابق ہے، نیز اس مذہب پر عمل کرنے سے تمام روایات پر عمل ہوجاتا ہے۔

حدیث نمبر ۶۳۱ ﴿بلال کی اذان سن کر سحری سے نہ رکو﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۸۱

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ

سُحورِكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الفَجْرُ المُسْتَطِيلُ وَلٰكِنَّ الفَجْرَ المُسْتَطِيرَ فِي الْاُفُقِ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَفْظُهُ لِلتِّرْمِذِيِّ.

حوالہ: مسلم ص ۳۵۰، باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر، کتاب الصیام، حدیث ۱۰۹۴۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو بلالؓ کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے، اور نہ دراز صبح (صبح کاذب) روکے، لیکن آسمان کے کناروں میں پھیلی ہوئی فجر (صبح صادق) کے بعد رک جاؤ، اسکو مسلم نے نقل کیا ہے الفاظ ترمذی کے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت بلالؓ وقت فجر کی آمد سے پہلے اذان دیتے ہیں، ان کے اذان دینے کا مقصد یہ نہیں ہوتا ہے کہ اذان سن کر روزہ رکھنے والے کھانے پینے سے رک جائیں بلکہ انکے اذان دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جولوگ سو رہے ہوں وہ نماز تہجد اور سحری کے لئے بیدار ہوجائیں اور جو لوگ مسجد نبوی ﷺ میں تہجد میں مشغول ہوں وہ بھی سحری کھانے کے لئے متنبہ ہوجائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لایمنعنکم، اصل میں لا یمنعکم ہے یہ نفی ہے یا پھر نہی ہے، مطلب یہ ہے کہ بلال کی اذان کے بعد بھی تم لوگ سحری کھاتے رہو اس وجہ سے کہ بلالؓ صبح صادق سے پہلے صبح کاذب میں اذان دیتے ہیں اور صبح کاذب میں وقت فجر شروع نہیں ہوتا ہے، صبح کاذب کا مطلب ہے آسمان میں لمبائی میں روشنی ہونا، یہ روشنی تھوڑی دیر کے بعد غائب ہوجاتی ہے اسکے کچھ دیر کے بعد فجر صادق طلوع ہوتا ہے۔ (مرقات ص ۱۷۵ ج ۲)

حدیث نمبر ۶۳۲ ﴿سفر میں بھی اذان دینا چاھئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۸۲

وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِيْ، فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِيْمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا، رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ۸۸ ج ۱، باب من قال لیؤذن فی السفرمؤذن واحد، کتاب الاذان، حدیث ۶۸۸، مسلم ج: ۱، باب من احق بالامامۃ، کتاب المساجد، حدیث ۶۷۴۔

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے چچا زاد بھائی دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا جب تم دونوں سفر میں ہوتو اذان دواور تکبیر کہواور تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اذان وتکبیر کا سفر وحضر ہر جگہ اہتمام کرنا چاہئے اور امام اس کو بنانا چاہئے جو لوگوں میں سب سے زیادہ نیک وصالح ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا سافرتما فأذنا: سفر کرنیوالے دولوگ ہیں اور اذان واقامت کی نسبت دونوں طرف ہو رہی ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں جتنے لوگ ہوں سب کو اذان کہنا چاہئے، یہ حدیث کا ظاہری مفہوم ہے لیکن منشاء رسول یہ ہے کہ اذان واقامت کی لیاقت دونوں میں ہے لہٰذا دونوں میں سے جو کوئی چاہے اس امر کو انجام دے، لیکن امامت کے معاملہ میں اس بات کا لحاظ رہے کہ جو شخص افضل ہو وہ امامت کرے، ولیؤمکما حضرت حویرثؓ اور ان کے چچازاد بھائی دونوں علم وتقوی میں مساوی ہوں گے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا جو بڑا ہو وہ امامت کرے۔

حدیث نمبر ۶۳۳ ﴿حضور ﷺ کی طرح نماز پڑھنا چاھئیے﴾ عالمی حدیث ۶۸۳

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم صَلُّوا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ وَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ

فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ وَ لْيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

حوالہ: بخاری ص ۸۸ ج ۱، باب الاذان للمسافر، کتاب الاذان، حدیث ۶۳۱.

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اور جب نماز کا وقت آجائے تو چاہئے کہ تم میں سے کوئی شخص اذان دے، پھر تمہاری امامت وہ شخص کرے جو تم میں سب سے بڑا ہو۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں پوری کوشش کرنا چاہئے کہ آپ ﷺ کے مشابہ نماز ہو، نیز امام اس کو بنانا چاہئے جو علم اور عمر میں بڑا ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح صلوا کمارأیتمونی: یعنی شرائط وارکان کی رعایت اسی طرح کرو جس طرح میں کرتا ہوں، لیؤمکم اکبرکم، جو بڑا ہو اس کو امام مقرر کرنا چاہئے، بڑائی سے مراد فضیلت ہے، علم وتقویٰ میں اگر کوئی بڑا ہے ہے تو اس کو امام بنایا جائے گا، اگر دو لوگ یا چند لوگ ایسے ہوں جو علم وفضل میں برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو گا اس کو امام بنایا جائے گا۔

حدیث نمبر ۶۳۴ ﴿قضا نماز کے لئے اذان کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۸۴

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وسَلَّم حِينَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ سَارَ لَيْلَةً حَتّٰى اِذَا اَدْرَكَهُ الْكَرٰى عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ اِكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَ فَصَلّٰى بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهُ وَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّم وَاَصْحَابُهُ فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اِسْتَنَدَ بِلَالٌ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ مُوَجِّهَ الْفَجْرِ فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَلَا اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ حَتّٰى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَكَانَ اَوَّلَهُمْ اِسْتِيْقَاظًا فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَ اَىْ بِلَالٌ فَقَالَ بِلَالٌ اَخَذَ بِنَفْسِىْ اَلَّذِىْ اَخَذَ بِنَفْسِكَ قَالَ اِقْتَادُوْا فَاقْتَادُوْا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وَاَمَرَ بِلَالًا فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ مَنْ نَسِىَ الصَّلٰوةَ فَلْيُصَلِّهَا اذا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰه تعالىٰ قَالَ وَاَقِمِ الصلٰوةَ لِذِكْرِى رواه مسلمٌ.

حل لغات: قَفَلَ (ض) قفولاً، من السفر ونحوه، لوٹنا، واپس ہونا، الکریٰ اونگھ، نیند، ج اکراء۔

اِکلأ امر حاضر ہے، کلأ (ف) کلأ، اللّٰه فلاناً، اللہ تعالیٰ کا کسی کی حفاظت کرنا، یہاں آپ نے رات کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے، یعنی ایسا نہ ہو کہ سونے کی حالت میں فجر کا وقت نکل جائے۔

حوالہ: مسلم ص ۲۳۸ ج ۱، باب قضاء صلاۃ الفائتۃ، کتاب المساجد، حدیث ۶۸۰.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر چلتے رہے، جب آپ کو اونگھ آگئی تو آپ ﷺ اترے، اور حضرت بلالؓ سے کہا کہ ہماری رات کی حفاظت کرنا، حضرت بلالؓ نے جتنی ان کے لئے مقدر کی گئی تھی نماز پڑھی، اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سو گئے جب فجر نزدیک ہوئی تو حضرت بلالؓ نے فجر کی طرف منہ کر کے اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگائی، حضرت بلالؓ پر نیند غالب آگئی درانحالیکہ وہ اپنی سواری کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے نہ رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور نہ بلالؓ بیدار ہوئے اور نہ ہی آپؐ کے اصحاب میں سے کوئی بیدار ہوا، یہاں تک کہ ان کو دھوپ پہنچی تو سب سے پہلے حضور ﷺ بیدار ہوئے، آپ ﷺ گھبرا گئے اور کہا اے بلال! تجھے کیا ہوا؟ حضرت بلالؓ نے جواب دیا جس چیز نے آپ پر غلبہ کیا اسی چیز نے میرے اوپر بھی غلبہ

پالیا، آپ نے فرمایا اپنے اونٹوں کو آگے بڑھالو تو صحابہؓ نے اپنی سواریوں کو آگے بڑھالیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور بلالؓ کو حکم دیا تو انہوں نے نماز کے لئے تکبیر کہی، پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص نماز بھول جائے تو جب یاد آئے اس وقت اس کو پڑھ لے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نماز مجھے یاد کرنے کے لئے قائم کرو۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر نماز کسی وجہ سے فوت ہوجائے تو جوں ہی یاد آئے فوراً پڑھ لینا چاہئے، اگر وقت مکروہ میں یاد آئی ہے تو اتنی دیر ٹھہرا رہنا چاہئے کہ وقت مکروہ گذر جائے، قضا نماز میں بھی اذان واقامت کا اہتمام کرنا چاہئے

کلمات حدیث کی تشریح من غزوۃ خیبر: محرم الحرام ۷ھ میں غزوہ خیبر واقع ہوا، آپ ﷺ نے خیبر کا محاصرہ کرلیا اور یہ محاصرہ دس روز سے کچھ زائد دن قائم رہا پھر اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، استند بلال الی راحلته، حضرت بلالؓ پر رات جاگنے اور نماز کی کثرت سے ادائیگی کی بناء پر کچھ ضعف لاحق ہوگیا چنانچہ انہوں نے سواری پر ٹیک لگالی، پھر ان پر نیند طاری ہوگئی، اور وہ حضور ﷺ کو فجر کی نماز کے لئے بیدار نہ کرسکے، فکان رسو ل اللہ ﷺ اولهم استیقاظاً، سب سے پہلے حضورؐ بیدار ہوئے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے بیدار ہونے سے پہلے حضور ﷺ کے بیدار ہونے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ "نفوس زکیہ" پر وقتی طور پر بشری پردے پڑ جاتے ہیں لیکن وہ پردے بہت جلد زائل ہوجاتے ہیں اور جو نفس جتنا پاک باز ہوتا ہے اس پر سے اتنی ہی جلدی پردے زائل ہوجاتے ہیں۔ (مرقات ص ۱۷۷ ج ۲)

فقال ای بلال: یہاں عتاب محذوف ہے یعنی کیوں سوگئے اے بلالؓ؟ ہماری نماز چھوٹ گئی۔ **فقال بلالؓ**، حضرت بلالؓ نے معذرت کرتے ہوئے حضور ﷺ سے بتایا کہ میرا سونا بلا اختیار تھا، جان بوجھ کر میں نہیں سویا، اقتادوا، حضور ﷺ نے اس جگہ نماز نہیں پڑھی بلکہ اس جگہ سے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور آگے جاکر نماز پڑھی۔

حضور ﷺ نے جائے قیام پر نماز کیوں نہیں پڑھی؟

آپ ﷺ نے بیدار ہونے کے بعد اسی وقت اسی مخصوص جگہ میں نماز کیوں نہیں پڑھی اس سلسلہ میں ائمہ کے جوابات مختلف ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ وہ جگہ آپ ﷺ کو شیطان کی وادی معلوم ہوئی، لہٰذا آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ اس شیطان کے اثرات والی جگہ سے نکل چلو دوسری جگہ چل کر نماز پڑھیں گے۔

احناف کا مذہب: وہ وقت مکروہ تھا اس لئے حضور ﷺ نے اس وقت میں نماز نہیں پڑھی۔

ائمہ ثلاثہ کا جواب: شیطان تو ہر جگہ ساتھ رہتا ہے حتیٰ کہ عین نماز میں بھی ساتھ رہتا ہے اس لئے اصل علت وقت مکروہ کا ہونا ہی ہے اور اسی علت کی بناء پر آپ ﷺ نے اس وقت نماز نہیں پڑھی۔

وامر بلال: حضرت بلالؓ کو حضور ﷺ نے حکم دیا؛ چنانچہ انہوں نے اقامت کہی اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قضا نماز کے لئے اذان نہیں ہے۔

قضا نماز کے لئے اذان ہے یا نہیں

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک قضا نماز کے لئے صرف اقامت ہے اذان نہیں ہے۔

دلیل: امام مالک کی دلیل حدیث باب ہے اس میں اقامت کا تذکرہ ہے، اذان کا تذکرہ نہیں ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک قضا نماز کے لئے اذان واقامت دونوں ہے۔

دلیل: (۱) إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَالًا بِالْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ (۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ فَلْيُصَلِّهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيهَا

فِیْ وَقْتِهَا، ان دودلیلوں کے علاوہ اور بہت سی دلیلیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان بھی قضا نماز میں ہوگی، نیز عقل کا بھی یہی تقاضا ہے اس وجہ سے کہ اذان واقامت نماز کی سنتیں ہیں نہ کہ وقت کی، پھر وقت کے فوت ہونے سے اذان بھی فوت ہوجائے صحیح نہیں۔

من نسی الصلوٰۃ فلیصلھا: اگر کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو اس کو چاہئے کہ جب یاد آجائے پڑھ لے۔

اوقات مکروھہ میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک اوقات ثلاثہ مکروہہ میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

دلیل: جمہور کی دلیل حدیث باب ہے "فلیصلھا اذا ذکرھا" اسکا عموم بتارہا ہیکہ اگر اوقات مکروہہ میں نماز یاد آئی تو بھی پڑھی جائیگی۔

احناف کا مذہب: احناف کے نزدیک اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

دلیل: ثَلٰثُ سَاعَاتٍ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَنْهَانَا اَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ" اس کے علاوہ بہت سے دلائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

جواب: ہمارے دلائل محرم ہیں اور جمہور کے دلائل مبیح ہیں اور محرم و مبیح میں جب تعارض ہو تو محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اشکال: حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے" تَنَامُ عَيْنَایَ وَالْقَلْبُ يَقْظَانُ" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے، پھر یہ کیسے ہوگیا کہ فجر کا وقت نکل گیا اور آپ ﷺ سمجھ نہیں سکے؟

جواب: (۱) طلوع شمس کا ادراک حسیات سے ہوتا ہے یعنی اس کو آنکھ سے دیکھ کر سمجھا جاتا ہے دل سے نہیں اور چونکہ آپ ﷺ کی آنکھیں سورہی تھیں اس لئے آپ کو وقت کی اطلاع نہیں ہوسکی۔ (۲) قلب کی بیداری سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو نیند کی حالت میں اگر حدث پیش آتا تو اس کا احساس ہوجاتا تھا، لہٰذا آپ کی نیند ناقض وضو نہیں تھی، طلوع شمس وغیرہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

حدیث نمبر ۶۳۵ ﴿تکبیر میں مقتدیوں کا کھڑا ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۸۵

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِیْ قَدْ خَرَجْتُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۸۸ ج ۱، باب متی یقوم الناس اذا رأو الامام عند الاقامۃ، کتاب الاذان، حدیث ۶۳۷، مسلم شریف ص ۲۳۰ ج ۱، باب متی یقوم الناس للصلوٰۃ، کتاب المساجد، حدیث ۶۰۴۔

ترجمہ: حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تکبیر کہی جائے تو نہ کھڑے ہو، یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو کہ میں حجرے سے نکل آیا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مقتدیوں کو نماز کے لئے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جب امام کو آتا دیکھ لیں اور اگر امام پہلے سے مسجد میں موجود ہے تو جب امام کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھ لیں تو کھڑے ہوجائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا: آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ بلال اقامت شروع کریں تو کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں مجھے دیکھ لو اگر میں حجرہ سے باہر نکل آیا ہوں تو کھڑے ہوجاؤ۔

استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے آپ کے اس فرمان کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت بلالؓ تکبیر کہنے میں جلدی کرتے تھے حضور کا حجرہ مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا، حضرت بلالؓ آپ ﷺ کے حجرہ کی طرف رخ کرکے بیٹھے رہتے اور جب یہ محسوس کرتے کہ پیغمبر علیہ السلام تشریف لارہے ہیں تو فوراً تکبیر شروع کردیتے، تکبیر شروع کرنے پر لوگ کھڑے ہوجاتے، لیکن ایسا بھی ممکن [illegible]

حضرت بلالؓ کو غلط فہمی ہوجائے مثلاً حجرہ مبارک کا پردہ ہوا سے ہل گیا حضرت بلالؓ سمجھیں کہ پردہ اٹھا ہے اور آپ تشریف لا رہے ہیں، کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ نے آنے کا ارادہ کیا حضرت بلالؓ کو آہٹ محسوس ہوئی لیکن آپ ﷺ کو کوئی بات یاد آ گئی اور آپ ﷺ واپس ہوگئے، اس لئے آپ نے ان چیزوں کا سدباب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلالؓ کی تکبیر پر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں جب تک مجھے نہ دیکھ لو، مجھے دیکھنے کے بعد ہی کھڑے ہو۔ (ایضاح البخاری ص ۱۲۷۔۱۲۸ ج ٤)

مقتدی کب کھڑے ہوں؟

آج کل جو صورت ہمارے دیار میں رائج ہے کہ امام مصلّٰی پر آتا ہے تب تکبیر شروع ہوتی ہے، ایسی صورت میں مستحب یہ ہے کہ مقتدی تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہوجائیں اور صفیں درست کرلیں، اگر تکبیر شروع ہوتے ہی نہیں کھڑے ہوں گے تو صفوں کی درستگی نہیں ہو پائے گی اگر امام تکبیر کے بعد اور تحریمہ سے پہلے صفیں درست کرنے کی طرف توجہ دیتا ہے تو یہ طریقہ بھی حضور ﷺ سے ثابت ہے، کیونکہ پیغمبر علیہ السلام سے صفوں کی درستگی کیلئے تکبیر کے بعد توقف منقول ہے، لیکن آپ ﷺ کا عام طریقہ یہی تھا کہ صفوں کی درستگی کا اہتمام تکبیر ختم ہونے سے پہلے فرمالیتے اور تکبیر کے اختتام کے معاً بعد تکبیر تحریمہ کہتے۔

امام شافعیؒ سے مقتدی کے قیام کے لئے تکبیر سے فراغت کے بعد کا قول منقول ہے امام مالک سے ''قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا منقول ہے، اسی طرح امام ابوحنیفہ سے حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کا قول منقول ہے، لیکن ان تمام اقوال کا حاصل مقتدی کے قیام کی آخری حد ذکر کرنا ہے، یعنی اس کے بعد تاخیر کی گنجائش قطعاً نہیں ہے اور جہاں تک تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونیکا مسئلہ ہے تو اس میں سب کا اتفاق ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ یہ زیادہ بہتر ہے۔

حنفیہ کے قول ''حی علی الصلوٰۃ'' پر کھڑے ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں ''وَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ اِحْتِرَازٌ عَنِ التَّاخِيْرِ لَا التَّقْدِيْمِ حَتّٰى لَوْ قَامَ اَوَّلَ الْاِقَامَةِ لَا بَأْسَ'' (طحاوی علی الدر المختار ص ۲۲۵ ج ۱)

ظاہر یہ ہے کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں تاخیر نہ کرے، یہ مطلب نہیں ہے کہ حی علی الصلوٰۃ سے پہلے کھڑا نہ ہو، چنانچہ تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ آداب صلوٰۃ سے متعلق ہے اور اس میں توسع ہے لیکن کچھ لوگوں نے اس مسئلہ میں کم علمی کی وجہ سے تنگی پیدا کردی ہے چنانچہ وہ اپنے عمل سے ظاہر کرتے ہیں کہ حی علی الصلوٰۃ ہی پر کھڑا ہونا واجب ہے اس سے پہلے کھڑا ہونا درست نہیں، اور اس میں اتنا تشدد برتتے ہیں کہ اگر اقامت کے دوران بھی آتے ہیں تو کھڑے نہیں رہتے بلکہ نماز پڑھنے کی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں اور حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ طریقہ خلاف سنت ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب عطا فرمائے۔

حدیث نمبر ٦٣٦ ﴿نماز میں دوڑتے ہوئے شامل نہ ہونا چاہئے﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٨٦

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّى اللّٰه عَلَيْهِ وسَلَّم اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَاْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَاْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ فَما اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ يَعْمِدُ اِلَى الصَّلٰوةِ فَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ.

حوالہ: بخاری :ص:نمبر ١٢٤ ج ١، باب المشی الی الجمعة، کتاب الجمعة، حدیث ٩٠٨. مسلم ص ٢٣٠ ج ١، استحباب اتیان الصلوٰة بوقار و سکینة، کتاب المساجد، حدیث ٦٠٢.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو نماز کے لئے دوڑتے ہوئے مت آؤ، بلکہ چلتے ہوئے آؤ، اور تمہارے اوپر سکون واطمینان اختیار کرنا لازم ہے تو جو نماز تم امام کے ساتھ پاؤ اس کو پڑھ لو اور جو نماز چھوٹ جائے اس کو پورا کرو۔ (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک دوسری راویت میں ہے بلاشبہ تم میں سے کوئی شخص جب نماز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نماز میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں بھاگتے ہوئے آکر شرکت نہ کرنا چاہئے بلکہ سکون واطمینان سے آکر نماز میں شامل ہونا چاہئے اگر کسی وجہ سے نماز کا کوئی حصہ چھوٹ بھی گیا تو اس کو مکمل جماعت میں شرکت کا ثواب ملے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح اِذا اُقیمت الصلوٰۃ فلا تاتوھا تسعون: یعنی جب نماز کھڑی ہوجائے تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ، یہاں سعی سے منع کیا گیا ہے، سعی کی دو قسمیں ہیں (۱) دوڑتے اور لپکتے ہوئے آنا یہ مکروہ ہے۔ (۲) اطمینان وسکون کے ساتھ چلتے ہوئے آنا یہ مستحب ہے یہاں جس سعی سے منع کیا گیا ہے وہ دوڑنا اور لپکنا ہے اور قرآن کریم کی جن آیات میں سعی کا حکم ہے مثلاً ''فاسعو الیٰ ذکر اللّٰہ'' وہاں دوسرے معنی مراد ہیں جیسے کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے قرآن کریم میں اذان سنتے ہی جس سعی کا حکم دیا ہے وہ حدیث میں مذکور سعی کے علاوہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں مذکور سعی کی تفسیر ''مشی'' یعنی چلنے کی گئی ہے اور حدیث میں مذکور سعی کی تشریح ''عدو'' یعنی دوڑنے سے کی گئی ہے اور دوڑنا چلنے کے مقابل میں ہوتا ہے، اسی بناء پر حدیث میں کہا گیا ہے دوڑتے ہوئے نہ آؤ البتہ چلتے ہوئے آؤ۔ (فتح الباری ص ۴۱۸ ج ۳)

سوال: اگر کوئی شخص تکبیر اولیٰ میں شرکت کرنا چاہتا ہے اور بغیر دوڑے فوت ہونے کا خطرہ ہے تو وہ کیا کرے؟

جواب: ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ایسا شخص دوڑ سکتا ہے کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ سے منقول ہے ''فَاِنَّ عُمَرَ سَمِعَ الْمَقَالَةَ بِالْبَقِیْعِ فَاَسْرَعَ اِلَی الْمَسْجِدِ'' حضرت عمرؓ ایک دن بقیع میں تھے کہ وہیں انہوں نے تکبیر کی آواز سنی وہ لپک کر مسجد پہونچے جب کہ بعض دیگر لوگوں نے حدیث کے باب کے پیش نظر یہی موقف اختیار کیا ہے کہ ایسے شخص کو اطمینان سے چلتے ہوئے آنا چاہئے، اگرچہ تکبیر تحریمہ فوت ہوجائے، وقار کے ساتھ چلتے ہوئے آکر نماز میں شامل ہونے کی وجہ سے اگر تکبیر تحریمہ بھی فوت ہوگئی تو بھی تکبیر تحریمہ میں شرکت کا ثواب ملے گا لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ اتفاقاً نماز میں تاخیر ہوگئی ہو، اگر کسی نے دیدہ ودانستہ تاخیر کی ہے تو اس کو تکبیر تحریمہ میں شامل نہ ہونے کی صورت میں ثواب سے محرومی ہوگی۔ (مرقات ص ۱۸ ج ۲)

نماز کا اصل حق تو یہ ہے کہ آدمی پہلے سے نماز کیلئے تیار رہے اور تکبیر تحریمہ سے قبل ہی صف میں موجود رہے، تاکہ نماز کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ میں شامل ہوسکے۔

اذا کان یعمد الی الصلوٰۃ، نمازی جب نماز کا ارادہ کرتا ہے اسی وقت سے حکم اور ثواب کے اعتبار سے نماز میں شامل مانا جاتا ہے۔

وھذا الباب خال عن الفصل الثانی

اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔ صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ صاحب مصابیح کو سنن میں اس فصل کے مناسب درجہ حسن کی روایات نہیں ملیں، اس لئے فصل ثانی قائم نہیں کیا۔ (مرقات: ص: ۱۸۰ ج: ۲)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۶۳۷ ﴿فوت شدہ نماز کی قضا لازم ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۸۷

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمْ قَالَ عَرَّسَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وسَلَّم لَیْلَةً بطَرِیْق مَکَّةَ وَوَکَّلَ بلالاً اَنْ یوْقِظَھُمْ

لِلصَّلٰوۃِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَرَقَدُوْا حَتّٰی اِسْتَیْقَظُوْا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَیْهِمُ الشَّمْسُ فَاسْتَیْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدْ فَزِعُوْا فَاَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اَنْ یَرْکَبُوْا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْ ذَالِكَ الْوَادِیْ وَقَالَ اِنَّ هٰذَا وَادٍ بِهٖ شَیْطَانٌ فَرَکِبُوْا حَتّٰی خَرَجُوْا مِنْ ذَالِكَ الْوَادِیْ ثُمَّ اَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اَنْ یَنْزِلُوْا وَاَنْ یَتَوَضَّؤُا وَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ یُنَادِیَ لِلصَّلٰوۃِ اَوْ یُقِیْمَ فَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم بِالنَّاسِ ثُمَّ اِنْصَرَفَ وَقَدْ رَاٰی مِنْ فَزَعِهِمْ فَقَالَ یَااَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا اِلَیْنَا فِیْ حِیْنٍ غَیْرِ هٰذَا فَاِذَا رَقَدَ اَحَدُکُمْ عَنِ الصَّلٰوۃِ اَوْ نَسِیَهَا ثُمَّ فَزِعَ اِلَیْهَا فَلْیُصَلِّهَا کَمَا کَانَ یُصَلِّیْهَا فِیْ وَقْتِهَا ثُمَّ اِلْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اِلٰی اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ فَقَالَ اِنَّ الشَّیْطَانَ اَتٰی بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ لَمْ یَزَلْ یُهْدِئُهٗ کَمَا یُهْدَءُ الصَّبِیُّ حَتّٰی نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم بِلَالًا فَاَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم مِثْلَ الَّذِیْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اَبَا بَکْرٍ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا۔

حوالہ: موطا امام مالك ص ٥ ،باب النوم عن الصلوٰۃ، کتاب وقوت الصلوٰۃ ،حدیث ٢٦.

ترجمہ: حضرت زید بن اسلمؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات سفر مکہ کے دوران آرام کرنیکے لئے اترے اور حضرت بلالؓ کو نماز کے وقت لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے مقرر فرمادیا، حضرت بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی اور لوگ سو چکے تھے، یہاں تک کہ جب دھوپ نکل آئی تو لوگ جاگ گئے پھر لوگ جاگتے ہی گھبرا گئے ان کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اپنی سواریوں پر بیٹھ کر اس وادی سے نکل جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وادی ایسی ہے جس پر شیطان کا تسلط ہے، تو لوگ سواریوں پر سوار ہو کر اس وادی سے نکل گئے پھر رسول اللہ ﷺ نے سواریوں سے اترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا اور حضرت بلالؓ کو اذان دینے اور اقامت کہنے کا حکم دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی، پھر رسول اللہ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کو گھبرایا ہوا دیکھا تو کہا اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں قبض کر لی تھیں اگر وہ چاہتا تو ہماری طرف اس وقت سے پہلے واپس کر دیتا پس اگر تم میں سے کوئی شخص نماز کے وقت سو تا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے پھر نماز کی طرف سبقت کرے، تو اسکو چاہئے کہ وہ اس نماز کو اسی طرح پڑھے جیسے کہ اس کو وقت میں پڑھتا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ ابو بکر صدیقؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بلاشبہ شیطان بلال کے پاس اس حال میں آیا کہ بلال کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، پھر اس نے بلالؓ سے ٹیک لگوائی پھر برابر ان کو تھپکتا رہا جیسے بچے کو تھپکا جاتا ہے یہاں تک کہ بلالؓ سو گئے پھر رسول اللہ ﷺ نے بلال کو بلایا تو بلالؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اسی کے مثل بتایا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کو بتایا تھا تو اس پر ابو بکر صدیقؓ بول اٹھے میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے سو جانے کی وجہ سے فجر کی نماز فوت ہو گئی جب بیدار ہوئے کچھ دور جا کر قضا نماز پڑھی معلوم ہوا کہ اگر نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضا لازم ہے۔

کلمات حدیث: بطریق مکہ: یہ لفظ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ حدیث نمبر ۶۳۴ کے تحت جو واقعہ مذکور ہوا وہ اس کے علاوہ ہے اس وجہ سے کہ وہ واقعہ خیبر اور مدینہ کے درمیان پیش آیا تھا اور یہ واقعہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پیش آیا۔

و کّل بلالاً: بلالؓ کو لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے اس وجہ سے مقرر کیا تھا کہ مؤذن وقت کا زیادہ بہتر طور پر خیال رکھتا ہے۔

فرقد بلالٌ: بلالؓ کافی دیر تک جاگتے رہے لیکن پھر ان پر بھی نیند طاری ہو گئی، ورقدوا، نبی پاک ﷺ اور انکے اصحاب بلال کے

بھروسہ پر سوتے رہے، ان ینادی للصلوٰۃ او یقیم، اس جگہ ''او'' واؤ کے معنی میں ہے یعنی اذان واقامت دونوں کو جمع کرنیکا حکم دیا ہے اسکی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بلالاً بالاذان و الاقامۃ'' فلیصلھا کما کان یصلیھا، اس سے معلوم ہوا کہ جہری نماز کی قضا میں بھی تلاوت جہری ہوگی اور سری نماز کی قضا میں تلاوت آہستہ ہوگی۔ ان الشیطان اتی بلالاً، شیطان بلالؓ کے پاس آیا اور اس نے حضرت بلالؓ کی اونٹ پر ٹیک لگوادی جس کی بناء پر حضرت بلالؓ سو گئے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب لوگوں کے سوئے رہنے اور اس کی وجہ سے نماز کے فوت ہوجانے کے بارے میں ان حضرات نے پہلے تو غفلت طاری کرنے کی نسبت اللہ کی طرف کی، جو یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کرلیا تھا، یعنی ہمارے اوپر سخت نیند مسلط کردی تھی، لیکن بعد میں آنحضرت ﷺ نے اس غفلت طاری کرنے کی نسبت شیطان کی طرف کی یعنی یوں فرمایا کہ شیطان نے آکر بلالؓ پر ایسا اثر کیا کہ انہوں نے ٹیک لگائی اور پھر تھپک تھپک کر انکو سلا دیا تو یہ تعارض کیسا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کے درمیان درحقیقت تعارض کوئی نہیں ہے بلکہ یہ خلق افعال کا مسئلہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ سب لوگوں پر غفلت کی نیند طاری ہوجائے تو اس نے شیطان کو قادر کردیا وہ تھپکنے وغیرہ کے ذریعہ وہ اسباب مہیا کردے جو نیند اور غفلت طاری کردیتے ہیں اسی چیز کو آنحضرت ﷺ نے الگ الگ انداز میں ظاہر فرمایا ہے۔ (مظاہر حق ص ۵۹۳ ج ۱)

حدیث نمبر ۶۳۸ ﴿موذن مسلمانوں کی نمازروزہ کا ذمہ دار ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۸۸

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ مُعَلَّقَتَانِ فِيْ اَعْنَاقِ الْمُؤَذِّنِيْنَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صِيَامُهُمْ وَصَلَاتُهُمْ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ ص ۵۲ ،باب الاذان و السنۃ فیہ ، کتاب سنۃ الاذان، حدیث ۷۱۲.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی دو چیزیں موذن کی گردنوں میں لٹکی ہوئی ہیں اور وہ مسلمانوں کے روزہ اوران کی نمازیں ہیں۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دو اہم عبادتوں یعنی روزہ اور نماز کی ذمہ داری موذن کی کاندھوں پر ہے، عام طور پر لوگ سحری کھانے میں اسی وقت ہاتھ روکتے ہیں جب موذن کی اذان سنتے ہیں اسی طرح موذن کی اذان سن کر افطار کرتے ہیں۔ نماز میں بھی لوگ موذن کی اذان سن کر ہی مسجد میں آتے ہیں، لہٰذا موذن کو اپنی اس ذمہ داری کا خاص خیال رکھ کر وقت پر اذان دینے کا اہتمام کرنا چاہیئے، موذن کی غفلت سے لوگوں کی نمازوں اور روزوں کے فساد کا خطرہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فی اعناق المؤذنین: موذن کی ذمہ دو چیزیں ثابت ہیں، معلقتان، ''خصلتان'' کی صفت ہے صیامھم و صلاتھم یہ ''خصلتان'' کا بیان ہے یا بدل ہے یعنی جو دو خصلتیں موذن کے ذمہ لازم ہیں۔ وہ روزہ اور نماز ہیں۔ ان دونوں فرائض کا وقت پر ادا ہونا موذن کی اذان پر موقوف ہے۔

باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ

مسجدوں اور نماز کی جگہوں کا بیان: اس باب میں مساجد کی اہمیت وعظمت سے متعلق احادیث ہیں جو کام مسجد میں ممنوع ہیں اور مسجد کی حرمت کے منافی ہیں اجمالا ان کا تذکرہ بھی ہے، یوں تو روئے زمین پر ہر جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، لیکن خارجی اسباب کی وجہ سے چند جگہوں پر نماز پڑھنا ممنوع ہے، اس باب کے تحت حدیث میں ان کا بھی ذکر ہے۔

مساجد کی فضیلت: مساجد سے متعلق باب کے تحت بہت سی احادیث ہیں ان کے علاوہ ایک حدیث یہ بھی ہے ''اَلْمَسَاجِدُ

سُوْقٍ مِنْ سُوْقِ الْآخِرَةِ مِنْ دَخَلَهَا كَانَ ضَيْفَ اللّٰهِ الخ (مسجدیں آخرت کے بازاروں میں سے بازار ہیں جو شخص مسجد میں داخل ہو گیا وہ اللہ کا مہمان ہے) اس کی مہمانی مغفرت ہے اور اس کیلئے تحفہ تعظیم وتکریم ہے، مساجد کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا " تَذْهَبُ الْاَرْضُوْنَ كُلُّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا الْمَسَاجِدُ فَاِنَّهَا يَنْضَمُّ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ " (قیامت کے دن ساری زمینیں چلی جائیں گی سوائے مساجد کے کہ وہ سب آپس میں مل جائیں گی اور ایک جگہ جمع ہو جائیں گی)۔

مساجد سے متعلق چند مسائل

کوئی کافر مسجد کا متولی اور منتظم نہیں ہو سکتا ہے، البتہ تعمیر مسجد میں غیر مسلم سے بھی کام لیا جا سکتا ہے اگر کوئی غیر مسلم مسجد میں چندہ دے تو اگر کسی دینی یا دنیوی نقصان یا اس کے احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو تو لیا جا سکتا ہے۔

مساجد میں سب سے زیادہ ثواب بیت اللہ میں نماز پڑھنے کا ہے پھر مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں، پھر شہر کی جامع مسجد میں پھر محلہ کی مسجد میں اس کی تفصیل آگے آرہی ہے، لیکن یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ محلہ والوں کے لئے اپنے محلہ میں نماز پڑھنا چاہئے، محلہ کی مسجد چھوڑ کر جامع مسجد نہ جانا چاہئے اسی طرح اپنے گھر سے جو مسجد قریب ہو اس میں نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

مسجد میں اشعار پڑھنا، گم شدہ چیز تلاش کرنا، خرید وفروخت کرنا جنازہ کی نماز پڑھنا، بدبودار چیز کا استعمال کر کے آنا یہ سب درست نہیں ہیں، مسجد آنے اور جانے کے حوالے سے باب کے تحت جو احادیث آرہی ہیں ان میں دعائیں مذکور ہیں ان دعاؤں کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے۔ بقیہ مباحث باب کے تحت دیکھئے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۶۳۹ ﴿خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۸۹

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ دَعَا فِي نَوَاحِيْهِ كُلِّهَا وَلَمْ يُصَلِّ حَتّٰى خَرَجَ مِنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِيْ قُبُلِ الْكَعْبَةِ وَقَالَ هٰذِهِ الْقِبْلَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْهُ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ.

حوالہ: بخاری ص ۵۷ ج ۱، باب قول اللہ عزوجل واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۳۹۸، مسلم ص ۴۲۹ ج ۱، باب استحباب دخول الکعبۃ للحاج وغیرہ الخ کتاب الحج ،حدیث ۱۳۳۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس کے تمام کونوں میں دعا کی اور خانہ کعبہ میں نماز پڑھی یہاں تک کہ اس سے نکل آئے، جب خانہ کعبہ کے باہر آگئے تو خانہ کعبہ کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا یہ قبلہ ہے (بخاری، مسلم نے اس روایت کو اسامہ بن زید سے نقل کیا ہے۔)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی۔ مسلمانوں کا قبلہ کعبہ ہے کعبہ کی سمت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا فرض ہے، قیامت تک یہی قبلہ رہے گا اب کبھی قبلہ بدلے گا نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح دخل النبی ﷺ البیت، بیت سے مراد خانہ کعبہ ہے یہ تمام مساجد سے زیادہ افضل ہے اور ایک قول ہے کہ یہ اللہ کے عرش سے بھی زیادہ افضل ہے، **ولم یصل**، آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں نماز نہیں پڑھی۔

تعارض: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی جبکہ اگلی حدیث عبداللہ بن عمر کی ہے اس میں الفاظ ہیں" ثم صلی "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھی؛ بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض معلوم ہو رہا ہے۔

دفع تعارض: (۱) عبداللہ بن عمر کی حدیث مثبت ہے اور حدیث باب نافی ہے، لہٰذا حدیث مثبت کو ترجیح دی جائے گی۔

(۲) حدیث باب کے راوی میں یہاں ابن عباس کا ذکر ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو حضور ﷺ سے حضرت اسامہ بن زید نے روایت کیا ہے اور اسامہ بن زید سے حضرت ابن عباس نے روایت کیا ہے؛ مسلم شریف میں "**عن ابن عباس عن اسامة بن زید**" کی صراحت بھی ہے، اصل میں آپ ﷺ نے حضرت اسامہ کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کے بعد پانی لانے کے لئے بھیجا تھا تاکہ دیواروں پر بنی ہوئی تصویروں کو دھو کر صاف کر دیا جائے، ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اسی عرصہ میں نماز پڑھی ہو اور اسامہ بن زید نے علم نہ ہونے کی وجہ سے کہا ہو کہ حضور ﷺ نے کعبہ میں نماز نہیں پڑھی، اور ابن عباسؓ نے اسامہ کا واسطہ حذف کر کے کہا کہ حضور ﷺ نے خانہ کعبہ میں نماز پڑھی۔ (مرقات ص ۱۸٤ ج ۲)

بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کا مسئلہ

بیت اللہ کے اندر نفل نماز پڑھنے میں تو امت کا اتفاق ہے، البتہ فرض نماز پڑھنے کے حوالے سے اختلاف منقول ہے۔

امام مالکؒ و احمدؒ کا مذہب: مالکیہ وحنابلہ کے یہاں خانہ کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دلیل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ" (اپنے چہرے کو خانہ کعبہ کی طرف پھیر لو) معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ کا استقبال فرض ہے اور خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے میں اگر ایک جہت سے استقبال ہے تو دوسری جہت سے استدبار بھی ہے، نیز حدیث سے ثابت بھی نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں کوئی فرض نماز پڑھی ہو، نفل نماز پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، لیکن فرض کو نفل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ جو گنجائش نفل میں ہے وہ فرض میں نہیں ہے مثلاً نفل نماز بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے اور فرض نماز بیٹھ کر بلا عذر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک خانہ کعبہ میں نفل کی طرح فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ" آیت میں اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم ہے یہ آیت اپنے اطلاق وعموم کی وجہ سے فرائض ونوافل سب نمازوں کو شامل ہے، لہٰذا بیت اللہ کے اندر فرض نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

مالکؒ کی دلیل کا جواب: نماز کی صحت کے لئے قبلہ کا استقبال شرط ہے، استقبال قبلہ میں استیعاب شرط نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھ رہا ہے تو قبلہ کا استقبال کر رہا ہے اور قرآن مجید کی آیت "فولوا وجوھکم شطرہ" پر عمل کر رہا ہے۔

امام مالکؒ کی طرف سے یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ فرض کو نفل پر قیاس نہیں کیا جائے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قیاس کی بناء پر بیت اللہ میں فرض نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں بلکہ قرآن مجید کی مذکورہ آیت "ان طھربیتی الخ" سے استدلال کر کے خانہ کعبہ میں فرض نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ (مستفاد التعلیق الصبیح ص ۳۰٦ ج ۱)

حنفیہ کا مذہب: کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے میں بے ادبی ہے لہٰذا نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی یعنی نماز پڑھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

شوافع کا مذہب: شوافع کے نزدیک کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیوں کہ بیت اللہ کا استقبال نہیں ہو پاتا ہے، البتہ اگر سامنے سترہ ہو تو پھر ان کے نزدیک نماز درست ہے، کیوں کہ اس صورت میں بیت اللہ کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے۔

جواب: احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ قبلہ آسمان تک ساری فضا ہے، لہٰذا بلا سترہ بھی کراہت کیساتھ نماز درست ہے۔

حدیث نمبر ۶۴۰ ﴿خانہ کعبہ کے اندر آپ ﷺ کا نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث ۶۹۱

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ وَبِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ فَاَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيْهَا فَسَاَلْتُ بِلَالاً حِيْنَ خَرَجَ مَاذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَعَلَ عُمُوْداً عَنْ يَسَارِهِ وَعُمُوْدَيْنِ عَنْ يَمِيْنِهِ وَثَلَاثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَاءَهُ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى متفقٌ عليهِ.

حوالہ: بخاری: ص: ۷۲، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ حدیث ۵۰۵؛ مسلم شریف ص ۴۲۸، باب استحباب دخول الکعبۃ، کتاب الحج، حدیث ۱۳۲۹.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے ساتھ اسامہ بن زیدؓ، بلالؓ اور عثمان بن طلحہ حجبیؓ تھے، پھر عثمان بن طلحہؓ نے اندر سے دروازہ بند کر دیا، آپ ﷺ کعبہ کے اندر کچھ دیر ٹھہرے رہے، پھر جب آپ ﷺ باہر نکلے تو میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے کعبہ کے اندر کیا کام کیا؟ تو انہوں نے بتلا دیا کہ آپ ﷺ نے ایک ستون اپنی بائیں جانب رکھا اور دو ستون اپنی دائیں جانب رکھا، اور تین ستونوں کو اپنے پیچھے کی جانب رکھا اور اس زمانہ میں بیت اللہ میں چھ ستون تھے، پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں دو باتیں معلوم ہوئی ہیں (۱) رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی (۲) آپ ﷺ نے ستونوں کے درمیان نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے، اسی طرح ستونوں کے درمیان بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فَاَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيْهَا، آپ کے بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد عثمان بن طلحہؓ نے بیت اللہ کے دروازہ کو بند کر دیا تا کہ دوسرے لوگ اندر نہ آسکیں، اور زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ ہو، بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد کچھ دیر تک آپ وہاں ٹھہرے رہے۔

فقال جعل عمودا عن یسارہ، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ستونوں کے درمیان نماز پڑھی ہے، جبکہ اسکے علاوہ روایات ہیں جنمیں ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہے، مثلا ابن ماجہ میں روایت ہے "عن معاویۃ بن قرہ عن ابیہ قال کنا نُنْهٰى اَنْ نَصُفَّ بَيْنَ السَّوَارِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَنُطْرَدُ عَنْهَا طَرْداً" (ابن ماجہ ص ۷۰)

معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ستونوں کے درمیان صف بنانے سے منع کرتے تھے اور سختی کے ساتھ اس کام سے روکتے تھے، اسی تعارض کو دور کرتے ہوئے امام بخاری نے حدیث باب کو جس باب کے تحت نقل کیا ہے اسی باب میں "غیر جماعۃ" کی قید لگا دی ہے، یعنی ستونوں کے درمیان جماعت سے نماز پڑھنا درست نہیں ہے، البتہ اگر کوئی منفرد ستونوں کے درمیان نماز پڑھ رہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، معلوم ہوا ممانعت کا تعلق جماعت سے ہے اور جواز کا تعلق انفرادی حالت میں ہے، ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی یہ توجیہ امام بخاری سے منقول ہے اس مسئلہ سے متعلق دیگر مباحث کے لئے دیکھئے۔

(عمدۃ القاری ص ۲۸۶ ج ۴)

حدیث نمبر ۶۴۱ ﴿مسجد نبوی کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۹۲

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلَاةٍ

فِيما سِواهُ الَّا المَسجِدَ الْحَرامَ متفقٌ عليه.

حواله: بخارى ص ١٥٩، باب فضل الصلوٰة فى مسجدمكة والمدينة،حديث ١١٩٠، مسلم ص ٤٤٦، باب فضل الصلوٰة بمسجد مكة والمدينة، كتاب الحج حديث ١٣٩٤.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کا سب سے زیادہ ثواب مسجد نبوی میں ملتا ہے، البتہ اس حکم سے مسجد حرام مستثنیٰ ہے، دیگر مسجدوں میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے جو ثواب ملتا ہے، مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: صلاة فى مسجدى هذا، آپ ﷺ نے یہاں اسم یعنی "مسجدی" اور اشارہ یعنی "ھذا" دونوں کو جمع کرکے فرمایا کہ میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اسم اور اشارہ دونوں کے جمع ہونے کیوجہ سے علماء میں کچھ اختلاف ہوگیا ہے، اشارہ سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ فضیلت اس خطۂ ارضی کیلئے مخصوص ہے جو آپ کے دور میں موجود تھا اور جسکی طرف آپ ﷺ نے اشارہ کیا ہے، ایسی صورت میں آپ ﷺ کے بعد جس حصہ کی تعمیر ہوئی اسمیں نماز پڑھنے کا یہ ثواب نہ ہوگا، اور اسم یعنی "مسجدی" سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ فضیلت اس تمام خطۂ ارضی کیلئے ہے جس پر مسجد نبوی کا اطلاق ہوتا ہے، علامہ نوویؒ نے اشارہ کو اغلب کہا ہے اسلئے ان کی رائے یہ ہے کہ یہ فضیلت صرف اسی خطۂ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو آپ ﷺ کے زمانہ میں مسجد کہا جاتا تھا، بعد کے اضافے اس میں شامل نہیں ہیں اور حنفیہ نے اسم کو اغلب قرار دیا ہے، لہٰذا بعد کے اضافات کے ساتھ جن حصوں پر بھی مسجد نبوی کا اطلاق ہوتا ہے وہ سب حصے اس فضیلت میں شامل ہوں گے۔

تعارض: اس حدیث میں مسجد نبوی کے سلسلہ میں "خير من الف صلوٰة" کا ذکر ہے اور ابن ماجہ میں "خمسين الف" کا ذکر ہے دونوں میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے۔

جواب: (۱) رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہزار درجہ فضیلت کی وحی آئی، پھر پچاس ہزار درجہ فضیلت کی وحی آئی، (۲) عدد میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوتا کہ ایک کے ذکر کرنے سے دوسرے کی نفی ہوجائے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں، بعض لوگوں نے یہ بھی جواب دیا ہے کہ اخلاص کے اعتبار سے تفاوت کی وجہ سے ثواب میں بھی تفاوت ہوجاتا ہے۔

الا المسجد الحرام: مسجد نبوی ساری مسجدوں سے ایک ہزار درجہ افضل ہے لیکن اس سے مسجد حرام مستثنیٰ ہے، مسجد حرام کے استثنا کا کیا مطلب ہے؟ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ استثنا کا مطلب یہ ہے کہ مسجد نبوی مسجد حرام سے ایک ہزار درجہ افضل نہیں ہے بلکہ ایک ہزار درجہ سے کم افضل ہے، یعنی سو دو سو درجہ افضل ہے، امام مالک اس سلسلہ میں بہت سی دلیلیں دیتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسجد نبوی حضور ﷺ کی جائے صلوٰۃ ہے اور اس کی تعمیر آپ ﷺ نے فرمائی ہے؛ جب کہ مسجد حرام حضرت ابراہیم کی جائے صلاۃ ہے اور انہیں کی تعمیر کردہ ہے، اور حضور ﷺ کی جائے صلاۃ اور ابراہیم کی جائے صلاۃ میں افضلیت حضور کی ہی جائے صلاۃ کو ہوئی۔ جمہور کہتے ہیں کہ مسجد نبوی دوسری مسجدوں سے افضل ہے، مسجد حرام سے افضل نہیں ہے، استثنیٰ کا یہ مطلب ہے۔

جمہور دلائل دیتے ہیں ان میں سے ایک قرآن مجید کی آیت ہے "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ الآية" اس آیت میں مسجد حرام کی مختلف اعتبار سے افضلیت ثابت کی گئی ہے اور جہاں تک امام مالکؒ کے دلائل ہیں ان سے مسجد نبوی کی جزوی فضیلت ثابت ہوتی ہے کلی اعتبار سے مسجد حرام ہی افضل ہے۔

حدیث نمبر ٦٤٢ ﴿تین مسجدوں میں نماز کی فضیلت﴾ عالمی حدیث ٦٩٣

وَعَنْ اَبِی سَعِیدِ الخُدرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلیٰ ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الاَقْصیٰ وَمَسْجِدِیْ هذا متفقٌ علیه.

حوالہ: بخاری ص ۱۵۸ ج ۱، باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ و المدینۃ، کتاب التھجد، حدیث ۱۱۹۰، مسلم شریف ص ۴۳۳ ج ۱، باب سفر المرأۃ مع محرم الیٰ حج و غیرہ، حدیث ۸۲۷، کتاب الحج.

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ بالا تین مساجد بہت مقدس ہیں، لہٰذا ان مقامات کی زیارت سے برکت حاصل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے ان کی طرف سفر کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب و مستحسن ہے، ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے سفر کر کے جانا درست نہیں کسی اور دینی یا دنیوی غرض سے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تشد الرحال، "شد" کے معنی باندھنا اور "رحال" کے معنی کجاوہ، مطلب یہ ہے کہ کجاوے نہ باندھو اور کجاوے سفر کے وقت باندھے جاتے ہیں، حاصل یہ نکلا کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کرو ان تین مسجدوں کی عظمت کا تقاضہ ہے کہ ان کی طرف بالقصد سفر کر کے جایا جا سکتا ہے۔

سوال: روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جمہور کے نزدیک روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے سفر کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے، حدیث ابن عمر ہے "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ" علامہ ابن تیمیہؒ اور غیر مقلدین حدیث باب کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے بھی سفر کرنا جائز نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث باب میں جو حصر ہے وہ حصر اضافی ہے، یعنی مساجد کے اعتبار سے ہے، تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کر کے نماز کے لئے جانا یہ بے فائدہ ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی اور غرض سے کسی جگہ جانا ممنوع ہے، چنانچہ ایک حدیث ہے جس میں " لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلیٰ مَسْجِدٍ" کی صراحت موجود ہے۔

سوال: زیارت قبور کے لئے سفر جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اولیاء کرام کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنا بھی جائز ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں جس طرح حالت حیات میں اولیاء اور صلحا کی زیارت کے لئے سفر جائز ہے اسی طرح مرنے کے بعد ان کے مقابر کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔ (احیاء العلوم)

حدیث نمبر ٦٤٣ ﴿آپ کی قبر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کا ٹکڑا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٩٤

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِیْ علیٰ حَوْضِیْ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری: ص: ۱۵۹ ج ۱، باب فضل ما بین القبر و المنبر، کتاب التھجد حدیث ۱۱۹۶، مسلم شریف ص ۴۴۶ ج ۱، باب ما بین القبر و المنبر روضۃ من ریاض الجنۃ، حدیث ۱۳۹۱

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض کے اوپر ہے۔ (بخاری و مسلم)

کلمات حدیث کی تشریح مابین بیتی ومنبری "بیت" سے مراد آپ ﷺ کی رہائش گاہ ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ بیت سے مراد قبر مبارک ہے، کیونکہ ایک دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں "مابین قبری و منبری الخ"

دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے اس وجہ سے کہ آپ کی قبر بھی آپ کی رہائش گاہ ہی ہے "روضة من رياض الجنة" آپ کی رہائش گاہ اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اس جزء کو بعض لوگ حقیقت پر محمول کرتے ہیں اور بعض لوگ تاویل کرتے ہیں جو لوگ تاویل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حدیث کے اس جزء کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ میں عبادت کرنا جنت میں دخول کا سبب ہے اسی وجہ سے اس کو جنت کا ایک ٹکڑا کہا گیا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ" (جنت تلواروں کے سایہ میں ہے) یعنی جہاد جنت میں دخول کا سبب ہے اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "فَاِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا" (جنت ماں کے قدموں کے تحت ہے) یعنی ماں کی خدمت دخول جنت کا سبب ہے۔

جو لوگ حدیث کے اس جزء کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ جگہ بعینہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے مسجد نبوی میں اتارا ہے اور جس طرح حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے پتھر ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی تو یہ دوبارہ جنت میں چلے جائیں گے اسی طرح یہ جگہ بھی فنا ہوگی بلکہ یہ بھی جنت میں منتقل ہو جائے گی۔

اشکال: اگر زمین کا یہ حصہ جنت کا ٹکڑا ہے تو جنت کی خصوصیت ہے کہ اس میں بھوک پیاس کا احساس نہیں ہوتا ہے تو اس جگہ بھوک د پیاس اور دیگر حوائج کا تقاضہ کیوں ہوتا ہے۔

جواب: دنیا میں آنے کے بعد اس جگہ کے اندر جنت کے خصائص کامل طریقہ پر باقی نہیں ہیں، جیسا کہ حجر اسود کے خصائص دنیا میں آنے کے بعد ختم ہو گئے، حدیث میں آتا ہے کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم دونوں جنت کے یاقوت ہیں اگر ان کے نور کو ختم نہ کیا جاتا تو ان سے مشرق و مغرب سب منور ہو جاتا؛ ایک دوسری حدیث میں روایت ہے کہ حجر اسود یاقوت تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی سفیدی کو سیاہی سے بدل دیا تاکہ لوگ دنیا میں جنت کی زینت کا مشاہدہ نہ کر سکیں اور ان کا ایمان بالغیب باقی رہے۔

ومنبري علىٰ حوضي، اس جزء کے بھی دو مفہوم ہیں (۱) حقیقت پر محمول کیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ منبر کو قیامت کے دن حوض کوثر پر رکھا جائے گا اور اس منبر پر آپ ﷺ تشریف فرما ہوں گے (۲) تاویل کی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ منبر نبوی کے پاس عبادت کا التزام حوضِ کوثر سے سیرابی کا سبب ہے۔

حدیث نمبر ٦٤٤ ﴿مسجد قبلی کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٩٥

وَعَنْ اِبْنِ عمرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَا شِياً وَ رَاكِباً فَيُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاري شريف ص ١٥٩، باب مسجد قباء، كتاب التهجد، حديث نمبر ١١٩٣، مسلم شريف ص ٤٤٨ ج ١، باب فضل مسجد قباء، كتاب الحج حديث ١٣٩٩.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر شنبہ کے دن پیدل یا سوار ہو کر مسجد قبا تشریف لاتے تھے، پھر اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر شنبہ کو مسجد قبا میں نفل نماز کی ادائیگی کے لئے تشریف لے جاتے تھے، مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح "قبا" مدینہ سے تین میل دوری پر ایک آبادی کا نام ہے، ماشیا و راکبا، آپ ﷺ مسجد قبا میں پیدل تشریف لاتے تھے اور کبھی کبھی سوار ہو کر بھی آتے تھے، فيصلي فيه ركعتان، تحیۃ المسجد یا اور کوئی دو

رکعت نفل نماز ادا فرماتے تھے ایک حدیث میں ہے کہ مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔

آپ ﷺ شنبہ کے دن مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے، صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ یہیں سے معلوم ہوا کہ صلحاء کی زیارت کے لئے شنبہ کے دن حاضر ہونا سنت ہے۔ (مرقاۃ ص ۱۹۲ ج ۲)

حدیث نمبر ۶۴۵ ﴿مسجد اللہ کی پسندیدہ جگہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۹۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰه مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا. رواه مسلمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص ۲۳۶ ج۱، باب فضل الجلوس فی مصلاہ بعد الصبح وفضل المساجد، کتاب المساجد حدیث ۶۷۱.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک شہروں کی سب سے محبوب جگہیں مساجد ہیں اور اللہ کے نزدیک شہروں کی سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں وہاں کے بازار ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مساجد اللہ کی عبادت کی جگہیں ہیں اس وجہ سے یہ اللہ کو بے حد محبوب ہے اور جو لوگ یہاں رہتے ہیں وہ لوگ اللہ کے نزدیک پسندیدہ لوگ ہیں اسکے بالمقابل بازار اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انتہائی ناپسندیدہ جگہ ہے، جو لوگ بے مصرف یہاں وقت گذاری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح احب البلاد، "بلاد" سے مراد وہ جگہ ہے جہاں انسان سکونت اختیار کرتا ہے، محبت اور بغض سے مراد یہ ہے کہ مساجد والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا معاملہ کرتا ہے اور بازار والوں کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ کرتا ہے۔

اور یہ اکثری معاملہ ہے ورنہ اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھ کر غیبت کرتا ہے تو وہ اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہے اسی طرح اگر کوئی شخص حلال روزی کی تلاش میں بازار کا رخ کرتا ہے تو وہ اللہ کے یہاں مبغوض نہیں بلکہ محبوب ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ کا فرمان ہے "کُنْ مِمَّنْ یَّکُوْنُ فِی السُّوْقِ وَقَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِی الْمَسْجِدِ" یعنی اس شخص کی طرح ہو جاؤ جو بازار میں رہتا ہے لیکن اس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے اس کے برعکس نہ ہونا چاہئے، کہ آدمی مسجد میں رہے اور دل بازار میں لگا رہے اور جو شخص جسم اور دل دونوں کے ساتھ مسجد میں حاضر ہو تو یہ شخص کامل ترین ہے۔ (تلخیص مرقات ص ۱۹۲ ج۱)

سوال: شہروں میں بت کدہ شراب خانے وغیرہ بھی ہوتے ہیں انکو ناپسندیدہ جگہ قرار نہیں دیا، بازار کو ناپسندیدہ جگہ قرار دیا۔

جواب: بازار کا بنانا مباح اور جائز ہے جبکہ بت کدہ اور شراب خانہ بنانا حرام ہے، یہاں جن جگہوں کا بنانا مباح ہے ان کے اعتبار سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار کو قرار دیا ہے۔

حدیث نمبر ۶۴۶ ﴿اللہ کے لئے مسجد بنانے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۶۹۷

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰی لِلّٰهِ مَسْجِداً بَنَی اللّٰهُ لَهٗ بَیْتاً فِی الْجَنَّةِ متفقٌ علیه.

حوالہ: بخاری ص ۶۴ ج۱، باب من بنی مسجداً، کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۵۰، مسلم ۲۰۱ ج۱، باب فضل بناء المساجد، کتاب المساجد حدیث ۶۷۱.

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لے جنت میں

گھر بناتا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص خالص اللہ کی رضا جوئی کے لئے مسجد بناتا ہے، نام و نمود مقصود نہیں ہوتا ہے ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بناتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مسجد کی تعمیر کا جو ثواب ہے وہ اسی وقت ہے جب نیت خالص ہو، اگر شہرت اور ریا کاری کی غرض سے مسجد بنائی گئی ہے تو ثواب نہیں ملے گا، محدثین لکھتے ہیں کہ جو شخص مسجد پر اپنا نام کندہ کراتا ہے تو اس بات کی علامت ہوگی کہ اس نے مسجد اللہ کی رضا جوئی کے لئے نہیں بنائی ہے، مسجداً نکرہ لائے ہیں یہ تقلیل کے لئے ہے، یعنی چھوٹی سی چھوٹی مسجد اخلاص کے ساتھ بنائی گئی ہے تو اس پر ثواب ملے گا، بنی اللّٰہ له بیتاً یہاں ''بیتا'' کی تنوین تکثیر کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا'' جس طرح دنیا کے تمام گھروں میں سب سے عمدہ گھر مسجد ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ جنت کے تمام گھروں میں مسجد بنانے والے کا سب سے عمدہ گھر بنائیں گے۔ (مرقاۃ ص ۱۹۳ ج ۲)

حدیث نمبر ٦٤٧ ﴿مسجد آنے والوں کا مقام و مرتبہ﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٩٨

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری شریف ص ۹۱ ج ۱، فضل من خرج الی المسجد و من راح، کتاب الاذان، حدیث ٦٦٢، مسلم ص ۲۳۵ ج ۱، باب فضل الصلاۃ المکتوبة، حدیث ٦٦٥ کتاب المساجد.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، اور مسجد میں آنے والے اللہ کا مہمان ہیں، ہر شریف آدمی اپنے مہمان کی قدر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ تو اکرم الاکرمین ہیں وہ اپنے مہمانوں کی قدر کیوں نہ کریں گے، اللہ تعالیٰ اپنے مہمانوں کی میزبانی فرماتے ہیں لیکن یہ دنیا دار العمل ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے انعامات مسجد میں آنے والوں کو آخرت میں ملیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح من غدا الی المسجد او راح ''غدا'' کے معنی صبح کے وقت آنا، اور ''راح'' کے معنی شام کے وقت آنا، یہاں صبح و شام کا ذکر ہے، لیکن مراد مستقل آمد و رفت ہے، یعنی جو شخص مسجد میں مستقل آمد و رفت رکھتا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ یہ کرم کا معاملہ فرماتے ہیں، جیسے قرآن کریم میں جنت میں روزی ملنے کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا'' آیت میں اہل جنت کو صبح و شام رزق دینے کا ذکر ہے، لیکن مراد یہ ہے کہ ان کو مستقل روزی مہیا رہے گی۔ (التعلیق الصبیح ص ۳۰۹ ج ۱)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً مسجد میں آنے والے کو یہ سعادت حاصل ہوگی لیکن مقصد حدیث یہ ہے کہ عبادت کی غرض سے مسجد آنیوالے کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ وہ اللہ کا مہمان ہوگا۔ (فتح الباری ص ۳۹ ج ۳)

نزله: نون اور زا دونوں کے ضمہ کے ساتھ وہ مکان جو مہمان کے ٹھہرانے کے لئے تیار کیا جائے، اگر زا کے سکون کے ساتھ پڑھیں تو جو چیز بھی مہمان کے لئے تیار کی جائے ''نزل'' کہلائے گی، پہلے معنی مراد لیں تو ''من الجنة'' کا من تبعیض کے لئے ہوگا اور اگر دوسرے معنی مراد لئے جائیں تو من بیانیہ ہو۔ (مرقات ص ۱۹۳ ج ۲)

حدیث نمبر ٦٤٨ ﴿مسجد آنے کے لئے چلنے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ٦٩٩

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلٰوةِ اَبْعَدُهُمْ فَاَبْعَدُهُمْ

مَمْشًى وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ متفقٌ عليه.

حواله:بخاری ص ۹۰، باب فضل صلاة الفجر فی جماعة، کتاب الاذان ،حدیث ۶۵۱، مسلم۲۳۵ ج، باب فضل صلاة المکتوبة فی جماعة، کتاب المساجد،حدیث ۶۶۲.

ترجمه: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا''لوگوں میں نماز کے اجر کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ دور ہو پھر جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آئے؛ اور جو شخص نماز کے انتظار میں رہتا ہے تاکہ اس کو امام کے ساتھ پڑھے وہ ثواب میں اس شخص سے بڑھا ہوا ہے جو نماز پڑھ کر سو جاتا ہے۔(بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص نماز کیلئے جتنی زیادہ دور سے مسجد آئے گا، اس کو اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ قریب کی مسجد چھوڑ کر دور جایا جائے؛ بلکہ اگر گھر سے قریب مسجد ہے تو اسی میں نماز پڑھنا افضل ہے؛ اس حدیث میں درحقیقت ان لوگوں کو تسلی دی گئی ہے جن کے گھر مسجد سے دور ہوں اور وہ دور دراز کی مسافت طے کر کے مسجد آتے ہوں۔ اسی طرح وہ شخص بھی اجر کثیر کا مستحق ہے جو جماعت کے انتظار میں جاگتا رہتا ہے اور جماعت سے نماز پڑھ ہی کر سوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اعظم الناس اجراً، جتنا زیادہ دور گھر ہوگا اور جتنی کلفت برداشت کریگا، اتنا ہی ثواب میں اضافہ ہوگا، ابوداؤد شریف ص ۸۲ پر ''باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلوة'' کے تحت ایک روایت ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک صحابی بہت دور سے مسجد آکر پابندی کیساتھ جماعت سے نماز پڑھا کرتے تھے، حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ میں نے انسے کہا کہ ایک گدھا خرید لیجئے انہوں نے کہا کہ میں اسکو پسند نہیں کرتا کہ میرا گھر مسجد نبوی سے قریب ہو جائے، جب یہ خبر حضور ﷺ کو پہونچی تو انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں چاہتا ہوں کہ میرا مسجد میں جانا اور لوٹنا سب عبادت میں لکھا جائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اَعْطَاكَ اللّٰهُ ذَالِكَ كُلَّهٗ وَالَّذِيْ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ'' جو شخص نماز پڑھکر سو جاتا ہے اسکے مقابلہ میں اس شخص کا ثواب بہت زیادہ ہے جو پہلے سے نماز کا انتظار کر رہا ہے، یا ایک نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے

حدیث نمبر ۶۴۹ ﴿مسجد کی طرف چل کر جانے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۰۰

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَلَتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَأَرَادَ بَنُوْ سَلِمَةَ أَنْ يَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ فَبَلَغَ ذَالِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ بَلَغَنِيْ أَنَّكُمْ تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ قَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ أَرَدْنَا ذَالِكَ فَقَالَ يَا بَنِيْ سَلِمَةَ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ رواه مسلمٌ.

حواله: مسلم ص ۲۳۵ ج ۱، باب فضل کثرة الخطا الی المسجد،حدیث ۶۶۵.

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے آس پاس کچھ مکان خالی ہوئے، تو بنوسلمہ نے مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہا، اس کی اطلاع نبی پاک ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا مجھے معلوم ہوا کہ تم لوگ مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو، بنوسلمہ نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول! ہم نے یہی ارادہ کیا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، اے بنوسلمہ تم اپنے گھروں میں ہی رہو، تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں، تم اپنے گھروں ہی میں رہو تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں۔(مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد تک آنے میں آدمی جتنے قدم بھی چلتا ہے تو ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے، اس لئے دور سے مسجد آنا یہ قریب سے مسجد آنے سے ثواب میں بڑھا ہوا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح خلت البقاع حول المسجد، مسجد نبوی کے آس پاس کچھ مکانات مکینوں کے انتقال مکانی یا وفات کی وجہ سے خالی ہو گئے، فاراد بنو سلمة، انصار مدینہ کے خاندان کا نام ہے ان لوگوں کے مکان مسجد

نبوی سے دور تھے، رات کی تاریکی، بارش بوندی اور سخت سردی میں ان کو مسجد آنے میں کافی مشقت اٹھانا پڑتی تھی لہٰذا ان میں سے کچھ لوگوں نے چاہا کہ مسجد نبوی کے پاس جو مکانات خالی ہوگئے ہیں ان میں سکونت اختیار کر لی جائے۔

فبلغ ذالك، بنوسلمہ کے انتقال مکانی کے ازادہ کی خبر بذریعہ وحی یا کسی کے خبر دینے سے آپ ﷺ کو ہوگئی، آپ ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ مدینہ کے اطراف خالی ہوجائیں، چنانچہ بنوسلمہ کو نقل مکانی سے باز رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دور سے مسجد آتے ہو اس میں تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے مسجد آنے کے لئے جو قدم بھی اٹھتا ہے وہ نیکی شمار ہوتا ہے، لہٰذا جتنے زیادہ قدم ہوں گے اتنی زیادہ نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

حدیث نمبر ۶۵۰ ﴿عرش کا سایہ پانے والے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۰۱

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِىْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِى اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّىْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ.

حواله: بخاری ص ۹۱ ج ۱، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰة، کتاب الاذان، حدیث ۶۶۰، مسلم ص ۳۳۱ ج ۱، باب فضل اخفاء الصدقة، کتاب الزکوٰة، حدیث ۱۰۳۱.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات طرح کے لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جس دن خدا کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا (۱) انصاف کرنے والا امام (۲) وہ جوان جو اللہ کی عبادت کرتے ہوئے پروان چڑھا (۳) وہ شخص جو مسجد سے باہر آتا ہے تو جب تک مسجد میں واپس نہیں چلا جاتا اس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے (۴) وہ دو انسان جنہوں نے اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کی اللہ ہی کے نام پر جمع ہوئے اللہ ہی کے نام پر علیحدہ ہوئے (۵) وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑتی ہیں (۶) وہ شخص جس کو کسی مرتبہ اور حسن والی عورت نے بلایا تو اس نے یہ کہہ کر اپنے کو گناہ سے بچالیا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں (۷) وہ شخص کہ جس نے اللہ کے لئے کچھ صدقہ دیا تو اس کو اتنا پوشیدہ رکھا کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہیں جان پایا جو داہنے ہاتھ نے خرچ کیا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن جب سورج قریب آجائیگا، لوگ اسکی تمازت کیوجہ سے بے چین ہونگے اسوقت اللہ تبارک وتعالیٰ سات طرح کے لوگوں پر فضل فرما کر انکو اپنا سایہ عطا فرمائینگے۔ انہیں اس سایہ میں راحت نصیب ہوگی اور ان کی بے چینی زائل ہوجائے گی، وہ سات طرح کے لوگ کون ہیں؟ تفصیل کے لئے تشریحی کلمات دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح سبعةٌ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ثواب مذکور کے ساتھ سات لوگ مخصو ہیں؛ علامہ کرمانی نے ان سات لوگوں کے ثواب مذکور کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ طاعت یا تو بندہ اور رب کے درمیان ہوگی، یا بندہ اور مخلوق کے درمیان ہوگی، اگر بندہ اور رب کے درمیان ہے تو یا تو زبان سے ہوگی اور وہ ذکر ہے، (اسکا بیان و رجل ذکر اللّٰہ میں ہے) یا دل سے ہوگی اور وہ مسجد میں دل کا معلق رہنا ہے (اسکا بیان و رجل قلبه الخ میں ہے) یا بدن سے ہوگی اور وہ عبادت پر پرورش پانا ہے (اسکا ذکر و شابٌ نشأ الخ میں ہے) اگر طاعت بندہ اور مخلوق کے درمیان ہے تو یا وہ بالکل عام ہوگی اور یہی عدالت ہے (اور اسکا ذکر امام عادل میں ہے) یا دل کیساتھ خاص ہوگی اور وہ محبت ہے (اسی کے ذکر و رجلان

تحابا الخ میں ہے) یا مال کیساتھ خاص ہوگی اور وہ صدقہ ہے (اسی کا ذکر و رجل تصدق الخ میں ہے) یا بدن کے ساتھ خاص ہوگی اور وہ عفت اور پاک دامنی ہے (اسی کا ذکر و رجل دعته امرأة الخ میں ہے) ان سات لوگوں کو علامہ ابوشامہؒ نے یوں نظم کیا ہے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ الْمُصْطَفٰى اِنَّ سَبْعَةً يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ الْكَرِيْمُ بِظِلِّهٖ
مُحِبٌّ عَفِيْفٌ نَاشِئٌ مُتَصَدِّقٌ وَ بَاكٍ مُصَلٍّ وَالْاِمَامُ بِعَدْلِهٖ

(فتح الباری ص ۳۲ ج۳)

اس حدیث میں سات کا عدد مذکور ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حصر کے لئے نہیں ہے، ان کے علاوہ بھی لوگ ہیں جن کے لئے خدا کے سایہ میں رہنے کی فضیلت مذکور ہے، مسلم شریف میں حدیث ہے "مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِراً اَوْ وَضَعَ لَهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ" جو شخص قرض دار کو مہلت دے گا یا قرض کو بالکلیہ معاف کر دے، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنے سایہ میں اس دن جگہ عنایت فرمائیں گے جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

حافظ ابن حجرؒ نے خدا کے زیر سایہ رہنے والوں کو شمار کرایا تو دس سے بھی زائد نکلے؛ فتح الباری میں یہ شعر نقل کیا ہے۔

وَزِدْ سَبْعَةً: اِظْلَالُ غَازٍ وَعَوْنُهٗ وَاِنْظَارُ ذِیْ عُسْرٍ وَتَخْفِيْفُ حَمْلِهٖ
وَاِرْفَادُ ذِیْ غُرْمٍ وَعَوْنُ مُكَاتَبٍ وَتَاجِرٌ صَدَقَ فِی الْمَقَالِ وَفِعْلِهٖ

حافظ نے اس شعر کو نقل کرنے کے بعد جن لوگوں کا اس میں تذکرہ کیا ہے ان سے متعلق احادیث کے حوالے بھی نقل کئے ہیں، تحقیق کے لئے دیکھئے۔ (فتح الباری ص ۳۳ ج۳)

اشکال: حدیث میں "اظله الله فی ظله" کے الفاظ ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا سایہ ہے، حالانکہ یہ بات محقق ہے کہ سایہ جسم کا ہوتا ہے اور باری تعالیٰ جسم سے منزہ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے سایہ میں ہونے کا کیا معنی ہے؟

جواب: اس اشکال کے دو جواب مشہور ہیں (۱) اللہ کی طرف سایہ کی نسبت اضافت ملک ہے جیسے کعبۃ اللہ میں ہے اور مراد یہ ہے کہ اس دن جو بھی سایہ ہوگا وہ خدا کی طرف سے ہوگا، اگرچہ قیامت کے دن ساری چیزیں اللہ کی ملکیت میں ہوں گی؛ لیکن خصوصیت سے سایہ کی نسبت اپنی طرف کرنا سایہ کے امتیاز کو ذکر کرنے کے مقصد سے ہے، جیسے تمام مساجد اللہ کی ملکیت اور اللہ کے گھر ہیں، لیکن اس کے باوجود بیت اللہ کہا جاتا ہے یہ کعبہ کے شرف کو ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے (۲) "ظله" سے مراد اللہ کے عرش کا سایہ ہے بعض روایات میں اسناد حسن کے ساتھ "سبعة یظلهم الله فی ظل عرشه" کے الفاظ منقول ہیں، یہی زیادہ راجح قول بھی ہے۔

(فتح الباری ص ۳۳،۳۴ ج۳)

اشکال: عرش تو خدا کی عظیم ترین مخلوق ہے وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے پھر اس کے سایہ سے کچھ ہی لوگ کیوں مستفید ہوں گے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمائے گا، وہ جن لوگوں کو عرش کے سایہ سے فیض یاب فرمائے گا وہی فیض یاب ہوں گے اور جن لوگوں کو نہیں چاہے گا وہ عرش کے سایہ سے محروم رہیں گے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "ظل" کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ معنی مجازی مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ سات طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں ہوں گے، میدان محشر کی تمازت سے بے چین نہ ہوں گے۔

امام عادل: سایہ میں رہنے والے سات لوگوں میں سب سے پہلے امام عادل کا ذکر ہے، امام عادل کا سب سے پہلے تذکرہ اس وجہ سے کیا کہ اس کا نفع بہت عام ہوتا ہے حافظ ابن حجرؒ کے مطابق "عادل" کی سب سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی

اتباع کرتے ہوئے بغیر افراط وتفریط کے ہر چیز کو اس کی جگہ رکھے، یہاں مراد وہ شخص ہے جس کو مسلمانوں سے متعلق کسی معاملہ کا سربراہ بنایا گیا، تو اس نے معاملہ میں عدل سے کام لیا، اس کی تائید عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہوتی ہے، مسلم شریف میں حدیث ہے " اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَاوُلُوْا " امام عادل کی حدیث میں بہت زیادہ فضیلت آئی ہے، ایک روایت میں ہے "اَحَبُّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَقْرَبُهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ " وَشَابٌّ نَشَأَ، عرش کے سایہ میں رہنے والوں میں دوسرے وہ جوان ہے جو اللہ کی عبادت پر پروان چڑھا ہو، جوان کو اس وجہ سے مخصوص کیا کہ جوانی میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، اس عمر میں عبادت کا التزام بہت بڑا مجاہدہ ہے، امام احمدؒ کی یحیٰی بن قطان سے روایت ہے اس میں "بعبادة الله" کے الفاظ ہیں، اور عبیداللہ بن عمرؓ کی روایت "حتّٰى تُوُفِّيَ عَلٰى ذٰالِكَ کے الفاظ منقول ہیں، یعنی وہ جوان عرش کے سایہ میں ہوگا جو اللہ کی عبادت پر پروان چڑھا ہو اور عبادت ہی پر اس کو موت بھی آئی ہے، ایک روایت میں "ونشاطه" کے الفاظ بھی منقول ہیں، یعنی وہ جوان عرش کے سایہ میں ہوگا جس نے اپنی جوانی اور نشاط کی عمر اللہ کی عبادت میں لگادی، **ورجل قلبه معلق بالمسجد،** تیسرے وہ شخص عرش کے سایہ میں ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، یعنی اس کو مسجد سے اس قدر شدید محبت ہے کہ مسجد سے باہر رہتے ہوئے بھی اذان ونماز کا منتظر رہتا ہے اور جب مسجد سے باہر رہنے والے کا یہ اجر ہے تو جو شخص مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا ہے اس کا اجر کس قدر زیادہ ہوگا اس کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، **ورجلان تحابا فی الله،** چوتھے وہ دو لوگ عرش کے سایہ میں ہوں گے جو ایک دوسرے سے صرف اللہ کے لئے خلوص دل سے محبت رکھتے ہوں، ان کی محبت دنیا دکھانے کے لئے نہ ہو۔

اجتمعاعلى ذالك و تفرقا عليه، مطلب یہ ہے کہ ان دونوں لوگوں کی دینی محبت ہمیشہ ہمیش قائم رہی، کسی دنیوی عارض کی وجہ سے منقطع نہیں ہوئی، برابر ہے کہ حقیقتاً ان دونوں کی ملاقات ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، یہاں تک کہ موت نے ان کو ایک دوسرے سے جدا کردیا، **ورجل ذكر الله خاليا،** پانچویں وہ شخص بھی عرش کے سایہ میں ہوگا جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا اور اللہ کے خوف سے اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے، ذکر عام ہے خواہ دل سے ہو یا زبان سے ہو، تنہائی میں اللہ کو یاد کرنے کی اتنی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ یہ ریا اور شہرت سے پاک ہوتا ہے۔

ورجل دعته ذات، چھٹے وہ شخص عرش کے سایہ میں ہوگا جس کو کسی اچھے خاندان والی خوبصورت عورت نے دعوت دی اور اس نے اللہ کے خوف سے اس کی دعوت ٹھکرادی۔

دعوت دینے کے دو مطلب ہوسکتے ہیں (۱) زنا کی دعوت دی (۲) شادی کی دعوت دی، شادی کرنے میں اگر چہ کوئی گناہ نہیں لیکن اس کو یہ خوف ہے کہ عورت کے حسن وجمال کے چکر میں پڑ کر اللہ کی نافرمانی نہ ہونے لگے اس لئے دعوت کو ٹھکرادیا۔

حافظ نے دونوں احتمالات لکھ کر پہلے کو ترجیح دی ہے اور کہا کہ "وهو الاظهر" (فتح الباری ص ۳۵ ج ۳)

ورجل تصدق بصدقة، ساتویں وہ شخص بھی عرش کے سایہ میں ہوگا جو انتہائی رازداری کے ساتھ صدقہ کرتا ہو اگر نفلی صدقہ ہے تو رازداری سے دینا بہتر ہے اور اگر فرض صدقہ ہے تو سب کے سامنے دینا بہتر ہے، تاکہ لوگوں کو ترغیب بھی ہو اور لوگ اس کے بارے میں بدگمان بھی نہ ہوں، لیکن حسن نیت دونوں میں شرط ہے یعنی ریا کاری مقصود نہ ہو بلکہ رضاء الٰہی پیش نظر ہو، **حتىٰ لا تعلم شماله،** دائیں ہاتھ نے جو خرچ کیا بائیں ہاتھ کو بھی اس کی خبر نہیں ہوئی، اس کے دو مفہوم ہیں (۱) یا تو مبالغہ کے لئے فرمایا اور یہ مراد ہے کہ صدقہ انتہائی رازداری سے دینا چاہئے۔

(۲) یا پھر مطلب یہ ہیکہ اتنا چھپا کر خرچ کرتا ہے کہ جو لوگ بائیں طرف بیٹھے ہیں انکو بھی خبر نہیں ہوئی کہ دائیں طرف والوں کو کیا دیا

حدیث نمبر ۶۵۱﴿جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت﴾عالمی حدیث نمبر ۷۰۰۲

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلاَةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلاَتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَ فِيْ سُوْقِهٖ خَمْساً وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفاً وَذَالِكَ اَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لاَ يُخْرِجُهُ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وحُطَّ عنهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَإِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَادَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتِ الصَّلٰوةُ تَحْبِسُهُ وَزَادَ فِيْ دُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَالَمْ يُؤْذِ فِيهِ مَالَمْ يُحدِثْ فِيهِ متفقٌ عليه .

حوالہ: بخاری ص ۸۹ ج۱، باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ، کتاب الاذان حدیث ۶۴۷، مسلم ص ۲۳۴، باب فضل صلاۃ الجماعۃ و انتظار الصلاۃ، کتاب المساجد، حدیث ۶۴۹.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز انسان کے اپنے گھر کی یا اپنے بازار کی نماز سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر وہ مسجد کی طرف چلا اور صرف نماز پڑھنے کے ارادہ سے چلا ہو تو کوئی قدم نہیں اٹھاتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیتا ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ رہتا ہے فرشتے برابر اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اے اللہ اس پر رحمت نازل فرما، اور تم میں کا کوئی بھی جب تک نماز کی انتظار میں رہتا ہے تب تک برابر نماز ہی کی حالت میں شمار ہوتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز نے اس کو روکے رکھا، نیز ایک روایت میں فرشتوں کی دعا اس اضافہ کے ساتھ منقول ہے، اے اللہ اس کی مغفرت فرما، اے اللہ اس کی توبہ قبول کر لے، جب تک یہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، جب تک اس جگہ میں اس کا وضو نہ ٹوٹے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں تین چیزیں خاص طور پر ذکر کی گئی ہیں (۱) مسجد میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کا اجر تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں بہت بڑھا ہوا ہے لہٰذا نماز کی پابندی لازمی شئی سمجھنا چاہئے (۲) مسجد میں آنے کیلئے جو مسافت طے کرتا ہے تو اس راہ میں اٹھنے والا ہر قدم عند اللہ اس کے مقام و مرتبہ کو بڑھانے والا ہوتا ہے (۳) نماز کے انتظار میں بیٹھنا بہت بڑی سعادت ہے، جو لوگ نماز کے انتظار میں بیٹھتے ہیں تو وہ عند اللہ نماز کی حالت میں رہتے ہیں اور فرشتے ان کے حق میں دعا گو رہتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح: صلاۃ الرجل فی الجماعۃ، نماز کا پچیس درجہ ثواب اس وقت ملتا ہے جب کہ نماز کو جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھا جائے۔

تعارض: اس حدیث سے جماعت کے ساتھ نماز کی فضیلت پچیس درجہ معلوم ہوتی ہے جب کہ بخاری شریف میں اسی باب کے تحت روایت ہے "صَلاَةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلاَةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً" دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض: حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اسی سلسلہ میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں کون راجح ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ "خمس" والی روایت راجح ہے اس وجہ سے کہ اس کو روایت کرنے والے زیادہ لوگ ہیں، جب کہ ایک دوسرا قول ہے کہ "سبع" والی روایت راجح ہے، اس وجہ سے کہ اس کے رواۃ وصف عدالت اور حفظ میں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔

حافظؒ نے دونوں روایتوں میں تطبیق کی بھی چند شکلیں ذکر کی ہیں (۱) قلیل کا ذکر کثیر کے منافی نہیں (۲) عدد کا مفہوم معتبر نہیں ہے صرف کثرت مراد ہے (۳) ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے جماعت کی نماز پچیس درجہ افضل ہونا بتایا ہو، پھر ستائیس درجہ افضل ہونے

کی اطلاع دی ہو(۴) ممکن ہے کہ مسجد کے قرب اور بعد کی بناء پر فرق ہو(۵) نمازیوں کے احوال کے اعتبار سے بھی فرق ہو سکتا ہے(۶) نماز کی قلت وکثرت کے اعتبار سے بھی فرق ممکن ہے(۷) نماز کے انتظار کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے بھی فرق ہو سکتا ہے۔اس کے علاوہ بھی چند وجوہات حافظؒ نے ذکر کی ہیں۔ (دیکھئے: فتح الباری ص ۱۵ ج ۳)

جماعت کے ثواب کی حکمت: جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب پچیس یا ستائیس کیوں ہے؟

ابن حجرؒ نے فتح الباری میں درجات فضیلت کے اسباب (یعنی جن کی بنا پر جماعت کی نماز کا ثواب ۲۵یا۲۷ گنا بڑھ جاتا ہے) یہ ذکر کئے ہیں۔

(۱) جماعت میں شرکت کرتے ہوئے مؤذن کی اذان کا جواب دینا(۲) اول وقت میں نماز کے لئے مسجد آنا (۳) مسجد کا راستہ سکون واطمینان کے ساتھ طے کرنا (۴) مسجد میں دعا پڑھ کر داخل ہونا(۵) مسجد میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنا(۶) جماعت کا انتظار کرنا (۷) ملائکہ کی دعا کا مستحق بننا (۸) ملائکہ کی شہادت کا حاصل ہونا(۹) اقامت کا جواب دینا (۱۰) اقامت کے وقت شیطان کے راہ فرار اختیار کرنے کی وجہ سے شیطان کے شر سے محفوظ رہنا(۱۱) امام کی تکبیر تحریمہ کے انتظار میں کھڑے رہنا یا تحریمہ منعقد ہو چکی ہے تو جس حالت میں امام کو پائے اس میں شرکت کرنا(۱۲) تکبیر تحریمہ میں شرکت کرنا (۱۳) صف بنانا اور درمیان میں جگہ نہ چھوڑنا(۱۴) امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کا جواب دینا(۱۵) نماز میں عام طور سے سہو سے محفوظ رہنا اور اگر امام کو سہو ہو جائے تو اس کو لقمہ دینا(۱۶) خشوع کا حاصل ہونا(۱۷) عموماً اپنی ہیئت کو درست رکھنا(۱۸) نماز میں ملائکہ کے اجتماع کا پایا جانا(۱۹) تجوید قرآن کا عادی ہونا (یہ شوافع کے اعتبار سے ہے، حنفیہ کے یہاں قرآن سن کر یہ ثواب حاصل ہوگا) (۲۰) شعار اسلام کا اظہار(۲۱) عبادت کیلئے جمع ہو کر شیطان کو ذلیل کرنا(۲۲) نفاق سے محفوظ رہنا، نیز دوسروں کو ترک صلوٰۃ کی بدگمانی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھنا(۲۳) امام کے سلام کا جواب دینا(۲۴) دعا وذکر وغیرہ میں اجتماع کی برکت سے مستفید ہونا(۲۵) پڑوسیوں اور دوستوں کے درمیان محبت کو قائم کرنا اور ایک دوسرے کے احوال کی خبر گیری کرنا۔یہ وہ پچیس اسباب ہیں جو پانچوں نمازوں میں جماعت کیساتھ نماز کی ادائیگی میں حاصل ہوتے ہیں،ان پچیس اسباب کے علاوہ دو سبب جہری نمازوں کے ساتھ خاص ہیں (۱) امام کی جہری قرأت کے وقت قرآن مجید سننے کا ثواب (۲) امام کیساتھ آمین کہنے کا ثواب، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جس روایت میں ستائیس درجہ ثواب مذکور ہے وہ روایت جہری نماز کیساتھ خاص ہے۔ یہاں پر حافظ کی بات پوری ہوگئی، فتح الباری میں حاشیہ پر یہ بات لکھی ہے کہ حافظ کا ستائیس درجہ والی روایت کو جہری نماز کیساتھ خاص کرنا محل نظر ہے، اس وجہ سے کہ حدیث کا عموم بتا رہا ہے کہ مذکور ثواب پانچوں نمازوں میں جماعت کیساتھ شرکت سے حاصل ہوتا ہے اور اسی توجیہ میں جماعت میں حاضر ہونے والے کیلئے فضل ربانی کی زیادتی بھی ہے۔ (فتح الباری ص ۱۷ ج ۳)

ثواب مضاعف ہونے کی وجہ: اس عنوان کے تحت استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ العالی نے بڑی قیمتی بحث فرمائی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے بعینہٖ حضرت کی عبارت نقل کردوں۔

روایت میں آیا ہے کہ مسجد شرعی میں نماز باجماعت کا اجر پچیس گنا ہونیکی وجہ یہ ہے کہ گھر سے وضو کر کے جانے پر ہر ہر قدم حط سیئات اور رفع درجات کا ذریعہ بنتا ہے اور مسجد میں رہنا نماز میں شرکت کے مترادف اور فرشتوں کی دعاؤں کا سبب ہے اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ثواب کے اضافہ میں مسجد کی جماعت اصل موثر ہے یا یہ بیان کردہ اسباب؟ بعض حضرات نے اس روایت کے ساتھ یہ سوال پیدا کیا اور پھر یہ کہا کہ جب روایت میں ثواب کے اضافہ کے لئے ان اسباب کو بیان کیا گیا ہے تو یہ وہ مضبوط علت ہے جسے اصطلاح میں علت منصوصہ کہتے ہیں اور اس سے صرف نظر کر کے حکم لگانا درست نہیں، اسلئے جس جماعت کی شرکت میں مذکورہ بالا چیزوں

کی رعایت کی گئی ہو کہ گھر سے وضو کر کے چلے مسجد جا کر انتظار کرے، نماز سے فراغت کے بعد بیٹھا رہے اس پر یہ ثواب مرتب ہونا چاہئے، لیکن متعدد روایات میں انفرادی نماز کے مقابلہ پر جماعت کی نماز کا یہ ثواب ان اسباب کے بغیر مذکور ہے، خود بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں پچیس گنا اور حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں ستائیس گنا ثواب کا ذکر ہے۔

" وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَ عِشْرِیْنَ دَرَجَةً " (حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز منفرد کی نماز پر پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے) (بخاری شریف ص ۸۹ ج۱)

اس لئے ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس مطلق روایت کو بھی مقید کر دیا جائے، لیکن یہ رائے معقول نہیں ہے، ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ جماعت ہی اجر کے اضافہ میں اصل مؤثر ہے اور جن روایت میں انفرادی نماز کے مقابلہ پر جماعت کی نماز کی فضیلت بلا کسی قید کے ذکر کی گئی ہے وہی اصل ہیں، اور جن روایت میں اجر کے اضافہ کے لئے ان اسباب کو شمار کیا گیا ہے ان کا مفہوم یہ ہے کہ مقصود لذاتہ تو نماز باجماعت ہے اور اس پر ثواب پچیس گنا کر دیا جاتا ہے اور اس اجر و ثواب کی وجہ سمجھنا چاہو تو اس پر غور کر لو کہ پروردگار نے اس اہم عبادت کیلئے جانے والے کے ہر قدم پر نیکی مرحمت کی ہے، انتظار کو نماز میں شمار فرمایا ہے، فرشتوں کی دعا کا مستحق گردانا ہے تو جس چیز کے متعلقات کی یہ شان ہے، خود اس چیز کے ثواب کا کیا درجہ ہوگا گویا ہمارے نزدیک یہ بیان کردہ اسباب اضافہ اجر کی علت منصوصہ نہیں ہیں، بلکہ اضافہ اجر کی وضاحت ہیں کہ یہ اتنی اہم عبادت ہے کہ اس کے متعلقات کو بھی خداوند رحمٰن و رحیم نے ترقی درجات حط سئیات، مغفرت ذنوب وغیرہ کا ذریعہ بنا دیا ہے، جیسے مثلاً جہاد کے بارے میں ہے کہ اصل جہاد تو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کفار کے مقابل ہونا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلقات پر بھی ثواب کا وعدہ فرمایا ہے کہ مجاہد جب گھر سے نکلتا ہے تا واپسی اس کو فی سبیل اللہ شمار کیا جاتا ہے اور قدم قدم پر حط سئیات اور رفع درجات کی بشارت دی جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۶۵۲ ﴿مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۰۳

وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلِ اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْیَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ رواہ مسلم۔

حوالہ: مسلم ص ۲۴۸ ج ۱، باب ما یقول اذا دخل المسجد، کتاب صلوٰۃ المسافرین، حدیث ۷۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ یہ دعا پڑھے "اللّٰهم افتح الخ" (اے اللہ اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھے "اللّٰهم انی الخ" (اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل مانگتا ہوں۔ (مسلم شریف)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں مسجد میں داخل ہونے اور مسجد سے نکلنے کی دعا مذکور ہے ان دعاؤں کو مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح اللّٰهم افتح لی: مسجد میں داخل ہونے کے وقت رحمت کو اور نکلنے کے وقت فضل کو طلب کیا گیا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ جب آدمی مسجد میں داخل ہو گیا تو اب وہ ان اعمال میں مشغول ہوگا جو ثواب اور جنت کے حصول کا ذریعہ ہیں، اس وجہ سے رحمت کو طلب کیا گیا ہے اور جب آدمی باہر نکلتا ہے تو کسب معاش میں مشغول ہوتا ہے اس لئے باہر نکلنے کے وقت فضل کو طلب کیا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو نبی پاک پر درود بھیجے اور یہ دعا پڑھے

''اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ''۔

مرقات میں یہ روایت بھی منقول ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص مسجد سے نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو ابلیس کا لشکر اسکو گھیر لیتا ہے اور اسکے اردگرد ایسے جمع ہو جاتا ہے جیسے کہ شہد کی مکھیاں اپنی ملکہ کے اردگرد اکھٹا رہتی ہیں، لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد سے نکلنے کیلئے دروازہ پر کھڑا ہو تو یہ دعا پڑھے ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اِبْلِیْسَ وَجُنُوْدِهٖ'' جو کوئی یہ دعا پڑھ لیتا ہے وہ ابلیس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے

حدیث نمبر ۶۵۳ ﴿تحیۃ المسجد کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۰۴

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْكَعْ رَكْعَتَیْنِ (متّفقٌ علیه)

حوالہ: بخاری ص ۶۳ ج ۱، باب اذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۴۴۴، مسلم شریف ۲۴۸ ج ۱، باب استحباب تحیۃ المسجد بر کعتین، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث ۴۱۴.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا چاہیے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں تحیۃ المسجد پڑھنے پر ابھارا گیا ہے، یعنی جو شخص مسجد میں داخل ہو تو اگر وقت مکروہ نہیں ہے تو اس کو دو رکعت نماز پڑھنا چاہیے یہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کہلاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع: حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کا شان ورود نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوقتادہؓ مسجد میں آئے تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کیساتھ مسجد میں بیٹھے ہیں، ابوقتادہؓ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا ابوقتادہ تم نے ایک نماز کیوں نہیں پڑھی؟ ابوقتادہؓ نے جواب دیا میں نے آپ کو اور حضرات صحابہ کو دیکھا کہ بیٹھے ہیں تو میں بھی بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا ''فَاِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا یَجْلِسْ حَتّٰی یَرْكَعَ رَكْعَتَیْنِ'' (تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے تو جب تک دو رکعت نماز نہ پڑھ لے بیٹھے نہیں)۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں ''اَعْطُوْا الْمَسَاجِدَ حَقَّهَا قِیْلَ لَهٗ وَمَا حَقُّهَا قَالَ رَكْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یُجْلَسَ'' (آپ نے فرمایا مساجد کو ان کا حق دو، پوچھا گیا مساجد کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز مساجد کا حق ہے)

(فتح الباری ص ۹۶ ج ۲)

تحیۃ المسجد واجب ھے یا مستحب

تحیۃ المسجد واجب ہے یا مستحب اس سلسلہ میں کچھ اختلاف منقول ہے

جمہور کا مذہب: جمہور علماء کے نزدیک تحیۃ المسجد کی نماز مستحب ہے۔

دلائل: (۱) '' كَانَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُوْنَ الْمَسْجِدَ ثُمَّ یَخْرُجُوْنَ وَلَایُصَلُّوْنَ '' (اصحاب نبی ﷺ مسجد میں داخل ہوتے اور بغیر نماز پڑھے نکلتے تھے) اگر تحیۃ المسجد واجب ہوتی تو صحابہ نماز تحیۃ المسجد پر مواظبت کرتے۔

(۲) آپ نے ایک شخص کو لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے گذرتے دیکھا تو اس سے فرمایا ''اِجْلِسْ فَقَدْ اٰذَیْتَ'' (بیٹھ جاؤ تم نے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کر دیا) اگر تحیۃ المسجد کی نماز واجب ہوتی تو آپ ان کو بیٹھنے کیلئے نہ کہتے بلکہ تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنے کا حکم فرماتے۔

ظواہر کا مذہب: ظواہر تحیۃ المسجد کی نماز کو واجب قرار دیتے ہیں۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے کہتے ہیں کہ حدیث باب میں تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنے کا امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔

جواب: حدیث باب میں مذکور امر وجوب کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ استحباب کے لئے ہے اور اس پر قرینہ مذکورہ بالا دلائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے۔

قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ: تحیۃ المسجد کی نماز مسجد میں داخل ہونے کے بعد بیٹھنے سے پہلے ادا کرنا چاہئے اور یہی مستحب ہے لیکن اگر کوئی بیٹھ گیا اور اس کے بعد تحیۃ المسجد ادا کی تو بھی ادا ہو جائے گی۔

حضرات شوافع فرماتے ہیں اگر کوئی مسجد میں داخل ہونے کے بعد بیٹھ گیا تو اس نے تحیۃ المسجد کا وقت فوت کر دیا، اب تحیۃ المسجد کی نماز ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے؛ کیونکہ حدیث میں "قبل ان یجلس" کی قید ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ وقت مستحب کے بیان کے لئے قید ہے، بیٹھنے سے تحیۃ المسجد فوت نہیں ہوتی ہے، حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ "اِنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَرَکَعْتَ رَکْعَتَیْنِ، قَالَ لَا ثُمَّ قَالَ قُمْ فَارْکَعْهَا. (عمدة القاری ص ۲۰۲ ج ٤)

حضرت ابوذرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو انسے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرلی؟ ابوذرؓ نے جواب دیا نہیں، آپنے فرمایا کھڑے ہو اور دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرو، معلوم ہوا مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر کوئی بیٹھ گیا پھر بھی تحیۃ المسجد ادا کرسکتا ہے۔

حدیث نمبر ٦٥٤ ﴿سفر سے واپسی پر مسجد آنا مستحب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ٧٠٥

وَعَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَاراً فِی الضُّحٰی فَاِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰی فِیْهِ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِیْهِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حواله: بخاری ص ٤٣٤ ج١، باب الصلوٰة اذا قدم من سفر، کتاب الجهاد، حدیث ٣٠٨٨، مسلم ص ٢٤٨ باب استحباب الرکعتین فی المسجد لمن قدم من سفر اول قدومه، کتاب المسافرین، حدیث ٧١٦.

ترجمه: حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی سفر سے واپس آتے تو دن میں چاشت کے وقت آتے، آتے ہی سب سے پہلے مسجد جاتے وہاں دو رکعت نماز پڑھتے پھر مسجد میں کچھ دیر بیٹھتے۔ (بخاری، مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سفر سے واپس آتے تو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر کچھ دیر مسجد میں تشریف رکھتے، تاکہ جو لوگ آپ کیساتھ سفر میں نہیں گئے تھے ان میں سے اگر کوئی ملاقات کرنا چاہے تو مسجد میں آکر ملاقات کرلے، حدیث باب سے معلوم ہوا کہ مسافر کے لئے مستحب ہے کہ جب وہ سفر سے لوٹے تو پہلے جاکر دو رکعت نماز ادا کرے اور کچھ دیر مسجد میں بیٹھا رہے اس کے بعد اپنے گھر جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح **لایقدم من سفر الا نهارا فی الضحیٰ:** ضحیٰ اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج اچھی طرح روشن ہو جاتا ہے اس وقت آپ ﷺ کے تشریف لانے میں حکمت یہ تھی کہ اس وقت آپ ﷺ سے ملاقات کرنے کے لئے آنے والے کی وجہ سے آپ ﷺ کے اصحاب کو آنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوتا تھا، دن سونے اور آرام کا ہوتا ہے، شام کو لوگ رات کے کھانے پینے کے اسباب مہیا کرنے میں مشغول ہوتے ہیں، اور رات کے وقت کی آمد و رفت میں مشقت ہوتی ہے اس لئے سب سے پہلے مناسب وقت چاشت کا وقت ہوتا ہے، لہٰذا آپ اسی وقت سفر سے تشریف لاتے تھے۔ (مرقات ص ١٩٩ ج٢)

ثم جلس فیه: آپ نماز پڑھ کر مسجد میں کچھ دیر بیٹھتے تھے تاکہ ملاقاتی آسانی سے ملاقات کرلیں، اس سے آپ کی مخلوق کے حق میں مشفقت و محبت ظاہر ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۶۵۵ ﴿مسجد میں گم شدہ چیزوں کے اعلان کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۰۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ رَجُلاً یَنْشُدُ ضَالَّةً فِی الْمَسْجِدِ فَلْیَقُلْ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَیْكَ فَاِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذا، رَواهُ مسلمٌ ۔

حواله: مسلم: ص: ۲۱۰ ج ۱ ،باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، کتاب المساجد حدیث ۵۶۸ .

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسجد میں کسی کو سنے کہ وہ اپنی کسی کھوئی ہوئی چیز کو پوچھ رہا ہے تو سننے والے شخص کو چاہئے کہ یوں کہے کہ اللہ کرے تیری وہ چیز نہ ملے، اسلئے کہ مسجدیں ان کاموں کیلئے نہیں بنائی گئی ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں کوئی بھی ایسا کام نہ کرنا چاہئے جو مسجد کی بنا کے خلاف ہو، مسجد کی تعمیر کا مقصد نماز کی ادائیگی، قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کا ذکر وغیرہ ہے، لہٰذا مسجد میں گم شدہ چیزوں کا اعلان کرنا یا اس قسم کے دوسرے امور انجام دینا درست نہیں ہے، آپ ﷺ نے ایسے کام کو کرنے والوں کو پسند نہیں فرمایا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ینشد ضالة فی المسجد: اگر کوئی شخص زور زور سے پکار کر اپنی گم شدہ چیز کا اعلان کر رہا ہے اور گھوم رہا ہے تو اس کے جواب میں کہنا چاہئے کہ خدا کرے تمہاری کھوئی ہوئی چیز نہ ملے، اعلان کرنے والے شخص نے مسجد کے آداب کا خیال نہیں رکھا، اور اپنی آواز بلند کر کے نمازیوں، تلاوت کرنے والوں اور معتکفین کی عبادت میں خلل ڈالدیا اور ان کے انہماک کو ختم کر دیا، فان المساجد، یہاں سے آپ ﷺ اس حکم کی علت بیان فرما رہے ہیں، لم تبن لهذا، مساجد گم شدہ چیزوں کے تلاش کرنے یا اس قسم کے دوسرے امور انجام دینے کی غرض سے نہیں بنائی گئی ہیں، امام مالکؒ نے تو مسجد میں علمی گفتگو کرنے کو بھی مکروہ قرار دیا ہے البتہ امام ابوحنیفہ مسجد میں علمی گفتگو کے جواز کے قائل ہیں، اس وجہ سے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کی لوگوں کو ضرورت ہے اور مسجد میں مجمع زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا علمی گفتگو سے مسجد میں نہیں روکا جائے گا۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں اعلان کرتے ہوئے کہا کہ سرخ اونٹ کو کس نے بلالیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کرے تو نہ پائے۔ صاحب مرقات نے اسی موقع پر یہ روایت نقل کی ہے " اِذَا رَأَیْتُمْ مَنْ یَّبِیْعُ اَوْ یَبْتَاعُ فِی الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ وَاِذَا رَأَیْتُمْ مَنْ یَنْشُدُ فِیْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوْا لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَیْكَ " (جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید و فروخت کرتے دیکھو تو کہو اللہ تمہاری تجارت میں نفع نہ دے اور جب تم مسجد میں کسی شخص کو گم شدہ چیز کا اعلان کرتے سنو تو کہو اللہ کرے تمہاری چیز تمہیں واپس نہ ملے)

مسجد میں سائل کو صدقہ دینے کا مسئلہ

اسلاف میں یہ بات مختلف فیہ رہی ہے کہ سائل کو مسجد میں صدقہ دینا چاہئے یا نہیں؟ بعض لوگ اس حدیث اور کچھ دیگر آثار کی بنا پر کہتے ہیں کہ مسجد میں سائل کو نہ دینا چاہئے، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سائل کو مسجد میں دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قائلین کی دلیل: قائلین جن میں ابن حجر بھی ہیں وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں " هَلْ اَحَدٌ مِنْكُمْ اَطْعَمَ الْیَوْمَ مِسْكِیْنًا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَاِذَا اَنَا بِسَائِلٍ فَوَجَدْتُ كِسْرَةَ خُبْزٍ فِیْ یَدِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَاَخَذْتُهَا فَدَفَعْتُهَا اِلَیْهِ " (کیا تم میں کوئی ہے جس نے آج مسکین کو کھانا کھلایا ہو ابوبکر کہتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو اچانک میں نے ایک مسکین کو دیکھا، میں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا پایا تو میں نے ان سے لیکر اس مسکین کو دیدیا) یہ حدیث بتا رہی ہے کہ مسکین کو مسجد میں صدقہ دینا جائز ہے۔

منکرین کی دلیل: بعض وہ اسلاف جو صدقہ نہ دینے کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ " یُنَادِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِیَقُمْ بَغِیْضُ

اللّٰہِ فَیَقُوْمُ سُؤَّالُ الْمَسْجِدِ" (قیامت کے دن پکارا جائے گا کہ اللہ کو غصہ دلانے والے کھڑے ہو جائیں تو مسجد میں مانگنے والے کھڑے ہوں گے) معلوم ہوا کہ مسجد میں مانگنا درست نہیں اور مانگنا درست نہیں تو دینا درست نہیں، کیونکہ اس میں ایک ممنوع فعل پر مدد کرنا ہے، بعض لوگوں نے یہ تفصیل کی ہے کہ جو لوگوں کے سامنے سے گذرے یا کسی اور طریقہ سے تکلیف پہنچائے اس کو دینا مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں ممنوع فعل پر اعانت ہے اور جو لوگوں کو اس قسم کی تکلیف نہ دے اس کو دینا جائز ہے، اس وجہ سے کہ دور نبوت میں بھی لوگ مسجد میں سوال کرتے تھے، حتیٰ کہ مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی صدقہ کردی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح اپنے اس قول میں فرمائی "یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ" (وہ لوگ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں)۔

صاحب مرقات نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ حدیث اور آیت میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ حضرت علیؓ نے مسجد میں سائل کو انگوٹھی عطا فرمائی تھی۔ (مرقات ص ۲۲۰ ج ۲)

حدیث نمبر ۶۵۶ ﴿بدبو دار چیز کھا کر مسجد آنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۰۷

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَکَلَ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ الْمُنْتِنَۃِ فَلَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلَائِکَۃَ تَتَاَذّٰی مِمَّا یَتَاَذّٰی مِنْہُ الْاِنْسُ مُتفقٌ علیہ.

حوالہ: بخاری ص ۱۱۸ ج ۱، باب ماجاء فی الثوم النیئ والبصل والکراث، کتاب الاذان حدیث ۸۵۵، مسلم ص ۲۰۹ ج ۱، باب نھی من اکل ثوماً او بصلاً او کراثاً اونحوھا، کتاب المساجد حدیث ۵۶۴.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ مسجد میں ہرگز نہ آئے، اس لئے کہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن چیزوں سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں کو بدبودار چیزوں سے شدید تکلیف ہوتی ہے اس لئے نمازیوں کو مسجد میں بدبودار چیز کھا کر یا بدبودار چیز پہن کر ہرگز نہ آنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح الشجرۃ المنتنۃ لہسن، پیاز وغیرہ مراد ہیں ان کو کھا کر مسجد میں نہ آنا چاہئے، اگر کسی نے یہ چیزیں نماز سے پہلے کھائیں ہیں تو منہ اچھی طرح دھو کر بدبو زائل کرلے پھر مسجد آئے۔

فلا یقربن مسجدنا: ممانعت کا تعلق تمام مساجد سے ہے مسجد نبوی کے ساتھ خاص نہیں ہے یہاں اضافت یا تو ملک کی وجہ سے ہے یا پھر عبارت مقدر ہے یعنی مسجد اھل اس کی وجہ یہ ہے کہ علت ممانعت مشترک ہے اور وہ فرشتوں کا اذیت میں مبتلا ہونا ہے ایک روایت میں تو "فَلَا یَاْتِیَنَّ الْمَسَاجِدَ" کے الفاظ بھی مروی ہیں، لہذا اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اس حکم کو مسجد نبوی کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں۔ (مرقات ص ۲۲۰ ج ۲)

حدیث نمبر ۶۵۷ ﴿مسجد میں تھوکنا گناہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۰۸

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبُزَاقُ فِی الْمَسْجِدِ خَطِیْئَۃٌ وَکَفَّارَتُھَا دَفْنُھَا متفقٌ علیہ.

حوالہ: بخاری ص ۵۹ ج ۱، باب کفارۃ البزاق فی المسجد، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۴۱۵، مسلم ص ۲۶۰ ج ۱، باب النھی عن انبصاق فی المسجد، کتاب المساجد، حدیث ۵۵۲.

حل لغات: البزاق تھوک۔ بزق بزقاً (ن) تھوکنا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس تھوک کو دفن کر دیا

جائے۔(بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں کسی بھی قسم کی گندگی پھیلانا جائز نہیں، اگر کسی نے مسجد میں تھوکا تو وہ گناہ کا مرتکب ہوا، اگر اتفاقاً یا مجبوری کی بناء پر یہ حرکت سرزد ہوگئی تو تھوک صاف کردینا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح البزاق فی المسجد خطیئة: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں مطلقاً تھوکنا گناہ ہے، اگر کوئی مجبوری ہے تو کسی کپڑے میں تھوک کر اس کو مل دے، فکفارتها دفنها، اگر حالت اضطرار میں مسجد میں تھوک دیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ زمین اگر کچی ہے یا ریتلی ہے تو تھوک کو زمین میں دبا دے یعنی تھوک پر ریت یا کنکرہ وغیرہ ڈال دے لیکن اگر فرش پختہ ہو تو تھوک کو صاف کرے۔

حدیث نمبر ۶۵۸ ﴿برے اعمال میں سے مسجد میں بلغم کا تھوکنا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۰۹

وَعَنْ اَبِیْ ذرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَیَّ اَعْمَالُ اُمَّتِیْ حَسَنُهَا وَسَیِّئُهَا فَوَجَدْتُ مَحَاسِنَ اَعْمَالِهَا اَلْاَذیٰ یُمَاطُ عَنِ الطَّرِیْقِ وَوَجَدْتُ فِیْ مَسَاوِیْ اَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ تَكُوْنُ فِی الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ رَوَاهُ مسلمٌ.

حوالہ: مسلم ص ۲۰۷ ج ۱، باب النهی عن البصاق فی المسجد، کتاب المساجد، حدیث ۵۵۴.

حل لغات: یماط، مضارع مجہول ہے۔اماط، اماطة دور کرنا، ہٹانا، النخاعة، بلغم تھوک، انتخع فلان، بلغم نکالنا۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے سامنے میری امت کے اچھے اور برے اعمال پیش کئے گئے تو میں نے اسکے اچھے اعمال میں راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹادینا پایا اور اسکے برے اعمال میں یہ پایا کہ مسجد میں بلغم تھوکا پھر اسکو دفن نہیں کیا۔(مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں لوگوں کے دوطرح کے اعمال کا ذکر ہے ایک اچھا فعل ہے، یعنی راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا، لہٰذا اسکا اہتمام کرنا چاہئے، اور دوسرا قبیح فعل ہے یعنی مسجد میں تھوکنا اور پھر اسکی صفائی کا لحاظ نہ رکھنا، اس سے بچنا چاہئے

کلمات حدیث کی تشریح عرضت علی اعمال امتی، یعنی وہ اعمال پیش کئے گئے جن کا تعلق جوارح سے ہے۔

فی محاسن اعمالها الاذی، اچھے کاموں میں راستے سے تکلیف دہ چیز کے ہٹانے کا ذکر ہے، یہ بہت بڑی نیکی ہے، اس کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے، مساوی اعمالها، برے اعمال میں مسجد میں تھوکنا اور پھر اس کو صاف نہ کرنے کا تذکرہ ہے اس کی قباحت بالکل ظاہر ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے نمازیوں کے ساتھ فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے اور اللہ کے گھر کی بے حرمتی بھی ہے۔

حدیث نمبر ۶۵۹ ﴿نماز کے دوران تھوکنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۱۰۔۷۱۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَی الصلوٰة فَلَا یَبْصُقْ اَمَامَهُ فَاِنَّمَا یُنَاجِی اللّٰهَ مَادَامَ مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ یَمِیْنِهٖ فَاِنَّ عَنْ یَمِیْنِهٖ مَلَكًا وَلْیَبْصُقْ عَنْ یَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ فَیَدْفِنُهَا وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ سَعِیْدٍ تَحْتَ قَدَمِهِ الْیُسْریٰ متفقٌ علیه.

حوالہ: بخاری ص ۵۹ ج ۱، باب دفن النخامة فی المسجد، کتاب الصلوٰة، حدیث ۴۱۶، مسلم ص ۲۰۷ ج ۱، باب النهی عن البصاق فی المسجد، کتاب المساجد، حدیث ۵۵۴.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو تو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے، اسلئے کہ جب تک وہ اپنی جائے نماز پر رہتا ہے اللہ سے سرگوشی کی حالت میں رہتا ہے اور نہ اپنی دائیں جانب تھوکے کیونکہ اس کی دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے، چاہئے کہ اپنی بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکے پھر اس کو دفن کردے۔ حضرت ابو سعید کی روایت میں یوں ہے کہ "تحت قدمه الخ" یعنی اپنے بائیں پیر کے نیچے تھوکے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ اگر نماز کی حالت میں مجبوراً تھوکنا پڑے تو بائیں طرف تھوکا جائے یا قدموں تلے تھوکا جائے، دائیں طرف یا سامنے کی جانب تھوکنے سے اجتناب کیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح فانما يناجي الله: نماز میں بندہ اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے، اور وہ سرگوشی کی حالت میں ہوتا ہے، لہٰذا ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اگر تھوکنے کی ضرورت پڑ بھی جائے تو سامنے نہ تھوکے، سامنے کی جانب تھوکنے سے منع کرنا قبلہ کی تعظیم کی وجہ سے بھی ہے اور دائیں طرف بھی نہ تھوکے کیونکہ دائیں طرف وہ خاص فرشتہ ہوتا ہے جو نماز کے وقت آتا ہے۔ مجبوری میں بائیں طرف بھی تھوکنے کی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن بائیں طرف تھوکنے سے بھی گریز کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ٦٦٠ ﴿قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۱۲

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِىْ مَرَضِهِ الَّذِىْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ متفق عليه.

حواله: بخاری ص ٦٦٩ ج٢، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، كتاب المغازی، حدیث ٤٤٤٣، مسلم ص ٢٠١ ج١، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور، حدیث ٥٣٢، کتاب المساجد.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس مرض کی حالت میں جس سے آپ کو شفا نہیں ہوئی فرمایا اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مرض الموت میں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد میری امت کے لوگ بھی میری قبر کی عبادت نہ کرنے لگیں، جیسے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کے قبروں کی عبادت کا رواج ڈال لیا تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے اس فعل کی حرمت دلوں میں بیٹھانے کے لئے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح في مرضه، مراد مرض الموت ہے، اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، صاحب مرقات نے قبور انبیاء علیہم السلام کو سجدہ گاہ بنانے کے دو مطلب ذکر کئے ہیں، (۱) انبیاء کرام کی قبروں کو ہی سجدہ کرتے تھے یہ شرک جلی ہے اس وجہ سے آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کر کے اپنی امت کو اس سے منع فرمایا ہے۔

(۲) انبیاء کرام کی قبروں پر عبادت گاہ بناتے تھے، اور مقصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ انبیاء کرام کی تعظیم بھی ہو جائے اس صورت میں شرک خفی ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے امت کو اس سے منع فرمایا ہے۔

قبرستان میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

اس حدیث کے تحت محدثین یہ بحث کرتے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کچھ اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

دلیل: حدیث ہے "جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِداً" معلوم ہوا کہ زمین اگر پاک ہے تو کوئی بھی ہو نماز کی ادائیگی درست ہے اور جہاں منع کیا گیا ہے اس کی علت یہود ونصاریٰ کی مشابہت ہے، اگر علت نہیں پائی جارہی ہے تو ممانعت بھی ختم ہو جائے گی۔

امام احمد کا مذہب: امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قبرستان میں نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔

دلیل: حدیث ہے "اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَةُ" یہاں قبرستان کو مسجد سے الگ کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ قبرستان میں نماز کی ادائیگی درست نہیں ہے۔

جواب: حدیث بالا سے کراہت ثابت ہوتی ہے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے، اور کراہت کے ہم بھی قائل ہیں۔

حدیث نمبر ٦٦١ ﴿قبر کو سجدہ گاہ مت بناؤ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۱۳

وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ رواه مسلمٌ.

حواله: مسلم: ص: ۲۰۱ ج۱، باب النهي عن بناء المساجد على القبور، كتاب المساجد.

ترجمه: حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرمار ہے ہیں خوب اچھی طرح سن لو! جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے تھے، خوب اچھی طرح سن لو! تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا، میں تم لوگوں کو اس سے منع کرتا ہوں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے یہود ونصاریٰ کے اس قبیح فعل کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتے تھے پھر آپ ﷺ نے اپنی امت کو اس مشرکانہ کام سے منع فرمایا۔

کلمات حدیث کی تشریح: مَنْ كَانَ قبلكم یہود ونصاریٰ مراد ہیں یا پھر یہ عام ہے یعنی جو بھی لوگ تم سے پہلے تھے۔ وَصَالِحِيْهِمْ یعنی اپنے علماء و مشائخ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے تھے، سجدہ گاہ بنانے کے دو معنی ہیں ماقبل کی حدیث میں دونوں معنی مذکور ہیں۔

حدیث نمبر ٦٦٢ ﴿نفل نماز گھر میں پڑھنا چاہئے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۱٤

وَعَنْ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْراً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص ٦٢ ج۱، باب كراهة الصلوٰة فى المقابر، كتاب الصلوٰة، حديث ٤٣٢، مسلم ص ٦٦٥ ج۱، باب استحباب صلاة النافلة فى بيته وجوازها فى المسجد، كتاب صلاة المسافرين، حديث ۷۷۷.

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی نمازوں میں سے کچھ اپنے گھروں میں پڑھا کر، اور اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں دو باتیں مذکور ہیں (۱) نماز کا کچھ حصہ گھر میں ادا کرنا چاہئے، یعنی فرض نماز مسجد میں ادا کرنا چاہئے اور نفل نماز کو گھر میں پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے (۲) گھروں میں مردوں کو دفن کر کے قبرستان نہ بنانا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح: اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم، یہاں "صلاۃ" سے پہلے "من" لاکر یہ بتانا مقصود ہے کہ گھر میں کچھ نمازیں ادا کرنا چاہئے، فرائض مسجد میں ادا کرنا چاہئے، البتہ نفل گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

و لا تتخذو ھا قبورا، اس جز کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) قبرستان میں مردے نماز نہیں پڑھتے ہیں لہٰذا اگر تم بھی گھروں میں کوئی نماز نہیں پڑھو گے تو وہ مانند قبرستان کے ہو جائیں گے، اس لئے بالکلیہ گھر میں نماز ترک کر کے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، اس میں اس بات کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ قبرستان میں نماز نہ پڑھنا چاہئے، قبرستان میں نماز پڑھنا حنفیہ کے یہاں کراہت کے ساتھ جائز ہے، اختلاف مع دلائل حدیث ۳۶۰ دیکھئے۔

(۲) گھروں میں مردوں کو دفن نہ کرو اسوجہ سے کہ اگر گھر میں مردے دفن کرو گے تو پھر گھر میں بلا کراہت نماز پڑھنے کی گنجائش ختم ہو جائیگی، جبکہ گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے اس توجیہ سے بھی یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ قبرستان میں نماز نہ پڑھنا چاہئے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۶۶۳ ﴿مدینہ والوں کا قبلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۱۵

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص ۷۹ ج ۱، باب ما جاء ان ما بین المشرق والمغرب قبلة، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۳۴۴.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔ (ترمذی)۔

خلاصہ حدیث آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں رہنے والوں کے اعتبار سے یہ بات فرمائی ہے کہ تمہارا قبلہ مشرق ومغرب کے مابین ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مابین المشرق و المغرب، اس حدیث کی توجیہ صاحب مرقات نے علامہ طیبیؒ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں قبلہ سے مراد اہل مدینہ کا قبلہ ہے، کیونکہ اہل مدینہ کا قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان جانب جنوب میں واقع ہے، البتہ مغرب کی جانب کچھ مائل ضرور ہے اسکی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے "لَا تَسْتَقْبِلُوْا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا. (مرقات ص ۲۰۳ ج ۲)

مقصد حدیث یہ ہے کہ عین کعبہ کا استقبال ضروری نہیں ہے، صرف جہت کعبہ کا استقبال کافی ہے، اس حدیث کے تحت حضرت مفتی سعید صاحب پالن پوری نے دوران درس جو بات فرمائی تھی اس کو بھی یہاں نقل کرنا مفید معلوم ہوتا ہے "سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ مدینہ والوں کا قبلہ ہے، مدینہ سے قبلہ جنوب کی طرف ہے، اب حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) مشرق سے کمان لیا اور مغرب تک لے گئے، درمیان میں جنوب پڑا یہی قبلہ ہے، (۲) حقیقی قبلہ سے کچھ انحراف ہو گیا تو بھی معاف ہے، حقیقی قبلہ سے اگر ۴۵ ڈگری انحراف ہوا تو یہ معاف ہے اس سے زیادہ انحراف ہونے کی صورت میں نماز نہ ہوگی۔

حدیث نمبر ۶۶۴ ﴿مسجد بنانے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۱۶

وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ خَرَجْنَا وَفْدًا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَبَایَعْنَاهُ وَصَلَّیْنَا مَعَهٗ وَ اَخْبَرْنَاهُ اَنَّ بِاَرْضِنَا بِیْعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُوْرِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهٗ لَنَا فِیْ اِدَاوَةٍ وَاَمَرَنَا فَقَالَ اُخْرُجُوْا فَاِذَا اَتَیْتُمْ اَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوْا بِیْعَتَكُمْ وَانْضَحُوْا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوْهَا مَسْجِدًا قُلْنَا اِنَّ الْبَلَدَ بَعِیْدٌ وَالْحَرَّ شَدِیْدٌ وَالْمَاءَ یُنْشَفُ فَقَالَ مُدُّوْهُ مِنَ الْمَاءِ فَاِنَّهٗ لَا یَزِیْدُهٗ اِلَّا طِیْبًا رَوَاهُ النَّسَائِیُّ.

حوالہ: نسائی ص ۱۱۴ ج ۱، باب اتخاذ البیع مساجد، کتاب المساجد حدیث ۷۷۰.

ترجمہ: حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک وفد کی شکل میں حاضر ہوئے ہم نے آپ سے

بیعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور ہم نے آپ کو بتایا کہ ہماری زمین پر ایک گرجا گھر ہے، پھر ہم نے آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا، چنانچہ آپ ﷺ نے پانی منگایا اور وضو کیا اور کلی کی اور اس کلی کا پانی ہمارے برتن میں ڈال دیا، پھر ہمیں حکم دیتے ہوئے کہا کہ تم لوگ جاؤ اور جب اپنی سرزمین پر پہونچو تو اپنے گرجا کو توڑ دو اور اس جگہ یہ پانی چھڑک دو اور پھر وہیں پر ایک مسجد بنالو ہم نے عرض کیا کہ شہر یہاں سے دور ہے، گرمی سخت پڑ رہی ہے یہ پانی تو خشک ہو جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا اس میں اور پانی کا اضافہ کر لینا، بلاشبہ اس سے برکت میں اضافہ ہو جائے گا۔ (نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں نجد کے ایک وفد کے آنے کا ذکر ہے اس سے بیعت ہونے کے بعد اپنے یہاں ایک گرجا ہونے کا تذکرہ کیا اور آپ سے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا، آپ ﷺ نے پانی عطا کیا اور فرمایا گرجا منہدم کر کے اس جگہ مسجد تعمیر کرلو اور یہ پانی اس جگہ چھڑک دو تا کہ بت پرستی کے اثرات زائل ہو جائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فبایعناہ وفد نے توحید و رسالت اور اطاعت وفرمانبرداری پر بیعت کی، وصلینا معہ، حضور کے ساتھ ایک نماز یا چند نمازیں پڑھیں، واخبرناان بارضنا بیعة، نصاری کے عبادت خانہ (گرجا) کو "بیعة" کہا جاتا ہے، حضرت طلقؓ نے حضور ﷺ کو اپنے دیار میں گرجا ہونے کی اطلاع دی اور اس کو ختم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، فاستوھبناہ من فضلہ، حضور ﷺ سے درخواست کی کہ وضو کا بچا ہوا پانی عطا فرمادیں، حضور ﷺ نے ان کی درخواست سے زیادہ ان کو عطا کیا؛ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے برتن میں کلی فرمائی تا کہ ان کے پانی میں برکت کے اثرات بڑھ جائیں، فاکسروا بیعتکم، یعنی اپنے وطن پہنچنے کے بعد بیعة کے محراب بدل دو اور اس کو کعبہ کی طرف منتقل کر دو، ایک قول ہے کہ آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد تھا کہ گرجا توڑ دو۔

مدوہ من الماء، وفد والوں نے جب یہ بات رکھی کہ جس پانی میں آپ ﷺ نے کلی فرمائی ہے وہ بہت تھوڑا ہے، گرمی کی شدت کی بناء پر یہ پانی ہمارے ملک پہنچنے سے پہلے ہی سوکھ کر ختم ہو جائے گا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں یہ اندیشہ ہے تو اس میں دوسرا پانی ملا لینا ایسا کرنے سے پانی کی برکت ختم نہ ہوگی، بلکہ جو پانی ڈالو گے وہ بھی بابرکت ہو جائے گا حاصل یہ ہے کہ پانی کے اضافہ سے برکت میں اضافہ ہوگا کوئی کمی نہیں ہوگی۔

حدیث نمبر ۶۶۵ ﴿مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۱۷

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّوْرِ وَاَنْ يُنَظَّفَ وَيُطَيَّبَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۶۴ ج ۱، باب اتخاذ المساجد فی الدور، کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۴۵۵، ترمذی ص ۱۳۰ ج ۱، باب ما ذکر فی تطیب المساجد، ابواب السفر، حدیث ۴۹۶، ابن ماجہ ص ۵۵ باب تطهیر المساجد وتطیبها، کتاب المساجد حدیث ۷۵۸۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مسجد بنانے اور اس کو صاف ستھرا اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر کے ساتھ اس کی صفائی کی جانب خصوصی توجہ رکھنی چاہئے، کیونکہ مسجد میں انسانوں کیساتھ فرشتے جیسی پاکیزہ مخلوق کی بھی آمد ورفت رہتی ہے، گندگی اور بدبو سے ان کو سخت تکلیف ہوتی ہے

کلمات حدیث کی تشریح ببناء المساجد فی الدور، دور دار کی جمع ہے اس کے معنی گھر کے تو بہت مشہور ہیں ایک دوسرے معنی آتے ہیں محلہ وقبیلہ کے، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ محلہ میں مسجد ہونا چاہئے، تا کہ

لوگ اپنے اپنے مقام پر نماز پڑھ لیں، اگر ہر محلہ میں مسجد نہ ہوگی تو لوگ دور دراز سے نماز پڑھنے دوسرے محلوں میں نہیں آئیں گے، ایسی صورت میں جماعت فوت ہونے کا اندیشہ قوی ہے، حضور ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں کئی مسجدیں تھیں، اور اگر دار سے پہلے معنی گھر مراد لیں تو مطلب یہ ہے کہ ہر گھر میں عبادت کیلئے ایک مخصوص جگہ ہونا چاہئے اس صورت میں مسجد سے شرعی مسجد مراد ہوگی، و ان ینظف، مسجد کو کوڑا کرکٹ اور گندگی سے پاک وصاف رکھنا چاہئے، ویطیب، مسجد میں خوشبو وغیرہ کا چھڑکاؤ بھی کبھی کبھی کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ٦٦٦ ﴿مسجد کو بلند و بالا تعمیر کرنے کا مسئلہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۱۸

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى، رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص ٦٤ ج ۱، باب فی بناء المسجد، کتاب الصلاۃ حدیث ٤٤٨.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ کو مسجدوں کے بلند و پختہ تعمیر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم لوگ بھی مسجد کو ایسے مزین کرو گے جیسے کہ یہود و نصاریٰ نے مزین کیا۔ (ابو داؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسجدوں کو حد سے زیادہ آراستہ و پیراستہ کرنا، سونے چاندی سے ملمع کرنا شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ما امرت بتشیید المساجد، ''تشیید'' کے دو معنی ہیں (۱) مکان کی عمارت کو بلند کرنا (۲) عمارت کو چونے سے پختہ بنانا، علامہ نوویؒ کی صراحت کے مطابق پہلے معنی زیادہ مشہور ہیں آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں مسجد کو بلند و بالا بناؤں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لتزخرفنها، یہ جملہ حضرت ابن عباسؓ کا ہے، لہٰذا یہ حدیث موقوف ہے، لیکن حکم میں مرفوع ہے اس وجہ سے کہ یہ اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کا منصب ہے، ''زخرف'' کے اصلاً معنی ہیں سونے کا پانی پھیرنا، بعد میں یہ لفظ مطلقاً تزئین کاری کے لئے استعمال ہونے لگا، حضرت ابن عباسؓ یہ پیشین گوئی فرما رہے ہیں کہ جس طرح سے یہود و نصاریٰ اپنے معابد آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں، بعد کے مسلمان بھی اسی طرح کریں گے۔

مساجد کی تزئین کا حکم: مسجد کی اسطرح تزئین کرنا کہ نمازی کا دھیان نماز سے ہٹ کر اس کی تزئین کی طرف چلا جائے بالاتفاق مکروہ ہے، اسی طرح فخر و غرور کے طور پر مسجد کی تزئین بھی مکروہ ہے، اگر مسجد کی تعظیم پیش نظر ہے تو مسجد کو پختہ بنانا اور اس کو آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چوں کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے گھروں کو عالیشان بناتے ہیں ایسے میں اگر مساجد میں کسی بھی قسم کی تزئین کاری نہ کی جائے تو ممکن ہے کہ لوگ مساجد کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں، اس وجہ سے ایک حد تک تزئین کاری کی اجازت دی گئی ہے، ولیکن مساجد کے محراب کو منقش نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ سامنے ہوتے ہیں اگر یہ منقش ہوں گے تو نمازی کے خشوع و خضوع میں فرق آئے گا، مسجد کے آراستہ کرنے کا ثبوت حضرت عثمان غنیؓ کے عمل سے بھی ملتا ہے، حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور میں مسجد نبوی کی جدید تعمیر کروائی تھی انہوں نے اس کو چونے سے پختہ کروایا تھا، منقش پتھر لگوائے تھے اور چھت میں ساکھو کی لکڑی کا استعمال کیا گیا تھا لہٰذا اگر مقصود بالذات تزئین کاری نہ ہو بلکہ مسجد کی تعظیم اور اس کی پختگی پیش نظر ہو تو تزئین میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت عثمان غنیؓ خلفاء راشدین میں سے ہیں، ان کی سنتوں کو اپنانے کا حضور ﷺ نے حکم دیا ہے، فرمان نبی ہے ''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ'' اور جہاں تک حضور کے فرمان ''ما امرت بتشیید المساجد'' کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے وجوبی طور پر

مسجد کے پختہ بنانے کا حکم نہیں دیا گیا اور مسجد کے پختہ بنانے کے وجوب کے ہم بھی قائل نہیں، ہم تو صرف بلا کراہت کے جائز ہونے کے قائل ہیں اور حضرت ابن عباسؓ کے قول ''لتزخرفنها'' کا مطلب یہ ہے کہ بعد والے ایسی تزئین کاری کریں گے جس کا مقصد فخر و غرور اور بڑائی کا اظہار ہوگا اور یہ ایسی تزئین ہوگی جو نمازیوں کی توجہ نماز سے ہٹا کر تزئین کاری کی طرف متوجہ کر دے گی اس قسم کی تزئین کاری سے ہم بھی منع کرتے ہیں۔

حدیث نمبر۶۶۷ ﴿مسجدوں کی تعمیر پر فخر کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۱۹

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ، رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ، وَالنَّسَائِيُّ، وَالدَّارِمِيُّ، وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابو داؤد ص ٦٤ ج ١، باب في بناء المسجد، كتاب الصلوٰة، حديث ٤٤٩ نسائى ص ١١٢ ج ١، باب المباهات في المسجد، كتاب المساجد حديث ٦٨٨، ابن ماجه ص ٥٤ باب تشييد المساجد، كتاب المساجد حديث ٧٣٩، دارمى ص ٣٨٣ ج ١، باب فى تزويق المساجد، كتاب الصلوٰة حديث ١٤٠٨.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے علامات میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد کے سلسلہ میں فخر کریں گے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قرب قیامت سے پہلے لوگ داد و دہش حاصل کرنے کے جذبہ سے بلند و بالا آراستہ و پیراستہ مساجد تعمیر کریں گے، تعمیر مسجد سے ان کا مقصد رضاء الٰہی نہیں ہوگا بلکہ مقصود فخر و غرور ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح ان من اشراط الساعة، قیامت سے پہلے یہ بات پیش آئے گی کہ لوگ اپنی اپنی مساجد کی تعمیر کو فخر کے طور پر ذکر کریں گے کہ ہماری مسجد پورے ملک اور پورے شہر میں سب سے اچھی ہے ایک مطلب یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ لوگ مساجد میں بیٹھ کر فخر و غرور کی باتیں کریں گے حالانکہ فخر و غروریوں ہی حرام ہے اس پر مستزاد یہ کہ اس شنیع فعل کو اللہ کے گھر میں بیٹھ کر انجام دیں گے۔ (اعاذنا الله منه)

حدیث نمبر۶۶۸ ﴿مسجد کی صفائی ستھرائی کا اجر﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۲۰

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ اُجُوْرُ اُمَّتِيْ حَتّٰى الْقَذَاةُ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَ عُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوْبُ اُمَّتِيْ فَلَمْ اَرَ ذَنْبًا اَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ اَوْ آيَةٍ اُوْتِيْهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَاَبُوْدَاؤُدَ.

حوالہ: ترمذى ص ١١٩ ج ٢، كتاب فضائل القرآن، حديث ٢٩١٤، ابوداؤد ص ٦٦ ج ١، باب فى كنس المسجد، كتاب الصلوٰة حديث ٤٤١.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے ثواب مجھے دکھلائے گئے یہاں تک کہ وہ کوڑا کرکٹ بھی دکھایا گیا جس کو آدمی مسجد سے باہر نکالتا ہے اور میری امت کے گناہ بھی دکھائے گئے تو میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ ایک شخص نے قرآن کریم کی کوئی سورت یا آیت یاد کی پھر اس کو بھول گیا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں امت کے اچھے عمل اور ایک برے عمل کا تذکرہ ہے، اچھا عمل تو مسجد کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا ہے جو یہ کام کرتا ہے اجر عظیم کا مستحق ہوتا ہے اور برا فعل قرآن کریم یا اس کا کچھ حصہ یاد کر کے بھول جانا ہے جو شخص

لاپرواہی کے نتیجہ میں قرآن بھولے گا سخت گناہ گار ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح

عرضت علي اجور امتي، امت کے اچھے اور برے اعمال رسول اللہ ﷺ کو دکھائے گئے، غالب یہ ہے کہ یہ دکھانا لیلۃ المعراج میں ہوا تھا، اجور امتي، یعنی امت کے اعمال کا ثواب دکھایا گیا، حتی القذاۃ مسجد کی صفائی ستھرائی کرنے میں جو گرد آنکھ میں چلا گیا جو گندگی جسم پر لگی، اس کا ثواب بھی ملے گا، فلم ارى ذنباً، یعنی نسیان کی وجہ سے جو گناہ شمار ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑا گناہ قرآن کریم کا بھلا دینا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ صغیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ قرآن کریم کا بھول جانا ہے لیکن یہ تشریح اس وقت ہے جب قرآن کریم کی عظمت میں کوئی فرق نہ آیا ہو اگر استخفافاً فراموش کر دیا ہے تب تو یہ گناہ کبیرہ بلکہ اشد کبائر میں سے ہوگا۔

اشکال: نسیان تو معاف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "عُفِيَ عَنْ اُمَّتِيْ الْخَطأُ وَالنِّسْيَانُ" پھر حدیث باب میں نسیان کو گناہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟

جواب: یہاں مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے جان بوجھ کر قرآن کریم کو چھوڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں بھول گیا تو ایسا بھولنا چونکہ اختیار سے ہے اس وجہ سے اس کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۶۶۹ ﴿تاریکی میں مسجد آنے والوں کے لئے بشارت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۲۱، ۷۲۲

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ، وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَاَنَسٍ.

حواله: ترمذی ص ۵۳ ج ۱، باب فضل العشاء و الفجر في الجماعة، كتاب الصلوٰة حديث ۲۲۳، ابو داؤد ص ۸۳ ج ۱، باب ماجاء في المشي الى الصلوٰة في الظلام، كتاب الصلاة حديث ۵۶۱، ابن ماجه ص ۵۶، باب المشي الى الصلاة، كتاب المساجد و الجماعات.

ترجمه: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تاریکی میں چل کر مسجد آنے والوں کو یہ خوشخبری سنا دو کہ انہیں نور کامل ملے گا (ترمذی، ابوداؤد) اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت سہل بن سعدؓ اور حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث

اس حدیث میں مسجد آنے والوں کو خوشخبری سنانے کا تذکرہ ہے کہ وہ لوگ جو تاریکی میں دشواریاں اٹھا کر مسجد آتے ہیں قیامت کے دن اللہ ان کو اپنے فضل سے نور کامل سے نوازے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح

بشر المشائين، ممکن ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کو ملا ہو اگر ایسا ہے تو پھر یہ حدیث قدسی ہوگی (العرف الشذی) تاریکی میں مسجد کی طرف آنیوالوں کو نور کامل کی بشارت ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعمال کی جزا میں کچھ نہ کچھ مناسبت ضرور ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تاریکی میں چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ قیامت میں نور کامل سے نوازیں گے، یہ درحقیقت قرآن کریم کی آیت " نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا " کی طرف اشارہ ہے (قیامت کے دن ایمان والوں کا نور ان کے آگے ان کے داہنے دوڑ رہا ہوگا اور وہ یوں دعا گو ہوں گے اے ہمارے رب اس نور کو ہمارے لئے کامل فرما دیجئے) یعنی آخیر تک رکھئے۔

حدیث نمبر ۶۷۰ ﴿مسجد کا خیال رکھنا ایمان کی دلیل ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۲۳

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ

فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيْمَانِ فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ رواه الترمذيُّ وابنُ ماجة والدّارميُّ .

حواله: ترمذی ص ۹۰ ج ۲، باب ما جاء فی حرمة الصلاة، كتاب الايمان حديث ۲۶۱۷، ابن ماجه ص ۵۸، باب لزوم المساجد وانتظار الصلوٰة، كتاب المساجد حديث ۸۰۲، دارمی ص ۳۰۲ ج۱، باب المحافظة على الصلوٰة، كتاب الصلاة حديث ۱۲۲۳.

ترجمه: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو مسجد کا بہت خیال کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ الخ" مسجدوں کو تو وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص مسجد کی دیکھ ریکھ کرتا ہے اس کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھتا ہے اس میں عبادت اور ذکر کا اہتمام کرتا ہے تو ایسا شخص سچا مومن ہے اس کے مؤمن ہونے کی گواہی دینا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح يتعاهدالمسجد "تعاهد" کے دو معنی ہیں، مسجد کی خدمت اور اس کی تعمیر کرنا (۲) نماز و جماعت قائم کرنے کے لئے مسجد آنا، یہی دوسرے معنی تعاہد کے حقیقی ہے تعمیر ظاہری شکل ہے۔

اشکال: اس حدیث میں مذکورہ بالا وصف کے حامل شخص کے بارے میں ایمان کی گواہی دینے کا حکم ہے، جبکہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری بچہ کے انتقال پر کہا" طُوْبٰى لِعُصْفُوْرٍ مِنْ عَصَافِيْرِ الْجَنَّةِ" مبارک ہو کہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے، تو آپ ﷺ نے اس قول کو ناپسند کیا اور اس سے منع فرمایا، دونوں میں بظاہر متعارض محسوس ہو رہا ہے۔

جواب: حضرت عائشہؓ کو یقینی طور پر اس بچے کے حوالہ سے جنت میں جانے کا گمان رکھنے سے منع کیا تھا اور یہاں ظن غالب کے طور پر ایمان کی گواہی دی جائے گی، قطعی اور یقینی گواہی نہیں دی جائے گی، لہٰذا دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ (مرقات ص ۲۰۷ ج ۲)

حدیث نمبر ۶۷۱ ﴿مسجد میں بیٹھنا بہت اجر کا سبب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۲۴

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِئْذَنْ لَنَا فِي الْإِخْتِصَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصىٰ وَلَا اختصىٰ إِنَّ خِصاءَ أُمَّتِيْ فَقَالَ ائذان لنا في السياحةِ فقالَ إِنَّ سِياحةَ أُمَّتِيْ الجِهادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ ائْذنْ لَنافِيْ التَّرهُّبِ فَقَالَ إِنَّ تَرَهُّبَ أُمَّتِيْ الْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ انتِظارَ الصَّلوٰة رواهُ في شرحِ السُّنَّةِ.

حواله: شرح السنه ص ۳۷۰ ج ۲، باب فضل القعود فى المسجد، كتاب الصلوٰة، حديث ۴۸۴.

ترجمه: حضرت عثمان بن مظعونؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے خصی ہونے کی اجازت دیجئے، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے کسی کو خصی کی یا خود خصی ہوا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے، میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ روزہ رکھا جائے، پھر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ ہم کو سیاحت کی اجازت دید یجئے، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے، پھر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ ہم کو رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجئے اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کی رہبانیت مساجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنا ہے۔ (شرح السنة)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں صحابی رسول حضرت عثمانؓ بن مظعون نے آپ ﷺ سے تین چیزوں کی اجازت مانگی ہے آپ ﷺ نے ان تین چیزوں کی اجازت تو نہیں دی البتہ انکو ایسی متبادل چیزیں بتا دی جنسے انکو وہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جن

فوائد کو حاصل کرنے کیلئے انہوں نے اجازت مانگی تھی۔ خصی ہونے کی اجازت چاہی تھی تا کہ زنا سے مکمل طور پر محفوظ رہیں، آپ ﷺ نے خصی ہونے سے منع فرمادیا لیکن زنا سے بچنے کیلئے نسخہ بتادیا کہ روزہ رکھو بے فائدہ ملکوں میں پھرنے سے روک دیا لیکن اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کی غرض سے ملکوں میں پھرنے کی اجازت دے دی، اسی طرح دنیا سے کنارہ کش ہو کر اور جائز خواہشات سے منہ موڑ کر رہبانیت اختیار کرنے سے تو منع کیا لیکن جو چیز رہبانیت سے حاصل کرنا چاہ رہے تھے وہ چیز بہتر طریقہ سے حاصل کرنے کیلئے یہ نسخہ بتادیا کہ مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرو اور اپنے رب کی طرف متوجہ رہو اور اپنے آپکی طرف متوجہ رہو یہ رہبانیت سے افضل عمل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح عثمان بن مظعون، رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں قال، ان کو اصحاب صفہ کی جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تھا تا کہ یہ آپ ﷺ سے ان کے لئے خصی ہونے کی اجازت حاصل کرلیں کیونکہ ان کو عورتوں کی خواہش ہوتی تھی اور شادی وغیرہ کرنا ان کے بس میں تھا نہیں، **یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِئْذَنْ لَنَافِي الْاِخْتِصَاءِ**" اے اللہ کے رسول ہمیں خصیہ نکالنے کی اجازت عطا فرمادیجئے تا کہ ہم سے شہوت زائل ہوجائے یہی شہوت ہے جو آدمیوں کو بہت سی بھلائیوں سے روک دیتی ہے اور بہت سی پریشانیوں اور تکلیفوں سے دو چار کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے، "**ضَاعَ الْعِلْمُ فِيْ اَفْخَاذِ النِّسَاءِ**" عورتوں کی رانوں میں علم ضائع ہوگیا، یعنی جو شخص عورتوں کے چکر میں پڑ گیا علم سے اس کی شناشائی ختم سمجھو۔

لیس منا، یعنی جو شخص خود خصی ہو یا اس نے دوسروں کو خصی کیا ہو ہم میں سے نہیں ہے یعنی وہ ہمارے طریقہ کو اختیار کرنے اور ہماری راہ کی پیروی کرنے والا نہیں ہے، اسی حکم میں دائمی طور پر نسل کشی والی دواؤں کو کھانا اور کھلانا بھی ہے، یعنی یہ بھی حرام ہے۔ **ان خصاء امتی**، جو شخص اپنی شہوت کو توڑنا چاہے وہ روزہ رکھے؛ یہ بہت عمدہ علاج ہے اس صورت میں انسان اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اور رضاء الٰہی کا سبب بھی ہے اسی معنی میں یہ حدیث بھی ہے، "**یَامَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ**" اے جوانوں کی جماعت تم میں سے جو لوگ شادی کی طاقت رکھتے ہیں وہ شادی کرلیں اور جو طاقت نہیں رکھتے ہیں، وہ روزہ رکھیں اس وجہ سے کہ روزہ شہوت کو ختم کرنے والا ہے۔ **ائذن لنا فی السیاحۃ**، حضرت عثمان بن مظعونؓ نے سیاحت کی اجازت مانگی "سیاحت" کہتے ہیں کہ شہروں کو چھوڑ کر نکل جانا، بنی اسرائیل کے عابدین ایسا کرتے تھے، تحصیل علوم یا بزرگان دین کی زیارت کی غرض سے سیاحت کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ مستحب ہے اور مستحسن ہے، لیکن سب سے افضل سیاحت جہاد کی غرض سے ہوتی ہے اسی کا حدیث میں ذکر ہے، یہ ایسی عبادت ہے جو نفس کے لئے دشوار بھی ہے اور اس کا فائدہ بھی بہت دور رس ہے، جہاد میں جہاد اصغر و اکبر دونوں شامل ہیں، **ائذن لنا في الترهب**، یعنی لوگوں سے کنارہ کشی ہو کر پہاڑوں وغیرہ پر چلے جانا جیسا کہ بنی اسرائیل کے عابدین کرتے تھے "رھب" کے اصل معنی تو ڈرنے کے ہیں؛ مقصد یہ ہے کہ دنیوی سارے علوم سے الگ ہو کر خلوت اختیار کرنا جائز امور سے بھی منہ موڑ کر نفس کو شدید مشقت میں ڈالنا۔

بنی اسرائیل کے راہب تو اپنے کو خصی کر کے گلے میں طوق ڈالے رہتے تھے ہماری شریعت میں ان چیزوں کی گنجائش نہیں ہے اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت تو مساجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنا ہے یہ چیز فضائل کے اضافہ کے ساتھ، ترہب کے فوائد بھی کو شامل ہے۔ (مستفاد مرقات ص ۲۰۸ ج ۲)

حدیث نمبر ۶۷۲ ﴿جماعت میں شریک ہونے کیلئے پیدل چلکر آنیکی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۲۶،۷۲۵

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَايَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰى قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَابَيْنَ ثَدْيَيَّ

فَعَلِمْتُ مَافِی السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَتَلَا وَكَذَالِكَ نُرِیْ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ وَلِلتِّرْمِذِیْ نَحْوَهُ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَزَادَ فِيْهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِیْ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ نَعَمْ فِی الْكَفَّارَاتِ وَالْكَفَّارَاتُ الْمَكْثُ فِی الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلٰوتِ وَالْمَشْیُ عَلَی الْاَقْدَامِ اِلَی الْجَمَاعَاتِ وَاِبْلَاغِ الْوُضُوْءِ فِی الْمَكَارِهِ وَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ وَكَانَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِذَا صَلَّيْتَ فَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ فَاِذَا اَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِیْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ قَالَ وَالدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ وَلَفْظُ هٰذَا الْحَدِيْثِ كَمَا فِی الْمَصَابِيْحِ لَمْ اَجِدْهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِلَّا فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

حواله: دارمی: ص: ۱۷۰ ج۲، باب فی رؤية الرب تعالیٰ فی النوم، کتاب الرؤیا، حدیث ۱۲۴۹، ترمذی ص ۱۵۹ ج۲، باب ومن سورۃ "ص" کتاب تفسیر القرآن۔

ترجمه: حضرت عبدالرحمٰن بن عائشؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کونہایت اچھی صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اوپر والے کس چیز میں جھگڑا کرتے ہیں میں نے کہا آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا، میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی، پھر میں آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اس سے واقف ہوگیا اس کے بعد اللہ کے نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی "و کذالك نری ابراهیم الخ" اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کے تصرفات دکھائے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والے ہوجائیں۔ دارمی نے اس روایت کو بطریق ارسال نقل کیا ہے، ترمذی نے بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عائشؓ سے بھی تقریباً یہی الفاظ نقل کیا، اور ابن عباس ومعاذ بن جبلؓ سے بھی روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ زائد ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اوپر والے کس چیز میں جھگڑا کرتے ہیں میں نے کہا جی ہاں وہ کفارات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور کفارات ہیں نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا ہے، جماعت میں شریک ہونے والے کیلئے پیدل آنا ہے، ناگواری کی حالت میں وضو کو مکمل کرنا ہے جس نے یہ کام کیا وہ بھلائی پر جئے گا اور بھلائی پر مرے گا، اور گناہوں سے ایسا صاف ہوجائے گا جیسے کہ اس کی ماں نے اس کو آج ہی جنا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! جب آپ نماز سے فارغ ہوجایا کریں تو یہ دعا پڑھیں "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الخ" (اے اللہ میں بھلائیاں کرنے اور برائیاں ترک کرنے اور مسکینوں سے محبت کرنے کا آپ سے سوال کرتا ہوں اور جب آپ اپنے بندوں کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنا چاہیں تو مجھے فتنوں سے بچا کر مجھے اپنے پاس بلا لیجئے گا) پھر فرمایا وہ اعمال کہ جن کے ذریعہ سے درجات بڑھ جاتے ہیں یہ ہیں، سلام کو پھیلانا، مسکین کو کھانا کھلانا، اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں، حدیث کے یہ الفاظ جیسے کہ مصابیح میں ہیں میں نے عبدالرحمٰن کی روایت سے شرح السنۃ کے سوا کسی اور کتاب میں نہیں پایا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں مندرجہ ذیل چند باتوں کا خصوصیت سے بیان ہے (۱) آپ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار فرمایا، دیدار فرمانے کی کیفیت کا ہمیں علم نہیں بس ایمان لانا ضروری ہے (۲) اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی توجہ فرمائی تو آپ کیلئے معارف کے بہت سے دروازے کھل گئے (۳) بعض ایسے نیک کام کا تذکرہ ہے جنسے گناہ معاف ہوتے ہیں اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے دربار میں انکو لیجانے کیلئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں (۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک دعا کی تلقین فرمائی ہے جنکے الفاظ متن میں اور ترجمہ ماقبل میں گذر چکا ہے (۵) تین ایسے کاموں کا تذکرہ ہے جنسے انسان کا مقام ومرتبہ بلند ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رأیت ربی عزوجل فی احسن صورة، نبی پاک ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے یا تو خواب میں دیکھنا مراد ہے، اگر خواب میں دیکھنا مراد ہے تو اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

''عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اِحْتَبَسَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْغُدْوَةِ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ فَلَمَّا صَلَّى الْغَدَاةَ قَالَ اِنِّيْ صَلَّيْتُ اللَّيْلَ مَاقَضٰى رَبِّيْ وَوَضَعْتُ جَنْبِيْ فِي الْمَسْجِدِ فَاَتَانِيْ رَبِّيْ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ''
اور اگر بیداری میں دیکھنا مراد ہے تو اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے'' فَنَعَسْتُ فِيْ صَلَاتِيْ حَتّٰى اِسْتَيْقَظْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ'' سلف صالحین کی اس جیسی احادیث کے بارے میں یہ رائے ہے کہ ان کے ظاہر پر ایمان لایا جائے اور ان کی کیفیت کی تحقیق میں پڑنے سے بچا جائے۔

فی احسن صورة، اس کے دو مفہوم ہیں (۱) اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، تو اللہ تعالیٰ کی صفت وشان کو بتانا مقصود ہے، (۲) آپ ﷺ سے متعلق ہے اس صورت میں آپ ﷺ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب میں نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اس وقت میں بہت اچھی حالت میں تھا، فیمایختصم الملاء الاعلی، فرشتے ایک دوسرے سے اس طرح بات کرتے ہیں جیسے دو فریق کسی مسئلہ میں بحث و تکرار کرتے ہیں اسی جھگڑا سے تعبیر کیا ہے، فوضع کفه بین کتفيَّ، اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنی ہتھیلی رکھی اس پر بھی ایمان لایا جائے گا اس کی کیفیت کی تحقیق میں نہیں پڑ جائے گا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجازی معنی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر لطف وعنایت کی مزید بارش کی، فوجدت بردها بین ثدییَّ یہ بھی کنایہ ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب خصوصی کرم فرمایا تو اس کے اثر سے میرے علم ومعارف کے دروازے کھل گئے، نعم فی الکفارات، یعنی جن چیزوں کو فرشتے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں وہ اعمال ہیں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں یعنی جن سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس کے بعد ان تین اعمال کا تذکرہ کیا ہے جو گناہوں کے لئے کفارہ بنتے ہیں (۱) نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا یا اعتکاف کی نیت سے بیٹھنا، یا مخلوق سے بچ کر اللہ کی یاد میں لگنے کے ارادہ سے بیٹھنا (۲) جماعت کی ادائیگی کے لئے تواضع وانکساری کی بناء پر پیدل آنا (۳) جاڑے کی شدت یا کسی اور بنا پر وضو کرنے کا جی نہیں چاہ رہا ہے اس کے باوجود مکمل طور سے وضو کرنا، وکان من خطیئتة، مذکورہ بالا اوصاف کا حامل شخص گناہ صغیرہ سے مکمل طور سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، قال والدرجات، تین چیزوں کا ذکر ہے جن کے اختیار سے آدمی عنداللہ وعندالناس محبوب ومقبول ہو جاتا ہے، (۱) آشنا و نا آشنا ہر طرح کے مسلمان کو سلام کرنا (۲) خاص وعام ہر طرح کی مخلوق کو کھانا کھلانا (۳) جب لوگ نیند کے مزے لے رہے ہوں اس وقت ریا کاری و شہرت کی آمیزش سے پاک صاف نماز پڑھنا۔

حدیث نمبر ۶۷۳ ﴿تین لوگوں کا اللہ ضامن ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۲۷

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ رَجُلٌ خَرَجَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ حَتّٰى يَتَوَفَّاهُ فَيُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ اَوْ يَرُدَّهُ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ وَ رَجُلٌ رَاحَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد.

حوالہ: ابوداؤد شریف ص ۳۳۷ ج ۱، باب فی رکوب البحر والغزو، کتاب الجهاد، حدیث ۲۴۹۴،

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں کہ اللہ نے ان میں سے ہر ایک کا ذمہ لیا ہے (۱) وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے ارادہ سے نکلا تو اس کے سلسلہ میں اللہ کی ذمہ داری ہے کہ اس کو یا تو وفات دیکر جنت میں

داخل فرمائیں گے یا پھر اجرو ثواب کے ساتھ یا مال غنیمت کے ساتھ اس کو لوٹائیں گے (۲) وہ شخص جو مسجد کی طرف چلا اس کی ذمہ داری اللہ پر ہے (۳) وہ شخص جو سلام کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوا اس کی ذمہ داری بھی اللہ پر ہے۔ (ابوداؤد شریف)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ تین طرح کے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں تکلیفوں اور پریشانیوں کا شکار ہونے سے محفوظ کر دیا ہے وہ تین لوگ یہی ہیں (۱) مجاہد (۲) مسجد میں پابندی سے حاضر ہونے والا (۳) جو شخص سلام کرکے اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ثلاثة كلهم ضامن على الله، تین طرح کے لوگ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی اللہ حفاظت کرتا ہے ضامن مضمون کے معنی میں ہے یا ذوضمان کے معنی میں ہے، رجل خرج غازيا، جہاد میں جو نکلے گا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ دو میں سے کسی ایک بات کی ذمہ داری ہے (۱) یا تو اس کی روح قبض ہوگی، خواہ موت کے ذریعہ سے ہو یا قتل کے ذریعہ سے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کو جنت عطا فرمائے گا (۲) یا وہ گھر واپس ہوگا اور اللہ کا وعدہ ہے کہ خالی ہاتھ گھر واپس نہیں آئے گا، یا مال غنیمت لے کر آئے گا یا اجر و ثواب کا مستحق ہو کر آئے گا، ورجل راح الى المسجد، جو شخص پابندی کے ساتھ مسجد آتا جاتا رہتا ہے وہ بھی اللہ کے زیر ضمان ہے اس کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کو اجر و ثواب عنایت فرماتے رہیں گے اور مرنے کے بعد جنت عطا فرمائیں گے، ورجل دخل بيته بسلام، جو شخص اپنے گھر میں سلام کے ساتھ داخل ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے زیر ضمان ہے، سلام کے ساتھ گھر میں داخل ہونے کے دو معنی ہیں (۱) جب گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے، قرآن کریم میں اس کی تعلیم یوں ہے "فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً" اور دوسری جگہ ارشاد ہے "اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ آمِنِيْنَ" ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت انسؓ سے فرمایا "اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ" اگر کوئی قرآن و حدیث کے اس تعلیم پر عمل کرتا ہے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کے گھر میں خیر و برکت نازل فرمائے گا (۲) سلام کے ساتھ گھر میں داخل ہونے کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ فتنہ و فساد کے وقت برے لوگوں کی صحبت سے بچ کر امن و عافیت کے ساتھ میں سکونت اختیار کرے جو شخص ایسے کرے گا اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ اس کو فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔

حدیث نمبر ۶۷۴ ﴿مسجد جانے سے پہلے وضو کرلینا چاهئے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۲۸

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا اِلٰى صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ فَاَجْرُهُ كَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ اِلٰى تَسْبِيْحِ الضُّحٰى لَا يُنْصِبُهُ اِلَّا اِيَّاهُ فَاَجْرُهُ كَاَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلَاةٌ عَلٰى اِثْرِ صَلَاةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِيْ عِلِّيِّيْنَ رَوَاهُ اَحْمَدُ، وَرَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ.

حواله: مسنداحمد ص ۲۶۸ ج۵، ابوداؤد ص ۸۲ ج۱، باب ما جاء فی فضل المشی الی الصلاة، کتاب الصلوة، حدیث ۵۵۸.

ترجمه: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے وضو کرکے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے تو اس کو ایسے ہی ثواب ملتا ہے جس طرح احرام باندھ کر حج کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور جو شخص چاشت کی نفل نماز پڑھنے کے لئے نکلا اور اس کو نماز ہی کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچی تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کی طرح ہے اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز اس طور پر پڑھنا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی لغو کام نہ ہوا ہو ایسا عمل ہے جو علیین میں لکھا جاتا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے جب تک حج و عمرہ کرنے والے گھر واپس نہیں آجاتے اس وقت تک ان کے ہر قدم پر ثواب لکھا جاتا ہے اسی طرح جو شخص گھر سے وضو کرکے نماز پڑھنے کے لئے جاتا ہے یا چاشت کی نماز پڑھنے کیلئے

جاتا ہے اور اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ایسے لوگوں کے لئے بھی ہر قدم پر اس وقت تک ثواب لکھا جاتا ہے جب تک کہ وہ گھر واپس نہیں آجاتے، اسی طرح اگر کوئی شخص دو نمازوں کے بیچ میں کسی قسم کی لغوبات نہیں کرتا ہے تو وہ بہت افضل عمل ہے اس کی بنا پر یہ شخص بہت بڑے اجر وثواب کا مستحق بنتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من خرج من بیته متطهراً، نماز پڑھنے کے ارادہ سے جو شخص گھر سے نکلتا ہے اس کو حج کرنے والے کی طرح اجر ملتا ہے اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) نماز کیلئے گھر ہی سے وضو کر کے جانا افضل ہے (۲) مذکورہ بالا شخص کو حج کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے اس کی ایک توجیہ تو خلاصہ حدیث کے تحت گذر چکی ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو اجر مضاعف جو کہ فضل خداوندی سے ملتا ہے حج کے اجر حقیقی کے برابر ہوتا ہے۔

ومن خرج الی تسبیح، اس سے چاشت کی نماز کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس کا ثواب عمرہ کے برابر ہے، یہاں بھی وہی توجیہ ہے جو ماقبل میں گذر چکی ہے، فرض نماز پڑھنے والے کو حج کا ثواب اور چاشت کی نماز جو کہ نفل یا سنت ہے اس کے پڑھنے والے کو عمرہ کا ثواب ملنے کا تذکرہ ہے۔

جو نسبت فرض نماز اور چاشت نماز کے درمیان ہے وہی نسبت عمرہ اور حج کے درمیان ہے حاصل یہ نکلا کہ عمرہ سنت ہے، وصلاۃ علی اثر صلاۃ، ایک نماز کے بعد دوسری نماز اس طرح ادا کی گئی کہ اس کے درمیان کوئی لغو فعل یا بات نہیں کی تو ایسی نماز اللہ تعالیٰ کے یہاں بے حد مقبول ہے، علیین سے مراد اعمال خیر کا رجسٹر ہے جس میں صلحاء و اتقیا کے اعمال لکھے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۶۷۵ ﴿مسجد میں جنت کے باغ ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۲۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ الْمَسَاجِدُ قِیْلَ وَمَا الرَّتْعُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص ۱۹۱ ج ۲، باب کتاب الدعوات، حدیث ۳۵۰۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جب جنت کے باغوں سے گذرا کرو تو میوے کھایا کرو پوچھا گیا اے اللہ کے رسول جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مسجدیں، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول میوے کھانا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر (پڑھنا) ترمذی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مساجد میں عبادت کرنے سے جنت کے باغات حاصل ہوتے ہیں اور جو شخص مسجد میں داخل ہو یا اس کے پاس سے گذرے تو اس کو کثرت سے ذکر کرنا چاہئے اس سے اجر عظیم کا مستحق ہوگا، باغات سے پھل کھانے کا حاصل یہی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا مررتم : جب تم مسجد کے پاس سے گذرو تو خاموشی کے ساتھ مت گذرو بلکہ ذکر کرتے ہوئے گذرو، ذکر عام ہے خواہ دل سے ہو یا زبان سے اور اگر کوئی شخص دونوں کو جمع کر لے تو یہ نور علیٰ نور ہے۔

ماریاض الجنة، آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جنت کے باغات کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا مساجد جنت کے باغات ہیں، ایک روایت میں اسی سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا "حَلَقُ الذِّکْرِ"، یعنی ذکر کے حلقے جنت کے باغات ہیں، دونوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ذکر کے حلقے مسجد میں بھی لگتے ہیں لہٰذا، حدیث باب خاص ہوگی اور حَلَقُ الذِّکْرِ والی حدیث عام ہوگی،

وماالرتع، "رتع" کا حقیقی مفہوم ہے باغ سے میوے اور پھل وغیرہ کھانا، حدیث میں "رتع" کے مفہوم کو وسعت عطا کی گئی ہے چنانچہ یہاں اجر جمیل اور ثواب عظیم کا حاصل کرنے کے معنی ہیں، مساجد کا رتع ذکر اللہ ہے اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص وقت مکروہ میں مسجد آئے اور وہ حدیث میں مذکور کلمات پڑھے تو اس کو تحیۃ المسجد کا ثواب ملے گا یہیں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ "رتع" مذکورہ کلمات میں منحصر نہیں ہے چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ سے پوچھا گیا "وَمَاالْاِرْتِيَاعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" آپ ﷺ نے فرمایا "اَلدُّعَاءُ وَالرَّغْبَةُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ" (مرقات ص ۲۱۴ ج ۱)

حدیث نمبر ۶۷۶ ﴿مسجد میں اچھی نیت سے جانا چاہئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۳۰

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْءٍ فَهُوَ حَظُّهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۶۸ ج ۱، باب فی فضل القعود فی المسجد، کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۷۲.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسجد میں جس غرض سے آئے گا اس کو اسی کے مطابق حصہ ملے گا۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے، ذکر واذکار کرنے یا کسی اور دینی غرض سے آئے گا تو اس کو ثواب ملے گا اور کوئی شخص اپنی کسی دنیوی غرض سے آئے گا تو اسکو بجائے ثواب کے گناہ ملے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح من اتی المسجد لشئی فهو حظه، جو شخص مسجد میں کسی دینی غرض سے آئے گا تو جتنی دیر عبادت کریگا اس کا ثواب تو اسکو ملے گا ہی اس کے علاوہ جتنی دیر عبادت نہیں کریگا، صرف مسجد میں ٹھہرا رہے گا تو یہ بھی اجر وثواب کا باعث ہوگا اس کے علاوہ اگر کوئی شخص دوستوں سے بات چیت کرنے کی غرض سے یا کسی اور دنیوی کام کے لئے مسجد آتا ہے تو چونکہ مسجد ان کاموں کیلئے تعمیر نہیں ہوتی ہے اس وجہ سے ایسے امور مسجد میں انجام دینا گناہ ہے تو جتنی دیر وہ شخص مسجد میں اپنا دنیوی کام کرے گا اس وقت تک گناہ عمل کی وجہ سے ملے گا اور جتنی دیر اس غرض سے قیام رہے گا اس کا گناہ بھی لکھا جائے گا گویا اس حدیث میں مسجد آنے والے کو تصحیح نیت پر ابھارنا مقصود ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ہے "وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى"۔

حدیث نمبر ۶۷۷ ﴿مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت آپکی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۳۱

وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرىٰ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا قَالَتْ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَكَذَا اِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ بَدَلَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْ فَاطِمَةَ الْكُبْرىٰ.

حوالہ: ترمذی ص ۷۱ ج ۱، باب مایقول عند دخول المسجد، کتاب الصلاہ، حدیث ۳۱۴، مسند احمد ص ۲۸۲ ج ۶، ابن ماجه ص ۵۶ باب الدعا عند دخول المسجد، کتاب المساجد حدیث ۷۷۱.

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت حسینؓ اپنی دادی فاطمہ کبریٰؓ سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو کہتے تھے "صل علی محمد وسلم" (محمد پر درود وسلام ہو) اور کہتے "رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتك" (میرے رب میرے گناہوں کو بخش دیجئے اور میرے لئے اپنے رحمت کے دروازے کھول دیجئے) اور مسجد سے باہر نکلتے تو

کہتے "صلی علی محمد و سلم" "اے اللہ محمد ﷺ پر درود وسلام ہو اور کہتے رب اغفرلی الخ" "اے اللہ میرے گناہوں کو بخش دیجئے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دیجئے۔ (ترمذی احمد، ابن ماجہ) اور ترمذی، ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ نے بیان کیا جب آپ مسجد میں داخل ہوتے اور اسی طرح جب نکلتے تو کہتے "بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ" (اللہ کے نام کے ساتھ اور سلامتی ہو اللہ کے رسول پر) "صلی علی محمد و سلم کی جگہ پر" ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے۔ فاطمہ بنت حسین نے فاطمہ کبریٰ کا زمانہ نہیں پایا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے اور نکلتے تھے تو درود پڑھتے اور درود میں امت کو تعلیم دینے کی غرض سے اپنا نام لیتے تھے تاکہ لوگ سیکھ لیں اسی طرح مسجد میں آتے اور جاتے درود پڑھتے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا دخل المسجد صلی علی محمد، آپ ﷺ درود وسلام کے وقت اپنا نام لیتے تھے درود کے معنی ہیں بے پایاں رحمت اور سلام کے معنی سلامتی کے ہیں اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مسجد میں داخل ہونے کے بعد درود بھیجتے تھے اپنے اوپر نام لیکر درود بھیجنے کی حکمت امت کو تعلیم دینا تو ہے ہی اسی کیساتھ یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ حضور کو خود درود وسلام کے ذریعہ اپنی تعظیم کرنیکا ویسا ہی حکم ملا تھا، جیسا کہ دیگر مسلمانوں کیلئے یہ حکم ہے۔ و قال رب: گذشتہ روایت میں "اَللّٰھُمَّ" کے الفاظ میں دونوں طرح کا دعا کرنا مسنون ہے۔ آپ ﷺ نے مسجد میں داخل ہونے کے وقت رحمت کا اور نکلنے کے وقت فضل کا سوال کیا ہے، حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسکی توجیہ یہ ذکر کی ہے، کہ رحمت سے مراد اخروی نعمت ہے اور فضل سے مراد دنیوی نعمت ہے، یعنی رزق ہے، صاحب مرقات اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ جب انسان مسجد میں داخل ہوتا ہے تو وہ عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور عبادت سے اللہ کی رحمت حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ" لہٰذا اسی رحمت کو حاصل کرنے کی دعا کی جارہی ہے اور جب آدمی مسجد سے باہر نکلتا ہے تو دنیوی امور میں مشغول ہوتا ہے اس وجہ سے نکلتے وقت فضل یعنی رزق کی دعا کی جارہی ہے، فاطمہ بنت حسین نے فاطمہ کبری بنت رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا ہے کیونکہ فاطمہ کبری کا انتقال حضرت حسن کے بچپن میں ان کی شادی سے پہلے ہی ہوگیا تھا تو فاطمہ صغریٰ کی فاطمہ کبریٰ سے ملاقات کا کوئی سوال ہی نہیں اور جب ملاقات ممکن نہیں تو ان سے روایت سننا بھی ممکن نہیں لہٰذا کہا جائیگا یہ حدیث منقطع ہے دونوں کے بیچ کا راوی موجود نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۶۷۸ ﴿مسجد میں اشعار پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۳۲

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيبٍ عن اَبِيهِ عن جَدِّهٖ قَالَ نَهىٰ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عن تَنَاشُدِ الاَشْعَارِ فِي المَسْجِدِ وَعَنْ البَيْعِ وَالإِشْتِرَاءِ فِيهِ وَاَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ يَومَ الجُمُعَةِ قَبلَ الصَّلَاةِ فِي المَسْجِدِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرمِذِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۱۴۵ ج ۱، باب التحلق یوم الجمعة قبل الصلاة، حدیث ۱۰۸۹، ترمذی ص ۷۳ ج ۱، باب کراھیة البیع والشراء وانشاد الضالة والشعر فی المسجد، کتاب الصلاة، حدیث ۳۲۲.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں اشعار پڑھنے اور اس میں خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن لوگ جمعہ کی نماز سے پہلے مسجد میں دائرہ بنا کر بیٹھیں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے چند باتوں سے منع فرمایا ہے (۱) مسجد میں مشاعرہ کرنا، بیت بازی کرنا یا لغو اشعار پڑھنا ممنوع ہے، (۲) مسجد میں خرید وفروخت کرنا اسی طرح دوسرے دنیوی امور انجام دینا منع ہے (۳) مسجد میں

جمعہ سے قبل دائرہ بنا کر بیٹھنا ممنوع ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تناشد الاشعار: رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے، یہ حدیث اس حدیث کے معارض معلوم ہوتی ہے جس میں حضرت حسانؓ کا آپ ﷺ کی موجودگی میں اشعار پڑھنا منقول ہے، چنانچہ ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت منقول ہے "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصِبُ لِحَسَّانَ مِنْبَراً فِي الْمَسْجِدِ فَيَقُوْمُ عَلَيْهِ وَيَهْجُوْ الْكُفَّارَ" (رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ کے لئے منبر بنایا تھا جس پر کھڑے ہو کر حضرت حسانؓ اپنے اشعار کے ذریعہ کفار کی ہجو کرتے تھے) آپ ﷺ حضرت حسانؓ کے اشعار سن کر خوش ہوتے تھے کیونکہ اس میں دشمنان دین کا منہ توڑ جواب ہوتا تھا اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جبرئیل حضرت حسان کے اشعار سن کر ان کی تائید کرتے ہیں۔

نسائی میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کا گذر مسجد نبوی کے پاس سے ہوا انہوں نے حضرت حسان کو مسجد میں اشعار پڑھتے سنا تو ان پر خفگی کی نگاہ ڈالی، حضرت حسانؓ نے فرمایا "قَدْ اَنْشَدْتُ وَفِيْهِ خَيْرٌ مِنْكَ" میں اشعار مسجد میں اس ذات کی موجودگی میں پڑھتا تھا جو آپ سے بہتر تھی، (حضور ﷺ کی موجودگی میں اشعار پڑھتا تھا) حضرت عمرؓ ابو ہریرہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے دریافت کیا کہ کیا آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا "اَجِبْ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا "اَللّٰهُمَّ نَعَمْ" ان روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں اشعار پڑھنا درست ہے جب کہ حدیث باب میں ممانعت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں طرح کی روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے اس وجہ سے کہ اگر شعر حمد وثنا سے متعلق ہے تو اس کا مسجد میں پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے اور اگر اشعار لغو کلام پر مشتمل ہیں تو ان کا پڑھنا ممنوع ہے اس کی وضاحت "التعلیق الصبیح" میں یوں ہے کہ وہ اشعار جو فخر وغرور اور استلذ اذ نفس سے متعلق ہیں ان کا مسجد میں پڑھنا مذموم ہے اور جو اشعار حق اور اہل حق کی تعریف اور باطل واہل باطل کی مذمت سے متعلق ہوں تو ان کو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (التعلیق الصبیح ص ۳۲۳ ج ۱)۔

عمدۃ القاری میں ہے "اِنَّ شِعْرَ الْحَقِّ لَايَحْرُمُ فِي الْمَسْجِدِ" (حق سے متعلق اشعار کا مسجد میں پڑھنا حرام نہیں ہے)

(عمدۃ القاری ص ٤٠٤ ج ۲)

ومن البیع والاشتراء، مسجد کی تعمیر کا مقصد نماز، تلاوت، ذکر واذکار میں لگنا ہے، لہذا مسجد میں خرید وفروخت کرنا مسجد کی تعمیر کے مقصد کے خلاف ہے، لہٰذا مسجد میں ان امور کا انجام دینا مکروہ ہے جو شخص مسجد میں معتکف ہے اس کے لئے مسجد میں بیٹھ کر خرید وفروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ جب ہے جبکہ مبیع مسجد میں نہ لائی جائے۔ "جَوَّزَ الْفُقَهَاءُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمُعْتَكِفِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّحْضُرَ الْمَبِيْعُ" (معارف السنن ص ۲۱۳ ج ۲)۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ممانعت نفس بیع وشراء میں نہیں ہے بلکہ کثرت بیع وشراء میں ہے اگر ایک دو آدمی نے کوئی چیز خرید لیا تو کوئی حرج نہیں اسی طرح ایک دو آدمی نے کوئی دوسرا کام مسجد میں کرلیا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، حضرت علیؓ سے مسجد میں بیٹھ کر اپنا جوتا درست کرنا ثابت ہے اور اس کا علم حضور ﷺ کو بھی تھا چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "وَلٰكِنَّهُ خَاصِفُ النَّعْلِ فِي الْمَسْجِدِ" لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ نفس عمل مسجد میں ممنوع نہیں، کثرت عمل ممنوع ہے۔ "وان یتحلق الناس یوم الجمعۃ قبل الصلاۃ فی المسجد" جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے حلقہ لگا کر بیٹھنا ہی مکروہ ہوگا جب کہ بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں نہی کی علت خطبہ میں رکاوٹ کا پیدا ہونا ہے ایسی صورت میں نہی صرف خطبہ کیساتھ مخصوص ہوگی اور یہی زیادہ بہتر ہے اور

اگر لوگوں کو حلقہ لگا کر بیٹھنے کی اجازت دیدی جائے تو اس سے قطع صفوف لازم آئیگا "قبل الصلاۃ" کی قید سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے بعد حلقہ لگا کر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح "یوم جمعۃ" کی قید سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے علاوہ دوسرے ایام میں حلقہ لگایا جاسکتا ہے اس موقع پر بھی امام طحاویؒ فرماتے ہیں، نفس حلقہ لگانے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ کثرت سے حلقہ لگانے کی ممانعت ہے۔

حدیث نمبر ۶۷۹ ﴿مسجد میں خریدو فروخت کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۳۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمْ مَنْ یَبِیْعُ اَوْیَبْتَاعُ فِی الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ وَاِذَا رَاَیْتُمْ مَنْ یَنْشُدُ فِیْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوا لَارَدَّهَا اللّٰهُ عَلَیْكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص ۲۴۶ ج۲، باب ماجاء فی حرمة الصلاۃ، کتا ب الایمان، حدیث ۳۶۱۷، دارمی ص ۳۰۲ ج۱، باب المحافظة علی الصلاۃ، حدیث ۲۲۲۳.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی شخص کو مسجد میں بیچتے یا خریدتے دیکھو تو یوں کہو اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں نفع نہ دے اور جب تم کسی شخص کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے دیکھو تو یوں کہو اللہ کرے تمہاری چیز تم کو نہ ملے۔

(ترمذی، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر کی جو غرض وغایت ہے اسکے خلاف امور مسجد میں انجام دینا ممنوع ہے، مسجد میں خریدوفروخت، گم شدہ چیزوں کے اعلانات وغیرہ یہ سب ایسے امور ہیں جنکو مسجد میں انجام دینا درست نہیں ہے

کلمات حدیث کی تشریح اذا رأیتم من یبیع، مسجد میں خریدوفروخت ممنوع ہے اس کی صراحت گذشتہ حدیث میں کردی گئی ہے دیکھ لیا جائے اور اسی قسم کا مضمون حدیث ۶۷۸ کے تحت بھی گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

واذا رأیتم من ینشد فیه ضالة "انشاد ضالة" یعنی گم شدہ چیزوں کا اعلان بھی ممنوع ہے، علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا کہ گم شدہ چیزوں کے اعلان کی دو صورتیں ہیں (۱) کوئی چیز گم باہر ہوئی لیکن مسجد میں مجمع کی کثرت کی بناپر مسجد میں اعلان کرتا ہے تو یہ بہت قبیح وشنیع فعل ہے، (۲) مسجد میں کوئی چیز گم ہوئی اسی کا اعلان بغیر شوروشغب کے کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔

سوال: لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: لاؤڈ اسپیکر اور اسکا ہارن اگر دونوں باہر ہیں تو اعلان کرنا درست ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک چیز اندر ہے تو پھر درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۶۸۰ ﴿مسجد میں حدود قائم کرنا ممنوع ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۳۴۔۷۳۵

وَعَنْ حَكِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُسْتَقَادَ فِی الْمَسْجِدِ وَاَنْ یُنْشَدَ فِیْهِ الْاَشْعَارُ وَاَنْ تُقَامَ فِیْهِ الْحُدُوْدُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَفِیْ سُنَنِهٖ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْاُصُوْلِ فِیْهِ عَنْ حَكِیْمٍ وَفِی الْمَصَابِیْحِ عَنْ جَابِرٍ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۶۱۷ ج۲، باب اقامة الحد فی المساجد، کتاب الحدود، حدیث ۴۴۹۰، مصابیح السنة ص ۲۹۷ ج۱، باب المساجد وموضع الصلاۃ، کتاب الصلاۃ حدیث ۵۲۰.

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں قصاص لینے، اشعار پڑھنے اور اس میں حدود قائم کرنے سے منع فرمایا ہے، ابوداؤد نے اس کو اپنی سنن میں نقل کیا، صاحب جامع الاصول نے بھی اپنی کتاب میں حکیم ہی سے روایت کیا ہے اور مصابیح میں یہ روایت حضرت جابرؓ سے قول ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں تین طرح کے امور مسجد میں انجام دینے کی ممانعت ہے (۱) کسی شخص کو مسجد میں قصاصاً قتل کرنا (۲) مسجد میں مذموم اشعار پڑھنا (۳) کسی بھی قسم کی حد مسجد میں قائم کرنا یہ سب امور ممنوع ہیں چونکہ ان امور کو مسجد میں انجام دینے میں ایک طرح سے مسجد کی حرمت پامال ہوتی ہے نیز مسجد کی تعمیر بھی ان امور کو انجام دینے کی غرض سے نہیں ہوئی، لہٰذا ان امور کا مسجد میں انجام دینا ممنوع ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان یستقادفی المسجد، قاتل کو مقتول کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائیگا اسکی ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خون وغیرہ سے مسجد ملوث ہو جائیگی، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مسجد میں قصاصاً کسی کو قتل کرنا یوں بھی مکروہ ہے اگر چہ مسجد خون وغیرہ سے ملوث نہ ہو، ان ینشدفیه الاشعار: مسجد میں برے اشعار پڑھنا مکروہ ہے جبکہ حق سے متعلق اشعار پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کی تفصیل حدیث ۶۷۸ کے تحت گذر چکی ہے۔

وان تقام فیه الحدود، مسجد میں ہر طرح کی حدود قائم کرنا مکروہ ہے، خواہ بندوں کے حقوق سے متعلق معاملات پر ہو یا اللہ تعالیٰ کے حق سے متعلق کسی معاملہ پر ہو اور یہ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے، پہلے قصاص کا ذکر ہو چکا ہے وہ خاص ہے، یہاں اب تمام حدود کی ممانعت بھی کردی، شرح السنۃ میں روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جس پر مسجد میں حد لازم کرتے تو حد قائم کرنے کے لئے اس کو مسجد سے باہر کر دیتے تھے اور اسی طرح حضرت علیؓ بھی کرتے تھے۔ (مرقات ص ۲۱۷ ج ۱)

حدیث نمبر ۶۸۱ ﴿لہسن و پیاز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۷۳۶

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بِنْ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ يَعْنِى الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَقَالَ مَنْ اَكَلَهُمَا فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَقَالَ اِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ اٰكِلِيْهِمَا فَاَمِيْتُوْهُمَا طَبْخًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابو داؤد ص ۵۳۶ ج ۲، باب فی اکل الثوم، کتاب الاطعمة حدیث ۳۸۲۷.

ترجمه: حضرت معاویہ بن قرۃؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ان دو درختوں یعنی پیاز و لہسن سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ جو ان دونوں کو کھائے وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے، آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا اگر ان دونوں کا کھانا تمہارے لئے ضروری ہے تو ان کو پکا کر ان کی بو زائل کرلو۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کچی پیاز اور لہسن نہ کھانا چاہئے، کیونکہ ان کے کھانے کے بعد منہ سے بد بو آتی ہے اگر کوئی ان چیزوں کو کھائے تو جب تک منہ سے بد بو زائل نہ کرلے مسجد نہ آئے کیونکہ اگر بد بو کے ساتھ مسجد آئے گا تو اس سے نمازیوں اور فرشتوں کو تکلیف ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح نہی عن هاتین الشجرتین، ان دونوں درختوں سے منع کیا یا تو پیاز اور لہسن ذہن میں لوگوں کے موجود تھے اس وجہ سے اشارہ کیا یا پھر یہ دونوں چیزیں اس مجلس میں موجود تھیں لہٰذا اشارہ حسیہ کرکے منع کیا، من اکلهما، جو ان دونوں چیزوں کو کھائے اور وہ ہماری امت کی مسجد میں نہ آئے اسی حکم میں مولی وغیرہ بھی شامل ہیں اگر کسی شخص نے منہ کو اچھی طرح صاف کرلیا اور بد بو زائل ہوگئی تو پھر مسجد آنے میں کوئی حرج نہیں، وان کنتم لا بُدَّ اکلهما یعنی اگر ان چیزوں کو کھانا ضروری ہو کسی سخت ضرورت کی بناء پر یا شدید خواہش کی بنا پر تو ان چیزوں کو خوب پکا کر ان کی بو زائل کر کے کھانا چاہئے۔

حدیث نمبر ۶۸۲ ﴿قبرستان اور حمام میں نماز پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۷۳۷

وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَةُ وَالْحَمَّامُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِىُّ وَالدَّارِمِىُّ.

حوالہ: ترمذی ص ۷۲ ج ۱، باب الارض کلها مسجد الا المقبرة والحمام، کتاب الصلاة، حدیث ۳۱۷، ابوداؤد ص ۷۰ ج ۱، باب فی المواضع التی لاتجوز فیها الصلاة، کتاب الصلاة حدیث ۴۹۲، دارمی ص ۳۷۵ ج ۱، باب الارض کلها طهور ما خلا المقبرة والحمام کتاب الصلاة، حدیث ۱۳۹۰ .

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ساری زمین سوائے قبرستان اور حمام کے مسجد ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ دو جگہوں کو چھوڑ کر ساری جگہوں میں نماز پڑھنا درست ہے اس حدیث میں جن دو جگہوں کا استثناء ہے وہ قبرستان اور حمام ہیں، اگلی حدیث میں سات جگہوں کا استثناء ہے، تفصیل اگلی حدیث کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

کلمات حدیث کی تشریح الارض کلها مسجد، ساری زمین میں بلا کراہت کے سجدہ کرنا جائز ہے۔

الا المقبرة، قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے شارح منیہ نے کہا ہے "فتاویٰ" میں ہے کہ قبرستان میں اس وقت نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ قبرستان میں کوئی جگہ نماز کی ادائیگی کے لئے تیار کی گئی ہو، اور اس میں کوئی قبر نہ ہو قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت اور اس حوالہ سے ائمہ کا اختلاف مع دلائل مختصراً حدیث ۶۶۰ کے تحت ذکر کیا گیا ہے، دیکھ لیا جائے۔

قبرستان میں نماز کی ممانعت کی وجہ: حضرت شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں جو اس کی حکمت لکھی ہے وہ اتنی بہتر ہے کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی کی عبارت نقل کر دوں "وَفِي الْمَقْبَرَةِ الْاِحْتِرَازُ عَنْ اَنْ يُتَّخَذَ قُبُوْرُ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ مَسَاجِدَ، بِاَنْ يُسْجَدَلَهَا، كَالْاَوْثَانِ وَهُوَ الشِّرْكُ الْجَلِيُّ، اَوْ يُتَقَرَّبَ اِلَى اللّٰهِ بِالصَّلَاةِ فِي تِلْكَ الْمَقَابِرِ، وَهُوَالشِّرْكُ الْخَفِيُّ، وَهٰذَا مَفْهُوْمُ قَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، وَنَظِيْرُهٗ: نَهْيُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِيْ وَقْتِ الطُّلُوْعِ وَالْاِسْتِوَاءِ وَالْغُرُوْبِ لِاَنَّ الْكُفَّارَ يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ حِيْنَئِذٍ"

یعنی قبرستان میں نماز پڑھنے سے روکنے کی وجہ دراصل شرک کے خفیہ دروازہ کو بند کرنا ہے، اور شریعت کی اصطلاح میں یہ سد ذرائع کے قبیل سے ہے کیوں کہ جس طرح بتوں کو سامنے رکھ کر ان کی عبادت کی جاتی ہے، اسی طرح علماء و بزرگوں کی قبروں کو بھی مسجد بنا کر عبادت کی جائے تو یہ شرک جلی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے ان مقابر میں نماز ادا کر کے تو یہ شرک خفی ہے اور یہی مفہوم آپ ﷺ کے فرمان کا کہ اللہ نے یہود و نصاریٰ کو اپنی رحمت سے دور کر دیا انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا ہے اور اس کی نظیر آپ کا یہ فرمان ہے، طلوع شمس استواء شمس اور غروب شمس کے وقت نماز کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت سورج کو سجدہ کرنے کا شائبہ ہے، والحمام، حمام میں یعنی غسل خانہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

حمام میں نماز کی ممانعت کی وجہ: شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "وَفِي الْحَمَّامِ اَنَّهٗ مَحَلُّ اِنْكِشَافِ الْعَوْرَاتِ وَمَظِنَّةُ الْاِزْدِحَامِ فَيَشْغَلُهٗ ذٰلِكَ عَنِ الْمُنَاجَاةِ بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ" حمام میں نماز پڑھنا اسی لئے ممنوع ہے کہ یہ ستروں کے کھولنے کی جگہ ہے اور یہاں بھیڑ بھاڑ بہت رہتی ہے یہ چیز حضور قلب کے ساتھ اللہ سے سرگوشی سے غافل کر دیں گی۔

حدیث نمبر ۶۸۳ ﴿سات جگھوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۳۸

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُصَلّٰى فِيْ سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَفِي الْحَمَّامِ وَفِيْ مَعَاطِنِ الْاِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ترمذی ص ۸۱ ج ۱، باب کراهية ما یصلی اليه وفيه کتاب الصلاة، حدیث ۳۴۶، ابن ماجه ص ۵۴

باب المواضع التی تکرہ فیھا الصلاۃ، کتاب المساجد حدیث ۷٤٦.

حل لغات: المزبلۃ، کوڑی، وہ جگہ ہے جہاں غلاظت اور کوڑا ڈالا جائے، جمع مزابل زبل (ن) زبلاً، الزرع، کھیتی میں کھاد ڈالنا، المجزرمذبح (ذبح خانہ) مجازر جزر(ن) جزرالشئی کاٹنا، قارعۃ الطریق وسط راہ، معاطن معطن کی جمع ہے، سیراب ہوکر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے (۱) کوڑے خانہ میں (۲) ذبح خانہ میں (۳) قبرستان میں (۴) بیچ راستہ میں (۵) غسل خانہ میں (٦) اونٹوں کے باڑے میں (۷) خانہ کعبہ کی چھت پر۔

خلاصہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو آپ ﷺ کے لئے نماز پڑھنے کی جگہ بنائی ہے، اس حدیث میں سات جگہوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے یہ نہی لغیرہ ہے، یعنی ممانعت دیگر عوارض کی بناپر ہے۔

سات جگہوں میں دو جگہوں (۱) قبرستان (۲) حمام کا تذکرہ گذشتہ حدیث میں ہے ان کی وضاحت وہیں کردی گئی ہے بقیہ پانچ چیزوں کی وضاحت یہاں کی جاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح المزبلۃ: جہاں گوبر اور اسی طرح کی دیگر نجاست ڈالی جاتی ہوں، وہاں نماز پڑھنا منع ہے، المجزرۃ، مذبح، یعنی جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہاں بھی نماز پڑھنا ممنوع ہے ان دونوں جگہوں میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ناپاک جگہیں ہیں اور نماز پڑھنے کے لئے خوب پاک وصاف جگہ ہونا چاہئے۔

والمقبرۃ: قبرستان میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اس کی وجہ گذشتہ حدیث میں دیکھیں، وقارعۃ الطریق، بیچ راستہ میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اس کی وجہ یہ ہے ہرراہ پر نماز پڑھنے کی صورت میں گذرنے والوں کو تنگی میں مبتلا کرتا ہے، خود نماز پڑھنے والے کا دل ادھر ادھر بھٹکے گا اس کے علاوہ بیچ راستہ پر درندہ اور جانور وغیرہ آتے جاتے رہتے ہیں، وفی الحمام، غسل خانہ میں نماز پڑھنے کی کراہت کی وجہ گذشتہ حدیث میں گذر چکی ہے، وفی معاطن الابل، اونٹوں کے تھان میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بھی نجاست رہتی ہے اس کی موید مسلم شریف کی حدیث ہے "نَهٰى عَنِ الصَّلَاةِ فِيْ مَبَارِكِ الْإِبِلِ"۔

اگر اونٹوں کے باڑے میں بغیر مصلی بچھائے کسی نے نماز ادا کرلی تو نماز باطل ہوگئی اور اگر مصلی بچھا کر نماز ادا کی تو بھی نماز مکروہ ہے کیونکہ اونٹوں کے باڑے میں بہت سخت بدبو رہتی ہے۔ (مرقات ص ۲۱۸ ج۲)

وفوق ظھر بیت اللہ، بیت اللہ کی چھت پر بھی نماز مکروہ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اسمیں بیت اللہ کی تعظیم میں کمی ہے، جب تک کوئی اہم ضرورت پیش نہ آجائے کعبہ کی چھت پر نہ چڑھنا چاہئے اس جز کے حوالہ سے مختصراً اختلاف ائمہ حدیث ٦۳۹ کے تحت گذر چکا ہے دیکھ لیجئے

حدیث نمبر ٦٨٤ ﴿اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۳۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا فِی مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تَصَلُّوا فِی اَعْطَانِ الْاِبِلِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی ص ۸۱ ج۱، باب الصلاۃ فی مرابض او اعطان الابل، کتاب الصلاۃ، حدیث ۳٤۸.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بکریوں کے تھان میں تم نماز پڑھ سکتے ہو لیکن اونٹوں کے تھان میں نماز مت پڑھو۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ وہ مسکین ہوتی ہیں ان سے نمازی کو تکلیف پہونچنے کا اندیشہ نہیں ہے، اس کے برخلاف اونٹوں سے تکلیف پہونچنے کا اندیشہ رہتا ہے

لہٰذا اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح مرابض الغنم، ''مرابض'' بکریوں کے باڑے کو کہتے ہیں کیونکہ بکریوں کے بدکنے اور بھاگنے کا خوف نہیں ہے اور ان کے رہنے کی جگہوں پر نجاست بھی کم ہوتی ہے لہٰذا بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

علامہ ابن حزم کا قول فتح الباری میں ہے کہ جب مسجدیں زیادہ نہیں بنی تھیں اس وقت ''مرابض غنم'' میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔ (فتح الباری)

زیادہ بہتر یہی ہے کہ اس جگہ بھی نماز پڑھنے سے بچا جائے، **و لاتصلوا فی اعطان الابل**، اونٹوں کے باڑے میں نجاست بھی زیادہ ہوتی ہے اور یہ شریر جانور ہے، بھاگنے اور بدکنے کی وجہ سے نماز میں خلل بھی ڈالے گا اس وجہ سے یہاں نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا ہے اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث ۲۸۴ صفحہ ۳۲۸ ج ادیکھئے۔

حدیث نمبر ۶۸۵ ﴿قبروں پر چراغاں کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۷۴۰

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَ السُّرُجَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ۔

حوالہ: ترمذی ص ۷۲: ج:۱، باب کراھیة ان یتخذ علی القبور مسجداً، کتاب الصلاۃ حدیث ۳۲۰، ابوداؤد ص ۴۶۱ ج۱، باب فی زیارۃ النساء علی القبور، کتاب الجنائز، حدیث ۳۲۳۶، نسائی ص ۲۸۷ ج، باب التغلیظ فی اتخاذ السرج علی القبور، کتاب الجنائز، حدیث ۲۰۴۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والے پر اور قبروں پر چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں تین طرح کے لوگوں پر سخت لعنت کی گی ہے (۱) قبروں کی زیارت کو جانے والی عورتیں ان پر اللہ کی سخت لعنت ہوتی ہے (۲) جو لوگ قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں تو یا وہ شرک جلی میں مبتلا ہیں، یا پھر شرک خفی میں مبتلا ہیں اس بناء پر اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت ہوتی ہے (۳) جو لوگ قبروں پر چراغاں کرتے ہیں وہ بے مقصد اسراف کرتے ہیں اس بنا پر ان پر بھی اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور، بعض لوگ کہتے ہیں کہ شروع اسلام میں آپ ﷺ نے زیارت قبور سے منع فرمایا تھا اور اس منع کا تعلق مردوں اور عورتوں دونوں سے تھا، پھر جب امت کے دلوں میں توحید کا عقیدہ مکمل طور سے راسخ ہوگیا اور شرک کی نفرت دلوں میں بیٹھ گئی، تو آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ ممانعت ختم فرمادی، نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْھَا "اب جب ممانعت ختم ہوئی تو مردوں اور عورتوں کے حق میں ختم ہوگئی اور حدیث باب سے عورتوں کے حق میں جو ممانعت سمجھ میں آرہی ہے وہ ممانعت رخصت سے پہلے کی ہے، یہ قول بعض لوگوں کا ہے جو درست رائے ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کے حق میں ممانعت ابھی بھی ہے، رخصت کا تعلق صرف مردوں سے ہے عورتوں کے حق میں رخصت نہیں ہے، اور عورتوں کی زیارت قبور سے اس وجہ سے منع کیا کہ انکے اندر صبر کا مادہ کم ہوتا ہے وہ جب قبروں کو دیکھیں گی تو کثرت جزع وفزع کرینگی، اسلئے منع ہی فرمادیا، لیکن اس حکم سے رسول اللہ ﷺ کی قبر مستثنیٰ ہے آپ کی قبر کی زیارت مردوں عورتوں دونوں کیلئے اجر وثواب کا باعث ہے۔

حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں عورتوں کے قبرستان جا کر قبروں کی زیارت کے مباح ہونے کے قول ہی کو ترجیح دی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ وہاں جا کر جزع وفزع نہ کریں اور پردہ وغیرہ کا معقول انتظام ہو، نیز شوہر کی اجازت بھی حاصل ہو۔ **والمتخذین علیہا المساجد،** قبروں پر مساجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ قبرستان میں نماز ادا کی جائی آپ نے قبرستان میں نماز پڑھنے والے پر لعنت فرمائی ہے اس مسئلہ کی توضیح حدیث ۶۶۰ و ۸۶۲ کے تحت کر دی گئی ہے۔

السرج: قبروں پر چراغاں روشن کرنے میں ایک تو اسراف ہے دوسری آگ جہنم کے آثار میں سے ہے، اس وجہ سے اس سے احتراز کرنا چاہئے، اس کے علاوہ اس صورت میں بھی ایک قبور کی تعظیم ہے، لہٰذا جس طرح قبروں پر نماز پڑھنے سے اس وجہ سے روکا گیا کہ اسمیں تعظیم کی وجہ سے شرک کا شائبہ ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی لعنت کر کے قبروں کی بے جا تعظیم کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(مستفاد مرقات ص ۲۱۹ ج ۲)

اگر قبرستان میں آنے جانے والوں کی سہولت کی غرض سے روشن کیا گیا ہے اور اس میں اسراف بھی نہ ہو تو چراغ روشن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۶۸۶ ﴿سب سے بہترین جگہیں مساجد ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۴۱

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ اِنَّ حِبْراً مِنَ الْیَهُوْدِ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلی اللّٰہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ فَسَکَتَ عَنْهُ وَقَالَ اَسْکُتُ حَتّٰی یَجِیْءَ جِبْرِیْلُ فَسَکَتَ وَجَاءَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰکِنْ اَسْاَلُ رَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ثُمَّ قَالَ جِبْرَئِیْلُ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰہِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنه قَطُّ قَالَ وَکَیْفَ کَانَ یَا جِبْرَئِیْلُ قَالَ کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُهَا وَخَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا رَوَاهُ ابْنِ حَبَّانَ فِیْ صَحِیْحِهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے بہترین جگہ کون ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں جبرئیل کے آنے تک خاموش ہی ہوں گا، چنانچہ آپ خاموش ہی ہے، اور جبرئیلؑ آگئے تو آپ نے جبرئیل سے پوچھا، حضرت جبرئیل نے کہا اس بارے میں جس سے آپ پوچھ رہے ہیں وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا ہے۔ لیکن میں اپنے رب بزرگ برتر سے سوال کروں گا، پھر جبرئیل نے کہا اے محمد ﷺ بے شک میں اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہوا جتنا میں کبھی بھی قریب نہیں ہوا، آپ نے پوچھا اے جبرئیلؑ آپ کتنا قریب ہوئے، حضرت جبرئیلؑ نے کہا میرے اور پروردگار کے درمیان نور کے صرف ستر ہزار حجاب رہ گئے تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سب سے بدترین جگہیں بازار ہیں اور سب سے بہترین جگہیں مساجد ہیں اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں (۱) جب تک کوئی مسئلہ اچھی طرح معلوم نہ ہو جواب نہ دینا چاہئے جس چیز کے بابت سوال کیا گیا ہے پوری طرح واقفیت نہ ہونے کی صورت میں اس شخص سے دریافت کر لینا چاہئے جو اس بارے میں زیادہ جاننے والا ہے اسکے بعد جواب دینا چاہئے، (۲) روئے زمین پر سب سے بہترین جگہ مساجد ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر ہے اور روئے زمین پر سب سے بدترین جگہ بازار ہیں کیونکہ بازار شیاطین کے اڈے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح **ای البقاع خیر**، یعنی لوگوں کے جمع ہونے والی جگہوں میں سب سے زیادہ خیر والی جگہ کون ہے؟

قال اسکت، آپ ﷺ نے دل میں کہا کہ میں جبرئیل کے آنے تک خاموش رہوں گا یا پھر زبان سے کہا کہ میں خاموش رہوں گا

صاحب مرقات کے مطابق دوسرے معنی زیادہ راجح ہیں اور علامہ طیبیؒ نے پہلے معنی ذکر کئے ہیں، حتی یجیء جبرنیل، آپ ﷺ نے اجتہاد کرنے میں جلدی نہیں کی اور یہی رسول اللہ ﷺ اور جبرئیل کی سنت ہے کہ جب تک سخت ضرورت نہ ہو اجتہاد نہیں فرماتے تھے، ماالمسئول عنها، اس مسئلہ کے بارے میں مجھے آپؐ سے زیادہ علم نہیں ہے، اسی قسم کی عبارت حدیث جبرئیل کے تحت گذر چکی ہے، تبارك و تعالىٰ، یہاں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں مذکور ہیں پہلی صفت صفات ثبوتیہ کے اثبات کے لئے ہے اور دوسری صفت صفات سلبیہ کی نفی کے لئے ہے، ثم قال جبرئیل، جبرئیل نے اس مسئلہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا پھر آپؐ سے آکر بتایا، مادنوت منه قط، حضرت جبرئیل کہتے ہیں کہ میں آج اللہ تعالیٰ سے جتنا قریب ہوا اتنا قریب کبھی نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو اتنا قرب آپ کی تعظیم کی وجہ سے بخشا کیونکہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی خاطر محبوب کے قاصد کا بھی احترام کرتا ہے، یا پھر اس وجہ سے تقرب بخشا کہ جبرئیل اللہ تعالیٰ کے پاس طلب علم کی خاطر گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے اللہ اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتے ہیں۔ (مرقات ص ۲۲۰ ج ۱)

اس توجیہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ فرشتوں کے علم اور تقرب الٰہی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، و کیف کان یاجبرئیل، آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل سے دریافت کیا اے جبرئیل تم اللہ تعالیٰ سے کتنا قریب ہوئے، قال بيني وبينه سبعون الف حجاب من نور، حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ آج میں اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہو گیا ہوں کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان صرف ستر ہزار حجابات رہ گئے، یہ حجابات مخلوق کے اعتبار سے ہیں کیونکہ مخلوق کے اوپر جسمانیت وغیرہ کے اعتبار سے حجابات پڑے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ حجاب میں نہیں ہیں، فقال، اللہ تعالیٰ نے فرمایا شر البقاع سب سے بدترین جگہیں بازار ہیں اسوجہ سے کہ یہ غفلت اور معصیت کی جگہیں ہیں اور یہاں شیطان اپنا اڈہ جمائے رہتا ہے، و خیر البقاع، سب سے بہترین جگہ مساجد ہیں کیونکہ یہ اللہ کے گھر ہیں اطاعت کی جگہ ہیں، سوال صرف خیر کی جگہ کے بارے میں تھا لیکن جواب میں بری جگہ کا بھی ذکر کیا گیا کیونکہ اشیاء اپنے اضداد کے ذکر سے خوب اچھی طرح واضح ہو جاتی ہیں۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۶۸۷ ﴿نیک کام کی غرض سے مسجد آنیوالے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۴۲

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ مَسْجِدِيْ هٰذَا لَمْ يَاتِ اِلَّا بِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ اَوْ يُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذَالِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ اِلٰى مَتَاعِ غَيْرِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

حواله: ابن ماجه ص ۲۰ باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، مقدمه، حديث ۲۲۷، بيهقى فى شعب الايمان، ص ۲۶۳ ج ۲، باب فى طلب العلم حديث ۱۶۹۸.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص میری مسجد میں آیا اور صرف نیک کام کے لئے آیا کہ اس کو سیکھے یا سکھائے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے مرتبہ میں ہے اور جو شخص نیک کام کے علاوہ لئے آیا تو وہ اس شخص کے مرتبہ میں ہے جو اپنے علاوہ شخص کے سامان کو دیکھتا ہے۔ (ابن ماجه، بيهقى فى شعب الايمان)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں تعلیم و تعلم کی غرض سے آنا بہت اچھا عمل ہے اور اس کا ثواب ایسا ہی ہے جیسا کہ جہاد کا ثواب ہے اور مسجد میں دنیوی امور کی انجام دہی کی غرض سے آنا بہت برا عمل ہے ایسا کرنے والا اس شخص کے مانند ہے جو دوسرے کے مالوں پر بری نظر رکھتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من جاء مسجدی هذا، مسجد نبوی مراد ہے اور اس حکم میں دوسری مسجد بھی شامل ہیں لم یات الا بخیر، یعنی تعلیم وتعلم کی غرض سے آنا، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسجد میں درس وتدریس جائز ہے، اوراس میں کوئی حرج نہیں ہے، فھو بمنزلة المجاهد فی سبیل الله، مسجد میں تعلیم وتعلم کی غرض سے آنے والا ثواب میں مجاہد کے مانند ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور یہ دونوں فرض عین ہیں اور کبھی دونوں فرض کفایہ ہوجاتے ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا نفع عام مسلمانوں تک متعدی ہوتا ہے۔ (مرقات ص ۲۲۱ ج ۲)

ومن جاء لغیر ذلك، جو شخص تعلیم وتعلم کے علاوہ کسی غرض سے آیا تعلیم وتعلم کے حکم میں نماز اور اعتکاف، زیارت سب شامل ہیں، حاصل یہ ہے کہ جو شخص ان مذکورہ بالا امور کے علاوہ اپنی کسی دنیوی غرض سے مسجد آیا، فھو بمنزلة الرجل ینظر الی متاع غیرہ، یعنی یہ شخص اس چیز سے محروم ہے، جس سے لوگ دنیا میں نفع اٹھاتے ہیں (وہ علم وعمل ہے) اور آخرت میں بڑے درجات کے مستحق ہوتے ہیں۔

نماز اور تعلیم وتعلم کے علاوہ کسی غرض سے آنے والے کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو دوسرے کے مال کو تکتا ہے اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح دوسرے کے مال کو دیکھنا ممنوع ہے اسی طرح جن اغراض کے لئے مسجد تعمیر ہوئی ہے ان اغراض کے علاوہ کسی غرض سے مسجد آنا ممنوع ہے تو محض غیر کے مال کو دیکھنے کا ممنوع ہونا محل نظر ہے (مرقات ص ۲۲۲ ج ۱) ممکن ہے کہ علامہ طیبیؒ کا مقصد غیر کے مال کو دیکھنے کی ممانعت سے یہ ہو کہ بری نظر سے اور موقع ملتے ہی اڑا لینے کی غرض سے دیکھنا ممنوع ہے ایسی صورت میں واقعی یہ دیکھنا ممنوع ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ (ابن علی)

حدیث نمبر ۶۸۸ ﴿مسجد میں دنیوی باتیں کرنیوالوں کیساتھ بیٹھنے کی ممانعت﴾

عالمی حدیث نمبر ۷۴۳

وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ.

ترجمه: حضرت حسن بصریؒ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ اپنی مسجدوں میں اپنی دنیوی معاملات سے متعلق باتیں کریں گے تو تم لوگ ان کے ساتھ مت بیٹھنا اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مساجد میں اپنی دنیوی بات چیت کی غرض سے نہ بیٹھنا چاہئے، اگر کچھ لوگ اس قبیح فعل میں مبتلا ہوں تو ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا چاہئے، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو سخت ناپسند فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح یکون حدیثھم، یعنی ایک زمانہ آئے گا جب لوگ اپنی دنیوی بات چیت مسجد میں بیٹھ کر کریں گے، اور چوں کہ مسجد کی تعمیر دنیوی کاموں کے لئے ہوئی نہیں لہٰذا اس میں دنیوی بات چیت ممنوع ہے، علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ عام جگہوں میں جو کلام مباح ہے وہ بھی مسجد میں مکروہ ہے اور یہ نیکیوں کو کھا جاتا ہے، فلا تجالسوھم، جو لوگ مسجد میں دنیوی بات چیت میں مشغول ہوں ان کو بات چیت میں حصہ لینا تو ممنوع ہے ہی ان کے ساتھ بیٹھنا بھی منع ہے اور بیٹھنے کی ممانعت کے دو مطلب ہوسکتے ہیں (۱) ایسے لوگوں کے ساتھ کسی بھی جگہ نہ بیٹھنا چاہئے، (۲) ایسے لوگوں کے ساتھ مسجد میں نہ بیٹھنا چاہئے، فلیس لله حاجة، اس جز کے چند معنی ممکن ہیں، (۱) اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کے مسجد آنے اور اس میں عبادت کرنے کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہے اس معنی کے اعتبار سے یہ کنایہ ہے عدم قبولیت سے یعنی ایسے لوگوں کے اعمال حسنہ بھی اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے ہیں

(۲) اللہ تعالیٰ ان سے بے زار ہے اور یہ لوگ اللہ کی پناہ اور اس کے عہد سے خارج ہیں، اس توجیہ کے اعتبار سے اس میں ان لوگوں کے لئے بہت بڑی دھمکی ہے کیونکہ انہوں نے بہت بڑا ظلم کیا ہے کیونکہ مسجد کی تعمیر کی غرض اس میں عبادت کرنا ہے اور انہوں نے اس کو دوسرے اغراض سے استعمال کیا ہے اور ظلم نام ہی ہے "وَضْعُ الشَّيْ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ" صاحب مرقات ان دونوں توجہات کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ یہاں عبارت مقدر ہے، عبارت یوں ہے "فَلَيْسَ لِاَهْلِ اللّٰهِ فِيْ مَجَالِسَتِهِمْ حَاجَةٌ، یعنی اہل اللہ کو ان کی مجلسوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (مرقات ص ۲۲۲ ج ۲)

حدیث نمبر ۶۸۹ ﴿مسجد میں زور سے بولنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۴۴

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ نَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَاِذْ هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِيْ بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ اَنْتُمَا اَوْمِنْ اَيْنَ اَنْتُمَا قَالَا مِنْ اَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَاَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ٦٧ ج ١، باب رفع الصوت في المسجد، كتاب الصلاة حديث ٤٧٠.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ میں مسجد میں سورہا تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری تو میں نے دیکھا کہ وہ عمر بن خطابؓ ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا جاؤ اور میرے پاس ان دو آدمیوں کو لاؤ میں ان دونوں کو لے آیا حضرت عمرؓ نے ان دونوں سے پوچھا تم دونوں کن میں سے ہو یا یہ کہا کہ تم دونوں کہاں سے آئے ہو ان دونوں نے کہا کہ ہم طائف والوں میں سے ہیں، حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم لوگ مدینہ والوں میں سے ہوتے تو میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں تمہاری آواز بلند کرنے کی وجہ سے تم کو سزا دیتا۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں زور زور سے باتیں کرنا یہ مسجد کی حرمت اور اس کے تقدس کے منافی عمل ہے اگرچہ علمی گفتگو ہی کیوں نہ کی جائے، فی نفسہ مسجد میں علمی گفتگو نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے لیکن اس انداز میں بات چیت کرنا کہ لوگ سمجھیں جھگڑا ہو رہا ہے وہ درست نہیں، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو شخص مسافر ہو یا مسئلہ سے پوری طرح واقفیت نہ رکھتا ہو اس کے ساتھ حتی الامکان عفو در گذر کا معاملہ کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح کنت نائما، صاحب مشکوٰۃ نے یہاں "نائما" کا لفظ ذکر کیا ہے لیکن یہ روایت مشکوٰۃ میں بخاری سے لی گئی ہے جیسا کہ "رواہ البخاری" کے الفاظ بتارہے ہیں اور بخاری کا جو نسخہ اور شروحات ہمارے پاس ہیں اسمیں قائما کے الفاظ ہیں اس اعتبار سے اسکا مطلب یہ ہے کہ سائب بن یزید مسجد نبوی میں کھڑے تھے تو حضرت عمرؓ نے ان پر ایک کنکر پھینکی۔

سوال: حضرت عمرؓ نے سائب بن زید کو کنکری پھینک کر کیوں متوجہ کیا؟

جواب: چونکہ سائب بن یزید حضرت عمرؓ سے دور تھے اور حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں بلند آواز سے پکارنا درست نہیں سمجھتے تھے اس وجہ سے کنکری مار کر متوجہ کیا اور اگر مشکوٰۃ کے نسخہ کا اعتبار کر کے حدیث کے الفاظ "نائما" ہی مراد لئے جائیں تو مطلب یہ ہے کہ حضرت سائب بن یزید مسجد نبوی میں سو رہے تھے حضرت عمرؓ نے کنکری مار کر ان کو بیدار کیا۔

سوال: مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کوئی مصلحت یا مجبوری ہو تو مسجد میں سونے کی اجازت ہے، بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے "باب نوم الرجال في المسجد" اسمیں تین احادیث ذکر کئے ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں سویا جا سکتا ہے، ان تین احادیث میں سے ایک حدیث ذکر کرنا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے، " اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَنَامُ وَهُوَ شَابٌّ اَعْزَبُ لَا اَهْلَ لَهٗ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں اس وقت سویا کرتے تھے جب کہ وہ جوان غیر شادی شدہ تھے)۔
اس حدیث سے مسجد میں سونے کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن بلا وجہ مسجد میں سونے سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ مسجد کی تعمیر اس مقصد سے نہیں ہوئی ہے کہ اس میں سویا جائے، ممن انتما، دولوگ مسجد میں زورزور سے بول رہے تھے حضرت عمران کو پہچانتے نہیں تھے اس لئے ان کو بلا کر ان سے پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہ یہ پردیسی ہیں ان کے ساتھ نرمی کی اور ان سے کہا کہ اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے اور مسجد نبوی میں زورزور سے بولتے تو میں تم کو سخت سزا دیتا۔

حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں زور زور سے بولنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے، ان کے پیش نظر یہ آیت تھی " لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْض "(اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز پر بلند مت کرو اور نہ ان کے سامنے اس طرح زور سے بولو جیسے کہ آپس میں بولتے ہو) آپ ﷺ کی زندگی میں بھی یہی حکم تھا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی یہی حکم ہے کیونکہ آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں حضرت عمرؓ نے اسی طرف اشارہ کر کے ان دونوں مسافروں سے کہا تھا کہ یہ بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ تم لوگ مسجد نبوی میں زورزور سے بول رہے ہو۔

حدیث نمبر ۶۹۰ ﴿مسجد میں فضول باتوں کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۴۵

وَعَنْ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَنٰى عُمَرُ رَحْبَةً فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمّٰى الْبُطَيْحَاءَ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَلْغَطَ اَوْيُنْشِدَ شِعْرًا اَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ فَلْيَخْرُجْ اِلٰى هٰذِهِ الرَّحْبَةِ رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا.

حواله: موطا امام مالك ص ٦٢ باب جامع الصلاة، كتاب قصر الصلاة في السفر ،حديث ٩٣ .

ترجمه: حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد کے ایک کنارے چبوترہ بنوایا تھا جس کو بطیحا کہا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ نے حکم دے رکھا تھے کہ جو شخص فضول باتیں کرنا چاہتا ہو یا شعر گوئی کرنا چاہتا ہو، یا اپنی آواز بلند کرنا چاہتا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس چبوترہ پر چلا جائے۔ (موطا امام مالك)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسجد کے اندر فضول گوئی، بیت بازی اور بلند آواز سے کسی بھی موضوع پر گفت وشنید درست نہیں ہے اولاتو ان امور سے ہمہ وقت گریز کرنا چاہئے اور اگر ان میں سے کوئی کام کرنا ہی ہے تو مسجد میں قطعی نہ کیا جائے بلکہ مسجد سے باہر نکل کر اس کو انجام دیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح مسجد سے متصل ہو یا مسجد سے منفصل ہو، من كان يريد ان يلغط، جو شخص لایعنی باتیں کرنا چاہتا ہو، اوينشد شعرا یا مساجد میں اشعار پڑھنا چاہتا ہو مسجد میں الٹے سیدھے اشعار پڑھنا بالکل جائز نہیں، اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث ۶۷۸ دیکھئے، مسجد میں جائز امور سے متعلق گفتگو بھی زورزور سے نہ کرنا چاہئے اور خاص طور سے مسجد نبوی میں تو بالکل نہ کرنا چاہئے، کیونکہ وہاں کی گفتگو حضور بھی سنتے ہیں اور اس سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔

فَلْيَخْرُجْ اِلٰى هٰذِهِ الرَّحْبَةِ، یہ مقصد نہیں ہے کہ ان امور کا مسجد سے باہر انجام دینا درست بہت اچھا عمل ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ مسجد سے باہر ان امور پر اتنا مواخذہ نہ ہوگا جتنا مسجد کے اندر ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۶۹۱ ﴿قبلہ کی جانب تھوکنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۴۶

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذَالِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُئِيَ فِيْ وَجْهِهٖ قَالَ فَحَكَّهُ بِيَدِهٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ فَاِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهٗ وَاِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ

أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ فَبَصَقَ فِيْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَقَالَ أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ۵۸ ج ۱، باب حك البزاق باليد من المسجد، کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۰۵۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبلہ کی طرف بلغم پڑا ہوا دیکھا تو آپ ﷺ پر یہ بات بہت گراں گذری یہاں تک کہ آپ ﷺ کے چہرہ پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہوگئے، چنانچہ آپ ﷺ اٹھے اور اس بلغم کو خود ہی کھرچ کر صاف کیا، پھر کہا کہ تم میں سے جب کوئی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اور بلاشبہ اس وقت اس کے اور اس کے قبلہ کے درمیان ہوتا ہے تو تم میں سے کوئی شخص ہرگز قبلہ کی جانب نہ تھوکے، بلکہ اپنی بائیں طرف تھوکے یا اپنے قدموں تلے تھوکے، پھر آپ ﷺ نے اپنی چادر کا کونا لیا اور اس میں تھوکا اور پھر اس کونے کے حصہ کو ایک دوسرے سے رگڑ کر اسکو صاف کیا اور فرمایا یا اس طرح کرلے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نمازی کو حالت نماز میں اگر تھوکنے کی سخت ضرورت پیش آجائے تو قبلہ کی طرف اور دائیں طرف تھوکنے سے گریز کرنا چاہئے، بائیں طرف اپنے قدموں پر تھوکنا چاہئے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اپنے کپڑے کے کونے پر تھوکے۔

کلمات حدیث کی تشریح رأى النبي صلى الله عليه وسلم نخامة في القبلة، آپ ﷺ نے دیکھا کہ قبلہ کی طرف کی دیوار پر بلغم پڑا ہے، بلغم وغیرہ کو دیکھ کر آدمی کو گھن آتی ہے ان چیزوں کو طبیعت سلیم پسند نہیں کرتی ہے، لہٰذا آپ کو اس چیز سے سخت تکلیف پہونچی، حتی رئي في وجهه، آپ کو اس قدر ناگواری ہوئی کہ چہرۂ مبارک سے اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے، فحكه بيده، آپ ﷺ نے خود ہی کھرچ کر صاف کیا، دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے کسی نوک دار چیز سے کھرچا تھا؛ لہٰذا اس روایت میں آنے والے کلمے "بیدہ" کے معنی واضح ہوگئے کہ اپنے ہاتھ سے بلغم صاف کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقتاً آپ نے اس بلغم کو چھوا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خود ہی کسی چیز سے کھرچ کر بلغم کو صاف کیا، فانما يناجي ربه، جو شخص نماز پڑھ رہا ہوتا ہے گویا وہ اپنے رب سے مناجات کررہا ہوتا ہے ایسی صورت میں اس کے لئے قبلہ کی سمت تھوکنا درست نہیں ہے، کیونکہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ست سے منزہ ہے لیکن نمازی نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کے لئے جب قبلہ کا رخ کرلیا تو اس رخ کے احترام کے پیش نظر اس جانب تھوکنا منع ہے، ولكن عن يساره، اگر مجبوریوں کی بنا پر تھوکنا پڑے تو بائیں طرف تھوکے اور اگر بائیں طرف بھی نمازی کھڑے ہوں تو اپنے قدموں تلے تھوکنا چاہئے، ثم اخذ طرف ردائه، اس کا مطلب یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے کپڑے کے کونے پر تھوکا پھر اس کو ملا اور یہ بتایا کہ قدموں تلے تھوکنے کا موقع نہ ہو تو کپڑے میں تھوک کر مل دینا چاہئے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بائیں طرف یا قدموں تلے تھوکنے کا حکم اس وقت ہے جب مسجد میں نہ ہو اور جب مسجد میں ہو تو صرف اپنے کپڑے پر تھوکنے کی اجازت ہے۔ (مرقات ص ۲۲۴ ج ۲)

حدیث نمبر ۶۹۲ ﴿قبلہ کی طرف تھوکنا گناہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۴۷

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهٖ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَأَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَأَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ أَنَّهٗ قَالَ إِنَّكَ قَدْ أٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص ٦٩، باب فی کراھیۃ البزاق فی المسجد، کتاب الصلاۃ حدیث ٤٨١.

ترجمہ: حضرت سائب بن خلاد جو کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی ہیں روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے ایک قوم کو نماز پڑھائی انہوں نے قبلہ کی جانب تھوک دیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی قوم سے کہا کہ یہ شخص تم کو آئندہ نماز نہ پڑھائے، پھر اس کے بعد ان صاحب نے لوگوں کو نماز پڑھانا چاہا تو لوگوں نے ان کو روک دیا اور ان کو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی اطلاع دی، ان صاحب نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔ (ابو داؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبلہ کی طرف تھوکنا ممنوع ہے اور جو یہ کام کرے وہ مقتدیٰ بننے کے لائق نہیں، آپ نے ایک صاحب کو اسی فعل کے ارتکاب کی وجہ سے نماز پڑھانے سے روک دیا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح وھو رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سائب بن خلاد کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ہیں، اس بات کے کہنے کی کیا وجہ ہے؟ سائب بن خلاد مشہور صحابہ میں سے نہیں ہیں اس وجہ سے یہ بات کہی گئی یا پھر اس وجہ سے یہ بات کہی گئی کہ ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔ (مرقات)

ان رجلا ام قوما، یعنی ایک شخص نے لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھائی، فبصق فی القبلۃ، جہت قبلہ میں اس نے تھوک دیا، فقال آپ ﷺ نے جب اس شخص کے قبلہ کے احترام نہ کرنے کو دیکھا تو فرمایا، لا یصلی لکم، یہ شخص آئندہ تم لوگوں کو نماز نہ پڑھائے، اس وجہ سے کہ ان کے اندر امام بننے کی صلاحیت نہیں ہے، فمنعوہ، ان صاحب نے جب دوبارہ نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے ان کو نماز پڑھانے سے روک دیا تو ان صاحب نے اس کی وجہ دریافت کی، فاخبروہ، تو لوگوں نے سارا واقعہ بیان کیا، فذکر، تو ان صاحب نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا اور بتایا کہ قوم نے مجھے امامت سے روک دیا ہے، نعم، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ تم کو امام نہ بنائیں، اِنَّکَ قَدْ اٰذَیْتَ، تم نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے اور اس میں سخت دھمکی پوشیدہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا'' اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کا ذکر تبرک کی وجہ سے ہے، یا تو اس بات کو بیان کرنے کیلئے ہے کہ جس چیز سے حضور ﷺ نے منع فرمادیا تو آپ ﷺ کے منع کرنے کے باوجود آپ ﷺ کی مخالفت کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کے منزلہ میں ہے۔ (مرقات ص ٢٢٥ ج ٢)

نوٹ: (۱) صاحب مرقات نے یہاں مذکورہ آیت نقل فرمائی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آیت میں جو ملعون فی الدنیا والآخرۃ قرار دیا گیا ہے وہ کافر کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ جان بوجھ کر اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر کے ان کو تکلیف پہنچاتا ہے اور یہاں پر بلا قصد انجانے میں ایسا فعل سرزد ہو گیا ہے جس سے اللہ و رسول کو تکلیف پہنچی ہے، لہٰذا یہ شخص ملعون فی الدنیا والآخرۃ نہیں ہے۔

(۲) صاحب مرقات نے سائب بن خلاد کے بارے میں کہا کہ یہ غیر مشہور صحابی یا مختلف فیہ صحابی ہیں لیکن میں نے کہیں پڑھا ہے کہ سائب بن خلاد غزوۂ بدر کے شرکاء میں سے ہیں اور غزوۂ بدر کے شرکاء میں سے کسی کے بارے میں غیر معروف یا مختلف فیہ صحابی ہونے کا حکم لگانا محل نظر ہے۔ (ابن علی)

حدیث نمبر ٦٩٣ ﴿نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ٧٤٨

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اِحْتَبَسَ عَنَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ عَنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتّٰى كِدْنَا نَتَرَائٰى عَيْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِيْعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ

فِي صَلَاتِهٖ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهٖ فَقَالَ لَنَا عَلٰى مَصَافِّكُمْ كَمَا اَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ اِلَيْنَا ثُمَّ قَالَ اَمَا اِنِّي سَاُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِي عَنْكُمُ الْغَدَاةَ اِنِّي قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّاْتُ وَصَلَّيْتُ مَاقُدِّرَ لِي فَنَعَسْتُ فِي صَلَاتِي حَتّٰى اسْتَثْقَلْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي اَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى قُلْتُ لَا اَدْرِي قَالَهَا ثَلَاثًا قَالَ فَرَاَيْتُهٗ وَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدًا اَنَامِلِهٖ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلّٰى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَبِّ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى قُلْتُ فِي الْكَفَّارَاتِ قَالَ وَمَا هُنَّ قُلْتُ مَشْيُ الْاَقْدَامِ اِلَى الْجَمَاعَاتِ وَالْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوٰاتِ وَاِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ حِيْنَ الْكَرِيْهَاتِ قَالَ ثُمَّ فِيْمَ قُلْتُ فِي الدَّرَجَاتِ قَالَ وَمَا هُمْ قُلْتُ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِيْنُ الْكَلَامِ وَالصَّلَاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ فَقَالَ سَلْ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِي وَتَرْحَمَنِي وَاِذَا اَرَدْتَ فِتْنَةً فِي قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِي اِلٰى حُبِّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوْهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوْهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَسَاَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

حوالہ: مسند احمد ص ۲۴۳ ج۵، باب ومن سورة ص ، كتاب تفسير القرآن، حديث ۳۲۳۵۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو فجر کی نماز کے لئے ہماری امامت کرنے کی غرض سے آنے میں اتنی دیر ہوگئی کہ سورج کی ٹکیا ہماری نگاہوں کے سامنے آنے ہی والی تھی اتنے میں آپ ﷺ جلدی سے باہر نکلے، پھر نماز کے لئے تکبیرت کہی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی اور اپنی نماز میں اختصار کیا، آپ نے جب سلام پھیرا تو بلند آواز سے پکارا اور ہم سے کہا تم لوگ اپنی صفوں میں ایسے ہی بیٹھے رہو جیسے کہ ابھی بیٹھے ہو، پھر ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا سنو میں تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جس کی وجہ سے آج صبح تمہارے پاس آنے میں مجھ کو دیر ہوگئی، بلاشبہ تہجد کی نماز کے لئے رات میں اٹھا پھر میں نے وضو کیا اور جتنی میرے لئے نماز مقدر تھیں میں نے پڑھی پھر مجھے نماز ہی میں اونگھ آگئی یہاں تک میں بوجھل ہوگیا پس اچانک میں نے اپنے بزرگ و برتر رب کو بہترین صورت میں دیکھا رب نے مجھ سے کہا اے محمد! میں نے کہا حاضر ہوں اے میرے رب! رب نے کہا ملائکہ مقربین کس بارے میں جھگڑا کرتے ہیں میں نے کہا مجھے نہیں معلوم، پروردگار نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی آپ نے فرمایا میں نے پروردگار کو دیکھا کہ اس نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھ دی یہاں تک کہ میں نے پروردگار کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنی چھاتی میں محسوس کی چنانچہ ہر چیز میرے لئے روشن ہوگئی اور میں نے سب کچھ جان لیا پھر اللہ تعالیٰ نے کہا اے محمد! میں نے کہا حاضر ہوں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے پوچھا مقرب فرشتے کس چیز میں جھگڑتے ہیں میں نے کہا کفارات کے بارے میں فرمایا وہ کیا ہیں میں نے کہا جماعت میں شریک ہونے کے لئے پیدل چل کر آنا، نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنا، ناگواری کے وقت وضو کا مکمل کرنا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کس چیز میں جھگڑتے ہیں، میں نے کہا درجات کے بارے میں فرمایا وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا مسکین کو کھانا کھلانا، نرم بات کرنا اور رات میں اس وقت نماز پڑھنا جب لوگ سور ہے ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے کہا مانگ لو! آپ ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے یوں مانگا اے اللہ میں آپ ﷺ سے نیکیاں کرنے اور برائیاں چھوڑنے اور مسکینوں کو دوست رکھنے کی توفیق مانگتا ہوں اور یہ کہ مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ جب کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ ہو تو مجھ کو بچا کر وفات دے دیجئے اور میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت مانگتا ہوں جو آپ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت مانگتا ہوں جو آپ کی محبت کو قریب کرتا ہے، اس کے بعد رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا یہ خواب بالکل سچا ہے تم لوگ اس سے سیکھو اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دو (احمد، ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور میں نے محمد ابن اسماعیل سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اللہ نے آپ پر خصوصی تجلیات فرمائیں۔ تو آپ ﷺ پر علوم و معارف کے دروازے کھل گئے، تقریباً اسی مضمون کی حدیث ۶۷۲ ماقبل میں گذر چکی ہے خلاصہ حدیث وہاں دیکھ لیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح فخرج سريعاً، نماز فجر میں آپ کو نکلنے میں تاخیر ہوگئی اس وجہ سے جب آپ باہر نکلے تو تیزی سے مصلی کی طرف بڑھے تاکہ سورج نکلنے سے پہلے نماز فجر پڑھادیں، وتجوز في الصلاة، یعنی آپ نے خلاف عادت فجر کی نماز وقت کی قلت کی بنا پر مختصر پڑھائی، فتجلى لي كل شيء ہر چیز آپ کے لئے ظاہر ہوگئی یہاں کل سے مراد عموم حقیقی نہیں ہے بلکہ عرفی ہے اور اس سے کثرت مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کثیر علم عطا فرمایا، اس کی نظیر قرآن مجید ہے، اِجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ" يَأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا" یہاں بھی کل سے مراد کثرت ہے، یا پھر "كل شئى" سے مراد اشیاء موجودہ ہیں نہ کہ جميع ما كان و يكون.

جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ اس مضمون کی حدیث ۶۷۲ گذر چکی ہے مزید تحقیق کے لئے وہیں دیکھ لیا جائے، اس حدیث سے یہ بات ضرور صراحتاً معلوم ہوگئی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا اور حالت خواب ہی میں سوال و جواب ہوئے تھے۔

حدیث نمبر ۶۹۴ ﴿شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۴۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ قَالَ فَإِذَا قَالَ ذٰلِكَ قَالَ الشَّيْطَانُ حُفِظَ مِنِّيْ سَائِرَ الْيَوْمِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ.

حواله: ابو داؤد ص ٦٧ ج ١، باب فيما يقوله الرجل عند دخوله المسجد كتاب الصلاة، حديث ٤٦٦

ترجمه: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوتے وقت یوں فرماتے تھے "اعوذ بالله العظيم الخ" میں پناہ لیتا ہوں اللہ کی جو بڑا ہے اور اس کی بزرگ و برتر ذات کی اور اس کی قدیم سلطنت کی شیطان مردود سے، آپ نے فرمایا جب مسجد میں داخل ہونے والا شخص یہ دعا پڑھ لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ شخص سارے دن کے لئے مجھ سے محفوظ ہوگیا۔

خلاصہ حدیث مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے لئے آپ سے مختلف اوراد منقول ہیں ان ہی اوراد میں سے ایک ورد یہ بھی ہے جس کا تذکرہ حدیث باب میں ہے جو شخص اس دعا کو مسجد میں داخل ہونے سے پہلے پڑھ لیتا ہے وہ شیطان کے شر و رفتن سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح قال الشيطان حفظ منى سائر اليوم، جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہونے سے پہلے حدیث میں مذکور دعا پڑھ لیتا ہے تو شیطان کا اس پر کوئی بس نہیں چلتا ہے اور وہ خود کہتا ہے یہ شخص سارے دن کے لئے مجھ سے محفوظ ہوگیا۔

حدیث نمبر ۶۹۵ ﴿قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۵۰

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِىْ وَثَنًا يُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا.

حوالہ: مُوَطا امام مالك ص ٦٠، باب جامع الصلاة، کتاب قصر الصلاة في السفر حديث ٨٥.

ترجمہ: حضرت عطا بن یسارؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری قبر کو بت مت بنانا کہ لوگ اس کی عبادت کریں اس قوم پر اللہ سخت غضب ہوا جس نے اپنے انبیاء کے قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اس روایت کو امام مالک نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قبروں سے ایسی عقیدت رکھنا جیسے کہ مشرک بتوں سے رکھتے ہیں درحقیقت شرک ہے اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر دعا کی ہے کہ اے اللہ میری قبر کو ایسا نہ بنا دیجئے گا کہ لوگ اسکی پوجا کریں۔

کلمات حدیث کی تشریح **اللّٰهم لا تجعل قبری وثنا،** اے اللہ میری قبر کی لوگ ایسی تعظیم نہ کریں جیسی مشرک بتوں کی تعظیم کرتے ہیں، **اشتد غضب اللّٰه،** یہ جملہ مستانفہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبی نے جو دعا کی ہے وہ امت پر شفقت کرتے ہوئے کی ہے تاکہ جس لعنت میں اہل کتاب گرفتار ہوئے اس امت کے لوگ اس لعنت میں گرفتار نہ ہوں اہل کتاب اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی بنا پر ملعون ہو گئے۔

مختلف احادیث میں قبروں کی بے جا تعظیم سے بچنے کا مسئلہ گذر چکا ہے، جسطرح قبروں کی بیجا تعظیم جائز نہیں ہے اسی طرح قبروں کی توہین بھی درست نہیں ہے، چنانچہ حدیث ہے، نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ "رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے، قبر پر عمارت بنانے، اور قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ قبر پر بیٹھ کر اسکی توہین کرنا بھی ممنوع ہے، جن احادیث میں بیجا تعظیم سے منع کیا گیا ہے انکو اور ان احادیث کو جسمیں قبروں کی توہین سے بچنے کیلئے کہا ہے دونوں کو مدنظر رکھ کر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوریؒ نے، رحمۃ اللہ الواسعہ میں جو قیمتی بحث نقل کی ہے اسکو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے

قبور کے معاملہ میں لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، مذکورہ احادیث میں اعتدال قائم رکھنے کی ہدایت ہے۔

افراط: یہ ہے کہ قبریں اونچی کی جائیں، قبریں پختہ بنائی جائیں، قبروں پر روضہ بنایا جائے ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے ان پر کتبہ لگایا جائے، ان پر پھول اور چادر ڈالی جائے اور ان پر چراغاں کیا جائے یہ سب انعال شرک سے نزدیک کرنے والے ہیں اور قبروں کو سجدہ کرنا ان کا طواف کرنا صاحب قبر سے مرادیں مانگنا قبروں پر پھول چڑھانا عین شرکیہ افعال ہیں۔

اور تفریط: یہ ہے کہ ان کو روندا جائے ان پر چلا جائے ان پر بیٹھا جائے اور ان پر قضاء حاجت کی جائے وغیرہ، اور اعتدال یہ ہے کہ دل میں قبور کی قدر و منزلت ہو اور وہ معاملہ کیا جائے جو سنت سے ثابت ہے، یعنی قبروں کی زیارت کے لئے جانا اور ان کے پاس کھڑے ہو کر ایصال ثواب اور مغفرت کرنا۔ علامہ ابن الہمام فتح القدیر: ص:۱۰۲، ج:۲: میں تحریر فرماتے ہیں "وَالْمَحْمُوْدُ مِنَ السُّنَّةِ لَيْسَ الْاَزِيَارَتُهَا وَالدُّعَاءُ عِنْدَ هَا قَائِمًا، كَمَا كَانَ يَفْعَلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخُرُوْجِ اِلَى الْبَقِيْعِ اِلَخْ" اور قبروں پر بیٹھنے کی جو ممانعت کی گئی ہے اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں، ایک مجاور بن کر بیٹھنا اس صورت میں یہ حکم باب افراط سے ہے، دوسرا قبروں پر آرام کرنے کے لئے بیٹھنا اس صورت میں یہ حکم باب تفریط سے ہے یعنی اکرام میت کے خلاف ہے، اور قبور کی اہانت اس لئے ممنوع ہے کہ اس سے قبور کی قدر و منزلت دل سے ختم ہو جائے گی اور لوگ قبروں کی زیارت کے لئے جانا چھوڑ دیں گے حالانکہ زیارت قبور مامور بہ ہے، اس میں مردوں اور زندوں دونوں ہی کا فائدہ ہے، اور حد سے زیادہ تعظیم اسلئے جائز نہیں کہ وہ شرک تک پہنچاتی ہے جب لوگ قبروں کی تعظیم میں مبالغہ کرتے ہیں اور ناجائز طریقوں سے تعظیم بجالاتے ہیں تو وہ قبروں کی پرستش کا ذریعہ بن جاتی ہے اور دین میں تحریف در آتی ہے، اہل کتاب نے اپنا دین اسی راہ سے بگاڑ لیا تھا، حدیث میں ہے "یہود و نصاریٰ پر خدا کی پھٹکار ہے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (رحمة الله الواسعه ص ٦٨٥ ج٣)

حدیث نمبر ۶۹۶ ﴿آپ کو نفل نماز باغات میں پڑھنا پسند تھا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۵۱

وَعَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الصَّلَاةَ فِي الْحِيْطَانِ قَالَ بَعْضُ رُوَاتِهِ يَعْنِي الْبَسَاتِيْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ وَقَدْ ضَعَّفَهُ يَحْيَ بْنُ سَعِيْدٍ وَغَيْرُهُ.

حوالہ: ترمذی ص ۷۷ ج ۱، باب ماجاء فی الصلاۃ فی الحیطان، کتاب الصلاۃ، حدیث ۳۳۴.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو باغات میں نماز پڑھنا پسند تھا، بعض راویوں نے کہا ہے کہ "حیطان" سے مراد باغات ہیں، (ترمذی) ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کو ہم نے صرف حسن ابن ابوجعفر کی روایت سے جانا ہے، اور ان کو یحیٰ بن سعید وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو نفل نماز باغات میں پڑھنے میں بڑا لطف آتا تھا کیونکہ وہاں بہت سکون ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یستحب الصلاۃ فی الحیطان: یعنی آپ ﷺ دیوار کے پہلو میں نماز پڑھتے تھے تاکہ کوئی گذرنے والا سامنے سے نہ گذرے، اور ذہن ادھر ادھر نہ بھٹکے "حیطان" کے معنی باغ کے آتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ باغ میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۶۹۷ ﴿مساجد کے ثواب میں فرق ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۵۲

وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ صَلَاةً وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ صَلَاةٍ وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجه ص ۱۰۲، باب ما جاء فی الصلاۃ فی المسجد الجامع، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیها، حدیث ۱۴۱۳.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی نے اپنے گھر میں جو نماز پڑھی وہ ایک ایک نماز شمار ہوتی ہے اور محلہ کی مسجد میں پڑھی ہوئی اس کی نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے اور اس کی اس مسجد میں پڑھی ہوئی نماز جس میں جمع ہوتا ہے پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور اس کی مسجد اقصیٰ کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور اس کی میری مسجد میں پڑھی ہوئی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور اس کی مسجد حرام میں پڑھی ہوئی نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ (ابن ماجة)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جو نماز گھر میں پڑھی گئی اس پر ایک نماز کا ثواب ملتا ہے محلہ کی مسجد میں اگر نماز ادا کی گئی ہے تو اس پر پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے اگر جامع مسجد میں نماز پڑھی تو پانچ سو نمازوں کا ثواب ملتا ہے، اور اگر مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی میں نماز پڑھی تو پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور اگر مسجد حرام میں نماز پڑھی تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلاۃ الرجل فی بیته: نفل کے علاوہ نماز مراد ہے اس وجہ سے کہ نفل کو گھر میں پڑھنا افضل ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے "أَفْضَلُ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ" گھر میں نماز پڑھنے والے کو ایک نماز کا ثواب ملتا ہے، یہاں اجر مضاعف کا اعتبار نہیں کیا ہے اس وجہ سے کہ وہ تو دس سے لے کر سات سو یا اس سے بھی زائد ہوتا ہے

"وصلاته فی مسجدی بخمسین الف صلاۃ" مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔

اشکال: حدیث ۶۴۱ کے تحت یہ بات گذری کہ مسجد نبوی میں نماز کا ثواب ایک ہزار کے برابر ہے یہاں پچاس ہزار کے برابر کہا ہے تو ایسا کیوں؟

جواب: (۱) اس حدیث میں صرف ہزار کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ "خیر من الف صلاۃ" کے الفاظ ہیں، یعنی ایک ہزار سے بھی زائد اور اس زائد کی تحدید یہاں پچاس ہزار سے کردی ہے۔

(۲) آپ کو پہلے یہ علم دیا گیا کہ مسجد نبوی میں ایک ہزار نماز کا ثواب ملتا ہے پھر یہ علم دیا گیا کہ پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

حدیث نمبر ۶۹۸ ﴿سب سے پہلی مسجد﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۵۳

وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ مَسجِدٍ وُضِعَ فِي الْاَرْضِ اَوَّلُ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قُلْتُ ثُمَّ اَيُّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰى قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ اَرْبَعُوْنَ عَامًا ثُمَّ الْاَرْضُ لَكَ مَسجِدٌ فَحَيْثُ مَا اَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ فَصَلِّ . مُتفق عَليه.

حواله: بخاری ص ۷۷۷ ج ۱، باب کتاب الانبیاء حدیث ۳۳۶۶، مسلم شریف ص: ۱۹۹ ج ۱، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ حدیث ۵۲۰.

ترجمه: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول زمین پر سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا مسجد حرام، میں نے کہا اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا مسجد اقصیٰ، پھر میں نے پوچھا ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فرق تھا، آپ ﷺ نے فرمایا چالیس سال کا، اس کے بعد فرمایا اب تو ساری زمین تمہارے لئے مسجد ہے جہاں وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لو۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ سب سے پہلی مسجد مسجدِ حرام ہے اور دوسری مسجد، مسجد اقصیٰ اور ان دونوں کی تعمیر کے مابین چالیس سال کا وقفہ ہے، اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کیلئے ساری زمین کو مسجد بنادیا ہے۔ اور آپ کے واسطے سے امت کو بھی یہ سہولت حاصل ہوئی کہ روئے زمین پر جہاں چاہے نماز پڑھ لے، بعض جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت ہے وہ نہی لذاتہ نہیں ہے بلکہ نہی لغیرہ ہے یعنی کسی خارجی عارض کی بناپر ان جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع کردیا گیا، تفصیل کے لئے حدیث دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح المسجد الحرام: بناء کعبہ حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں ہوئی ہے، اور بناء مسجد اقصیٰ حضرت سلیمان کے ہاتھوں ہوئی اور ان دونوں میں مقدم حضرت ابراہیمؑ ہیں ان دونوں کے تعمیر میں چالیس سال کا فاصلہ ہے

اشکال: حضرت ابراہیمؑ کے درمیان اور حضرت سلیمانؑ کے درمیان میں ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے تو پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کی تعمیر میں چالیس سال کا فاصلہ ہے؟

جواب: (۱) ملا علی قاریؒ نے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے یہ جواب نقل کیا ہے کہ کعبہ کی بنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور مسجد اقصیٰ کو حضرت یعقوبؑ نے بنایا ہے، حضرت سلیمانؑ مجدد بناء ہیں موسس نہیں ہے اور یہ ممکن بھی ہے کیونکہ حضرت یعقوب حضرت ابراہیم کے پوتے ہیں۔ (مرقات ص ۲۲۹ ج ۲)

(۲) یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت آدم نے کعبہ کی تعمیر کی اور حضرت آدم کی کسی اولاد نے بیت المقدس کو تعمیر کیا اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ رہا۔

باب الستر
ستر ڈھانکنے کا بیان

اس باب میں صاحب مشکوۃ نے وہ احادیث ذکر کی ہیں جو ستر پوشی کے احکام و مسائل سے متعلق ہیں نیز ان احادیث کو بھی نقل کیا ہے جن میں ان لباسوں کا ذکر ہے جن کو پہن کر آپ ﷺ اور حضرات صحابہ نے نماز پڑھی۔

ستر پوشی نماز کی ایک بے حد اہم شرط ہے اور ستر عورت یعنی لباس پہننا لازم اور ضروری ہے، لباس پر قدرت کے باوجود بغیر لباس کے نماز پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، ستر عورت کے واجب ہونے کی دلیل قرآن مجید کی آیت ہے "خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ" (ہر مسجد میں حاضری کے وقت اپنی زینت اپنے ساتھ رکھ لو)۔

لباس کی حدود: لباس کی دو حدیں ہیں (۱) واجب (۲) مستحب، لباس کی حد واجب دونوں شرمگاہیں ہیں، یہ دونوں حدوں میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں، اصل ننگا ہونا انہیں دونوں اعضاء کا غیر مستور ہونا ہے ان کا چھپانا سب سے زیادہ موکد ہے، مرد کی رانیں سبیلین کے ساتھ ملحق ہیں اور گھٹنا ران کے ساتھ ملحق ہونے کی وجہ سے ستر میں داخل ہے، اور عورت کا سارا بدن ستر ہے، حاصل یہ نکلا کہ مرد کی شرمگاہ ران اور گھٹنا ستر ہے اور عورت کا سارا بدن ستر ہے، چہرہ ہتھیلیاں اور پیر کے نیچے یہ ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں، یہ لباس کی حد و واجب ہے جو نماز کی صحت کے لئے شرط ہے اس سے کم لباس پہننے کی صورت میں نماز نہیں ہوگی۔

اور لباس کی حد مستحب پیٹ، پیٹھ، سینہ اور مونڈھوں کا مستور ہونا ہے، جسم کا یہ حصہ بھی ڈھانک کر نماز پڑھنا مستحب ہے اور اس میں کمال یہ ہے کہ سر اور ٹخنوں کے اوپر تک سارے جسم کو ڈھانک کر نماز پڑھی جائے، چہرہ اور ہتھیلیاں اس سے مستثنیٰ ہیں، عام حالات میں عمامہ باندھنا اور ٹوپی پہننا ثابت ہے، معلوم ہوا کہ جب آپ ﷺ عام حالات میں تزئین کے لئے یہ لباس زیب تن فرماتے تھے، تو نماز کا وقت آنے پر ان کو پہن ہی کر نماز پڑھتے ہونگے ان کو اتار نہیں دیتے ہوں گے، کیونکہ نماز میں تو خاص طور پر تزئین کا حکم ہے۔

(تلخیص رحمۃ اللہ الواسعہ)

چند اختلافی مسائل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ستر عورت نماز کی صحت کیلئے شرط ہے، مالکیہ کے نزدیک ستر عورت قدرت اور یاد ہونے کے وقت شرط ہے اگر قدرت نہ ہو یا خیال نہ رہے تو معاف ہے، (۲) جمہور کے نزدیک ستر عورت کی مقدار وہی ہے جس کا ماقبل میں تذکرہ ہوا، لیکن ظاہریہ کے نزدیک عورت میں صرف قبل اور دبر داخل ہیں بقیہ اعضاء بدن کا ستر لازم نہیں ہے، (۳) عورت کے قدمین ائمہ ثلاثہ کے یہاں ستر عورت میں سے ہے، امام صاحب کے یہاں عورتوں کے قدمین کا ڈھکنا لازم نہیں ہے (۴) امام ابوحنیفہ کے نزدیک دوران نماز اگر ستر عورت میں سے کچھ کھل گیا تو اگر اس کی مقدار چوتھائی عضو سے کم ہے، تو معاف ہے لیکن اگر چوتھائی عضو سے یا اس سے زائد ہے تو معاف نہیں ہے امام شافعیؒ کے نزدیک دوران صلاۃ قطعاً انکشاف عورت مفسد صلاۃ ہے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۶۹۹ ﴿ایک کپڑے میں نماز کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۵۴

عَنْ عُمَرَ بنِ اَبِی سَلَمَۃَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی فِی ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلاً بِہٖ فِی بَیْتِ اُمِّ سَلَمَۃَ وَاضِعًا طَرَفَیْہِ عَلٰی عَاتِقَیْہِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

حوالہ: بخاری ص ۵۲ ج ۱، باب الصلاۃ فی الثوب الواحد ملتحفابہ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۳۵۶، مسلم ص ۱۹۸ ج ۱، باب الصلاۃ فی ثوب واحد و صفۃ لبسہ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۱۷.

ترجمہ: حضرت عمر بن ابوسلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ ام سلمہ

کے گھر میں تھے اس کپڑے کو اپنے جسم سے اس طرح لپیٹے ہوئے تھے کہ اسکے دونوں کنارے آپؐ کے دونوں مونڈھے پر تھے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر آدمی ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ کپڑا بڑا ہے تو اس کو اس طرح استعمال کرے کہ ستر عورت کے ساتھ بدن کا بالائی حصہ بھی ڈھک جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح یصلي في ثوب واحد، ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے اور ایک کپڑے کے استعمال میں بھی اس بات کی گنجائش ہے کہ اس کو تہبند کے طور پر استعمال کیا جائے یا پھر لپیٹ کر نماز پڑھ لی جائے، بخاری نے اس سے پہلے جو باب ذکر کیا ہے، اس میں ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کی ایک صورت کا تذکرہ ہے، وہ یہ ہے کہ گردن پر تہبند کی گرہ لگالی جائے، تاکہ رکوع یا سجدہ کی حالت میں تہبند کھینچ کر کھل نہ جائے، اور کشف عورت نہ ہو، الفاظ حدیث یہ ہیں

''عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِيْ اِزَارِهِمْ عَلٰى عَوَاتِقِهِمْ'' (بخاری ص ۵۱ ج ۲)

سہیل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کیساتھ اپنی گردنوں پر اپنے تہبند باندھے ہوئے نماز پڑھی، لیکن یہ صورت اسوقت استعمال کی جائے جب کپڑا اتنا زیادہ نہ ہو کہ ایک مونڈھوں پر لپیٹا جاسکے، اگر ایک کپڑا ہے اور وہ زائد ہے تو اسکے ذریعہ سے مونڈھوں کو بھی ڈھنکا جائے گا، حدیث باب میں اسی صورت کا تذکرہ ہے اور یہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی دوسری صورت ہے۔

مشتملابه ''اشتمال'' کا مطلب یہ ہے کہ کپڑے کا جو کنارہ دائیں مونڈھے پر ہے اس کو بائیں ہاتھ کے نیچے سے لے اور جو کنارہ بائیں مونڈھے پر ہے اس کو دائیں ہاتھ کے نیچے سے لے، پھر دونوں کناروں کو لے کر سینہ پر گرہ دے لے۔

حدیث باب میں کپڑے کے لپیٹنے کو ''اشتمال'' سے تعبیر کیا گیا ہے، ایک دوسری حدیث میں توشح'' کا لفظ منقول ہے اس کے علاوہ اسی بات کو بیان کرنے کے لئے ''مخالفة بین الطرفین'' کے الفاظ بھی منقول ہیں، سب کا مقصد ایک ہے اور سب کے معنی ایک ہیں، صرف تعبیرات کا فرق ہے، اسی بات کی وضاحت کے لئے امام بخاریؒ نے زہری کا قول نقل کیا ہے، '' قَالَ الزُّهْرِيُّ فِيْ حَدِيْثِهِ الْمُلْتَحِفُ الْمُتَوَشِّحُ وَهُوَ الْمُخَالَفَةُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ وَهُوَ الْاِشْتِمَالُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ'' (بخاری ص ۵۱ ج ۱)

زہری نے اپنی روایت میں کہا ہے کہ ملتحف کے معنی متوشح کے ہیں اور متوشح اس شخص کو کہتے ہیں جو کپڑے کے داہنے گوشہ کو بائیں بغل کے نیچے سے نکال کر داہنی طرف، اور بائیں گوشہ کو داہنی طرف بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لے اور اشتمال یعنی دونوں مونڈھوں پر لپیٹنا بھی یہی ہے، زہری کی اس وضاحت سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ صرف تعبیر کا فرق لفظی ہے معنی اور مصداق سب کا یکساں ہے۔

اشتمال: کی مذکورہ صورت اس وقت اختیار کی جائے گی جب کپڑا ایک ہو اور وہ خوب زائد ہو اور اگر کپڑا کچھ کم ہے تو اسکی صورت گذشتہ سطور میں گذری کہ گردن پر تہبند کی گرہ لگالی جائے، یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اگر خالی تہبند میں نماز ادا کی گئی اور مونڈھے پر کچھ بھی کپڑا نہ رہا تو اس میں بے ادبی کا ایک گونہ اظہار ہوتا ہے، لیکن اگر مجبوری ہے تہبند ہی کے بقدر کپڑا ہے زائد کپڑا ہے ہی نہیں، تو ایسی صورت میں صرف تہبند میں نماز ادا کی جائے گی، بخاری شریف میں ایک طویل حدیث ہے جس کا ایک جزیہ ہے ''وَاِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهٖ'' (اگر کپڑا تنگ ہو تو اس کو ازار کی طرح باندھ لینا چاہئے)۔

خلاصہ حدیث پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی ثوب واحد میں نماز پڑھ رہا ہو تو ثوب کی تین ممکنہ صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی (۱) ضیق، ایسی صورت میں صرف لنگی کی طرح کپڑا لپیٹ لیا جائے (۲) وسیع، ایسی صورت میں لپیٹ کر گردن پر باندھ لیا جائے (۳) اوسع، ایسی صورت میں اشتمال کیا جائے گا، اشتمال کی وضاحت ماقبل میں گذر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۷۰۰ ﴿نماز میں مونڈھا ضرور ڈھکنا چاھئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۵۵

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدُكُمْ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰی عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَیْءٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری شریف ص ۵۲ ج ۱، باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیه، کتاب الصلاۃ، حدیث ۳۵۹، مسلم شریف ص ۱۹۸ ج ۱، باب الصلاۃ فی ثوب واحد وصفة لبسه، کتاب الصلاۃ، حدیث ۲۷۷.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک کہ اس کے کاندھوں پر اس کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ کپڑا بڑا ہے تو اس کو محض لنگی کی طرح نہ لپیٹے، بلکہ اشتمال کی جو صورت گذشتہ حدیث میں گذری ہے اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے مونڈھوں کو بھی ڈھانک لے۔

کلمات حدیث کی تشریح اگر ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا پڑ رہی ہے تو اس کپڑے کو کاندھے پر ڈال لینا چاہئے، اس میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ بدن کا ایک وافر حصہ ڈھک جائے گا، قرآن مجید کی آیت میں "يٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا" پر عمل بھی ہوجائے گا (اے بنی آدم ہم نے تم پر وہ پوشاک اتاری ہے جو تمہاری شرمگاہ کو ڈھانکتی ہے اور آرائش کے کپڑے اتارے ہیں) اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ کپڑے کے گرجانے یا کھل جانے کا اندیشہ بھی نہ رہے گا، نیز ننگی پیٹھ نماز پڑھنے میں جو بے ادبی محسوس ہوتی ہے اس کا ازالہ بھی ہوجائے گا۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ حدیث باب میں جو حکم ہے وہ استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے۔

نوٹ: امام احمدؒ نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہا ہے اور گنجائش کے باوجود اس کپڑے کے کنارے کاندھوں پر نہیں پڑے ہیں جس کی وجہ سے شانے کھلے ہوئے ہیں تو ایسی صورت میں نماز نہیں ہوگی کیونکہ حدیث باب میں آپ ﷺ نے صیغہ نہی مؤکد استعمال کیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ کھلے ہوئے شانوں کے ساتھ نماز پڑھنا حرام ہو حاصل یہ ہے کہ امام احمدؒ نے حدیث باب کو نہی تحریمی پر محمول کیا ہے۔

حدیث باب کا جواب: جمہور کے نزدیک نہی تحریمی نہیں ہے بلکہ یہ نہی تنزیہی ہے، لہٰذا اگر ستر ڈھکا ہوا ہے اور مونڈھے ڈھکے ہوئے نہیں ہیں تو بھی نماز ہوجائے گی۔

حدیث نمبر ۷۰۱ ﴿ایک کپڑے میں نماز پڑھنیوالا مونڈھوں کو ڈھانک لے﴾ عالمی حدیث ۷۵۶

وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ).

حوالہ: بخاری ص باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقیه، کتاب الصلاۃ حدیث ۳۶۰

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ ۵۲ ج ۱، سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک کپڑے میں جو کوئی نماز پڑھے تو وہ کپڑے کا دایاں گوشہ بائیں طرف اور بایاں گوشہ دائیں طرف ڈال لے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی ماقبل کی احادیث ہی کا مفہوم ہے، صرف لفظی تعبیر کا فرق ہے، مقصد یہی ہے کہ اگر کپڑا ایک ہے اور بڑا ہے تو ستر ڈھانکنے کے بعد مونڈھوں کو بھی اشتمال کی صورت پر ڈھانک لیا جائے (اشتمال) کی وضاحت

(حدیث نمبر ۶۹۹ کے تحت گذر چکی ہے)

کلمات حدیث کی تشریح من صلي في ثوب واحد، اگر ایک کپڑا ہے تو نمازی کو چاہئے کہ مخالفت بین الطرفین کرے، مخالفت بین الطرفین اور اشتمال ایک ہی چیز ہے جیسا کہ ماقبل میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔
حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ علامہ طحاویؒ نے احادیث باب کو جمع کر کے یوں تطبیق دی ہے کہ اگر کپڑا بڑا ہے تو اس میں اشتمال کیا جائے، اور اگر کپڑا چھوٹا ہے تو لنگی کی طرح اس کو باندھ لیا جائے۔ (فتح الباری ص ۱۸۶ ج ۲)
اسکی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے "قَالَ (النَّبِيُّ ﷺ) فَإِنْ كَانَ وَاسِعًا فَلْتَحِفْ بِهِ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ" (بخاری)

حدیث نمبر ۷۰۲ ﴿منقش کپڑے میں نماز پڑھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۵۷

عَنْ عَائِشَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا) قَالَت صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فِي خَمِيصَةٍ لَهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰى اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِذْهَبُوا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهِ اِلٰى اَبِي جَهْمٍ وَأْتُونِي بِاَنْبِجَانِيَّةِ اَبِي جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِي اٰنِفاً عَنْ صَلَاتِي مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ قَالَ كُنتُ اَنْظُرُ اِلٰى عَلَمِهَا وَاَنَا فِي الصَّلَاةِ فَاَخَافُ اَنْ يَفْتِنَنِيْ.

حوالہ: بخاری ص: ۵۴ ج ۱، باب اذا صلي في ثوب له اعلام ونظر الى علمها، كتاب الصلاة حديث ۳۷۳، مسلم ص ۲۰۸ ج ۱، باب كراهية الصلاة في ثوب له اعلام، كتاب المساجد حديث، ۵۵۶.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ایک ایسی چادر میں نماز پڑھی جس میں نقش تھے آپ کی ایک نظر چادر کے نقوش پر پڑ گئی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میری یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور مجھے ابوجہم سے انبجانی چادر لا کر دو، اس لئے کہ اس منقش چادر نے ابھی مجھے نماز سے غافل کر دیا۔ (بخاری ومسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا میں نے اس چادر کے نقش ونگار کی طرف نماز کی حالت میں نظر کی تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ مجھے فتنہ میں نہ ڈال دے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک صحابی ابوجہم نے آپ ﷺ کو ایک منقش چادر ہدیہ میں پیش کیا، آپ ﷺ نے وہ چادر پہن کر نماز پڑھی، دوران نماز آپ ﷺ کی نگاہ اس چادر پر پڑ گئی، تو آپ ﷺ نے اس چادر کو اپنے لئے مناسب نہیں سمجھا، کیونکہ اس سے دوران نماز حضور قلب میں خلل پڑنے کا خطرہ تھا لہٰذا اس چادر کو واپس کر دیا اور ابوجہم کی دل شکنی نہ ہو اس غرض سے ان سے دوسری سادی چادر لے لی۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ منقش چادر میں نماز تو ہو جائے گی کیونکہ صحت صلاۃ کے لئے کپڑے کا ساتر اور طاہر ہونا شرط ہے، غیر منقش ہونا شرط نہیں ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ ایسا لباس زیب تن نہ کیا جائے جو نمازی کے خشوع وخضوع میں خلل انداز ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح صلی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم في خميصة" "خميصة" اونی پھول دار کالی چادر ہے، آپ ﷺ نے اس منقش چادر میں نماز ادا فرمائی، اعلام، یہ خمیصۃ کی تاکید کیلئے مذکور ہے، یا پھر اس کے لئے بیان ہے، یہ چادر آپ ﷺ کو ابوجہم عامر بن حذیفہ نے ہدیہ میں پیش کی تھی، فنظر الى اعلامها، دوران نماز منقش چادر آپ کے جسم پر تھی اس وجہ سے آپ ﷺ کی اس پر اتفاقاً ایک نظر پڑ گئی، لیکن نظر قائم نہیں رہی اسی وجہ سے "نظر نظرة" کے الفاظ مذکور ہیں۔
فلما انصرف: جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے، ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں "فَلَمَّا فَرَغَ عَنْ صَلَاتِهٖ قَالَ اَلْهَتْنِيْ اَعْلَامُ هٰذِهٖ اِذْهَبُوْا بِهَا" حاصل یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے وہ چادر ابوجہم کو واپس بھیج دی، کیونکہ اس

منقش چادر کی وجہ سے دوران نماز حضور قلب میں کچھ فرق آ گیا تھا۔ واتونی بانبجانیہ، آپ ﷺ نے ابوجہمؓ کی خمیصہ یعنی منقش چادر تو واپس کردی لیکن ساتھ میں یہ بھی حکم دیا کہ ان سے انبجانیہ چادر لے آؤ، انبجان ایک جگہ کا نام ہے یہاں کی چادر سادی ہوتی تھی آپ ﷺ نے انبجانی چادر اس غرض سے منگوائی تا کہ ابوجہم کا ہدیہ واپس کرنے کی وجہ سے ان کی دل شکنی نہ ہو، فالھا الھتنی، یہاں سے معلوم ہوا کہ ظاہری نقش ونگار نفوس قدسیہ کے اندر بھی تاثیر کرسکتے ہیں، اور یہ تاثیر کرنا ان کے باطن کے بہت زیادہ صاف وشفاف ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ سفید کپڑے پر داغ جلد پڑتا ہے اور وہ نمایاں ہوتا ہے۔

اشکال: یہاں پر ''الھتنی انفا'' گذرا اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ نقش ونگار والی چادر آپ ﷺ کی حضوری قلب میں موثر ہوگئی، جب کہ آگے بخاری کی دوسری روایت کے حوالہ سے آرہا ہے ''اَخَافُ اَنْ یَّفْتِنَنِیْ'' اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ توجہ ہٹنے کا خوف ہوا توجہ ہٹی نہیں، دونوں میں بظاہر تعارض محسوس ہو رہا ہے۔

جواب: ''الھتنی'' کے اندر قرب فعل پر فعل کا اطلاق ہے اصل عبارت ہے ''کَادَتْ تُلْھِیْنِیْ'' یعنی قریب تھا کہ یہ منقش چادر مجھے غافل کردیتی اور یہی مفہوم ''اخاف ان یفتننی'' کا بھی ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

اشکال: جب یہ منقش کپڑا نماز میں خلل ڈالنے کیوجہ سے فتنہ باعث تھا اور حضور نے اسکو اپنے لئے پسند نہیں کیا تو پھر ابوجہم کو یہ کپڑا کیوں دیا؟

جواب: (۱) ابوجہم نابینا تھے اس لئے منقش کپڑا ان کے حق میں سامان فتنہ نہیں تھا (۲) آپ نے ابوجہم کے پاس کپڑا بھیجا ہے اس کو پہن کر نماز پڑھنے کے لئے نہیں کہا ہے، (۳) نبی پاک کا قلب بہت مجلیٰ تھا دوسرے لوگوں کا اتنا قلب مجلیٰ نہیں ہے، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ جن چیزوں کا اثر آپ کے آئینہ قلب پر ہو اس کا اثر دوسروں پر بھی ہو۔

حدیث نمبر ۷۰۳ ﴿تصویر والا کپڑا نمازی کے سامنے نہ ہونا چاهئے﴾ عالمی حدیث ۷۵۸

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمِيْطِیْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهُ لَايَزَالُ تَصَاوِيْرُهُ تُعْرَضُ لِیْ فِیْ صَلَاتِیْ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ.

حواله: بخاری ص ۵٤ ج ۱، باب ان صلی فی ثوب مصلب، کتاب الصلاۃ حدیث ۳۷٤.

حل لغات: قرام، منقش پردہ، مختلف رنگوں کا موٹا اونی کپڑا جس کا پردہ بنایا جاتا ہے، جمع قُرُمٌ، امیطی، امر واحد مونث حاضر اماط اماطة دور کرنا، ہٹانا۔

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک چادر تھی جس سے انہوں نے اپنی کوٹھری کے ایک کنارے کو ڈھانک دیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے سامنے سے اس پردہ کو ہٹادو، کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں برابر میرے سامنے آتی رہی ہیں۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے منقش پردے کے سامنے نماز پڑھی دوران نماز منقش پردے کی تصویر نگاہوں کے سامنے آتی رہی اس وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میرے سامنے سے یہ پردہ ہٹادو، معلوم ہوا کہ منقش کپڑے کے سامنے نماز ادا کرنے سے احتراز کرنا چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے نماز کے اندر خشوع وخضوع میں قلت آتی ہے، لیکن اگر نماز شروع کردی گئی ہے تو اس کو منقطع نہ کرنا چاہئے، نیز منقش کپڑے کے سامنے ادا شدہ نماز صحیح ہوجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے نہ تو اس نماز کا اعادہ کیا اور نہ ہی نماز کو منقطع کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح ستوت به جانب بیتها، حضرت عائشہؓ نے کوٹھری کی دیوار یا دروازہ پر پردہ لٹکا دیا؛ چونکہ اس وقت تک کہ ان کو منقش پردہ کی قباحت معلوم نہیں تھی جب آپ ﷺ نے منع فرمایا تو حضرت عائشہؓ نے اس کو

اتار دیا، لایزال تصاویرہ ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پردہ کی تصاویر بار بار میرے سامنے آتی ہیں جس سے نماز میں خلل پڑتا ہے، تصویر عام ہے خواہ ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی، ایسی ہو جس کی مشرکین پوجا کرتے ہوں یا وہ تصویر ہو جس کی پوجا نہ کرتے ہوں بہر صورت تصویر کا نماز میں سامنے آنا نماز میں نقصان کا سبب ہے لہٰذا تصویر پردہ والے کپڑے کو نمازی کے سامنے ہرگز نہ رکھنا چاہئے، تصویر کے سامنے ہوتے ہوئے اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن مکروہ ضرور ہوتی ہے اسی طرح اگر مصلی کے کپڑے پر تصویر ہے تو بھی نماز مکروہ ہو جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۷۰٤ ﴿ریشمی قبا میں نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۵۹

وَعَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ قَالَ أُهْدِیَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّیٰ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم فَرُّوْجُ حَرِیْرٍ فَلَبِسَهُ ثُمَّ صَلّٰی فِیْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِیْدًا کَالْکَارِهِ لَهُ ثُمَّ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ هٰذَا لِلْمُتَّقِیْنَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری ص ٥٤ ج ١ ، باب من صلی فی فروج حریر ثم نزعه، کتاب الصلاة، حدیث ۳۷۵، مسلم ص ۱۹۲ ج ۲، باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضة، کتاب اللباس والزینة حدیث، ۲۰۷۵

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ریشم کی ایک قبا ہدیہ میں پیش کی گئی آپ ﷺ نے اس کو پہنا پھر نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے اس کو اس طرح جلدی سے اتار کر الگ کر دیا کہ گویا آپؐ اس سے نفرت فرما رہے ہیں اور فرمایا کہ یہ اہل تقویٰ کے لئے مناسب نہیں ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ریشم کا لباس پہننا درست نہیں لیکن اگر کسی نے پہن کر نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی، ریشم کا لباس پہنتے ہی آپ ﷺ کو اسکی قباحت کا ادراک ہو گیا اس لئے آپ ﷺ نے فوراً اتار دیا؛ لیکن آپ ﷺ نے نماز نہیں دوہرائی معلوم ہوا کہ نماز ہو جائے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح اهدی لرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّیٰ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم فروج ''فروج'' اس قبا کو کہتے ہیں جو پیچھے سے بھی تھوڑی کھلی ہو، جنگ اور گھوڑ سواری کے لئے یہ نہایت موزوں لباس سمجھا جاتا تھا، علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ یہ قبا دومۃ الجندل کے بادشاہ اکیدر بن عبدالملک نے آپ ﷺ کو ہدیہ کے طور پر دی تھی۔

فلبسه ثم صلی فیه: آپ ﷺ نے وہ ریشمی قبا پہن کر نماز پڑھی لیکن نماز کے بعد آپ ﷺ نے نفرت کے ساتھ اس کو اپنے جسم سے علیحدہ کر دیا اس کے بعد فرمایا یہ اہل تقویٰ کا لباس نہیں ہے۔

سوال: ریشم تو حرام ہے جیسا کہ اسکی حرمت کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے ''حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِیْرِ وَالذَّهَبِ عَلٰی ذُکُوْرِ أُمَّتِیْ وَأُحِلَّ لِإِنَاثِهِمْ'' (ریشم اور سونے کا پہننا میری امت کے لئے مردوں پر حرام کر دیا گیا ہے اور عورتوں کیلئے حلال، یعنی جائز ہے) اب سوال یہ ہے کہ جب ریشم حرام ہے تو آپ ﷺ نے کیوں پہنا؟

جواب: جس وقت آپ ﷺ نے ریشمی قبا پہنی اس وقت تک آپ ﷺ کو ریشم کے حرمت کا علم نہیں ہوا تھا، نماز کے فوراً بعد آپ ﷺ کو اس کی حرمت کی اطلاع ہوئی لہٰذا آپ ﷺ نے ناگواری کے ساتھ اس کو اپنے جسم سے علیحدہ کر دیا، مسلم شریف میں اس کی صراحت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے لباس اتارنے کے بعد کہا ''مجھے جبرئیل نے اس سے منع کیا ہے۔

اشکال: آپ ﷺ نے فرمایا ''لا ینبغی هذا للمتقین'' یعنی ریشمی لباس اہل تقویٰ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر متقی لباس ریشم پہن سکتا ہے جب کہ گذشتہ سطور میں صراحت کے ساتھ یہ بات گذر چکی ہے کہ آپ نے اس امت کے تمام مردوں کے لئے ریشم پہننا حرام قرار دیا ہے، ان دونوں احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: متقی کے دو معنی ہیں (۱) متقی عن المعاصی (۲) متقی عن الکفر ، متقی عن المعاصی: کا مطلب یہ ہے کہ کفر سے بچا ہوا شخص یعنی مسلمان، یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں اور جب دوسرے معنی مراد ہوں گے تو متقی سے مراد مسلمان ہوگا اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ریشم پہننا درست نہیں اس توجیہ کے بعد کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہے گا۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۷۰۵ ﴿صرف قمیص میں نماز پڑھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۶۰

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ رَجُلٌ اَصِيدُ فَاُصَلِّی فِی الْقَمِيصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَاُزْرُرْهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِیُّ نَحْوَهُ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۹۲ ج ۱، باب فی الرجل یصلی فی قمیص واحد ، کتاب الصلاۃ ،حدیث ۶۳۲، نسائی ص ۸۸ ج ۱، باب الصلاۃ فی قمیص واحد، کتاب القبلۃ، حدیث ۷۶۴.

حل لغات: اُزْرُرْ، امر حاضر ہے زرّ (ن) زرًّا الثوب کپڑے کے بٹن لگانا، شوکۃ ، کانٹا جمع اشواك۔

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! بے شک میں شکاری آدمی ہوں تو کیا میں صرف ایک قمیص میں نماز پڑھ سکتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں پڑھ سکتے ہو، لیکن قمیص کو بند کرلو، اگر چہ کانٹے ہی کے ذریعہ سے بند کرو۔ (ابوداؤد) نسائی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مخصوص حالت میں قمیص پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے، لیکن قمیص کو بٹن یا کسی دوسری چیز سے بند کرلینا چاہئے، تاکہ دوران نماز خاص طور سے رکوع کی حالت میں ستر پر نگاہ نہ پڑے۔

کلمات حدیث کی تشریح انی رجل اصید، سلمہ ابن اکوعؓ اپنی مجبوری بیان کررہے ہیں کہ میں عام طور پر شکار میں رہتا ہوں؛ شکار کی حالت میں زیادہ لباس زحمت کا سبب بن جاتا ہے، دوڑنے بھاگنے میں دشواری ہوجاتی ہے، تو کیا میں صرف ایک قمیص پہن کر نماز پڑھ سکتا ہوں، نعم واُزررہ ولوبشوکۃ، آپ ﷺ نے خالص قمیص پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت تو مرحمت فرمادی لیکن ساتھ میں یہ بھی حکم دیا کہ قمیص کے گریبان کو بند کرلو، خواہ کانٹے سے ہی کیوں نہ بند کرو، کیونکہ گریبان کھلا رہنے کی صورت میں رکوع کی حالت میں ستر عورت پر نگاہ پڑنے کا قوی اندیشہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک نمازی کی نگاہ اگر اپنے ستر پر پڑتی ہے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے ہمارے یہاں راجح یہی ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی ہے البتہ مکروہ ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۷۰۶ ﴿ازار لٹکا کر نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۶۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يُصَلِّی مُسْبِلٌ اِزَارَهُ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذْهَبْ فَتَوَضَّأْ فَذَهَبَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَكَ اَمَرْتَه اَنْ يَّتَوَضَّأَ قَالَ اِنَّهُ كَانَ يُصَلِّی وَهُوَ مُسْبِلٌ اِزَارَهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَايَقْبَلُ صَلَاةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ اِزَارَهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۹۳ ج ۱، باب الاسبال فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ حدیث ۶۳۸.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی لنگی لٹکا کر نماز پڑھی، آپ نے اس سے کہا جاؤ اور وضو کرو چنانچہ وہ شخص گیا اور وضو کیا، پھر آئے، اس پر ایک صاحب بولے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے ان کو وضو کرنے کا حکم کیوں دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ شخص اپنی ازار لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا اور جو شخص ازار لٹکائے ہوئے ہوتا ہے، اللہ اس کی نماز نہیں قبول کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ از راہ تکبر کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا بہت بڑا گناہ ہے ایسے کپڑے میں اگر کوئی نماز پڑھتا ہے تو فریضہ کی حد تک وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاتا ہے، لیکن اس نماز کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی قدر نہیں ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نہ تو اس کی نماز قبول کرتا ہے اور نہ اس پر ثواب عطا کرتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح بینما رجل یصلی مسبل ازارہ، ایک شخص لنگی لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا آپ ﷺ نے اس سے فرمایا جاؤ وضو کر کے آؤ پھر نماز پڑھو آپ ﷺ نے اسبال ازار یعنی تہبند یا پائجامہ کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا سخت ناپسند فرمایا ہے چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "یَا سُفْیَانُ لَا تُسْبِلْ اِزَارَکَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْبِلِیْنَ" (اے سفیان اپنے تہبند کو اتنا مت لٹکاؤ کہ ٹخنے چھپ جائیں اس لئے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ تہبند یا پائجامہ سے ٹخنے چھپانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے)۔

وھو مسبل ازارہ "مسبل" اس شخص کو کہتے ہیں جسنے بڑائی ظاہر کرنے کیلئے ایسا کپڑا زیب تن کر رکھا ہو جو ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو، علماء نے لکھا ہے کہ یہ کپڑا لٹکانا تکبر کیوجہ سے ہو تب تو حرام ہے اور اگر غفلت اور بے توجہی کیوجہ سے ہے تو مکروہ ہے اور اگر کسی عذر اور مجبوری کیوجہ سے ہو تو مکروہ بھی نہیں ہے جیسا کہ روایات میں آتا ہے حضرت صدیق اکبرؓ کی لنگی انکے پیٹ کے اندر ہونے کیوجہ سے لٹک جاتی تھی، حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میری لنگی نیچے سرک جاتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا یہ فعل تکبر کیوجہ سے نہیں ہے

سوال: آپ ﷺ نے اسبال ازار کی بناء پر وضو کا حکم کیوں دیا؟

جواب: (۱) وضو کا حکم اسوجہ سے دیا تا کہ وہ شخص اپنے عمل پر متنبہ ہوں اور غور و فکر کرے، اور غور و فکر کے نتیجے میں اپنی اس غفلت سے باز آئے۔

(۲) طہارت ظاہری طہارت باطنی کا سبب بنتی ہے آپ ﷺ نے ظاہری طہارت کا حکم دیا تا کہ تکبر کی بنا پر جواز ار لٹکائے ہوئے ہے یہ باطنی خبث ظاہری پاکی کی وجہ سے دور ہو جائے۔

ان اللہ لا یقبل، اسبال ازار تکبر کی بناء پر گناہ کبیرہ ہے اس وجہ سے ایسی حالت میں ادا شدہ نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا ہے۔

حدیث نمبر ۷۰۷ ﴿ننگے سر عورت کی نماز نہیں ہوتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۶۲

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لَاتُقْبَلُ صَلَاۃُ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرمِذِیُّ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۹٤ ج ۱، باب المرأة تصلی بغیر خمار کتاب الصلاۃ، حدیث ٦٤١.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بالغہ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر نہیں ہوتی۔ (ابو داؤد، ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بالغہ عورت کی نماز بغیر سر ڈھانکے ہوئے نہیں ہوگی، کیوں کہ عورت کا سر اور اس کے بال ستر عورت میں سے ہیں، لہٰذا سر کھلا ہوا ہے یا ایسے باریک کپڑے سے ڈھانک رکھا ہے جس سے بالوں کا رنگ ظاہر ہوتا ہے تو نماز کی شرط ستر عورت نہ پائے جانے کی وجہ سے نماز ادا نہ ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تقبل صلاۃ حائض، حائضہ سے مراد بالغہ عورت ہے یعنی وہ عورت جو کہ حیض کی عمر کو پہنچ گئی ہو خواہ اس کو حیض آئے یا نہ آئے، الا بخمار، چونکہ آزاد عورت کا بدن ستر عورت میں داخل ہے اس وجہ سے اگر کھلے سر نماز پڑھ رہی ہے تو نماز کی شرط ستر عورت کے مفقود ہونے کی بناء پر نماز صحیح نہیں ہوگی۔

یہاں قبول سے مراد قبول اصابت ہے، اصل میں قبول کے دو معنی ہیں (۱) قبول اصابت جسکا مطلب ہے "کَوْنُ الشَّیٔ

مُسْتَجْمِعًا لِجَمِيْعِ الشَّرَائِطِ وَالْاَرْكَانِ" اس معنی کے اعتبار سے یہ صحت کا مترادف ہے اور اسکا نتیجہ دنیاوی اعتبار سے فراغ الذمہ ہے تو اب جب کہ اوڑھنی کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی ہے یہی قبول اصابت مراد ہے، تو مطلب یہ نکلا کہ نماز ادا ہی نہیں ہوئی، اور فریضہ جوں کا توں باقی رہا، (۲) قبول کے دوسرے معنی قبول اجابت ہے اسکا مطلب یہ ہے "وُقُوْعُ الشَّئْیِ فِیْ حَیِّزِ مَرْضَاةِ الرَّبِّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی" اسکا نتیجہ آخرت کا ثواب ہے جیسے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے "مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلَاةُ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا" جسنے شراب پی تو اسکی نماز چالیس روز تک قبول نہیں ہوتی اسکا مطلب یہ ہے کہ فریضہ تو ساقط ہو جاتا ہے لیکن ثواب نہیں ملتا ہے

اوڑھنی کے بغیر آزاد عورت کی نماز قبول نہیں ہے، باندی کی نماز بغیر اوڑھنی کے بھی قبول ہو جاتی ہے کیوں کہ سر باندی کے حق میں ستر نہیں ہے اس کا ستر تو پیٹ اور پیٹھ کا اضافہ کے ساتھ مرد کا ستر ہے۔

اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر آزاد عورت نے بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھی تو اس کی نماز فاسد ہے، لیکن اگر مقدار یسیر یعنی چوتھائی سے کم سر کھلا ہے اور اس حالت میں نماز پڑھ لی تو نماز ہوگی یا نہیں؟ امام صاحب کے نزدیک مقدار یسیر معاف ہے اس لئے نماز ہو جائے گی، امام شافعیؒ کے نزدیک درست نہیں ہوگی۔

حدیث نمبر۷۰۸ ﴿عورت ایک کپڑے میں نماز پڑھ سکتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۶۳

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُصَلِّی الْمَرْاَةُ فِیْ دِرْعٍ وَّخِمَارٍ لَيْسَ عَلَيْهَا اِزَارٌ قَالَ اِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّی ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ وَقَفُوْهُ عَلٰی اُمِّ سَلَمَةَ۔

حوالہ: ابوداؤد ص ۹۴ ج ۱، باب فی کم تصلی المرأۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۶۴۰۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ عورت اس حال میں نماز پڑھ سکتی ہے کہ اس کے جسم پر صرف ایک قمیص اور ایک اوڑھنی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب کہ قمیص پورا اس طور پر لمبا ہو کہ وہ عورت کے دونوں قدموں کی پشت کو ڈھانپ لے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ اگر عورت کا سر سے لیکر پیر تک سارا بدن ڈھکا ہوا ہے تو اسکی نماز ہو جائیگی، خواہ یہ بدن کا محجوب ہونا ایک ہی کپڑے میں کیوں نہ ہو، روایت باب میں پوچھا گیا ہے کہ عورت بغیر ازار پہنے صرف قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھ سکتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پڑھ سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ قمیص اتنی لمبی ہو کہ اس سے پیروں تک سارا بدن چھپا ہوا ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح اتصلی المرأة فی درع و خمار، جمہور کے نزدیک نماز پڑھنے کیوقت عورت کیلئے دو کپڑوں کا ہونا ضروری ہے (۱) خمار (۲) قمیص، خمار ستر راس کیلئے اور قمیص باقی تمام بدن کے ستر کیلئے، جمہور نے دو کپڑوں کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک بھی تمام بدن کا مستور ہونا ضروری ہے، دو کپڑے ضروری نہیں، چنانچہ اگر سارا بدن صرف ایک کپڑے سے مستور ہو جائے تو بھی نماز ہو جائیگی، بخاری میں روایت ہے "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّی الْفَجْرَ فَتَشْهَدُ نِسَاءٌ مِّنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَرْجِعْنَ اِلٰی بُيُوْتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ" (رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھاتے تھے تو مسلمانوں کی عورتیں آپکے ساتھ نماز میں اسی طرح حاضر ہوتیں کہ وہ سر سے پیر تک چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں، پھر وہ اپنے گھروں کو اس حال میں واپس ہوتی کہ کوئی انکو پہچان نہیں پاتا، روایت سے معلوم ہوا کہ اگر سارا بدن صرف ایک کپڑے میں ڈھکا ہے تو بھی نماز ہو جائیگی اسی وجہ سے آپ ﷺ نے کبھی یہ تحقیق نہیں کہ عورتیں جو چادر پہنے ہیں انکے نیچے لباس ہے یا نہیں) جمہور نے دو کپڑوں، اوڑھنی اور قمیص کو ضروری قرار دیا ہے اسکی وجہ یہ ہیکہ عام طور پر ان دونوں لباسوں سے سارا بدن ڈھک جاتا ہے۔

اذا کان الدرع سابغا یغطی ظهور قدمیها، یعنی ازار کے بغیر صرف کرتے میں نماز پڑھنا اس وقت درست ہے جب کہ کرتا اتنا لمبا ہو کہ وہ قدموں کے پشت کو ڈھانک لے حدیث کے اسی جز سے استدلال کرتے ہوئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عورتوں کا پشت قدم یعنی قدم کا اوپری حصہ بھی ستر میں داخل ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ عورت کے قدم ستر کے حکم میں داخل نہیں ہے، حنفیہ کا یہی مذہب ہے، حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے۔

حدیث باب کا جواب: یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ایک مجہول راوی امام محمد ہیں جن کے بارے میں ذہبی نے لکھا ہے کہ "لانعرف" نیز اس حدیث کی سند میں اضطراب بھی ہے، بعض لوگوں نے اس کو ام سلمہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور بعض لوگوں نے موقوفاً روایت کیا ہے، جیسا کہ "وذکر جماعة وقفوه علی ام سلمة" سے معلوم ہو رہا ہے۔

حدیث نمبر ۷۰۹ ﴿نماز میں منہ ڈھانکنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۶٤

وَعَنْ اَبِی هُرَیرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّیٰ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نَهٰی عَنِ السَّدْلِ فِی الصَّلاةِ وَاَنْ یُّغَطِّی الرَّجُلُ فَاهُ رَوَاهُ اَبُو دَاوُدَ وَالتِّرمِذِیُّ.

حواله: ابوداؤد ص ٩٤ ج١، باب ماجاء فی السدل فی الصلاة، کتاب الصلاة، حدیث ٦٤٣، ترمذی ص ٨٧ ج١، باب کراهیة السدل فی الصلاة، کتاب الصلاة، حدیث ٣٧٨.

ترجمه: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں سدل سے منع فرمایا اور اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنے منہ ڈھانکے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں دو باتیں مذکور ہیں (۱) سدل یعنی کپڑے کو غیر معروف طریقہ پر پہننا یا اس کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا ممنوع ہے، (۲) نماز کی حالت میں منہ کا ڈھانکنا ممنوع ہے کیوں کہ آتش پرست اپنے منہ آتش پرستی کے وقت ڈھانکتے تھے اس وجہ سے ان کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نهی عن السدل، آپ ﷺ نے سدل سے منع فرمایا ہے "سدل" کیا ہے؟ اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں، تین تفسیریں ہیں (۱) چادر یا رومال وغیرہ کو اپنے سر یا مونڈھے پر ڈال لیا جائے اور پھر جانبین کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔

(۲) ایک کپڑے کو اس طرح اوڑھ لیا جائے کہ دونوں ہاتھ بھی اس کے اندر بندھ جائیں، (۳) کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکا لیا جائے جس کو اسبال ازار بھی کہتے ہیں اور جس کی وضاحت حدیث نمبر ۴۰۷ کے تحت گذر چکی ہے پہلی اور دوسری تفسیر کے اعتبار سے کراہت کا تعلق نماز کے ساتھ خاص ہے، غیر نماز میں اس قسم کا سدل مکروہ نہیں ہے، جب کہ تیسری تفسیر کے اعتبار سے سدل نماز و غیر نماز دونوں حالتوں میں ممنوع ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر سدل قمیص کے اوپر ہو رہا ہے تو کوئی کراہت نہیں ہے کیونکہ سدل کی کراہت مصلی کا اپنی شرمگاہ پر نظر پڑنے کا اندیشہ ہے اور جب قمیص اور ازار وغیرہ پہنے ہوئے ہے تو ایسی صورت میں سدل کرنے سے شرمگاہ پر نظر پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے؛ لہٰذا سدل بھی مکروہ نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک سدل کی کراہت بہر صورت ہے کیوں کہ سدل کے مکروہ ہونے کی علت ان حضرات کے نزدیک خلاف معروف طریقہ پر لباس کا استعمال ہے بلکہ اہل کتاب سے مشابہت کراہت کی علت ہے، چنانچہ معارف السنن میں علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے قمیص وازار کے اوپر سدل کو مکروہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے تو اگر سدل بغیر

پائجامہ پہنے ہے تو اس کی کراہت رکوع کے وقت کشف عورت کے احتمال کی وجہ سے ہے اور اگر ازار کے ساتھ سدل ہے تو اس کی کراہت اہل کتاب سے مشابہت کی وجہ سے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سدل مطلقاً مکروہ ہے تکبر کی وجہ سے ہو تو بھی مکروہ ہے اور بغیر تکبر کی وجہ سے ہے تو بھی مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں بغیر کسی تفصیل کے سدل کی مطلقاً ممانعت وارد ہے۔ (معارف السنن ص ۴۶۳ ج ۳)

وان یغطی الرجل فاہ، دوران نماز منہ ڈھانکنا بھی ممنوع ہے عرب کے لوگ عمامہ باندھتے تھے تو اس کا کونہ منہ پر لپیٹ لیتے تھے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا، کیونکہ اس کی وجہ سے قرأت وسجدہ میں دشواری ہوتی ہے نیز یہ آتش پرستوں کا طریقہ ہے، آتش پرستوں کے بارے میں آتا ہے "فَاِنَّهُمْ يَتَلَثَّمُوْنَ فِيْ عِبَادَتِهِمُ النَّارَ" (آتش پرست آتش پرستی کے وقت اپنے چہروں کو ڈھانک لیا کرتے تھے) ان قباحتوں کی وجہ سے آپ ﷺ نے منہ ڈھانکنے سے منع فرمایا ہے لیکن اگر کسی شخص کے منہ سے بو آتی ہو اور وہ اس وجہ سے منہ ڈھانکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۷۱۰ ﴿جوتے پہن کر نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۶۵

وَعَنْ شَدَّادِ بنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم خَالِفُوْا الْيَهُوْدَ فَاِنَّهُم لَايُصَلُّوْنَ فِي نِعَالِهِمْ وَلَاخِفَافِهِم رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۹۵ ج ۱، باب الصلاۃ فی النعل، کتاب الصلاۃ، حدیث ۶۵۲۔

ترجمہ: حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودیوں کی مخالفت کرو، اس لئے کہ وہ نہ جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں اور نہ موزے پہن کر نماز پڑھتے ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ جوتے اگر پاک ہوں تو انکو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اگر یہود کی مخالفت کی نیت سے جوتے پہن کر نماز پڑھی جارہی ہے تو یہ عمل مخالفت یہود کی بناپر فضیلت میں بڑھ جائیگا، بلکہ عزیمت میں سے شمار ہوگا

کلمات حدیث کی تشریح خالفوا الیھود، یہود کی مخالفت کرو، یہود جوتے پہن کر نماز پڑھنا بہت معیوب سمجھتے تھے ایسا وہ موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں کرتے تھے، موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا "اِخْلَعْ نَعْلَيْكَ" (اپنے نعلین اتار دیجئے)

حقیقت یہ ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا مباح ہے آپ ﷺ نے جوتے پہن کر نماز پڑھی بھی ہے چنانچہ ابوداؤد شریف میں روایت ہے ہے "كَانَ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَمُتَنَعِّلًا" اور اس حدیث میں یہودیوں کی مخالفت کی بناپر جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم بھی ہے، اگرچہ وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحت کے لئے ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی یوں وضاحت بھی منقول ہے "مَنْ شَاءَ اَنْ يُصَلِّيْ فِيْ نَعْلَيْهِ فَلْيُصَلِّ فِيْهِمَا وَمَنْ شَاءَ اَنْ يَّخْلَعَ فَلْيَخْلَعْ" (جس کا جی چاہے جوتے پہن کر نماز پڑھے اور جس کا جی چاہے جوتے اتار کر نماز پڑھے) لیکن مخالفت یہود کے ارادہ سے اگر کوئی اس پر عمل کررہا ہے تو بہتر عمل ہے۔

علامہ سہارنپوریؒ نے لکھا ہے کہ جوتا پہن کر نماز پڑھنے کا حکم یہودیوں کی مخالفت کی بناپر ہے، ہندوستان میں نصاریٰ جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں لہٰذا اس دور کے اعتبار سے جوتے اتار کر ہی نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اسی میں نصرانیوں کی مخالفت ہے (واللہ اعلم)۔

حدیث نمبر ۷۱۱ ﴿جوتے میں اگر گندگی لگی ہے تو اتار دیا جائے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۶۶

وَعَنْ اَبِي سَعِيدِ الخُدرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِاَصْحَابِهِ اِذْ خَلَعَ نَعلَيهِ فَوَضَعَهُمَا عَن يَسَارِهِ فَلَمَّا رَاٰى ذَالِكَ القَوْمُ اَلْقَوا نِعَالَهُم فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم صَلَاتَهُ قَالَ مَاحَمَلَكُمْ عَلٰى اِلْقَائِكُم نِعَالَكُم قَالُوا رَاَينَاكَ اَلْقَيتَ نَعْلَيْكَ فَاَلْقَيْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرَئِيلَ اَتَانِي فَاَخْبَرَنِي اَنَّ فِيهِمَا قَذَرًا اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۶۵ باب الصلاۃ فی النعل، کتاب الصلاۃ حدیث ۶۵۰، دارمی ص ۳۷۰ ج ۱، باب الصلاۃ فی النعلین، کتاب الصلاۃ، حدیث ۱۳۷۸۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اس وقت جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے اچانک آپ ﷺ نے اپنی جوتیاں اتاری اور ان کو اپنے بائیں طرف رکھ دیا جب صحابہؓ نے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز پوری کر چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں اپنے جوتے نکالنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے جوتے اتار دیئے تو ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جبرئیل میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ ان دو جوتوں میں گندگی لگی ہوئی ہے تم میں سے جب کوئی شخص مسجد آئے تو چاہئے کہ وہ نظر ڈال لے، پس اگر اپنے جوتوں میں کوئی گندگی دیکھے تو اس کو پوچھ لے اور جوتے پہن کر نماز پڑھے۔ (ابوداؤد، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) اگر جوتے پر کوئی ایسی چیز لگی ہے جس سے طبیعت سلیمہ گھن کرتی ہے تو جوتا اتار کر نماز پڑھنا بہتر ہے لیکن اگر کسی نے ایسی چیز کے لگے رہنے کیساتھ نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائیگی، دیکھئے حدیث مذکور میں جبرئیل نے جب آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ آپ ﷺ کے جوتے میں کچھ گندگی لگی ہے تو آپ ﷺ نے اپنے جوتے اتار دیئے لیکن جس قدر نماز پڑھ چکے تھے اسکا اعادہ نہیں فرمایا (۲) جب تک کسی عمل کے بارے میں صراحت کیساتھ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ عمل حضور ﷺ کیساتھ خاص ہے اسوقت تک کہ ہر عمل میں آپ ﷺ کی اتباع کی جائیگی، دیکھئے حضور ﷺ کے جوتیاں اتارتے ہی صحابہ نے بھی اپنی جوتیاں اتار دیں جوتیاں اتارنے کا سبب جاننے اور بوجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اور آپ ﷺ نے اسپر نکیر بھی نہیں فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح فوضعهما عن يساره، رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو جوتے پہن کر نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے اپنے جوتے اتار کر بائیں جانب رکھ دئے، صحابہ کرامؓ نے بھی آپ ﷺ کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے جوتے اتار کر بائیں جانب رکھ دیئے،، ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس میں امت کو تعلیم دینا ہے کہ ضرورت پڑنے پر جوتے بائیں جانب رکھنا چاہئے نہ کہ دائیں جانب، صاحب مرقات کہتے ہیں کہ اس میں دوران صلاۃ عمل قلیل کے جواز کی بھی دلیل ہے، **القوانعالهم**، صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو بھی جوتے اتارتے دیکھا اسی وجہ سے ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس میں حضور ﷺ کی اتباع کے وجوب پر دلیل ہے، اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے جوتے اتارنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے اس کا سبب آپ ﷺ کی اتباع قرار دیا، اور آپ ﷺ نے اتباع سے روکا نہیں بلکہ ان کو اس پر برقرار رکھا البتہ اپنے اس عمل کے کرنے کی وجہ ذکر کی، اتانی جبرئیل، میں نے جوتے اس وجہ سے اتار دیئے کہ جبرئیل نے مجھے آکر بتایا کہ میرے جوتے میں گندگی لگی ہے "قذر" سے مراد یا تو وہ چیز ہے جس سے طبیعت انسانی گھن کرتی ہے اور حقیقت میں وہ نجس نہیں ہوتی، مثلاً بلغم، رینٹھ وغیرہ، یا پھر قذراً سے مراد نجاست ہے لیکن چوں کہ وہ نجاست بہت قلیل مقدار میں لگی تھی اور قلیل مقدار معاف ہے اس بنا پر آپ ﷺ نے جو نماز ادا کر لی تھی اس کا اعادہ نہیں کیا، حضرت جبرئیلؑ کے اطلاع دینے کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کے کپڑے اس گندگی کے ساتھ سجدہ میں جاتے وقت ملوث نہ ہوں یا پھر حضرت جبرئیل نے آکر اس لئے اطلاع کر دی تا کہ نماز کامل طریقہ پر ادا ہو اور خبر کرنے میں تاخیر کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ امت جان لے کہ آپ ﷺ کو غیب کی اشیاء کا علم بس اسی قدر تھا جتنا اللہ نے آپ ﷺ کو دیا تھا،

آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، اذا جاء احدکم المسجد، جب کوئی شخص مسجد آئے تو اچھی طرح اپنے جوتوں کو دیکھ لے، اگر کسی قسم کی گندگی لگی ہے تو اس کو صاف کرلے تاکہ مسجد اس کی گندگی سے ملوث نہ ہو، ولیصل فیھما، جوتے میں اگر کوئی نجاست نہیں لگی ہے یا اگر کوئی گندگی لگی ہے اور اس کو پوچھ کر صاف کرلیا ہے تو اب جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے قاضی عیاض نے حدیث کے اسی جزء سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر جوتا نجس ہے اور اس کو زمین پر رگڑ لیا گیا ہے تو وہ پاک ہوجاتا ہے، ہمارا مذہب اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر نجاست ذی جرم ہے مثلاً پاخانہ وغیرہ تو اچھی طرح بالو یا مٹی سے رگڑ لیا گیا تو پاک ہوجائے گا لیکن اگر نجاست غیر ذی جرم ہے مثلاً شراب یا پیشاب جوتے پر لگ گیا تو پھر جوتے کا دھلنا ضروری ہے۔ (مرقات ص ۲۳۷ ج ۲)

حدیث نمبر ۷۱۲ ﴿جوتوں کو اپنے پیروں کے درمیان رکھنا چاھئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۶۷

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذَا صَلَّى اَحَدُكُم فَلَايَضَعُ نَعلَيهِ عَنْ يَمِيْنِهِ وَلَاعَن يَسَارِهِ فَتكُونُ عَنْ يَمِينِ غَيرِهِ اِلَّا اَنْ لَا يَكُونَ عَلَى يَسَارِهِ اَحَدٌ وَلْيَضَعْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيهِ وَفِي رِوَايَةٍ اَوْلِيُصَلِّ فِيْهِمَا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ رَوَى ابنُ مَاجَةَ مَعنَاهُ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۹۶ ج ۱، باب المصلی اذا خلع نعلیہ این یضعھما، کتاب الصلاۃ حدیث ۶۵۴۔ ابن ماجۃ ص ۱۰۳، باب ماجاء فی این توضع النعل اذا خلعت فی الصلاۃ، کتاب اقامۃ الصلاۃ حدیث ۱۴۳۲۔

نوٹ: ابن ماجہ میں الفاظ حدیث میں کافی تغیر ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنی جوتیوں کو نہ اپنی دائیں جانب رکھے اور نہ اپنی بائیں جانب رکھے، کیونکہ بائیں جانب رکھنے کی صورت میں دوسرے آدمی کے دائیں جانب رکھنا ہوگا ہاں اگر کوئی اس کے بائیں جانب نہ ہو اور چاہے جوتیوں کو دونوں پاؤں کے درمیان رکھ لے، وہ ایک روایت میں ہے کہ جوتیاں پہنے پہنے نماز پڑھ لے، (ابوداؤد) ابن ماجہ نے بھی اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر جوتیاں پاک ہیں تو ان کو پہن کر نماز پڑھنا چاہئے، اور اگر اتار کر نماز پڑھ رہا ہے اور اپنے قریب ہی جوتیاں رکھنا چاہتا ہے تو اپنے پاؤں کے تھوڑا آگے رکھے اپنے دائیں بائیں نہ رکھے، دائیں طرف رکھنا تو یوں ہی ناپسندیدہ ہے اور بائیں طرف رکھنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ بائیں طرف اگر رکھے گا تو اس نمازی کے جو شخص بائیں جانب کھڑا ہوگا یہ جوتا اسکے داہنی طرف ہوجائے گا اور یہ مناسب نہیں ہے کہ آدمی جو چیز اپنے لئے نہ پسند کرے اس کو دوسرے کے لئے پسند کرے، ہاں اگر سب سے کنارہ کھڑا ہے اور بائیں جانب کوئی مصلی نہیں ہے تو پھر بائیں جانب جوتا رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا صلی احدکم، یعنی جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہو، فلا یضع عن یمینہ و لا عن یسارہ، اگر کوئی ضرورت پڑجائے تو جوتا بائیں جانب رکھا جاسکتا ہے جیسا کہ گذشتہ حدیث میں جبرئیل نے آکر اطلاع دی کہ جوتے میں گندگی لگی ہے تو آپ نے بائیں طرف جوتا رکھ لیا، لیکن اگر ضرورت نہیں ہے تو جوتا پہن کر نماز پڑھے، دائیں بائیں نہ رکھے اگر رکھنا ہی ہے تو سامنے رکھے۔ ایک روایت میں ہیکہ جب تم میں سے کوئی شخص جوتا اتار کر نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اسکو چاہئے کہ اپنے جوتا سے کسی کو تکلیف میں مبتلا نہ کرے، دونوں جوتے اپنے پیروں کے درمیان میں رکھے: آپ نے یہ نہیں کہا کہ اپنے پیچھے رکھ لے، اسلئے کہ پیچھے رکھنے کی صورت میں ہر وقت یہ خدشہ رہیگا کہ اسکو کوئی چرا نہ لے اور اس خدشہ کیساتھ نماز ادا کرنے کی صورت میں خشوع وخضوع جاتا رہیگا، اولیصلی فیھما، اگر جوتے پاک ہیں تو جوتے پہن کر بھی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ (تلخیص مرقات ص ۲۳۸ ص ۲)

الفصل الثالث

حدیث نمبر۷۱۳﴿زمین پر کوئی چیز بچھا کر نماز پڑھنا﴾عالمی حدیث نمبر ۷۶۸

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَاَیْتُہٗ یُصَلِّیْ عَلٰی حَصِیْرٍ یَسْجُدُ عَلَیْہِ قَالَ وَرَاَیْتُہٗ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِہٖ. رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص ۹۸ ج ۱، باب الصلاۃ فی ثوب واحد، کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۱۹.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ ایک چٹائی پر نماز پڑھ رہے ہیں اور اسی پر سجدہ کر رہے ہیں، راوی (ابوسعید خدری) کہتے ہیں میں نے یہ بھی دیکھا کہ نبی پاک ﷺ ایک کپڑے کو اشتمال کے طریقہ پر ڈال کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں دو باتیں مذکور ہیں (۱) زمین پر کوئی کپڑا وغیرہ بچھا کر نماز پڑھنا جائز ہے اور اسمیں کوئی حرج نہیں ہے (۲) ایک کپڑے کو اشتمال کی صورت پر لپیٹ کر بھی نماز پڑھنا جائز ہے، اشتمال وتوشح ایک ہی چیز ہے تفصیل کیلئے حدیث ۶۹۹ دیکھئے

کلمات حدیث کی تشریح فرائیتہ یصلی علی حصیر یسجد علیہ، راوی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چٹائی پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسی ایسی چیز پر نماز پڑھنا جو مصلی اور زمین کے درمیان حائل ہو جائز ہے، قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ زمین پر نماز پڑھنا افضل ہے البتہ اگر کوئی ضرورت ہو مثلاً سخت گرمی یا سخت جاڑا ہے، یا زمین پر نجاست ہے تو کوئی چیز بچھا کر ہی نماز پڑھنا چاہئے، شرح منیہ میں ہے کہ زمین پر اور اس چیز پر جو زمین سے اگنے والی شئی سے بنی ہوئی ہے مثلاً چٹائی پر نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے اس وجہ سے کہ اس میں تواضع وانکساری زیادہ ہے۔ (مرقات ص ۲۳۸ ج ۲)

منقول ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے لئے مٹی لائی جاتی تھی، وہ اس کو بوریے پر رکھتے اور اس پر سجدہ فرماتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایسا غایت خشوع اور تواضع کی وجہ سے کرتے تھے اس کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

حاصل یہ ہے کہ زمین پر سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے، لیکن اگر کپڑا وغیرہ بچھا کر سجدہ کیا تو بھی اس میں کوئی کراہت نہیں ہے یہ حدیث امام مالکؒ کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک زمین کے علاوہ کسی دوسری جنس پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ فی ثوب واحد، راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو توشح کی صورت میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، توشح اور اشتمال ایک ہی چیز ہے توشح یہ ہے کہ کپڑے کے داہنے گوشہ کو بائیں بغل کے نیچے سے نکال کر داہنی طرف اور بائیں گوشہ کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈال لے، اسی کا نام اشتمال بھی ہے اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث ۶۹۹ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۷۱٤﴿ننگے پاؤں نماز پڑھنے کا بیان﴾عالمی حدیث ۷۶۹

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ حَافِیًا وَمُتَنَعِّلًا رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۹۵ ج ۱، باب الصلاۃ فی النعل، کتاب الصلاۃ حدیث ۶۵۳.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ ننگے پاؤں نماز پڑھتے ہیں اور کبھی جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جوتے اگر پاک ہیں تو ان کو پہن کر بھی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے اور اتار کر بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ دونوں طرح نماز پڑھنا خود آپ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح
یصلی حافیاً کبھی دیکھا کہ حضور ﷺ جوتا پہنے بغیر نماز پڑھ رہے ہیں، بہتر یہی ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جائے؛ چنانچہ بعض لوگوں نے جوتے پہن کر نماز پڑھنے کو رخصت قرار دیا ہے۔

وَمُتَنَعِّلاً کبھی کبھی حضور ﷺ کو جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھا، چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ "سَعِيْدِ بْنِ يَزِيْدَ الْاَزْدِيْ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ نَعْلَيْهِ قَالَ نَعَمْ" سعید بن یزید سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نعلین پہن کر نماز پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں!

یوں تو جوتا پہن کر نماز پڑھنا مباح ہے لیکن فقہاء نے "خالفوا الیھود فانھم لایصلون فی نعالھم ولا خفافھم" حدیث کی بنا پر صراحت کی ہیکہ جہاں یہود کی آبادی ہو وہاں جوتے پہن کر نماز پڑھنا مستحب ہے اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کیلئے حدیث ۷۱۰ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۷۱۵ ﴿ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۷۰

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُنْكَدِرٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا جَابِرٌ فِيْ اِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ اِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ اِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ اَحْمَقُ مِثْلُكَ وَاَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ۵۱ ج ۱، باب عقد الازار علی القفا فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۳۵۲.

حل لغات: المشجب، کھونٹی وغیرہ جس پر کپڑے لٹکائے جائیں یا لکڑی کا اسٹینڈ جمع مشاجب۔

ترجمہ: حضرت محمد بن منکدرؒ سے روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے صرف ایک تہبند میں نماز پڑھی جس کی گرہ انہوں نے اپنی گردن پر لگائی تھی جب کہ ان کے کپڑے سہ پایہ لکڑی پر رکھے ہوئے تھے کسی کہنے والے نے ان سے کہا آپ نے ایک ہی تہبند میں نماز پڑھ لی تو حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے ایسا صرف اس لئے کیا تا کہ مجھ کو تم جیسا بے وقوف دیکھ لے، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے؟ (بخاری)

خلاصہ حدیث
اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک تہبند باندھ کر اگر نماز ادا کی گئی تو نماز ادا ہو جائے گی، حضرت جابرؓ نے باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کے پاس کپڑے موجود تھے صرف ایک ازار باندھ کر نماز پڑھی اور کسی کے ٹوکنے پر بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں اکثر صحابہ کپڑے کی قلت کی بنا پر ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح
صلی بنا جابر فی ازار قد عقدہ، حضرت جابرؓ نے صرف ایک تہبند میں نماز ادا کی اور اس تہبند کی گرہ اپنے گردن پر لگا رکھی تھی۔

سوال: حضرت جابرؓ نے تہبند کو اٹھا کر گردن پر گرہ کیوں لگائی تھی؟

جواب: رکوع وسجدہ میں تہبند کے کھسک کر کھل جانے کا اندیشہ تھا اور کشف عورت کا احتمال تھا، لہٰذا آپ نے لنگی کے سرے کو گردن پر باندھ لیا۔

سوال: حضرت کے پاس کپڑے تھے، پھر آپ نے ایک کپڑے میں نماز کیوں ادا کی؟

جواب: حضرت جابرؓ نے ایسا لوگوں کو مسئلہ بتانے کے لئے کیا تا کہ لوگ جان لیں کہ صرف ایک کپڑے میں بھی نماز ہو جاتی ہے۔

وثیابہ موضوعۃ علی المشجب: ان کے کپڑے لکڑی کے اسٹینڈ پر رکھے ہوئے تھے "مشجب" کہتے ہیں سہ پایہ لکڑی کو، جس دور میں مشجب کپڑے کے اسٹینڈ کے طور پر استعمال ہوتا تھا کسی صاحب نے جب دیکھا کہ حضرت جابرؓ کے پاس کپڑے موجود ہیں پھر بھی انھوں نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے تو اشکال کر دیا کہ آپ نے صرف ایک ہی کپڑے میں کیوں نماز پڑھی؟ انما

صنعت لیرانی احمق مثلك، حضرت جابرؓ نے کہا کہ ایسا میں نے تم جیسے ناواقفوں کو بتانے کے لئے کیا ہے حضرت جابرؓ نے یہ سخت لفظ اس وجہ سے استعمال کیا کہ ان صاحب نے جب حضرت جابرؓ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا تو چاہئے تھا کہ وہ اس کو سنت کے مطابق عمل سمجھتے کیوں کہ حضرت جابرؓ رسول کے ﷺ کے بہت قریب رہنے والے کثیر الملازمت صحابہ میں سے ہیں، بجائے اس کے انہوں نے اعتراض کر دیا اس پر حضرت جابرؓ نے سختی سے جواب دینا مناسب سمجھا۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صحابہ کرام کے کسی عمل میں ترک سنت دیکھ کر ان سے بدگمان ہونا یا ان پر لعن طعن کرنا درست نہیں ہے، یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ یہ مقدس جماعت سنتوں کی سب سے زیادہ حریص جماعت ہے اس سے اگر کوئی سنت کے خلاف عمل ہو رہا ہے تو وہ یا تو بیان جواز کے لئے ہوگا یا کسی مجبوری کی بنا پر ہوگا۔ علماء امت کا اجماع ہے کہ نماز دو کپڑوں میں پڑھنا افضل ہے، لیکن دو کپڑوں کا استعمال فرض نہیں ہے ایک کپڑے میں بھی نماز ہو جاتی ہے اللہ کے نبیؐ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنا ثابت ہے، آپ ﷺ نے ایسا بیان جواز کے لئے کیا یا پھر دوسرا کپڑا نہ ہونے کی بنا پر کیا۔

صحابہ کرام کے پاس شروع دور میں کپڑوں کی قلت تھی لہٰذا وہ ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسی حالت میں نماز ادا کی کہ وہ اپنے کاندھوں پر تہبند کی گرہ لگائے ہوئے تھے آپ ﷺ نے دیکھا اور انکار نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ یہ عمل جائز ہے ورنہ حضور ﷺ اس سے منع ضرور فرماتے۔

حدیث نمبر ۷۱۶ ﴿ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر حضورؐ نے منع نہیں فرمایا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۷۱

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ الصَّلَاةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَايُعَابُ عَلَيْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اِنَّمَا كَانَ ذَالِكَ اِذْكَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةٌ فَاَمَّا اِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَالصَّلَاةُ فِي الثَّوْبَيْنِ اَزْكٰى. (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد ص ۱۴۱ ج ۵۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ ایک کپڑے میں نماز حدیث سے ثابت ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے اور آپ ﷺ ہم کو منع نہیں فرماتے تھے، اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ کپڑوں کی قلت تھی جب اللہ تعالیٰ نے وسعت عطا فرمادی تو دو کپڑوں میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ (مسند احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے لہٰذا یہ عمل خلاف سنت نہیں ہے البتہ صحابہ کرام ایک کپڑے میں اسوقت نماز ادا کرتے تھے جبکہ کپڑوں کی قلت تھی جب اللہ تعالیٰ نے وسعت فرمادی تو دو ہی کپڑوں میں نماز ادا کرتے تھے، معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا جائز ہے لیکن افضل کم از کم دو کپڑوں میں نماز ادا کرنا ہی ہے

کلمات حدیث کی تشریح في الثوب الواحد سنة، یعنی ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز حدیث سے ثابت ہے اگرچہ دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے، كنا نفعله، یعنی ہم صحابہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔ و لا یعاب علینا، حضور ﷺ ہم کو ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے سے روکتے نہیں تھے، آپ کا نہ روکنا گویا اس کو ثابت کرنا ہے تو یہ تقریر نبوی ہوا، لہٰذا ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز حدیث سے ثابت ہو گیا وجہ یہ ہے کہ تقریر نبوی بھی حدیث ہوتی ہے لیکن آپ ﷺ کا منع نہ فرمانا جواز کی دلیل ہے استحباب کی دلیل نہیں ہے، في الثياب قلة، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ صحابہ ایک کپڑے میں اس وقت نماز پڑھتے تھے جب لباس کی قلت تھی، فاما اذا وسع الله، جب اللہ تعالیٰ نے لباس میں فراخی عطا فرمادی تو پھر تو دو

کپڑوں میں یعنی تہبند اور چادر میں نماز زیادہ بہتر سمجھا گیا کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری زیادہ مودب ہوا کرتی ہے۔

باب السترۃ

سترہ کا بیان: سترۃ، جمع سُتَر روک یا آڑ کو کہتے ہیں، جسے نمازی اپنے سامنے کی جانب گذرنے والوں سے نماز کی حفاظت کیلئے قائم کرلیتا ہے تاکہ کسی کے سامنے سے گذرنے سے اس کے خشوع وخضوع میں فرق نہ آئے اور اس کی توجہ دوسری طرف مبذول نہ ہو۔

نمازی کے سامنے سے گذرنے کی وجہ ممانعت: سترہ قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور نمازی کے سامنے سے گذرنے سے منع کیا گیا ہے اسکی تین وجہیں ہیں (۱) حق شعائر، نماز شعائر اللہ میں سے ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم واجب ہے لہٰذا جو شخص نمازی کے سامنے سے گذرتا ہے وہ شعائر اللہ کی توہین کرتا ہے (۲) حق نماز جس طرح آقا کے سامنے اس کے غلام باادب کھڑے ہوتے ہیں اور دست بستہ حاضری دیتے ہیں اسی طرح نماز میں بھی ان کی مشابہت اختیار کرنا پیش نظر ہے، نماز کی تعظیم میں سے یہ بات ہے کہ کوئی نمازی کے سامنے سے نہ گذرے کیونکہ آقا اور اس کے سامنے کھڑے ہوئے غلاموں کے بیچ سے گذرنا بڑی بے ادبی کی بات ہے (۳) حق نمازی، نمازی کے سامنے سے گذرنے کی وجہ سے کبھی نمازی کا دل پراگندہ ہوجاتا ہے اور اسکی نماز کا سارا لطف ختم ہوجاتا ہے۔

سترہ نہ قائم کرنے کی وجہ سے یہ تین بڑی خرابیاں لازم آتی ہیں اس لئے ایک طرف نمازی کے سامنے سے گذرنے سے منع کیا گیا دوسری طرف نمازی کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ سترہ قائم کرلے۔

سترہ سے متعلق چند احکام ومسائل: (۱) سترہ قائم کرنا ائمہ اربع کے نزدیک سنت ہے بعض لوگوں نے امام احمدؒ کی طرف وجوب کی نسبت کی ہے۔ (۲) سترہ کی مقدار طول میں کم از کم ایک ذراع اور عرض میں کم از کم ایک ایک انگلی ہونا چاہئے، حدیث میں آتا ہے "مِثْلَ مُؤَخَّرَةِ الرَّحْلِ وَاَمَّا عَرْضًا فَقِيْلَ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ غِلْظِيْ اِصْبَعِ" (۳) سترہ نہ ہونے کی صورت میں مصلی کے سامنے سے نہ گذرنے کا حکم ہے کتنی دور سے گذرا جائے، جمہور علماء اس کی مقدار تین ذراع کے بقدر بتلاتے ہیں جو کہ تقریباً نماز پڑھنے والے کے محل قیام سے موضع سجود تک ہے اگر کوئی کھلے میدان یا صحرا میں گذر رہا ہے تو موضع سجود کے سامنے سے گذرنا درست ہے، مسجد کے اندر مصلی کے سامنے سے مطلقاً گذرنا ممنوع ہے، بعض لوگوں نے مسجد صغیر اور کبیر میں فرق کیا ہے، مسجد صغیر میں تو مطلقاً گذرنا ممنوع قرار دیا ہے اور مسجد کبیر کو صحرا کے حکم میں رکھا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں بغیر ارادہ کے زمین کے جس حصہ تک نظر پڑتی ہے وہ حصہ حریم مصلی ہے اتنی دور سے گذرنا درست نہیں، اسکے آگے سے گذرا جاسکتا ہے (۴) نمازی اور سترہ کے درمیان کم سے کم فاصلہ ہونا بہتر ہے تاکہ گذرنے والوں کے لئے راستہ تنگ نہ ہو اور ان کو دقت نہ ہو، (۵) سترہ قائم کرنے میں حکمت اور فائدہ یہ ہے کہ کھلی جگہ میں بغیر سترہ کے نگاہ ایک جگہ ٹھہرتی نہیں، سترہ قائم کیا جائے گا تو نگاہ اور خیال مجتمع رہیں گے، نیز سترہ قائم رہے گا تو کوئی اس کے سامنے سے گذرے گا نہیں، (۶) اگر سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو نمازی اپنے سامنے ایک لکیر کھینچ لے، (۷) نمازی کے سامنے سے اگر کوئی شخص گذرے تو ہاتھ کے اشارے یا تسبیح کے ذریعہ روکنا مستحب ہے (۸) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہوگا، مقتدیوں کے لئے الگ سے سترہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

نوٹ: مسجد صغیر وہ ہے جو چالیس ذراع سے کم ہو اس میں مصلی کے سامنے سے مطلقاً گذرنا ممنوع ہے کمامر۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۷۱۷ ﴿سترہ کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۷۲

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَغدُو اِلَى المُصَلّٰى وَالعَنَزَةُ بَينَ يَدَيهِ تُحمَلُ وَتُنصَبُ بِالْمُصَلّٰى بَينَ يَدَيهِ فَيُصَلِّى اِلَيهَا رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ۱۳۳، ج ۱، باب حمل العنزۃ، کتاب العیدین، حدیث ۹۷۳.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ صبح عیدگاہ تشریف لے جاتے آپ ﷺ کے ساتھ برچھی لے جائی جاتی جو عیدگاہ میں آپ ﷺ کے آگے گاڑ دی جاتی تھی آپ ﷺ اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ ﷺ عیدگاہ نماز پڑھنے کی غرض سے جاتے تو ایک خادم نیزہ لے کر جاتا تھا اس نیزہ کو آپ ﷺ کے آگے گاڑ دیا جاتا تھا یہی نیزہ سترہ ہوتا تھا اس کے گاڑنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کا خیال ادھر ادھر نہ بھٹکے اور لوگ نمازی کے سامنے سے گذرنے کے نتیجے میں جو گناہ لادتے ہیں اس گناہ سے بچ جائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح یغدو الی المصلی، حضور عید کی نماز پڑھنے کے لئے صبح عیدگاہ نکلتے تھے، والعنزۃ، نون وعین کے فتح کے ساتھ یہ عصیٰ سے لمبا اور نیزہ سے چھوٹا ہوتا ہے اور نیزہ کے دھار کی طرح اس میں دھار ہوتی ہے۔ بعض لوگ تو اس کو چھوٹا نیزہ قرار دیتے ہیں۔ (مرقات ص ۲٤۰ ج ۲)

جیسا کہ ماقبل میں گذرا کہ سترہ کم از کم ایک ذراع لمبا اور کم از کم ایک انگلی کے بقدر موٹا ہونا چاہئے، اگر سترہ کا انتظام نہ ہو سکے تو نمازی کے سامنے لکیر کھینچ دینا چاہئے، آگے حدیث ۷۲٦ کے تحت اس کی وضاحت آرہی ہے۔

حدیث نمبر ۷۱۸ ﴿سترہ ہے تو نمازی کے سامنے سے گذرا جاسکتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۷۳

وَعَنْ اَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْاَبْطَحِ فِيْ قُبَّةٍ حَمْرَا ءَ مِن اَدَمٍ وَرَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَالِكَ الْوَضُوءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ اَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ ثُمَّ رَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلَّى اِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ وَرَاَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ٥٤ ج ۱، باب الصلاۃ فی الثوب الاحمر، کتاب الصلاۃ حدیث ۳۷٦، مسلم ص ۱۹۵ ۱۹٦، باب سترۃ المصلی، کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۰۳.

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیکھا جب آپ ﷺ ''ابطح'' میں چمڑے کے سرخ خیمے میں تھے اور حضرت بلال کو دیکھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے وضو کا پانی لئے ہوئے تھے اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس وضو کے پانی کیلئے ایک دوسرے پر سبقت کر رہے ہیں اور جس شخص کو اس پانی کا کچھ حصہ مل جاتا ہے وہ اس کو اپنے چہرہ پر مل لیتا ہے اور جس کو اس پانی میں سے کچھ نہیں ملتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کے تری میں سے کچھ حاصل کرتا ہے، پھر میں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ حضرت بلالؓ ایک نیزہ لئے ہوئے ہیں اور انہوں نے اس نیزہ کو گاڑ دیا، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سرخ جوڑے میں دامن اٹھائے ہوئے باہر تشریف لائے اور نیزہ کو سترہ بنا کر آپ ﷺ نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور میں نے دیکھا کہ لوگ اور چوپائے اس نیزہ کے سامنے سے گذر رہے تھے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے تین باتیں خاص طور سے معلوم ہوتی ہیں (۱) صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ سے بہت زیادہ محبت وتعلق رکھتے تھے اور اسی محبت وتعلق کا نتیجہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو بھی باعث برکت سمجھتے تھے اور اس کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے (۲) سرخ دھاری دار کپڑا پہننا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے (۳) اگر سترہ نصب کیا گیا ہے تو سترہ کے آگے سے گذرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ورایت الناس یبتدرون ذالک الوضوء، حضور ﷺ کے وضو سے بچا ہوا پانی مراد ہے لوگ اس پانی کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

ثم رایت بلالا اخذ عنزۃ: حضرت بلالؓ نے برچھی گاڑی اور یہی برچھی سترہ تھی، آپ ﷺ نے اسی برچھی کے سامنے کھڑے ہوکر نماز پڑھائی، فی حلۃ حمراء، آپ ﷺ سرخ جوڑے زیب تن کئے ہوئے تھے، حافظ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے اس وجہ سے کہ حنفیہ سرخ جوڑا مردوں کے لئے استعمال کرنا مکروہ قرار دیتے ہیں، سچائی یہ ہے کہ حافظ کا یہ فرمانا درست نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ عینیؒ نے حافظ کی اس بات کا بھرپور تعاقب کیا ہے، تحقیقی بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خالص سرخ رنگ کا کپڑا زیب تن نہیں کیا تھا بلکہ ایسا کپڑا پہنا تھا جس پر سرخ دھاریاں تھیں، ان ہی دھاریوں کی وجہ سے اس کو سرخ کپڑا کہا گیا اور سرخ دھاریوں دار کپڑا حنفیہ کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۷۱۹ ﴿جانور کو سترہ بنانے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۷۴

وَعَنْ نَافِعِ ابنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَعرِضُ رَاحِلَتَهٗ فَیُصَلِّی اِلَیهَا مُتَّفَقٌ عَلَیهِ وَزَادَ البُخَارِیُّ قُلتُ اَفَرَأَیتَ اِذَا هَبَّتِ الرِّکَابُ قَالَ کَانَ یَاخُذُ الرَّحْلَ فَیَعدِّلُهٗ فَیُصَلِّی اِلیٰ آخِرَتِهٖ.

حوالہ: بخاری ص ۷۲ ج ۱، باب الصلاۃ الی الراحلۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۰۷، مسلم ص ۱۹۵ ج ۱، باب سترۃ المصلی کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۰۲.

ترجمہ: حضرت نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی سواری کو عرض یعنی چوڑائی میں بٹھاتے تھے پھر اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم) بخاری کی روایت میں مزید یہ الفاظ ہیں نافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے عرض کیا جب سواری حرکت کرنے لگتی تھی تو آپ ﷺ کیا کرتے تھے؟ حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا اس وقت آپ ﷺ کجاوا لیتے اس کو اپنے سامنے سیدھا رکھتے پھر اس کی پچھلی لکڑی کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نمازی کو اختیار ہے وہ جس چیز کو چاہے سترہ کے طور پر استعمال کرلے، حیوان ہو یا غیر حیوان درخت ہو یا لکڑی، ہر چیز سترہ کے طور پر استعمال ہوسکتی ہے، اس حدیث میں دو چیزوں کے سترہ بنانے کا صراحتاً تذکرہ ہے (۱) حضور ﷺ اونٹنی کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے (۲) سواری کے قابو میں نہ ہونے کے وقت کجاوہ کو سترہ بنا کر نماز پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان یعرض راحلتہ فیصلی الیھا، آپ ﷺ اپنی سواری کو چوڑائی میں بٹھاتے اور اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے، یہیں سے معلوم ہوا کہ حیوان کو سترہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی ہے، ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں زیادہ وضاحت کے ساتھ ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الی بعیرہ'' رسول اللہ ﷺ اپنے اونٹ کی طرف رخ کرکے نماز ادا فرماتے تھے۔ حیوان کو سترہ بنانے کے سلسلہ میں امام مالکؒ وامام شافعیؒ سے کراہت کا قول منقول ہے اور امام احمدؒ کا مذہب حنفیہ کے مطابق ہے، امام بخاریؒ کا رجحان بھی جواز بلا کراہت محسوس ہوتا ہے؛ کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو جس باب کے تحت ذکر کیا ہے اسکا عنوان یوں قائم کیا ہے، ''باب الصلاۃ إلی الراحلۃ والبعیر والشجر والرحل'' باب میں اونٹنی، اونٹ، درخت اور کجاوہ کو سترہ کے طور پر ذکر کرکے انہوں نے توسع کی طرف اشارہ کیا ہے حدیث باب میں اونٹنی کو سترہ بنانے کا تذکرہ صراحتاً ہے۔ جس سے اونٹ کا حکم بھی معلوم ہوگیا، اسی طرح لکڑی کے کجاوہ کا صراحتاً ذکر ہے، اس سے درخت کا حکم معلوم ہوگیا، ویسے میں نے ابوداؤد کے حوالہ سے گذشتہ سطور میں وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں

اونٹ کوسترہ بنانے کا صراحتاً تذکرہ موجود ہے اور درخت کوسترہ بنا کر نماز پڑھنے کا تذکرہ نسائی میں صراحتاً یوں ہے، حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں " لَقَدْرَاَیْنَا یَوْمَ بَدْرٍ وَمَافِیْنَا اِنْسَانٌ اِلَّانَامَ اِلَّارَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّہٗ کَانَ یُصَلِّیْ اِلٰی شَجَرَۃٍ یَدْعُوْ حَتّٰی اَصْبَحَ "میں نے غزوہ بدروالی رات میں دیکھا کہ اللہ کے نبی کے علاوہ ہم میں سے ہر کوئی سو گیا تھا آپ ﷺ درخت کوسترہ بنا کر نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ صبح تک دعا میں مشغول رہے۔

پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ نماز کے لئے سترہ بنانے میں توسع ہے جو چیز چاہے نمازی سترہ کے طور پر استعمال کرے۔

افرایت اذاھبت الرکاب. حضرت نافعؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ اگر سواری کا جانور اٹھ کر چلا جاتا یا بے قابو ہونے کی وجہ سے بیٹھتا ہی نہیں یا پانی وغیرہ پینے چلا جاتا، تو آپ ﷺ کیا کرتے تھے؟ کان یاخذ الرحل، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ایسی صورت میں کجاوہ کو سامنے رکھ کر اس کی پچھلی لکڑی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

الی آخرتہ، کجاوہ میں دو لکڑیاں ہوتی ہیں، (۱) آگے کی لکڑی جسے پکڑ کر سوار بیٹھتا ہے (۲) پیچھے کی لکڑی جس پر سوار ٹیک لگاتا ہے آپ ﷺ اسی پیچھے والے حصہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۷۲۰ ﴿سترہ کے آگے سے گذرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۷۵

وَعَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَضَعَ اَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَیْہِ مِثْلَ مُؤْخِرَۃِ الرَّحْلِ فَلْیُصَلِّ وَلَایُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذَالِکَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ .

حوالہ: مسلم ص ۱۹۵ ج ۱، باب سترۃ المصلی کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۹۹ .

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے سامنے کوئی چیز سترہ کے طور پر رکھ لے، مثال کے طور پر کجاوہ کی پچھلی لکڑی رکھ لے تو اب وہ نماز پڑھے اور اس سترہ کے سامنے سے گذرنے والے کی پرواہ نہ کرے (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں (۱) سترہ قائم ہونے کے بعد اگر سترہ کے آگے سے کوئی گذر رہا ہے تو اس صورت میں نمازی کے خشوع وخضوع میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، لہٰذا نمازی کو گذرنے والے کی کوئی پرواہ نہ کرنا چاہئے (۲) سترہ کے آگے سے گذرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے اس سے تعرض کرنے سے منع کیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ولایبال من مروراء ذلک، اگر کوئی نمازی کیسامنے سے گذرے تو گذرنے والے کو اشارہ یا تسبیح سے روکنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے لیکن اگر نمازی نے سترہ قائم کر رکھا ہے تو سترہ کیسامنے سے گذرنیوالے کو گذرنے سے نہ روکے، کیوں کہ اسمیں کوئی حرج نہیں ہے، یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ کوئی سترہ کے آگے سے گذرے اور اگر کوئی نمازی اور سترہ کے درمیان سے گذر رہا ہے تو اسکا حکم آگے روایت میں یوں آرہا ہے۔ "اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی شَیْئٍ یَسْتُرُہٗ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّجْتَازَ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلْیَدْفَعْ فِیْ نَحْرِہٖ فَاِنْ اَبٰی فَلْیُقَاتِلْہُ فَاِنَّہٗ شَیْطَانٌ" جب تم میں سے کوئی شخص سترہ قائم کر کے اسکی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہا ہو اور پھر کوئی شخص نمازی اور سترہ کے درمیان سے گذرنا چاہے تو اسکے سینہ پر مکہ لگاؤ اور اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو اس سے اچھی طرح مقابلہ کرو کیونکہ وہ شیطان ہے، اس حدیث کی وضاحت کیلئے حدیث ۷۲۲ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۷۲۱ ﴿نمازی کے آگے سے گذرنے کا گناہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۷۶

وَعَنْ اَبِیْ جُھَیْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَوْ یَعْلَمُ الْمَارُّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ مَاذَا عَلَیْہِ لَکَانَ اَنْ یَّقِفَ اَرْبَعِیْنَ خَیْرًا لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ یَدَیْہِ قَالَ اَبُو النَّضْرِ لَا اَدْرِیْ قَالَ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا اَوْ شَھْرًا اَوْسَنَۃً مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

حوالہ: بخاری ص ۷۳ ج ۱، باب اثم المار بین یدی المصلی، کتاب الصلاۃ حدیث ۵۱۰ ،مسلم ص ۱۹۷ باب منع المار بین یدی المصلی، کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۰۷ ۔

ترجمہ: ابوجہیمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا جان لے کہ اس کا گناہ کتنا ہے تو وہ نمازی کے سامنے سے گذرنے سے چالیس سال تک کھڑا رہنا بہتر سمجھے، ابونضر کہتے ہیں کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ چالیس دن فرمایا تھا یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں مصلی کے سامنے سے گذرنے کی قباحت کا بیان ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اپنے اس عمل کی بنا پر ہونے والے نقصان کا علم ہو جائے تو چالیس برس تک ٹھہرے رہنے کو گذرنے پر ترجیح دے گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے علامہ نوویؒ نے نمازی کے سامنے سے گذرنے کو حرام قرار دیا ہے اس حدیث میں ایک لطیف پیغام یہ بھی ہے کہ اگر کوئی غلطی سے نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہے اور نمازی نے اس کو روک دیا تو گذرنے والے کو برا ماننے کے بجائے شکر گذار ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس نے بہت بڑے خسارہ سے بچالیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لو یعلم المار، اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اپنے اس عمل پر ملنے والے گناہ اور عذاب کا علم ہو جائے، علم سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں دو قول ہیں (۱) علم سے تفصیلی علم مراد ہے یعنی نمازی کے سامنے سے گذرنے کی بنا پر جو عذاب اور گناہ ملتا ہے اس کی مکمل تفصیلات کا علم ہو جائے (۲) علم مشاہدہ مراد ہے یعنی اس عمل کی بنا پر جو عذاب ملتا ہے اس کو دکھا دیا جائے۔

حاصل یہ نکلا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا یا تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ عذاب کی تفصیلات نہیں معلوم یا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ عذاب کا مشاہدہ نہیں ہوا اگر عذاب کا تفصیلی علم ہو جائے یا عذاب کا مشاہدہ ہو جائے تو آدمی کو چالیس سال تک کھڑا رہنا پڑے تو کھڑا رہے لیکن نمازی کے سامنے سے نہ گذرے، حدیث کے اس جز کا مقصد نمازی کے سامنے سے گذرنے کو روکنا اور اسکی قباحت وشناعت کو بیان کرنا ہے، لکان ان یقف اربعین خیراً لہ، یہاں مطلق ''اربعین'' کا ذکر ہے یعنی نمازی کے سامنے سے گذرے گا نہیں خواہ اس کو چالیس تک کھڑا رہنا پڑے، چالیس سے کیا مراد ہے؟ راجح قول یہی ہے کہ چالیس سے مراد چالیس سال ہے ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں مائۃ عام سو سال کی صراحت ہے؛ لہٰذا یہاں بھی چالیس سے چالیس سال مراد ہے چالیس اور سو دونوں طرح کی روایات میں تعارض نہ سمجھا جائے کیونکہ یہ بات مشہور ہے، مفہوم عدد معتبر نہیں۔

ابوہریرہؓ کی جس روایت کا ذکر ہوا اس کے الفاظ یہ ہیں" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُكُمْ مَالَهُ فِيْ اَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْ اَخِيْهِ مُعْتَرِضًا فِي الصَّلَاةِ كَانَ لِأَنْ يُقِيْمَ مِائَةَ عَامٍ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الْخُطْوَةِ الَّتِيْ خَطَاهَا "۔ ابن ماجہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی یہ جان لے کہ اس کو اپنے بھائی کے سامنے سے گذرنے پر کیا گناہ ہوتا ہے تو اس کے لئے ایک قدم چلنے کے مقابلہ میں سو سال تک کھڑا رہنا بہتر ہوگا۔

حدیث نمبر ۷۲۲ ﴿نماز میں سامنے سے گذرنے والے کو روکنا﴾ عالمی حدیث ۷۷۷

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ.

حوالہ: بخاری ص ۷۳ باب یرد المصلی من مربین یدیه، کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۰۹ ،مسلم ص ۱۹۷ ج ۱

باب منع المار بین یدی المصلی، کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۰۵۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی چیز کی طرف نماز پڑھ رہا ہو جس کو اس نے لوگوں سے آڑ بنا رکھا ہو تو اگر کوئی شخص اس کے سامنے سے گذرنا چاہے تو اس کو باز رکھنا چاہئے، تو اگر وہ نہ مانے تو اس کو قتل کرنا چاہئے، کیونکہ یہ شیطان ہے۔ روایت کے یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے سترہ قائم کر کے نماز شروع کی ہے اب اگر کوئی شخص سترہ اور نمازی کے درمیان سے گذر رہا ہے تو نمازی کو ہاتھ کے اشارہ سے منع کرنا چاہئے، اگر نہ رکے تو ہاتھ سے دھکہ دے کر روکے، دھکہ دینے پر بھی نہ رکے تو اور سختی سے پیش آئے، لیکن روکنے میں اس بات کا دھیان رہے کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کرے کہ جس سے عمل کثیر ہو جائے، کیونکہ عمل کثیر ہونے کی صورت میں نماز باطل ہو جائے گی اور روکنے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

اصل میں مصلی اپنے سامنے سے گذرنے والے کو اس لئے روکتا ہے کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو تعلق قائم ہوا ہے اس میں خلل واقع نہ ہو اور جب عمل کثیر کے ذریعہ روکا تو نماز فاسد ہونے کی وجہ سے تعلق مع اللہ بھی منقطع ہو گیا، اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر روکنے سے نماز کے فساد کا خطرہ ہو تو نہ روکے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا صلی احدکم الی شئی یسترہ من الناس، ایک شخص سترہ قائم کر کے نماز پڑھ رہا ہے دوسرا شخص سترہ اور نمازی کے درمیان سے گذر رہا ہے پہلے شخص کو گذرنے والے کو روکنا چاہئے، اور دوسرے شخص کو رک جانا چاہئے، اگر نہیں رکے گا تو گنہگار ہوگا اس مسئلہ کی لوگوں نے چار صورتیں ذکر کی ہیں (۱) گذرنے والے کی طرف سے تعدی ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ نمازی راستہ سے الگ ہو کر سترہ قائم کر کے نماز پڑھ رہا ہے اب اگر کوئی سترہ کے درمیان سے جان بوجھ کر گذر رہا ہے تو یہی گذرنے والا شخص صرف گنہگار ہوگا (۲) نمازی کی طرف سے تعدی ہو اس کی صورت یہ ہے کہ نمازی بغیر سترہ قائم کئے راستہ پر نماز پڑھ رہا ہو گذرنے والے کے لئے اس راستہ سے گذرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو ایسی صورت میں اگر وہ گذرتا ہے تو گناہ کی ذمہ داری صرف نمازی پر ہوگی۔ (۳) جانبین سے تعدی ہو اس کی صورت یہ ہے کہ نمازی بغیر سترہ قائم کئے راستہ پر نماز شروع کر دے لیکن جس راستہ پر نماز پڑھ رہا ہے اس کے علاوہ بھی راستہ ہے اب گذرنے والا جان بوجھ کر دوسرا راستہ ترک کر کے اسی طرف سے گذر رہا ہے اس صورت میں دونوں کی جانب سے تعدی ہے لہٰذا دونوں گنہگار ہوں گے (۴) کسی کی طرف سے بھی تعدی نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ نمازی نے راستہ سے ہٹ کر اور سترہ قائم کر کے نماز شروع کی لیکن گذرنے والے کے لئے راستہ سے گذرے بغیر کوئی چارہ نہ ہو ایسی صورت میں نہ نمازی گنہگار ہوگا اور نہ گذرنے والا۔ (فافهم)

اس حدیث میں "یسترہ" کی قید ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر نمازی کے سامنے سترہ ہے تب تو نمازی کو روکنے کا حق ہے اور اگر سترہ نہیں ہے تو نمازی کو گذرنے والے کو روکنے کا حق بھی نہیں ہے، جن احادیث میں "الی شئی یسترہ" کی قید نہیں ہے وہ اسی حدیث سے مقید ہیں، فلیدفعہ، یہ امر ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہے تو اس کو روکنا ضروری ہے۔

سامنے سے گذرنے والے کو روکنا واجب ہے یا نہیں؟ اختلاف مذاہب

جمہور کا مذہب: علامہ نوویؒ نے صراحت کی ہے کہ کسی بھی فقیہ کے نزدیک نمازی کے لئے سامنے سے گذرنے والے کو روکنا واجب نہیں ہے کچھ لوگ تو فرماتے ہیں کہ "دفع" ایک حکم رخصت ہے، افضل یہ ہے کہ دفع نہ کرے کیونکہ یہ عمل صلاۃ میں سے نہیں ہے۔

دلیل: جمہور کی دلیل آگے فصل ثانی میں آرہی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں" اتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فی

بادیة لنا ومعه عباس فصلی فی صحراء لیس بین یدیه سترة وحمارة لنا وکلبة تعبثان بین یدیه فما بالیٰ بذالك "
اس حدیث کا ترجمہ وتشریح ۲۹ے کے تحت دیکھئے۔

اصحاب ظواھر کا مذھب: ان کے نزدیک نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سامنے سے گذرنے والے کو ہٹائے یعنی ہٹانا واجب ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے اس میں آپ ﷺ نے فرمایا "فلیدفعه" یہ امر ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ ابتداء اسلام میں نماز کے اندر کلام کرنے کی اجازت تھی تو یہ اسی زمانہ کا حکم ہے یا پھر یہ امر رخصت کے لئے ہے یعنی ہٹانے کی گنجائش ہے، فان ابی فلیقاتله، اگر کوئی شخص نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہے اور نمازی اس کو روک رہا ہے لیکن گذرنے والا رک نہیں رہا ہے تو گذرنے والے کو قتل کردینا چاہئے، قتل سے کیا مراد ہے؟ قتل سے مراد سختی سے روکنا ہے جان سے مارنا نہیں ہے اور سختی سے روکنے میں نفع کے بجائے نقصان ہے، البتہ اگر عمل کثیر کے بغیر سختی سے نمازی گذرنے والے کو روک رہا ہے اور ایسے میں قتل واقع ہوگیا تو بالاتفاق قصاص واجب نہ ہوگا، حاصل یہ ہے کہ یہاں قتال سے مراد قتل کرنا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ موطا میں فرماتے ہیں "فَاِنْ يُّقَاتِلْهُ كَانَ مَايَدْخُلُ عَلَيْهِ فِيْ صَلَاتِهٖ مِنْ قِتَالِهٖ اِيَّاهُ اَشَدَّ عَلَيْهِ مِنْ مَمَرٍّ هٰذَا بَيْنَ يَدَيْهِ" اگر نمازی قتال کرتا ہے تو نماز میں قتال سے جو نقصان پیدا ہوگا وہ نمازی کے سامنے سے گذرنے سے پیدا ہونے والے نقصان سے زیادہ ہوگا۔

فانه شیطان، اس کے معنی یا تو یہ ہے کہ شیطان نے اس کو اس گناہ پر ابھارا ہے اور پھر وہ منع کرنے سے مان بھی نہیں رہا ہے لہٰذا اس شیطانی حرکت کی وجہ سے گویا وہ شیطان کے منزلہ میں ہے یا یہ مطلب ہے کہ شیطان انس ہے۔ (شرح طیبی ص ۲۷٦ ج ۲)

حدیث باب کو راوی حدیث ابو سعید خدریؓ نے اپنے ایک عمل کی دلیل میں پیش کیا ہے بخاری میں حدیث کے اس جزء سے پہلے اس حدیث میں تفصیل کیساتھ پورا واقعہ مذکور ہے الفاظ حدیث بخاری شریف ص ۷۲ پر دیکھ لئے جائیں استفادہ کیلئے ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

ابو صالح بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن سترہ قائم کرکے نماز پڑھ رہے ہیں ابو معیط کی اولاد میں سے ایک جوان نے ان کے سامنے سے گذرنا چاہا، تو حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر ہٹادیا اس پر جوان نے ادھر ادھر دیکھا تو سامنے کے علاوہ گذرنے کا کوئی راستہ نہیں پایا، چنانچہ اس نے دوبارہ گذرنا چاہا تو حضرت ابو سعید خدریؓ نے پہلے سے زیادہ سختی سے دھکا دیا اس پر وہ جوان حضرت ابو سعید خدریؓ کو گالی دیتے ہوئے مروان کے پاس پہنچا اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے جو تکلیف پہنچی تھی اس کی شکایت کی، حضرت ابو سعید خدریؓ بھی اس کے پیچھے ہی مروان کے پاس پہنچے، مراون نے کہا اے ابو سعید خدریؓ آپ کے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان کیا معاملہ ہے؟ حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ (آگے وہی حدیث ہے جو متن میں موجود ہے)۔

حدیث نمبر ۷۲۳ ﴿سترہ نماز کو ٹوٹنے سے بچاتا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۷۸

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْمَرْاَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ وَيَقِي ذَالِكَ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حواله: مسلم ص ۱۹۷ ج ۱، باب قدر ما یستر المصلی، کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۱۱.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت، گدھا اور کتا نماز کو توڑتا ہے اور نماز کو توڑنے سے جو چیز بچاتی ہے وہ کجاوہ کی پچھلی جیسی چیز کا سترہ ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تین چیزیں عورت گدھا اور کتا نمازی کے ذہن کو بہت زیادہ بٹا دیتی ہیں اگر کوئی شخص سترہ کے بغیر نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے سامنے سے کسی چیز کا بھی گذرنا اسکے خشوع وخضوع میں اثر انداز ہوگا لیکن مذکورہ بالا تین چیزیں خصوصیت سے نماز کے خشوع وخضوع پر اثر انداز ہوتی ہیں لہٰذا آدمی کو سترہ قائم کر کے نماز پڑھنا چاہئے، بغیر سترہ قائم کئے نماز پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح تقطع الصلاۃ، اس میں سترہ قائم کرنے پر ابھارنا مقصود ہے کیوں کہ آگے آنے والی تین چیزوں کا نمازی کے آگے سے گذرنا اسکے حضور قلب اور نماز کو ختم کر دیتا ہے، المرأة والحمار والكلب، عورت گدھا اور کتا یہ تین چیزیں نمازی کے دل کو خشوع وخضوع سے اس کی زبان کو ذکر وتلاوت سے اور اس کے بدن کو ان چیزوں کی رعایت کرنے سے جن کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے غافل کر دیتی ہیں۔ (مرقات ص ۲۴۴، ۲۴۵ ج ۲)

کیا مذکورہ اشیا کے گذرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے؟

جمہور کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ان اشیاء ثلاثہ کے مصلی کے سامنے سے گذرنے کی وجہ سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے۔

دلیل: (۱) ابو سعید خدریؓ کی فصل ثانی میں حدیث ہے "لا يقطع الصلاة شئ " نمازی کے سامنے سے گذرنے والی کوئی چیز نماز کو توڑتی نہیں ہے (۲) فضل بن عباس کی روایت ہے "اتانا رسول ا للّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ونحن فی بادية لنا ومعه عباس فصلی فی صحراء لیس بین یدیه سترة وحمارة لنا وکلبة تعبثان بین یدیه فما بالیٰ بذالك" (آپ نماز پڑھ رہے تھے گدھی اور کتیا آپ ﷺ کے سامنے کھیل رہی تھیں مگر آپ ﷺ نے اس کی پرواہ نہیں کی یعنی ان کو نماز توڑنے والی اشیاء نہیں سمجھا) (۳) حدیث عائشہؓ " قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى ا للّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ " آپ رات کو نماز پڑھتے تھے آپ کے اور قبلہ کے درمیان میں اس طرح لیٹی رہتی تھی جیسے جنازہ پڑا رہتا ہے۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ نمازی کے سامنے سے کسی بھی چیز کا گذرنا خواہ وہ عورت ہو یا گدھا یا کتا نماز کو توڑنے والا نہیں ہے۔

اہل ظواہر کا مذہب: اہل ظواہر کے نزدیک اشیاء مذکورہ یعنی عورت کتے اور گدھے کا گذرنا مفسد صلاۃ ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں صراحت ہے کہ اشیاء مذکورہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

امام احمد و اسحاق کا مذہب: ان حضرات کے نزدیک صرف کتا مفسد صلاۃ ہے (کتے سے مراد کالا کتا) باقی دونوں چیزوں میں امام احمد واسحاق توقف کرتے ہیں۔

دلیل: یہ حضرات بھی حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں لیکن چوں کہ عورت کے سلسلہ میں اس کے معارض حدیث حدیث عائشہؓ موجود ہے جس کا ذکر میں نے گذشتہ سطور میں جمہور کی دلیل نمبر ۳ کے تحت کیا ہے اور گدھے کے سلسلہ میں اس کے معارض فضل بن عباسؓ کی روایت ہے جس کو میں نے جمہور کی دلیل کے تحت ذکر کیا ہے۔ ان معارض دلائل کی وجہ سے یہ حضرات عورت اور گدھے کے سلسلہ میں توقف کرتے ہیں البتہ کتے کے معارض کوئی حدیث نہ ہونے کی وجہ سے کتے کا گذرنا مفسد صلاۃ قرار دیتے ہیں اور کتے سے مراد کالا کتا ہے جیسا کہ ابوذر کی حدیث سے ثابت ہے " قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى الرَّجُلُ وَلَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ كَآخِرَةِ الرَّحْلِ قَطَعَ الصَّلَاةَ الْكَلْبُ الْاَسْوَدُ وَالْمَرْاَةُ وَالْحِمَارُ فَقُلْتُ مَابَالُ الْاَسْوَدِ مِنَ الْاَحْمَرِ وَالْاَبْيَضِ فَقَالَ يَا بْنَ اَخِيْ سَاَلْتَنِيْ كَمَا سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى ا للّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْكَلْبُ الْاَسْوَدُ شَيْطَانٌ . (رواه الترمذی وابوداؤد)

فرمایا نبی پاک ﷺ نے کہ جب آدمی نماز پڑھے درانحالیکہ اس کے سامنے کجاوہ کے پچھلے حصہ کی طرح کوئی چیز نہ ہوتو اس کی نماز کو کالا کتا یا عورت یا گدھا توڑ دیتا ہے میں نے عرض کیا کہ کالے کتے کی لال یا سفید کتے کو چھوڑ کر وجہ کیا ہے؟ فرمایا اے بھتیجے! تم نے اسی طرح مجھ سے سوال کیا جس طرح میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ کالا کتا شیطان ہے۔ (ترمذی وابوداؤد)

جواب: دونوں مذاہب کا دارومدار حدیث باب پر ہے، حدیث باب میں کئی جوابات دیئے گئے ہیں، تین مشہور ہیں (۱) یہ حدیث جمہور کے دلائل کے تحت جو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں ان سے منسوخ ہے امام طحاویؒ نے اس قسم کی احادیث کو منسوخ قرار دیا ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ جو کہ قطع صلاۃ والی احادیث کے راوی ہیں انہوں نے بعد میں خود عدم قطع کا فیصلہ دیا ہے اور راوی کا فتویٰ اگر روایت کے خلاف ہے تو یہ روایت منسوخ ہونے کی علامت ہے۔

(۲) یہاں قطع صلاۃ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں خصوصیت کے ساتھ خشوع فی الصلاۃ کے لئے قاطع ہیں (۳) نماز میں اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان جو تعلق قائم ہوتا ہے یہ چیزیں اس تعلق کو منقطع کر دیتی ہیں۔

نوٹ: اس پوری بحث میں دو طرح کی روایات ذکر کی گئی ہیں (۱) وہ روایات جن سے مصلی کے سامنے سے اشیاء مذکورہ کے گذرنے سے قطع صلاۃ معلوم ہوتا ہے (۲) وہ روایات جن سے عدم قطع معلوم ہوتا ہے دونوں طرح کی روایات میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے، اگر جواب ۲ یا ۳ لے لیا جائے تو دونوں طرح کی روایات میں تطبیق پیدا ہو جائے گی اور تعارض ختم ہو جائے گا۔

اشکال: کسی بھی چیز کے مصلی کے سامنے سے گذرنے سے خشوع وخضوع میں کمی آجاتی ہے پھر ان اشیاء مذکورہ کو خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: ان تینوں چیزوں میں شیطانی اثرات کا دخل ہے اس لئے ان چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، عورتوں کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے "اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ" عورتیں شیطان کا پھندہ ہیں، گدھے کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے "اِذَاسَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِنَّهَا رَأَتْ شَيْطَانًا" جب تم گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو، اس لئے کہ گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے۔

کتے کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے "اَلْكَلْبُ الْاَسْوَدُ شَيْطَانٌ" کالا کتا شیطان ہے۔

حدیث نمبر ۷۲۴ ﴿عورت کا مصلی کے سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۷۹

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَامُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۵۶ ج ۱، باب الصلاۃ علی الفراش، کتاب الصلاۃ، حدیث ۳۸۳، مسلم ص ۱۹۷ ج ۱، باب الاعتراض بین یدی المصلی، کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۱۲.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ رات کو نماز پڑھتے تھے اور میں ان کے اور قبلہ کے درمیان ایسے لیٹی رہتی تھی جیسے جنازہ (نمازی کے سامنے) رکھا ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کے وقت پورے طور پر آپ ﷺ کے سامنے لیٹی رہتی تھیں اور آپ ﷺ نماز پوری فرماتے تھے، اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ اگر نمازی کے آگے عورت آجائے یا اس کے سامنے سے عورت گذر جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کاعتراض الجنازۃ، حضرت عائشہؓ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ میں آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان ایسے ہی لیٹی رہتی تھی جیسے کہ نمازی کے بالکل سامنے جنازہ رکھا ہوا ہوتا ہے، مقصد یہ ہے کہ میں دائیں بائیں ہو کر نہیں لیٹی رہتی تھی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا نمازی کے سامنے سے گذرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا ہے۔ (مرقات ص ۴۵ ج ۲)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عورت کا نمازی کے سامنے سے گذرنا نماز فاسد کرتا ہے، یہ حدیث ان کے خلاف صریح حجت ہے اختلاف مع دلائل دیکھنے کے لئے گذشتہ حدیث ۷۲۳ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۷۲۵ ﴿گدھے کے نمازی کے سامنے سے گذرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی﴾

عالمی حدیث نمبر ۷۸۰

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى اَتَانٍ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ بِالنَّاسِ بِمِنٰى اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَىْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَاَرْسَلْتُ الْاَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِى الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذَالِكَ عَلَىَّ اَحَدٌ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری: ص ۷۱ ج ۱، باب سترۃ الامام سترۃ من خلفہ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۹۳، مسلم ص ۱۹۶ ج ۱ باب سترۃ المصلی، کتاب الصلاۃ، حدیث ۵۰۴.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور اس وقت میں جوانی کے قریب عمر کو پہنچا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ اس وقت منیٰ میں دیوار کے علاوہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا رہے تھے میں نمازیوں کے صف کے سامنے سے گذرا پھر میں اتر گیا اور میں نے گدھی کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور صف میں شامل ہو گیا، میرے اس عمل پر مجھ کو کسی نے ٹوکا نہیں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ بلوغت سے پہلے گدھی پر سوار ہو کر نمازیوں کے سامنے سے گذرے لیکن ان کی کم عمری کی وجہ سے کسی نے ان سے باز پرس نہیں کی اور چوں کہ وہ گدھے پر سوار تھے اس وجہ سے گدھی بھی نمازیوں کے سامنے سے گذری، اس پر بھی کسی نے اعتراض نہیں کیا، معلوم ہوا کہ گدھی کے نمازی کے سامنے سے گذر جانے کی سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اقبلت راکبا علی اتان، حضرت ابن عباسؓ فرمارہے ہیں کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر منیٰ پہونچا "اتان" کے معنی گدھی کے ہیں یہاں پر صرف اتان کا لفظ ہے لیکن بخاری کی روایت میں "حمار اتان" ہے "اتان" یا تو حمار کی صفت ہے یا بدل ہے چونکہ خالی حمار ذکر کیا جاتا تو گدھی متعین نہ ہوتی اور حمارۃ کا لفظ شاذ ہے اس لئے گدھی کو متعین کرنے کے لئے "حمار اتان" یا خالی "اتان" بولا جاتا ہے۔

ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بالناس بمنیٰ الی غیر جدار، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب میں منیٰ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ دیوار کے علاوہ کسی چیز کا سترہ بنا کر آپ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے چنانچہ امام بخاری نے یہ حدیث کتاب الصلاۃ میں "باب سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ" کے تحت ذکر کی ہے، جس کا مطلب یہی ہے کہ حضور ﷺ سترہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی تھا یہ حدیث امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں "بَابٌ مَتٰى يَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِيْرِ" کے تحت بھی ذکر کی ہے، ترجمۃ الباب اس حدیث سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ نے اس روایت کو صغرسنی میں نقل کیا ہے لیکن محدثین نے

اس روایت کو لیا ہے معلوم ہوا کہ ہوشیار بچہ بلوغ کے بعد سے بلوغ قبل کی کوئی بات نقل کر رہا ہے تو وہ معتبر ہے۔

فمررت بین یدی بعض الصف، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں سوار ہونے کی حالت میں کچھ صفوں کے سامنے سے گذرا پھر بھی میں گدھی سے اتر کر نماز میں شامل ہو گیا اور گدھی کو چرنے کیلئے چھوڑ دیا، مجھ سے کسی نے باز پرس نہیں کی، معلوم ہوا کہ گدھی کا نمازیوں کے سامنے سے گذرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا ہے۔

اشکال: سب لوگ تو نماز میں شریک تھے تو باز پرس کون کرتا؟

جواب: اشارے سے تو منع کیا جاسکتا ہے، پھر نماز ختم ہونے کے بعد بھی باز پرس ہو سکتی تھی، لیکن مطلقاً باز پرس نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں کوئی خلل نہیں ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ گدھے کا نمازی کے سامنے سے گذرنا نماز کو منقطع کر دیتا ہے یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے تحقیق کے لئے حدیث ۷۲۳ دیکھیں۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۷۲۶ ﴿سترہ کی جگہ پر لکیر کھینچنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۸۱

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُم فَلْیَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَیْئًا فَاِنْ لَم یَجِدْ فَلْیَنْصِبْ عَصَاهُ فَاِنْ لَم یَکُنْ مَعَهُ عَصًا فَلْیَخْطُطْ خَطًّا ثُمَّ لَایَضُرُّهُ مَا مَرَّ اَمَامَهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۱۱۰ ج ۱، باب الخط اذا لم یجد عصاً، کتاب الصلاۃ حدیث ۶۸۹، ابن ماجۃ ص ۶۷ باب ما یستر المصلی، کتاب اقامۃ الصلاۃ حدیث ۹۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے چہرے کے سامنے کوئی چیز رکھ لے، پس اگر کوئی چیز نہ پائے تو اپنی لاٹھی کھڑی کر لے، پس اگر اس کے پاس لاٹھی بھی نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ خط کھینچ لے ایسا کرنے سے اس کے سامنے سے گذرنے والا اس کو نقصان نہیں دے گا۔ (ابوداؤد وابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نمازی کو کسی نہ کسی چیز کو سترہ ضرور بنالینا چاہئے سترہ قائم کر لینے سے نماز میں خشوع و خضوع باقی رہتا ہے اگر کوئی چیز سترہ بنانے والی نہ ہو تو اپنی لاٹھی کو ہی سترہ بنالے لیکن اگر زمین سخت ہو اور لاٹھی نصب کرنا دشوار ہو تو پھر لاٹھی کو اپنے سامنے رکھ لے اور اگر لاٹھی بھی پاس نہ ہو تو نمازی اپنے سامنے ایک لکیر کھینچ لے اگر ایسا کرے گا تو سترہ کے آگے سے گذرنے والا اس کے خشوع و خضوع میں اثر انداز نہ ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح **اذا صلی احدکم** نمازی جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے، **فلیجعل تلقاء وجهه**، تو اپنے سامنے سترہ قائم کر لے، سترہ پیشانی اور بالکل دونوں آنکھوں کے درمیان نہ ہو بلکہ ذرا سا دائیں بائیں ہو، شئیا، درخت، دیوار، عمارت، لکڑی سب چیزیں سترہ بن سکتی ہیں۔

فان لم یجد، اگر کوئی ایسی چیز نہ پائے جس کو سترہ بنایا جاسکے تو اپنی لاٹھی کو سترہ بنالے، اگر لاٹھی نصب نہیں کی بلکہ طول میں رکھ لی تو بھی کافی ہے، **فان لم یکن معه**، اگر لاٹھی بھی نہ ہو تو مصلی اپنے سامنے ایک لکیر کھینچ لے۔

لکیر سترہ بن سکتی ہے یا نہیں؟

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مصلی سترہ قائم کرنے کے لئے کوئی چیز نہ پائے تو ایک لکیر ہی کھینچ لے، یہ لکیر سترہ کے قائم مقام ہوگی، چنانچہ امام احمدؒ کا مذہب یہی ہے اگر چہ حدیث ضعیف ہے، اور امام احمدؒ سے منقول بھی ہے "حَدِیْثُ الْخَطِّ ضَعِیْفٌ" لیکن

اس کے باوجود اس حدیث پر عمل کے قائل ہیں، امام مالکؒ سترہ بالخط کے بالکل قائل نہیں ہیں، شوافع وحنفیہ کے یہاں دونوں طرح کے اقوال ہیں، حنفیہ کے یہاں مشہور یہی ہے کہ خط کا اعتبار نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ خط دور سے نظر نہیں آتا ہے لہٰذا سترہ کا جو فائدہ ہے وہ اس سے حاصل نہیں ہوتا البتہ ابن ہمامؒ نے خط کھینچنے کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ وہ نمازی کے لئے کسی نہ کسی درجہ موجب اطمینان ہے۔

سوال: خط کیسا کھینچا جائے؟

جواب: خط ہلالی راجح ہے اور قبلہ کی جانب میں طویل خط یا جنوب وشمال میں سیدھا خط بھی کھینچا جائز ہے۔

حدیث نمبر ۷۲۷ ﴿سترہ کو قریب رکھنا چاھئیے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۸۲

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا لَا يَقْطَعُ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد.

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۰۱ ج ۱، باب الدنو من السترة، کتاب الصلاة حدیث ۶۹۵.

ترجمہ: حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اس کو چاہئے کہ سترہ اپنے قریب رکھے تاکہ شیطان اس کی نماز نہ توڑ دے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نمازی سترہ کو سجدہ کے قریب کی جگہ رکھے اگر زیادہ دور رکھے گا تو برابر شیطان دل میں خیال ڈالتا رہے گا کہ ممکن ہے کوئی شخص سترہ اور میرے درمیان سے گذر جائے اس طرح کے خیالات برابر آتے رہے، تو نماز کا خشوع وخضوع جاتا رہے گا اور بغیر خشوع وخضوع والی نماز میں کوئی کمال نہیں ہوتا لہٰذا کمال سے خالی ہونے کی وجہ سے یہ نماز ایسی ہی ہوگی جیسے وہ نماز جو منقطع ہو جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح: اذا صلى احد كم الى سترة فليدن منها، نمازی اور سترہ کے درمیان فاصلہ کم سے کم ہونا چاہئے، فاصلہ کم رکھنے کی تاکید کی دو وجہیں ہیں (۱) اگر مصلی اور سترہ کے درمیان زیادہ فاصلہ ہوگا تو گذرنے والوں کو زحمت ہوگی اور راستہ تنگ ہو جائے گا (۲) نمازی کے دل میں شیطان خیال ڈالتا رہے گا کہ اتنا زیادہ فاصلہ ہے کوئی اس کے درمیان سے گذر نہ جائے ان خیالات کے تسلسل کی بنا پر نماز کی روح جاتی رہے گی۔

سوال: فاصلہ کم رکھنا چاہئے لیکن کم سے کتنا مراد ہے؟

جواب: اس سلسلہ میں دو حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں (۱) **كَانَ بَيْنَ مَقَامِ النَّبِيِّ ﷺ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مَمَرُّ عَنْزٍ**، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بکری کے گذرنے کے بقدر فاصلہ ہونا چاہئے، (۲) **وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ ثَلَاثَةُ اَذْرُعٍ** یعنی آپ ﷺ نے کعبہ میں نماز ادا کی تو آپ ﷺ کے اور جدار قبلہ کے درمیان تین ذراع کے بقدر فاصلہ تھا، بکری کے گذرنے کے بقدر جو فاصلہ ہے، وہ ایک ذراع کے بقدر ہے اور اس حدیث میں تین ذراع کے بقدر فاصلہ مذکور ہے، دونوں روایتوں کو ملا کر محدثین نے لکھا ہے کہ موضع سجود اور سترہ کے درمیان ایک گز کے بقدر فاصلہ ہونا چاہئے، اسی کا بیان "ممر عنز" والی روایت میں ہے اور مصلی کے جائے قیام وسترہ کے درمیان تین گز کا فاصلہ ہونا چاہئے اسی کا بیان "ثلاثة اذرع" والی حدیث میں ہے۔

اگر سترہ نہیں ہے تو تین ذراع کے بقدر جگہ چھوڑ کر اس کے آگے سے گذرا جا سکتا ہے یہ کھلے میدان کا حکم ہے مسجد میں مصلی کے سامنے سے گذرنے سے بعض لوگوں نے مطلقاً روکا ہے اور بعض نے مسجد صغیر و کبیر میں فرق کیا ہے، مسجد صغیر میں گذرنا جائز نہیں اور مسجد کبیر کو صحرا کے حکم میں رکھا ہے مزید تفصیل باب کے شروع میں باب سے متعلق جو بحث ہے اس کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔

لایقطع الشیطان علیہ، سترہ دور ہونے کی وجہ سے جو وساوس شیطان ڈالتا ہے وہ وساوس سترہ کے قریب ہونے کی وجہ سے مصلی کے دل میں نہیں ڈال سکے گا، اور جب نماز شیطان کے وسوسہ سے محفوظ ہونے کی صورت میں ادا ہوگی تو یہ اپنے اندر صفت کمال لئے ہوگی اور اس میں فساد کا شائبہ بھی نہ ہوگا۔

حدیث نمبر ۷۲۸ ﴿سترہ کو بالکل پیشانی کے سامنے رکھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۸۳

وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلٰى عُوْدٍ وَلَاعُمُوْدٍ وَلَا شَجَرَةٍ اِلَّا جَعَلَهُ عَلٰى حَاجِبِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ وَلَا يَصْمُدُ لَهُ صَمَداً رواه ابو داؤد.

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۰۰ ج ۱، باب اذا صلی الی ساریة اونحوها، کتاب الصلاة، حدیث ۶۹۳.

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ جب کبھی بھی کسی لکڑی یا ستون یا درخت کو سترہ بناتے تھے تو اس کو اپنی دائیں یا بائیں ابرو کے سامنے رکھتے تھے اور بالکل اس کے سیدھ میں نہیں کھڑے ہوتے تھے۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سترہ کو بالکل دونوں آنکھوں اور پیشانی کے درمیان نہ رکھنا چاہئے بلکہ تھوڑا سا دائیں بائیں کر کے رکھنا چاہئے، تاکہ بت پرستی کا شائبہ بھی نہ رہے، آپ ﷺ کا یہی طریقہ تھا کہ آپ ﷺ سترہ کو دائیں یا بائیں ابرو کے برابر رکھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح یصلی الی عود، آپ جب کسی لاٹھی یا ستون یا کسی بھی دوسری چیز کو سترہ بناتے تو اس کو بالکل پیشانی کے سامنے نہیں رکھتے تھے، بلکہ اس کو دائیں یا بائیں رکھتے تھے، بائیں ابرو کی طرف رکھنا زیادہ بہتر ہے، چنانچہ نسائی کی روایت میں ہے " اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى عُمُوْدٍ اَوْسَارِيَةٍ اَوْاِلٰى شَيْءٍ فَلَا يَجْعَلْهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلْيَجْعَلْهُ عَلٰى حَاجِبِهِ الْاَ يْسَرِ " جب تم میں سے کوئی شخص کسی ستون یا لکڑی یا کسی اور چیز کو سترہ بنائے تو وہ سترہ کو اپنی دونوں آنکھوں کے بالکل سامنے نہ رکھے بلکہ اس کو چاہئے کہ بائیں ابرو کے سامنے رکھے، یہ حکم اس وجہ سے دیا گیا ہے تاکہ تشبہ بعبادۃ الاصنام لازم نہ آئے۔

حدیث نمبر ۷۲۹ ﴿سترہ کو کھڑا کرنا مستحب ہے واجب نہیں﴾ عالمی حدیث ۷۸٤

وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِيْ بَادِيَةٍ لَنَا وَمَعَهُ عَبَّاسٌؓ فَصَلّٰى فِيْ صَحْرَاءٍ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَكَلْبَةٌ تَعْبَثَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَابَالٰى بِذٰلِكَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهُ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۰٤ ج ۱، باب من قال الکلب لایقطع الصلاة، کتاب الصلاة حدیث ۷۱۸. نسائی ص ۸۷ ج ۱، باب ذکر ما یقطع الصلاة وما لایقطع، کتاب القبلة. ۷۵۲.

حل لغات: تعبثان تثنیہ کا صیغہ ہے عبث (س) عبثاً کھیل کود میں لگنا، بے فائدہ کام کرنا۔

ترجمہ: حضرت فضل بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک جنگل میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان کے ساتھ حضرت عباسؓ بھی تھے، آپ ﷺ نے اس جنگل میں اس طرح نماز پڑھی کہ آپ ﷺ کے سامنے کوئی سترہ نہ تھا، اور ہماری گدھی و کتیا آپ ﷺ کے آگے کھیلتی رہیں، لیکن آپ ﷺ نے اس کی پرواہ نہیں کی (ابوداؤد) نسائی نے بھی اس کے مثل روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہے جو گذرگاہ نہیں ہے تو سترہ قائم کرنا لازم نہیں ہے البتہ اگر سترہ قائم کر لیا جائے تو بہتر ہے اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ گدھا اور کتا اگر نمازی کے سامنے آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ونحن فی بادیة، عرب میں یہ رواج تھا کہ آبادی میں رہنے والے لوگ بھی آب وہوا کی تبدیلی کی غرض سے کچھ دن کھلے جنگل میں خیمہ نصب کر کے رہتے تھے، اس کے لئے ہر قبیلہ اور خاندان کا اپنا الگ جنگل تھا جن دنوں میں حضرت عباسؓ کے اہل وعیال جنگل میں خیمہ نصب کر کے رہ رہے تھے انہیں دنوں میں آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے، فصلی فی صحراء لیس بین یدیه سترة، آپ ﷺ نے اسی جنگل میں نماز پڑھائی اور سترہ قائم نہیں کیا، معلوم ہوا کہ سترہ قائم کرنا لازم نہیں ہے، وحمارة لنا وکلبة تعبثان، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نمازی کے سامنے سے کتا اور گدھا گذر جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف حجت ہے کیونکہ اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گدھی اور کتیہ آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ ﷺ کے سامنے کھیلتی رہیں لیکن آپ نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی، اختلاف مع دلائل دیکھنے کے لئے حدیث ۷۲۳ ملاحظہ کریں۔

حدیث نمبر ۷۳۰ ﴿نمازی کے آگے سے کسی کا گذرنا نماز کو نہیں توڑتا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۸۵

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ وَادْرَءُوْا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

حواله: ابو داؤ ص ۱۰٤ ج ۱، باب من قال لایقطع الصلاة شئی، کتاب الصلاة حدیث ۷۱۹.

ترجمه: حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی چیز نمازی کے سامنے سے گذرنے والی نماز کو توڑتی نہیں ہے جہاں تک ممکن ہو گذرنے والی چیز کو تم دور کرو، اس لئے کہ وہ شیطان ہے۔ (ابوداود)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نمازی کے آگے سے گذرنے والی چیز نماز کو توڑتی نہیں ہے البتہ نمازی کی توجہ بٹنے کی بنا پر خشوع وخضوع میں فرق ضرور آتا ہے لہذا نمازی کو چاہئے کہ حتی الامکان گذرنے والی چیز کو گذرنے سے روکے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا یقطع الصلاة شئی: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورت گدھا اور کتا اگر نمازی کے سامنے سے گذر جائیں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی چیز کے گذرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے تحقیق کے لئے حدیث ۷۲۳ دیکھئے۔

وادرؤا ما استطعتم، اگر کوئی شخص نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہے تو چونکہ اس کے گذرنے سے نماز میں خلل واقع ہو رہا ہے لہذا نمازی کو حتی المقدور روکنا چاہئے، اولا اشارہ سے روکے پھر دھکا دے کر دفع کرے، تب بھی نہ مانے تو زور سے دھکہ دے، لیکن خیال رہے کہ دفع کرنے میں عمل کثیر نہ ہو اگر عمل کثیر ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، مزید تحقیق کے لئے حدیث ۷۲۳ دیکھئے۔

فانه شیطان: یہ شیطانوں جیسا کام کر رہا ہے یعنی نماز میں خلل ڈال رہا ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۷۳۱ ﴿عورت کے سامنے سے گذرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۸۶

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ وَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص ۷۳ ج ۱، باب التطوع خلف المرأة، کتاب الصلاة حدیث ۵۱۳، مسلم ص ۱۹۷ ج ۱، باب الاعتراض بین یدی المصلی، کتاب الصلاة حدیث ۵۱۲.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس طرح سویا کرتی تھی کہ میرے پاؤں آپ ﷺ کے قبلہ کی جگہ میں ہوتے، (یعنی سجدہ کی جگہ میں) پھر جب آپ ﷺ سجدہ میں جاتے تو میرے پاؤں کو چھوتے میں اپنے پاؤں کو سمیٹ لیتی پھر جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو میں اپنے پاؤں کو پھیلا لیتی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے (بخاری و مسلم)۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سو رہا ہے اور نمازی اس کے سامنے نماز پڑھ رہا ہے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اگر نمازی کو اپنے نفس پر اعتماد و اطمینان ہے تو سونے والے کو بطور سترہ کے استعمال کر سکتا ہے، جب جانور سترہ بن سکتا ہے تو انسان بھی سترہ کا کام دے سکتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کنت انا م بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں آپ ﷺ کے سامنے اس طرح سوتی رہتی تھی کہ میرے پاؤں آپ ﷺ کے سجدہ کی جگہ میں ہوتے تھے جب آپ ﷺ سجدہ میں جانے کا ارادہ فرماتے تو میرے پاؤں کو چھو کر مجھے متنبہ فرما دیتے میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی تھی آپ ﷺ نماز کی حالت میں حضرت عائشہؓ کے پاؤں کو چھوتے تھے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی تھی معلوم ہوا کہ ''مس مرأۃ'' یعنی عورت کا چھونا ناقض وضو نہیں ہے یہی حنفیہ کا مذہب ہے، ائمہ ثلاثہ کا اس میں اختلاف ہے تفصیل کے لئے حدیث ۲۹۸ دیکھیں۔

فاذا قام بسطتهما، جب حضور ﷺ کھڑے ہو جاتے تو حضرت عائشہؓ اپنے پیر پھیلا لیتی تھیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے اس عمل کو جائز رکھتے تھے، اصل میں جگہ تنگ تھی، اور حضور حضرت عائشہ کے بستر پر نماز پڑھتے تھے لہذا حضرت عائشہؓ خالی جگہ دیکھ کر پاؤں پھیلا لیتیں اور جب حضور ﷺ سجدہ میں جاتے تو پاؤں سمیٹ لیتی تھی۔

والبیوت یومئذ لیس فیها مصابیح، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان دنوں ہمارے گھروں میں چراغ نہیں ہوتا تھا در حقیقت اس جز سے اپنا عذر بیان کر رہی ہیں کہ میں جو پیر پھیلا لیتی تھی اور شرم نہیں کرتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں ہمارے گھروں میں چراغ نہیں ہوتا تھا اور ہمیں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

حدیث نمبر ۷۳۲ ﴿نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۸۷

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُكُمْ مَالَهُ فِي اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْ اَخِيْهِ مُعْتَرِضًا فِي الصَّلَاةِ كَانَ لَاَنْ يُّقِيْمَ مِائَةَ عَامٍ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الْخُطْوَةِ الَّتِي خَطَاهَا رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجه ص ٦٧، باب المرور بین یدی الصلاة، کتاب الصلاة و السنة فیها، حدیث ٩٤٦.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اگر یہ جان لے کہ اپنے اس بھائی کے آگے کہ اسے جو نماز پڑھ رہا ہے اسکا گذرنا کیسا سخت گناہ ہے تو وہ اپنا سو برس تک کھڑا رہنا اس ایک قدم سے زیادہ بہتر سمجھے گا جو اس نے اٹھایا۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے لوگ اس گناہ کا ارتکاب اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اس گناہ پر ہونے والے عذاب کی پوری حقیقت کا ان کو علم نہیں اگر علم ہو جائے تو ہرگز نہ گذریں۔

کلمات حدیث کی تشریح لو یعلم احد کم ماله، اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اس عمل پر ملنے والے گناہ کا علم ہو جائے، علم سے مراد یا تفصیلی علم ہے یا تو مشاہدہ کا علم ہے، بین یدی اخیه ''اخی'' کی قید اس لئے لگا دی تا کہ گذرنے والے کے دل میں رحم پیدا ہو کیونکہ نمازی کے سامنے سے گذرنا یہ تکلیف دینا ہے اور کوئی بھی بھائی اپنے بھائی کو تکلیف

دینا مناسب نہیں سمجھتا ہے، اس وجہ سے نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اپنے بھائی کی رعایت میں گذرنا نہیں چاہئے۔

مائۃ عام، اگر سو سال کھڑا رہنا پڑے تو کھڑا رہے لیکن نہ گذرے کیونکہ گذرنے کا جو عذاب ہے وہ سو سال کھڑا رہنے سے زیادہ تکلیف دہ ہے اور ماقبل میں حدیث ۷۲۱ گذری ہے اس میں چالیس سال کا ذکر ہے، دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ مفہوم عدد معتبر نہیں ہے، اصلاً کثرت مراد ہے، مزید تحقیق کے لئے حدیث ۷۲۱ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۷۳۳ ﴿نمازی کے آگے سے گذرنے کا عذاب﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۸۸

وَعَنْ كَعْبِ الْاَحْبَارِ قَالَ لَو يَعلَمُ المَارُّ بَينَ يَدِي المُصَلِّي مَاذَا عَلَيهِ لَكَانَ اَن يُّخسَفَ بِهِ خَيراً لَهُ مِنَ اَن يَّمُرَّ بَينَ يَدَيهِ وَفِي رِوَايَةٍ اَهوَنَ عَلَيهِ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: موطا امام مالک ص ٥٤ باب التشديد في ان يمر احد بين يدي المصلي، كتاب قصر الصلاة في السفر حديث ٣٥.

ترجمہ: حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا جان لے کہ اس پر کیا گناہ ہے تو وہ اپنا زمین میں دھنس جانا نمازی کے سامنے سے گذرنے سے زیادہ بہتر سمجھتے۔ (موطا امام مالک)۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا جرم ہے اور بہت بڑے عذاب کا سبب ہے، آدمی اپنی جہالت و نادانی کی بنا پر نمازی کے سامنے سے گذر جاتا ہے لیکن اس گذرنے پر ہونے والے عذاب کا اگر اس کو صحیح پتہ لگ جائے تو یہ زمین میں دھنس جانا گوارہ کرلے، لیکن مصلی کے سامنے سے گذرنا گوارہ نہ کرے کیوں کہ زمین میں دھنس جانے کے مقابلہ میں مصلی کے سامنے سے گذرنے کا عذاب بڑھا ہوا ہے۔

لكان ان يخسف خيرا له، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا جان لے کہ گذرنے کی بنا پر اس پر کیا گناہ لدے گا تو وہ سو سال کھڑا رہے اور یہ سو سال کھڑا رہنا اس کے حق میں گذرنے سے زیادہ بہتر ہوگا اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر گذرنے والا جان لے کہ گذرنے کی بنا پر کیا گناہ ہے تو زمین میں دھنس جانے کی تمنا کرے اور زمین میں دھنس جانا اس کے حق میں گذرنے سے بہتر ہوگا۔ (مرقات ص ٢٤٨ ج ٢)

حدیث نمبر ۷۳٤ ﴿نمازی کے کتنا آگے سے گذرا جائے﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۸۹

وَعَنِ ابْنِ عباسٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُم اِلٰى غَيرِ السُّترَةِ فَاِنَّهُ يَقطَعُ صَلَاتَهُ الحِمَارُ وَالخِنزِيرُ وَاليَهُودُ وَالمَجُوسِيُّ وَالمَرْاَةُ وَتُجزِئُ عَنهُ اِذَا مَرُّوا بَينَ يَدَيهِ عَلٰى قَذْفَةٍ بِحَجَرٍ رَوَاهُ اَبُو دَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص ١٠٢ ج ١، باب ما يقطع الصلاة، حديث ٧٠٤.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ تم میں سے جب کوئی شخص سترہ کے بغیر نماز پڑھے تو اس کی نماز گدھا، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت توڑ دیتی ہیں اگر یہ چیزیں اتنی دور سے گذریں جتنی دور پھینکا جانے والا پتھر جا کر گرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ابو داؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں دو باتیں خصوصی طور پر بیان کی گئی ہیں (١) نمازی کو سترہ قائم کرکے نماز پڑھنا چاہئے، اگر بغیر سترہ قائم کیے نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے سامنے سے کوئی چیز گذر رہی ہے جس کی بنا پر اس کا ذہن بھٹک رہا ہے تو ذہن بھٹکنے کی وجہ سے نماز کا کمال جاتا رہتا ہے بلکہ بسا اوقات نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے اس لئے اس جانب خصوصی توجہ دینا چاہئے، (٢) اگر کوئی تین گز کی دوری سے گذر رہا ہے تو اس گذرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا صلی احدکم الی غیر السترۃ، اگر کوئی شخص بغیر سترہ قائم کئے نماز پڑھ رہا ہے اور حدیث میں مذکور چیزیں اس کے سامنے سے گذر رہی ہیں تو ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے لیکن جمہور کے نزدیک اس کی نماز نہیں ٹوٹتی، البتہ ذہن منتشر ہونے کی وجہ سے نماز کا کمال جاتا رہتا ہے، بعض لوگوں نے اس طرح کی احادیث کو منسوخ قرار دیا ہے اور کچھ لوگوں نے تاویل بھی کی ہے، تحقیق کے لئے حدیث ۷۱۲ دیکھیں۔

اس حدیث میں خنزیر، یہودی اور مجوسی کا بھی تذکرہ ہے جب کہ اکثر روایات میں عورت، گدھے اور کتے کا تذکرہ ہے۔ الدر المنضود میں لکھا ہے کہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اشیاء ثلاثہ کے علاوہ جو زائد چیزیں مذکور ہیں یہ کسی راوی کا وہم ہے۔

(الدر المنضود ص ۲۰۴ ج۲)

وتجزی عنه اذا مروا، اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تین ہاتھ کی دوری سے نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ حدیث میں جو پتھر کا تذکرہ ہے اس سے رمی جمار مراد ہے، یعنی حج کے موقع پر ماری جانے والی کنکریاں اور اسکی دوری کی مقدار تین ہاتھ بیان کی جاتی ہے، یہ مسئلہ حریم مصلی سے متعلق ہے اسکو میں نے باب کے شروع میں کچھ تفصیل سے ذکر کیا ہے دیکھ لیا جائے۔

باب صفة الصلاة

نماز کی صفت کا بیان

صفت صلاۃ سے نماز کے تمام ارکان فرائض واجبات، سنن اور مستحبات مراد ہیں اس باب میں جو احادیث منقول ہیں ان سے معلوم ہوگا کہ نماز کس طرح پڑھی جائے، کن چیزوں کے چھوٹ جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور کن چیزوں کے ترک کرنے سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے اس کے علاوہ بھی کچھ قیمتی مذاہب ہیں تفصیل کے لئے احادیث باب کا مطالعہ کیجئے۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۷۳۵ ﴿تعدیل ارکان کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹۰

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم جَالِسٌ فِی نَاحِیَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰی ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَیهِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم وَعَلَیْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰی ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِی الثَّالِثَةِ اَوْ فِی الَّتِی بَعْدَهَا عَلِّمْنِی یَارَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلَاةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَیَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَسْتَوِی قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِی رِوَایَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذَالِكَ فِی صَلَاتِهِ كُلِّهَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حواله: بخاری ص ۱۰۴. ۱۰۵ ج ۱، باب وجوب القرآة للامام دائما، کتاب الاذان، حدیث ۷۵۷، مسلم ص ۱۷۰ ج ۱، باب وجوب قرأة الفاتحة فی کل رکعة، کتاب الصلاة، حدیث ۳۹۷.

ترجمه: حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے، انہوں نے نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا جاؤ اور پھر سے نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ صاحب چلے گئے، نماز پڑھی پھر آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیکر پھر ان سے فرمایا واپس جاؤ نماز پڑھو اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، تیسری مرتبہ یا تیسری مرتبہ کے بعد

(چوتھی مرتبہ) ان صاحب نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ مجھے سکھلا دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو، پھر تکبیر کہو پھر قرآن میں سے جو تمہیں آسان معلوم ہو اس کو پڑھو پھر رکوع میں جاؤ اور اطمینان کے ساتھ رکوع پورا کرو پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ میں جاؤ اور اطمینان کے ساتھ سجدہ پورا کرو، پھر سر اٹھاؤ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، دوسرا سجدہ کرو اور اطمینان کے ساتھ سجدہ پورا کرو، پھر سر اٹھاؤ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، ایک روایت میں ہے کہ پھر سر اٹھاؤ اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ (یعنی دوسرے سجدہ کے بعد جلسۂ استراحت کا اس میں ذکر نہیں ہے) پھر اپنی تمام نماز اسی طرح ادا کرو۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز آرام واطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، تعدیل ارکان کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے، اگر تعدیل ارکان یعنی رکوع وسجدہ، قومہ، جلسہ میں ٹھہر نہیں رہا ہے تو ایسی نماز کسی کام کی نہیں ہے۔

ایک صاحب نے جب تعدیل ارکان کے بغیر نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے تعدیل ارکان کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے نماز کا اعادہ کرایا، پھر ان کو پوری نماز سکھلا کر یہ حکم دیا کہ اس طرح نماز پڑھا کرو۔

کلمات حدیث کی تشریح ان رجلا دخل المسجد: ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے ان کا نام علی بن یحیٰ ہے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ان کا نام خلاد بن رافع انصاری ہے۔

اشکال: خلاد بن رافع تو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے اور غزوہ بدر ۲ھ میں ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ جس کا ذکر حدیث میں ہے، غزوہ بدر سے پہلے پیش آیا، اور اس واقعہ کو روایت کرنے والے حضرت ابو ہریرہؓ ہیں جو ۷ھ میں ایمان لائے، اشکال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اس واقعہ کو کیسے روایت کر رہے ہیں جب کہ اس واقعہ کے وقت نہ وہ ایمان لائے تھے اور نہ ہی وہ مدینہ میں تھے۔

جواب: حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ واقعہ کسی ایسے صحابی سے سنا ہوگا جو واقعہ کے وقوع کے وقت موجود رہے ہوں گے، حضرت ابو ہریرہؓ نے ان کا ذکر ترک کر دیا، صحابہ چونکہ سب کے سب عادل ہیں اس لئے اگر کوئی صحابی راوی اپنے سے اوپر کے راوی کا نام ذکر نہ کرے، تو اس سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، اس کو محدثین کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ مرسل صحابی بالاتفاق حجت ہے۔

ورَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جالس: آپ ﷺ پہلے مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے، بخاری شریف کی روایت میں "دخل المسجد" کے الفاظ ہیں، یعنی آپ ﷺ مسجد میں پہلے سے بیٹھے ہوئے نہیں تھے، بلکہ آپ ﷺ بھی اسی وقت مسجد میں تشریف لائے تھے، فصلی تو خلاد بن رافعؓ نے نماز پڑھی، نسائی کی روایت میں "فصلی رکعتین" کے الفاظ ہیں، یعنی دو رکعت نماز پڑھی، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھی، یا پھر نفل نماز ادا کی اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ مسجد میں نماز ہو چکی ہو تو انہوں نے اپنی فرض نماز ادا کی ہو، احتمال ہے کہ انہوں نے تنہا نماز پڑھی۔

ثم جاء فسلم علیه: بعض روایت میں "یرمقہ" کے الفاظ ہیں یعنی حضور ان صاحب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے، بہر حال جب انہوں نے نماز پوری کر لی، تو حضور ﷺ کے پاس آ کر آپ ﷺ کو سلام کیا، پہلے انہوں نے حق تعالیٰ کا حق ادا کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے حق کی ادائیگی کی، ادب کا بھی یہی تقاضہ ہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوئے اور تحیۃ المسجد پڑھنے سے پہلے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ نے ان سے فرمایا "اِرْجِعْ فَصَلِّ ثُمَّ اِئْتِ فَسَلِّمْ عَلَیَّ" لوٹ کر جاؤ نماز پڑھو، پھر میرے پاس آ کر مجھ سے سلام کرو، وعلیك السلام ارجع فصل، یہ صاحب سلام کر کے جانا چاہ رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دینے کے ساتھ فرمایا کہ تم دوبارہ جا کر نماز پڑھو، اسلئے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، فرجع فصلی ثم جاء فسلم، وہ صاحب لوٹ کر گئے اور نماز

پڑھنے کے بعد آئے اور آکر حضور ﷺ کو پھر سلام کیا، معلوم ہوا کہ فصل ہونے کے بعد اگر دوبارہ ملاقات ہو تو دوبارہ سلام کرنا مستحب ہے، اگر چہ تھوڑے ہی وقفہ کے بعد ملنا کیوں نہ ہو، **فقال وعليك السلام ارجع فصل**، حضور ﷺ نے سلام کا جواب دیکر دوبارہ فرمایا کہ جاؤ پھر سے نماز پڑھو، کیوں کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، نماز نہ ہونیکا مطلب یہ ہیکہ کامل نماز نہیں ہوئی، چنانچہ فریضہ تو ساقط ہو گیا لیکن نماز واجب الاعادہ ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ سرے سے نماز ہی نہیں ہوئی لیکن یہ درست نہیں ہے اسوجہ سے کہ نماز اگر بالکلیہ باطل ہوتی تو آپ ﷺ بار بار باطل نماز ادا نہ کرواتے، اسمیں کچھ نہ کچھ قبولیت کی شان ضرور رہی ہوگی اسی وجہ سے آپ ﷺ نے کئی بار اعادہ کرایا۔

قال في الثالثة اوفي التي بعدها: جب تین یا چار بار ایسا ہوگیا تو ان صحابی سے رہا نہ گیا اور انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کردی کہ مجھے سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میری نماز میں کیا کمی ہے؟ لہٰذا آپ ﷺ مجھے سکھلا دیں۔

اشکال: آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ ہی نماز پڑھنے والے کو نماز کا صحیح طریقہ کیوں نہیں بتادیا؟ اگر آپ ﷺ ایسا کر لیتے تو بار بار اعادہ کی ضرورت نہ تھی۔

جواب: اصل میں یہ صحابی تعدیل ارکان کے بغیر نماز پڑھ رہے تھے چونکہ احتمال تھا کہ تعدیل ارکان کا ترک کرنا بھولنے یا غفلت کی وجہ سے ہو، آپ ﷺ کے دوبارہ نماز پڑھنے کی تلقین کرنے کا مقصد یہی تھا کہ اگر ایسا ہے تو وہ اپنے طور پر نماز درست کرلیں۔

فقال اذا قمت: آپ ﷺ نے نماز کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو سب سے پہلے فرائض و سنن کی مکمل طور پر رعایت کرتے ہوئے وضو کرو "اسباغ وضو" کی مزید وضاحت کے لئے حدیث ۲۹۳ دیکھیں۔

ثم استقبل القبلة: پھر قبلہ کا استقبال کرو، استقبال قبلہ شرائط صلاۃ میں سے ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہت قبلہ ہی کافی ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو گذر چکی ہے "مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ"۔

فكبر: پھر تکبیر کہیے، تکبیر تحریمہ ہمارے یہاں شرائط صلاۃ میں سے ہے، رکن صلاۃ میں سے نہیں ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى" ہے اپنے رب کے نام کا ذکر کرو، یعنی تکبیر تحریمہ کہو، پھر نماز پڑھو، معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ داخل صلاۃ یعنی رکن صلاۃ نہیں ہے، امام شافعیؒ کے یہاں تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہے، (مذاہب مع دلائل کے حدیث ۲۹۱ دیکھیں)۔

نیت کا ذکر ترک کردیا، باوجودیکہ وہ بھی شرائط صلاۃ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، یا پھر اس کے بہت زیادہ واضح ہونے کی وجہ سے اس کو ترک کردیا، اسی طرح بقیہ شرائط، طہارت کپڑا، طہارت مکان، ستر عورت وغیرہ کو بھی ان کے مشہور ہونے کی وجہ سے ترک کردیا ہے، تکبیر کے معنی تعظیم کے ہیں لہٰذا اللہ اکبر بھی کہا جاسکتا ہے، اور ہر اس لفظ کو نماز شروع کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے جو اللہ کی بڑائی پر دلالت کرے، یہ امام صاحب کا مذہب ہے دیگر ائمہ کا اختلاف ہے۔ (تفصیل کیلئے حدیث ۲۹۱ دیکھیں)

ثم اقرأ بما تيسر معك من القرآن: قرآن کریم کا جو حصہ تمہارے لئے آسان ہو یعنی تم کو یاد ہو اسکی تلاوت کرو، حدیث میں مطلق قرأت کا حکم دیا گیا ہے اب اگر کوئی کہے کہ "ماتیسر" سے مراد سورہ فاتحہ ہے تو یہ تشریح قرآن وحدیث کے مطابق نہ ہوگی، حدیث کے اس جز کے تحت یہ بحث کی جاتی ہیکہ سورہ فاتحہ کی قرآت فرض ہے یا نہیں؟ میں اسی حدیث کے تحت آئندہ سطور میں اس بحث کو ذکر کرونگا

ثم اركع حتى تطمئن راكعاً: اطمینان کے ساتھ رکوع وسجدہ فرض ہیں اور ان میں تعدیل ارکان امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔

تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ قومہ، جلسہ اور رکوع وسجدہ پورے سکون واطمینان کے ساتھ ادا کرنا۔

حتیٰ تستوی قائما، رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سیدھے کھڑا ہونا چاہئے حدیث کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ قومہ کرنا

چاہئے، قومہ میں اطمینان کا لفظ منقول نہیں، لیکن ابن حبان کی ایک روایت میں منقول ہے "حتی تطمئن قائماثم اسجدحتی تطمئن ساجداً: قومہ کے بعد اطمینان سے سجدہ کرنا چاہئے، حدیث کے ان اجزاء سے معلوم ہورہا ہے کہ تعدیل ارکان کرنا چاہئے، تعدیل ارکان فرض ہے یا واجب اس بحث کو آئندہ سطور میں دیکھیں۔

ثم ارفع حتی تطمئن جالسًا: حدیث کے اس جزء کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے سجدہ کے بعد بھی کچھ دیر بیٹھا جائے، یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں بھی دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ کو جلسہ استراحت کہتے ہیں، امام شافعیؒ اس کو سنت قرار دیتے ہیں، امام صاحب اس کے مسنون ہونے کا انکار کرتے ہیں، تفصیل آئندہ سطور میں دیکھیں۔

وفی روایۃ ثم ارفع حتی تستوی قائما: اس روایت میں جلسہ استراحت کا تذکرہ نہیں ہے، **وافعل ذالك فی صلاتك كلها،** اپنی پوری نماز اسی طرح پڑھو "صلاتك" سے معلوم ہورہا ہیکہ یہ انفرادی نماز ہے اور منفرد کیلئے قرآت کرنا نماز میں ضروری ہے

اختلافی مسائل

اس حدیث میں کئی مسائل مختلف فیہ ہیں (۱) مثال کے طور پر تکبیر تحریمہ شرط صلاۃ ہے یا رکن صلاۃ (۲) تکبیر میں صرف اللہ اکبر کہا جائے یا اس کے علاوہ جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی بڑائی پر دلالت کرتے ہیں وہ بھی کہے جاسکتے ہیں (۳) سورہ فاتحہ کی تلاوت فرض ہے یا واجب (۴) تعدیل ارکان واجب ہے یا فرض ہے (۵) دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ استراحت مسنون ہے یا نہیں؟ اول الذکر دو مسائل حدیث ۲۹۱ کے تحت تفصیل سے گذر چکے ہیں، اس لئے ان کو یہاں نہیں چھیڑا جائے گا البتہ مؤخر الذکر تین مسائل کی قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

سورہ فاتحہ کی تلاوت فرض ہے یا نہیں؟

احناف کا مذہب: حنفیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ کی قرأت فرض نہیں ہے، فرض تو مطلق قرأت ہے سورہ فاتحہ کی قرات واجب ہے۔

دلائل: (۱) حدیث باب حنفیہ کی دلیل ہے حدیث میں ہے "اقرأ بما تیسر معك من القرآن" (قرآن میں سے جو تم کو آسان معلوم ہو اس کو پڑھو) آپ ﷺ کا یہ فرمان عام ہے، فاتحہ اور غیر فاتحہ سب کو شامل ہے، اور یہ حدیث قرآن مجید کی آیت، "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" کی تشریح ہے جس طرح قرآن میں قرأت کا حکم عام ہے اسی طرح آپ ﷺ نے بھی عام حکم دیا ہے، آپ کا سورہ فاتحہ کی قرآت کو لازم کرنا، یہ خود ساختہ تشریح ہے۔

اشکال: جب آپ ﷺ مطلقاً قرأت کو کافی سمجھتے ہیں تو پھر کم از کم تین چھوٹی آیات یا ایک طویل آیت کی قید کیوں لگاتے ہیں؟

جواب: ایک آیت طویلہ تین آیات قصیرہ کی قید رسول اللہ ﷺ کے عمل متواتر کی بنیاد پر لگاتے ہیں اس سے کم کا ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ سورہ فاتحہ کی قرآت کو فرض قرار دیتے ہیں۔

دلیل: عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے" لَاصَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہاں "لا" نفی جنس کا ہے؛ مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور یہ حدیث قرآن مجید کی آیت "فاقرؤا ماتیسر من القرآن" کیلئے بیان بھی ہے۔

جواب: (۱) یہاں "لا" نفی جنس کے لئے نہیں ہے بلکہ نفی کمال کے لئے ہے یعنی بغیر فاتحہ کی نماز سے فریضہ تو ساقط ہوجاتا ہے لیکن اس پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا، بلکہ نماز واجب الاعادہ رہتی ہے۔

(۲) اس حدیث کو قرآن کریم کی آیت کے لئے بیان قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ قرآن کریم کی آیت مجمل نہیں ہے کہ اس کے لئے بیان کی ضرورت ہو، ائمہ ثلاثہ نے حدیث "لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" سے قرآن مجید کی آیت

"فاقرؤا ما تیسر من القرآن" کی تخصیص کی ہے اور مذکور حدیث سے آیت کی تخصیص درست نہیں ہے کیونکہ مذکور حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے آیت قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے۔

(۳) ائمہ ثلاثہ نے جو حدیث پیش کی ہے اس میں "فصاعداً" کا اضافہ بھی منقول ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ سورہ فاتحہ کا جو حکم ہے وہی حکم سورہ فاتحہ سے کچھ زائد کرنے کا بھی ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ کا یہ کیسا فیصلہ ہے کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کو تو فرض قرار دیتے ہیں اور "فصاعدا" یعنی مازاد علی الفاتحہ کو واجب قرار نہیں دیتے ہیں، بلکہ اسکو صرف مسنون قرار دیتے ہیں، حنفیہ کا مذہب بہت ہی معتدل ہے کہ مطلقاً قرأت فرض ہے اور فاتحہ اور مازاد علی الفاتحہ کی قرآت واجب ہے اگر کوئی ان دونوں کو ترک کرتا ہے تو اسکی نماز نہیں ہوتی، کیوں کہ قرأت ہی نہیں ہوئی۔

تعدیل ارکان فرض ہے یا نہیں؟

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک تعدیل ارکان فرض نہیں ہے، بلکہ تعدیل ارکان واجب ہے، اگر کوئی شخص اس کو چھوڑ دے گا تو فریضہ صلاۃ ساقط ہو جائے گا لیکن نماز واجب الاعادہ رہے گی۔

دلائل: (۱) قرآن مجید کی آیت ہے "وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا" (رکوع اور سجدہ) رکوع کے معنیٰ "انحناء" (جھکنا ہے) اور سجدہ کے معنیٰ "وضع الجبهة على الارض" (زمین میں پیشانی رکھنا) ہے۔ قرآن مجید کی آیت میں تعدیل ارکان کا حکم نہیں ہے، تعدیل کا حکم اخبار آحاد میں ہے اور اخبار آحاد سے قرآن کریم پر زیادتی جائز نہیں ہے، لہٰذا کہا جائے گا کہ مطلقاً جھکنا اور پیشانی رکھنا یہ فرض ہے، آیت قرآن کی بنا پر، اور تعدیل ارکان واجب ہے، احادیث کی بنا پر (۲) ترمذی ص ۶۶ ج ۱، "باب ما جاء في وصف الصلاة" کے تحت حضرت رفاعہ بن رافع کی روایت ہے اس میں انہوں نے جہاں تعدیل ارکان کے ترک پر آپ ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا "فارجع فصل فانك لم تصل" وہیں آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے "فاذا فعلت ذالك قد تمت صلاتك وان انتقصت منه شيئا انتقصت من صلاتك" آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں تعدیل ارکان ترک کرنے پر نماز کے باطل ہونے کا حکم نہیں لگایا بلکہ نقصان کا حکم لگایا ہے اور یہ دلیل ہے اس بات کی ہے کہ تعدیل ارکان واجب ہے کیونکہ اگر فرض ہوتا تو نماز باطل ہو جاتی، صحابہ نے بھی یہی مفہوم سمجھا کہ نماز باطل نہیں ہوتی، چنانچہ راوی بیان کرتے ہیں کہ "وَكَانَ هٰذَا اَهْوَنَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْاُوْلٰى مَنِ انْتَقَصَ مِنْ ذَالِكَ شَيْئًا اِنْتَقَصَ مِنْ صَلَاتِهٖ وَلَمْ تَذْهَبْ كُلُّهَا" مطلب یہ ہے کہ جب شروع میں حضور ﷺ نے فرمایا" فصل فانك لم تصل" تو صحابہ سمجھے کہ تعدیل ارکان کے بغیر نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن جب آپ ﷺ نے فرمایا "فاذا فعلت فقد تمت الخ" تو صحابہ نے سمجھا کہ تعدیل ارکان کے بغیر نماز میں کمی آجائے گی لیکن باطل نہ ہوگی، اسی کو کہا ہے کہ آپ ﷺ نے بعد میں جو بات فرمائی وہ آسان تھی اور پہلے والی بات دشوار تھی۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: یہ حضرات کہتے ہیں کہ تعدیل ارکان فرض ہے، تعدیل ارکان کے بغیر نماز باطل ہو جاتی ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا" فصل فانك لم تصل" آپ ﷺ کا بار بار یہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ تعدیل ارکان فرض ہے۔

جواب: (۱) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز کامل نہیں ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ سرے سے نماز ہوئی ہی نہیں۔

ابھی چند سطور قبل امام صاحبؒ کی دلیل ثانی میں ترمذی کی جو روایت ذکر کی ہے اس میں آپ ﷺ نے فرمایا "اذا فعلت هذا فقد تمت صلاتك وان نقصت شيئا من هذا فانما نقصته من صلاتك" معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان کا ترک کرنا نماز میں

نقصان کا باعث بنتا ہے، نہ کہ نماز کے فساد کا، گذشتہ سطور میں راوی صحابی کا قول بھی نقل ہوا کہ "وکان هذا اهون علیهم الخ" یعنی صحابہ نبی کریم ﷺ کے بیان "فاذا فعلت هذا الخ" ترک تعدیل ارکان کو فساد صلاۃ کا باعث سمجھتے تھے لیکن آپ ﷺ کے بیان کے بعد تعدیل ارکان کو نقصان صلاۃ کا باعث سمجھنے لگے۔

معارف السنن میں علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت محمود حسن دیوبندیؒ نے فرمایا کہ "شافعی اور ان کے ہم نوا لوگ آپ ﷺ کے فرمان "صل فانك لم تصل" کے وہ معنی سمجھتے ہیں جو کہ صحابہ نے نبی پاک ﷺ کے بیان کے بعد سمجھے، یعنی نماز کے کمال کی نفی، آپ کو اختیار ہے جو معنی چاہیں مراد لیں۔

اس کی نظیر اللہ تعالی کے قول "وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ" ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ بہت گھبرا گئے، لیکن جب آیت "لَایُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" نازل ہوئی تو صحابہ کو صحیح مفہوم معلوم ہوا کہ ان کی گھبراہٹ دور ہوگی (معارف السنن : ج : ۳، ص : ۱۳۳) آیت کی تفصیل کے لئے کتب تفسیر کی طرف مراجعت کی جائے۔

(۲) یہ حدیث خبر واحد ہے لہٰذا اس سے قرآن کریم پر زیادتی کرنا درست نہیں ہے قرآن کریم میں مطلقاً رکوع اور سجود کا حکم ہے اس حکم کو خبر واحد کے ذریعہ مقید کر کے یہ کہنا کہ رکوع سجدے وغیرہ میں اطمینان بھی فرض ہے، کتاب اللہ پر زیادتی ہے، جو کہ خبر واحد کے ذریعہ درست نہیں۔

اختلاف کی بنیاد

تعدیل ارکان اور قرات فاتحہ دونوں مسئلوں میں اختلاف اس اصولی اختلاف پر مبنی ہے کہ امام ابوحنیفہ اخبار آحاد سے ثبوت فرضیت کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان ایک درجہ واجب بھی ہے چنانچہ امام صاحب اخبار آحاد سے ثبوت وجوب کے قائل ہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان درجہ نہیں ہے چنانچہ وہ اخبار آحاد سے بھی ثبوت فرضیت کے قائل ہیں۔

جلسۂ استراحت مسنون ہے یا نہیں

جلسۂ استراحت یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد کچھ دیر بیٹھنا مسنون ہے یا نہیں اس سلسلہ میں ائمہ کے مذاہب مختلف ہیں۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون ہے۔

دلیل: (۱) حدیث باب امام شافعیؒ کی دلیل ہے اس میں آپ ﷺ نے دوسرے سجدہ کے بعد فرمایا "ثم ارجع حتی تطمئن جالسا"
(۲) "لَمْ یَنْهَضْ حَتّٰی یَسْتَوِیَ قَاعِدًا" (پہلی اور تیسری رکعت پڑھکر جبتک آپ سیدھے بیٹھ نہیں جاتے کھڑے نہیں ہوتے تھے)

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون نہیں ہے، البتہ جائز ہے۔

دلائل: (۱) "کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْهَضُ عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیْهِ" (یعنی آپ ﷺ جلسۂ استراحت کئے بغیر اپنے پنجوں پر کھڑے ہوجاتے تھے)۔

(۲) "عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ عَیَّاشٍ اَدْرَکْتُ غَیْرَ وَاحِدٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَکَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ فِیْ اَوَّلِ رَکْعَةٍ وَالثَّالِثَةِ قَامَ کَمَا هُوَ وَلَمْ یَجْلِسْ" (صحابہ پہلی اور تیسری رکعت سے سر اٹھانے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھتے نہیں تھے)۔

(۳) "عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ کَانَ یَنْهَضُ فِی الصَّلَاةِ عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیْهِ" (عبداللہ بن مسعودؓ دوسرے سجدہ

کے بعد اپنے پنجوں پر کھڑے ہو جاتے تھے)۔

عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جلسۂ استراحت مسنون نہ ہو، اگر جلسہ استراحت مسنون ہوتا تو اس میں کوئی نہ کوئی ذکر بھی ہوتا لیکن جلسۂ استراحت میں کوئی ذکر منقول نہیں ہے معلوم ہوا کہ جلسہ استراحت مسنون نہیں ہے۔

جلسۂ استراحت وضع صلاۃ کے بھی خلاف ہے، کیونکہ عبادت کی غرض نفس کو مشقت میں ڈال کر اس کی اصلاح کرنا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے "اُجُوْرُكُمْ عَلٰى حَسْبِ نَصَبِكُمْ" اور جلسۂ استراحت میں نفس کو مشقت کے بجائے آرام ہے اسی لئے کہا گیا کہ وضع صلاۃ کے خلاف ہے۔

شوافع کے دلائل کا جواب: اگر جلسۂ استراحت مسنون ہوتا تو نماز کے اوصاف بیان کرنے والے تمام رواۃ اس کا ذکر کرتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اکثر روایات میں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے، معلوم ہوا کہ جلسۂ استراحت مسنون نہیں ہے۔ (۲) جن روایات میں جلسۂ استراحت کا تذکرہ ہے ان کو عذر کی حالت یا مرض کی حالت پر محمول کیا جائے گا، آپ ﷺ کا آخری عمر میں بدن بھاری ہو گیا تھا، اس وجہ سے آپ ﷺ جلسۂ استراحت فرمالیا کرتے تھے؛ چنانچہ حدیث میں ہے "لَا تُبَادِرُوْنِیْ فَاِنِّیْ قَدْ بُدِّنْتُ" مجھ سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کیا کرو، کیونکہ میرا بدن بھاری ہو گیا ہے، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا جلسۂ استراحت فرمانا عذر کی بنا پر تھا اس لئے اس کو مسنون نہیں قرار دیا جائے گا، (۳) یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے جلسۂ استراحت بیان جواز کے لئے کیا ہو اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے، کیونکہ اختلاف مسنون ہونے میں ہے، جو عمل عذر کی بنا پر ہو یا بیان جواز کیلئے ہو اس کو مسنون قرار نہیں دیا جائے گا۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حدیث باب یا اس طرح کی دیگر احادیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہیں۔

حدیث نمبر ۷۳۶ ﴿قاعدہ میں بیٹھنے کی کیفیت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹۱

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَسْتَفْتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَكَانَ اِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذَالِكَ وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى اَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلَاةَ بِالتَّسْلِيْمِ رَوَاهُ مُسْلِم۔

حوالہ: مسلم ص ۱۹۴، ۱۹۵ ج ۱، باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۹۸۔

حل لغات: یشخص اشخص اشخاصا، باب افعال سے بلند کرنا، شخص (ف) شخوصاً الشئی، بلند ہونا، لم یصوبہ صوب تصویباً باب تفعیل سے الشئی جھکانا العقبۃ جمع عقب ہر چیز کا آخر۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز تکبیر سے اور قرأت الحمد للہ رب العالمین سے شروع فرماتے تھے اور جب آپ ﷺ رکوع فرماتے تو اپنا سر مبارک نہ بہت زیادہ بلند فرماتے اور نہ بہت زیادہ پست فرماتے بلکہ درمیان میں رکھتے تھے اور جب آپ ﷺ رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تو بغیر سیدھے کھڑے ہوئے سجدہ میں نہیں جاتے تھے اور جب آپ ﷺ سجدہ سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تو بغیر سیدھے ہوئے دوسرے سجدہ میں نہ جاتے اور ہر دو رکعت کے بعد "التحیات" پڑھتے تھے اور اپنا بایاں پیر بچھاتے اور اپنا دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے، اور آپ ﷺ شیطان کی بیٹھک سے منع فرماتے تھے اور مرد کو دونوں ہاتھ سجدہ میں اس طرح بچھانے سے منع فرماتے تھے جس طرح درندہ بچھاتے ہیں اور آپ ﷺ سلام پر نماز کو ختم فرماتے تھے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کی کیفیت کا ذکر ہے، راوی نے آپ ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل چند باتیں نقل کی ہیں، (۱) آپ ﷺ نماز کی شروعات تکبیر کے ذریعہ کرتے تھے (۲) قرأت کی شروعات الحمدللہ سے کرتے تھے معلوم ہوا کہ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے (۳) رکوع میں پیٹھ اور گردن بالکل برابر رکھتے تھے۔ (۴) قومہ اور جلسہ ضرور کرتے تھے (۵) دو رکعت کے بعد قعدہ فرماتے اور قعدہ میں التحیات الخ پڑھتے تھے، (۶) آپ ﷺ قاعدہ میں عموماً افتراش کے طور پر بیٹھتے تھے، تورک کے طور پر بیٹھنا عذر کے وقت ہوتا تھا۔ افتراش اور تورک کی وضاحت کلمات حدیث کی تشریح کے تحت دیکھیے (۷) آپ جانوروں کی طرح پیر پھیلا کر بیٹھنے اور کتے کی طرح جو کہ شیطان کے بیٹھنے کا طریقہ ہے بیٹھنے سے بھی منع فرمایا۔

کلمات حدیث کی تشریح **یستفتح الصلاۃ بالتکبیر**، آپ ﷺ نماز کو تکبیر تحریمہ سے شروع کرتے تھے، تکبیر تحریمہ فرض ہے یا نہیں؟

تکبیر تحریمہ کے لئے اللہ اکبر کہنا ضروری ہے یا اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور کو بھی کہا جاسکتا ہے؟ ان دونوں مسئلوں میں ائمہ کا اختلاف ہے اس کو دیکھنے کیلئے حدیث ۲۹۱ کی طرف مراجعت کی جائے، تکبیر تحریمہ سے متلق کچھ اہم اگلی حدیث ۷۳۵ میں ہی دیکھ لیا جائے۔

والقرأۃ بالحمد للّٰہ، آپ ﷺ قرأت کی شروعات الحمدللہ رب العالمین یعنی سورہ فاتحہ سے کرتے تھے، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ **بسم اللّٰہ** جہراً نہیں پڑھتے تھے، سورہ فاتحہ کی تلاوت سے قبل بسم اللہ جہراً پڑھی جائے گی یا نہیں، اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ **بسم اللّٰہ** سورت فاتحہ کا جز ہے یا نہیں دونوں اختلاف کو مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

بسم اللہ جز و قرآن ہے یا نہیں؟

امام صاحب کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تسمیہ جزء قرآن ہے مگر ہر سورت کا جز نہیں، تسمیہ کا نزول محض **فصل بین السورتین** اور برکت کے لئے ہوا ہے۔

حنفیہ کے دلائل: (۱) ''وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ'' اس آیت میں ''**سبع مثانی**'' سے مراد سورہ فاتحہ ہے اور سورہ فاتحہ کی سات آیات اسی وقت بنتی ہیں جب کہ بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا جز نہ مانا جائے اور اگر سورہ فاتحہ کا جز **بسم اللّٰہ** کو مانا جائے تو آٹھ آیتیں ہو جائیں گی اور سورہ فاتحہ میں آٹھ آیتیں ہیں نہیں، معلوم ہوا کہ **بسم اللّٰہ** سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔

(۲) "عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ سُوْرَةً مِنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُوْنَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهُ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ" (ترمذی)

تبارك الذی میں تیس آیتیں اسی وقت ہونگی جب **بسم اللّٰہ الخ** کو جز نہ مانا جائے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے۔

دلیل: (۱) " قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَتْ عَلَيَّ اٰنِفًا سُوْرَةٌ وَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ الخ" (ابوداؤد)

(۲) قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صلاته بسم الله الرحمٰن الرحيم . (رواہ الترمذی)

دلیل نمبر(۱) کا جواب: آپ ﷺ نے تبرک کے لئے **بسم اللّٰہ** پڑھی کیونکہ ابتداء سورت میں **بسم اللّٰہ** پڑھنا آداب تلاوت میں سے ہے۔ یا پھر یہ تسمیہ فصل بین السورتین کے لئے ہے۔

دلیل نمبر(۲) کا جواب: یہ بیان جواز پر محمول ہے یا پھر تعلیم امت کے لئے کبھی آپ ﷺ نے ایسا کیا، بعض لوگوں نے اس

حدیث کومنسوخ قراردیاہے،امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ هذا ليس اسناده بذالك.

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کےنزدیک بسم اللّٰہ قرآن کا جز ہی نہیں ہے؛ بلکہ یہ دوسرے اذکار کی طرح ایک ذکر ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: امام مالکؒ بھی انہیں دلائل سے استدلال کرتے ہیں جن میں نماز کے شروع میں تسمیہ کا ترک مصرح ہے، کیونکہ تسمیہ کا ترک اس بات کی دلیل ہے کہ تسمیہ سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے امام مالکؒ حدیث باب سے بھی استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرأت کا افتتاح بسم اللّٰہ سے ہونے کے بجائے الحمد للہ سے ہونے کا بیان ہے،معلوم ہوا کہ جب بسم اللّٰہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ کسی اور سورت کا تو پھر وہ مجموعہ قرآن کا بھی جز نہ ہوگا۔

جواب: بسم اللّٰہ فصل بین السورتین کے لئے نازل ہوئی ہے اس لئے کسی خاص سورت کا جز نہیں ہے،لیکن مجموعہ قرآن کا جز ہے اسلئے کہ قرآن مجید کی تعریف اسپر صادق آرہی ہے یعنی "كَلَامُ اللّٰهِ الْمُنَزَّلُ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ الْمَنْقُوْلُ عَنْهُ نَقْلًا مُتَوَاتِراً بِلَا شُبْهَةٍ"۔

بسم اللّٰہ جہراً پڑھی جائے گی یا سراً؟

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام صاحب کےنزدیک تسمیہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

دلیل: (۱) "عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ عُمَرُؓ وَعَلِيٌّؓ لَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِالتَّاْمِيْنِ" (حضرت عمر اور حضرت علی بسم اللّٰہ، اعوذ باللّٰہ اور آمین زور سے نہیں کہتے تھے)۔

(۲) حدیث انسؓ "صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَخَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَداً مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کی قرأت کرتے نہیں سنا۔

(۳) عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ اَرْبَعٌ يُخْفِيْهِنَّ الْاِمَامُ التَّعَوُّذُ وَالتَّسْمِيَةُ وَسُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ، وَآمِيْنَ . چار چیزیں امام آہستہ کہے گا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ، بِسْمِ اللّٰهِ، تسمیہ، سبحانك الخ .

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً بسم اللّٰہ پڑھنا چاہئے۔

دلیل: (۱) "كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يفتتح صلاته ببسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم"۔

جواب: امام شافعیؒ کی طرف سے یہی دلیل بسم اللّٰہ کے سورت کے جز ہونے کے سلسلہ میں پیش کی گئی تھی۔ وہاں جو جوابات نقل کئے گئے ہیں وہی جوابات یہاں کے لئے بھی کافی ہے،مزید یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ اس حدیث سے صرف تسمیہ کا ثبوت ہوتا ہے، جہراً کا ثبوت نہیں ہے، سراً پڑھنے کے تو ہم بھی قائل ہیں،لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک چونکہ تسمیہ قرآن کا جز نہیں ہے،لہٰذا تسمیہ نہ جہراً پڑھی جائیگی نہ سراً پڑھی جائے گی۔

دلیل: امام مالکؒ حنفیہ کے دلائل سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً حضرت انس کی حدیث جو گذری اسی کو یہ بھی ذکر کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ روایت میں ہے "فلم اسمع احداً منهم يقرءُ ون ببسم اللّٰه" یعنی رسول اللہ ﷺ اور خلفاء میں سے کسی کو قرأت کرتے ہوئے نہیں سنا، یہاں قرأت کی نفی ہے اور وہ سراً و جہراً دونوں کو شامل ہے۔

جواب: جہاں جہاں بھی قرأت کی نفی ہے، وہاں جہراً قرأت کی نفی ہے سراً قرأت کی نفی نہیں ہے۔

احناف کا مذہب معتدل اور راجح ہے، چنانچہ ابوداؤد فرماتے ہیں "فما جهر بالتسمية حتى مات" اس سے ایک بات یہ

معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ تسمیہ پڑھتے تھے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تسمیہ جہراً نہیں پڑھتے تھے۔

نوٹ: یہ اختلاف افضل اور غیر افضل ہونے میں ہے جواز اور عدم جواز میں نہیں ہے، لہٰذا ہر ایک پر عمل کرنا سنت ہے۔

وکان اذا رفع راسه من الرکوع لم یسجد حتی یستوی قائماً حدیث کے اس جز سے تعدیل ارکان کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے، احناف تعدیل ارکان کے خلاف نہیں ہیں، البتہ تعدیل ارکان کو فرض قرار نہیں دیتے، تعدیل ارکان کے مباحث گذشتہ حدیث میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

وکان اذارفع راسه من السجدة لم یسجد حتی یستوی قائماً حدیث کے اس جز سے جلسہ استراحت ثابت ہو رہا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک جلسہ استراحت مسنون ہے احناف اس کو مسنون قرار نہیں دیتے، تحقیقی گفتگو کے لئے حدیث ۷۴۵ دیکھئے۔

وکان یقول فی کل رکعتین التحیة، آپ ﷺ ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے، التحیات کا پڑھنا فرض نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی روایت ہے، ''اِذَا قُلْتَ هٰذَا اَوْ فَعَلْتَ هٰذَا فَقَدْ قَضَیْتَ مَا عَلَیْكَ'' جب تم نے التحیات پڑھ لی یا التحیات پڑھنے کے بقدر بیٹھ لئے تو تمہاری نماز ہوگئی، معلوم ہوا کہ التیحات پڑھنا فرض نہیں ہے۔

وکان یفرش رجله الیسری وینصب رجله الیمنیٰ، حدیث کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا دونوں قعدوں میں بیٹھنے کا یہی معمول تھا، بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے اور دائیں پیر کو کھڑا رکھتے، لیکن اگلی حدیث ۷۴۷ میں قعدہ اولی کے بارے میں یہی کیفیت مذکور ہے لیکن قعدہ ثانیہ کے بارے میں یہ ہے کہ آپ ﷺ بائیں پاؤں کو آگے نکال دیتے اور دائیں پیر کو کھڑا کر کے سرین پر بیٹھ جاتے، یہ دو طرح کی روایات ہیں اس وجہ سے ائمہ کے مابین اختلاف ہو گیا ہے، ہم کیفیت قعدتین اور اختلاف علماء کو نقل کرتے ہیں۔

قعدہ کی کیفیت

اس حدیث میں قعدہ کی ایک کیفیت افتراش کا ذکر ہے جبکہ اگلی حدیث میں قعدہ اولی میں افتراش اور قعدہ ثانیہ میں تورک کا ذکر ہے

افتراش کی حقیقت: افتراش یہ ہے کہ بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ جایا جائے اور دائیں پیر کو کھڑا رکھے۔

تورک کی حقیت: تورک یہ ہے کہ بائیں پیر کو دائیں طرف نکال دیا جائے اور سرین پر بیٹھا جائے۔

اختلاف فقہاء

فقہا کے یہاں قعدہ کی مذکورہ بالا دونوں صورتیں جائز ہیں البتہ افضل ہونے میں اختلاف ہے۔

امام صاحب کا مذھب: امام ابوحنیفہؒ قعدہ اولی واخیرہ دونوں میں افتراش کو افضل قرار دیتے ہیں۔

دلیل: (۱) حدیث باب حنفیہ کی دلیل ہے، اس میں مطلقاً یہ بات کہی گئی ہے ''وکان یفترش الخ' یعنی آپ ﷺ افتراش کے طور پر بیٹھتے تھے۔

(۲) ''وَحَدِیْثُ رِفَاعَةَ ''اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْاَعْرَابِیِّ اِذَاجَلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلٰی رِجْلِكَ الْیُسْرٰی۔ابوداؤد. (آپ ﷺ نے اعرابی سے فرمایا جب قعدہ میں بیٹھو تو اپنے بائیں پیر پر بیٹھو) بائیں پیر پر بیٹھنا افتراش ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔

(۳) مِنْ سُنَّةِ الصَّلَاةِ اَنْ تَنْصِبَ الْقَدَمَ الْیُمْنٰی وَاِسْتِقْبَالَهٗ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ وَالْجُلُوْسُ عَلَی الْیُسْرٰی. (نسائی)
نماز کی سنت میں سے یہ ہے کہ دائیں پیر کو کھڑا رکھا جائے اور اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھا جائے اور بائیں پیر پر بیٹھا جائے۔
یہ تمام احادیث مطلق ہیں لہٰذا ان کا مطلب یہی ہوگا کہ قعدہ اولی اور قعدہ اخیرہ دونوں میں افتراش کے طور پر بیٹھا جائے۔

شوافع کا مذھب: امام شافعیؒ سے قریب امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں دو قعدہ ہوں یعنی رباعی نماز ہو اس کے قعدہ اخیرہ میں تورک افضل ہے اور جس میں ایک قعدہ ہو اس میں افتراش افضل ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل اگلی حدیث ہے " **فاذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله الیسریٰ ونصب رجله الآخری وقعد علی مقعدته .** (بخاری)

(آپ ﷺ جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پیر کو آگے نکال دیتے اور دوسرے یعنی دائیں پیر کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھ جاتے) معلوم ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں تورک کرنا چاہئے۔

جواب: یہ حدیث حالت عذر یعنی مرض وغیرہ یا بڑھاپے کی حالت پر محمول ہے آپ ﷺ کا آخیر عمر میں جسم بھاری ہو گیا تھا اس وقت آپ ﷺ قعدہ آخیرہ کے طویل ہونے کی وجہ سے اس میں تورک فرماتے تھے۔

امام مالکؒ کا مذھب: امام مالکؒ کے نزدیک قعدہ اولیٰ وآخیرہ دونوں میں تورک افضل ہے، مؤطا امام مالکؒ میں ایک روایت ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبید اللہؓ نے اپنے والد عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ وہ مطلقاً تورک کیا کرتے تھے، (مؤطا)۔

جواب: یہ بھی حالت عذر وضعف پر محمول ہے کیونکہ مؤطا امام مالک ہی میں یہ روایت موجود ہے کہ ابن عمرؓ نے تورک کرنے کی وجہ یہ ارشاد فرمایا "وَاِنَّمَا اَفْعَلُ هٰذَا مِنْ اَجْلِ اَنِّیْ اَشْتَکِیْ" (مؤطا)۔ (یعنی میں تورک بیماری کی وجہ سے کرتا ہوں)۔

وکان عن عقبة الشیطان: اور آپ ﷺ عقبہ شیطان یعنی شیطان کیطرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے اس سے مراد "اقعاء" ہے، اور اقعاء کی دو تفسیریں منقول ہیں (۱) الیتین اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا جائے اور ایڑیوں کو الیتین سے ملا کر ساقین کو کھڑا کر لیا جائے یہ **اقعاء کا قعاء الکلب** ہے، (۲) تشہد کی حالت میں جسطرح بیٹھتے ہیں اسی حالت میں بیٹھا جائے اور دونوں ایڑیاں کھڑی کر کے انپر الیتین کو رکھا جائے، عقبۂ شیطان میں دونوں طرح کے اقعاء داخل ہیں لہٰذا دونوں طرح بیٹھنا ممنوع ہے، البتہ عذر کی حالت میں اقعاء ثانی احادیث سے ثابت ہے، مؤطا امام محمد میں روایت ہے " عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ حَکِیْمٍ قَالَ رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ یَجْلِسُ عَلٰی عَقِبَیْهِ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ فِی الصَّلَاةِ فَذَکَرْتُ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا فَعَلْتُهٗ مُنْذُ اِشْتَکَیْتُ" (میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں دونوں سجدوں کے درمیان اپنی ایڑیوں پر بیٹھتے ہیں میں نے وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جب سے بیمار ہوا ہوں تب سے ایسا کر رہا ہوں)۔

"**وینهی ان یفترش الرجل ذراعیه**" آپ ﷺ نے مردوں کو دونوں ہاتھ سجدہ میں درندوں کی طرح بچھانے سے منع کیا ہے یعنی سجدہ میں دونوں ہاتھ زمین سے بالکل ملانا نہ چاہئے۔ ہاتھ اٹھے رہنا چاہئے، "الرجل" (مرد) کی قید سے معلوم ہوا کہ عورتیں دونوں ہاتھ بچھا کر ہی سجدہ کریں گی کیوں کہ اسی میں تستر زیادہ ہے۔

وکان یختم الصلاة بالتسلیم: آپ ﷺ نماز کا اختتام سلام سے فرماتے تھے، یہاں پر دو مسئلے ہیں (۱) نماز سے نکلنے کے لئے "**السّلام علیکم**" کہنا ضروری ہے یا نہیں (۲) دونوں سلام فرض ہے یا ایک سلام فرض ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک **خروج بصنع المصلی** فرض ہے صیغہ سلام کا استعمال واجب ہے اور ایک قول کے مطابق دونوں سلام واجب ہیں اور دوسرے قول کے مطابق پہلا سلام واجب اور دوسرا سلام مسنون ہے، تفصیل کے لئے حدیث ۲۹۱ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۷۳۷ ﴿تکبیر تحریمه کے وقت ھاتھ اٹھانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹۲

وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَا اَحْفَظُکُمْ لِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُهٗ اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْهِ حِذَاءَ مَنْکِبَیْهِ وَاِذَا رَکَعَ اَمْکَنَ یَدَیْهِ مِنْ رُکْبَتَیْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ

فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ اِسْتَوَى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهُ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْآخَرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ١١٤ ج ١، باب سنة الجلوس فی التشهد، کتاب الاذان حدیث ٨٢٨.

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت میں فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ نماز کو تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ جسوقت تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں زانوں کو مضبوطی سے پکڑتے، اور اپنی پشت کو جھکاتے اور سر مبارک اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ سارے جوڑ اپنی اپنی جگہ پر آجاتے اور جب سجدہ میں جاتے تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دیتے اور انہیں نہ پھیلاتے اور نہ سمیٹتے اور پاؤں کی انگلیاں قبلے کی طرف رکھتے اور جب دو رکعت پڑھنے کے بعد بیٹھتے تو بائیں پیر پر بیٹھتے اور دائیں پیر کھڑا رکھتے اور جب آخری رکعت پڑھکر بیٹھتے تو بائیں پیر کو آگے نکال دیتے اور دوسرے پاؤں کو کھڑا کر کے سرین پر بیٹھتے۔ (بخاری)۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ کے تکبیر تحریمہ کیوقت ہاتھ اٹھانے رکوع میں جانے اور رکوع سے کھڑا ہونے، سجدہ کرنے اور قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ میں بیٹھنے کی کیفیات کا بیان ہے۔ مزید تحقیق وتشریح کیلئے کلمات حدیث کے مباحث دیکھئے

کلمات حدیث کی تشریح وعن ابی حمید الساعدی، ان راوی کا نام عبدالرحمن ہے یہ ان اصحاب نبی میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ عرصہ گذارا ہے اور اپنی قوت یادداشت وحافظہ کی پختگی کی بنا پر رسول اللہ کی نماز کو بہت قاعدہ سے یاد رکھا ہے۔

رأیته اذا کبر، یہ راوی کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے، تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے، نماز میں فعلی ابتدا اس سے اور قولی ابتداء اللہ اکبر کہہ کر ہوتی ہے، ابتداء فعلی اور قولی میں کوئی منافات نہیں، دونوں کام ایک ساتھ ہو سکتے ہیں اور دونوں پر ابتداء کا حکم لگانا صحیح ہے۔

کیفیت تکبیر میں اختلاف ائمہ

اس بات میں تو اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون ہے، چنانچہ صاحب مرقات نے قاضی کا قول نقل کیا ہے، " اِتَّفَقَتِ الْأُمَّةُ عَلٰى أَنَّ رَفْعَ الْيَدِ عِنْدَ التَّحْرِيْمِ مَسْنُوْنٌ"، لیکن کیفیت رفع میں اختلاف ہے، رفع یدین کب کب کیا جائے یہ بھی مختلف فیہ اور معرکۃ الاراء مسئلہ ہے اس کو میں اگلی حدیث کے تحت نقل کروں گا، یہاں صرف کیفیت رفع کے اختلاف کو نقل کیا جاتا ہے۔

حنفیہ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا چاہئے۔

دلیل: آگے مالک بن حویرثؓ کی حدیث آرہی ہے "کان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كبر رفع يديه حتى يحاذى بهما اذنيه" (رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور ان کو اپنے کانوں کے برابر لاتے)۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک کندھوں تک ہاتھ اٹھایا جائے۔

دلیل: جمہور کی دلیل حدیث باب ہے اس میں منقول ہے "اذا کبر جعل یدیه حذاء منکبیه" (آپ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کندھوں کے برابر لاتے)۔

جواب: یہ روایت حالت عذر پر محمول ہے، جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ "رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى

اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ اِفْتَتَحَ الصَّلَاۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ حِیَالَ اُذُنَیْہِ ثُمَّ اَتَیْتُھُمْ فَرَاَیْتُھُمْ یَرْفَعُوْنَ اَیْدِیَھُمْ اِلٰی صُدُوْرِھِمْ فِیْ اِفْتِتَاحِ الصَّلَاۃِ وَعَلَیْھِمْ بَرَانِسُ وَاَکْسِیَۃٌ"۔

تطبیق: اولاً تو یہ سمجھئے کہ یہ اختلاف جائز ناجائز میں نہیں ہے بلکہ صرف افضل اور غیر افضل ہونے میں اختلاف ہے کیونکہ آپؐ سے دونوں طرح کے عمل ثابت ہیں، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ روایت ہے "رفع یدین الی المنکبین" الی الاذنین اور الی فروع الاذنین" تینوں ثابت ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نزع لفظی ہے اور تطبیق یوں ہوگی کہ ہاتھ کی ہتھیلی کاندھے تک ہو، انگوٹھے کان تک ہوں اور انگلیوں کے سرے کان کے بالائی حصہ تک ہوں اس طرح تمام روایت پر عمل ہو جائے گا۔

علامہ طیبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعیؒ جب مصر آئے، تو ان سے تکبیر کے وقت رفع یدین کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ مصلی اپنے ہاتھوں کو اس طور پر اٹھائے کہ اس کی ہتھیلیاں اس کے دونوں مونڈھوں کے سامنے ہوں اور انگوٹھے اس کے دونوں کانوں کے لو کے مقابل میں ہوں اور اس کی انگلیوں کے کونے دونوں کانوں کے بالائی حصہ تک ہوں۔

صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ یہ بہترین تطبیق ہے اس کو ہمارے بعض مشائخ نے بھی اختیار کیا ہے۔

تکبیر تحریمہ کی مشروعیت: تحریمہ کی مشروعیت عبادت کے طور پر ہے یا کسی اور حکمت سے؟ اسمیں کئی قول ہیں (۱) توحید کیطرف اشارہ کرنے کیلئے مشروع ہوئی ہے (۲) جو مقتدی "اللّٰہ اکبر" سن نہ سکتا ہو وہ دیکھ کر امام کی اقتداء کرلے، اسلئے تکبیر مشروع ہوئی، (۳) اسمیں دنیا کے تمام امور کو پس پشت ڈال کر مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیطرف متوجہ ہونیکی جانب اشارہ کیلئے مشروع ہے۔

پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں یا پہلے زبانی تکبیر کہی جائے؟ اس میں چند اقوال ہیں (۱) پہلے ہاتھ بلند کئے جائیں، پھر زبان سے تکبیر کہی جائے اور زبانی تکبیر کے ختم ہوتے ہوئے اٹھائے ہوئے ہاتھوں کو نیچے گرا کر باندھ لے (۲) پہلے ہاتھوں کو بلند کرے پھر زبانی تکبیر کہے پھر دونوں ہاتھوں کے بلند رہتے ہوئے تکبیر مکمل کرے اسکے بعد ہاتھوں کو نیچے گرا کر باندھے، حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف بھی صرف افضلیت کے حوالے سے ہے ورنہ بھی طریقہ مسنون ہیں، واذا رکع امکن یدیہ، رکوع میں دونوں زانوں کو مضبوطی سے پکڑ لے، اور ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ رکھے، ہمیں یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ رکوع میں ہاتھ کی انگلیاں کشادہ رکھی جائیں، سجدہ میں بند رہیں اور تکبیر تحریمہ وتشہد میں اپنے حال پر رہیں، واللہ اعلم۔

ثم ھصر ظھرہ: مطلب یہ ہے کہ رکوع میں آپ ﷺ گردن اور پیٹھ کو بالکل برابر رکھتے تھے، حافظ ابن حجرؒ نے عیسیٰ کی روایت کے الفاظ بھی یہاں نقل کئے ہیں "غَیْرَ مُقْنِعٍ رَاْسَہُ وَلَا مُصَوِّبٍ" سر بھی پیٹھ اور گردن کے برابر ہی رہتا تھا، اٹھا ہوا یا جھکا نہیں ہوتا تھا، رکوع میں ہاتھ پہلو سے دور رہتے تھے، اس کیلئے حافظ نے یہ حدیث نقل کی ہے "وَوَتَّرَ یَدَیْہِ فَتَجَافٰی عَنْ جَنْبَیْہِ" اور رکوع میں انگلیاں کھلی رہتی تھیں اسکی مزید وضاحت کیلئے حافظ یزید بن حبیب کی روایت نقل کی ہے "وَفَرَّجَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ" (فتح الباری ص ۲۹۰ ج ۳)

فاذا رفع راسه استوی حتی یعود کل فقار، رکوع سے سر اٹھا کر کھڑے ہوئے تو کچھ دیر ٹھہرے، یہاں تک کہ جوڑ اپنی جگہ پر آجاتا "فقا" سر سے سرین تک ہڈیوں کی زنجیر کا ایک حلقہ ہے، حافظؒ نے ابن عربی کا قول نقل کرتے ہوئے کہا کہ ان کی تعداد سترہ ہے، امال زجاج میں ہے کہ اصلاً سات ہیں اس کے علاوہ توابع ہیں، اصمعیؒ نے کہا ہے کہ پچیس ہیں، سات گردن میں، پانچ پشت میں، باقی پسلیوں کے اطراف میں (فتح الباری) مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ نے (القاموس الوحید ص ۱۲۴۶ ج ۲) میں لکھا ہے ان حلقوں کی تعداد انسان میں تینتیس ہوتی ہے، سات گردن میں، بارہ کمر میں، پسلیوں کے درمیان، پانچ پیٹ میں، پانچ سرین میں اور چار سرین کی جڑ میں۔

فاذا سجد وضع یدیه: جب سجدہ میں جاتے تو اپنے ہاتھ رکھتے، اس حدیث میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ قومہ سے سجدہ میں جب جایا جائے تو پہلے ہاتھ رکھا جائے، یا پہلے گھٹنے رکھے جائیں، دونوں صورتیں درست ہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ پہلے گھٹنوں کو رکھا جائے، پر ہاتھ کو پھر ناک کو پھر پیشانی کو، صاحب مرقات اس جز کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ "ای بعد وضع رکبتیه" یعنی آپ ﷺ سجدہ میں ہاتھوں کو گھٹنے رکھنے کے بعد رکھتے تھے۔

ایک راویت بھی ہے "كُنَّا نَضَعُ الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكْبَتَيْنِ فَأُمِرْنَا بِوَضْعِ الرُّكْبَتَيْنِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ" شروع میں سجدہ میں پہلے ہاتھوں کو رکھتے تھے، پھر گھٹنے رکھتے لیکن جب آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پہلے گھٹنے رکھو پھر ہاتھ رکھو تو صحابہؓ اسی پر عمل کرنے لگے۔

غیر مفترش ولا قابضهما: سجدہ کی ہیئت یہی ہے کہ ہاتھ پہلو سے الگ ہوں، اس میں گھسے نہ ہوں اور ہاتھ اٹھے ہوئے ہوں بچھے ہوئے نہ ہوں یعنی بانہوں اور زمین کے درمیان میں خلا ہونا چاہئے اور ہاتھ کی انگلیاں کھلی رکھیں۔

واستقبل باطراف اصابع رجلیه، سجدہ میں پیر کی انگلیوں کے کنارہ قبلہ رخ رہیں، بعض لوگوں نے اس کو واجب بھی قرار دیا ہے لیکن سنت موکدہ ہونے میں تو کوئی شبہ ہے ہی نہیں اس کو ترک کرنا مکروہ ہے۔

فاذا جلس فی الرکعتین: قعدہ کی دو ہیئتیں منقول ہیں (۱) افتراش یعنی بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں پیر کو کھڑا رکھنا، (۲) تورک یعنی سرین کو زمین پر رکھنا اور دونوں پاؤں زمین پر بچھا کر دائیں جانب نکال لینا، قعدہ اولیٰ میں افتراش کا ذکر ہے اور قعدہ اخیرہ میں تورک کا ذکر ہے، امام صاحب کا مذہب دونوں قعدوں میں افتراش کا افضل ہونا ہے یہ جز حدیث ۷۳۳ کے تحت جلدی ہی گذرا ہے، اختلاف مع دلائل وہیں دیکھ لئے جائیں۔ (یہ مباحث فتح الباری، مرقات، طیبی وغیرہ سے مستفاد ہیں)۔

حدیث نمبر ۷۳۸ ﴿رفع یدین کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹۳

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَالِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَالِكَ فِي السُّجُودِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۱۰۲ ج ۱، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولیٰ، کتاب الاذان، حدیث ۷۳۵، مسلم ص ۱۶۸ ج ۱، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین، کتاب الصلاۃ، حدیث ۳۹۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے، نیز جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھاتے اور (رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے) کہتے "سمع الله لمن حمده" "ربنا لك الحمد" (اللہ نے اس شخص کی سن لی جس نے اس کی حمد بیان کی) ہمارے پروردگار تعریف تو آپ ہی کے لئے ہے اور آپ ﷺ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں چند چیزیں بیان کی گئیں ہیں (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت آپ ﷺ کے ہاتھ اٹھانے کی کیفیت اس کا تذکرہ گذشتہ حدیث ۷۳۵ میں تفصیل سے ہو چکا ہے (۲) رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت آپ ﷺ رفع یدین کرتے تھے (۳) رکوع میں آپ ﷺ جو تسبیح پڑھتے تھے وہ بھی حدیث میں منقول ہے (۴) یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ سجدوں میں رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح **کان یرفع یدیه حذو منکبیه،** تکبیر تحریمہ کے وقت آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے تھے، تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھانا افضل ہے؟ پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں یا پہلے اللہ اکبر کہا جائے،

یہ اور اس کے علاوہ دوسرے مباحث کے لئے گذشتہ حدیث ۲۳۷ دیکھیں۔

واذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذالك: آپ ﷺ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین فرماتے تھے۔ رفع یدین کا مسئلہ بہت معرکۃ الاراء اور مشہور ہے اس کو قدرے تفصیل سے ذکر کرتا ہوں۔

مسئلہ رفع یدین

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا بھی حدیث سے ثابت ہے اور اس کا ترک کرنا یعنی رفع یدین نہ کرنا بھی حدیث سے ثابت ہے، بعض لوگوں نے اس مسئلہ میں بہت افراط و تفریط سے کام لیا ہے اور مناظرانہ بحثیں کی ہیں؛ چنانچہ بعض لوگوں نے رفع یدین کو بدعت قرار دیا، تو بعض نے ترک کو حدیث کے خلاف سمجھا، امام بخاریؒ رفع یدین کو سنت قرار دیتے ہیں، انہوں نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے "جزء رفع اليدين" اس میں انہوں نے رفع یدین کا انکار کرنے والوں کی بھرپور تردید کی ہے لیکن انہوں نے بھی ترک رفع کرنے والوں کی تردید میں حد سے تجاوز کیا ہے، اور ترک رفع کی قطعی گنجائش نہیں سمجھتے، اور انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ترک رفع حدیث سے ثابت نہیں ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، دونوں مسلک احادیث سے ثابت ہیں اور دونوں طریقوں پر صحابہ نے عمل کیا ہے؛ اس لئے یہ اختلاف جواز اور عدم جواز کا ہونا ہی نہیں چاہئے، اختلاف کی بنیاد یہ ہونا چاہئے کہ آپ ﷺ کا زیادہ عمل کیا تھا اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ اور صحابہ کے بعد تابعین عام طور سے کیا کرتے تھے اسی بات کو بنیاد بنا کر میں مندرجہ ذیل سطور رقم کر رہا ہوں۔

بیان مذاہب

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت مسنون ہے چنانچہ شامی میں ہے: لَا يَرْفَعُ عِنْدَ تَكْبِيْرَاتِ الْاِنْتِقَالَاتِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَاَحْمَدَ فَيُكْرَهُ عِنْدَنَا "(الشامی ص ۳۷٤) تکبیرات انتقالیہ کے وقت ہاتھ نہیں اٹھائیں جائیں گے اس مسئلہ میں امام شافعیؒ و احمد کا اختلاف ہے ہمارے نزدیک تو ہاتھ اٹھانا مکروہ ہے، یہی مذہب خلفاء راشدین دیگر بہت سے صحابہ و تابعین کا ہے، آثار السنن میں ہے "وَاَمَّا الْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ فَلَمْ يَثْبُتْ مِنْهُمْ رَفْعُ الْاَيْدِیْ غَيْرَ تَكْبِيْرَةِ الْاِحْرَامِ" (خلفاء راشدین سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے)

ترک رفع کے دلائل: عن علقمة قال قال ابن مسعودؓ: اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِيْ مَرَّةٍ " حضرت علقمہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں آپ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں، پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ (ترمذی)

(۲) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ اِلٰى قَرِيْبِ اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ " حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تب اپنے دونوں کانوں کے قریب تک اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، اس کے بعد پھر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ (ابوداؤد)

احناف کی طرف سے اس کے علاوہ بھی دلائل پیش کئے جاتے ہیں، کثیر دلائل دیکھنے کے لئے اعلاء السنن کی طرف رجوع کیجئے، مفتی شبیر صاحب نے غیر مقلدین کے چھپن اعتراض کے جوابات نامی رسالہ میں لکھا ہے اس میں بھی ترک رفع یدین پر پندرہ دلائل پیش کئے ہیں اس کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

شوافع کا مذہب: شوافع فرماتے ہیں کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین سنت موکدہ ہے۔

شوافع کی دلیل: شوافع کی طرف سے بھی بہت سی دلیلیں ذکر کی جاتی ہیں ان میں سب سے مضبوط دلیل حدیث باب یعنی حدیث ابن عمر ہے جس میں حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''اذا کبر للرکوع واذا رفع راسہ من الرکوع رفعھما'' آپ ﷺ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے رفع یدین فرماتے تھے۔

شوافع کی دلیل کا جواب: شوافع نے جو دلیل پیش کی ہے اس کے علاوہ جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان سے صرف رفع یدین کا ثبوت ہوتا ہے، رفع یدین کے ثبوت کے ہم بھی قائل ہیں ان دلائل سے یہ بات تو ثابت نہیں ہوتی کہ حضورؐ کا یہی معمول تھا، اور اخیر زندگی تک آپ ﷺ اسی پر قائم رہے تھے؛ چنانچہ ایک موقع پر مغیرہ بن مقسمؒ نے حضرت ابراہیم نخعی سے حضرت وائل بن حجرؓ کی رفع یدین کی روایت پیش کر کے سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت وائل نے حضور اکرم کو رفع یدین کرتے ایک بار دیکھا ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ترک رفع یدین کرتے ہوئے پچاس بار دیکھا ہے، ابراہیم کے جواب کا حاصل یہی تھا کہ رفع یدین کو ترک رفع یدین کے مقابل ایک اور پچاس کی نسبت احادیث مبارکہ سے ہے، یہی وجہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے موقع پر رفع یدین کی روایت کرنے والے رواۃ کی تعداد پچاس سے زائد ہے لیکن رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع کو نقل کرنے والوں کی تعداد علامہ شوکانیؒ کی تصریح کے مطابق بیس اور علامہ انور شاہ کشمیری کے صراحت کے مطابق پندرہ ہے، ترک رفع کے رواۃ کی تعداد پانچ ہے جو کہ رفع سے بھی بہت کم ہے لیکن یہاں یہ خیال رہے کہ ترک رفع ایک غیر وجودی چیز ہے جس کا بہت زیادہ نقل کرنا ضروری نہیں، جب کہ رفع یدین ایک وجودی چیز ہے اس کو سب لوگ دیکھتے ہیں، پھر ہم آگے اس کی وضاحت کریں گے کہ ترک رفع کے ناقلین اگرچہ کم ہیں لیکن ترک رفع کر کے نماز پڑھنے والے بہت ہیں۔

استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ ابن عمر کی روایت کو اپنا سب سے مضبوط مستدل سمجھتے ہیں، امام بخاری بھی رفع یدین کے زبردست مدعی ہیں اور انہوں نے بھی اسی روایت کو سب سے پہلے پیش کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت اصح الاسانید کے ذریعے آنے کے باوجود ترجیح رفع پر استدلال کے سلسلہ میں مختلف وجوہ کی بنا پر کارآمد نہیں ہے۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ روایت سے صرف یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے رفع یدین بھی کیا ہے، اتنی بات سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے مگر اس سے ترجیح پر استدلال اسی وقت ممکن ہے جب کہ رفع یدین پر دوام و استمرار کے ساتھ تا آخر حیات عمل کی صراحت بھی ہو، اور یہ صراحت کسی بھی معتبر روایت میں نہیں ہے۔ (۲) روایت میں طرح طرح کے اختلافات ہیں مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے اور اسی وجہ سے امام مالک نے بھی روایت کو معمول بہ نہیں بنایا۔ (۳) روایت کے الفاظ مختلف ہیں اس کی وجہ سے مواضع رفع میں چھ طرح کا اختلاف پیدا ہو گیا ہے اس کو محدثین کی اصطلاح میں اضطراب کہتے ہیں اور اس سے کم اضطراب کی صورت میں بھی روایات کو ترک کیا گیا ہے۔ (۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ کے عمل میں اختلاف ہے اور راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس سے استدلال محل نظر ہو جاتا ہے (۵) روایت میں نماز کے تمام اجزاء سے صرف نظر کر کے صرف ایک جزء پر زور دیتے ہیں، صاف اشارہ ہے ہے اس زمانہ خیر القرون میں ترک رفع پر عمل کی کثرت تھی ان وجوہ کی بنا پر یہی کہا جائے گا کہ گو روایت سند کے اعتبار سے نہایت قوی ہے لیکن اس رفع یدین کی ترجیح کو ثابت کرنا نہایت دشوار ہے۔ (ایضاح البخاری ص ۳۳۶ ج ٤)

شبہ: آپ ﷺ کہتے ہیں کہ حضور کا آخری عمل رفع یدین تھا اس پر دلیل پیش کیا جائے، لیجئے حاضر ہے ابن عمر کی روایت ہے **''فَمَازَالَتْ تِلْكَ صَلَاتُهُ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ''** بیہقی نے یہ اضافہ نقل کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔

جواب: یہ بات بالکل محال ہے کہ آپ ﷺ اخیر عمر تک جس عمل پر مداومت کرتے بہت سے صحابہ کرام خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ اس عمل کو ترک کر دیتے، حقیقت یہ ہے کہ یہ اضافہ ضعیف بلکہ موضوع ہے یہ اضافہ جن رواۃ کی طرف سے آیا ہے یہ دو لوگ ہیں (۱) علقمہ بن محمد انصاری (۲) عبدالرحمن بن قریش دونوں پر محدثین نے بہت جرح کی ہے، چنانچہ علقمہ کے بارے میں ابو حاتم کہتے ہیں "لیس بقوی" یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ "کذاب" اسی طرح عبدالرحمن کو سلیمان نے متہم بالوضع قرار دیا ہے۔

رفع یدین کی حکمت

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیوں کیا جاتا ہے اس کی وضاحت تو حدیث ۷۴۳ میں ہو چکی ہے لیکن حدیث میں جن دو مقامات پر رفع یدین کا تذکرہ ہے اس میں رفع یدین کی علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد طویل قیام رہا، لہٰذا نماز کے دوسرے رکن رکوع میں جانے کے وقت نمازیوں کو چوکنا کرنے کے لئے رکوع میں جاتے وقت رفع یدین کیا جاتا ہے پھر رکوع سے سر اٹھاتے کے وقت چوں کہ نماز کے سب سے اہم رکن سجدہ کی تیاری ہوتی ہے اس لئے پھر طبیعت کو بیدار اور نفس کو متوجہ کرنے کی خاطر رفع یدین کیا جاتا ہے، یہ عمل شروع میں تھا بعد میں اس پر عمل کم ہو گیا۔

رفع اور ترک رفع میں عمل کس پر زیادہ؟

یہ بات تو گذر چکی ہے کہ رفع کی روایات زیادہ ہیں ترک رفع کی روایت کم ہیں لیکن عمل کی صورت اس سے مختلف ہے، مدینہ منورہ اور کوفہ دونوں اہم شہر ہیں اور ان دنوں شہروں میں ہزاروں صحابہ تھے، لیکن ان دونوں ہی شہروں میں ایک بھی صحابی ایسے نہیں تھے جو رفع یدین کرتے ہوں، چنانچہ امام مالک حضرت ابن عمرؓ کی روایت کو بہت اہمیت دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود تعامل مدینہ کے پیش نظر ترک رفع کو اختیار کرتے ہیں اور اسی تعامل کی بنا پر ترک رفع کے ناقلین کم ہیں، کیونکہ تعامل خود بہت بڑی دلیل ہے۔

رفع اور ترک رفع رسول اللہ ﷺ سے دونوں طریقہ ثابت ہیں، مجتہدین کا اختلاف اس بات میں ہوا کہ آپ ﷺ کا پہلا عمل کون سا تھا اور آخری عمل کون سا تھا جو حضرات رفع یدین کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ پہلا عمل ترک رفع کا تھا اور آخری عمل رفع کا تھا اور یہی اصل ہے، شروع میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع تھا پھر تدریجا دوسری جگہوں پر بھی رفع ہو گیا، جو لوگ ترک رفع کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں پہلے نماز میں ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کیا جاتا تھا پھر تدریجا اس کو ختم کر دیا، لہٰذا حضور اکرم ﷺ کا یہی آخری عمل ترک رفع ہے اس نقطہ نظر کی بہت عمدہ وضاحت ادلہ کاملہ میں ہے اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ترک رفع کے قائلین کا نظریہ قرین صواب ہے، کیوں کہ اگر احادیث کا جائزہ لیں تو درجہ ذیل مواقع پر رفع یدین کا ذکر ملتا ہے، (۱) صرف تکبیر تحریمہ کے وقت (کما فی روایۃ ابن مسعودؓ) (۲) رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی (کمافی روایۃ ابن عمر) (۳) سجدہ میں جاتے وقت بھی (نسائی شریف ص ۱۶۵ ج ۱، حدیث مالک بن حویرثؓ) (۴) دونوں سجدوں کے درمیان بھی (ابوداؤد شریف ص ۱۰۵ ج ۱، حدیث وائل بن حجرؓ) (۶) تیسری رکعت کے شروع میں بھی (بخاری شریف ص ۱۰۲ ج ۱، حدیث ابن عمرؓ) (۷) ہر اونچ نیچ پر (عند کل خفض ورفع) (ابن ماجہ ص ۶۲ حدیث عمیر بن حبیب ولفظہ یرفع یدیہ مع کل تکبیر)۔

رفع یدین کے یہ تمام مواقع حدیث کی کتابوں میں مروی ہیں لیکن امام شافعیؒ و امام احمدؒ صرف تین موقعوں پر رفع یدین کو سنت سمجھتے ہیں باقی جگہوں میں منسوخ مانتے ہیں، لہٰذا فی الجملہ نسخ ان حضرات نے بھی تسلیم کر لیا یعنی مذکورہ بالا سات جگہوں میں سے پانچ جگہوں میں قائلین رفع بھی نسخ تسلیم کرتے ہیں اور ایک جگہ یعنی تکبیر تحریمہ کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ نسخ نہیں ہوا ہے، اب اختلاف صرف یہ ہے کہ دوسری صورت میں یعنی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین منسوخ ہو گیا، ہم اگر نقطہ نظر کے اس

اختلاف کو سمجھنا چاہیں اور جاننا چاہیں کہ کون سا نقطہ نظر صحیح ہے؟ تو بھی ایک مثال پیش نظر رکھنی ہوگی، وہ مثال یہ ہے کہ ایک بڑے محل کے بارے میں ہمارے سامنے مختلف رپوٹیں ہیں کہ اس کے ایک کمرہ میں بجلی ہے تین کمروں میں بجلی ہے چار میں، پانچ میں، چھ میں سات میں اور ہر کمرہ میں بجلی ہے، رپوٹوں کے اس اختلاف کو ختم کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں اگر صورت حال یہ ہے کہ تدریجا بجلی بڑھائی گئی ہے تو ہمیں آخری رپوٹ لینی ہوی کہ ہر کمرہ میں بجلی ہے اور باقی رپوٹوں کے بارے میں ہمیں کہنا ہوگا کہ وہ پہلے زمانہ کی رپوٹیں ہیں جب کہ اتنے ہی کمروں میں بجلی لگی تھی اور اگر صورت حال دوسری ہے یعنی تدریجا بجلی ختم کی گئی ہے تو پھر ہمیں ایک کمرہ والی رپوٹ لینی ہوگی اور باقی کے بارے میں یہ کہنا ہوگا کہ وہ پہلے زمانہ کی رپوٹیں ہیں جب کہ ان کمروں میں بھی بجلی تھی مگر وہ بعد میں ختم کردی گئی۔

مذکورہ بالا مثال کی روشنی میں معقول نقطہ نظر صرف دو ہی ہوسکتے ہیں، صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین مانا جائے، باقی روایتوں کے بارے میں کہا جائے کہ وہ سب روایتیں صحیح ہیں مگر پہلے زمانہ کی ہیں وہ بعد میں منسوخ ہوگئی ہیں، یا پھر ہر اونچ نیچ میں رفع یدین مانا جائے اور باقی روایتوں کے بارے میں کہا جائے کہ وہ پہلے زمانہ کی ہیں جس وقت صرف انہی مواقع میں رفع یدین تھا، درمیان کی کوئی روایت لینا کوئی معقول نقطہ نظر نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے یہ سمجھا کہ رفع یدین تدریجا ختم کیا گیا ہے اور آخری میں صرف ایک جگہ باقی رہ گیا ہے، اور ان کا یہ سمجھنا بایں وجہ قابل قبول ہے کہ دوسرے امام بھی فی الجملہ نسخ تسلیم کرتے ہیں اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا نقطہ نظر بایں وجہ قابل قبول نہیں ہے کہ وہ ایک طرف نسخ بھی تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف آخری روایت بھی نہیں لیتے بلکہ درمیانی مرحلہ کی ایک روایت لیتے ہیں اور یہ بات کسی طرح معقول نہیں ہوسکتی۔

احناف کے دلائل پر اشکال

احناف کے جو دلائل ہیں ان پر بھی طرح طرح کے اشکالات کئے جاتے ہیں میں نے جو دو دلائل ذکر کئے ہیں ان پر ہونے والے اشکالات و جوابات کو مختصرا ذکر کیا جاتا ہے، پہلی دلیل پر اشکال یہ ہے "قال ابوداؤد ولیس ھو بصحیح علی ھذا المعنی" (مشکوٰۃ) یعنی یہ حدیث سند کے اعتبار سے تو صحیح ہے لیکن مضمون کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔

جواب: مضمون کے اعتبار سے صحت کا دارو مدار سند کی صحت پر ہے لہٰذا مضمون بھی صحیح ہے (۲) حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث ضعیف ہے بلکہ یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح نہیں ہے اور امام ترمذی نے اس کو حسن ہی قرار دیا ہے۔

دوسری دلیل پر اشکال: ہم نے جو دوسری دلیل براء بن عازب کی پیش کی ہے اس پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ "ثم لایعود" کا جملہ یزید بن زیاد راوی کی زیادتی ہے، دوسرے رواۃ کی روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے۔

جواب: عیسیٰ اور حکم بھی یہ جملہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں لہٰذا یزید متفرد نہیں ہیں بلکہ ان کے توابع موجود ہیں (۲) یہ لوگ ثقہ روای ہیں اور ثقہ کی یہ زیادتی معتبر ہوتی ہے۔

وقال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد رکوع سے اٹھنے کیوقت مذکورہ دعا پڑھی جائیگی اس دعا کے پڑھنے میں تین قرأتیں یا یہ کہیے کہ تین روایتیں ہیں (۱) وہ الفاظ جو حدیث باب میں موجود ہیں (۲) اللّٰھم ربنا لک الحمد (۳) ربنا ولک الحمد "ولک الحمد" میں واؤ عاطفہ ہے تقدیری عبارت یہ ہے "ربنا استجب ولک الحمد" بعض لوگوں نے واو کو زائدہ بھی قرار دیا ہے۔

اختلافی مسئلہ

اس دعا کو پڑھنے کے لئے ائمہ میں اختلاف ہوگیا اس کو مختصرا یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام صرف تسمیع یعنی سمع اللہ لمن حمدہ کہیگا، مقتدی صرف تحمید یعنی ربنا لک الحمد"

کہے گا اور منفرد تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کرے گا یعنی سمع الله لمن حمده اور ربنا لك الحمد" دونوں کہے گا، امام مالکؒ کا مذہب بھی حنفیہ کے مطابق ہے۔

دلیل: ترمذی میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے " اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" (آپ ﷺ نے فرمایا جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم لوگ مقتدی ربنا لك الحمد کہو) آپ ﷺ نے اس حدیث میں امام اور مقتدی دونوں کی الگ الگ دعائیں مقرر فرما کر دونوں کے مابین تقسیم فرما دی ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہوتی ہے چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں " اَلْقِسْمَةُ تُنَافِي الشَّرْكَةَ "۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام بھی تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کرے گا۔

دلیل: حدیث باب ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے تسمیع وتحمید کو جمع کیا، روایت کے الفاظ ہیں "قال سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد" بعض لوگوں نے امام شافعیؒ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ امام مقتدی دونوں ہی تسمیع وتحمید کو جمع کریں، امام کے جمع کرنے پر تو دلیل گذر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں کو جمع کیا ہے اور مقتدی کے حق میں استدلال یوں کیا جائے گا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے صلوا كما رأيتموني اصلي " میرے نماز پڑھنے کی طرح نماز پڑھو۔

جواب: یہ ساری باتیں حدیث باب سے اسدلال کر کے کہی جارہی ہے اور حدیث باب میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے تسمیع وتحمید کو جمع کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت حالت انفرادی پر محمول ہے، اور منفرد کیلئے ہم بھی دونوں تسبیحوں کے جمع کرنے کے قائل ہیں " وكان لا يفعل في السجود " سجدہ میں جاتے وقت آپ ﷺ رفع یدین نہیں فرماتے تھے، شروع میں آپ ﷺ سجدہ میں جاتے وقت بھی رفع یدین فرماتے تھے جیسے کہ نسائی ص ۱۶۵ ج ۱، میں مالک بن حویرث کی روایت سے ثابت ہے لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا

ترک رفع یدین کی وجوہ ترجیح

گذشتہ سطور میں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا جائے گا یا نہیں، اس سلسلہ میں مستند کتابوں سے قیمتی مباحث نقل کئے گئے ہیں، وہاں ترک رفع یدین کی وجہ ترجیح الگ سے نہیں ذکر کی جاسکتی تھی، یہاں پر اس کو ذکر کیا جارہا ہے۔

(۱) رفع یدین کی جو روایات ہیں وہ فعلی ہیں، قولی کوئی بھی روایت نہیں ہے جب کہ ترک رفع یدین کی قولی اور فعلی دونوں طرح کی روایات ہیں فعلی روایات مثلاً " عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ " اور قولی مثلاً جابر بن سمرہ کی مسلم میں روایت ہے " مَالِيْ اَرَاكُمْ رَافِعِيْ اَيْدِيْكُمْ " اُسْكُنُوْا فِي الصَّلَاةِ " یہ روایت ترک رفع کے لئے نص صریح ہے، (۲) عہد رسالت میں ترک رفع پر عمل زیادہ رہا ہے اور رفع یدین پر کم عمل رہا ہے جیسے کہ ابراہیم نخعی کا تبصرہ گذر چکا ہے کہ اگر وائل بن حجرؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو عبداللہ بن مسعودؓ نے آپ ﷺ کو پچاس مرتبہ ترک رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے (۳) تعامل مدینہ بھی ترک رفع یدین ہی ہے اسی وجہ سے امام مالکؒ ترک رفع ہی کے قائل ہیں۔

حدیث نمبر ۷۳۹ ﴿دو رکعت کے بعد رفع یدین﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹٤

وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَؓ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذَالِكَ ابْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ۱۰۲ ج ۱، باب رفع اليدين اذا قام من الركعتين، كتاب الاذان حديث ۷۳۹

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھوں کو بلند فرماتے اور جب رکوع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند فرماتے اور جب "سمع الله لمن حمده" کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند فرماتے اور جب دو رکعت کے بعد کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند فرماتے، حضرت ابن عمرؓ نے اس عمل کو نبی پاک ﷺ تک مرفوع فرماتے تھے (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی وہی مضمون ہے جو گذشتہ احادیث میں بیان ہو چکا ہے یہاں ایک بات کا اضافہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ دوسری رکعت سے فارغ ہونے کے بعد جب تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو بھی رفع یدین فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ اس موقع پر بھی احادیث سے رفع یدین کا ثبوت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا دخل فی الصلاۃ کبر، نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے، تکبیر سے متعلق مباحث کیلئے حدیث ۲۹۱ اور حدیث ۷۳۷ دیکھئے، واذا رکع رفع یدیه، رفع یدین سے متعلق مباحث کیلئے حدیث ۷۳۸ دیکھئے۔

واذا قال سمع الله لمن حمده، رکوع سے اٹھتے وقت سمع الله لمن حمده کہا جائے اس خبر سے متعلق تحقیق کے لئے بھی حدیث ۷۳۸ ہی دیکھئے۔ واذا قام من الرکعتین رفع یدیه، تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے ہوئے بھی رفع یدین فرماتے تھے، یہ شروع کا عمل ہے بعد میں متروک ہو گیا، چنانچہ فقہاء اربعہ میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت رفع کیا جائے۔

حدیث باب کا جواب حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور خود جناب نبی کریم ﷺ رکوع میں جاتے وقت رفع یدین فرماتے تھے، جبکہ احناف اس موقعہ پر رفع یدین کے قائل نہیں ہیں، حدیث باب کا جو جواب دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے رفع یدین کیا ہے، محض رفع یدین کا ثبوت حنفیہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ حنفیہ خود کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں ثابت ہیں البتہ ترک راجح ہے اور ترجیح کی وجوہات ما قبل کی حدیث ۷۳۸ میں گذر چکی ہیں انکو دیکھ لیا جائے یہاں ایک اور وجہ ترجیح نقل کی جاتی ہے رفع اور ترک رفع دونوں احادیث سے ثابت ہے، لیکن ترک رفع قرآن مجید کی آیت "قوموا لله قانتین" کے مطابق ہے اور روایات میں اختلاف کیوقت جو روایت قرآنی ہدایت کے زیادہ قریب ہوگی اسکو ترجیح دی جائیگی، اس بنا پر ترک رفع کی روایات راجح ہوگی ورفع ذالک ابن عمر حضرت ابن عمر مذکورہ بالا عمل کو مرفوع قرار دیتے تھے یعنی یہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۷۴۰ ﴿تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹۵

وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَ ذَالِكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری شریف ص ۱۰۲ ج ۱، باب رفع الیدین اذا کبر، کتاب الاذان حدیث ۷۳۷، مسلم ص ۱۶۸ ج ۱، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام، کتاب الصلاۃ، حدیث ۳۹۱.

ترجمہ: مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں کانوں کے مقابل ہو جاتے، اور جب رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور اسی طرح کرتے، (رفع یدین کرتے) ایک روایت میں ہے کہ دونوں ہاتھ کانوں کے اوپر کے حصہ کے مقابل ہو جاتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ جس طرح تکبیر کہتے وقت رفع یدین فرماتے تھے اسی طرح رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین فرماتے تھے اور زبان سے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے، تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا اور کانوں کے اوپری حصہ تک اٹھانا دونوں ہی احادیث سے ثابت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا کبر رفع یدیہ: آپ ﷺ زبان سے تکبیر کہتے اور اسی کے ساتھ ہاتھ بھی اٹھاتے، ہاتھ کہاں تک اٹھنا چاہئے، اس روایت میں تو یہ ہے کہ کانوں کی لو تک اٹھنا چاہئے اور دوسری روایت میں کانوں کے اوپری حصہ تک اٹھنے کا تذکرہ ہے مزید تحقیق کے لئے حدیث ۷۳۷ دیکھئے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین فرماتے تھے یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ حنفیہ خود ہی کہتے ہیں کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں احادیث سے ثابت ہیں لیکن ترک رفع افضل ہے۔ تحقیق کے لئے حدیث ۷۳۸ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۷۶۱ ﴿جلسہ استراحت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹۶

وَعَنْهُ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَاِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِّنْ صَلَاتِهٖ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ۱۱۳ ج ۱، باب من استوی قاعداً فی وتر من صلاتہ ثم نھض، کتاب الاذان حدیث ۸۲۳.

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ اپنی نماز کی طاق رکعت میں جب تک کہ سیدھے بیٹھ نہ جاتے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ پہلی اور تیسری رکعت میں جلسۂ استراحت فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح فی وتر من صلاتہ لم ینھض: حدیث کے اس جزء سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد سیدھے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ ﷺ کچھ دیر کے لئے بیٹھ جاتے تھے، اسی بیٹھنے کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے یہ اور اس جیسی احادیث ہیں جن کی بنا پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جلسۂ استراحت مسنون ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ جلسۂ استراحت مسنون نہیں ہے اور اس قسم کی احادیث عذر یا بیان جواز پر محمول ہیں حنفیہ کے دلائل وغیرہ دیکھنے کے لئے حدیث ۷۳۵ کی طرف رجوع کیجئے۔

حدیث نمبر ۷۶۲ ﴿تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کو باندھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹۷

وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ اَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص ۱۷۳ ج ۱، باب وضع یدہ الیمنی علی الیسریٰ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۰۱.

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہی، پھر ہاتھ کپڑے کے اندر ڈھانک لئے اور اپنے دائیں کو بائیں ہاتھ پر رکھا پھر جب رکوع میں جانے کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھ کپڑے سے نکال کر ان کو اٹھایا اور تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے گئے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو ہاتھوں کو اٹھایا، پھر سجدہ کیا

تو دونوں ہاتھوں کے درمیان کیا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھانا چاہئے اور پھر ہاتھوں کو باندھ لینا چاہئے، باندھنے میں داہنا ہاتھ اوپر بایاں ہاتھ نیچے رہے گا آپ ﷺ نے جب تکبیر کہنے کے وقت ہاتھ اٹھائے تو چادر سے نکال لئے؛ لیکن جب ہاتھ باندھے تو پھر چادر کے اندر لپیٹ لئے اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ وائل بن حجرؓ نے آپ ﷺ کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین بھی کرتے دیکھا۔

کلمات حدیث کی تشریح رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ، جس وقت آپ ﷺ نے نماز شروع کرنے کا ارادہ کیا اس وقت زبان سے اللہ اکبر کہا اور عملی طور پر اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا، پہلے تکبیر کہی جائے یا ہاتھ اٹھائے جائیں، ہاتھوں کو کہاں تک اٹھایا جائے یہ مباحث حدیث ۳۸ ۷ کے تحت دیکھیں۔

ثم التحف بثوبه: آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو آستین سے نکال کر تکبیر کہی، پھر آستین میں اور ایک قول کے مطابق چادر میں اپنے ہاتھوں کو داخل کر لیا، ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ آپؐ نے آستین میں جاڑے کی شدت کی وجہ سے ہاتھوں کو داخل کر لیا، یا اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہاتھوں کو لپیٹ لیا کہ ہاتھ کا کھلا ہونا تکبیر تحریمہ کے علاوہ واجب نہیں ہے، صاحب مرقات نے ابن ملک کے اس قول کو ذکر کر کے تردید کرتے ہوئے کہا کہ تکبیر کے وقت بھی ہاتھ کا کھلا ہونا واجب نہیں ہے، صرف مستحب ہے۔

ثم وضع یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ: پھر آپ ﷺ نے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے بغیر ارسال یعنی ہاتھ چھوڑے بغیر نماز پڑھی آپ ﷺ کے اس عمل سے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت ہوا، اور یہی اکثر لوگوں کا مذہب ہے لیکن بعض لوگ ارسال یعنی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، آئندہ سطور میں اس اختلاف کو مع دلائل نقل کروں گا،

فلما اراد اَخرج یدہ، حضرت وائل بن حجرؓ نقل کر رہے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت دیکھا کہ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کو کپڑے سے نکال کر رفع یدین کیا، احناف ان دونوں مواقع پر رفع یدین کے قائل نہیں ہیں، بظاہر یہ حدیث حنفیہ کے خلاف معلوم ہو رہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ رفع یدین والی حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے، ماقبل میں اس بات کی اچھی طرح سے وضاحت کی جا چکی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں احادیث سے ثابت ہیں، لیکن آپ ﷺ کا اور صحابہ کرام کا بعد کا عمل ترک رفع یدین تھا، اور اس پر دلائل نیز ترک رفع یدین کی وجوہات ترجیح حدیث ۳۸ ۷ کے تحت گذر چکی ہیں، تفصیل کیلئے وہیں دیکھا جا سکتا ہے، جہاں تک کہ حدیث باب کا تعلق ہے تو خصوصی طور پر اس کے بارے میں بس یہ بات ذکر کر دینا کافی ہے کہ ایک صاحب نے ابراہیم نخعیؒ کے سامنے یہی حدیث نقل کر کے کہا کہ وائل بن حجرؓ نے حضور کو مذکورہ بالا دو مواقع پر رفع یدین کرتے دیکھا ہے، تو اس پر ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے آپ ﷺ کو پچاس مرتبہ ترک رفع کرتے ہوئے دیکھا ہے، مقصد یہ تھا کہ ثبوت رفع یدین کو ترک رفع کے مقابلہ احادیث کے ذریعہ سے وہی نسبت حاصل ہے جو ایک کو پچاس کے مقابلہ میں حاصل ہے۔

وضع یدین و ارسال یدین کا بیان

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک ارسال یدین مسنون ہے۔

دلیل: امام مالکؒ کے پاس اپنے مذہب پر کوئی صریح اور مرفوع حدیث موجود نہیں ہے، البتہ بعض آثار سے انکے مذہب کی تائید ہوتی ہے، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "عَنِ الْحَسَنِ وَمُغِيْرَةِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ اَنَّهُمَا كَانَا يُرْسِلَانِ اَيْدِيْهِمَا فِي الصَّلَاةِ" ایسے ہی عبداللہ بن زبیر کے بارے میں ہے "كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ اِذَا صَلّٰى يُرْسِلُ يَدَيْهِ" ابن سیرین اور ابن مسیب کے آثار سے بھی ارسال کا ثبوت ملتا ہے

جمہور کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک ہاتھوں کا باندھنا مسنون ہے۔

دلائل: (۱) حدیث باب ہے جس میں وائل بن حجرؓ کہہ رہے ہیں "وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ" (یعنی آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا) (۲) آگے حدیث آرہی ہے "كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنىٰ عَلىٰ ذِرَاعِهِ الْيُسْرىٰ فِي الصَّلَاةِ" (لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھیں) (۳) ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے "اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُمْسِكَ بِاَيْمَانِنَا عَلىٰ شَمَائِلِنَا فِي الصَّلَاةِ (ہم انبیا کی جماعت ہیں ہمیں حکم ملا ہے کہ ہم نماز میں اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑیں)۔

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب: جو آثار پیش کئے گئے وہ سب اجتہادات ہیں جو کہ مرفوع احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہیں اگر کسی شاذ مرفوع روایت سے ارسال کا ثبوت مل بھی جائے تو بیان جواز یا عذر پر محمول کیا جائے گا۔

محل وضع یدین کا بیان

جو لوگ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کے قائل ہیں اور ارسال کو مسنون قرار نہیں دیتے ہیں ان میں بھی اس بات کو لے کر اختلاف ہے کہ ہاتھ کہاں پر باندھے جائیں گے، یعنی ہاتھ باندھنے پر تو اتفاق ہے لیکن ہاتھ باندھنے کی جگہ پر اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تحت السرۃ یعنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔

دلائل: (۱) وائل بن حجرؓ کی روایت ہے "رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَضَعُ يَمِيْنَهُ عَلىٰ شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ" (میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہوئے ہیں) (۲) حضرت علیؓ کی روایت ہے "مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ" نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا مسنون ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک ناف کے اوپر سینہ کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔

دلیل: حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت ہے " قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنىٰ عَلىٰ يَدِهِ الْيُسْرىٰ عَلىٰ صَدْرِهٖ " (وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینہ کے اوپر رکھ رکھا تھا)۔

جواب: (۱) یہ حدیث شوافع کے مذہب کی مؤید نہیں ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے، حالانکہ شوافع کے نزدیک سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔ (۲) جواز پر محمول ہے۔

مذہب احناف کی وجوہ ترجیح: شوافع نے جو دلیل پیش کی ہے وہ جزوی واقعہ ہے اور احناف نے حضرت علیؓ کی جو دلیل پیش کی ہے وہ ضابطہ کلیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ کلی ضابطہ جزوی واقعہ پر راجح ہوتا ہے۔

(۲) آثار السنن ص ۴۶ ج ۱، پر ہے کہ علی صدرہ کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں، (۳) حضرت وائل کی روایات میں تعارض ہے؛ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں تعارض نہیں ہے۔ اتنی بات تو طے ہوگئی کہ داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے گا ناف کے نیچے رکھا جائے گا، لیکن داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر کس طرح رکھا جائے گا؟ فقہ کی کتابوں میں اس کی صورت یہ لکھی ہے کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے پشت پر رہے، اور خنصر وابہام سے حلقہ بنا کر کلائی کو پکڑ لیا جائے اور مابقیہ تینوں انگلیاں کلائی پر رکھ لی جائیں۔

نوٹ: مذکورہ بالا جو اختلافات نقل ہوئے ہیں یہ اختلافات جائز اور ناجائز کے بارے میں نہیں ہے، صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ ہونے کے بارے میں ہے، لہٰذا جس طریقہ پر بھی عمل کرلیا جائے فریضہ ادا ہو جائے گا البتہ اپنے ائمہ کے مذاہب پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

حدیث نمبر۷۴۳ ﴿دائیں ھاتھ کو بائیں ھاتھ پر رکھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹۸

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِى ا لصَّلَاةِ رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ.

حوالہ: بخاری ص ۱۰۲ ج ۱، باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ، کتاب الاذان، حدیث ۷۴۰.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز پڑھنے والا نماز میں دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کے بعد ہاتھوں کو چھوڑ نہیں دیا جائے گا بلکہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا جائیگا، کیونکہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا یہ اظہار ادب اور اعتراف عبدیت کی سب سے بہتر صورت ہے اسی کو اختیار کرنا چاہئے، جمہور کا مذہب بھی یہی ہے، امام مالکؒ کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے، تفصیل گذشتہ حدیث میں گذر چکی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **کان الناس یؤمرون:** زمانہ نبوت میں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھیں اور ہاتھ باندھکر نماز پڑھیں، بخاری شریف میں اس موقعہ پر ابو حازم کا یہ قول منقول ہے۔ ''لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا يَنْمِى ذَالِكَ اِلَى النَّبِىِّ ﷺ'' حضرت سہل نے جو یہ بات کہی ہے کہ عہد رسالت میں لوگ حکم دیئے جاتے تھے اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ حضرت سہلؓ نے اس حکم کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے، یعنی حضور لوگوں کو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم کرتے تھے، کیونکہ ''یؤمرون'' مجہول کا صیغہ ہے اس طرح کی تعبیر میں حکم کرنی والی ذات آپ ﷺ ہی کی سمجھی جاتی ہے۔

نماز میں وضع یدین افضل ہے یا ارسال؟ کیفیت وضع کیا ہے؟ ان سوالوں کے جوابات کے لئے گذشتہ حدیث ۷۴۱ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۷۴۴ ﴿تکبیرات کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۷۹۹

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى ا للّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِىْ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يَفْعَلُ ذَالِكَ فِى الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۱۰۹ ج ۱، باب التکبیر اذاقام من السجود، کتاب الاذان، حدیث ۷۸۹، مسلم ص ۱۶۹ ج ۱.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے ارادہ سے کھڑے ہوتے تو کھڑے ہونے کیوقت تکبیر تحریمہ کہتے پھر رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہتے، پھر جسوقت رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے پھر کھڑے کھڑے ''ربنا لک الحمد'' کہتے، پھر جب جھکتے تو تکبیر کہتے اور سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جاتے پھر جب اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر ساری نماز پوری کرنے تک یہی عمل کرتے، اور جب دو رکعت پر بیٹھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے تھے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ تمام انتقالات صلاۃ میں خواہ اسکا تعلق رفع سے ہو یا خفض سے یعنی کسی رکن سے جھک کر دوسرے رکن میں جانا ہو یا کسی رکن سے اٹھنا ہو ہر حال میں کوئی نہ کوئی ذکر مسنون ہے اور رکوع سے قومہ کیلئے اٹھتے وقت ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہا جائیگا اور بقیہ تمام انتقالات صلاۃ کے موقعہ پر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہا جائیگا اس روایت میں ابو ہریرہؓ نے بہت وضاحت کے ساتھ یہ بات ذکر کی ہے کہ ہر رفع وخفض میں تکبیر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے تکبیرات خفض کو ترک

کرنے کا معمول بنالیا تھا اور بنوامیہ کے دور میں تو تکبیرات بالکل متروک ہوگئی تھیں، تحقیق کے لئے کلمات حدیث کی تشریح دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذاقام الی الصلاۃ یکبر حین یقوم، یہ تو تکبیر تحریمہ ہے اس موقعہ پر تکبیر کہے جانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تکبیر تحریمہ سے متعلق مباحث کے لئے حدیث ۲۹۱ اور حدیث ۷۳۷ دیکھیں۔

ثم یکبر حین یرکع: رکوع میں جاتے وقت بھی تکبیر کہی جائے، یہ انتقالات صلاۃ میں سے پہلا موقع ہے جہاں خفض یعنی جھکنا ہے، کچھ لوگ اس موقعہ پر ترک تکبیر کے قائل تھے،، ثم یکبر حین یھوی، یہ خفض کا دوسرا موقعہ ہے یہاں بھی کچھ لوگ ترک تکبیر کے قائل تھے ان مقامات پر ترک تکبیر کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ امام قومہ سے رکوع کی طرف یا قومہ سے سجدہ کی طرف جب جائے گا تو وہ مقتدیوں کی نگاہ میں ہوگا، ان مواقع پر تکبیر ترک کی جاسکتی ہے اس کے برخلاف خفض سے رفع کی صورت میں مثلاً سجدہ سے اٹھنے کے وقت اگر امام تکبیر ترک کردے تو اس میں دشواری کھڑی ہوجائے گی، کیونکہ اس وقت امام لوگوں کی نگاہوں میں نہیں ہوتا، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ خفض سے رفع کے وقت تکبیر ترک نہیں کی جاسکتی، البتہ دو رکعت کے بعد تشہد سے فارغ ہوکر جو قیام ہوگا اس میں بھی بنوامیہ کے دور میں ترک تکبیر تھی کیوں کہ اس وقت بھی امام مقتدیوں کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے، بنوامیہ نے ان مواقع پر ترک کا معمول بنالیا تھا، اصل میں ان کو حضرت عثمانؓ کے عمل سے اشتباہ ہوگیا تھا، حضرت عثمان غنیؓ آخیر عمر میں ضعف کی وجہ سے تکبیرات خفض بہت آہستہ کہتے تھے، وجہ یہی تھی کہ زور سے کہے بغیر بھی کام چل جاتا تھا لیکن ان کے بہت آہستہ تکبیر کہنے کی بنا پر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اصل یہی ہے کہ خفض کے موقع پر تکبیر نہ کہی جائے، جیسا کہ بخاری کی مندرجہ ذیل روایت سے اس کی وضاحت ہوتی ہے "عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّهُ اَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ سُنَّةُ اَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (عکرمہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک بوڑھے شخص کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بائیس مرتبہ اللہ اکبر کہا میں نے ابن عباسؓ سے کہا یہ بڑے میاں احمق ہیں تو ابن عباسؓ نے کہا تیری ماں تجھ کو روئے یہی تو ابوالقاسم ﷺ کی سنت ہے) واقعہ یہ ہے کہ تکبیر چار رکعت والی نمازوں میں بائیس مرتبہ ہے کیوں کہ ہر رکعت میں پانچ تکبیر ہیں اس کے علاوہ ایک تکبیر تحریمہ ہے اور ایک تکبیر دو رکعت کے بعد تشہد سے اٹھتے وقت اس طرح کل بائیس تکبیریں ہوگئیں، لیکن ایک زمانہ میں خفض کے مواقع کی تکبیریں بعض مقامات پر اس طرح متروک ہوگئیں تھیں کہ جو لوگ اس پر عمل پیرا تھے ان کو احمق کہنے سے گریز نہیں کیا۔ پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ رکوع سے اٹھتے وقت تو سمع اللہ لمن حمدہ کہا جائے گا، اس کے علاوہ تمام انتقالات صلاۃ میں تکبیر کہی جائے گی اور کل تکبیر کی تعداد بائیس ہے۔

حدیث نمبر ۷۴۵ ﴿نماز میں طویل قیام کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸۰

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّلَاةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص ۲۵۸ ج ۱، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات الخ، کتاب صلاۃ المسافرین، ۷۵۶۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے افضل نماز وہ ہے جس میں قیام لمبا ہو۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں طویل قیام کرنا بہت افضل ہے اور نماز میں ثواب کے زیادہ ہونے کا سبب ہے، کیونکہ ایک نماز طویل ہوگی تو نماز پڑھتے رہنے کا ثواب ہوگا، ساتھ میں طویل قیام کے نتیجہ میں قرآن کریم کی تلاوت میں بھی اضافہ ہوگا لہذا قیام طویل کرنے والا دوہرا اجر کا مستحق ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح افضل الصلاۃ طول القنوت "طویل قنوت" افضل ہے، قنوت کے مختلف معنی ہیں مثلاً اطاعت کرنا نماز میں کھڑے ہونا بات چیت سے رک جانا وغیرہ یہاں قنوت سے مراد نماز میں قیام ہے، نماز لمبی کرنا

نماز کی فضیلت میں اضافہ کا سبب ہے دیگر وجوہات کے ساتھ فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ طویل قیام میں نفس کو زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور زیادہ مشقت اٹھانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری ہے اس لئے ثواب بھی زیادہ ہوگا، آپ ﷺ کا فرمان ہے ''اُجُوْرُکُمْ عَلٰی حَسْبِ نَصَبِکُمْ'' جتنی زیادہ مشقت برداشت کروگے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔

نماز میں طول قیام افضل ہے یا کثرت سجود

اس بات میں اختلاف ہوا کہ نماز میں طول قیام افضل ہے یا کثرت سجود افضل ہے، یعنی دو رکعت طویل قرآت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے یا مختصر قرأت کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھنا افضل ہے۔

امام ابو حنیفہ ؒ کا مذہب: امام صاحب اور امام شافعیؒ کے نزدیک نماز میں طول قیام افضل ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے جس میں افضل صلاۃ کی نسبت طول قیام کی طرف گئی ہے نیز آپ ﷺ کا معمول بھی یہی تھا کہ آپ ﷺ صلاۃ اللیل میں طویل قیام فرماتے تھے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک کثرت سجود طول قیام سے افضل ہے۔

دلیل: ''فَاَعِنِّ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ''.

جواب: کثرت سجود کنایہ ہے کثرت صلاۃ سے، یعنی نماز کثرت سے پڑھو اور جب نماز کی کثرت ہوگی تو سجدہ خود بخود کثیر ہوں گے۔

حنفیہ کے مذہب کی وجہ ترجیح: طول قیام قرآن مجید زیادہ پڑھنے کا سبب ہے اور جس طرح قرآن مجید کا پڑھنا سجدہ میں تسبیحات پڑھنے سے افضل ہے اسی طرح طول قیام کثرت سجدہ سے افضل ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ صلاۃ اللیل میں طویل قیام افضل ہے اور صلاۃ النہار میں کثرتِ سجود کو افضل قرار دیا ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۷۴۶ ﴿رسول اللہ ﷺ کی نماز کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۰۱

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ عَشْرَةٍ مِنْ اَصْحَابِ ا لنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی ا للّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا فَاعْرِضْ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلَاةِ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهِمَا مَنْکِبَیْهِ ثُمَّ یُکَبِّرُ ثُمَّ یَقْرَأُ ثُمَّ یُکَبِّرُ وَیَرْفَعُ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهِمَا مَنْکِبَیْهِ ثُمَّ یَرْکَعُ وَیَضَعُ رَاحَتَیْهِ عَلٰی رُکْبَتَیْهِ ثُمَّ یَعْتَدِلُ وَلَا یُصَبِّیْ رَاْسَهٗ وَلَا یُقْنِعُ ثُمَّ یَرْفَعُ رَأْسَهٗ فَیَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ یَرْفَعُ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهَا مَنْکِبَیْهِ مُعْتَدِلاً ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ ثُمَّ یَهْوِیْ اِلَی الْأَرْضِ سَاجِداً فَیُجَافِیْ یَدَیْهِ عَنْ جَنْبَیْهِ وَیَفْتَحُ أَصَابِعَ رِجْلَیْهِ ثُمَّ یَرْفَعُ رَأْسَهٗ وَیَثْنِیْ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْهَا ثُمَّ یَعْتَدِلُ حَتّٰی یَرْجِعَ کُلُّ عَظْمٍ اِلٰی مَوْضِعِهٖ مُعْتَدِلاً ثُمَّ یَسْجُدُ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰهُ اَکْبَرُ وَیَرْفَعُ وَیَثْنِیْ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْهَا ثُمَّ یَعْتَدِلُ حَتّٰی یَرْجِعَ کُلُّ عَظْمٍ اِلٰی مَوْضِعِهٖ ثُمَّ یَنْهَضُ ثُمَّ یَصْنَعُ فِی ا لرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِهِمَا مَنْکِبَیْهِ کَمَا کَبَّرَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ یَصْنَعُ ذَالِكَ فِیْ بَقِیَّةِ صَلَاتِهٖ حَتّٰی اِذَا کَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِیْ فِیْهَا التَّسْلِیْمُ اَخْرَجَ رِجْلَهُ الْیُسْرٰی وَقَعَدَ مُتَوَرِّکًا عَلٰی شِقِّهِ الْاَیْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوْا صَدَقْتَ هٰکَذَا کَانَ یُصَلِّیْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ مَعْنَاهُ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِاَبِیْ دَاوُدَ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ حُمَیْدٍ ثُمَّ رَکَعَ فَوَضَعَ یَدَیْهِ عَلٰی رُکْبَتَیْهِ کَاَنَّهٗ قَابِضٌ عَلَیْهِمَا وَوَتَرَ یَدَیْهِ فَنَحَّا هُمَا عَنْ جَنْبَیْهِ قَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَمْکَنَ اَنْفَهٗ

وَجَبْهَتَهُ الْاَرْضَ وَنَحّٰی يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ فَخِذَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ بَطْنَهُ عَلٰى شَيْءٍ مِنْ فَخِذَيْهِ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهٖ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَكَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهٖ يَعْنِي السَّبَّابَةَ وَفِيْ اُخْرٰى لَهُ وَاِذَا قَعَدَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلٰى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى وَاِذَا كَانَ فِي الرَّابِعَةِ اَفْضٰى بِوَرِكِهِ الْيُسْرٰى اِلَى الْاَرْضِ وَاَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةٍ وَاحِدَةٍ .

حوالہ: یہ تین حدیثیں ہیں پہلی حدیث ہذا حدیث حسن صحیح تک ہے، دوسری حدیث وفی روایۃ سے ہے، تیسری حدیث وفی اخری سے ہے، تینوں کا میں الگ الگ حوالہ لکھ رہا ہوں۔

پہلی روایت: ابوداؤد ص ١٠٦ ج١، باب افتتاح الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ٧٣٠. دارمی ص ٣٦١. ٣٦٢ ج١، باب صفة صلاة رسول اللهﷺ، کتاب الصلاۃ، حدیث ١٣٥٦. ترمذی ص ٦٧ ج١، باب وصف الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ٣٠٤. ٣٠٥. ابن ماجة باب اتمام الصلاۃ، کتاب اقامة الصلاۃ، حدیث ١٠٦١.

دوسری روایت: ابوداؤد ص ١٠٧ ج١، باب افتتاح الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدث ٧٣٤. ٧٣٥.

تیسری زوایت: ابوداؤد ص ١٠٦ ج١، باب افتتاح الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ٧٣١.

حل لغات: یقنع اقنع اقناعاً راسہ وعنقہ، سراور گردن کا اٹھانا، یحاذی، حاذاہ محاذاۃ وحذاءً، باب مفاعلت سے مقابل ہونا، برابر ہونا، یهوی، ھوالشئی ھویاً (ض) اوپر سے نیچے گرنا، یجافی جافا مجافاۃً باب مفاعلت سے، دور کرنا، جفا (ن) جفوا دور ہونا، یثنی ثنیٰ (ض) ثنیا الشئی موڑنا لپیٹنا، ینھض نھض (ف) نھضاً کھڑا ہونا، مستعدی کے ساتھ اٹھنا، متورکاً تورکا تفعل سے سرین پر بیٹھنا، نحاھما، نحا الشئی ہٹانا، ایک طرف کرنا، فرّج تفعیل سے الشئی کشادہ کرنا،

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دس صحابہ کے درمیان انہوں نے کہا کہ میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں، صحابہ نے کہا کہ آپ بتائیے، تو ابوحمید نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ جس وقت نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، یہاں تک کہ ان دونوں کو اپنے دونوں کاندھوں کے برابر کر لیتے، پھر تکبیر کہتے پھر قرأت کرتے، پھر تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر کر لیتے، پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے، پھر کمر سیدھی کرتے اور اپنے سر کو نہ تو جھکاتے اور نہ بلند کرتے، پھر اپنا سر اٹھاتے اور کہتے "سمع الله لمن حمد" (اللہ نے اسکی سن لی جس نے اللہ کی تعریف کی) پھر سیدھے کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، یہاں تک کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کاندھوں کے برابر کر لیتے، پھر "الله اکبر" کہتے، پھر سجدہ کے لئے زمین کی طرف جھکتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں پہلوؤں سے دور رکھتے اور پیروں کی انگلیوں کو کھول لیتے، پھر اپنا سر اٹھاتے اور اپنا بایاں پیر موڑ کر اس پر بیٹھتے، پھر سیدھے ہوتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ صحیح طور پر آجاتی، پھر سجدہ کرتے، پھر "الله اکبر" کہتے اور اٹھتے اور اپنے بائیں پیر کو موڑ کر اس پر بیٹھ جاتے، پھر سیدھے ہوتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آجاتی، پھر اٹھتے پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے، پھر جب دو رکعت پوری کر کے اٹھتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر اٹھاتے، جیسا کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہتے تھے، پھر اپنی باقی نماز کو اسی طرح پڑھتے، یہاں تک کہ جب وہ سجدہ ہو جاتا جس کے بعد سلام ہے تو اپنا بایاں پیر نکالتے اور اپنی بائیں سرین پر بیٹھ جاتے اور پھر سلام پھیرتے، ان دس صحابہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے سچ کہا آپ ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد، دارمی)

ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کے ہم معنی حدیث نقل کی ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ابوحمید ساعدیؓ کی ایک حدیث کا ایک حصہ اس طرح نقل ہوا ہے کہ آپ نے رکوع کیا اور پھر اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھے، گویا ان کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کان کے چلہ کی طرح کرلیا اور اپنے دونوں کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھا، راوی نے کہا آپ ﷺ نے پھر سجدہ کیا، سجدہ میں اپنی ناک اور ماتھے کو زمین پر ٹھہرایا اور دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے علیحدہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر کئے اور دونوں رانوں کو درمیان سے کشادہ رکھا، اپنے پیٹ کو ران کے کسی حصہ سے ملایا نہیں یہاں تک کہ سجدہ سے فارغ ہوئے، پھر اسی طرح بیٹھے کہ اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنے پاؤں کی پشت کو قبلہ کی طرف کیا اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں بائیں گھٹنے پر رکھا، اور اپنی انگلی یعنی سبابہ سے اشارہ کیا اور ابوداؤد ہی کی ایک روایت یوں ہے کہ جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو اپنے بائیں پیر کو تلوے پر بیٹھتے اور دایاں کھڑا کرتے اور جس وقت چوتھی رکعت کے بعد بیٹھتے تو اپنی بائیں جانب کی سرین کو زمین سے لگا دیتے اور اپنے پیروں کو ایک طرف نکال دیتے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت ابوحمید ساعدیؓ نے دس صحابہ کرام کے درمیان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھنے کی کیفیت کو بیان کیا ہے روایت میں خاص طور سے مندرجہ ذیل چیزوں کا ذکر ہے۔

(۱) تکبیر تحریمہ کہنے کے وقت ہاتھ مونڈھوں تک بلند فرماتے تھے، (۲) قرأت کے بعد رکوع میں جاتے وقت رفع یدین فرماتے تھے، (۳) رکوع میں سر اور پیٹھ بالکل برابر رکھتے تھے، (۴) رکوع سے اٹھتے وقت ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے اور رفع یدین کرتے تھے، (۵) سجدہ میں ہاتھوں کو پہلوؤں سے اور پیٹ کو رانوں سے دور رکھتے تھے، (۶) دو سجدوں کے درمیان جلسہ استراحت کرتے اور جلسہ میں افتراش کے طور پر بیٹھتے تھے، (۷) پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ استراحت فرماتے تھے، (۸) دو رکعت کے بعد جب تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو رفع یدین فرماتے تھے، (۹) قعدہ اخیرہ میں تورک کے طور پر بیٹھتے تھے، (۱۰) قعدہ میں سبابہ انگلی کے ذریعہ اشارہ کرتے تھے۔

نوٹ: حدیث بالا میں مذکورہ بالا امور اور انکے علاوہ چند چیزوں کا تذکرہ ہے، تقریباً تمام چیزیں ماقبل میں گذر چکی ہیں اب ہم ہر ہر چیز کی وضاحت کے بجائے جن احادیث کے تحت یہ مباحث گذر چکے ہیں تشریح کلمات میں ان احادیث کی نشان دہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح قام الی الصلاۃ رفع یدیہ: تکبیر تحریمہ کے موقع پر رفع یدین کے سب لوگ قائل ہیں، تکبیر تحریمہ کے متعلق مباحث کے لئے حدیث ۲۹۱ دیکھئے، حتی یحاذی بھما، تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھانا افضل ہے؟ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مونڈھوں تک اٹھانا چاہئے، احناف کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھانا افضل قرار دیتے ہیں البتہ جائز وہ صورت بھی ہے جو حدیث باب میں مذکور ہے، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے، مزید تحقیق کیلئے حدیث ۷۴۲ دیکھئے۔

ثم یکبر: تکبیر تحریمہ میں پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں گے یا پہلے اللہ اکبر کہا جائے گا حدیث باب سے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں گے پھر تکبیر کہی جائے گی اس سلسلہ میں چند اقوال اور بھی ہیں تحقیق کے لئے حدیث ۷۳۶ کا یہ جز ''پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں یا پہلے زبانی تکبیر کہی جائے؟ دیکھئے۔

ویرفع یدیہ: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے رفع یدین کیا جائے گا، احناف اس موقع پر رفع یدین کے قائل نہیں ہیں، لیکن یہ حدیث حنفیہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں احادیث سے ثابت ہے، البتہ افضل ترک رفع ہے، تحقیق کے لئے حدیث ۷۳۸ دیکھئے۔

فلایصبی راسه ولایقنع، رکوع کی حالت میں آپ ﷺ نہ اپنے سر کو بہت جھکاتے اور نہ بہت اوپر کو اٹھاتے، رکوع میں سر، سرین اور پیٹھ تینوں برابر رہنے چاہئیں۔

ثم یرفع راسه، رکوع سے سر اٹھاتے وقت آپ ﷺ "سمع الله لمن حمد" کہتے تھے، اس جزء سے متعلق تحقیق کے لئے حدیث ۷۳۷ دیکھیں۔ ثم یرفع یدیه، رکوع سے اٹھتے وقت بھی آپ ﷺ رفع فرماتے تھے، حنفیہ اس موقع رفع یدین کے قائل نہیں ہیں، تحقیق کے لئے حدیث ۷۳۷ دیکھئے۔

فیجافی یدیه، مرد سجدہ میں ہاتھوں کو پشت سے ملائے گا نہیں، البتہ عورت سجدہ پست کرے گی کیوں کہ اسی میں تستر زیادہ ہوتا ہے، ویفتح اصابع رجلیه، سجدہ کی حالت میں پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرتے تھے، ویثنی رجله الیسری فیقعد علیها، یعنی رکعت والی میں جس طرح پہلے سجدہ کے بعد بیٹھتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ دوسرے سجدہ کے بعد بھی بیٹھتے تھے، اسی کو جلسہ استراحت کہتے ہیں، جلسہ استراحت شوافع کے یہاں مسنون ہے، حنفیہ اس کے مسنون ہونے کے قائل نہیں ہیں، جن احادیث سے اس کا ثبوت ہے ان کو بیان جواز یا حالت عذر پر محمول کرتے ہیں، تفصیل کے لئے حدیث ۷۳۵ دیکھئے۔

ثم اذا قام من الرکعتین رفع یدیه، دوسری رکعت کے بعد جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے تھے، یہ شروع کا عمل ہے بعد میں اس کو ترک کر دیا، اس موقع پر ائمہ اربعہ میں کوئی بھی رفع یدین کا قائل نہیں ہے۔

وقعد متورکاً، قعدہ اخیرہ میں آپ ﷺ تورک کے طور پر بیٹھتے تھے، تورک اور افتراش دونوں طرح بیٹھنا جائز ہے البتہ افضل ہونے میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ افتراش کو افضل قرار دیتے ہیں اور تورک کے طور پر بیٹھنے کو عذر کی حالت پر محمول کرتے ہیں، تورک وافتراش کی حقیقت اور اختلاف فقہا کے لئے حدیث ۷۳۶ دیکھئے۔

واشار باصبعه، یعنی السبابة، حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تشہد میں اشارہ فرماتے تھے، جمہور کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ اشارہ بالسبابہ مسنون ہے، لیکن حنفیہ میں بعض لوگوں نے اشارہ بالسبابہ کو غیر مسنون قرار دیا ہے، مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اشارہ بالسبابہ کے مسنون ہونے کا انکار کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے، خواہ حنفی علماء ہی کیوں نہ ہوں، اور خواہ وہ کتنی بھی قدآور شخصیت کیوں نہ ہو؟ حق یہی ہے کہ اشارہ بالسبابہ مسنون ہے، اور جو منکرین ہیں، حق ان کے ساتھ نہیں ہے، چنانچہ درس ترمذی میں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی جلالت قدر آور علوشان کے باوجود اس مسئلہ میں ان کی تائید نہیں کی جا سکتی، "لِاَنَّ الْحَقَّ اَنَّ الْحَقَّ لَيْسَ مَعَهُ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ"۔ (درس ترمذی اول)

کیفیت اشارہ

کیفیت اشارہ کے سلسلہ میں بہت سی روایات ہیں لیکن حنفیہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ ابہام اور وسطی سے حلقہ بنالیا جائے اور سبابہ سے اشارہ کیا جائے۔

کس وقت اشارہ کیا جائے ؟: تشہد کے شروع میں تو دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے جائیں گے اور انگلیاں کھلی رہیں گی، کلمہ توحید "اشهد ان لا اله" کہتے وقت خنصر و بنصر کے سروں کو ہتھیلی کے ساتھ بند کر دیا جائے گا اور وسطی وابہام کا حلقہ بنالیا جائے گا۔ اور سبابہ (شہادت کی انگلی کو) لا اله پر اٹھایا جائے گا اور اِلَّا اللّٰہ پر گرا دیا جائے گا۔

حدیث نمبر ۷۴۷ ﴿تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھانے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۰۲

وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهُ اَبْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ

مَنْكِبَيْهِ وَحَاذٰى اِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ يَرْفَعُ اِبْهَامَيْهِ اِلٰى شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۰۵ ج ۱، باب رفع الیدین فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۷۲۴.

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جس وقت آپ ﷺ نمازوں کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ ان کو اپنے دونوں مونڈھوں کے برابر لے آئے، اور انگوٹھوں کو اپنے کانوں کے برابر لے آئے اور تکبیر کہی۔ (ابوداؤد) ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اپنے انگوٹھوں کو اپنے کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی آپ ﷺ کی تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کی کیفیت کا بیان ہے آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند فرماتے تھے کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح رفع یدیه حتی کانتا بحیال منکبیه، تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کہاں تک ہونا چاہئے؟ اس حدیث میں آپ ﷺ کا یہ طریقہ منقول ہے کہ آپ ﷺ کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھاتے تھے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے، شوافع وغیرہ کے یہاں کاندھوں تک ہاتھ اٹھانا افضل ہے اس وجہ سے یہ حدیث ان کے خلاف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ حدیث ۷۳۶ کے تحت یہ تفصیل گذر بھی چکی ہے کہ یہ اختلاف صرف لفظی ہے اس وجہ سے کہ کاندھوں کے مقابل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہتھیلیاں کاندھوں کے برابر ہوں اور کانوں کے مقابل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انگوٹھوں کے سرے کانوں کے برابر ہوں اور یہ دونوں بیک وقت ہو سکتے ہیں لہٰذا کوئی اختلاف نہیں ہے، تفصیل کے لئے حدیث ۷۳۷ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۷۴۸ ﴿نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۰۳

وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَاْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ترمذی ص ۵۹ ج: ۱، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۲۵۲، ابن ماجۃ ص ۵۸، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۸۰۹.

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن ہلب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہماری امامت کرتے تو اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتے۔ (ترمذی ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ ارسال نہیں فرماتے تھے بلکہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر نماز پڑھتے تھے یہی جمہور کا مذہب بھی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فیاخذ شماله بیمینه، جمہور کے نزدیک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا افضل ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ہاتھ کہاں رکھے جائیں گے، حنفیہ کے نزدیک دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہوگی اور بائیں ہاتھ کی کلائی کو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے پکڑا جائے گا بقیہ تین انگلیاں کلائی کے اوپر رہیں گی اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے جائیں گے، شوافع کے یہاں ہاتھوں کو ناف کے اوپر اور سینہ کے نیچے باندھا جائے گا، تحقیق کے لئے حدیث ۳۴۲ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۷۴۹ ﴿نماز پڑھنے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۰۴

وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعِدْ صَلَاتَكَ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِّمْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اُصَلِّيْ قَالَ

إِذَا تَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَمَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَقْرَأَ فَإِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ وَمَكِّنْ رُكُوعَكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَأْسَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلٰى مَفَاصِلِهَا فَإِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنْ لِلسُّجُوْدِ فَإِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ اصْنَعْ ذَالِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَسَجْدَةٍ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَرَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ مَعَ تَغْيِيْرٍ يَسِيْرٍ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ قَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَتَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهِ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَأَقِمْ فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ وَإِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ ارْكَعْ.

حواله: ابوداؤد ص ۱۲٤ ج۱، باب صلاة من لايقيم صلبه في الركوع والسجود، كتاب الصلاة، حديث ۸۰۹. نسائی ص ۱۰۲ ج۱، باب رفع اليدين، كتاب افتتاح الصلاة حديث ۱۰۵۲، ترمذی ص ٦٦ ج۱، باب في وصف الصلاة، كتاب الصلاة؛ حديث ۳۰۲.

ترجمه: حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ ایک شخص آئے اور انہوں نے مسجد میں نماز پڑھی پھر نبی پاک ﷺ کے پاس آکر آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے فرمایا اپنی نماز دہرالو، اس لئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے سکھلا دیجئے کہ میں کیسے نماز پڑھوں، آپ ﷺ نے فرمایا جب تم قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ تو "اللہ اکبر" کہو، پھر تم سورۃ فاتحہ کی تلاوت کرو اور جو اللہ توفیق دے وہ پڑھو، پھر جب تم رکوع میں جاؤ تو اپنے دونوں گھٹنوں پر اپنی ہتھیلیوں کو رکھ دو اور رکوع میں اطمینان حاصل کرلو، اور اپنی پیٹھ کو برابر رکھو، پھر جب تم اپنے سر اٹھاؤ تو اپنی پیٹھ کو سیدھا رکھو، اور اپنے سر کو اٹھاؤ یہاں تک کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں پر آجائیں پھر جب تم سجدہ میں جاؤ تو سجدہ میں سکون حاصل کرو، پھر جب تم سجدہ سے اٹھو تو اپنے بائیں ران پر بیٹھ جاؤ، پھر رکوع اور سجدہ اسی طرح کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سب پورا ہو جائے۔

یہ مصابیح کے الفاظ ہیں، ابوداؤد نے کچھ تغیر کیساتھ اسکو نقل کیا ہے، ترمذی اور نسائی نے بھی اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہے، ترمذی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو وضو کرو جیسے کہ اللہ نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے، پھر اذان دو اور تکبیر کہو پھر اگر تم کو قرآن میں سے کچھ یاد ہے تو پڑھو ورنہ "الحمد اللّٰه" اللّٰه اکبر" اور لا الٰه الا اللّٰه کہہ لو پھر رکوع میں جاؤ۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں تقریباً وہی مضمون ہے جو حدیث ۷۳۵ کے تحت گذر چکا ہے۔ اجمالی طور پر جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہیں (۱) نماز میں تعدیل ارکان کو ترک نہ کرنا چاہئے بغیر تعدیل ارکان کے نماز کامل طور پر ادا نہیں ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی نے جب تعدیل ارکان کے بغیر نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے انسے نماز دہرانے کو کہا، (۲) نماز پڑھنے والے کو جب اپنی غلطی سمجھ میں نہیں آئی تو آپ ﷺ سے دریافت کیا، آپ ﷺ نے انکو انکی غلطی پر مطلع کیا اور تفصیل سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا، معلوم ہوا کہ اگر کوئی بات کا علم نہ ہو تو اسکے جاننے والے سے دریافت کرلیا جائے اور جاننے والا سائل کے فہم کی رعایت کرتے ہوئے دریافت طلب مسئلہ میں اسکی رہنمائی کرے، (۳) اذان وتکبیر کا نماز میں اہتمام کرنا چاہئے، جو شخص قرأت پر قادر نہ ہو وہ قرأت کی جگہ تسبیح پڑھا کرے۔

کلمات حدیث کی تشریح جاء رجل، یہ صاحب جو مسجد میں آئے خلاد بن رافع ہیں، یہ راوی حدیث حضرت رفاعہ بن رافعؓ کے بھائی ہیں، یہ دونوں بھائی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی ہے۔

فصلي في المسجد ثم جاء فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم: پہلے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا پھر حضور کو سلام کرکے آپ ﷺ کے حق کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوئے۔ فقال النبي ﷺ اعد صلاتك، آپ ﷺ نے خلاد بن رافع سے نماز دہرانے کیلئے کہا، یہاں صرف ایک مرتبہ دہرانے کا حکم مذکور ہے لیکن گذشتہ حدیث ۷۳۵ میں تین مرتبہ آپ نے نماز لوٹانے کا حکم دیا ہے۔

علمنی تیسری یا چوتھی مرتبہ میں خلاد بن رافع ؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! میری نماز میں کیا کمی ہے؟ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، آپ ﷺ بتادیجئے کہ میں نماز کس طرح پڑھوں، جب انہوں نے حضور سے نماز سکھانے کی درخواست کی تو آپ ؐ نے ان کو نماز کا طریقہ بتایا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

سوال: حضور ﷺ نے ان کو پہلی مرتبہ میں تعلیم کیوں نہیں دی، بار بار نماز کیوں لوٹوائی؟

جواب: اس کا ایک جواب تو ماقبل میں گذر چکا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ جب حضور ﷺ نے ان سے کہا ''ارجع فصل'' (جاؤ نماز لوٹاؤ) تو ان کو دریافت کرنا چاہئے تھا لیکن جب دریافت نہیں کیا تو گویا انہوں نے زبان حال سے یہ کہا کہ مجھے نماز کا طریقہ معلوم ہے اسی غلطی پر تنبیہ کرنے کیلئے آپ ﷺ نے ان کو اس وقت تک طریقہ نماز نہیں بتایا جب تک کہ انہوں نے دریافت نہیں کر لیا۔

ثم اقرأ بام القرآن وماشاء اللہ، تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ کی تلاوت کرو اور مزید جو سورت وغیرہ چاہو پڑھو اسی طرح کی احادیث سے شوافع استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت فرض ہے، الزامی جواب کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ''ام القرآن'' یعنی سورہ فاتحہ کی تلاوت کے ساتھ وماشاء اللہ یعنی سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن مجید میں سے جہاں سے یاد ہو قرآت کرو کا بھی حکم ہے، آپ اس کو فرض کیوں قرار نہیں دیتے ہیں اس کے تو آپ وجوب کے قائل بھی نہیں ہیں صرف مسنون قرار دیتے ہیں۔

حنفیہ کے یہاں سورہ فاتحہ کی قرأت واجب ہے، اختلاف کا مدار اس بات پر ہے کہ حنفیہ کے یہاں خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا اس حدیث سے بھی سورہ فاتحہ کی تلاوت کا فرض ہونا ثابت نہ ہوگا، شوافع وغیرہ خبر واحد سے ثبوت فرضیت کے قائل ہیں لہٰذا ان کے نزدیک حدیث باب سے سورہ فاتحہ کی فرضیت ثابت ہوجائے گی، کچھ تحقیق حدیث ۷۳۵ کے تحت گذر چکی ہے، مزید تحقیق آگے باب ''باب ما یقرأ بعد التکبیر'' کے تحت دیکھئے۔

فاذا رکعت: اب یہاں سے رکوع وسجدہ وغیرہ کرنے کا طریقہ اور اس میں تعدیل ارکان وغیرہ کا بیان ہے گذشتہ حدیث کے تحت بہت وضاحت سے یہ سب چیزیں گذر چکی ہیں لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ثم تشهد فاقم: ان دونوں لفظوں کی دو تشریحیں کی جاتی ہیں (۱) وضو کے بعد اذان اور اقامت کہو، یعنی اذان دے کر اور تکبیر کہہ کر نماز پڑھو، (۲) وضو کے بعد شہادتین پڑھو اس کے بعد نماز ادا کرو۔

فان کان معك قرآن فاقرأ والا فاحمد اللہ: اگر قرآن مجید میں سے کچھ یاد ہے تو قرآن مجید کی تلاوت فرض ہے لیکن اگر قرآن میں سے کچھ یاد نہیں ہے تو ایسے شخص کو قرأت کی جگہ ذکر وتسبیح کرنا چاہئے، قرأت کی جگہ یہ دعا پڑھی جائے ''سبحان اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر'' اس جز سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن اگر یاد نہیں ہے تو یاد کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، بس اسی تسبیح وتحلیل سے کام چلتا رہے گا یہ حکم اس شخص کے لئے جو کوشش کے باوجود قرأت پر قادر نہ ہو، یا اس شخص کے لئے جو اسلام لایا ہو اور اس کو تعلم قرأت کا موقع نہ ملا ہو۔

حدیث نمبر ۷۵۰ ﴿نفل نماز دو رکعت پڑھی جائے﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۰۵

وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم الصَّلَاةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهُّدٌ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَتَخَشُّعٌ وَتَضَرُّعٌ وَتَمَسْكُنٌ ثُمَّ تُقْنِعُ يَدَيْكَ يَقُوْلُ تَرْفَعُهُمَا اِلٰى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُوْنِهِمَا وَجْهَكَ وَيَقُوْلُ يَا رَبِّ! يَارَبِّ! وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ ذَالِكَ فَهُوَ كَذَا وَكَذَا، وَفِيْ رِوَايَةٍ فَهُوَ خِدَاجٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ).

حوالہ: ترمذی ص ۸۷ ج ۱، باب التخشع فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۳۸۵۔

حل لغات: تخشع تفعل سے گڑگڑانا، عاجزی دکھلانا، تضرع تفعل سے الیہ ولہ، انکساری کرنا اپنی لاچاری و بے بسی کا اظہار کرنا، تمسکن، فریاد کرنا۔

ترجمہ: حضرت فضل بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت میں "التحیات" ہے اور خشوع، عاجزی اور اظہار محتاجگی ہے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاؤ، فضل بن عباس اس جملہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اپنے پروردگار کیطرف اپنے ہاتھوں کو اسطرح اٹھاؤ کہ ہاتھوں کی دونوں ہتھیلیاں اپنے منہ کی جانب ہوں اور یہ کہو اے میرے رب! اے میرے رب! اور جو شخص ایسا نہ کرے اسکی نماز ایسی ہے ویسی ہے اور ایک روایت میں ہیکہ اسکی نماز ناقص ہے۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نفل نماز دو دو رکعت کر کے پڑھنا زیادہ بہتر ہے، نماز کے اندر پوری کوشش اس بات کی ہونی چاہئے کہ خشوع وخضوع فوت نہ ہونے پائے، نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چاہئے، جس نے بغیر خشوع و خضوع کے نماز پڑھی یا نماز کے بعد دعا نہ مانگی تو یہ نماز ایک گونہ ناتمام رہی۔

نفل دو دو رکعت کر کے پڑھی جائے یا چار رکعت ایک سلام سے پڑھی جائے، اس سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک رات ہو یا دن ایک سلام سے چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

دلیل: دن کے سلسلہ میں دلیل یہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ چاشت کی نماز چار رکعت پڑھی ہے اسیطرح ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے کہ "اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيهِنَّ تَسْلِيمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ اَبْوَابُ السَّمَاءِ" (مشکوٰۃ) اور رات میں چار رکعت پڑھنے پر دلیل حدیث عائشہؓ ہے "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلَى اَهْلِهِ فَيَرْكَعُ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ" (ابو داؤد)

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک رات اور دن دونوں وقتوں میں دو دو رکعت کر کے نفل پڑھنا افضل ہے۔

دلیل: شوافع کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "الصلاۃ مثنیٰ مثنیٰ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل نماز دو دو رکعت ہی پڑھنا بہتر ہے۔

جواب: (۱) اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کم از کم نماز دو رکعت پڑھی جائے، ایک رکعت نماز درست نہیں ہے، یعنی یہاں عدد طاق کی نفی مقصود ہے، یہ مقصود نہیں ہے کہ چار رکعت ایک سلام سے نہ پڑھی جائے (۲) بیان جواز پر محمول ہے (۳) مقصد یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر تشہد وقعدہ کرنا چاہئے۔

صاحبین کا مذہب: ان حضرات کے نزدیک دن میں چار رکعت اور رات میں دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔

دلیل: حدیث ابن عمرؓ ہے "صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنىٰ مَثْنىٰ وَصَلَاةُ النَّهَارِ اَرْبَعٌ اَرْبَعٌ" فقہ حنفی میں صاحبین ہی کے مذہب کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

تخشع "تخشع" کا مطلب کہ تذلل اور سکون ہے، اور کہا گیا ہے کہ خشوع وخضوع کے قریب المعنی ہے، خشوع کا تعلق بدن سے ہے اور خضوع کا تعلق نگاہ، بدن، آواز سب سے ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ خشوع کا تعلق باطن سے ہے اور خضوع کا تعلق ظاہر سے ہے، حدیث میں "تخشع" کے الفاظ ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر خشوع پیدا نہ ہو تو بتکلف پیدا کرنا چاہئے، اور خاشعین کی شکل و صورت بنا کر نماز پڑھنا چاہئے، وتضرع یعنی اللہ سے مانگنے میں مبالغہ کرنا چاہئے، اپنے آپ کو حقیر بنا کر پیش کرنا چاہئے وتمسکن مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے اپنی مسکنت وزبوں حالی کا اعتراف کرنا چاہئے۔

ثم تقتنع یدیہ: نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے، ومن لم یفعل جس نے مذکورہ اشیاء کا اہتمام نہیں کیا، اس کی نماز

ناکمل اورادھوری ہے۔ (تلخیص مرقات ص ۲۶۷.۲۶۸ ج۲)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۷۵۱ ﴿تکبیر میں آواز بلند کرنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۰۶

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُعَلَّى قَالَ صَلَّى لَنَا اَبُوْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ۱۱۴ ج۱، باب یکبر وھو ینھض من السجدتین، کتاب الاذان، حدیث ۸۲۵.

ترجمہ: حضرت سعید بن حارث بن معلّٰی سے روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ہمیں نماز پڑھائی تو انہوں نے جس وقت اپنے سر کو سجدہ سے اٹھایا اور جس وقت سجدہ کیا اور جس وقت دو رکعتوں سے اٹھے، تکبیر بلند آواز سے کہی اور انہوں نے فرمایا میں نے اسی طرح نبی پاک ﷺ کو دیکھا۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں بقدر ضرورت تکبیر بلند آواز سے کہنا چاہئے، یہی آپ ﷺ کا طریقہ تھا اور یہی آپ ﷺ کے اصحاب کا بھی طریقہ تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح فجھر بالتکبیر، حضرت ابوسعید خدریؓ نے امامت کی اور تکبیریں بلند آواز سے کہیں حدیث باب میں چند جگہوں میں خاص طور پر بلند آواز سے تکبیر کہنے کا ذکر ہے اس کا قطعی یہ مطلب نہیں ہے کہ بقیہ مواقع پر آپ نے تکبیر بلند آواز سے نہیں کہی، بلکہ اس کو خاص طور پر ذکر کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے، مثال کے طور پر انہیں چند مواقع کے بارے میں دریافت کیا ہوگا، یا پھر انہیں چند مواقع کا ذکر آیا ہوگا، اسی بنا پر راوی حدیث نے خاص طور سے ان مواقع کے بارے میں بتایا کہ ان جگہوں پر ابوسعید خدریؓ نے بلند آواز سے تکبیر کہی تھی۔

حدیث نمبر ۷۵۲ ﴿چار رکعت میں بائیس تکبیریں ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۰۷

وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَ عِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّهٗ اَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ سُنَّةُ اَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری ص ۱۰۸ ج۱، باب التکبیر اذا قام من السجود، کتاب الاذان حدیث ۷۸۸.

ترجمہ: حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے کہ میں نے مکہ میں ایک بوڑھے شخص کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بائیس مرتبہ تکبیر کہیں تو میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ یہ احمق ہیں تو ابن عباسؓ بولے تمہاری ماں تم کو گم کرے، یہی تو ابوالقاسم حضرت محمد ﷺ کی سنت ہے۔ (رواہ البخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بنوامیہ کے دور میں تکبیرات خفض کے ترک کا معمول تھا، حضرت عکرمہؒ نے ایک موقع پر حضرت ابوہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی، حضرت ابوہریرہؓ نے تکبیرات خفض کو بلند آواز سے کہا، حضرت عکرمہ کو یہ بات انوکھی معلوم ہوئی، چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ یہ کیسے احمق آدمی ہیں کہ ان کو نماز پڑھانا بھی نہیں آتا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو عکرمہ کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی، چنانچہ انہوں نے کہا کہ تمہاری ماں تم کو گم کرے یہ تو حضور اکرم ﷺ کی سنت ہے، آپ تمام تکبیرات بلند آواز سے کہتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح شیخ حضرت ابوہریرہؓ مراد ہیں، فکبر ثنتین وعشرین تکبیرۃ، چار رکعت والی نماز میں بائیس تکبیریں ہوتی ہیں، پانچ پانچ تو ہر رکعت میں، ایک تکبیر تحریمہ کے موقع پر اور ایک قعدہ اولیٰ کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت۔

انه احمق، حضرت عکرمہ نے کہا یہ شخص ناواقف معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ حضرت عکرمہ ابو ہریرہؓ کے مقام و مرتبہ سے واقف نہ ہوں اسلئے یہ بات کہی ہو۔ سنة ابی القاسم، حضور اکرم ﷺ کا یہی طریقہ تھا کہ آپ ﷺ تمام تکبیرات کو بلند آواز سے کہتے تھے، حضرت عثمانؓ نے ضعف کی وجہ سے خفض کی تکبیرات آہستہ آواز سے کہیں، بنو امیہ نے تکبیرات خفض کے ترک کا معمول بنالیا، اور یہ اتنا رواج پا گیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے سنت کے موافق نماز ادا کی تو ان کو احمق تک بھی کہا گیا۔ مزید تحقیق کیلئے حدیث ۷۴۴ کے تحت دیکھئے۔

حدیث نمبر ۷۵۳ ﴿آپ ﷺ تمام انتقالات صلاۃ پر تکبیر کہتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۰۸

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يُكَبِّرُ فِي الصَّلَاةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ يَزَلْ تِلْكَ صَلَاتُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حواله: موطا امام مالك ص ۲۵، باب افتتاح الصلاة، كتاب الصلاة، حديث ۱۷۔

ترجمه: حضرت علی بن حسین سے بطریق ارسال روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں جب بھی جھکتے اور جب بھی اٹھتے تکبیر کہتے تھے اور آپ ﷺ ہمیشہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ (موطا امام مالك)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر خفض و رفع کے وقت بقدر ضرورت بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے، اس حدیث میں بنو امیہ کے لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے خفض کے مواقع پر ترک رفع کا معمول بنالیا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح كلما خفض، آپ ﷺ جب بھی نماز میں خفض یعنی رکوع یا سجدہ میں جانے کا ارادہ کرتے تو تکبیر کہتے تھے، ورفع، اور اسی طرح جب اٹھتے مثلاً رکوع سے جب قومہ کی طرف اٹھتے تو تسمیع و تحمید کہتے پھر جھکنے کے لئے تکبیر کہتے، حتی لقی الله، یعنی حضور ﷺ اخیر عمر تک ہر موقع پر تکبیر کہتے رہے، کبھی اس کو ترک نہیں کیا، حدیث ۷۴۴ کے تحت یہی مضمون تفصیل سے مذکور ہے دیکھ لیا جائے۔

حدیث نمبر ۷۵۴ ﴿صرف تکبیر تحریمه کے موقع پر رفع یدین ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۰۹

وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيْرِ الْاِفْتِتَاحِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ اَبُوْدَاوُدَ لَيْسَ هُوَ بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى.

حواله: ترمذی ص ۵۹ ج۱، باب رفع اليدين عند الركوع، كتاب الصلاة، حديث ۲۵۷، ابوداؤد ص ۱۰۹ ج۱، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، كتاب الصلاة حديث ۷۴۸، نسائی ص ۱۰۲ ج۱، كتاب الصلاة، حديث ۱۰۵۷۔

ترجمه: حضرت علقمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ہم سے فرمایا کیا میں تمہیں حضرت محمد ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؛ چنانچہ ابن مسعودؓ نے ہمیں نماز پڑھائی اور صرف تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث اس معنی میں صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ آپ ﷺ نے صرف تکبیر تحریمہ کے موقع پر رفع یدین کیا تھا اسکے علاوہ کسی موقع پر آپ نے رفع یدین نہیں کیا یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے اسوجہ سے کہ حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہیکہ رفع یدین صرف ایک موقع پر کرنا چاہئے، بقیہ جن مواقع کا ذکر دیگر احادیث میں ہے وہ آپ ﷺ کا پہلا عمل ہے، آخری عمل تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع پر ترک رفع ہی ہے

کلمات حدیث کی تشریح الا اصلی بکم صلاۃ رسول اللہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لوگوں سے سوال کیا کہ کیا تم کو میں اس طرح نماز پڑھ کے نہ دکھاں جس طرح حضور ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے، سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ پوری طرح متوجہ ہو جائیں، فصلی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور ﷺ کے طریقہ پر نماز پڑھ کر دکھائی، پوری نماز میں صرف تکبیر تحریمہ کے موقع پر رفع یدین کیا، احناف کا یہی مذہب ہے۔

مذہب حنفیہ کے دیگر دلائل اور شوافع وغیرہ کا مذہب مع دلائل کے لئے حدیث ۷۴۲ دیکھئے۔

قال ابو داؤد لیس ھو بصحیح، ابوداؤد نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، بلکہ حسن ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

حدیث نمبر ۷۵۵ ﴿قبلہ رخ ھوکر نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۱۰

وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَقَالَ اللّٰہُ اَکْبَرُ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ.

حوالہ: ابن ماجہ ۵۸ باب افتتاح الصلاۃ، کتاب اقامۃ الصلاۃ و سنۃ فیھا، حدیث ۸۰۳.

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو قبلے کا استقبال کرتے اور اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے اور اللہ اکبر کہتے۔ (ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں جہت قبلہ کا استقبال ضرور ہونا چاہئے، یہ شرائط صلاۃ میں سے ہے، نماز کی ابتداء تکبیر تحریمہ سے ہوگی، زبان سے اللہ اکبر کہا جائیگا اور ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں گے اسی طرح آپ ﷺ نماز شروع فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح استقبل القبلۃ، حدیث کے اس جز سے معلوم ہوا کہ جہت کعبہ کا استقبال کیا جائیگا نہ کہ کعبہ کا استقبال لازم ہے، اگر کعبہ کا استقبال لازم ہوتا تو آپ ﷺ استقبل القبلۃ فرماتے، ورفع یدیہ، آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک تکبیر تحریمہ میں اٹھائے، تکبیر تحریمہ اور اسکے متعلقات کے حوالے سے مفید مباحث کیلئے حدیث ۷۴۲ دیکھیں

حدیث نمبر ۷۵۶ ﴿آپ ﷺ پشت کیجانب بھی دیکھ لیا کرتے تھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۱۱

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم الظُّھْرَ وَفِیْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ فَاَسَاءَ الصَّلٰوۃَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یَا فُلَانُ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تَرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ رَوَاہُ اَحْمَدَ.

حوالہ: مسند احمد ص ۴۴۹ ج ۲.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی، آخیر صف میں ایک شخص کھڑا تھا جس نے ٹھیک طرح سے نماز نہیں پڑھی، جب اس شخص نے سلام پھیرا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے آواز دے کر پکارا، اے فلاں کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم کیسے نماز پڑھتے ہو تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم لوگ کرتے ہو مجھے اس کی اطلاع نہیں ہوتی ہے، حالانکہ اللہ کی قسم میں اپنے پیچھے بھی ایسی ہی دیکھتا ہوں جیسا کہ میں اپنے سامنے کی چیز دیکھتا ہوں۔ (مسند احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے مقتدیوں میں سے کسی نے ٹھیک طرح نماز نہیں پڑھی، تو آپ ﷺ نے اس کو ٹوکا اور پھر عمومی خطاب کرتے ہوئے کہا گیا کہ کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میں پیچھے کی چیزوں پر مطلع نہیں ہو سکتا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے پیچھے کی چیزوں پر بھی اسی طرح مطلع فرما دیتے ہیں جس طرح آگے کی چیزوں پر مطلع فرماتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح حضور ﷺ نماز میں پیچھے بھی دیکھ لیا کرتے تھے، حضور کو اللہ نے معجزہ عطا فرما رکھا تھا، اس توجیہ سے وہ اشکال خود بخود دفع ہو جائے گا جو اس حدیث سے ہوتا ہے ''اِنِّیْ لَا اَعْلَمُ وَرَاءَ جِدَارِیْ'' کہا جائیگا کہ یہ حدیث غیر صلاۃ کی حالت پر محمول ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ حضور کی گدی میں سوئی کے ناکے کے برابر دو آنکھیں تھیں اسی سے آپ ﷺ پیچھے کی چیزیں دیکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے اس وجہ سے کہ صحیح احادیث میں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام کے احوال مختلف رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یوسف قریب کے کنوئیں میں موجود ہیں لیکن یعقوبؑ جان نہیں سکے اور جب مصر سے یوسف کی قمیص چلی تو اس کی خوشبو محسوس کر لی، اسی طرح آپ ﷺ بھی کبھی کبھی پیچھے کی چیزیں دیکھ لیا کرتے تھے اور کبھی اس کے برعکس معاملہ بھی ہوتا تھا۔ (مستفاد مرقات: ص: ۲۶۷، ۲۶۸، ج ۲)

«باب ما یقرأ بعد التکبیر»

اس باب کے تحت صاحب مشکوٰۃ نے وہ حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان پڑھی جانے والی دعائیں مذکور ہیں، اصلاً تو اس بات میں توسع ہے کہ جو دعاء چاہے پڑھ لی جائے۔ اور دعاء بھی نہ پڑھی جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ احادیث میں متفرق دعائیں مذکور ہیں۔ جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ کوئی ایک دعاء پڑھنا لازم نہیں ہے اسی طرح بعض احادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے بعد بغیر کسی توقف کے قراءۃ فرمائی ہے۔ اسی طرح کی احادیث اس بات کی طرف مشیر ہیں کہ تکبیر تحریمہ اور قراءۃ کے درمیان دعاء پڑھنا لازم نہیں ہے۔ جہاں تک ائمہ اربعہ کے مذاہب کا مسئلہ ہے تو اگلے صفحات میں دلائل کے ساتھ ان کے مذاہب مذکور ہیں امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد کوئی دعاء مسنون نہیں ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک دعائے توجیہ یعنی ''اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ'' پڑھنا بہتر ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں ثنا یعنی ''سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ الخ'' پڑھنا افضل ہے۔ دعاء کے بعد اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے پہلے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' اور ''بِسْمِ اللّٰهِ'' پڑھے جانے کے متعلق چند باتیں یہاں ذکر کرنا برمحل ہوگا۔

(۱) ''تعوذ'' کی نماز میں شرعی طور پر کیا حیثیت ہے۔؟ علماء احناف کے نزدیک قراءت سے پہلے تعوذ کا پڑھنا مسنون ہے۔ یہی جمہور کا بھی مذہب ہے۔ لیکن امام مالک قراءت سے پہلے تعوذ کے قائل نہیں ہیں، امام مالک علیہ الرحمہ ان دلائل سے استدلال کرتے ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے قراءت کی ابتداء ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' سے فرمائی، ہمارا ان دلائل کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ ان سے مراد جہراً قراءت کی ابتداء ہے۔ وہ دلائل سراً ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' اور ''بسم اللّٰه'' پڑھنے کے منافی نہیں ہیں۔ اور جہاں تک اس مسئلہ پر ہماری دلیل کا تعلق ہے تو ارشاد باری ہے ''اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ'' قرآن پڑھو تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' پڑھ لو۔ یہاں اگرچہ امر کا صیغہ ہے جو کہ وجوب پر دلالت کرتا ہے لیکن اسلاف نے اس کے سنت ہونے پر اجماع کیا ہے۔

(۲) تعوذ قراءت سے پہلے ہے یا بعد میں۔ ظواہر ظاہر روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تعوذ قراءت کے بعد ہے۔ ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ جب قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرو تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ'' پڑھو۔ لہٰذا تعوذ تلاوت

قرآن سے پہلے پڑھا جائے گا، نہ کہ بعد میں۔

(۳) سورۂ نمل کے اندر "بِسْمِ اللّٰہِ" جو مذکور ہے وہ بالاتفاق جزوِ قرآن ہے، ہر سورت کے شروع میں جو "بِسْمِ اللّٰہِ" ہے وہ سورت کا جزو نہیں ہے۔ بلکہ دونوں سورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے۔

(۴) "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ" "بِسْمِ اللّٰہِ" کو آہستہ آواز سے پڑھا جائے گا، بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے "بِسْمِ اللّٰہِ" زور سے پڑھی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعلیم امت کی خاطر تھا، آپ ﷺ کا دائمی معمول یہی تھا۔

﴿دعاء استفتاح کی حکمت﴾

(۱) یہ اذکار دل کی حضور کی راہ ہموار کرتے ہیں، حضوریٔ قلب یک دم حاصل نہیں ہوتا، رفتہ رفتہ توجہ منتقل ہے، قراءت شروع کرنے سے پہلے یہ اذکار رکھے گئے تاکہ قراءت کے شروع کرنے کے وقت مکمل طور پر حضوریٔ قلب حاصل ہو جائے۔

(۲) فاتحہ مناجات ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی عاجزی کا اظہار کر کے دعاء مانگی جاتی ہے دعاء استفتاح کے ذریعہ اس مناجات کے لئے دل کو ابھارا جاتا ہے۔

﴿قراءت سے پہلے تعوذ کی حکمت﴾

قراءت سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ" پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ شیطان قراءت کرتے وقت غلط مطلب دل میں نہ ڈال سکے، اور تدبر قرآن سے روک بھی نہ سکے، جب شیطان کے ضرر پہنچانے سے اللہ کی پناہ مانگ لی گئی، تو شیطان کے شرور سے حفاظت کا سامان فراہم کر لیا گیا۔

﴿بسم اللہ کی حکمت﴾

فاتحہ سے پہلے "بسم اللّٰہ" کی حکمت یہ ہے کہ روایات اس سلسلہ میں مختلف ہیں، کہ "بِسْمِ اللّٰہِ" فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں؟ پس احتیاطاً "بِسْمِ اللّٰہِ" پڑھنی چاہئے تاکہ ان روایات پر عمل ہو جائے۔ (ماخوذ حجۃ اللہ البالغہ، ورحمۃ اللہ الواسعۃ)۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۷۵۷ ﴿تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان دعا پڑھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۱۲

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْكُتُ بَیْنَ التَّكْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاءَ ةِ اِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْكَاتَكَ بَیْنَ التَّكْبِیْرِ وَبَیْنَ الْقِرَاءَةِ مَاتَقُوْلُ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا كَمَا یُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ. (متفق علیه)

حواله: بخاری ص ۱۰۳ ج ۱، باب ما یقول بعد التکبیر، کتاب الاذان، حدیث ۷۴۴، مسلم ص ۲۱۹ ج ۱، باب ما یقال بین تکبیرة الاحرام والقرأة، کتاب المساجد، حدیث ۵۹۸.

حل لغات: بَاعِدْ امر حاضر ہے، بَاعَدَ مُبَاعَدَةً وَبِعَادًا، باب مفاعلت سے دور رہنا، کنارہ کش ہونا، نَقِّنِیْ یہ بھی امر حاضر ہے باب تفعیل سے ہے، صاف کرنا آلائشوں سے پاک کرنا، نَقِیَ (س) نَقَاوَةً وَنَقَاءً، الشَّیْءُ صاف ہونا، الدَّنَسُ میل کچیل، گندگی (ج) اَدْنَاسٌ، دَنِسَ (س) دَنَسًا الثَّوْبُ کپڑے کا میلا ہونا، الثَّلْجُ برف (ج) ثُلُوْجٌ، ثَلِجَ (س) ثَلَجًا الْمَاءُ ٹھنڈا ہونا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان باقاعدہ سکوت فرماتے تھے، میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول! آپ تکبیر اور قرأت کے درمیان جو سکوت کرتے ہیں اس میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں یہ دعا پڑھتا ہوں "اللّٰھم باعد بینی الخ" اے اللہ میرے اور گناہوں کے درمیان اتنی دوری پیدا فرما دے

جتنی دوری مشرق اور مغرب کے درمیان ہے، اے اللہ مجھے گناہوں سے ایسا ستھرا کردے جیسے کہ میل کچیل سے سفید کپڑا صاف کیا جاتا ہے اے اللہ میرے گناہوں کو پانی اولے اور برف سے دھودے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ وقفہ فرماتے تھے، صحابہ تو آپ ﷺ کی ایک ایک سنت پر عمل کے شیدائی تھے لہذا ابو ہریرہؓ نے آپ کے ادب واحترام کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ اس درمیان وقفہ میں کیا پڑھتے ہیں؟ ابو ہریرہؓ کے جواب میں آپ ﷺ نے ایک دعا کا تذکرہ کیا ہے۔ (دعا کے الفاظ گذشتہ سطور میں دیکھئے)

کلمات حدیث کی تشریح اسکاتك مطلب یہ ہیکہ آپ ﷺ سے تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان فرمانیوالے سکوت کے بارے میں دریافت کرتا ہوں، حمیدی کی روایت میں ہے "ماتقول فی سکتك بین التکبیر والقرأة" (آپ ﷺ تکبیر اور قرأت کے درمیان جو سکتہ اختیار کرتے ہیں اس میں کیا پڑھتے ہیں؟) سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ کیا چیز پڑھتے ہیں؟ یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ ﷺ کچھ پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے ہیں، اگر یہ مقصد ہوتا تو سائل "ماتقول" نہ کہتے بلکہ "ھل تقول" کہتے۔

سوال: سائل کو کیسے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ درمیانی وقفہ میں کچھ پڑھتے ہیں؟

جواب: منہ کی حرکت کی وجہ سے سمجھ لیا ہوگا کہ آپ ﷺ کچھ پڑھتے ہیں۔

ابن بطال نے امام شافعیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام کی جانب سے یہ سکتہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس درمیان میں مقتدی سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوجائے۔

ابن بطال کی اس بات پر اعتراض کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر سکتہ کا مقصد یہی ہوتا، تو حضور ﷺ جواب میں فرماتے "اسکت لکی یقرأ من خلفی" (میں اس لئے سکوت اختیار کرتا ہوں تاکہ میرے پیچھے جو مقتدی ہیں وہ سورۂ فاتحہ کی قرأت کرلیں)۔

حقیقت یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی طرف یہ بات منسوب کرنا درست نہیں ہے، البتہ احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے یہ بات فرمائی ہے "ان المأموم یقرأ الفاتحة اذا شتعل الامام بدعاء الافتتاح" جب امام ثناء وغیرہ پڑھنے میں مشغول ہوگا تو مقتدی سورۂ فاتحہ کی قرأت کرے گا)۔

امام غزالیؒ کی اس بات کی مخالفت کی گئی ہے کیوں کہ اس صورت میں مقتدی کی سورۂ فاتحہ کی قرأت امام کی سورۂ فاتحہ کی قرأت پر مقدم ہوجائے گا، جو لوگ مقتدی کے حق میں سورۂ فاتحہ کی قرأت فرض قرار دیتے ہیں ان کے یہاں بھی مقتدی کا مقدم ہونا مکروہ ہے، لہذا تحقیقی بات یہی سامنے آتی ہے کہ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان دعاء افتتاح پڑھی جائے گی، فاتحہ کی قرأت نہیں ہوگی، امام شافعیؒ سے صراحتاً یہ بات ثابت ہے کہ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان جو دعا امام پڑھے گا وہی دعا مقتدی بھی پڑھیں گے اور مقتدی سورۂ فاتحہ کی قرأت اس وقت کریں گے جب کہ امام سورۂ فاتحہ اور دوسری سورۃ کے درمیان سکتہ کرے گا، سورہ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان سکتہ حضرت سمرہؓ کی حدیث سے ثابت ہے۔ (فتح الباری ص ۸۹ ج ۳)

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقتدی سورۂ فاتحہ کی قرأت نہیں کرے گا بلکہ خاموشی سے امام کی قرأت سنے گا اس مسئلہ سے متعلق کچھ تحقیق حدیث ۷۹۵ کے تحت گذر چکی ہے تفصیلی بحث آگے آرہی ہے حدیث دیکھئے۔

شوافع کا اپنے مسلک پر استدلال حدیث باب سے بعض لوگوں نے اپنا مطلب یوں نکالا ہے کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان سکوت کے وقت دعا پڑھتے تھے، معلوم ہوا

کہ سکوت ہلکی آواز سے قرأت کرنے کے منافی نہیں ہے، لہذا قرآن میں اللہ تعالٰی کا ارشاد "واذا قری القرآن فانصتوا" سرا قرأت مراد ہونا ممکن ہے۔

جواب: تکبیر اور قرأت کے درمیان جو وقفہ ہے اس کو مجازاً سکوت سے تعبیر کیا ہے؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کے سوال کا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ سکوت میں کیا پڑھتے ہیں، بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ وقفہ میں کیا پڑھتے ہیں؟۔

(۲) سکوت اور انصات میں فرق ہے سکوت تو رفع صوت کے منافی ہے چنانچہ بالکل پست آواز جو کہ بالکل نہ سنی جاسکے، وہ بھی سکوت میں داخل ہے جب کہ انصات کا مطلب ہے کہ پوری توجہ کے ساتھ سننے کے لئے مکمل خاموشی اختیار کرنا، لہذا اسکات کے ذریعہ سے انصات پر استدلال درست نہیں، انصات تو جبھی حاصل ہوگا جب کہ خاموشی سے سنا جائے اگر کوئی آہستہ آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھ رہا ہے تو یہ انصات کی خلاف ورزی کررہا ہے۔

باعد بینی وبین خطای: میرے اور خطاؤں کے درمیان اتنی دوری پیدا کردے جتنی مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ہے، مقصد مغفرت طلب کرنا ہے، "خطای" کا تعلق ماضی سے بھی ہوسکتا ہے اور مستقبل سے بھی، اگر ماضی کے گناہ مراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ میرے گناہوں کو بخش دیجئے، اور اگر مستقبل کے گناہ مراد ہیں تو مطلب یہ ہے کہ جو گناہ میرے مقدر میں ہیں انسے میری حفاظت فرمایئے۔

نقنی من الخطایا مجھے گناہوں سے پاک وصاف کردیجئے، مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے اثرات بالکل ختم کردیجئے، سفید کپڑے کا ذکر اسلئے کیا ہے کہ سفید کپڑوں پر میل زیادہ نمایاں ہوتا ہے اور سفید کپڑے سے میل کے زوال میں محنت صرف ہوتی ہے اور جب وہ صاف ہوجاتا ہے تو دیگر کپڑوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف ستھرا معلوم ہوتا ہے اسی طرح میرے گناہوں کو بھی ختم کرکے مجھ کو مکمل طور پر صاف کردیجئے۔

بالماء والثلج والبرد: میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے دھودیجئے، آسمان سے نازل ہونیوالی تمام مطہرات کو جمع کرکے، دعا کی ان سب چیزوں کے ذریعہ سے میرے گناہوں کو دھودیجئے، مقصد مغفرت کی تمام قسموں کو طلب کرنیکی دعا کرنا ہے، یہ بھی ممکن ہیکہ عذاب نار کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے ٹھنڈی چیزوں سے گناہوں کے دھونے کی دعا کی ہو، جیسے کہ کہتے ہیں "برد اللہ مضجعا"

حافظ ابن حجرؒ نے علامہ کرمانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حدیث باب میں تین دعاؤں کا تذکرہ ہے ممکن ہے کہ تین دعائیں تین زمانوں کے اعتبار سے ہو، گناہوں سے دوری کی دعا مستقبل کے اعتبار سے ہو، گناہوں سے پاک کئے جانے کی دعا زمانہ حال سے متعلق ہو، اور گناہوں کے دھلے جانے کی دعا ماضی سے متعلق ہو۔ (فتح الباری ص ۹۹ ج ۳)

مسئلہ خلافیہ: تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان دعا مسنون ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، پھر جو لوگ درمیان میں دعا کے مسنون ہونے کے قائل ہیں ان کے مابین بھی تعیین دعا میں اختلاف ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر اور سورۂ فاتحہ کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں ہے، تکبیر تحریمہ کے بعد سورۂ فاتحہ کی قرأت کی جائے گی۔

دلیل: "عن عائشة كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یفتتح الصلاۃ بالتکبیر والقرأۃ بالحمدللہ". (مسلم)

رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے ذریعہ نماز شروع کرتے اور الحمد للہ کے ذریعہ سے قرأت شروع کرتے تھے۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی نہ کوئی ذکر مسنون ہے البتہ کون ساذکر مسنون ہے اس کی تعیین میں اختلاف ہے، شوافع کے نزدیک "انی وجہت وجہی الخ" پڑھنا افضل ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فرض میں صرف ثناء پڑھنا

چاہئے، شوافع کی دلیل مسلم اور ترمذی کی روایت ہے جس میں اسی دعاء توجیہ کو پسند کیا گیا ہے اور حنفیہ کی دلیل وہ بے شمار احادیث ہیں جن سے ثناء پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے امام محمدؒ کی کتب الآثار میں حضرت عمرؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ بصرہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے دعاء استفتاح کے بارے میں پوچھا تو حضرت عمر نے نماز میں "سبحانك اللهم" پڑھ کر سنایا، حضرت عمرؓ یوں بھی تعلیم دینے کی غرض سے کبھی کبھی جہراً ثناء پڑھتے تھے، دعا میں اخفاء کے مسنون ہونے کے باوجود حضرت عمرؓ کا تعلیم کی غرض سے کبھی کبھی ثناء کا جہراً پڑھنا ثناء کے افضل ہونے کی علامت ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب امام مالکؒ نے جو دلیل ذکر کی ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ قرأت کی ابتداء الحمدللہ سے کرتے تھے اس سے دوسرے اذکار کی نفی نہیں ہوتی ہے (بذل المجهود ص ۲/۲۶)

حدیث باب میں جو دعا مذکور ہے ائمہ اربعہ میں کسی کے یہاں بھی راجح قول کے مطابق اس کا پڑھنا منقول نہیں ہے البتہ اس دعا کا پڑھنا جائز ہے۔

حدیث نمبر ۷۵۸ ﴿نماز کے دوران دعاؤں کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۱۳

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَااِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَايَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ وَاِذَا رَكَعَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَ بَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمِلْاَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْئٍ بَعْدُ وَاِذَا سَجَدَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ثُمَّ يَكُوْنُ مِنْ آخِرِ مَا يَقُوْلُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيْمِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَااَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلشَّافِعِيِّ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ لَا مَنْجَاَ مِنْكَ وَلَا مَلْجَاَ اِلَّا اِلَيْكَ تَبَارَكْتَ.

حواله: مسلم ص ۲۶۳ ج ۱، باب صلاة النبي صلى الله عليه وسلم ودعائه بالليل، كتاب صلاة المسافرين، حديث ۷۷۱.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر یہ دعا پڑھتے "انی وجهت الخ" میں نے اپنے چہرہ کو اس ذات کی طرف یکسو ہو کر متوجہ کیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بیشک میری نماز میری زندگی، میری موت اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں، اے اللہ تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، تو آپ میرے تمام گناہوں کو بخش دیجئے، بلاشبہ آپ کے علاوہ کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں ہے اور مجھ کو بہترین اخلاق کی راہ دکھایئے،

آپ کے علاوہ کوئی بہترین اخلاق کی راہ دکھانے والا نہیں ہے، اور برے اخلاق مجھ سے دور کردے، برے اخلاق کو مجھ سے آپ کے علاوہ کوئی دور کرنے والا نہیں ہے، حاضر ہوں میں تیری خدمت میں تیرا حکم بجالانے کو، تمام بھلائیاں آپ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور برائی کی نسبت آپ کی طرف نہیں ہے، اور میں آپ کی قوت کے ذریعہ قائم ہوں، آپ برکت والے ہیں اور بلند ہیں میں آپ ہی سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور آپ ہی سے توبہ کرتا ہوں۔

آپ جب رکوع میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے "اللّٰهم ربنا لك الحمد الخ" اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! آپ ہی کیلئے حمد ہے، آسمانوں بھر اور زمین بھر اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور اس چیز کے بھرنے کے بقدر جو آپ ان کے بعد چاہیں گے پیدا فرمائیں گے۔

اور آپ جب سجدہ میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے "اللّٰهم لك سجدت الخ" اے اللہ! میں نے آپ کے لئے سجدہ کیا آپ ہی پر ایمان لایا آپ ہی کے لئے اسلام قبول کیا، میرا منہ اس ذات کے سامنے سجدہ میں ہے جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کو صورت عطا کی، اور اس میں کانوں اور آنکھوں کو کھولا، اللہ بہت بابرکت ہے، بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

آپ آخر میں تشہد اور سلام کے درمیان یہ دعا پڑھتے "اللّٰهم اغفرلي ما قدمت الخ" اے اللہ! میرے اگلے اور پچھلے ظاہر اور پوشیدہ سارے گناہ بخش دے اور جو زیادتی میں نے کی اور جو مجھ سے زیادہ آپ جاننے والے ہیں وہ سب گناہ بخش دیجئے آپ ہی آگے بڑھانے والے ہیں، آپ ہی پیچھے کرنے والے ہیں، آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ (مسلم)

اور شافعیؒ کی روایت میں یوں ہے "الشر ليس اليك الخ" اور شر کی نسبت آپ کی طرف نہیں ہے اور ہدایت یافتہ وہ ہے جسے آپ ہدایت دیں، میں آپ ہی کی قوت سے قائم اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں، آپ سے بھاگ کر کہیں چھٹکارا نہیں اور آپ کے علاوہ کوئی پناہ گاہ بھی نہیں، آپ بہت برکت والے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں نفل نمازوں میں چند مواقع پر خصوصی دعاؤں کا تذکرہ ہے (۱) تکبیر تحریمہ اور قرأت کے مابین مانگی جانیوالی دعا ہے (۲) رکوع میں پڑھی جانیوالی دعا کا ذکر ہے، (۳) رکوع سے اٹھ کر جو قومہ میں دعا مانگی جائیگی وہ مذکور ہے، (۴) سجدہ میں مانگی جانیوالی دعا کا ذکر ہے (۵) دونوں سجدوں سے فراغت کے بعد تشہد میں مانگی جانیوالی دعا بھی مذکور ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح اذا قام الى الصلاة: حضور ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے، نماز سے نفل نماز مراد ہے، فصل ثالث میں نسائی کی روایت آرہی ہے "اذا قام يصلي تطوعا" جب حضور ﷺ نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے، نسائی کی روایت سے تو یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ یہاں نفل مراد ہے، لہٰذا حدیث باب میں جو آگے دعائیں آرہی ہیں وہ بھی نفل ہی نماز میں پڑھی جائیں گی لیکن ابن حبان کی روایت کے الفاظ سے فرض نماز سمجھ میں آرہی ہے، روایت کے الفاظ ہیں "كان اذا قام الى الصلاة المكتوبة" ایک بات اور بھی ہے کہ جب نماز مطلق ہے تو اس میں فرض و نفل دونوں شامل ہونا چاہئے، لہٰذا آگے جو دعائیں آرہی ہیں ان کو فرض نمازوں کے درمیان بھی پڑھنا چاہئے، حالانکہ فرض نماز میں یہ دعائیں نہیں پڑھی جاتی ہیں۔

بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ شروع دور میں فرض نماز میں حدیث باب میں موجود دعائیں پڑھنے کا معمول تھا بعد میں ترک کردیا گیا۔ (مرقات ص ۲۷۲ ج ۲)

وجهي: مطلب یہ ہے کہ اپنی عبادت اللہ کے لئے خالص کردی ہے نمازی کے لئے مناسب ہے کہ ان الفاظ کے تلفظ کے وقت غایت حضور اور کامل اخلاص ہو، اگر زبان پر یہ ورد ہو (وجهت وجهي الخ) اور دھیان ادھر ادھر ہو تو ایسا شخص اپنے قول میں جھوٹا ہوگا

اور سب سے قبیح جھوٹ یہ ہے کہ انسان اس ذات کے روبرو کھڑے ہو کر جھوٹ بولے جس سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے۔

السموات والارض: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آسمان وزمین کا اس لئے ذکر کیا کہ یہ عظیم مخلوقات ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے بغیر مثال سابق کے پیدا کیا، ان سے اللہ کی قدرت اور بڑائی کا اندازہ ہوتا ہے، آسمان کو جمع اس کی وسعت یا اس کے طبقات کے مختلف ہونے یا اس کے وجود کے مقدم ہونے یا اس کی شرافت وبزرگی یا اس میں رہنے والے تمام لوگوں کی فضیلت کی وجہ سے ذکر کیا ہے، ورنہ زمین بھی سات ہی ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" **ومن الارض مثلهن** "۔

حنیفاً: یعنی تمام باطل دینوں سے کٹ کر اسلام پر ثابت قدم ہیں،" **وما انا من المشركين** "یہ تاکید ہے شرک کا اطلاق ہر کافر پر ہوتا ہے خواہ بتوں اور مجسموں کی پوجا کرنے والا ہو، یہودی ہو، نصرانی، مجوسی، مرتد، زندیق سب مشرک کے لفظ میں داخل ہیں۔

(فتح الملهم ص ۳۳۵ ج ۲)

ان صلاتی: یعنی میری عبادت میری نماز میری قربانی، میرا دین، میری عبادت، میرا حج سب چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔

ومحیای ومماتی لله: یعنی میرا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے، زندگی اور موت میں اللہ کے علاوہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا ہے۔

لا اله الا انت: اللہ تعالیٰ صفت الوہیت کے ساتھ تنہا متصف ہیں، **انت ربی** "تعمیم کے بعد تخصیص ہے، **انا عبدك** "اللہ تعالیٰ کے لئے ربوبیت کا اعتراف کیا اب اپنے لئے عبودیت کا اعتراف ہے، **ظلمت نفسی** "میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اپنے رب کے ذکر سے غفلت ہوئی، یا اس کے علاوہ کسی کی محبت دل میں آ گئی، اسی قصور کا اعتراف کیا جا رہا ہے،" **واعترفت بذنبی** " ظاہری بات ہے آپ ﷺ سے گناہوں کا صدور ممکن ہی نہیں ہے، اس لئے یہاں "ذنب" سے مراد خلاف اولیٰ عمل ہے، **فاغفرلی** " اے اللہ! آپ ہی غفار اور غفور ہیں لہٰذا میری کوتاہی سے صرف نظر فرمائیے،" **واهدنی** "اچھے اخلاق کی راہ دکھائیے، مطلب یہ ہے کہ اپنی عبادت اور دیگر اخلاق ظاہرہ وباطنہ پر ثابت قدم رکھئے، **الا انت** " اے اللہ! آپ ہی ہادی مطلق ہیں، مخلوق کا عاجز ہونا امر محقق ہے۔

واصرف عنی: یعنی برے اخلاق سے میری حفاظت فرمائیے، **لبيك** "اے اللہ! میں ہمیشہ ہمیشہ آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے حاضر ہوں، **سعدیك** "اے اللہ! آپ کی دعوت قبول کرنا یہ سعادت ہی سعادت ہے، مجھے اپنی اطاعت پر قائم رکھ کر میری مدد فرمائیے، **والخير كله في يديك والشر ليس اليك** "ان جملوں کے کئی معنی ممکن ہیں، (۱) خیر کے ذریعہ آپ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے، شر کے ذریعہ آپ کا قرب ممکن نہیں (۲) اگر چہ خیر وشر ساری چیزوں کا خالق اللہ ہے لیکن خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے گی اور شر کی نسبت ادب کی بنا پر حق تعالیٰ کی طرف نہیں کی جائے گی، (۳) خیر اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتا ہے اور شر اللہ کے پاس اس طرح نہیں پہنچتا ہے جس طرح خیر پہنچتا ہے۔

حدیث کے اس جزء میں یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ اگر کوئی اچھائی کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے کہے کہ اے اللہ! تو نے توفیق دی جس کی بنا پر میں نے یہ نیک کام کیا، اور اگر کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کی نسبت اپنی طرف کرنا چاہئے۔

آگے رکوع، قومہ، سجدہ، اور تشہد میں پڑھی جانے والی دعائیں مذکور ہیں الفاظ دعا حدیث میں موجود ہیں ترجمہ گذر چکا ہے مزید تفصیل کی حاجت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۷۵۹ «قومہ میں پڑھی جانے والی دعا» عالمی حدیث نمبر ۸۱۴

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ فَدَخَلَ الصَّفَّ وَقَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ فَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ فَقَالَ اَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ

فَقَالَ اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِالْکَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِهَا فَاِنَّهٗ لَمْ یَقُلْ بَاْسًا فَقَالَ رَجُلٌ جِئْتُ وَقَدْ حَفَزَنِی النَّفَسُ فَقُلْتُهَا فَقَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ اِثْنَیْ عَشَرَ مَلَکًا یَبْتَدِرُوْنَهَا اَیُّهُمْ یَرْفَعُهَا، رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص ۲۱۹ ج۲، باب ما یقال بین تکبیرۃ الاحرام والقرأۃ، کتاب المساجد حدیث ۱۰۰۔

حل لغات: حَفَزَ (ض) حَفْزاً پیچھے سے دھکیلنا، یہاں مراد سانس پھولنا ہے، ارمّ فلان خاموش ہونا، رمّ (ض) رماً بوسیدہ ہونا، گلنا، (باب ن سے) الشئی مرمۃ، ٹھیک کرنا، باساً مراد غلط بات، کہتے ہیں شَئی لَابَاْسَ " ناقابل اعتراض بات، بئس (س) باساً بدحال ہونا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب آئے اور صف میں شامل ہوگئے، درآنحالیکہ ان کی سانس پھول رہی تھی انہوں نے کہا "اللہ اکبر الخ" اللہ سب سے بڑا ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، ایسی تعریف جو بہت پاکیزہ ہو، بابرکت ہو، جب رسول اللہ ﷺ اپنی نماز پوری کر چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے تھے، سب لوگ خاموش رہے، آپ ﷺ نے پھر کہا تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے؟ سب لوگ خاموش رہے، آپ ﷺ نے (تیسری مرتبہ) کہا تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے، جس نے یہ کلمات کہے اس نے کوئی غلط بات نہیں کہی تو ایک صاحب بولے میں اس حال میں آیا کہ میری سانس پھول رہی تھی تو میں نے ان کلمات کو کہا، آپ نے فرمایا میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے پر ان کلمات کو اوپر لیجانے کیلئے سبقت کر رہے ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک صاحب تیزی کے ساتھ چل کر نماز میں حاضر ہوئے جس کی بنا پر ان کی سانس پھول رہی تھی، انہوں نے نماز میں شامل ہونے کے بعد حدیث میں موجود دعا پڑھی، رسول اللہ ﷺ نے نماز کی تکمیل کے بعد تین مرتبہ دریافت کیا کہ یہ دعا کس نے مانگی تھی، لیکن صحابہؓ نے اس اندیشہ سے کہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ کو اس عمل کی بنا پر غصہ آگیا ہو خاموش رہے پھر آپ ﷺ نے صراحت فرمائی کہ یہ کوئی غلط عمل نہیں ہے بلکہ دعا کے یہ کلمات اتنے بابرکت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور لے جانے کے لئے فرشتے ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح

ان رجلا: یہ شخص رفاعہ بن رافع ہیں، وقد حفزہ النفس: حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں شرکت کیلئے یہ صاحب دوڑتے ہوئے آئے اور دوڑنے کی وجہ سے ان کی سانس پھول رہی تھی

اشکال: یہ صحابی دوڑ کر نماز میں کیوں شامل ہوئے؟ جب کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے "اذا اتیتم الصلاۃ فلا تاتها وانتم تسعون بل ائتوها وانتم تمشون وعلیکم السکینة والوقار فما ادرکتم فاتموا وما فاتکم فاقضوا"۔

نماز میں دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ چلتے ہوئے آؤ سکون و اطمینان کو لازم پکڑو، جس قدر نماز جماعت کے ساتھ مل جائے پڑھو اور جو چھوٹ جائے اس کو بعد میں ادا کرلو۔ اس حدیث سے دوڑ کر نماز میں شامل ہونے کی ممانعت معلوم ہو رہی ہے اور صحابی رسول کا عمل بظاہر اس حدیث کے خلاف معلوم ہو رہا ہے۔

جواب: حافظ ابن حجرؒ نے اسکا جواب یوں دیا ہیکہ حدیث میں دوڑ کر نماز میں شامل ہونے کی ممانعت اسوقت ہے جب بغیر دوڑے کچھ نہ کچھ نماز جماعت سے مل جانیکا یقین ہو اور جب یہ یقین ہو کہ اگر دوڑیں گے نہیں تو نماز نہیں ملیگی تو دوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حافظ نے یہ جواب نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ زیادہ راجح میرے نزدیک یہ ہیکہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ دوڑنا ہی زیادہ بہتر ہے، صحابی رسول کے عمل سے دوڑنے کا جواز معلوم ہو رہا ہے لیکن جواز سے کراہت کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ (مرقات ص ۲۷۶ ج۲)

طیباً: یعنی ایسی حمد جو ریا و شہرت سے پاک ہو، مبارکا وہ حمد برکت اور خیر کثیر کا تقاضہ کرتی ہو۔

حدیث کے ان اجزاء سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ نماز میں دعاء ماثورہ کے علاوہ بھی اذکار کی گنجائش ہے لیکن وہ اذکار ماثورہ دعاؤں کے مخالف نہ ہوں، نیز یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر ساتھ میں نماز پڑھنے والوں کو تکلیف نہ ہو تو بلند آواز سے بھی دعا پڑھنے کی گنجائش ہے۔ (فتح الملھم ص ۱۸۱ ج ۲)

فلما قضی: جب آپ ﷺ نے اپنی نماز پوری کرلی تو فرمایا کہ جو کلمات ابھی میں نے سنے ان کا قائل کون ہے؟ **فارمّ القوم:** صحابہؓ نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ ناراض ہوگئے ہیں اس وجہ سے خاموش رہے، **فانہ لم یقل باساً** "آپ ﷺ نے محسوس کرلیا کہ صحابہ کی خاموشی ناراضگی کے اندیشہ کی وجہ سے ہے تو آپ ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ میں اس لئے نہیں پوچھ رہا ہوں کہ جس نے یہ بات کہی ہے اس نے غلط کیا ہے اور میں اس کو تنبیہ کرنا چاہتا ہوں میں تو اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کو بتادوں کہ یہ دعا کتنی بابرکت ہے۔

وقد خفز فی النفس: جن صاحب نے یہ دعا پڑھی تھی انہوں نے اظہار واقعہ کے طور پر یہ بتایا کہ میں نے جب یہ دعا پڑھی تو میری سانس پھول رہی تھی، سانس پھولنے کا تذکرہ عذر کے طور پر نہیں تھا بلکہ بیان واقعہ کے طور پر تھا۔

یبتدرونھا: فرشتے ان کلمات کو لکھنے کے لئے یا اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے ظاہر یہ ہے کہ ملائکہ "حفظہ" فرشتوں کے علاوہ ہیں اور اس کی تائید صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے "**عن ابی ھریرۃ مرفوعا ان للہ ملئکۃ یطوفون فی الطریق یلتمسون اھل الذکر**" ذکر کرنے والوں کی تلاش میں فرشتے راستوں میں پھرا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بعض نیکیاں حفظہ کے علاوہ فرشتے بھی لکھتے ہیں۔ (فتح الملھم)

سوال: حدیث میں مذکور دعا نماز کے کس رکن میں پڑھی جائے گی؟

جواب: حدیث باب سے بظاہر اس بات کی تعیین نہیں ہوتی ہے کہ یہ دعا کہاں پڑھی جائے گی؟ لیکن امام بخاریؒ نے اس حدیث کو بخاری صفحہ نمبر ۱۱۰ ج ۱ پر الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس حدیث پر جو عنوان قائم کیا ہے وہ ہے "**باب فضل اللھم ربنا ولک الحمد**" ترجمۃ الباب سے سمجھ میں آرہا ہے کہ حدیث میں مذکور دعا کا مقام قومہ ہے یعنی رکوع سے اٹھنے کے بعد اور سجدہ میں جانے سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے گی۔ (ابن علی)

حدیث نمبر ۷۶۰ ﴿ثنا میں پڑھی جانے والی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۱۵-۸۱۶

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاۃَ قَالَ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ لَانَعْرِفُہٗ اِلَّا مِنْ حَارِثَۃَ وَقَدْ تُکُلِّمَ فِیْہِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِہٖ.

حوالہ: ترمذی ص نمبر ۵۷ ج ۱، باب ما یقول عند افتتاح الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۲۴۳، ابو داؤد ص ۱۱۳ ج ۱، باب من رای الاستفتاح کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۷۷۶.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے، "سبحانک الخ" آپ کی ذات پاک ہے اے اللہ آپ کے لئے تعریف ہے اور آپ کا نام بڑا برکت والا ہے اور آپ کی شان بہت بلند ہے، آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ (ترمذی ابو داؤد) ابن ماجہ نے اس روایت کو ابو سعیدؓ سے نقل کیا ہے، ترمذی نے کہا ہے کہ ہم صرف اس حدیث کو حارثہ کی سند سے جانتے ہیں اور ان کے حفظ کے سلسلہ میں کلام کیا گیا ہے۔

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں وہی دعا ہے جس کو ہم ثنا کہتے ہیں اور جو تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان پڑھی جاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا افتتح الصلاۃ قرأت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان "سبحانك الخ" دعا پڑھی جائے گی یہ دعا تسبیح کے نام سے مشہور ہے، امام مالکؒ تکبیر تحریمہ اور سورۂ فاتحہ کے درمیان کسی بھی ذکر کے قائل نہیں ہیں، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ دعاء مذکور پڑھے جانے کی افضلیت کے قائل ہیں۔

حافظ ابن القیمؒ نے زادالمعاد میں تحریر فرمایا "اختاره احمد لعشرة وجوه" یعنی امام احمدؒ نے اس دعا کو دس وجوہ سے افضل قرار دیا ہے، امام شافعیؒ "انی وجهت وجهی الخ" پڑھے جانے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ (مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۷۵۸ دیکھئے)

امام ترمذیؒ نے حدیث باب کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا کہ حدیث باب میں ایک راوی ہیں "حارثہ" انکے بارے میں کلام کیا گیا ہے، یعنی عادل تو ہیں لیکن انکے حافظہ میں کمی تھی امام ترمذی کا اس حدیث کیطرف ضعف کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے (تحقیق کیلئے دیکھئے مرقات ص ۲۷۸ ج ۲)

حدیث نمبر ۷۶۱ (دعاء استفتاح کے کلمات کا ذکر) عالمی حدیث نمبر ۸۱۷

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّهُ رَاى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلَاةً قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْراً اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْراً اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْراً وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْراً وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلاً ثَلَاثاً اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ مِنْ نَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْراً وَ ذَكَرَ فِيْ آخِرِهٖ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَقَالَ عُمَرُ نَفْخُهُ اَلْكِبْرُ وَنَفْثُهُ اَلشِّعْرُ وَهَمْزُهُ الْمُوتَةُ.

حواله: ابوداؤد ص: ۱۱۱ ج: ۱، باب ما يستفتح الصلاة من الدعاء، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۷۶۴، ابن ماجه ص ۵۸، باب الاستعاذة في الصلاة، كتاب اقامة الصلاة، حديث نمبر ۸۰۷.

حل لغات: نفخه نفخ (ن) نفخاً بفمه منہ سے پھونک مارنا، نفثه نفث (ن، ض) نفثاً پھونکنا، همز (ض) همزاً غیبت کرنا، کوئی چیز چھپانا، الموتة غشی، دیوانگی۔

ترجمه: حضرت جبیر ابن مطعمؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں، تو آپ نے کہا "الله اکبر کبیراً الخ" اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لئے بہت تعریف ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے بہت تعریف ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے بہت تعریف ہے، اللہ کے لئے صبح و شام تعریف بیان کرتا ہوں تین مرتبہ یہ کلمات بھی کہے، میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان سے اس کے تکبر سے اس کے جادو سے اور اس کے وسوسہ سے، ابوداؤد، ابن ماجہ، لیکن ابن ماجہ نے والحمد لله کثیراً کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں، اور اخیر میں من الشیطان الرجیم کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا قول ہیکہ شیطان کے "نفخ" سے مراد تکبر ہے اسکے "نفث" سے مراد شعر ہے اور اسکے "همز" سے مراد جنون ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان پڑھی جانے والی ایک دعا کا تذکرہ ہے، یہ دعا پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے لیکن حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں افضل دعا تسبیح ہے جس کو ہم ثناء بھی کہتے ہیں امام شافعیؒ کے یہاں افضل "انی وجهت وجهی الخ" والی دعا ہے امام مالکؒ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے مابین کسی طرح کی دعا کے بھی قائل نہیں ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح الله اکبر کبیراً تکرار یا تو تاکید کے لئے ہے یا پھر پہلی مرتبہ ذات کی بڑائی کے لئے ہے دوسری مرتبہ صفات کی بڑائی مراد ہے اور تیسری مرتبہ افعال کی بڑائی مراد ہے۔

کثیراً موصوف مقدر کی صفت ہے، مراد حمداً کثیراً ہے، ظاہری، باطنی، اخروی، دنیوی ہر طرح کی نعمتوں کی بناء پر تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، سبحانك الله بكرة واصیلاً پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی صبح و شام، ان دونوں وقتوں کو خاص طور پر اسوجہ سے ذکر کیا ہے کہ ان دونوں وقتوں میں صبح و شام کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے اسیطرح علامہ الجزریؒ اور صاحب مفاتیح نے ذکر کیا ہے۔ (عون المعبود ص ۲۴۳ ج ۲)

ثالثاً: مطلب یہ ہے کہ دیگر کلمات کی طرح "سبحان الله الخ" بھی آپ نے تین مرتبہ کہے۔

نفخہ: مطلب یہ ہے کہ شیطان کے غرور وتکبر سے پناہ چاہتے ہیں، شیطان انسان کے اندر تکبر پیدا کر کے اس کو تباہ کر دیتا ہے اس لئے اس سے پناہ مانگی گئی، و نفثہ اس سے مراد شیطان کا جادو ہے، یعنی شیطان جادو کر کے مسحور بنا دے یا جادوگر بنا کر گمراہی میں ڈال دے اس سے پناہ مانگتے ہیں، ھمز شیطان کا وسوسہ مراد ہے اس سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔

حضرت عمرؓ سے جو تشریح منقول ہے اس کے مطابق "نفخ" سے تکبر، نفث" سے برے اشعار اور "ھمز" سے جنون و مرگی مراد ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں اگر یہ تفسیر متن حدیث سے متعلق ہو اور واقعی حضرت عمرؓ کا قول ہو تب تو یہی معنی مراد ہوں گے اور اس سے عدول نہ کیا جائے گا اور اگر یہ کسی راوی کا قول ہے تب تو زیادہ بہتر یہی ہے کہ نفث سے مراد جادو لیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ومن شر النفّٰثٰت" میں نفاثات سے مراد جادو ہے اسی طرح "ھمز" سے مراد وسوسہ لیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "من ھمزہ الشیطان" میں ہمزات سے مراد وسوسہ ہے۔

حدیث نمبر ۷۶۲ ﴿نماز میں دو سکتوں کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۱۸

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّهُ حَفِظَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً اِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَصَدَّقَهُ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ نَحْوَهُ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۱۳، باب السكتة عند الافتتاح، كتاب الصلاة، حديث ۷۷۹، ترمذی ص ۵۹ ج ۱، باب ما جاء في السكتتين في الصلاة، كتاب الصلاة، حديث ۲۵۱، ابن ماجة ص ۶۱ كتاب اقامة الصلاة، حديث ۸۴۴، دارمی باب في السكتتين، كتاب الصلاة، حديث ۱۲۴۳.

ترجمه: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتے یاد کئے، ایک سکتہ تو اس وقت جب آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کہتے، اور دوسرا سکتہ اس وقت جب آپ ﷺ "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" کہنے سے فارغ ہوتے، حضرت ابی ابن کعبؓ نے اس کی تصدیق کی (ابو داؤد) ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے اسی کے مثل روایت نقل کی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ دوران نماز دو مرتبہ کچھ دیر کے لئے سکوت اختیار کرتے تھے، (۱) تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان سکتہ، اس وقفہ میں دعاء استفتاح یعنی ثناء پڑھتے (۲) سورہ فاتحہ کی تلاوت مکمل کرنے کے بعد دوسری کسی سورت تلاوت کرنے سے پہلے سکتہ کرتے تھے، اس درمیان وقفہ میں امام شافعیؒ مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ تلاوت کرنے کے قائل ہیں، بعض لوگ اس سکتہ کو مکروہ قرار دیتے ہیں، تفصیل تشریح کلمات میں دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح "عن رسول الله سكتتين" رسول اللہ ﷺ سے نماز کے دوران دو سکتے ثابت ہیں۔

سكتة اذا كبر ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد یہ سکتہ عند الافتتاح کہلاتا ہے، وسكتة اذا فرغ من قراۃ دوسرا سکتہ قرأت سے فراغت کے بعد ہے، قرأت سے کیا مراد ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ "بعد الفراغ من القراۃ" سے مطلق قرأت ہے، یعنی سورت کی تلاوت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے سکتہ ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فراغت قرأت سے مراد سورۂ فاتحہ کی تلاوت ہے، یعنی سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد دوسری سورت کی شروعات سے پہلے سکتہ ہے، یہی بات حدیث باب سے بھی معلوم ہو رہی ہے، کیونکہ یہاں "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی صراحت ہے، اختلاف روایات کی بنا پر بعض لوگ تین سکتوں کے قائل ہیں

(۱) سکتہ عند الافتتاح (۲) سورۂ فاتحہ سے فراغت کے بعد سکتہ، (۳) سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کی تلاوت سے فراغت کے بعد سکتہ۔

سکتہ کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک پہلا سکتہ دعاء استفتاح (ثناء) پڑھنے کے لئے ہے اور دوسرا سکتہ مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ تلاوت کرنے کے واسطے۔

اس حدیث سے امام شافعیؒ کا یہ موقف کہ دوسرا سکتہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے لئے ہے، ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے لئے سکتہ طویلہ کی ضرورت ہے اور حدیث باب اس حوالہ سے ساکت ہے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک پہلا سکتہ دعاء استفتاح کے لئے ہے اور دوسرے سکتہ میں کچھ نہیں کیا جائے گا کیونکہ امام احمدؒ مقتدی کے حق میں قرأت فاتحہ سری نمازوں میں لازم ٹھہراتے ہیں، جہری نمازوں میں مقتدی کے لئے قرأت فاتحہ کے قائل نہیں ہیں، نیز ان کے نزدیک آمین بھی آہستہ سے نہیں کہا جائے گا، لہذا یہ سکتہ آہستہ سے آمین کہنے کے لئے بھی نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک پہلا سکتہ دعاء استفتاح کے لئے ہے اور دوسرا سکتہ آمین کہنے کے لئے ہے حنفیہ کے یہاں آمین آہستہ ہی سے کہا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۷۶۳ ﴿دوسری رکعت میں دعاء استفتاح نہیں ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۱۹

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِیَةِ اِسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَلَمْ یَسْكُتْ هٰكَذَا فِیْ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ وَذَكَرَ الْحُمَیْدِیُّ فِیْ اَفْرَادِهٖ وَكَذَا صَاحِبُ الجَامِعِ عَنْ مُسْلِمٍ وَحْدَهٗ۔

حوالہ: مسلم ص ۲۱۹، ج: ۱. باب ما یقال بین تکبیرۃ الاحرام والقرأۃ، کتاب المساجد، حدیث ۵۹۹.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو "الحمد لله رب العالمین" سے قرأت شروع کرتے، اور سکتہ نہیں فرماتے اسی طرح صحیح مسلم میں روایت ہے، حمیدی نے اس کو اپنی ''افراد'' میں نقل کیا ہے، اور صاحب جامع الاصول نے بھی اس روایت کو صرف مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ پہلی رکعت کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ثناء نہیں پڑھتے تھے، یا پھر یہ مطلب کہ چار رکعت والی نماز میں جب آپ ﷺ دو رکعت کے بعد تیسری کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو اس تیسری رکعت یعنی شفعہ ثانیہ میں سورۂ فاتحہ کی قرأت سے پہلے ثناء پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح: قام من الرکعة الثانیه صاحب مرقات اس جزء کی تشریح میں لکھتے ہیں "ای من اجلها" یعنی دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے وقت "استفتح القرأة" الحمد لله رب العالمین" سے قرأت شروع کرتے تھے، توقف کر کے ثناء نہیں پڑھتے تھے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۷۶۴ ﴿ایک دوسری دعاء استفتاح کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۲۰

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَاةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَعْمَالِ وَاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا یَهْدِیْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَقِنِیْ سَیِّئَ الْاَعْمَالِ وَسَیِّئَ الْاَخْلَاقِ لَا یَقِیْ سَیِّئَهَا

اَلَّا اَنْتَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ .

حواله: نسائی ص: ۱۰۳ ج: ۱، باب نوع آخر من الدعاء بین التکبیر و القرأة، کتاب الافتتاح، حدیث ۸۹۷.

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے، پھر یہ دعا پڑھتے، "ان صلاتی الخ" بلا شبہ میری نماز میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں، اے اللہ میری اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی فرمایئے، آپ کے علاوہ کوئی بھی اچھے اعمال و اخلاق کی طرف راہ نہیں دکھا سکتا، اور مجھے برے اعمال و برے اخلاق سے بچایئے، برے اعمال اور برے اخلاق سے آپ کے علاوہ کوئی بچا نہیں سکتا ہے، (نسائی)۔

خلاصہ حدیث تکبیر تحریمہ کے بعد دعاء استفتاح پڑھی جائے گی، امام مالک کے علاوہ دیگر تینوں ائمہ اسی بات کے قائل ہیں، ائمہ اربعہ میں تنہا امام مالکؒ ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد بھی ذکر مسنون نہیں ہے، تکبیر تحریمہ کے معاً بعد قرأت شروع کی جائے گی، یہ تو امام مالکؒ کا مذہب ہوا، دیگر ائمہ دعاء استفتاح کو مسنون قرار دیتے ہیں، دعاء استفتاح کے کلمات آپ ﷺ سے مختلف منقول ہیں، ایک دعاء یہ بھی ہے جو کہ حدیث باب میں مذکور ہے حنفیہ تمام دعاؤں میں "سبحانك اللّٰهم الخ" کو افضل قرار دیتے ہیں، تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۷۵۷ دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا افتتح الصلاة کبّر، یعنی استقبال قبلہ اور نیت کے ذریعہ نماز شروع کرتے پھر تکبیر تحریمہ کہتے، نُسکی، مراد قربانی یا نماز کے علاوہ دیگر عبادات ہیں، مَحْيَايَ وَمَمَاتِي یعنی زندگی اور موت کے تمام احوال اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہیں، وانا اول المسلمین، یہ بات آپ سے متعلق ہے، یہ جز آپ کے علاوہ کسی دوسرے پر صادق نہیں آتا ہے۔

ہر امت میں سب سے پہلے مسلمان خود پیغمبر ہوتے ہیں اس امت کے پہلے مسلمان آپ ﷺ ہی ہیں، بقیہ لوگوں کو "انا من المسلمین" کہنا چاہئے، علامہ ابن الہمام نے کہا ہے کہ اگر کسی نے نماز میں " اناأول المسلمین" کہا تو جھوٹ بولنے کی بناء پر نماز فاسد ہوجائے گی لیکن بعض دیگر لوگوں نے کہا ہے نماز فاسد نہیں ہوگی، بلکہ یہی کہنا بہتر ہے کیونکہ یہ شخص ان کلمات کی تلاوت کرنے والا ہے، اپنی حالات کی خبر دینے والا نہیں ہے۔ (مستفاد مرقات ص ۲۸۱ ج ۲)

احسن الاعمال، ظاہری اعمال مراد ہیں، الاخلاق، باطنی اعمال مراد ہیں۔

حدیث نمبر ۷۶۵ ﴿نفل نماز میں پڑھی جانیوالی دعاء استفتاح﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۲۱

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلَمَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ يُصَلِّي تَطَوُّعًا قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفاً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ مِثْلَ حَدِيْثِ جَابِرٍ اِلَّا اَنَّهُ قَالَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَأُ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حواله: نسائی ص ۱۰۴ ج ۱، باب نوع آخر من الذکر والدعاء بین التکبیر والقرأة، کتاب الا فتتاح، حدیث نمبر ۸۹۵.

ترجمه: حضرت محمد بن مسلمہؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جب نفل نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو کہتے "اللّٰه اکبر وجهت وجهی الخ" اللہ بہت بڑا ہے، میں نے اپنے چہرہ یکسو ہو کر اس ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اس کے بعد راوی نے حضرت جابرؓ کی حدیث کے مثل الفاظ نقل کئے، مگر حضرت محمد نے "انا من المسلمین" کہا، اور پھر آپ

ﷺ یہ کلمات پڑھتے "اللّٰھم انت الملك الخ" اے اللہ تو ہی بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک ہے اور تیری ہی تعریف ہے، پھر آپ قرأت شروع فرماتے۔ (نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی ایک دوسری دعاء استفتاح کا تذکرہ ہے حدیث باب سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ یہ دعا نفلی نماز میں پڑھی جائے گی، حنفیہ کا یہی موقف ہے کہ فرض نماز میں ثناء یعنی "سبحانك اللّٰھم الخ" پڑھنا چاہئے، نفل نماز میں احادیث مبارکہ میں سے وارد دیگر دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح يصلي تطوعاً حدیث کے اسی جزء سے حنفیہ کے موقف کی تائید ہورہی ہے کہ دعائے مذکور نوافل یا سنن میں پڑھی جائے گی۔

مثل حدیث جابر، راوی نے یہاں وہی کلمات نقل کئے ہیں جو گزشتہ روایت میں حضرت جابرؓ نے نقل کیا ہے، یعنی "ان صلاتی ونسکی الخ" الاانہ قال وانا من المسلمین، اس جزء کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے اپنی روایت میں "انا من اول المسلمین" کے کلمات نقل کئے ہیں، جب کہ محمد بن سلمہ نے اپنی روایت میں "انا من المسلمین" کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

باب القرأۃ فی الصلاۃ

﴿نماز میں قرأت کا بیان﴾

قرأت نماز کے ارکان میں سے ایک عظیم رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" اس آیت سے قرأت کی فرضیت ثابت ہورہی ہے، اس باب کے تحت جو احادیث ہیں ان میں قرأت کی فرضیت پانچوں نمازوں میں مقدار قرأت اور بعض نمازوں میں بعض مخصوص سورتیں پڑھنے کی اہمیت سے متعلق احادیث مذکور ہیں۔

﴿قرأت کی فرضیت﴾

اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے قرأت کرنا فرض ہے اسی طرح امام نماز پڑھا رہا ہے تو اس کے لئے بھی قرأت کرنا فرض ہے، لیکن مقتدیوں کے لئے قرأت کی ممانعت ہے مقتدیوں کی قرأت امام کی قرأت سے ہی ہوجاتی ہے ان کے الگ سے قرأت کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا" جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو، نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے "مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ" جس کا امام ہو تو امام کی قرأت ہی مقتدیوں کی قرأۃ ہے۔

﴿مقتدیوں کے لئے قرأت کی ممانعت کی وجوہ﴾

(۱) امام کے ساتھ مقتدی بھی تلاوت کریں گے تو امام کو پریشانی لاحق ہوگی۔

(۲) مقتدی پڑھنے میں مشغول ہوگا، تو قرآن میں غور وفکر نہ کرسکے گا۔

(۳) قرآن کا ادب یہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنا جائے، سننے کے بجائے خود بھی پڑھیں گے تو یہ خلاف ادب بات ہوگی۔ یہ تینوں وجوہات باب کے تحت آنے والی احادیث سے مدلل ہیں۔

﴿سری اور جہری نمازوں کی وجوہ﴾

فجر کی نماز میں، مغرب کی دو رکعتوں میں، اور عشاء کی دو رکعتوں میں، جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں، جہراً قرأت کی جائے گی، بقیہ نمازوں میں سراً قرأت کی جائے گی، یہی طریقہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ وغیرہ سے ثابت ہے۔ اصلاً تو نمازوں میں جہراً قرأت ہونا چاہئے تھی، کیونکہ جس طرح تمام ارکان کا اظہار ضروری ہے، اسی طرح قرأت کا اظہار بھی ضروری ہے، پر بعض میں سر اور بعض میں جہر کیوں ہے؟ اس کی دو اہم وجوہات نقل کرتے ہیں، ایک تو وہ جس کو بہت سے مفسرین اور علماء نے ذکر کیا ہے، اور جو مشہور ہے اور دوسری وہ وجہ جس کو

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ذکر کیا ہے۔

(۱) ابتدائے اسلام میں آپ ﷺ تمام نمازوں میں جہر فرماتے تھے، مشرکین قرأت سن کر آپ ﷺ کو ایذاء پہنچاتے تھے، اس پر قرآن کی آیت "وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً" نازل ہوئی۔ یعنی آپ ﷺ نہ تو تمام نمازوں میں جہر فرمائیں اور نہ تمام نمازوں میں اخفاء کریں، بلکہ ان دونوں کے درمیان راہ اختیار فرمائیں، اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازوں میں اخفاء شروع کر دیا، کیوں کہ یہی دونوں وہ اوقات تھے، جن میں کفار آپ ﷺ کی ایذاء رسانی کے درپہ رہتے تھے، اور مغرب کے وقت کفار کھانے پینے میں اور عشاء اور فجر کے وقت راحت اور آرام میں لگے رہتے تھے، اس وجہ سے ان تینوں اوقات میں آپ ﷺ جہر فرماتے تھے، اور جمعہ اور عیدین کی نمازیں مدینہ منورہ میں قائم ہوئیں، اس لئے وہاں کفار کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، اس وجہ سے ان میں بھی جہر ہے، اور مدینہ منورہ میں اگرچہ کفار کا غلبہ ختم ہو گیا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ ظہر اور عصر میں اخفاء ہی کرتے رہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بقاء کے حکم بقائے سبب سے مستغنی ہے، جیسے کہ رمل کا جو سبب تھا وہ ختم ہو گیا، لیکن طواف کے دوران ابھی رمل کیا جاتا ہے۔

(۲) شاہ صاحب علیہ الرحمہ سر اور جہر کی وجہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں" وَالسِّرُّ فِيْ مَخَافَتِةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِنَّ النَّهَارَ مُظِنَّةُ الصَّخْبِ وَاللَّغْطِ فِي الْاَسْوَاقِ وَالدُّوْرِ، وَاَنَّاغَيْرُهُمَا فَوَقْفَ هُدُوالْاَصْوَاتِ وَالْجَهْرِاَقْرَبُ اِلٰى تَذَكُّرِ الْقَوْمِ وَاِتْعَاظِهِمْ"

مطلب یہ ہیکہ دن کیوقت بازاروں اور گھروں میں بہت شور شرابہ رہتا ہے۔ ایسے وقت میں جہری قرأت میں کوئی خاص فائدہ نہیں تھا، اسوجہ سے سر کا حکم ہے، اسکے برخلاف رات میں اور فجر کیوقت ماحول پرسکون رہتا ہے، اسوجہ سے اس میں جہراً قرأت کا حکم دیا گیا ہے۔ نمازِ جمعہ اور عیدین خاص مواقع پر پڑھی جاتی ہیں۔ عام طور پر لوگ کاروبار وغیرہ ترک کر کے مسجد آجاتے ہیں اس وجہ سے ان میں بھی جہراً قرأت ہے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۷۶۶ ﴿نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۲۲

عَنْ عُبَادَةَ بْنُ صَامِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْبِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِداً.

حواله: بخاری ص نمبر ۱۰٤، ج ۱، باب وجوب القرأة، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۵۶، مسلم ص ۱۶۹ ج ۱، باب وجوب قرأة الفاتحةفی کل رکعة، کتاب الصلاة، حدیث ۳۹٤.

ترجمه: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جو شخص سورۂ فاتحہ اور مزید کچھ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر نماز میں تمام نمازیوں کے لئے "سورۂ فاتحہ" پڑھنا ضروری ہے، نماز سری ہو یا جہری، اسی طرح نماز پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی، مسافر ہو یا مقیم، اس پر سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم ہے، بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوگی، اسی حدیث کے تحت جو دوسری روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ مزید کچھ اور تلاوت کرنا لازم ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح لاصلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب، جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی، حدیث کے اس جزء سے دو مسئلے متعلق ہیں، (۱) سورۂ فاتحہ کی رکنیت (۲) قرأت خلف الامام۔

سورۂ فاتحہ کی رکنیت تو حدیث باب سے یوں ثابت ہوتی ہے کہ حدیث میں اس کی تلاوت کے بغیر نماز کی صحت کی نفی ہے،

اور قرأت خلف الامام کا مسئلہ یوں ثابت ہوتا ہے کہ "لاصلاۃ" کے عموم سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ بغیر فاتحہ کی قرأت کے کسی کی بھی نماز نہ ہوگی، خواہ امام ہو یا مقتدی، معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے بھی قرأت لازم ہے۔

رکنیت فاتحہ اور مذاہب ائمہ

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک مطلق قرأت فرض ہے سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کا ملانا واجب ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فاقرؤا ما تیسر من القرآن**" (قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو) یہاں لفظ "ما" عام ہے اس سے مطلق قرأت کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، خبر واحد کے ذریعہ مطلق کو مقید کرنا درست نہیں۔

اشکال: "**ما تیسر**" میں کلمہ ما مجمل ہے اور حدیث باب اس کی تفسیر ہے لہٰذا فاتحہ کے فرض قرار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جواب: لفظ "ما" عام ہے، مجمل نہیں ہے، لہٰذا اشکال درست نہیں ہے۔

اشکال: حدیث باب خبر واحد نہیں ہے؛ بلکہ خبر مشہور ہے لہٰذا اس کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی درست ہے۔

جواب: علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ اس روایت کو خبر مشہور قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ خبر مشہور وہ ہوتی ہے جسے عہد تابعین میں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو گیا ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ زیر بحث مسئلہ تابعین کے زمانہ میں بھی اختلافی رہا ہے لہٰذا یہ خبر مشہور نہیں ہے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی قرأت ہر نماز میں فرض ہے اور سورت کا ملانا مستحب ہے۔

دلیل: شوافع کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "**لاصلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**" یہاں فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں نماز کی نفی کی گئی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کی قرأت فرض ہے۔

جواب: (۱) خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے لہٰذا جو قرآن سے ثابت ہو وہ فرض ہے اور جو حدیث سے ثابت ہو وہ واجب ہے، (۲) "**لاصلاۃ**" میں لانفی کمال کے لئے ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ ابن ماجہ میں روایت ہے "**من صلی صلاۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج غیر تمام**" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ ترک کرنے سے نماز کا کمال فوت ہوتا ہے نفس نماز درست ہوجاتی ہے، (۳) اسی حدیث میں مسلم کے حوالہ سے جو روایت ہے اس کے الفاظ ہیں "**لمن لم یقرأ بام القرآن فصاعداً**" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حکم سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا ہے وہی حکم سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورت کا ہے، لہٰذا امام شافعیؒ کا سورۂ فاتحہ کو فرض قرار دینا اور ضم سورت کو مستحب قرار دینا صحیح نہ ہوگا، اقرب الی الصواب مذہب حنفیہ ہی کا ہے کہ انہوں نے مطلق قرأت کو فرض قرار دیا ہے اور سورہ فاتحہ وضم سورت کو واجب قرار دیا ہے۔

وجہ ترجیح: حنفیہ کے مذہب کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہیکہ انکے مسلک میں تمام احادیث پر عمل ہوجاتا ہے اور دوسرے مسلک پر عمل کرنے میں بعض احادیث پر عمل ہوتا ہے اور بعض کا ساقط کرنا لازم آتا ہے نیز احناف کی مؤید احادیث زیادہ ہیں اور صریح محکم غیر محتمل ہیں

قرأت خلف الامام اور مذاہب ائمہ

قرأت خلف الامام کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی فاتحہ پڑھے گا یا نہیں، اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، جس کو مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں، نماز جہری ہو یا سری اور مقتدی خواہ امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو۔

دلیل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا**" (جب قرآن پڑھا جائے تو تم لوگ اس کی طرف کان لگایا کرو اور خاموش رہا کرو) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام زور سے قرأت کر رہا ہے تو مقتدی کو چاہئے کہ امام

کی قرأت سنے اور اگر امام آہستہ قرأت کر رہا ہے تو مقتدی کے لئے خاموش رہنا لازم ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت کے علاوہ بہت سی احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کے لئے قرأت نہیں ہے، ایک حدیث ہے "من کان له امام فقرأة الامام له قراة" (جو شخص مقتدی بن کر نماز پڑھ رہا ہے تو امام کی قرأت اس کی قرأت شمار ہوگی) معلوم ہوا کہ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ یا اس کے علاوہ کسی بھی چیز کی قرأت نہیں ہے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی کے لئے جہری وسری ہر طرح کی نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے۔

دلیل: " لاتفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلاۃ لمن لم یقرا بها" (ایسا نہ کرو البتہ سورۂ فاتحہ مستثنیٰ ہے کیونکہ اسے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی) آپ ﷺ نے یہ بات اس وقت فرمائی جب لوگ آپ ﷺ کے پیچھے قرأت کرنے لگے، آپ ﷺ نے نماز کے بعد صحابہ سے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جی ہاں ہم قرأت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے مطلقاً قرأت سے منع کیا البتہ سورۂ فاتحہ کی اجازت دے دی، حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔

جواب: اس حدیث سے مقتدی پر فاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، بلکہ صرف جواز معلوم ہوتا ہے کیونکہ حدیث باب میں نہی سے استثناء ہے اور نہی سے استثناء اباحت کے لئے ہوتا ہے وجوب کے لئے نہیں ہوتا ہے۔

تعارض: ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا منع ہے اور شوافع کی دلیل میں جو روایت گذری اس سے کم از کم جواز معلوم ہوتا ہے تو جواز اور ممانعت میں تعارض ہے کیونکہ ممانعت نام ہے عدم جواز کا۔

جواب: جواز کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، شروع اسلام میں مقتدی فاتحہ اور سورت سب پڑھتے تھے، اولاً سورت پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی، اور فاتحہ کا جواز باقی رہا، پھر جب قرآن مجید کی آیت "اذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا" نازل ہوئی تو فاتحہ کا جواز بھی ختم ہو گیا، حضرت ابن عباس کی روایت ہے "صلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقرأ خلفه قوم فنزلت واذا قری القرآ.ن فاستمعوا له وانصتوا" (نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی چند لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت کی پس آیت کریمہ "واذا قری القرآن الخ" نازل ہوئی) معلوم ہوا کہ قرأت فاتحہ کا جواز منسوخ ہو گیا، اور یہیں سے مذکورہ تعارض بھی دفع ہو گیا۔

اشکال: امام شافعیؒ نے جو دلیل پیش کی اسکے ایک جزء "لا تفعلوا الا بام القرآن" سے تو سورۂ فاتحہ کا صرف جواز معلوم ہو رہا ہے اور اسپر بحث ہو بھی گئی، لیکن دوسرے جزء "فانه لا صلاۃ لمن لم یقرأ بها" اس سے تو سورۂ فاتحہ کا وجوب ثابت ہو رہا ہے اسپر بحث نہیں ہوئی

جواب: حدیث کا یہ دوسرا جزء اس حدیث کا جزء نہیں ہے بلکہ وہ حضرت عبادہؓ کی دوسری مستقل حدیث ہے، حضرت عبادہؓ نے دونوں کو اپنے طور پر یکجا کر دیا ہے اور اسکی سب سے بڑی دلیل ہیکہ اگر ایسا نہ مانا جائے تو آپ ﷺ کے شروع وآخر کے فرمان میں تعارض پیدا ہو جائیگا؛ کیونکہ "الا بام القرآن" سے سورۂ فاتحہ کی اباحت ہو رہی ہے اور "لا صلاۃ" سے وجوب ثابت ہو رہا ہے، اور دونوں میں تعارض ظاہر ہے

حقیقت یہ ہے کہ "فانه لا صلاۃ لمن لم یقرأ بها" کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے کیونکہ مقتدی کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" یعنی مقتدی کچھ بھی قرأت نہیں کریگا، بلکہ خاموش کھڑا ہو کر امام کی قرأت سنے گا، حدیث باب میں موجود سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم امام اور منفرد کے حق میں ہے، چنانچہ اس کی وضاحت ترمذی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ "من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام" (جس شخص نے سورۂ فاتحہ کے بغیر رکعت پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو) معلوم ہوا کہ مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کی قرأت لازم نہیں ہے، منفرد اور امام کے لئے سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے حضرت عبادہؓ کی روایت میں "لمن لم یقرأ الخ" کو عام قرار دے کر مقتدی کو اس کے

تحت داخل کرنا درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۷۶۷ ﴿سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۲۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيْلَ لِاَبِیْ هُرَيْرَةَ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ قَالَ اِقْرَأْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِیْ وَبَيْنَ عَبْدِیْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِیْ مَاسَاَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، قَالَ تَعَالٰى حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، قَالَ تَعَالٰى اَثْنٰى عَلَیَّ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِیْ وَبَيْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَاسَاَلَ فَاِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَاسَاَلَ ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم شریف ص ۱۶۹. ۱۷۰ ج۱، باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث ۳۹۵.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہ کرے تو وہ نماز ناقص ہے (فھی خداج یعنی وہ نماز ناقص ہے) تین بار فرمایا، وہ نماز ناکمل ہے، ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں اس وقت بھی کیا ایسا ہی ہے؟ ابو ہریرہؓ نے فرمایا اس وقت اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو، بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا بانٹ لیا ہے، اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا، چنانچہ بندہ "جب الحمدللّٰہ رب العالمین" (تمام تعریفیں سارے جہاں کے رب کے لئے ہیں) کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حمدنی عبدی (میرے بندے نے میری تعریف کی) اور جب بندہ کہتا ہے الرحمٰن الرحیم (اللہ تعالیٰ بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اثنیٰ علیّ عبدی" (میرے بندے نے میری تعریف کی)، اور جب بندہ کہتا ہے مالك یوم الدین (روز جزاء کا مالک ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "مجّدنی عبدی" (میرے بندے نے میری بزرگی اور بڑائی بیان کی)، اور جب بندہ کہتا ہے "ایاك نعبد و ایاك نستعین" (تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ھذا بین و بین عبدی الخ" (یہ میرے اور بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا) اور جب بندہ کہتا ہے "اھدنا الصراط المستقیم الخ" (بتلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے)، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ھذا لعبدی و لعبدی ما سأل" (یہ میرے بندے کے واسطے ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا) (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں خاص طور پر تین چیزیں مذکور ہیں (۱) آپ ﷺ نے تاکید کیساتھ یہ بات فرمائی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ناتمام ہے اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ وہ واجب چھوٹنے ہی سے نماز ناکمل ہوتی ہے، فرض چھوٹنے سے تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی ہے، (۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ امام کے پیچھے ہونے کی صورت میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے اجتہاد سے جواب دیا کہ امام کے پیچھے ہونے کی صورت میں چپکے چپکے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا اجتہاد ہے جو کہ احادیث مرفوعہ کے مقابل میں حجت نہیں، (۳) حدیث قدسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے ایک جزء سورۂ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان بایں طور تقسیم کرلیا ہے کہ شروع کی تین آیتیں خود باری تعالیٰ سے متعلق ہیں انمیں باری تعالیٰ کی بندے کی جانب سے حمد وثناء بیان کی گئی ہے، چوتھی آیت بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان

مشترک ہے، آدھی آیت میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا اعتراف ہے اور آدھی آیت میں بندے کی طلب حاجت ہے اور اخیر کی تین آیات بندے سے متعلق ہیں جسمیں بندے نے اپنے لئے ہدایت کی دعا مانگی ہے، حاصل یہ ہیکہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتوں میں سے ساڑھے تین آیات اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں اور ساڑھے تین آیات بندے سے متعلق ہیں اور یوں یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان مشترک ہے

کلمات حدیث کی تشریح "من صلی صلاتہ لم یقرأفیھا بام القرآن فھی خداج" جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، "خدجت الناقۃ" اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹنی وقت سے پہلے بچہ جن دے، اگر چہ تام الخلقت ہو، اور "اخدجت" اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ بچہ ناقص جنا ہو، اگر چہ کامل وقت گذرنے کے بعد جنا ہو، اہل لغت کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ "خدجت" اور "اخدجت" دونوں ہی اس وقت بولے جاتے ہیں جب کہ اونٹنی نے ناتمام بچہ جنا ہو۔ (فتح الملھم ص ۲۹ ج ۲)

حدیث باب میں سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کو خداج سے تعبیر کیا ہے اور اس کی وضاحت یا تاکید غیر تمام سے بھی کردی گئی، معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ہو جائے گی لیکن ناقص اور ناتمام ہوگی، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک فریضہ ساقط ہو جائے گا لیکن نماز قابل اعادہ رہے گی، سورۂ فاتحہ نماز کا رکن ہے یا نہیں اس سے متعلق گذشتہ حدیث تفصیل کے لئے دیکھئے۔

اقرأبھا فی نفسک: جب امام کے ساتھ نماز پڑھو تو دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ پڑھو، حدیث کا یہ جزء حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا اجتہاد ہے، جو کہ حدیث مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں ہوسکتا، نیز حضرت ابو ہریرہؓ کے قول کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بغیر تلفظ کے دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، یا پھر یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے معانی کا استحضار رکھا جائے، نہ کہ الفاظ کا اور یہ ہمارے خلاف نہیں ہے۔ (مرقات ص ۲۸٤ ج ۲)

قسمت الصلاۃ: "صلاۃ" سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، سورۂ فاتحہ نماز کا جزء ہے یہاں کل بول کر جزء مراد لیا گیا ہے یا پھر قراۃ الصلاۃ تھا، مضاف کو حذف کر کے صرف صلاۃ کہہ دیا، وبینی وبین عبدی، نماز تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، لہٰذا اس جزء سے بھی خوب اچھی طرح وضاحت ہوگئی کہ نماز سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، سورۂ فاتحہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان بٹی ہوئی ہے کچھ آیات میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور کچھ میں بندے کی طلب اور حاجت ہے۔

حدیث نمبر ۷٦۸ ﴿نماز میں بسم اللہ پڑھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۲٤

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلَاۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم: ص: ۱۷۲ . ج: ۱ . حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ کتاب الصلاۃ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نبی کریم ﷺ ابو بکر و عمرؓ نماز کو "الحمد للہ رب العالمین" سے شروع کرتے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں قرأت سورہ فاتحہ سے شروع کی جائے گی، یہی طریقہ نبی کریم ﷺ کا حضرات شیخین اور دیگر اصحاب نبی ﷺ کا تھا، سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ اور ثناء وغیرہ کو آہستہ سے پڑھا جائے گا

کلمات حدیث کی تشریح **کانوا یفتتحون الصلاۃ:** حدیث کے اس جزء سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اور حضرات شیخین سورۂ فاتحہ کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، کیوں کہ حدیث میں قرأت کی شروعات میں الحمد للہ پڑھے جانے کا ذکر ہے نہ کہ بسم اللہ، حالانکہ امام مالکؒ کے علاوہ دیگر ائمہ سورۂ فاتحہ کی

تلاوت سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے جانے کے قائل ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ آہستہ پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض آواز کے ساتھ پڑھنے کا حکم کرتے ہیں اس مسئلہ پر قدرے تفصیل سے حدیث نمبر ۷۳۶ میں بحث ہو چکی ہے؛ لیکن چونکہ اس باب میں بسم اللہ پڑھے جانے اور نہ پڑھے جانے دونوں طرح کی احادیث مذکور ہیں لہٰذا یہاں بھی اس مسئلہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

درحقیقت یہاں دو مسئلے ہیں (۱) بسم اللہ قرآن کا جزء ہے یا نہیں (۲) نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے گی یا نہیں، دونوں مسئلوں کو ترتیب وار نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ قرآن کا جزء ہے یا نہیں؟

سورۂ نمل میں حضرت سلیمانؑ کے خط کے ذیل میں "انه من سليمان و انه بسم الله الرحمٰن الرحيم" میں بسم اللہ ہے وہ بالاتفاق قرآن مجید کا جزء ہے لیکن جو بسم اللہ سورت کے شروع میں پڑھی جاتی ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک بسم اللہ قرآن مجید کی ایک مستقل آیت ہے البتہ یہ نہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ کسی دوسری سورت کا، درحقیقت بسم اللہ کا نزول فصل "بین السورتین" کے لئے ہوا ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل: امام صاحب کی ایک دلیل تو گذشتہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا" قال الله تعالىٰ قسمت الصلاة بين وبين عبدى الخ" اس حدیث قدسی میں پوری سورۂ فاتحہ کی تفصیل موجود ہے لیکن بسم اللہ کا تذکرہ نہیں ہے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزء نہیں ہے، دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے "عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ان سورة من القرآن ثلثون آية شفعت لرجل حتى غفر له وهى تبارك الذى بيده الملك". (ترمذی)

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ سورۂ ملک کی تیس آیتیں ہیں، سورۂ ملک کی تیس آیات اسی وقت بنتی ہیں جب کہ بسم اللہ کو اس کا جزء نہ مانا جائے، اگر بسم اللہ کو سورۂ ملک میں شامل کیا جائے گا تو اکتیس ہو جائیں گی، معلوم ہوا کہ بسم اللہ نہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ کسی دوسری سورت کا، ان دلائل کے علاوہ بھی بہت سے دلائل ہیں جن سے حنفیہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک بسم اللہ قرآن کا جزء نہیں ہے بلکہ دوسرے اذکار کی طرح ایک ذکر ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: امام مالکؒ کی ایک دلیل تو حدیث باب ہے جس میں " كانوا يفتتحون الصلاة بالحمد لله رب العالمين " کے الفاظ مذکور ہیں، اسی طرح حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ہے جس میں آپؓ فرماتی ہیں کہ "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح الصلاة بالتكبير والقرأة بالحمد لله رب العالمين"۔

اس طرح کی روایات سے معلوم ہوتا ہے وہ آپ ﷺ نماز کو سورۂ فاتحہ سے شروع کرتے تھے، اور بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ یہیں سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزء نہیں ہے لہٰذا کسی دوسری سورت کا بھی جزء نہ ہوگا، اور جب یہ کسی سورت کا جزء نہیں تو قرآن کا بھی جزء نہ ہوگا۔

جواب: امام مالکؒ کے مذہب کی تائید میں جو حدیثیں پیش کی گئی ہیں ان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ الحمدللہ جہراً پڑھتے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، بلکہ دوسری روایات میں بسم اللہ آہستہ پڑھنے کا بھی ذکر ہے لہٰذا ان دلائل سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ قران کا جزء نہیں ہے، صحیح بات یہ ہے کہ بسم اللہ کسی خاص سورت کا جزء نہیں ہے لیکن مجموعہ قرآن کا جزء ہے اور اس پر قرآن مجید کی معروف تعریف صادق آتی ہے، تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۷۳۶ دیکھیں۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزء تو ہے ہی اور اصح قول کے مطابق دیگر سورتوں کا بھی

جزء ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ مسکرائے تو ایک صحابی نے پوچھا "ما اضحکك یا رسول اللّٰہ" (کس چیز نے ہنسایا آپ ﷺ کو اے اللہ کے رسول ﷺ) آپ ﷺ نے فرمایا "انزلت علی انفا سورۃ فقرابسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم انا اعطینك الکوثر فصل لربك وانحر، ان شانئك ھو الابتر" یہاں پر آپ نے سورۂ کوثر کی ابتداء بسم اللہ سے فرمائی معلوم ہوا کہ بسم اللّٰہ سورت کا جزء ہے۔

جواب: آپ ﷺ نے بسم اللّٰہ کو سورت کی تلاوت سے پہلے تبرک کے طور پر پڑھا، نیز سورت کی تلاوت سے پہلے بسم اللّٰہ پڑھنا مسنون ہے اسی لئے آپ ﷺ نے سورت کی تلاوت سے پہلے بسم اللّٰہ پڑھی لہٰذا اس سے بسم اللّٰہ کا سورت کا جزء ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللّٰہ پڑھنا مسنون ہے البتہ بسم اللّٰہ پڑھنا افضل ہے خواہ نماز جہری ہو یا سری۔

دلیل: نسائی کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "عن انس قال صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وخلف ابی بکر وعمر وعثمان رضی اللّٰہ عنھم وکانوا لا یجھرون ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم" طحاوی میں حضرت انسؓ کی روایت کے الفاظ یوں ہیں "ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یسر ببسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وابو بکر وعمر رضی اللّٰہ عنھما"۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللّٰہ پڑھی جائے گی مگر آہستہ پڑھی جائے گی

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک جہری نمازوں میں بسم اللّٰہ جہر کے ساتھ اور سری نمازوں میں آہستہ پڑھی جائے گی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: نسائی میں حضرت نعیمؒ کی روایت ہے "صلیت وراء ابی ھریرۃ فقرا بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ثم قرأ بام القرآن الخ"۔

اس روایت میں بسم اللّٰہ کی قرأت کا تذکرہ ہے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں بسم اللّٰہ آواز کے ساتھ پڑھی جائے گی

جواب: یہ حدیث شافعیہ کے مسلک پر صریح نہیں ہے کیونکہ اس سے بسم اللّٰہ کی نفس قرأت کا ثبوت نہیں ملتا ہے اور نفس قرأت کے ہم بھی قائل ہیں اس روایت سے جہراً بسم اللہ کا ثبوت نہیں ہوتا ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک بسم اللّٰہ مشروع نہیں ہے نہ سراً نہ جہراً۔

امام مالکؒ کی دلیل: امام مالکؒ حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز الحمد للّٰہ سے شروع کی جا رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللّٰہ پڑھی جائے گی۔

جواب: حدیث باب سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ قرأت کی ابتداء سورۂ فاتحہ سے ہوگی، آہستہ آواز سے بسم اللّٰہ پڑھنا اس حدیث کے منافی نہیں ہے بلکہ دیگر احادیث سے آہستہ آواز سے بسم اللّٰہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔ (مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۷۳۶ دیکھیں)

حدیث نمبر ۷۶۹ ﴿سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۲۵

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهُ تَاْمِيْنَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ فَاِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهُ وَفِیْ اُخْرٰی لِلْبُخَارِیِّ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْقَارِیُٔ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهُ تَاْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

حوالہ: پہلی روایت بخاری ص ۱۰۸ ج ۱، باب جهر الامام بالتامين، کتاب الاذان، حدیث ۷۸۰، مسلم ص ۱۷۶ ج ۱، باب التسميع والتحميد والتامين، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۴۱۰، (دوسری روایت) بخاری ص ۹۴۷ ج ۲، باب التامين، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۶۴۰۲، مسلم حوالہ بالا۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہے تو آمین کہو اس لئے کہ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی تو اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ جب امام "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" کہے تو آمین کہو، اس لئے کہ جس کا کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہوگیا تو اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے، یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم میں بھی اسی کے مثل الفاظ ہیں، بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب قاری آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو، اس لئے کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، تو جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے گی اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے مقتدیوں کو اس بات پر ابھارا ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، اس روایت سے آمین کہنے کی فضیلت خوب اچھی طرح معلوم ہورہی ہے کیونکہ آمین کہنے کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر کسی کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوئی تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے، سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد آمین کہنا فقہاء کے نزدیک سنت ہے البتہ زور سے آمین کہا جائے یا آہستہ سے اس میں اختلاف ہے تفصیل تشریح کلمات کے تحت دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح **اذا امن الامام فامنوا:** مطلب یہ ہے کہ جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے تو تم آمین کہو، امام آمین کا ارادہ کررہا ہے یہ کیسے معلوم ہو؟ اس کی وضاحت آگے حدیث میں ہے کہ جب امام "ولا الضالین" کہے تو سمجھ لو کہ امام آمین کہنے جارہا ہے، اسی وقت مقتدی بھی آمین کہیں تاکہ امام اور مقتدی دونوں کی آمین ساتھ میں ہوجائے، اور دونوں کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے، اور دونوں کے گناہ معاف ہوجائیں۔

اگر "فامنوا" کی فا کو تعقیب کے لئے مانیں اور یہ مراد لیں کہ امام کے آمین کے بعد مقتدی آمین کہیں تو ایسی صورت میں فرشتوں کے ساتھ امام و مقتدی کی موافقت نہیں ہوسکے گی، **فانه من وافق تامینه**" جس کی آمین فرشتوں کے آمین کے موافق ہوجائے گی اس کے سابقہ سارے گناہ معاف ہوجائیں گے، موافقت اخلاص کے اعتبار سے ہے یا قبولیت کے اعتبار سے ہے اور یہاں فرشتوں سے مراد "حفظہ" فرشتے ہیں۔

مسئلہ "آمین" اور اختلاف ائمہ

آمین کے سلسلہ میں پہلا اختلاف یہ ہے کہ آمین کس کا وظیفہ ہے دوسرا اختلاف یہ ہے کہ آمین آہستہ سے کہا جائے یا بلند آواز سے کہا جائے، دونوں طرح کے اختلافات کو ترتیب وار نقل کیا جاتا ہے۔

آمین کس کا وظیفہ ہے؟

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک مقتدی اور امام دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے۔

دلیل: "اذا امن الامام فامنوا" (جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو،معلوم ہوا کہ امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں گے)۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ سے ایک روایت تو جمہور کے قول کے مطابق ہے لیکن زیادہ مشہور روایت کے مطابق ان کا مذہب یہ ہے کہ آمین صرف مقتدی کا وظیفہ ہے امام کا نہیں۔

دلیل: امام مالکؒ کی دلیل ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے "ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین الخ" (جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو تم لوگ آمین کہو)۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے امام اور مقتدی کے کاموں کو تقسیم کر دیا ہے، امام کا کام "ولا الضالین" کہنا ہے اور مقتدی کا کام "آمین" کہنا ہے، "والقسمۃ تنافی الشرکۃ"۔

جواب: جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ امام مالکؒ کی طرف سے جو حدیث پیش کی گئی ہے اس میں امام اور مقتدی کے وظائف کی تقسیم نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کی آمین یک وقت ہو جائے، اس کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ امام جب "ولا الضالین" کہہ لے تو دونوں لوگ "آمین" کہیں، تا کہ دونوں کی آمین یک وقت ہو جائے اور فرشتوں کی آمین کے موافق ہو سکے، اسی کو ایک حدیث میں کہا گیا ہے " فان الامام یقول آمین" (امام بھی آمین کہتا ہے)۔

آمین سراً کہی جائے یا جہراً

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک امام و مقتدی سب کے لئے آمین جہراً کہنا بھی سنت ہے اور سراً کہنا بھی سنت ہے، یعنی یہ دو علیحدہ علیحدہ سنتیں ہیں۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کا مفتیٰ بہ مذہب یہ ہے کہ آمین جہراً کہنا سنت ہے یہی امام احمدؒ کا مذہب ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے دلائل: (۱) "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین، فان الامام یقولھا" (جب امام ولا الضالین کہے تو تم لوگ (مقتدی) آمین کہو، اس لئے کہ امام بھی آمین کہتا ہے) حدیث کے اس جزء "ان الامام یقولھا" سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ امام سرّاً آمین کہے گا، اسی وجہ سے تو یہ بتایا گیا ہے کہ امام بھی آمین کہتا ہے اور جب امام سرّاً کہے گا تو مقتدی بھی سرّاً کہیں گے، (۲) حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث ہے جسکے الفاظ ہیں "خفض بھا صوتہ" (آپ ﷺ نے آمین کہتے وقت آواز پست کر لی)، (۳) حضرت امام نخعیؒ کا قول ہے کہ امام پانچ چیزیں آہستہ کہے گا (۱) ثناء (۲) تعوذ (۳) بسم اللہ (۴) آمین (۵) تحمید۔

(۴) ابوداؤد میں حضرت سمرہ اور حضرت عمران رضی اللہ عنہما کا واقعہ موجود ہے، حضرت سمرہؓ نے بیان کیا ہے کہ مجھے حضور ﷺ سے دو سکتے یاد ہیں، ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد، دوسرا سکتہ "ولا الضالین" کے بعد، حضرت عمرانؓ نے دوسرے سکتہ کا انکار فرمایا ان دونوں حضرات نے حضرت ابی بن کعبؓ کی طرف رجوع کیا، حضرت ابی ابن کعبؓ نے حضرت سمرہ کی بات کو صحیح قرار دیا، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ "ولا الضالین" کے بعد بھی کچھ دیر کے لئے خاموش ہوتے تھے۔

پہلا سکتہ "ثنا" کے لئے تھا، اور دوسرا سکتہ "آمین" کے لئے تھا، اور جب آمین کے لئے سکتہ ثابت ہو گیا، تو یہ بات خود بخود ثابت ہو گئی کہ آمین آہستہ آواز سے کہا جائے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل :امام شافعیؒ کی سب سے مضبوط دلیل حدیث باب ہے اس میں آپ ﷺ نے فرمایا "اذا امن الامام فامنوا" (جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو) اس حدیث میں امام کے آمین کہنے کے ساتھ مقتدی کو آمین کہنے کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہری بات ہے کہ مقتدی کو امام کے آمین کہنے کا علم اسی وقت ہوگا جب امام جہراً آمین کہے گا معلوم ہوا کہ امام جہراً آمین کہے گا اور جب امام جہراً آمین کہے گا تو اس کی پیروی کرتے ہوئے جہراً مقتدی بھی آمین کہیں گے۔

جواب :امام شافعیؒ کا یہ استدلال اس وقت درست ہوسکتا ہے جب امام کی آمین کے علم کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو اور امام کے آمین کہنے کے وقت کی تعیین کے لئے آپ ﷺ نے کوئی اور طریقہ نہ بیان کیا ہو، حالانکہ روایات کا جائزہ لینے سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے امام کے آمین کہنے کا وقت واضح طور پر بیان کردیا ہے، چنانچہ متن میں حدیث موجود ہے "اذا قال غیر المغضوب علیهم و لا الضالین فقولوا آمین" یعنی جب امام و لا الضالین کہہ چکے تو مقتدی آمین کہیں، اسی وقت امام بھی آمین کہے گا اور دونوں کی آمین کا وقت ایک ہوجائیگا، اگر یہ تشریح نہ لیجائے اور یہ کہا جائے کہ امام آمین کہے اسکے بعد مقتدی آمین کہیں تو اس صورت میں امام اور مقتدی کا توافق باقی نہیں رہے گا اور حدیث کا اصل مقصد (کہ امام ومقتدی کی امین ملائکہ کے موافق ہوجائے) فوت ہوجائیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام کے لئے زور سے آمین کہہ کر مقتدی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مقتدی امام کے "و لا الضالین" کہتے ہی خود سمجھ لیں گے کہ آمین کہنے کا وقت ہوگیا۔

اشکال : حدیث باب میں "فقولوا آمین" ہے خطاب کے موقع پر مطلق قول طلب کیا جائے تو اس سے جہر ہی مراد ہوتا ہے لہٰذا آپ ﷺ کا یہاں آمین کے بارے میں آہستہ کہنے کا حکم لگانا ضابطہ کے خلاف ہے۔

جواب :جو ضابطہ پیش کیا گیا وہ کلی نہیں ہے، چنانچہ شوافع بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں چنانچہ دیکھئے روایت میں آتا ہے کہ "اذا قال الامام سمع اللّٰه لمن حمده فقولوا اللّٰهم ربنا لك الحمد" دیکھئے یہاں "قولوا" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے ضابطہ کے مطابق "اللّٰهم ربنا لك الحمد" جہراً کہنا چاہئے، لیکن جہراً کہنا کسی کا مذہب نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق ایک دلیل نقل کی گئی ہے، اس کے علاوہ بھی جہراً آمین کہے جانے کے بارے میں روایات نقل کی جاتی ہیں لیکن جہراً آمین کہنے کے بارے میں جو روایت صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں۔

آهسته آمین کهنا تعلیم کے لئے تها :روایات جہراً آمین کہنے کے بارے میں بھی ہیں اور سراً آمین کہنے کے بارے میں بھی ہیں لیکن اگر عمیق نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اصل سنت آمین میں یہ ہے کہ "آمین" سراً کہا جائے کیونکہ آمین ایک دعا ہے چنانچہ امام بخاریؒ نے عطا کا قول نقل کرتے ہوئے کہا ہے "آمین دعاءٌ" اور دعا میں افضل سرّ ہے، حضور ﷺ نے جب بھی زور سے آمین کہا ہے تو وہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے کہا ہے، چنانچہ حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث ہے "فقال آمین یمدبها صوته ما اراه الا لیعلمنا" (حضور ﷺ نے آمین کہی اور آمین کہتے وقت آواز کھینچی میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضور ﷺ کا مقصد تعلیم دینا تھا) جس طرح حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں باہر سے کچھ لوگ دین سیکھنے کیلئے آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کی تعلیم کیلئے ثناء زور سے پڑھی تھی، اسی طرح آپ ﷺ نے وائل بن حجر کو یہ سکھانے کیلئے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا سنت ہے زور سے آمین کہا، اسی طرح آپ ﷺ کبھی کبھی سری نمازوں میں ایک دو آیتیں زور سے تلاوت کرتے تھے، تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ سری نمازوں میں تلاوت کی جائے گی۔

حاصل یہ ہے کہ زور سے آمین کہنا بطور تعلیم تھا، اصل آمین آہستہ سے کہنا ہے۔

وجوه ترجیح: حنفیہ کا مذہب راجح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مؤید بالقرآن ہے جیسا کہ گذرا کہ آمین ایک دعا ہے اور دعا کا قرآن

میں آہستہ سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے نیز احناف کے دلائل صریح اور صحیح ہیں جب کہ شوافع کے دلائل جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں، اسی طرح ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آمین قرآن کا جز نہیں ہے جس طرح تعوذ قرآن کا جز نہیں ہے لہذ جس طرح تعوذ سرا ہے اسی طرح آمین بھی سرا ہے۔

نوٹ: یہ جو اختلاف گذرا یہ افضل اور غیر افضل ہونے کا اختلاف ہے جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے لہٰذا اس کے بارے میں جو جواز اور عدم جواز کی بحثیں چھیڑنا قطعی درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۷۷۰ «صف کی درستگی کا حکم» عالمی حدیث نمبر ۸۲۷،۸۲۶

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ فَاَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمِیْنَ یُجِبْکُمُ اللّٰهُ فَاِذَا کَبَّرَ وَرَکَعَ فَکَبِّرُوْا وَارْکَعُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ یَرْکَعُ قَبْلَکُمْ وَیَرْفَعُ قَبْلَکُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتِلْکَ بِتِلْکَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ یَسْمَعُ اللّٰهُ لَکُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَقَتَادَةَ وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا.

حواله: مسلم ص ١٧٤ ج ١، باب التشهد في الصلاة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٤٠٤.

ترجمه: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو اپنی صفوں کو درست کرلو، پھر چاہئے کہ تم میں سے کوئی شخص تمہارا امام ہوجائے تو وہ جب تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو، اور جب وہ کہے "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" تو تم لوگ آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کریگا پھر جب امام اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرے تو تم لوگ بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں جاؤ بلاشبہ امام تم سے پہلے رکوع میں جاتا ہے اور تم سے پہلے رکوع سے اٹھتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو یہ اسکے بدلہ میں ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور جب امام " سمع الله لمن حمده " کہے، تو تم لوگ ربنا لك الحمد " کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری سنیگا۔ (مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ابو ہریرہؓ اور قتادہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں "واذا قرأ فانصتوا" (جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو)۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے مقتدیوں کو چند باتوں کی ہدایت فرمائی ہے (۱) جماعت شروع ہونے سے پہلے صفوں کی درستگی کا اچھی طرح سے اہتمام کرلینا چاہئے، شریعت کی نگاہ میں صفوں کی درستگی کی بڑی اہمیت ہے۔ (۲) مقتدیوں کو اپنے میں سے کسی ایسے شخص کو امام مقرر کرلینا چاہئے جو امامت کا اہل ہو، (۳) امام جب سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے فارغ ہوجائے تو آمین کہنا چاہئے، آمین کہنے سے اللہ تعالیٰ دعا ضرور قبول فرماتے ہیں، (۴) امام کے رکوع میں جانے کے بعد مقتدیوں کو رکوع میں جانے چاہئے، اسی طرح امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد مقتدیوں کو اٹھنا چاہئے، امام رکوع میں پہلے جاتا ہے اور پہلے ہی رکوع سے واپس بھی ہوجاتا ہے اس طرح امام اور مقتدیوں دونوں کے رکوع کی مقدار برابر ہوجاتی ہے، (۵) امام رکوع سے اٹھتے وقت سمع الله لمن حمده کہے گا، مقتدیوں کو چاہئے کہ ربنا لك الحمد کہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا صليتم فاقيموا صفوفكم: مطلب یہ ہے کہ جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنی صفیں درست کرلو، صفوں کو اس طور پر درست کرنا مسنون ہے کہ اس میں کجی یا کشادگی باقی نہ رہے۔

صفوں کی درستگی کی فضیلت صفوں کی درستگی کی اللہ کے نبی ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے اور صفوں کی کجی پر بہت سی وعیدیں سنائی ہیں ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا" سوّوا صفوفكم فان تسوية الصفوف من اقامة الصلاة" (صفوں کو سیدھا رکھو اس لئے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کو قائم رکھنے کا حصہ ہے) ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا

"اقیموا الصف فی الصلاۃ فان اقامۃ الصف من حسن الصلاۃ" (نماز میں صف کو سیدھا رکھو اس لئے کہ سیدھا رکھنا نماز کے حسن میں شامل ہے) ایک روایت میں ہے " یسوی صفوفنا کانما یسوی بھا القداح" (آپ صفوں کو اس طرح سیدھا کرتے تھے گویا آپ ﷺ اس کے ذریعہ سے تیروں کو سیدھا کر رہے ہیں)۔

صفوں کی کجی پر وعید: آپ نے صفیں ٹیڑھی کرنے والوں کی شدید مذمت فرمائی ہے ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "اقیموا صفوفکم ثلاثاً واللّٰہ لتقیمنّ صفوفکم او لیخالفن اللّٰہ بین قلوبکم" (آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا رکھو، اللہ کی قسم اپنی صفوں کو ضرور سیدھا کرو ورنہ اللہ تمہارے دلوں کے اندر اختلاف ڈال دے گا، ایک روایت میں "بین قلوبکم" کے بجائے "بین وجوھکم" ہے، اس صورت میں یہ وعید ہو جائے گی کہ اللہ تمہارے چہروں کو مسخ کردے گا، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا " لا تختلوا فیختلفو قلوبکم" صف میں آگے پیچھے ہو کر اختلاف مت ڈالو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا " فو الذی نفسی بیدہٖ انی لأریٰ الشیطان من خلل الصف " (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی کشادگی میں داخل ہو جاتا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صف کے درمیان جگہ بھی نہ چھوڑنا چاہئے)۔

صف میں کھڑے ہونے کے حوالہ سے غیر مقلدین کا طریقہ: اللہ کے نبی ﷺ نے صف کی درستگی کی اتنی تاکید فرمائی تو صحابہ کرام صفوں کی درستگی پر بہت زیادہ توجہ دینے لگے، چنانچہ روایت میں آتا ہے "کان احدنا یلزق منکبہٗ لمکنب صاحبہ وقدمہ بقدمہٖ" (ہم میں سے ہر شخص صف میں اپنے شانہ کو اپنے ساتھی کے شانہ اور اپنے قدم کو اپنے ساتھی کے قدم سے ملا دیتا تھا)، یہ بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے، ابوداؤد میں نعمان بن بشیرؓ کی روایت میں ذرا اور وضاحت ہے، "فراء یت الرجل یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ ورکبتہ برکبتہ صاحبہ وکعبہ بکعبہ" (میں نے دیکھا کہ آدمی اپنے کاندھے کو اپنے ساتھی کے کاندھے سے اپنے گھٹنے کو اپنے ساتھی کے گھٹنے سے اور اپنے ٹخنے کو اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملا دیتا تھا)۔

ہمارے نزدیک ان روایتوں کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوتے تھے، اسی طرح مل کر کھڑے ہونے کو "الزاق" سے تعبیر کیا ہے، یہاں "الزاق" کے حقیقی معنی مراد نہیں، کیونکہ "الزاق" کے معنی چپکانے کے ہیں، ظاہری بات ہے یہاں حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہیں ہے چنانچہ مجازی معنی اختیار کئے جائیں گے اور مجازی معنی "قریب" ہوں گے جیسے کہ الزاق کے ہم معنی لفظ "الصاق" کے نحوی کتب میں مذکور ہیں، نحو کی کتابوں میں آتا ہے "الباء للالصاق" اور اس کی مثال "مررت بزید" ذکر کی جاتی ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بات کہی جاتی ہے "ای مررت بمکان یقرب منہ زید" دیکھئے یہاں الصاق سے قرب ہی مراد لیا گیا ہے، لیکن غیر مقلدین حضرات ان باتوں کی طرف توجہ نہ دے کر بتکلف پیروں سے پیروں کو ملا کر کھڑے ہوتے ہیں اور ان کا استدلال انہیں احادیث بالا سے ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ابوداؤد کی حدیث میں "منکبہ بمنکبہ صاحبہ ورکبتہ برکبتہ صاحبہ" کے الفاظ ہیں، اب دیکھئے کیا یہ ممکن ہے کہ صف میں ہر ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر ہی کھڑا ہو، اس صورت میں صف میں کھڑے ہونے والے تمام لوگوں کے قدوں کا برابر ہونا ضروری ہوگا، اور یہ بات محال ہے، نیز حدیث میں آگے "کعبہ بکعبہ" ہے یہاں " بکعب صاحبہ" نہیں فرمایا ہے جیسا کہ اوپر "بمنکبہ صاحبہ" اور "برکبۃ صاحبہ" فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ اپنے بغل میں کھڑے ہوئے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنا ملانا مراد نہیں ہے اور پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ اپنے ساتھی کے ٹخنے مراد ہے تو بھی حافظ ابن حجرؒ کے قول کے مطابق یہ مبالغہ پر محمول ہوگا، کیوں کہ بغل میں کھڑے ہوئے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنے ملانا ممکن ہی نہیں ہے لہٰذا غیر مقلدین

جوایک دوسرے کے پیر سے چپکا کر کھڑے ہوتے ہیں وہ طریقہ منشأ حدیث کے مطابق نہیں ہے نیز یہ طریقہ ہیئت صلاۃ کے خلاف بھی ہے اوراس صورت میں کشادگی بھی درمیان میں ہوجاتی ہے جبکہ آپ ﷺ نے سدِّ خلل یعنی کشادگی کو بند کرنے کا حکم دیا ہے " الزاق" والی حدیث کا صرف یہ مطلب ہے کہ صحابہ ایک ہی خط پر کھڑے ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوتے تھے۔

ثم لیو مکم احدکم : پھر تم میں سے کوئی شخص تمہارا امام ہوجائے یہ اس صورت میں ہے جب کہ تمام مقتدی عمر اور فضیلت میں برابر ہوں ورنہ جو امامت کا زیادہ اہل ہوگا اس کو امام بنادیا جائے گا، **فاذا کبر فکبروا**: یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ امام کی موافقت لازم ہے، حافظ بن حجرؒ فرماتے ہیں یہیں سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو تمام تکبیرات میں امام کی تکبیرات سے کچھ تاخیر کرنا چاہئے، اگر وہ امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی، **واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین**: اس میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ کی قرأت کرے تو مقتدی خاموش رہیں اور سنیں، حافظ بن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہیں سے امام اور مقتدی کے آمین کہنے میں مقارنت کا استحباب مستفاد ہورہا ہے اس لئے کہ یہ بات معلوم ہے کہ امام کے لئے سورۂ فاتحہ سے فراغت کے بعد آمین کہنا مستحب ہے، اور مقتدی کو اسی وقت آمین کہنے کا حکم دیا جارہا ہے تو دونوں کے آمین کا ایک وقت میں ہونا ثابت ہوگیا۔

فتلک بتلک : مطلب یہ ہے کہ امام مقتدی سے پہلے رکوع میں چلا جاتا ہے اور مقتدی سے پہلے رکوع سے واپس بھی آجاتا ہے لہٰذا امام اور مقتدی کی رکوع کی مقدار یکساں ہوجاتی ہے، **واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ**: اس جزء سے متعلق تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۷۳۸ دیکھیں، **واذا قرأ فانصتوا**: حدیث کے اس جزء سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے خاموش کھڑا ہوگا قرأت نہیں کرے گا۔

حدیث نمبر ۷۷۱ ﴿نماز میں قرأت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۲۸

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِی الظُّهْرِ فِی الْاُوْلَيَيْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ وَفِی الرَّكْعَتَيْنِ الْاُخْرَيَيْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ اَحْيَانًا وَيُطَوِّلُ فِی الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى مَالَا يُطِيْلُ فِی الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَهٰكَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰكَذَا فِی الصُّبْحِ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حوالہ: بخاری ص ۱۰۷ ج ۱، باب یقرأ فی لاخریین بفاتحۃالکتاب، کتاب الصلاۃ، حدیث ۷۷۶، مسلم ص ۱۸۵ ج ۱، باب القرأۃ فی الظھر والعصر، کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۵۱.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی شروع کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے، اور اخیر کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی ہمیں کوئی آیت سنادیتے تھے، اور پہلی رکعت جتنی لمبی کرتے تھے، دوسری رکعت اتنی لمبی نہیں کرتے تھے، اسی طرح عصر میں اور اسی طرح فجر میں کرتے تھے، (پہلی رکعت کے مقابلہ دوسری رکعت لمبی نہیں کرتے تھے)۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں چند باتیں خصوصیت سے بیان کی گئی ہیں (۱) آپ ﷺ ظہر میں یعنی چار رکعت والی نماز میں شروع کی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کی بھی قرأت فرماتے تھے، اور بقیہ دو رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرماتے تھے، (۲) کبھی کبھی آپ ﷺ سری نمازوں میں بھی ایک آدھ آیت جہراً تلاوت کرنا بطور تعلیم کے ہوتا تھا مقصود یہ تھا کہ مقتدی بھی جان لیں کہ سری نمازوں میں بھی قرأت ہے، (۳) شروع کی جن دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ مزید سورتوں کی تلاوت ہوتی ہے ان دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت کو آپ ﷺ عموماً دوسری رکعت کے مقابلہ میں دراز فرماتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں وہ لوگ بھی شامل ہوجائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح

سورتین: مطلب یہ ہے کہ شروع کی دو رکعتوں سے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت کی تلاوت فرماتے تھے، مجموعی طور پر دو رکعتوں میں دو سورتین ہو جاتی تھیں۔

سوال: کیا ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھی جا سکتی ہیں؟

جواب: فرض کی ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا پسندیدہ عمل نہیں ہے البتہ نفل میں چند سورتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

یسمعنا الآیة: سورۂ فاتحہ یا شروع کی دو رکعت میں جو سورت تلاوت فرماتے تھے سری نماز میں کبھی کبھی اس کی کوئی آیت جہراً پڑھ کر ہم کو سناتے تھے، **احیاناً:** سری نماز میں جہراً ایک آیت بھی سنانا نادر الوقوع عمل تھا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سورۂ فاتحہ یا سورت کے بعض کلمات پڑھ کر سناتے تھے (انہیں بعض کلمات کے سنانے کو "الآیة" سے تعبیر کیا ہے)، تا کہ علم ہو جائے کہ کون سی سورت تلاوت کی جا رہی ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سری نماز میں آپ کا جہراً پڑھنا بغیر قصد کے تھا، یا بیان جواز کے لئے تھا، یا اس لئے تھا کہ لوگوں کو قرأت کا علم ہو جائے یا پڑھی جانے والی سورت کا علم ہو جائے۔

صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ حافظ نے جہراً قرأت کی وجوہ میں سے ایک وجہ بیان کی ہے، ہمارے نزدیک آپ ﷺ کا سرّی نماز میں جہراً پڑھنا بیان جواز کے لئے نہیں ہو سکتا ہے اس وجہ سے کہ امام پر جہری نمازوں میں جہر، سرّی نمازوں میں سرّ واجب ہے۔

ہاں بیان جواز سے یہ مراد لیا جا سکتا ہے کہ ایک یا دو آیتوں کا جہراً تلاوت کرنا اور بقیہ آیات کا سرّاً تلاوت کرنا سراً ہی شمار ہوتا ہے۔

ویطول فی الرکعة الاولی: آپ ﷺ دوسری رکعت کے مقابلہ میں پہلی رکعت طویل رکھتے تھے، اس کی وجہ کے سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں نشاط زیادہ ہوتا ہے، تو خشوع و خضوع بھی زیادہ ہوگا لہذا پہلی رکعت لمبی رکھی جائے گی، اس کے علاوہ رکعتیں ہلکی رکھی جائیں گی تا کہ اکتاہٹ نہ ہو۔ (مرقات ص ۲۷۹ ج ۲)

آخر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا حکم

آخر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شوافع و حنابلہ شروع کی دو رکعتوں کی طرح آخری رکعتوں میں بھی فاتحہ ضروری قرار دیتے ہیں، حنفیہ کے یہاں مشہور قول یہ ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب نہیں ہے بلکہ مسنون ہے۔

سری نماز میں جهراً قرأت: حدیث باب کے اندر راوی نقل کرتے ہیں "یسمعنا الآیة احیاناً" سے معلوم ہوتا ہے کہ سرّی نماز میں کبھی کبھی ایک آیت جہراً بھی تلاوت کرتے تھے

حنفیہ کے یہاں جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازی میں سر واجب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی پر مواظبت فرمائی ہے، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص سری نماز میں جہر کرتا ہے یا جہری نماز میں سر کرتا ہے تو اگر یہ بھولے سے ہے تو واجب چھوٹنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، لیکن یہیں پر یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اگر سری نماز میں جہر یا جہری نماز میں سر **مایجوز به الصلاة** کی مقدار سے کم ہے تو وہ معاف ہے، آپ ﷺ سرّی نمازوں میں جو جہر فرماتے تھے وہ "**مایجوز به الصلاة**" کی مقدار سے کم تھا، لہذا ایسی صورت میں کوئی اشکال نہیں رہا، اور اگر آپ ﷺ نے "**مایجوز به الصلاة**" کی مقدار تلاوت فرمائی تو یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کی تلاوت فرمانے کا مقصد تعلیم تھا، اور آپ ﷺ نے آمین کو تعلیم کی غرض سے زور سے کہا جیسا کہ وائل بن حجرؓ کی روایت گذر چکی ہے "**یمد به صوته ماأراه الا لیعلمنا**" (آمین کہتے وقت آپ ﷺ نے اپنی آواز بلند کی، میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کا مقصد ہمیں تعلیم دینا تھا) اسی طرح سری نماز میں آپ تعلیم کی غرض سے جہر فرماتے تھے، **واللہ اعلم**۔

پہلی رکعت کی طوالت: حدیث باب کے الفاظ "كان يطول في الركعة الاولى" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ پہلی رکعت کو طول دیتے تھے، حدیث باب میں ظہر، عصر اور فجر کا تذکرہ ہے، بقیہ نمازوں کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ پہلی رکعت کو طول دینے کی جو علت ہے وہ مشترک ہے یہ علت کیا ہے؟ حضرت ابو قتادہؓ ہی کی روایت جو کہ ابو داؤد میں ہے اس کی صراحت ہے وہ بیان کرتے ہیں "فظننا انه يريد بذالك ان يدرك الناس الركعة الاولى" (ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ پہلی رکعت پالیں)، یہ جمہور کا مذہب ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف فجر کی پہلی رکعت کو طول دیا جائے گا کیونکہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے دیگر نمازوں میں قرأت کے اعتبار سے پہلی اور دوسری رکعتوں کا طول برابر رہے گا۔

اور جن احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مطلقاً پہلی رکعت لمبی ہوگی اس کی توجیہ امام صاحب یہ کرتے ہیں کہ رکعت اولی میں ثناء، تسمیہ وغیرہ کا اضافہ ہے اس لئے وہ لمبی ہوتی ہے، ورنہ اصل قرأت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے "كان يقرأ في صلاة الظهر في الاوّلين في كل ركعة قدر ثلثين آية، وفي العصر في الاوّلين في كل ركعة خمس عشر آية" (آپ ﷺ ظہر کی نماز میں شروع کی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بقدر تلاوت فرماتے تھے، اور عصر کی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں پندرہ آیتوں کی تلاوت فرماتے تھے)۔

حدیث بالا سے خوب اچھی طرح واضح ہوگئی کہ شروع کی دو رکعتوں میں قرأت کے اعتبار سے کمی بیشی نہیں ہے، البتہ فجر کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے۔

حدیث نمبر ۷۷۲ ﴿ظہر اور عصر میں قرأت کی مقدار﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۲۹

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهٗ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الٓمٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِيْنَ اٰيَةً وَحَزَرْنَا قِيَامَهٗ فِي الْاُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذَالِكَ وَحَزَرْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلٰى قَدْرِ قِيَامِهٖ فِي الْاُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَفِي الْاُخْرَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذَالِكَ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص ۱۸۵. ۱۸۶ ج ۱، باب القرأة في الظهر والعصر، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۴۵۲.

حل لغات: نَحْزُرُ حزر (ن) حزاراً اندازہ کرنا، تخمینہ لگانا۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے، چنانچہ ہم نے اندازہ لگایا کہ آپ ﷺ ظہر کی شروع کی دو رکعتوں میں "آلم تنزیل" کی قرأت کے بقدر قیام کرتے ہیں اور ایک روایت ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیات کی تلاوت کے بقدر قیام کرتے ہیں اور آخری دو رکعتوں کے قیام کا ہم نے اندازہ لگایا کہ آپ ﷺ اسکے نصف کے بقدر قیام کرتے ہیں اور ہم نے عصر کی نماز کی پہلی دونوں رکعتوں کے بارے میں اندازہ کیا کہ آپ ﷺ ان دونوں رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے بقدر قیام کرتے ہیں اور عصر کی آخری دو رکعتوں میں شروع رکعتوں کے نصف حصہ کے بقدر قیام کرتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ کے ظہر اور عصر کی رکعتوں میں قیام کی مقدار کا ذکر ہے، حدیث باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی شروع کی دو رکعتوں میں اتنی دیر قیام فرماتے تھے جتنی دیر سورۂ "الم تنزيل السجدة" کی تلاوت کی جاتی ہے اور سورۂ سجدہ میں کل انتیس آیات ہیں تو حاصل یہ نکلا کہ آپ ﷺ انتیس (۲۹) آیات تلاوت کرنے کے بقدر کھڑے ہوتے تھے، اسی مفہوم کی وضاحت اس حدیث میں ہے جو گذشتہ تشریح کلمات کے تحت گذر چکی ہے، یعنی "كان يقرأ في صلاة الظهر في الاولين في كل ركعة قدر ثلثين آية" یہ تو ظہر کی شروع کی دو رکعت کا معاملہ تھا، آخری دو رکعتوں میں آپ

ﷺ کا قیام شروع کی رکعتوں کے مقابلہ میں نصف ہوتا تھا، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کبھی کبھی آخری رکعتوں میں بھی سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی قرأت فرماتے تھے، اور آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا، جہاں تک عصر کی نماز کا معاملہ ہے تو آپ اس کی شروع کی دو رکعت میں اتنی مقدار میں کھڑے ہوتے تھے، جتنی مقدار میں ظہر کی آخری دو رکعتوں میں کھڑے ہوتے تھے، اور عصر کی آخری دو رکعتوں کا قیام شروع کی دو رکعت کے قیام کا آدھا ہوتا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح ''قدر قرأۃ الٓمٓ'' ظہر کی نماز میں اتنی دیر قیام فرماتے تھے جتنی دیر "الٓمٓ تنزیل السجدۃ" تلاوت کرلی جائے گویا آپ ﷺ تقریباً تیس آیات کی تلاوت کے بقدر قیام فرماتے تھے، اور اس قیام میں آپ ﷺ خاموش نہیں رہتے تھے، بلکہ اس میں سری قرأت فرماتے تھے، ایک موقع پر حضرت معمر نے حضرت خبابؓ سے دریافت کیا "اکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الظھر والعصر" (کیا نبی پاک ﷺ ظہر اور عصر میں قرأت فرماتے تھے؟) حضرت خبابؓ نے کہا ہاں آپ ﷺ قرأت فرماتے تھے، حضرت معمر نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوتا تھا کہ حضور قرأت فرمارہے ہیں؟ حضرت خبابؓ نے جواب دیا "باضطراب لحیتہٖ" آپ ﷺ کی داڑھی مبارک ہلا کرتی تھی اس سے ہم جان لیتے تھے کہ آپ ﷺ قرأت فرمارہے ہیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سری نمازوں میں سراً قرأت فرماتے تھے، یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سری نمازوں میں جہر فرمانا بہت نادر الوقوع معاملہ تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت خبابؓ جیسے کثیر الملازمہ صحابی سے جب پوچھا گیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ حضور ظہر اور عصر میں قرأت فرماتے تھے تو آپ نے قرائن کا سہارا لے کر جواب دیا "باضطراب لحیتہٖ" داڑھی ہلنے سے ہمیں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ قرأت فرمارہے ہیں۔

قدر النصف: ظہر کی آخری دو رکعتوں میں شروع کی دو رکعتوں کے مقابلہ میں قیام کی مقدار آدھی ہوتی تھی اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، (۱) آپ ﷺ ظہر کی آخری دو رکعتوں میں بھی سورۂ فاتحہ کے علاوہ تلاوت فرماتے تھے، (۲) یہ سورتیں پہلی دو رکعت کی سورتوں سے چھوٹی ہوتی تھیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ آخر رکعتوں میں سورتوں کا تلاوت کرنا آپ ﷺ کا معمول نہ تھا بلکہ یہ بیان جواز کے لئے تھا۔

وحضرنا فی الرکعتین الاولین من العصر: عصر کی دو رکعتوں میں ظہر کی دو رکعتوں کے بقدر قیام ہوتا تھا یعنی پندرہ آیات کے بقدر قیام ہوتا تھا۔

حدیث نمبر ۷۷۳ ﴿نماز ظہر میں "واللیل" پڑھنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳۰

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَ فِيْ رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذَالِكَ وَفِي الصُّبْحِ اَطْوَلُ مِنْ ذَالِكَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص ۱۸۷ ج ۱، باب القرأۃ فی الصبح، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۵۹۔

ترجمه: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر میں "واللیل اذا یغشیٰ" کی تلاوت فرماتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ "سبح اسم ربک الاعلیٰ" قرأت فرماتے تھے، اور عصر میں بھی اسی مقدار میں قرأت کرتے تھے، اور نماز میں اس سے لمبی قرأت فرماتے تھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز میں کبھی "واللیل" پڑھتے تھے، کبھی "سبح اسم ربک الاعلیٰ" پڑھتے تھے اور عصر کی نماز میں بھی ظہر کی نماز کے بقدر تلاوت کرتے تھے جب کہ فجر میں زیادہ لمبی قرأت کرتے تھے

کلمات حدیث کی تشریح یقرأ فی الظهر باللیل اذا یغشی: یہاں یہ بات مذکور ہے کہ ظہر کی نماز میں آپ ﷺ سورۂ "واللیل" کی قرأت فرماتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ بہت سی روایات میں جن میں آپ ﷺ کی تلاوت کا ذکر ہے جن راوی نے آپ ﷺ کو جو سورت پڑھتے سنا روایت کیا ہے، فقہاء احناف نے نمازوں میں قرأت کے حوالے سے مسنون مقدار بیان کی ہے اس کے مطابق فجر اور ظہر نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد طوالِ مفصل میں سے کسی سورت کا پڑھنا مسنون ہے، سورۂ "حجرات" سے سورۂ "بروج" تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں، عصر اور عشاء کی نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد اوساطِ مفصل میں سے کسی سورت کا پڑھنا مسنون ہے، سورۂ "بروج" سے سورۂ "لم یکن" تک کی سورتیں اوساط مفصل کہلاتی ہیں اور مغرب کی نماز میں قصارِ مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کا پڑھنا مسنون ہے، سورۂ "لم یکن" سے سورۂ "ناس" تک کی سورتیں قصارِ مفصل کہلاتی ہیں، حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ کے مطابق پہلی رکعت میں یہ طریقہ مسنون ہے۔

حدیث نمبر ۷۷۴ ﴿نماز مغرب کی قرأت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳۱

وَعَنْ جُبَيْرِ بنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله : بخاری ص نمبر ۱۰۵ ج نمبر ۱، باب الجهر فی المغرب، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۶۵، مسلم ص ۱۸۷ جلد ۱، باب القرأۃ فی الصبح، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۴۶۳.

ترجمه: حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ طور کی تلاوت فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز میں مختصر قرأت کا ضابطہ اپنی جگہ ہے، لیکن کبھی کبھی لمبی سورت پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح بالطور: آپ ﷺ کا عام معمول مغرب کی نماز میں قصار مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کے پڑھنے کا تھا، سلیمان بن یسارؒ کی روایت ہے "فکان یقرأ فی الصبح بطوال المفصل وفی المغرب بقصار المفصل" لیکن اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھے، جو کہ طوال مفصل میں سے ہے، فتح الباری میں یہ بات لکھی ہے کہ ممکن ہے یہاں "بالطور" کا "ب" "من" کے معنی میں ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "عیناً یشرب بها عباد الله" میں "بها" کا "ب" "منْ" کے معنی میں ہے۔

امام مالکؒ مغرب کی نماز میں طویل سورتوں کے پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں جب کہ امام شافعیؒ اس کو مکروہ قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ مستحب قرار دیتے ہیں، حافظ ابن حجرؒ کے قول کے مطابق اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ جو چیز نبی کریم ﷺ سے ثابت ہوا اور اس پر آپ ﷺ نے مواظبت فرمائی ہو تو وہ مستحب ہوتی ہے، اور جس پر آپ ﷺ نے مواظبت نہیں فرمائی، لیکن وہ چیز آپ ﷺ سے ثابت ہے اس کو مکروہ نہیں کہیں گے، مغرب کی نماز میں طوال مفصل کا پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے، لیکن مواظبت ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کو امر مستحب نہیں کہیں گے یہ مکروہ بھی نہیں قرار دیا جائیگا۔

آپ ﷺ نے مغرب کی نماز میں کبھی کبھی طویل قرأت فرمائی ہے اس کی وجہ یا تو بیان جواز ہے، یا پھر آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ مقتدیوں کو طویل قرأت میں مشقت نہیں ہوگی۔ (تلخیص فتح الباری ص ۱۹۶ ج ۲)

اس حدیث کے راوی جبیر ابن مطعمؓ ہیں، حضرت جبیر ابن مطعمؓ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں بات کرنے کے لئے تشریف لائے

تھے، مغرب کی نماز میں آپ ﷺ نے سورۂ طور کی تلاوت فرمائی، جب آپ ﷺ نے یہ آیت، "ان عذاب ربك لواقع" تلاوت فرمائی تو جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں "کانما صدع قلبی" (میرا دل ریزہ ریزہ ہوگیا) اور جب ام خلقوا من غیرشئی سے "المصیطرون" تک سنا تو میرا حال یہ ہوا کہ "کانماقلبی یطیر" (ایسا لگتا تھا کہ میرا دل اڑ جائے گا) اور ایک روایت میں ہے" وذالك اول ما وقر الایمان فی قلبی" یہ وہ پہلی چیز تھی جس نے میرے دل میں ایمان کو جاگزیں کردیا۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کافر و فاسق اپنے کفر اور فسق کے زمانہ کی سنی ہوئی باتیں بیان کرتے ہیں تو وہ معتبر ہوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ جس وقت وہ بیان کررہے ہیں اس وقت ان کے اندر صفت عدالت موجود ہو۔ (حوالہ بالا)۔

حدیث نمبر ۷۷۵ ﴿نمازمغرب میں آپ ﷺ کاسورۂ مرسلات پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳۲

وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِى الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفاً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری صفحه نمبر ۱۰۵ ج۱، باب القرأۃ فی المغرب، کتاب الاذان حدیث ۷۶۳، مسلم ص ۱۸۷ ج۱، باب القرأۃ فی الصبح، کتاب الصلاۃ حدیث ٤٦٢.

ترجمه: حضرت ام فضل بن حارثؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ المرسلات عرفا پڑھتے سنا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی مغرب کی نماز میں سورتیں تلاوت فرماتے تھے، اصل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں کوفہ کے حاکم حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل، اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل کا عمل اختیار کیا جائے، حضرت عمرؓ نے یہ ہدایت اس لئے دی تھی کہ آپ ﷺ کا معمول بھی اسی کے مطابق تھا کبھی کبھی آپ ﷺ نے اس کے خلاف بھی کیا ہے، لہٰذا اس سنت پر عمل کرنے کے لئے ہمارے لئے بھی کبھی مغرب میں لمبی سورت اور فجر میں چھوٹی سورت تلاوت کرنے کی گنجائش ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یقرأ فی المغرب بالمرسلات: ام فضل بنت حارث نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں "سورۂ والمرسلات" کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، بخاری و مسلم کی روایت میں یوں الفاظ ہیں۔

"عن ابن عباس ان قال ان ام الفضل سمعته وهو یقرأ والمرسلات" (ام فضل نے حضرت ابن عباس کو والمرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا) ام فضل نے مغرب کی نماز میں سورہ والمرسلات سننے کے بعد کہا بیٹے تم نے اس سورت کی تلاوت کرکے مجھے یہ بات یاد دلادی کہ حضور ﷺ نے سب سے آخری مغرب کی نماز میں یہی سورۂ والمرسلات تلاوت فرمائی تھی۔

چونکہ سورۂ والمرسلات قصار مفصل میں سے نہیں ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ مغرب میں فقہاء کے نزدیک مفصل کے علاوہ لمبی سورتیں پڑھنے کی بھی گنجائش ہے اس لئے کبھی کبھی لمبی سورتیں بھی پڑھ لینا چاہئے تاکہ اس سنت پر عمل بھی ہوتا رہے۔

حدیث نمبر ۷۷۶ ﴿امام مقتدی کی رعایت کے ساتھ قرأت کرے﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳۳

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّى مَعَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَاْتِىْ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ فَصَلّٰى لَيْلَةً مَعَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهُ فَاَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهُ اَنَافَقْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَاٰتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاُخْبِرَنَّهٗ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَاِنَّ مُعَاذاً

صَلّٰی مَعَكَ ثُمَّ قَوْمَهٗ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مُعَاذٍ وَقَالَ مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ اِقْرَاْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ : بخاری ص ۹۸ ج ۱ ،باب من شکی امامه اذا طول، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۰۵، مسلم ص ۱۸۷ ج ۱، باب القرأۃ فی العشاء، کتاب الصلاۃ حدیث ۴۶۵.

ترجمہ : حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذؓ بن جبل نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر واپس آ کر اپنی قوم کو امامت کرتے تھے، ایک رات نبی پاک ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر اپنی قوم میں تشریف لائے اور ان کی امامت کی، حضرت معاذ نے سورۂ بقرہ کی قرأت شروع کی اتنے میں ایک صاحب نے سلام پھیر لیا اور انہوں نے تنہا نماز پڑھی اور چلے گئے، لوگوں نے ان صاحب سے کہا کہ کیا تم منافق ہو گئے ہو؟ وہ صاحب بولے نہیں، اللہ کی قسم میں منافق نہیں ہوں میں نبی پاک ﷺ کے پاس ضرور جاؤں گا اور آپ ﷺ کو اس واقعہ سے مطلع کروں گا، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول؟ ہم اونٹوں والے ہیں ہم دن کو محنت کرتے ہیں اور معاذ نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز عشاء پڑھی پھر اپنی قوم میں واپس آئے، اور انہوں نے سورۂ بقرہ کی قرأت شروع کی، رسول اللہ ﷺ حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا فتنہ میں ڈالنے والا ہے؟ اے معاذؓ والشمس وضحٰها، والضحٰی، واللیل اذا یغشٰی اور سبح اسم ربك الاعلٰی پڑھا کرو۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امام کو مقتدی کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھنا چاہیے، اگر جماعت میں شامل لوگ کمزور سن رسیدہ اور ضرورت مند ہوں تو قرأت مختصر کرنا چاہیے، اگر کوئی امام مقتدیوں کی رعایت نہیں کرتا ہے، تو مقتدیوں کو خود امام سے اور اگر امام نہ مانے تو حکام بالا سے شکایت کرنے کا حق ہے اور یہ شکایت کرنا غیبت میں شمار نہ ہوگا حدیث باب میں اس قسم کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص دن بھر محنت کر کے رات میں پانی کھینچنے والے دو اونٹوں کو لے کر آیا اس نے حضرت معاذؓ کو عشاء کی نماز پڑھاتے ہوئے پایا تو وہ بھی نماز میں شامل ہو گیا حضرت معاذؓ نے سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی تو کچھ دیر کے بعد اس کی قوت برداشت جواب دے گئی، لہٰذا اس نے سلام کے ذریعہ نماز توڑ دی، اور تنہا نماز ادا کر کے چلا گیا بعد میں جب لوگوں نے ان کو ملامت کی تو انہوں نے حضور ﷺ سے حضرت معاذؓ کی شکایت کی، حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو اتنی لمبی قرأت کرنے سے منع فرمایا، بخاری شریف میں اس حدیث سے پہلے اسی مفہوم کی ایک اور حدیث ہے اس میں یہ بات ہے کہ جب حضور ﷺ کو ایک امام کے بارے میں اسی قسم کی لمبی قرأت کرنے کی شکایت ملی تو آپ ﷺ کو غصہ آ گیا اور فرمایا، "یا ایها الذین ان منکم منفرین فمن ام منکم الناس فلیجوز فان خلفه الضعیف والکبیر واذا الحاجة" (اے لوگو بلاشبہ تم میں سے بعض لوگ نفرت دلانے والے ہیں تم میں سے جو شخص لوگوں کی امامت کرے تو اس کو اختصار ملحوظ رکھنا چاہیے)۔

کلمات حدیث کی تشریح کان معاذ ابن جبل یصلی مع النبی: حضرت معاذ بن جبلؓ آپ کے پیچھے مسجد نبوی میں عشاء کی نماز میں شرکت فرماتے تھے، پھر واپس اپنی قوم میں جا کر عشاء کی فرض نماز ادا فرماتے تھے، حضرت معاذ حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو نفل کی نیت کرتے تھے اور پھر اپنے محلہ جا کر فرض کی نیت سے عشاء کی نماز پڑھتے تھے۔

حدیث کے اس جزء سے یہ بحث چھڑتی ہے کہ کیا فرض نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں؟ اس کو اصطلاح میں "اقتداء المفترض خلف المتنفل" کہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل "جائز" ہے اور وہ حدیث باب سے استدلال

کرتے ہیں، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ نے جب حضور ﷺ کے پیچھے عشاء کی نماز اداء کرلی تو ان کا فریضہ ساقط ہوگیا، اب جب محلہ والوں کی امامت کررہے ہیں تو ظاہری بات ہے کہ نفل ہی کی نیت کی ہوگی جب کہ محلہ والے فرض کی ادائیگی کے لئے جماعت میں شریک ہوئے ہوں گے اس واقعہ کی اطلاع آپ ﷺ کو بھی ہوئی آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی معلوم ہوا ''اقتداء المفترض خلف المتنفل'' جائز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ''اقتداء المفترض خلف المتنفل'' جائز نہیں، امام صاحبؒ کی دلیل حدیث "الامام ضامن" ہے، امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے اور قاعدہ ہے کہ کوئی شئی اپنے سے قوی چیز کو متضمن نہیں ہوسکتی، اس وجہ سے نفل پڑھنے والے امام کی نماز بھی فرض پڑھنے والے مقتدی کی نماز کو متضمن نہیں ہوسکتی کیوں کہ فرض نماز نفل نماز سے قوی ہے۔

اب رہ گیا حدیث باب کا جواب تو اس کیلئے عرض ہیکہ بہت سے جواب دیئے گئے ہیں انہیں جوابات میں سے ایک یہ ہیکہ حضرت معاذؓ حضور ﷺ کیساتھ فرض کی ادائیگی کیساتھ شریک تھے یا نفل کی ادائیگی کی نیت سے شریک تھے، یہ چیز بغیر نیت کرنیوالے کے بیان کے تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہوسکتی؛ احتمال دونوں باتوں کا ہے البتہ اگر نفل کی نیت مان لیں تو اسمیں کسی کا اختلاف نہیں رہیگا لہذا یہی ماننا زیادہ بہتر ہے، حضرت معاذؓ ایسا اسوجہ سے کرتے تھے تاکہ حضور ﷺ کی اقتداء بھی حاصل ہوجائے اور جماعت کے ساتھ شامل ہوکر اپنے محلہ میں نماز پڑھانے کا ثواب بھی مل جائے، اس کے علاوہ مزید جوابات اور اس مسئلہ سے متعلق تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۶۱۲ دیکھئے۔

فافتتح بسورة البقرة: سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد ''سورۂ بقرہ'' کی تلاوت شروع کی، فانحرف رجل: ایک صاحب صف سے نکل گئے، یہ صاحب ''حزام ابن ابی کعب انصاریؓ'' فسلّم: حزام ابن ابی کعبؓ نے سلام پھیر کر نماز توڑ دی سلام کا مقام بالکل اخیر میں ہے اسکو اپنے محل سے مقدم کرنا درست نہیں ہے، صحابی کے سلام پھیر کر نماز توڑنے کا مقصد یہ تھا کہ نماز کی تکمیل کی مشابہت اختیار کرلی جائے، وانصرف یعنی انہوں نے جماعت سے نکلنے کے بعد تنہا اپنی نماز اداء کی اور مسجد سے چلے گئے، فقالوا: قوم کے لوگوں نے ان صحابی سے کہا کہ کیا تو منافق ہوگیا ہے؟ یعنی جماعت و نماز سے انحراف کا عمل تو منافق کرتے ہیں تو نے بھی وہی کام کیوں کیا؟ قال لا واللہ: صحابی نے قسم کھا کر کہا کہ میں منافق نہیں ہوا ہوں اور میں اس مسئلہ کو لیکر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ضرور جاؤں گا، نعمل بالنهار وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے اور اپنے حالات بیان کرنے کیساتھ پورا واقعہ حضور ﷺ کے گوش گذار کیا حضور ﷺ نے پورا واقعہ سنکر حضرت معاذؓ کو لمبی سورتیں تلاوت کرنے سے منع کیا، مقتدیوں کے حالات کی رعایت کرنے کی تاکید کیساتھ عشاء کی نماز میں پڑھی جانے والی چند سورتوں کیطرف رہنمائی بھی فرمائی۔ عشاء کی نماز میں اوساط مفصل کا پڑھنا بہتر ہے، اور امام نوویؒ کی صراحت کے مطابق اوساط مفصل ''سورۂ بروج سے لیکر سورۂ لم یکن تک ہے، اس حدیث میں جن سورتوں کی تاکید کی ہے وہ سب اوساط مفصل میں داخل ہیں۔

حدیث نمبر ۷۷۷ ﴿عشاء کی نماز میں آپ ﷺ کی قرأت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳٤

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله : بخاری ،ص ١٠٦ ج١، باب القرأة في العشاء، كتاب الاذان، حديث نمبر ٧٦٩، مسلم ص ١٨٧ ج١، باب القرأة في العشاء، كتاب الصلاة، حديث ٤٦٤ .

ترجمه : حضرت براء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں ''سورة والتين والزيتون'' پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے آپ ﷺ سے زیادہ کسی اچھی آواز والے کو نہیں سنا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت براءؓ نے آپ ﷺ کو عشاء کی نماز میں "سورۂ والتین" کی تلاوت کرتے ہوئے سنا سورۂ والتین اوساط مفصل میں سے ہے اور عشاء کی نماز میں اوساط مفصل میں شامل سورتوں کی تلاوت کرنا بہتر ہے، حضرت براء نے اس حدیث سے مزید یہ بات کہی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ دل کش آواز کسی کی نہیں سنی۔

کلمات حدیث کی تشریح يقرأ في العشاء والتين والزيتون، بخاری کی ایک روایت میں "في احدى الركعتين" کی صراحت ہے، یعنی سورۂ والتین عشاء کی ایک رکعت میں پڑھی، اور نسائی میں تو اس رکعت کی بھی یوں صراحت ہے "في الركعة الأولى" یعنی آپ ﷺ نے عشاء کی پہلی رکعت میں سورۂ والتین کی تلاوت فرمائی۔

وما سمعت أحدا أحسن صوتا منه: راوی حدیث براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ اچھی آواز میں کسی کو نہیں سنا، اس حدیث کی تائید اس حدیث بھی ہوتی ہے، "انه عليه السلام قال ما بعث الله نبيا قط إلا بعثه حسن الوجه حسن الصوت، حتى بعث الله نبيكم فبعثه حسن الوجه وحسن الصوت" اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی نبی بھیجے سب کے سب حسین اور اچھی آواز والے ہوتے اور تمہارے پاس جس نبی کو بھیجا وہ شکل وصورت میں حسین اور دل کش آواز والا ہے اس مضمون کی دیگر احادیث کے لئے دیکھئے۔ (مرقات صفحہ ۲۹۲ ج ۲)

حدیث نمبر ۷۷۸ ﴿نماز فجر میں آپ ﷺ کی قرأت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳۵

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدُ تَخْفِيْفاً رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص ۱۸۷ ج ۱، باب القرأة في الصبح، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٤٥٨.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فجر کی نماز میں سورۂ "ق والقرآن المجيد" اور اس جیسی سورت پڑھتے ہوئے سنا، اور فجر کی نماز کے علاوہ نمازیں ہلکی ہوتی تھیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز میں سورۂ "ق" اور اس کے مانند سورتیں بھی پڑھی ہیں، اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز میں دیگر نمازوں کے بنسبت لمبی قرأت فرماتے تھے

کلمات حدیث کی تشریح كان يقرأ في الفجر بق والقرآن المجيد: رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد شروع دور میں صحابہ کرام کی جماعت کم ہونے کی وجہ سے، بہت لمبی قرأت فرماتے تھے پھر جب تعداد زیادہ ہوگئی اور ان پر زیادہ لمبی قرأت بھاری ہوئی اس سبب سے کہ ان میں بہت سے تجارت وزراعت سے وابستہ لوگ تھے تو آپ ﷺ نے ان پر مہربانی کرتے ہوئے لمبی قرأت میں تخفیف کردی، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ "ابن حجرؒ" کہتے ہیں کہ اس جیسے موقع پر لفظ "کان" دوام واستمرار کا فائدہ دیتا ہے جیسے کہ اہل عرب کا قول ہے "كان حاتم يكرم الضيف" اس میں "کان" دوام کے معنی دے رہا ہے، بعض دیگر لوگوں نے کہا ہے کہ عرف کے اعتبار سے دوام کا فائدہ دیتا ہے اصل وضع کے اعتبار سے نہیں دیتا ہے اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ ان احادیث میں "لفظ کان" استمرار کے لئے نہیں ہے، یعنی حدیث کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی کبھی فجر کی نماز میں "ق والقرآن المجيد" اور اس کے مثل سورت پڑھی ہے، یہ حضور کا دائمی عمل نہیں تھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان "وكان الإنسان عجولاً" استمرار کے لئے نہیں ہے، اور اس طرح باری تعالیٰ کے فرمان "كيف نكلم من كان في المهد صبيا" میں بھی "کان" استمرار کے لئے نہیں ہے، تلخیص مرقات ص ۲۹۲-۲۹۳، ج ۲۔

حدیث نمبر ۷۷۹ ﴿فجر کی نماز میں سورۂ اذا الشمس پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳۶

وَعَنْ عَمْرِو ابْنِ حُرَيْثٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله : مسلم ص ۱۸٦ ج ۱، باب القرأة فی الصبح، کتا ب الصلاة، حدیث نمبر ٤٥٦.

ترجمه : حضرت عمرو بن حریث سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو فجر کی نماز میں "واللیل اذا عسعس" پڑھتے ہوئے سنا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث ایک صحابی ہیں عمرو بن حریث، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت بھی کی ہے، آپ ﷺ سے احادیث بھی سنی ہیں، آپ ﷺ نے اس کے سر پروست شفقت بھی پھیرا ہے اور برکت کی دعاء بھی دی ہے، یہ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فجر کی نماز میں "واللیل اذا عسعس" یعنی سورۂ "اذا الشمس کورت" کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، یہ سورت طوال مفصل میں سے ہے اور فجر کی نماز میں طوال مفصل میں سے کسی سورت کا پڑھنا افضل ہے، امام نووی کی صراحت کے مطابق "سورۂ "حجرات" سے سورۂ "بروج" تک طوال مفصل کی سورتیں ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح واللیل اذا عسعس: آپ ﷺ نے فجر کی نماز میں "واللیل اذا عسعس" کی تلاوت فرمائی، حدیث کے اس جزء سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت پر اکتفاء کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ یہی بات کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث کا جزء فجر میں تخفیف کا فائدہ دیتا ہے لیکن یہ مفہوم آپ ﷺ سے ثابت شدہ عمل کے مخالف ہے، اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی تین آیات سے کم پر اکتفاء نہیں کیا، جولوگ حدیث کے اس جزء سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس آیت پر اکتفاء کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے یہ عمل کسی انتہائی اہم کام کی وجہ سے کیا ہو؛ لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے؛ اس وجہ سے کہ اگر کسی اہم کام کی بناء پر آپ ﷺ نے ایک آیت پر اکتفاء کیا ہوتا، تو حدیث میں اس عمل کی صراحت ہوتی، اصل بات یہ ہے کہ راوی کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضور نے وہ سورت تلاوت فرمائی جس میں "واللیل اذا عسعس" ہے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ حضور ﷺ نے "واللیل اذا عسعس" سے اخیر سورت تک تلاوت فرمائی۔

حدیث نمبر ۷۸۰ ﴿فجر کی نماز میں سورۂ مؤمنین کی تلاوت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَاءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُعْلَةٌ فَرَكَعَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله : مسلم ص ۱۸٦ ج ۱، باب القرأة فی الصبح، کتاب الصلاة، حدیث ٤٥٦.

حل لغات : السُّعْلَةُ: کھانسی، (ایک دفعہ کی) سَعَلَ (ن) سُعالاً کھانسنا، کھانسی کا مریض ہونا۔

ترجمه : حضرت عبداللہ بن سائبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مکہ میں فجر کی نماز پڑھائی، آپ ﷺ نے اس نماز میں سورۂ "مؤمنین" کی تلاوت فرمائی، یہاں تک کہ جب حضرت موسیٰ وحضرت ہارونؑ کا ذکر آیا، یا حضرت عیسیٰؑ کا ذکر آیا، تو آپ ﷺ کو کھانسی آگئی، اور آپ ﷺ رکوع میں چلے گئے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث سورۂ "مؤمنون" کی آیت "ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ ھارون" میں حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کا تذکرہ ہے اور "وجعلنا ابن مریم وامه" میں حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ ہے، آپ ﷺ پہلی آیت جس میں حضرت موسیٰؑ وحضرت ہارونؑ کا تذکرہ ہے اس پر پہنچے، یا دوسری آیت جس میں حضرت عیسیٰؑ کا تذکرہ ہے اس پر پہنچے، تو آپ ﷺ پر

اس قدر گریہ طاری ہوا کہ آپ کو کھانسی آنے لگی، چنانچہ آپ ﷺ قرأت کی تکمیل نہیں کر سکے اور رکوع میں چلے گئے۔

کلمات حدیث کی تشریح بمکة: فتح مکہ کے موقعہ پر، ''فاستفتح سورة المؤمنين'' مراد ''قد افلح المؤمنون'' ہے، ''حتى جاء ذكر موسى'' سے مطلب یہ ہے کہ نبی کریم اس آیت پر پہنچے جس آیت میں حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا تذکرہ ہے، اخذت النبي صلى الله عليه وسلم سعلة'' اس شدت سے آپ ﷺ پر کھانسی کا غلبہ ہوا کہ آپ ﷺ کے لئے قرأت کرنا ممکن ہی نہیں رہا لہٰذا آپ ﷺ رکوع میں چلے گئے۔

حدیث نمبر ۷۸۱ ﴿فجر کی نماز میں سورۂ السجدہ کی تلاوت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳۸

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمٓ تَنْزِيْلُ فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص ۱۲۲ ج ۱، باب ما يقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة، كتاب الجمعة، حديث نمبر ۸۹۱، مسلم ص ۲۸۸ ج ۱، باب ما يقرأ في يوم الجمعة، كتاب الجمعة، حديث ۸۸۰.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں ''الم تنزيل'' اور دوسری رکعت میں ''هل اتى على الإنسان'' کی تلاوت فرماتے تھے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہیکہ آپ ﷺ نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت اور دوسری رکعت میں بالترتیب سورۂ سجدہ اور سورۂ دھر پڑھی ہے ان دونوں سورتوں کا جمعہ کے دن پڑھنا مستحب ہے لیکن ہمیشہ ہمیش کا معمول نہ بنانا چاہئے، بلکہ کبھی کبھی ترک بھی کر دینا چاہئے تاکہ جمعہ کے روز نماز فجر میں ان ہی دونوں سورتوں کے پڑھے جانیکا وجوب ظاہر نہ ہو

کلمات حدیث کی تشریح كان النبي ﷺ: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''کان'' استمرار کیلئے نہیں ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''وكان الانسان عجولا''۔ يقرأ في الفجر: یعنی آپ ﷺ فجر کی نماز میں جمعہ کے دن کبھی کبھی پہلی رکعت میں سورہ ''سجدہ'' اور دوسری رکعت میں سورہ ''دھر'' پڑھا کرتے تھے، اس پر مداومت نہ کرنا چاہئے، ورنہ عوام اس کے وجوب کے قائل ہو جائیں گے، بلکہ بہت سے جاہل لوگ تو طرح طرح کے مغالطہ کا شکار ہو جائیں گے۔

چوں کہ مذہب شوافع میں جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ان دونوں سورتوں کی تلاوت پر بہت زور ہے اور سورۂ سجدہ میں سجدہ ہوتا ہے، اس وجہ سے بعض عوام یہ سمجھتے ہیں کہ شافعی مذہب میں فجر کی نماز میں تین رکعت ہیں، کیوں کہ جاہل لوگ امام کے سجدہ میں جانے سے یہ سمجھتے ہیں کہ امام نے رکوع و پہلا سجدہ جلدی جلدی کرلیا ہے اور یہ دوسرا سجدہ ہے، صاحب مرقات نے اس پر ایک لطیفہ لکھا ہے کہ بعض عجمی بخارا آئے، تو ایک نے کہا کہ میں نے مکہ میں یہ عجیب بات دیکھی کی شافعی لوگ فجر کی نماز میں تین رکعت پڑھتے ہیں، اس پر دوسرا بولا کہ ہر روز تین رکعت نہیں پڑھتے، بلکہ صرف جمعہ کے دن تین رکعت پڑھتے ہیں، ان سب باتوں کا سبب شوافع کا جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ان سورتوں کی تلاوت پر مدامت کرنا ہے، حنفیہ و مالکیہ بعض اوقات عوام کے مغالطے کے ڈر سے بہت سے کرنے والے امور بھی ترک کر دیتے ہیں، کیوں کہ ایسی حالت میں ان کا نہ کرنا ان کا زیادہ بہتر ہوتا ہے، مثال کے طور پر حنفیہ و مالکیہ جمعہ وعیدین کی نماز میں سجدۂ سہو ترک کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ بھیڑ بھاڑ میں سجدہ سہو کرنے کی وجہ سے طرح طرح کی باتیں بننے اور عوام الناس کے مغالطے میں پڑنے کا قوی خدشہ ہے۔ (مرقات صفحہ ۲۹۴ ج ۲)

جمعہ کے دن ان سورتوں کے پڑھنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان سورتوں میں جنت وجہنم اور ان کے اہل کا تذکرہ ہے اور قیامت کے احوال کا بیان ہے اور یہ سب جمعہ کے دن ہی ہونا ہے۔

حدیث نمبر ۷۸۲ ﴿جمعہ کی نماز میں سورۃ الجمعہ کی تلاوت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۳۹

وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ فِى السَّجْدَةِ الْاُوْلٰى وَفِى الْاٰخِرَةِ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ : مسلم ص ۲۸۷ ج ۱، باب ما یقرأ فی صلاۃ الجمعۃ، کتاب الجمعۃ حدیث نمبر ۸۷۷.

ترجمہ: حضرت عبیداللہ بن ابورافعؒ سے روایت ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرہؓ کو مدینہ کا خلیفہ مقرر کیا اور خود مکہ کے سفر پر روانہ ہوگیا، تو حضرت ابوہریرہؓ نے ہم کو جمعہ کی نماز پڑھائی چنانچہ انہوں نے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرمائی اور دوسری رکعت میں سورۂ "اذا جاء ك المنافقون" کی تلاوت فرمائی، پھر انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کے دن ان سورتوں کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے آپ ﷺ سے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ "اذاجاء ك المنافقون" کی تلاوت سنی تھی؛ لہٰذا جب مروان نے حضرت ابوہریرہؓ کو اپنا نائب مقرر کیا، تو حضرت ابوہریرہؓ نے بھی جمعہ کی نماز میں ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح السجدۃ الأولى: سجدہ اولیٰ سے مراد پہلی رکعت ہے "سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ بهما" علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن مذکورہ بالا دونوں سورتوں کا جمعہ کی نماز میں پڑھنا مستحب ہے، حکماء نے کہا ہے کہ سورۂ جمعہ پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں نماز جمعہ کے وجوب اور اس کے علاوہ دیگر احکام موجود ہیں، اسی کیساتھ اسمیں توکل اور اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ابھارا بھی گیا ہے اور سورۂ منافقون پڑھنے کی حکمت یہ ہیکہ جمعہ کے دن اکثر منافق حاضر ہوتے ہیں اس سورت کے پڑھنے سے منافقوں کو تنبیہ بھی ہوگی اور وہ اپنے بارے میں وارد شدہ دھمکیوں سے سبق لیں گے اس حدیث اور دیگر احادیث کیسامنے رکھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہیکہ جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون یا پھر پہلی رکعت میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور دوسری رکعت میں "هل اتك" یا پھر پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں "هل اتك حديث الغاشية" پڑھنا بہتر ہے، یہ تینوں طریقہ ثابت شدہ ہے اور باعث ثواب ہیں (فتح الملهم ص ۴۱۹ ج ۲).

حدیث نمبر ۷۸۳ ﴿نماز عید میں آپ ﷺ کی قرأت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۴۰

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْعِيْدَيْنِ وَفِى الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِى يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِى الصَّلَاتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ : مسلم ص ۲۸۸ ج ۱، باب ما یقرأ فی صلاۃ الجمعۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث ۸۷۸.

ترجمہ : حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور "هل اتاك حديث الغاشية" کی تلاوت فرماتے تھے اور جب عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہوجاتے تو آپ ﷺ دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی عیدین اور جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور دوسری رکعت میں "هل اتاك حديث الغاشية" تلاوت فرماتے تھے، اور جمعہ اور عیدین میں سے عید ایک ہی دن ہوجاتی، تو آپ ﷺ دونوں نمازوں میں مذکور سورتیں پڑھ لیا کرتے تھے، یہیں سے یہ بات بھی معلوم

ہوئی کہ آپ ﷺ التزام کے ساتھ کسی بھی نماز میں کوئی سورت نہیں پڑھتے؛ کیونکہ یہاں جمعہ کی نماز میں سبح اسم ربك اور "هل اتاك حديث الغاشية" پڑھنے کا ذکر ہے، جب کہ ماقبل کی حدیث میں جمعہ کی نماز میں سورۂ منافقون پڑھنے کا تذکرہ تھا، معلوم ہوا کہ حدیث باب میں جن سورتوں کا ذکر ہے ان کو پڑھتے تھے اور کبھی ان سورتوں کو پڑھتے تھے جن کا ماقبل کی حدیث میں ذکر ہے اور کبھی ان کے علاوہ سورتیں بھی پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح قرأ بهما في الصلاتين: اس جز سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ عیدین کی نماز میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور "هل اتاك حديث الغاشية" پڑھنا مستحب ہے جب کہ اگلی حدیث میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضور ﷺ عیدین کی نماز میں سورہ "ق والقرآن المجيد" اور "اقترب الساعة" کی تلاوت فرماتے تھے، اصل بات یہ ہے کہ جب عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑتا تو آپ تخفیف کی بناء پر حدیث باب میں موجود سورتیں پڑھتے تا کہ مدینہ کے عوالی سے جو لوگ آئے ہیں اور ان کو جمعہ پڑھ کر اپنے گھروں کو لوٹنا ہے ان کے حق میں تخفیف ہو سکے، اور وہ لوگ بسہولت گھر پہنچ کر بقیہ دن اپنے اہل وعیال کے ساتھ گذاریں اور جب عید جمعہ کے دن کے علاوہ ہوتی تو آپ ﷺ عید کی نماز سورۂ "ق والقرآن المجيد" اور "اقترب الساعة" پڑھتے تھے لیکن یہ پڑھنا التزام کے ساتھ نہیں ہوتا تھا۔

حدیث نمبر ۷۸۴ ﴿عید کی نماز میں سورۂ "ق" پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۴۱

وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَاَلَ اَبَا وَاقِدِ اللَّيْثِيِّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص ۲۹۱ ج ۱، باب ما يقرأ في صلاة العيدين، كتاب العيدين ۸۹۱.

ترجمه: حضرت عبید اللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابو واقد لیثیؓ سے سوال کیا، رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کیا قرأت فرماتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ عید کی نماز میں سورۂ "ق والقرآن المجيد" اور سورۂ "اقترب الساعة" کی قرأت کرتے تھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابو واقد لیثی سے سوال کیا کہ عیدین کی نماز میں حضور ﷺ کون سی سورتیں قرأت فرماتے تھے سوال کا مقصد یہ نہیں تھا حضرت عمرؓ جواب سے واقف نہیں تھے، کیونکہ بارگاہ نبوت میں جو قرب حضرت عمرؓ کو حاصل تھا، حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں تھا، سوال کرنے کی غایت یہ تھی کہ سامعین سوال سن کر اپنے ذہن بیدار کریں اور جواب کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضورؐ عیدین کی نماز میں سورۂ "ق والقرآن المجيد" اور "اقترب الساعة" کی تلاوت فرماتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح سأل اباواقد الليثي: ابو واقد کا نام معلوم نہیں، اور نہ ان کے والد کا نام معلوم ہے۔ یہ بات ابن الملک نے کہی ہے، تقریب میں یہ بات مذکور ہے کہ ابو واقد صحابی ہیں کہا گیا ہے کہ ان کا نام حارث بن مالک ہے اور کہا گیا کہ یہ ابن عوف ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ عوف بن حرث ہیں، ما كان يقرأ به: حضرت عمرؓ کے پوچھنے کا مقصد سامعین کے اندر استحضار پیدا کرنا ہے یا پھر کسی عید میں وہ حاضر نہ رہے ہوں گے اس کے بارے میں دریافت کیا ہوگا۔

اس جگہ یہ حدیث مرسل ہے؛ کیوں کہ حدیث کے راوی حضرت عبید اللہؓ کی حضرت عمرؓ سے ملاقات نہیں ہے، لیکن یہ حدیث دوسرے موقع پر بلا شک وشبہ صحیح ومتصل مذکور ہے، مسلم شریف میں ہے "عن عبيد الله عن ابي واقد قال سألني عمر بن الخطاب"

اس حدیث میں ''عبید اللہ اور حضرت عمرؓ کے درمیان ابوواقد لیثی کا واسطہ ہے، لہٰذا یہ حدیث متصل ہوئی۔ (مرقات ص: نمبر ۲۹۵ ج ۲)

حدیث نمبر ۷۸۵ ﴿فجر کی سنت میں "قل یا ایها الکافرون" کی تلاوت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۴۲

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ انَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي رَكْعَتَي الفَجْرِ بِقُلْ يَاأَيُّهَا الكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص نمبر ۲۵۱ ج ۱، باب استحباب رکعتی سنة الفجر، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۷۲۶۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دونوں رکعتوں میں "قل یا ایها الکافرون" اور'' قل هو الله احد'' پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں فجر کی سنتوں میں پڑھی جانے والی سورتوں کا ذکر ہے، آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں ''قل یا ایها الکافرون'' اور ''قل هو الله احد'' پڑھتے تھے؛ لیکن یہ عمل دائمی نہ تھا کہ اگلی حدیث سے اچھی طرح یہ بات معلوم ہو رہی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رکعتی الفجر: صاحب مرقات نے فجر کی دو رکعتوں سے یہاں نماز فجر سے پہلے جو دو سنتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مراد لی ہیں، اور یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ دونوں رکعتوں میں مذکورہ بالا دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔

(مرقات صفحہ ۲۹۵ ج ۲)

قل هو الله احد: صاحب فتح الملہم لکھتے ہیں کہ "قل هو الله احد" اور "قل یا ایها الکافرون" دونوں کو سورۂ اخلاص کہا جاتا ہے، اس وجہ سے کہ یہ سورۂ کافرون توحید عملی کے بیان پر مشتمل ہے؛ جب کہ'' قل هو الله" توحید علمی اعتقادی کے بیان پر مشتمل ہے، علامہ زرقاویؒ کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں میں توحید کا بیان ہے، پہلی سورت میں شرک سے نفی ہے، جب کہ دوسری صورت میں الوہیت کا اثبات ہے۔ (فتح الملهم صفحہ ۲۸۲ ج ۲)

حدیث نمبر ۷۸۶ ﴿نماز میں سورت کے درمیان سے پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۴۳

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي رَكْعَتَي الفَجْرِ قُولُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ اِلَيْنَا وَالَّتِي فِي آلِ عِمْرَانَ قُلْ يَا اَهْلَ الكِتَابِ تَعَالَوْا اِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص ۲۵۱ ج ۱، باب استحباب سنة الفجر، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۷۲۷.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ فجر کی سنت کی دونوں رکعتوں میں "قولوا آمنا بالله الخ" (تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ان پر الخ) اور سورۂ آل عمران کی آیت'' قل یا اهل الکتاب الخ'' (تم کہہ دو اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں) تلاوت فرماتے تھے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی فجر کی سنتوں میں آپ ﷺ کی تلاوت کا تذکرہ ہے؛ یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ کسی سورت کو فجر کی سنتوں میں دائمی طور پر نہیں پڑھتے تھے، نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ درمیان سورت سے پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح قولوا آمنا بالله: اس حدیث میں آیت کا ٹکڑا مذکور ہے، یہ سورۂ بقرہ کی ۱۳۶ ویں آیت ہے، پوری آیت اس طرح ہے "قولوا امنا بالله وما انزل الينا وما انزل الیٰ ابراهيم واسمعيل واسحق ويعقوب والاسباط وما اوتي موسى و عيسى وما اوتي النبيون من ربهم لا نفرق بين احد منهم ونحن له

مسلمون" (تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ابراہیمؑ پر اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ پر اور اس کی اولاد پر)، اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو، اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے، ہم فرق نہیں کرتے ہیں ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمان بردار ہیں آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں سورۂ بقرہ کی آیت مذکورہ کی اور سورۂ آل عمران کی آگے آنے والی آیت کی تلاوت فرماتے تھے، حدیث باب میں سورۂ آل عمران کی جس آیت کا تذکرہ ہے وہ ۶۴ ویں آیت ہے، پوری آیت یوں ہے" قل یا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الى اللّٰه ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهد بانا مسلمون" تم کہہ دو اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کا کسی کو اور نہ بنائے کوئی کسی کو رب سوائے اللہ کے، پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم حکم کے تابع ہیں۔

فجر کی سنتوں میں خاص طور پر ان دونوں آیات کی تلاوت کی وجہ یہ تھی کہ ان آیات میں ایمان اور توحید خالص کا ذکر ہے مقصد یہ تھا کہ دن کی شروعات ایمان وتوحید کے اعتراف واقرار سے ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۷۸۷ ﴿بسم اللہ سے قرأت کی شروعات﴾ عالمی حدیث نمبر ۸٤٤

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِذٰلِكَ.

حوالہ: ترمذی، ص ۵۷ ج ۱، باب من رأى الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۲٤٥

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز "بسم الله الرحمن الرحيم" سے شروع کرتے تھے، (ترمذی) امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند ایسی نہیں ہے یعنی قوی نہیں ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نماز میں قرأت کی شروعات سے پہلے آہستہ "بسم الله الرحمن الرحيم" پڑھا کرتے تھے بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ ﷺ "الحمد لله رب العالمين" سے قرأت شروع کرتے تھے، دونوں طرح کی حدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے جہاں "الحمد لله" سے نماز کی شروعات کا تذکرہ ہے وہاں مراد یہ ہے کہ جہراً آپ قرأت کی شروعات "الحمدلله" سے فرماتے تھے، اور جہاں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ "بسم الله" سے شروعات فرماتے تھے، وہاں یہ مراد ہے کہ جہراً الحمدللہ کی شروعات سے قبل سراً یعنی آہستہ سے "بسم الله الرحمن الرحيم" پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح يفتتح صلاته ببسم الله الرحمن الرحيم: آپ ﷺ نماز کا آغاز "بسم الله الرحمن الرحيم" سے فرماتے تھے، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ یہاں مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے الحمد لله سے پہلے آہستہ سے بسم الله پڑھی تاکہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہ ہو، جس میں یہ بات مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے نماز "الحمدلله" سے شروع کی۔

اشکال: یہاں پر آہستہ سے بسم الله کی قید لگانا خلاف ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں مطلق اس کا تذکرہ ہے کہ آپ ﷺ نے بسم الله سے نماز شروع کی، آہستہ کی قید حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔

جواب: خلاف ظاہر ضرور ہے لیکن اس کا ارتکاب اس لئے کیا تاکہ دونوں میں تطبیق پیدا ہو جائے۔ (مرقات ص ۲۹٦ ج ۲)

نوٹ: حدیث باب کے مثل احادیث کے ذیل میں تین بحثیں کی جاتی ہیں (۱) بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم جزو قرآن ہے یا نہیں۔
(۲) سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللّٰہ پڑھنے کا حکم؟۔
(۳) بسم اللّٰہ سراً پڑھی جائے یا جہراً؟ ان تینوں مسئلوں میں ائمہ کے مذاہب مختلف ہیں ان تینوں بحثوں کو دیکھنے کے لئے حدیث نمبر ۷۳۶ اور حدیث نمبر ۷۶۸ کا مطالعہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۷۸۸ ﴿بلند آواز سے آمین کہنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۴۵

وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقَالَ آمِيْن مَدَّبِهِمَا صَوْتَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَ ابْنُ مَاجَه .

حوالہ: ترمذی ص نمبر ۵۷ ج ۱ باب ما جاء فی التامین، کتاب الصلاۃ، حدیث ۲۴۸، ابو داؤد ص نمبر ۱۳۵ ج ۱، باب التامین وراء الامام کتاب الصلاۃ حدیث، ۹۳۲ دارمی ص ۳۱۵ ج ۱، باب الجھر بالتامین، کتاب الصلاۃ، حدیث ۱۲۴۷، ابن ماجہ صفحہ نمبر ۶۱ باب الجھر بآمین، کتاب اقامۃ الصلاۃ حدیث نمبر ۸۵۵.

توجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ نے ''غیر المغضوب علیھم و لا الضالین'' کی قرأت فرمائی، پھر آپ ﷺ نے آمین کہا اور اس کے ساتھ آواز کو بلند فرمایا۔ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ مکمل ہونے کے معاً بعد امام، منفرد، مقتدی سب کو آمین کہنا چاہئے اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ'' آمین زور سے کہنا چاہئے، حنفیہ کا کہنا ہے کہ آمین آہستہ سے کہنا چاہئے، حنفیہ کا حدیث باب جیسی احادیث کے بارے میں کہنا کہ آپ ﷺ کا زور سے آمین کہنا تعلیم امت کے لئے تھا یعنی اس لئے تھا تا کہ لوگ جان لیں کہ ''و لا الضالین'' کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فقال امین مدھا صوتہ: صاحب مرقات کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ''امین'' زور سے کہی جائے آہستہ سے، میں نے اس بحث کو قدر تفصیل سے حدیث نمبر ۷۶۹ کے تحت ذکر کر دیا ہے تفصیل وہیں دیکھ لی جائے؛ البتہ اتنی بات یہاں ضرورت عرض کی جاتی ہے کہ حدیث باب بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے لیکن اس کا جواب جیسا کہ خلاصۂ حدیث کے تحت گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ کا آمین زور سے کہنا شروع اسلام میں تعلیم امت کے مقصد سے تھا، جب صحابہؓ نے سورۂ فاتحہ کے بعد ''و لا الضالین'' کہنا سیکھ لیا تو پھر آپ ﷺ آہستہ سے ہی آمین کہنے لگے یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ سے مروی ہے کہ نماز میں چار چیزیں وہ ہیں جنہیں امام اخفاء کرے گا، (۱) اعوذ باللّٰہ، (۲) بسم اللّٰہ، (۳) سبحانك اللّٰھم، (۴) آمین، مزید تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۷۶۹ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۷۸۹ ﴿آمین کہنے کی فضیلت کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۴۶

وَعَنْ اَبِيْ زُهَيْرٍ النُّمَيْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَاَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِي الْمَسْاَلَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بِاَيِّ شَيْءٍ يَخْتِمُ قَالَ بِآمِيْنَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص نمبر ۱۳۵ ج ۱، باب الناس وراء الامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۹۳۸.

توجمہ: حضرت ابوزہیر النمیریؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو ہم ایک آدمی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بہت زیادہ گڑگڑا کر دعاء مانگ رہا ہے، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' اگر اس نے مہر لگا دیا تو واجب کر لیا، لوگوں میں سے ایک

صاحب نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کس چیز کے ساتھ مہر لگا دیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا" آمین " کے ساتھ۔ (ابو داؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں دعاء کے اختتام پر آمین کہنے کی فضیلت کا ذکر ہے، اگر کوئی شخص دعاء مانگنے کے بعد آمین کہہ لے گا تو اس کی دعاء قبول ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما کر اس کو جنت عطاء فرمائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح ذات لیلة : رات کا حصہ مراد ہے، قد الحّ فی المسئلة: یعنی دعاء کرنے اور مانگنے میں بہت الحاو زاری کر رہا تھا، اور جب یعنی اپنے لئے جنت کو واجب کر لیا، یعنی جب اس شخص نے دعاء کے بعد آمین کہا تو اس کیلئے جنت واجب ہوگی، یا گناہوں کی مغفرت واجب ہوگی، یا دعاء کا قبول ہونا واجب ہوگیا، یہ بات عقیدہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں ہے، حدیث میں جو بات کہی گئی ہے، اللہ کے فضل کے بھروسے اللہ کے وعدے کی بناء پر کہی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ "اللہ اگر چاہے تو مطیع کو عذاب دے، اور نافرمان کو عمدہ بدلے دے، اس وجہ سے کہ اللہ کے لئے مطیع کو ثواب دینا اور نافرمانوں کو عذاب دینا حقیقتاً واجب کر دیں، اور اس کے خلاف ممکن نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا مجبور ہونا لازم آئے گا، اور یہ باطل ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دعاء کرنے والے کے لئے اختتام پر آمین کہنا مستحب ہے اگر امام دعاء کر رہا ہے اور لوگ اس کی دعاء پر آمین کہہ رہے ہیں تو پھر امام کو آمین کہنے کی حاجت نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام کو بھی آمین کہنا چاہئے، یہ لوگ نماز پر قیاس کرتے ہیں کہ امام دعاء بھی کرتا ہے آمین بھی کہتا ہے ساتھ میں مقتدی بھی آمین کہتے ہیں اسی طرح دعاء بھی ہونا چاہئے۔

حدیث نمبر ۷۹۰ ﴿نماز مغرب میں سورہ اعراف کی قرأت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۴۷

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبِ بِسُوْرَةِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِيْ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حوالہ : نسائی ص نمبر ۱۱٤ ج ۱ ،باب القرأة فی صلاة المغرب، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر ۹۹۰.

ترجمہ : حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف کی تلاوت فرمائی اور اس کو دو رکعتوں میں بانٹ دیا۔(نسائی)

خلاصہ حدیث مغرب کی نماز میں آپ ﷺ عموماً مختصراً قرأت فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی بیان جواز کے لئے طویل قرأت بھی فرماتے تھے اس حدیث میں آپ کا وہی عمل مذکور ہے جو کبھی کبھی رکھا تھا، کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے نماز مغرب میں سورۂ اعراف کا کچھ حصہ پہلی رکعت میں اور مابقیہ حصہ دوسری رکعت میں تلاوت فرمایا، مغرب کی نماز میں جائز تو طویل قرأت بھی ہے، لیکن "قصار مفصل" یعنی "سورۂ لم یکن" سے لیکر "سورۂ ناس" تک کی صورتوں کی تلاوت افضل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلی المغرب بسورة الاعراف: اگر چہ افضل مغرب کی نماز میں مختصراً قرأت کرنا ہے لیکن حضور ﷺ نے بیان جواز کے لئے اور اس بات کو بتانے کیلئے مغرب کے وقت میں وسعت ہے قرأت کی، خطابیؒ کہتے ہیں کہ اگر سورۂ اعراف کی مغرب کی نماز میں اطمینان کے ساتھ قرأت کی جائے تو وقت ختم ہو جائے گا اس لئے پوری سورت کا مغرب میں تلاوت کرنا محل نظر ہے اس کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ اعراف سے بہت معمولی حصہ پڑھا ہوگا تا کہ ایک رکعت مغرب کے وقت میں مل جائے اور پھر مابقیہ حصہ دوسری رکعت میں پڑھا ہوگا، اور دوسری رکعت کا وقت کے باہر ادا ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، یا پھر یہاں سورۂ اعراف سے مکمل سورت کی تلاوت مراد نہیں ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ سورۂ اعراف کے بعض

حصہ کی تلاوت کی، اس جواب پر میرک شاہ کہتے ہیں کہ یہ راوی کے قول "فرّقھا فی رکعتین" (سورۂ اعراف کو دونوں رکعتوں میں بانٹ دیا) کے مناسب نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے خرق عادت یعنی معجزہ کے طور پر مغرب کے مختصر وقت میں سورۂ اعراف کی مکمل تلاوت فرمائی ہو، صاحب مرقات کہتے ہیں کہ پوری سورۂ اعراف کی تلاوت بایں طور کہ بعض حصہ کی پہلی رکعت میں ہوا اور بعض حصہ کی دوسری رکعت میں جب کہ سورۂ اعراف صرف سوا پارہ ہی میں ہے۔(تلخیص، مرقات صفحہ ۲۹۷،۲۹۸ ج ۲)

حدیث نمبر ۷۹۱ ﴿فجر کی نماز میں معوذتین کی قرأت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۴۸

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ أَقُودُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهُ فِي السَّفَرِ فَقَالَ لِي يَا عُقْبَةُ أَلَا أُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُورَتَيْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِي قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَرَنِي سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ صَلَّى بِهِمَا.

حواله: مسند احمد صفحه ۱۴۹، ۱۵۰ ج ٤، نسائی ص نمبر ۱۱۱ ج ۱، باب الفضل قرأة المعوذتين كتاب الافتتاح حديث، نمبر ۹۵۲.

ترجمه: عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر چل رہا تھا، تو مجھ سے آپ ﷺ نے کہا اے عقبہ! کیا میں تمکو دو دو سورتیں نہ سکھلاؤں جو پڑھی گئی ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو "قل اعوذ برب الفلق" اور "قول اعوذ برب الناس" سکھلائی حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں ان دو سورتوں سے بہت زیادہ خوش نہیں ہوا ہوں چنانچہ جب آپ صبح کی نماز کے لئے اترے تو آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز فجر پڑھانے میں ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی، پھر جب نماز سے فارغ ہو گئے، تو میرے طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے عقبہ کیا تم نے دیکھا؟۔ (احمد، ابو داؤد نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تاریک رات میں سفر کرنے کی وجہ سے حضرت عقبہ پر کچھ ہیبت طاری تھی، آپ ﷺ نے مشقت فرماتے ہوئے حضرت عقبہ کو معوذتین جیسی دو عظیم سورتین سکھلائیں، تاکہ ان سورتوں کی تلاوت کی وجہ سے ان پر جو ہیبت طاری ہے وہ ختم ہو جائے، یہ سورتیں اگر چہ مختصر ہیں "البتہ ان کا نفع عظیم ہے، لیکن الفاظ کے اختصار کی وجہ سے حضرت عقبہ پورے طور پر ان سورتوں کی عظمت کو نہیں سمجھ پائے، جس کی بنا پر ان کو خوشی بہت زیادہ نہیں ہوئی آپ ﷺ نے تو اس وقت کچھ نہیں فرمایا، لیکن صبح کے وقت جب پڑاؤ کیا، تو فجر کی نماز میں معوذتین کی تلاوت کر کے حضرت عقبہ سے سوال کیا اب تم نے ان سورتوں کی عظمت کو سمجھا، فجر کی نماز میں طویل قرأت افضل ہے، لیکن آپ نے معوذتین کی عظمت کی بناء پر ان ہی کو تلاوت کیا، اور حضرت عقبہ کو یہ سمجھایا کہ اگر یہ سورتیں اتنی عظمت والی نہ ہوتیں تو میں ان کو فجر میں تلاوت نہ کرتا۔

کلمات حدیث کی تشریح اقود لرسول حضرت عقبہ حضور کی اونٹنی آگے سے کھینچ رہے تھے، وجہ یہ تھی کہ راستہ دشوار کن تھا، یا پھر رات کی تاریکی کی بنا پر وہ ایسا کر رہے تھے، الا اُعلمك یوں تو سارا قرآن خیر ہے، لیکن حضرت عقبہ کی اس وقت کی حالت کے اعتبار سے یہ سورتیں بے حد مفید تھیں، اس لئے نبی پاک ﷺ نے ان کی طرف نسبت کی ہے، سفر وغیرہ میں شریر لوگوں کی شہر سے نجات کے لئے اس سورت کی تلاوت بے حد نفع بخش ہے، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ پورے قرآن میں "استعاذہ" کے باب میں معوذتین سے بہتر کوئی سورت نہیں ہیں۔

فلم یرنی سررت بہا: حضرت عقبہ سمجھتے تھے کہ جتنی زیادہ طویل سورت ہو اتنی ہی بہتر، اس لئے معوذتین کے مختصر ہونے کی بناء پر ان کو بہت زیادہ خوشی نہیں ہوئی، کیف رأیت حضور ﷺ نے نماز فجر میں معوذتین پڑھانے کے بعد عقبہؓ سے سوال کیا تم نے کیا دیکھا؟

یہ سوال کر کے یہ بتانا مقصود تھا کہ ان سورتوں کی عظمت ہی کے پیش نظر میں نے ان کو فجر کی نماز میں پڑھا ہے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کی فجر کی نماز میں "طوال مفصل" کی سورتوں کا پڑھنا لازم نہیں ہے، بلکہ مختصر سورتیں پڑھنے کی بھی گنجائش ہے، البتہ افضل "طوال مفصل" کی سورتوں کا پڑھنا، "طوال مفصل" سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ بروج تک" کی سورتوں کو کہتے ہیں، بہت سی احادیث میں معوذتین کی بہت سے فضائل مذکور ہیں۔ (معارف القرآن صفحہ نمبر ۸۴۷ ج ۸)

حدیث نمبر ۷۹۲ ﴿مغرب میں "قل یا ایھا الکافرون" کی تلاوت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۴۹-۸۵۰

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ.

حوالہ: بغوی فی شرح السنۃ صفحہ ۸۱ ج۳، باب القرأۃ فی الصبح حدیث نمبر ۶۰۵، ابن ماجہ ص ۶۰ باب القرأۃ فی المغرب، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، حدیث نمبر ۸۳۳۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی رات میں مغرب کی نماز میں "قل یاایھا الکافرون" اور "قل ھو اللہ احد" کی تلاوت کرتے تھے۔ (شرح بغوی)

ابن ماجہ میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے لیکن اس میں "لیلۃ الجمعۃ" کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی جمعہ کی شب میں نماز مغرب میں مذکورہ سورت تلاوت فرماتے تھے، یہ آپ کا کبھی کبھی کا عمل ہے، دائمی عمل آپ کا یہ نہیں تھا، اور روای کے بیان کے مقصد بھی دائمی عمل بتانا نہیں ہے

کلمات حدیث کی تشریح صلاۃ المغرب: مغرب کی فرض نماز مراد ہے، سنت مراد ہونیکا بھی احتمال ہے، قل یا ایھا الکا فرون: ایک رکعت میں قل یا پڑھتے تھے، اور دوسری رکعت میں قل ھواللہ پڑھتے تھے، لفظ "کان" کی وجہ سے بظاہر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ یہ حضور ﷺ کا دائمی عمل تھا، لیکن حقیقت یہ ہیکہ یہ حضور ﷺ کا دائمی معمول نہیں تھا، اور "کان" یہاں پر استمرار کیلئے نہیں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان "قالوا کیف نکلم من کان فی المھد صبیا" میں لفظ "کان" استمرار کیلئے نہیں ہے

حدیث نمبر ۷۹۳ ﴿فجر و مغرب میں سورۂ اخلاص کی قرأت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۵۱-۸۵۲

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا أُحْصِي مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ بَعْدَ الْمَغْرِبِ.

حوالہ: ترمذی، ص ۹۸ ج۱، باب ما جاء فی الرکعتین بعد المغرب، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۳۱ ابن ماجہ ص ۸۱ ج۱، باب ما یقرأ فی الرکعتین بعد المغرب، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۶۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں اس تعداد کو شمار نہیں کر سکتا، جس تعداد میں میں نے نبی کریم ﷺ کو مغرب کے بعد کی دو رکعتوں اور فجر سے پہلے کی دو رکعتوں میں "قل یا ایھا الکافرون" اور "قل ھو اللہ احد" پڑھتے ہوئے سنا۔ (ترمذی)

ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے، لیکن ان کی روایت میں "بعد المغرب" کے الفاظ نہیں ہیں۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نماز فجر سے قبل کی دو سنتوں اور نماز مغرب کے بعد کی سنتوں میں سورۂ اخلاص اور "قل یاایھا الکافرون" کی تلاوت کثرت سے فرماتے تھے، اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نقل کر رہے ہیں کہ میں نے اتنی زیادہ تعداد میں ان سورتوں کو مذکورہ نماز میں پڑھتے سنا کہ اس تعداد کو شمار نہیں کر سکتا۔

کلمات حدیث کی تشریح ما احصیٰ: ما نافیہ ہے مطلب یہ ہے کہ میں تعداد گننے کی طاقت نہیں رکھتا، ما سمعت: ما موصولہ ہے کثرت سے کنایہ ہے، یعنی اتنی زیادہ مرتبہ سنا کہ اس تعداد کا شمار کرنا میرے بس سے باہر ہے، "فی الرکعتین" دونوں نمازوں کی پہلی رکعت میں "قل یا ایھا الکافرون" تلاوت فرماتے تھے، اور دونوں نمازوں کی دوسری رکعت میں "قل ھو اللہ" کی تلاوت فرماتے تھے، "لم یذکر بعد المغرب" ابن ماجہ یا پھر ابو ہریرۃؓ نے مغرب کے بعد کی دو رکعتوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ (مرقات ص ۳۰۰ ج ۲)

حدیث نمبر ۷۹۴ ﴿نمازمیں قرآت کی مقدار﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۵۳

وَعَنْ سُلَيْمَانَ ابنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ اَشْبَهَ صَلاةً رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فلانٍ قَالَ سُلَيْمانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهُ فَكَانَ يَطِيلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْاُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوَى ابنُ مَاجَةَ اِلَى وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ.

حوالہ: نسائی ص ۱۱۳ ج: ۱ باب تخفیف القیام و القرأۃ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر ۹۸۱، ابن ماجه ص ۵۹. باب القراء ۃ فی الظھر و العصر کتاب اقامۃ الصلاۃ حدیث نمبر ۸۲۷ .

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسارؒ حضرت ابو ہریرۃؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے کسی بھی ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جس کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے فلاں شخص سے زیادہ مشابہ ہو۔ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بھی اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی، چنانچہ وہ ظہر کی شروع کی دو رکعتیں لمبی کرتے تھے، اور اخیر کی دو ہلکی کرتے تھے۔

اور عصر بھی وہ ہلکی پڑھتے تھے، مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے، عشاء کی نماز میں اوساط مفصل پڑھتے، اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھتے تھے، (نسائی) ابن ماجہ نے اس روایت کو "یخفف العصر" تک نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ یا کسی دوسرے صحابیؓ کی نماز کو حضرت ابو ہریرۃؓ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ قرار دیا ہے، اور یہ مشابہت نماز میں قرأت کی مقدار ہے، حدیث باب اور دیگر احادیث کو سامنے رکھ کر جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عمومی عمل یہ تھا کہ فجر اور ظہر میں لمبی قرأت کرتے تھے، عصر اور عشاء میں درمیانی قرأت فرماتے تھے، اور مغرب میں مختصرا قرأت فرماتے تھے، کبھی کبھی آپ ﷺ نے اس عمومی عمل کے خلاف بھی کیا ہے جیسا کہ خوب اچھی طرح گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا۔

کلمات حدیث کی تشریح سلیمان بن یسار، بہت بڑے تابعی ہیں، من فلان: فلاں شخص کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ ہے، فلاں سے کون مراد ہے، ایک قول ہے کہ حضرت علیؓ مراد ہیں، ابن عبد الملک نے اسی کو نقل کیا ہے، ایک قول ہے "فلاں" سے مراد عمر بن سلمہ بن نفیع ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ عمر بن العزیز مراد ہیں علامہ طور پشتی کہتے ہیں کہ عمر ابن العزیز کو مراد لینا درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ عمر بن عبد العزیزؒ کی ولادت ۶۱ھ میں نقل کی جاتی ہے، اور حضرت ابو ہریرۃؓ کی وفات ۵۷، ۵۸، ۵۹ھ میں سے کسی میں۔

علی اختلاف الاقوال ہوئی ہے لہٰذا ابو ہریرۃؓ کا عمر بن عبد العزیز کے پیچھے نماز پڑھنا ناممکن ہے، البتہ اس مضمون کی ایک روایت حضرت انسؓ کی آگے باب الرکوع میں فصل ثالث میں آرہی ہے اس میں فلاں شخص کی حضرت عمر بن عبد العزیز کے نام سے صراحت ہے اور یہ درست بھی ہے کیونکہ حضرت انسؓ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی ہے، وہ روایت جس میں عمر بن العزیز کی صراحت ہے: انس بن

مالك يقول ما صليت وراء بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم اشبه صلاة بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا الفتى يعنى عمر بن العزيز۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے جتنے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھی، ان میں سے اس نوجوان یعنی عمر بن العزیز کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ ہے، ویخفف العصر: یعنی ظہر کے شروع کی دو رکعت کے مقابل میں ہلکی پڑھی، ظہر اور عصر کی نمازوں میں راوی نے صرف یہ بات بیان کی ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی دو رکعتیں لمبی پڑھتے اور عصر کی نماز ہلکی پڑھتے دیگر روایت کو سامنے رکھ کر یہ بات کہی گئی ہے "فصل" کے معنی جدا کرنا اور مفصل کے معنی جدا کی ہوئی، اخیر قرآن کی سورتیں چھوٹی اور بسم اللہ کے ذریعہ جدا جدا ہے اسی لئے وہ مفصل کہلاتی ہیں، اور پھر مفصل میں بھی تین طرح کی ہے۔(۱) بڑی، (۲) درمیان، (۳) چھوٹی، جو بڑی ہیں ان کو طوال مفصل کہا جاتا ہے درمیان کو اوساط مفصل اور چھوٹی کو قصار مفصل کہا جاتا ہے، طوال مفصل کہاں سے شروع ہے، اقوال مختلف ہیں ایک قول یہ ہے کہ سورۂ "محمد" سے شروعات ہوتی ہے، چنانچہ مشہور قول کے مطابق مفصل سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک ہے، ایک قول سورۂ فتح کے بارے میں ہے، اور سورۂ "بروج" سے سورۂ "لم یکن" تک سورتیں اوساط مفصل کہلاتی ہیں اور سورۂ لم یکن سے اخیر قرآن تک کی سورتیں قصار مفصل کہلاتی ہیں۔ (مرقات صفحہ ۳۰۰ ج۲)

حدیث نمبر ۷۹۵ ﴿سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہونے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۵٤

وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَلِلنَّسَائِيِّ مَعْنَاهُ، وَفِي رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ قَالَ وَاَنَا اَقُوْلُ مَالِيْ يُنَازِعُنِي الْقُرْآنُ فَلَا تَقْرَأُوا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ اِذَا جَهَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ.

حواله: ابو داؤد صفحه ۱۱۹ ج۱، باب من ترك القرأة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۸۲۳، ترمذى ص نمبر ۶۹-۷۰ ج۱، باب ما جاء فى القرأة خلف الامام، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۳۱۱، نسائى ص ج۱ باب قرأة ام القرآن، كتاب الافتتاح حديث ۹۱۹.

ترجمه: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ہم فجر کی نماز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پڑھ رہے تھے، حضور ﷺ نے قرأت کی تو حضور ﷺ پر قرأت کرنا دشوار ہو گیا، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "تم لوگ شاید اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا "ایسا مت کریا کرو" البتہ سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو اس لئے کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ (ابو داؤد، ترمذی)

نسائی نے بھی اسی کے ہم معنی روایت نقل کیا ہے ابوداؤد کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اس وجہ سے میں کہہ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا جو قرآن مجھ سے چھینے لیتا ہے تو جب میں بلند آواز سے قرأت کروں تو تم لوگ سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ مت پڑھا کرو۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نماز پڑھا رہے تھے صحابہ نے مقتدی ہونے کی حالت میں قرأت شروع کر دی جس وجہ سے ان کی نماز میں نقص پیدا ہو گیا، اس نقص کا اثر حضور ﷺ پر پڑا، جس کی وجہ سے آپ کے لئے تلاوت کرنا دشوار ہو گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد سورۂ فاتحہ کی قرأت کی اجازت دی اس کے علاوہ کچھ بھی قرأت کرنے سے منع فرما دیا، اس حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی قرأت لازم ہے خواہ سری نماز ہو یا جہری، اور خواہ امام کے پیچھے نماز پڑھی جا رہی ہو یا تنہا، اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کی قرأت نہیں کی تو اس کی نماز نہیں ہوئی، حنفیہ کے یہاں سورۂ فاتحہ کی

قرأت فرض نہیں ہے لہٰذا حنفیہ کی طرف سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ حدیث شروع دور کی ہے بعد میں سورۂ فاتحہ کی فرضیت بھی ختم ہوگئی۔

کلمات حدیث کی تشریح کنا حلف النبی: صحابہ کرام شروع میں اپنے اختیار سے امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے، جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے دریافت کیا، صحابہ نے قرأت خلف الامام کا اقرار کیا، تو آپ ﷺ نے اس سے منع کیا، **الا بفاتحۃ الکتاب:** آپ ﷺ نے مقتدیوں کو مطلقاً قرأت سے منع فرمادیا، لیکن سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، آپ ﷺ کا یہ اجازت فرمانا، شروع دور میں تھا، جب قرآن مجید کی آیت "**واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا**" (جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو) نازل ہوئی تو سورۂ فاتحہ کی قرأت کا جواز بھی ختم ہوگیا، **لا صلاۃ لمن لم یقرأھا:** سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہاں اصل نماز کی نفی نہیں، بلکہ کمال صلاۃ مراد ہے، یعنی اگر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جائے تو نماز کامل نہیں ہوگی، چنانچہ ترمذی میں روایت ہے "**من صلی صلاۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج غیر تمام**" (جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہیں کی تو اس کی نماز ناقص اور نا تمام ہے) معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ ترک ہونے سے کمال صلاۃ فوت ہوتا ہے لیکن صلاۃ ہوجاتی ہے، حدیث باب کا یہ جزء امام ومنفرد سے متعلق ہے، مقتدی سے متعلق نہیں ہے، چنانچہ ترمذی کی حدیث میں صراحت ہے "**من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصلی الا ان یکون ورء الامام**" جس شخص نے سورۂ فاتحہ کے بغیر رکعت پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی، الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو، حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے تحت دو اہم مباحث ہیں۔ (۱) سورہ فاتحہ کی تلاوت فرض ہے یا واجب۔ (۲) قرأت خلف الامام جائز ہے یا نہیں؟ ان دونوں مباحث کو تفصیلاً حدیث نمبر ۷۶۲ کے تحت ذکر کیا گیا ہے دیکھ لیا جائے۔

حدیث نمبر ۷۹۶ ﴿امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۵۵

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِیْهَا بِالْقِرَاةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِی اَحَدٌ مِنکم آنِفاً فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنِّی اَقُوْلُ مَا لِی اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ قَالَ فَانْتَهٰی النَّاسُ عَنِ الْقِرْاَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَهَرَ فِیْهِ بِالْقِرَاْةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِیْنَ سَمِعُوْا ذَالِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ.

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ ص ۲۹-۳۰، باب ترك القرأۃ خلف الامام کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ٤٤، مسند احمد ص ۲٤۰ ج۲، ابو داؤد ص ۱۱۹ ج۱، باب من ترك القرأۃ بفاتحۃ الکتاب إذا جهر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۸۲٦، ترمذی ص: ۷۱، باب کتاب الصلاۃ، حدیث ۳۱۲، نسائی شریف ص ۱۰٦ ج۱، باب ترك القرأۃ خلف الامام کتاب الافتتاح، حدیث نمبر ۹۱۸ ابن ماجه ص ٦۱ باب اذا قرء الامام فانصتوا کتاب اقامۃ لا صلاۃ، حدیث ۸٤۸.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسی نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ ﷺ نے جہراً قرأت فرمائی تھی، آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ تو ایک صاحب بولے جی ہاں اے اللہ کے رسول! تب ہی تو میں کہوں کہ مجھے کیا ہوا کہ قرآن مجھ سے چھینے لیتا ہے، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی تو ان نمازوں میں سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرأت کرنے سے رک گئے جس میں آپ ﷺ جہر قرأت فرماتے تھے۔ (مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) ابن ماجہ نے بھی اس کے مثل نقل کیا ہے۔

خلاصہ حدیث اسی حدیث میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے کہ ایک موقع پر حضور ﷺ نماز میں قرأت کررہے تھے کہ آپ ﷺ کی قرأت کے ساتھ ایک صاحب اور قرأت کرنے لگے نماز کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ نے مقتدی ہونے کی حالت میں قرأت کرنے سے منع فرمایا، تو پھر لوگوں نے قرأت کرنا بند کردیا۔

کلمات حدیث کی تشریح فانتھیٰ الناس عن القرأۃ: صحابہ جہری نماز میں قرأت سے رک گئے، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے اس فرمان کے بعد مطلق قرأت کی ممانعت ہوگئی تھی، یعنی اس کے بعد صحابہ جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور اس کے علاوہ اور کوئی سورت پڑھتے تھے، اور یہ حدیث گذشتہ حدیث کے لئے ناسخ بھی ہوجائے گی، جس سے یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت فرض ہے، بعض قرأت خلف الامام کے قائل یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے جہری نمازوں میں قرأت کی ممانعت ثابت ہوئی، سری میں بدستور قرأت خلف الامام کی اجازت ہے، اس کے جواب میں علامہ گنگوہیؒ کی وہ بہترین تحقیق نقل کردینا مناسب ہے جو الدر المنضود میں منقول ہے۔

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں جیسا کہ الکوکب الدری میں ہے کہ چونکہ نماز کی ابتداء صلاۃ اللیل سے ہوئی تھی شروع میں صرف وہی فرض تھی جس میں صحابہ کرام قرأت کے عادی ہوچکے تھے اسکے بعد جب صلوات خمسہ کی فرضیت ہوئی تو استصحاب حال کے طور پر فرائض میں خلف الامام بھی وہ قرأت کرتے رہے، اس اثناء میں آیت کریمہ ''واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا'' کا نزول ہوا اس وقت صحابہ کا طرز مختلف ہوگیا، بعض حضرات نے تو قرأت خلف الامام کو مطلقاً ترک کردیا لیکن بعض حضرات ثواب کی حرص میں لاحراز الفضیلتین سکتات الامام میں اپنی رائے واجتہاد سے قرأت فرماتے رہے اور یہ جو ہم نے کہا کہ وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کرتے رہے اس کی دلیل روایات میں موجود ہے۔

مثل قوله قل قرأ معی احدمنکم: اب صحابہ کی اس قرأت کی وجہ سے آپ ﷺ کو قرأت میں خلجان واقع ہوا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس قرأت سے منع فرمایا، ساتھ ہی آپ نے یہ خیال فرماتے ہوئے کہ سورۂ فاتحہ چونکہ سب کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے شاید اس میں مفازعت اور التباس نہ ہو صرف اس کی قرأت کی آپ ﷺ نے اجازت دے دی، اور کچھ روز تک یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن جب آپ نے دیکھا کہ اس کی قرأت سے بھی منازعت ہوئی ہے تب آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمادیا، لیکن صرف جہری نمازوں میں جیسا کہ حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے جو صلاۃ صبح کے قصہ میں ہے ''فانتھیٰ الناس عن القرأۃ فیھا جھر فیه الامام'' اور اب صرف سری نمازوں میں ہے، حاصل یہ کہ اس سلسلہ میں بتدریج نسخ واقع ہوا اور آخر الامر آپ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمادیا **من کان له امام فقرأۃ الامام قرأۃ له قرأۃ** اور ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا ''**واذا قرء فانصتوا**''۔

حدیث نمبر ۷۹۷ ﴿نماز میں قرأت قرآن میں تدبر کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۵۶

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَوَ الْبَيَاضِيِّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُصَلِّىْ يُنَاجِىْ رَبَّهٗ فَلْيَنْظُرْ مَايُنَاجِيْهِ وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حواله: مسند احمد ص ٦٧ ج٢.

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ اور حضرت بیاضیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بے شک نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے تو اس کو جس چیز کے ذریعہ سے مناجات (سرگوشی) کررہا ہے اس میں غور فکر کرنا چاہئے، اور تم میں سے کوئی قرآن پڑھنے میں اپنی آواز کو ایک دوسرے پر بلند نہ کرے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے لوگوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ نماز کے دوران جب قرآن پڑھا جائے تو قرآن میں تدبر کرنا چاہئے کیونکہ نماز کے دوران اور خاص طور پر جب انسان قرأت کرتا ہے تو یہ قرأت درحقیقت رب العالمین سے سرگوشی ہے، لہٰذا جو سرگوشی کر رہا ہے، تو اسے غور کرنا چاہئے، اور جس قرآن کے معنی معلوم نہیں اس کو مکمل انہماک کے ساتھ تلاوت قرآن سننا چاہئے، تلاوتِ قرآن کے وقت ایک دوسرے پر سبقت لینے کے لئے زور زور سے تلاوت نہ کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان المصلی یناجی ربہ: نمازی دوران نماز اللہ تعالیٰ سے بات چیت کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ سے قرب معنوی سے کنایہ ہے اس وجہ سے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے، فلینظر ماینا جیہ: تو اللہ تعالیٰ سے جو سرگوشی کر رہا ہے یعنی ذکر واذکار اور تلاوت قرآن سب میں غور وفکر اور تدبر کرنا چاہئے، ممانعت نماز کے اندر اور نماز کے باہر دونوں میں ہے، اس بات پر توامت کا اتفاق ہے کہ مقتدی کے لئے زور سے تلاوت قرآن کرنا مکروہ ہے، اگرچہ وہ امام کی قرأت نہ سن رہا ہو۔

(مرقات ص ۳۰۳ ج ۲)

حدیث نمبر ۷۹۸ ﴿قرأت کے وقت مقتد یوں کو خاموشی کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۵۷

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۸۹ ج ۱، باب الامام یصلی من قعود، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۰۴، نسائی ص ۱۰۷ ج ۱، باب بتاویل قولہ عز وجل واذا قرء القرآن الخ، کتاب الافتتاح، حدیث ۹۲۱، ابن ماجہ ص ۶۱ باب اذا قرء الامام فانصتوا، کتاب اقامة الصلاۃ، حدیث ۸۴۶.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "امام اس وجہ سے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، تو امام جب تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امام جوں ہی تکبیر سے فارغ ہو مقتدیوں کو بھی تکبیر کہنا چاہئے، مقتدیوں کو امام سے پہلے تکبیر نہ کہنا چاہئے، اور امام جب قرأت کرے تو خواہ سری نماز ہو یا جہری مقتدی کو خاموش رہنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح لیؤتم بہ امام تو اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اسکی اقتداء کیجائے، فاذا کبر فکبروا حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہیکہ امام جب تکبیر کہے اسکے بعد مقتدی تکبیر کہے، نہ تو امام کیساتھ تکبیر کہے۔ اور نہ ہی امام سے پہلے تکبیر کہے، اور یہ چیز تکبیر تحریمہ میں واجب ہے، اسوجہ سے کہ اگر تابع متبوع سے آگے بڑھا جا رہا ہے تو وہ تابع ہوگا ہی نہیں، اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیرات میں امام کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے واجب نہیں، بقیہ تکبیرات میں امام کے بعد تکبیر کہنے کو مقتدی کے حق میں مستحب اسلئے قرار دیا گیا کہ تکبیر تحریمہ کیوجہ سے تابع ہو گئے، اگر تکبیرات میں مقارنت ہو رہی ہے تو یہ تابع ہونے کے خلاف نہیں ہے

فانصتوا: یہاں مطلب یہ ہے کہ جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو، امام بلند آواز سے قرأت کرے یا آہستہ آواز سے دونوں صورتوں میں مقتدی کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ خاموش رہے، اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے "فاذا قرء القرأن فاستمعوا لہ وانصتوا" یعنی جب امام جہراً قرأت کرے تو خاموش رہکر سنو! اور جب سراً تلاوت کرے تو خاموش رہو! ابن مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کی جائے گی۔ (مرقات ص ۳۰۳ ج ۲)

حدیث نمبر ۷۹۹ ﴿قرأت سے عاجز شخص کیا پڑھے؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۵۸

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اٰخُذَ

مِنَ الْقُرآنِ شَيْئاً فَعَلِّمْنِيْ مَا يُجْزِئُنِي قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هٰذَا لِلّٰهِ فَمَاذَا لِيْ قَالَ قُلْ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَعَافِنِي وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِي فَقَالَ هٰكَذَا بِيَدَيْهِ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَأَ يَدَيْهِ مِنَ الْخَيْرِ رَوَاهُ اَبُودَاوُدَ وَانْتَهَتْ رِوَايَةُ النَّسَائِيِّ عِنْدَ قَوْلِهِ اِلَّا بِاللّٰهِ.

حواله : ابو داؤد ص۱۲۱ج۱،باب ما يجزى الامى، كتاب الصلاة،حدیث۸۳۲،نسائی ص۱۰۷ج۱،باب ما يجزئ من القرأة لمن لا يستحسن القرأن، كتاب الافتتاح،حدیث۹۲۳۔

ترجمه : حضرت عبداللہ بن اوفی سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا،اوراس نے عرض کیا''میں قرآن میں سے کچھ پڑھنا سیکھوں یہ میرے بس میں نہیں ہے، مجھے کسی ایسی چیز کی تعلیم دیجئے جو میرے لئے کافی ہو جائے، آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ دعا پڑھا کرو''سبحان الله الخ''(اللہ کی ذات پاک ہے)تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اللہ سب سے بڑا ہے کوئی حالت نہیں اور نہ کوئی طاقت مگر اللہ ہی کی طرف سے ہے، اس شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! یہ تو اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، میرے لئے کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ دعا پڑھو''اللّٰهم ارحمنی''اے اللہ مجھ پر رحم فرما، مجھ کو عافیت عطا فرما، مجھ کو سیدھا راستہ عطا فرما، اور مجھ کو روزی عطا فرما، چنانچہ اس شخص نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا اور ان کو بند کرلیا آپ ﷺ نے فرمایا''اس شخص کی بات یہ ہے کہ اسنے اپنے دونوں ہاتھوں کو نیکیوں سے بھر لئے ہیں(ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں یہ حدیث''الا باللہ''کے الفاظ پر ختم ہو جاتی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص نیا نیا مسلمان ہوا اس کو قرآن کریم میں سے کچھ یاد نہیں تھا، اور فوری طور پر قرآن میں سے اتنا یاد کرنا اس کے بس سے باہر تھا، جتنا قرآن نماز میں پڑھنا ضروری ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس شخص کی دشواری کے پیش نظر دو دعائیں بتا دیں کہ ان کو یاد کرلو، ان کے پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح فعلمنی ما یجزئنی:ایک شخص نے یہ بات آکر کہی قرآن میں سے کچھ یاد کرنا میرے بس میں نہیں ہے آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی دعاء یاد کرادیں جس کو میں پڑھ سکوں حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں یہ بات لکھی ہے کہ یہاں نماز میں قرأت مراد نہیں ہے کیونکہ نماز میں جتنی مقدار قرآن پڑھنا فرض ہے اس کا سیکھنا لازم ہے، دوسرے اذکار اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتے، یہاں پر تلاوت قرآن ورد کے طور پر مراد ہے لیکن دوسرے بعض شراح یہاں قرأت فی الصلاۃ ہی مراد لیتے ہیں یعنی نماز میں پڑھنے کے لئے آپ نے مذکورہ دعائیں سکھائیں۔

اشکال : مقدار مفروض کا سیکھنا فرض نہیں ہے تو پھر اس شخص کے لئے آپ ﷺ نے دعاء پڑھنے کی اجازت کیوں دی، جتنی لمبی دعاء ہے اتنی مقدار میں قرآن بھی تو یاد کرنا ممکن تھا، پھر آپ ﷺ نے قرآن یاد کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا۔

جواب : شروع اسلام میں بہت مساہلت تھی، اس وقت کا یہ حکم ہے، پھر یہ شخص نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لئے کہا کہ جب تک قرآن نہیں یاد ہو رہا ہے اس وقت تک یہ دعاء پڑھ لو۔

''امی''کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں یہ شخص گونگے شخص کے مانند ہے حالت قیام میں خاموش کھڑا رہے گا۔

فقال هكذا بيديه:''قال''یہاں''اشار''کے معنی میں ہے مراد خوشی کا اظہار ہے جب کسی کے ہاتھ میں کوئی قیمتی چیز آجاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت کی خاطر اس کو بند کر لیتا ہے، اسی طرح اس شخص نے بھی کیا اس نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ آپ کے یہ کلمات میرے نزدیک بہت قیمتی ہیں اور میں ان کو حاصل کر کے بہت خوش ہوں۔

حدیث نمبر ۸۰۰ ﴿قرأت کے دوران آیت کا جواب دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۵۹

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَرَاَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ:مسند احمد ص ۲۳۲ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۲۸ ج ۱، بالدعاء فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۸۸۳.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ "سبح اسم ربك الاعلی" آیت تلاوت فرماتے تو "سبحان ربك الاعلی" کہتے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ حضور ﷺ جب بھی "سبح الخ" تلاوت کرتے (تسبیح بیان کیجئے اپنے رب کی جو بہت بلند ہے) تو اس حکم کی تعمیل میں فوراً "سبحان ربی الاعلی" کہتے (پاک ہے میرا رب جو بلند ہے)

کلمات حدیث کی تشریح قال سبحان ربی الاعلی: آپ ﷺ یہ کلمات تلاوت کے دوران نہیں کہتے تھے، اگر آپ ﷺ نماز میں ایسا کہتے ہوتے تو راوی اس کی صراحت کرتے، کہ آپ ﷺ نماز میں قرأت کرتے اور "سبح اسم ربك الاعلی" کی تلاوت کرتے تو "سبحان ربی الاعلی" کہتے تھے، راوی کا صراحت کرنا بتا رہا ہے کہ یہ عمل حالت نماز کا نہیں ہے، پھر نماز کے دوران کلمات کو کہنے سے کوئی عام شخص یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ قرآن کریم کا جزء ہے حالانکہ یہ قرآن کا جزء نہیں ہے، اور اگر نماز ہی مراد ہو تو آپ ﷺ کا یہ عمل نفل نماز کے ساتھ خاص ہوگا، کیونکہ آپ ﷺ نفل نمازوں میں کوئی بھی آیتِ دعاء پڑھتے تو رک کر دعا کرتے تھے، حدیث ہے" وما آتیٰ علی آیة رحمة الا وقت وسال"۔

حدیث نمبر ۸۰۱ ﴿آیات قرآن کا جواب دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۶۰

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ مِنْكُمْ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ فَانْتَهٰى اِلٰى اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ فَلْيَقُلْ بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذَالِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَمَنْ قَرَاَ لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَانْتَهٰى اِلٰى اَلَيْسَ ذَالِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى فَلْيَقُلْ بَلٰى وَمَنْ قَرَاَ وَالْمُرْسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ فَلْيَقُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ وَاَنَا عَلٰى ذَالِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۲۹ ج ۱، باب مقدار الرکوع والسجود، کتاب الصلاۃ ،حدیث نمبر ۸۸۷، ترمذی ص ۱۷۲ ج ۱، باب ومن سورۃ التین، کتاب تفسیر القرآن، حدیث ۳۳٤۷.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جب کوئی شخص سورۂ "والتین والزیتون" کی قرأت کرے تو جب وہ "الیس اللہ باحکم الحاکمین" (کیا اللہ سب حاکموں میں سے بڑے حاکم نہیں ہیں) پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ وہ کہے "بلی واناعلی ذلك من الشاهدین" (کیوں نہیں میں اس کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں) اور جب وہ شخص سورۂ "لا اقسم بیوم القیامة" (میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی)، کی تلاوت کرے، تو جب وہ "الیس بقادر علی ان یحی الموتی" (کیا اللہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے) پر پہنچے، تو اس کو چاہئے کہ وہ کہے "بلی" (کیوں نہیں اللہ اس پر قادر ہے) اور جو شخص سورۂ "والمرسلات" قسم ہے چلنے والی ہواؤں کی، کی تلاوت کرے، پس جب وہ "فبای حدیث بعده یؤمنون" (اب اس کے بعد کس بات پر یقین لائیں گے؟) پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ کہے "آمنا باللہ" (ہم ایمان لائے) ابوداؤد، ترمذی "وانا علی ذالك من الشاهدین" تک کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بعض آیات پر پہونچنے کے بعد ان کے جواب دینے کا حکم دیا ہے لیکن اگر نماز میں یہ الفاظ تلاوت کیئے گیئے تو جواب نہ دینا چاہیئے، تاکہ قرآن اور غیر قرآن میں اشتباہ پیدا نہ ہو، البتہ آدمی جب اپنے طور پر تلاوت کر رہا ہو تو جواب دینا بہتر ہے تاکہ زبان سے بھی اس اقرار کی تجدید ہو جائے کہ اللہ سب سے بڑا حاکم ہے اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، اس طرح دیگر آیات کے جواب دینے میں بھی زبانی طور سے اقرار ہوتا ہے اگر نماز میں یہ آیات تلاوت ہوں تو جواب نہیں دیا جائے گا پھر زیادہ سے زیادہ نفل نمازوں میں جواب دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح والتین والزیتون: دو درختوں کے نام ہیں، تین یعنی انجیر، اور زیتون کو اردو میں بھی زیتون کہتے ہیں، یہ دونوں درخت کثیر البرکت اور کثیر المنافع ہیں، "واللہ باحکم الحاکمین" تصرفات دینویہ اور تصرفات اخرویہ سب میں اللہ سب سے بڑا حاکم ہیں اس جگہ پر پہونچنے کے بعد "بلیٰ وانا علی ذالك من الشاهدين" کہنا مستحب ہے "لا اقسم بیوم القیامة" یہاں پر حرف میم سے پہلے "لا" زائدہ ہے، جب قسم کسی مخاطب کی بات رد کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے تو اس کے شروع میں حرف "لا" اس شخص کے خیال باطل کے لئے زائد استعمال ہوتا ہے۔ (معارف القرآن) "الیس ذالك بقادر علی ان یحی الموتی" اس آیت پر پہونچنے کے بعد "بلیٰ" کہئے یعنی وہ ذات کہ جس کے قبضہ میں یہ سارا جہان ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے "بلی انه علی کل شئی قدیر" (ہاں کیوں نہیں وہ ذات تو ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں)، ملا علی قاریؒ مزید کہتے ہیں کہ حافظ نے جو یہ کہا ہے کہ یہاں "بلیٰ وانا علی ذالك من الشاهدين" ہے اور "انا علی ذالك من الشاهدين" کو اسوجہ سے حذف کر دیا ہے کہ اوپر والے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حافظ کی یہ بات اور تشریح بہت دور کی ہے۔ (مرقات ص ۳۰۵ ج ۲)

فبای حدیث: یعنی قرآن مجید بالکل کھلا ہوا معجزہ ہے اس کو سن کر بھی ایمان نہیں لا رہے ہیں تو اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے، مراد ان کے ایمان سے مایوسی کا اظہار ہے جو شخص اس آیت کو تلاوت کرے تو اس کو "آمنا باللہ" کہنا چاہیئے، یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے، یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ نماز کے باہر ان کلمات کو کہا جائے گا اور زیادہ نفل نمازوں میں بھی کہنے کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن فرائض میں ان کلمات کو کہنے سے گریز کرنا چاہیئے۔

حدیث نمبر ۸۰۲ ﴿سورۂ رحمٰن کی آیت کا جواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۶۱

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰى آخِرِهَا فَسَكَتُوْا فَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا اَتَيْتُ عَلٰى قَوْلِهٖ فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ قَالُوْا لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی ص ۱۶۴ ج ۱. باب ومن سورة الرحمٰن، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر ۳۲۹۱۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے درمیان تشریف لائے اور آپ ﷺ نے ان کے سامنے "سورۂ رحمٰن" شروع سے اخیر تک تلاوت فرمائی صحابہ کرام خاموش رہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے "لیلة الجن" میں جناتوں کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو تم سے بہتر ردعمل تو ان کا تھا، میں جب جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فبای الاء ربکما تکذبان" (پھر کیا نعمتیں اپنے کی تم جھٹلاؤ گے) پر پہنچتے، تو وہ کہتے تھے "بشئی الخ" نہیں ہمارے رب ہم آپ کی کسی نعمت کو جھٹلاتے

نہیں ہیں، اور سب تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب سورۂ رحمٰن کی تلاوت کوئی کرے اور مذکورہ آیت پر پہنچے تو جو کلمات اجنہ نے کہے تھے؛ کیوں کہ اس میں اللہ کی نعمتوں کا اعتراف ہے، اور ناشکری نہ کرنے کا اظہار ہے، صحابہ نے سورۂ رحمٰن سن کر یہ کلمات نہیں کہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا اس معاملہ کے اعتبار سے تو جنات ہی تم سے بہتر ہیں انہوں نے مذکورہ کلمات کہے اور تم نے نہیں کہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فبای آلاء ربکما تکذبان: اس آیت کے مخاطب انسان اور جنات ہیں، جناتوں نے لیلۃ الجن میں اس آیت کو سن کر کہا "لا بشئی من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد" اسی کو حضور نے صحابہ سے کہا کہ اثر قبول کرنے کے اعتبار سے تم سے بہتر تو جنات ہیں، آپ ﷺ کے اس فرمان سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ جنات صحابہؓ سے افضل ہیں، قرآن مجید کی اس آیت کے جواب میں مذکور کلمات کہنا مستحب ہے لیکن فرض نمازوں میں ان کلمات کو نہ کہا جائے، ورنہ بہت ممکن ہے کہ بعض عوام ان کلمات کو بھی قرآن کا جز سمجھ بیٹھیں۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۸۰۳ ﴿دو رکعتوں میں ایک ہی سورت کی تلاوت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۶۳

عَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبدِ اللّٰهِ الْجُهَنِيِّ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِنْ جُهَيْنَةَ اَخبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الصُّبحِ اِذَا زُلْزِلَتِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلَا اَدْرِيْ اَنَسِيَ اَمْ قَرَأَ ذٰلِكَ عَمَداً رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ : ابوداؤد ص ۱۱۸، باب ما لرجل بعید سورۃ واحدۃ فی رکعتین، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۸۱۶.

ترجمہ: حضرت معاذ ابن عبد اللہ سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کے ایک شخص نے انکو اطلاع دی کہ اسنے رسول اللہ کو فجر کی دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت" کی تلاوت کرتے ہوئے سنا مجھے نہیں معلوم حضور ﷺ نے ایسا بھول کر کیا یا آپ ﷺ نے جان بوجھ کر پڑھا۔ (ابوداؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک ہی سورت کو دو رکعت میں پڑھنا جائز ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ ہر رکعت میں الگ الگ سورت پڑھی جائے، آپ کا دائمی عمل یہی تھا، شاید بایدہی آپ ﷺ نے اس کے خلاف کیا ہو

کلمات حدیث کی تشریح فی الرکعتین کلتیهما: رکعتیں کے بعد کلتیہا کی وضاحت کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ فجر کی دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت الارض" پوری پڑھی ایسا نہیں تھا کہ بعض حصہ ایک رکعت میں پڑھا اور بعض حصہ دوسری رکعت میں پڑھا، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی، فلا ادری: راوی کہتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ حضور ﷺ نے ایسا جان بوجھ کر کیا یا بھول کر کیا، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بیان جواز کے لئے کیا تھا، افضل ہر رکعت میں الگ الگ سورتیں پڑھنا ہے۔

حدیث نمبر ۸۰۴ ﴿ایک حصہ ایک رکعت میں دوسرا حصہ دوسری رکعت میں پڑھنا﴾

عالمی حدیث نمبر ۸۶۴

وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ اِنَّ اَبَابَكْرِ الصِّدِّيْقَؓ صَلَّى الصُّبحَ فَقَرَأَفِيهِمَا بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ : مؤطا امام مالک ص ۲۸، باب القرأۃ فی الصبح، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۳.

ترجمہ : حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فجر کی نماز پڑھی، تو فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ پڑھی، مؤطا امام مالک۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ ایک رکعت میں سورۃ کا ایک حصہ پڑھنا اور دوسری رکعت میں اسی سورت کا مابقیہ پڑھنا درست ہے۔ اور آپ ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے۔ اور حدیث باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل سے بھی یہ ثابت ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر رکعت میں ایک مکمل سورت پڑھی جائے، آپ ﷺ کا دائمی عمل یہی تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح بسورة البقرة: سورۂ بقرہ کا بعض حصہ ایک رکعت میں پڑھا، اور دوسرا حصہ دوسری رکعت میں پڑھا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر رکعت میں مکمل سورۂ بقرہ کی تلاوت کی، اس وجہ سے کہ فجر کے وقت میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاسکے، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا یہ عمل حضور ﷺ کے عمل کی نظیر ہے حضور ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف کو دو حصوں میں کر کے دو رکعتوں میں پڑھا تھا، حدیث گزر چکی ہے دیکھئے حدیث نمبر ۷۷۵ حضور ﷺ کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا، ورنہ حضور کا عام معمول یہی تھا کہ آپ ﷺ ہر رکعت میں ایک مکمل سورت تلاوت فرماتے تھے۔ (مرقات ص ۳۰۷ ج۲)

حدیث نمبر ۸۰۵ ﴿فجر کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۶٤

وَعَنِ الفَرَافِصَةِ بْنِ عُمَيْرٍ الحَنَفِيِّ قَالَ مَا اَخَذْتُ سُوْرَةَ يُوْسُفَ اِلَّا مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اِيَّاهَا فِي الصُّبْحِ مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يُرَدِّدُهَا رَوَاهُ مَالِكٌ.

حواله: مؤطا امام مالك ص ۲۸ باب القرأة في الصلاة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۳۵.

ترجمه: حضرت فرافصہ بن عمیر حنفیؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان ابن عفان کی قرأت سن کر سورۂ یوسف یاد کی، حضرت عثمان فجر کی نماز میں سورۂ یوسف کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ فجر کی نماز میں یوسف بہت کثرت سے تلاوت فرماتے تھے، اتنی کثرت تھی کہ ایک تابعی کہتے ہیں کہ میں نے عثمان غنی کی قرأت سن کر سورہ یوسف یاد کر لی۔

کلمات حدیث کی تشریح الحنفی/ قبیلہ حنفیہ کی طرف نسبت ہے، ما اخذت: یعنی میں نے سورۂ یوسف جو سیکھا وہ حضرت عثمان کے بار بار اس سورت کو پڑھنے سے سیکھا۔

اشکال: فقہاء نے ایک سورت پر مداومت کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، فقہاء کا قول اس حدیث کے منافی معلوم ہوتا ہے۔

جواب: فقہاء کے قول اور حدیث باب میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ فقہاء نے ایک ہی سورت پر جو مداومت کو مکروہ قرار دیا ہے اس سے مراد تمام نمازوں میں ایک ہی سورت متعین کر کے پڑھنا ہے، اور اس کے مکروہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں باقی تمام قرآن کا چھوڑنا لازم آتا ہے، جہاں تک حضرت عثمان کا عمل ہے تو اولاً تو وہ کثرت سے سورۂ یوسف پڑھتے تھے، کثرت کا مطلب مداومت نہیں ہے، نیز آپؓ صرف فجر کی نماز میں سورۂ یوسف کثرت سے پڑھتے تھے، بقیہ نمازوں میں دوسری سورتیں پڑھتے تھے۔

(مرقات ص ۳۰۷ ج۲)۔

حدیث نمبر ۸۰٦ ﴿نماز فجر میں سورۂ "حج" پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸٦۵

وَعَنْ عَامِرِ ابْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ يُوْسُفَ وَسُوْرَةِ الحَجِّ قِرَاءَةً بَطِيْئَةً قِيْلَ لَهُ اِذًا لَقَدْ كَانَ يَقُوْمُ حِيْنَ يَطْلُعُ الفَجْرُ قَالَ اَجَلْ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حواله: مؤطا امام مالك، ص ۲۸ باب القرأه في الصبح، كتاب الصلاة، حديث ۳٤.

ترجمه: حضرت عامر بن ربیعہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عمر بن خطابؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی، تو حضرت عمرؓ نے نماز میں

سورۂ یوسف اور سورۂ حج کی تلاوت فرمائی، اور تلاوت بھی ٹھہر ٹھہر کی، حضرت عامر سے پوچھا گیا تب تو حضرت عمرؓ فجر طلوع ہوتے ہی کھڑے ہوجاتے ہوں گے حضرت عامرؓ نے جواب دیا، ہاں۔(مؤطا امام مالک)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہیکہ حضرت عمرؓ فجر کے اول وقت میں نماز شروع فرماتے تھے، اور فجر کی ایک رکعت میں سورۂ یوسف کی تلاوت فرماتے تھے، جب کہ دوسری رکعت میں سورۂ حج کی تلاوت فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ فجر کی نماز اول وقت میں پڑھنا درست ہے اور اسپر سبکا اتفاق ہے، اختلاف اولویت میں ہے، حنفیہ کے یہاں افضل یہ ہیکہ اسفار میں نماز پڑھی جائے

کلمات حدیث کی تشریح فقرأفیھا: یعنی دو میں سے ایک رکعت میں سورۂ یوسف مکمل یا اسکا بعض حصہ پڑھا، سورۃ الحج: دوسری رکعت میں سورۂ حج کامل یا اس میں سے کچھ حصہ پڑھا، قرأۃ بطیئۃ: یعنی تجوید و ترتیل کا خیال رکھ کر پڑھا

قیل لہ: ایک شخص نے حضرت عامرؓ سے عرض کیا جیسا آپ بتارہے ہیں اگر ویسا ہی معاملہ ہے تب تو حضرت عمرؓ اول وقت میں یعنی غلس ہی میں نماز شروع کردیتے ہوں گے، قال اجل: حضرت عامرؓ نے کہا، حضرت عمرؓ فجر کے اول وقت یعنی غلس میں نماز شروع فرمادیتے تھے، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ "غلس" میں فجر کی نماز شروع کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور یہ جواز پر محمول ہے، استحباب پر محمول نہیں ہے، اور حدیث باب میں حضرت عمرؓ کا جو عمل مذکور ہے وہ دائمی عمل نہیں ہے۔(مرقات ص ۳۰۷ ج ۲)

حنفیہ کے نزدیک فجر کا وقت مستحب اسفار میں ہے، غلس میں نماز پڑھنا درست ہے لیکن اولی نہیں ہے، بعض ائمہ کا اس میں اختلاف ہے، تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۵۴۱ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۸۰۷ ﴿نماز میں چھوٹی بڑی تمام سورتیں پڑھنا مستحب ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۶۶

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُوْرَةٌ صَغِيْرَةٌ وَلَا كَبِيْرَةٌ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَةِ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۱۸ ج ۱، باب من رأی التخفیف فیھا، کتاب الصلاۃ، حدیث ۸۱۴.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ طوال مفصل میں سے نہ کوئی بڑی سورت ایسی ہے اور نہ کوئی چھوٹی سورت ایسی ہے جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے لوگوں کو فرض نماز پڑھاتے ہوئے نہ سنی ہو۔(مالک)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں طوال مفصل یعنی سورۂ حجرات سے لیکر سورۂ بروج تک تمام سورتیں فرض نمازوں میں پڑھ کر لوگوں کو سنادیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائیکہ تمام سورتوں کا پڑھنا درست ہے

کلمات حدیث کی تشریح المکتوبۃ: فرض کی پانچ نمازیں مراد ہیں، آپ ﷺ نے تمام سورتیں بیان جواز کے طور پر پڑھیں تاکہ لوگوں کو علم ہوجائے یا بطور استحباب کے پڑھیں۔

حدیث نمبر ۸۰۸ ﴿نماز مغرب میں سورۂ دخان پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۶۷

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ مُرْسَلًا.

حوالہ: نسائی ص ۱۱۴ ج ۱، باب القرأۃ فی المغرب، کتاب الافتتاح، حدیث ۹۸۷.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ "دخان" پڑھیں۔(نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ کی نماز مغرب میں سورۂ دخان پڑھنے کا تذکرہ ہے مغرب کی نماز میں افضل قصار مفصل میں کسی صورت کا پڑھنا ہے، آپ ﷺ کا سورۂ دخان پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا، یہ آپ ﷺ کا دائمی عمل نہیں تھا

کلمات حدیث کی تشریح عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بھائی کے بیٹے ہیں کبار تابعین میں سے ہیں، حٰم الدخان: آپ ﷺ نے نماز مغرب میں سورۂ حٰم، الدخان پڑھی، اس میں دو احتمال ہے۔ (۱) مغرب کی ہر رکعت میں آپ ﷺ نے مذکورہ سورت پڑھی۔ (۲) مذکورہ سورت کا بعض حصہ پہلی رکعت میں اور بعض حصہ دوسری رکعت میں پڑھا۔

باب الرکوع (رکوع کا بیان)

اس حدیث کے تحت جو احادیث مذکور ہیں ان میں رکوع کی فرضیت کا بیان ہے نیز رکوع کرنے کا طریقہ، رکوع میں پڑھی جانے والی مختلف دعائیں، رکوع میں تعدیل کی اہمیت اور رکوع میں تسبیحات کی تعداد وغیرہ کا بیان ہے۔

رکوع کے معنی اور اس کی فرضیت

رکوع کے معنی: "انحنا" یعنی جھکنا جس طرح قیام وقرأت فرض ہے، اسی طرح رکوع بھی فرض ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ارکعوا" رکوع کرو، یہاں صیغہ امر ہے اور وہ وجوب کے لئے ہوتا ہے لہٰذا رکوع فرض ہے۔

رکوع کی مقدار: چونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد مطلق ہے، اس وجہ سے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بس رکوع کے لئے جھک جانا کافی ہے، یعنی جھک جانے سے فریضہ اداء ہوجاتا ہے، البتہ رکوع میں تعدیل واجب ہے چونکہ تعدیل کا ثبوت خبر واحد سے ہے، اور خبر واحد سے وجوب ثابت ہوتا ہے فرض ثابت نہیں ہوتا ہے۔

رکوع کا طریقہ: رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لے، اور ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھے، پنڈلیوں کو سیدھا کھڑا رکھے، پیٹھ کو بالکل ہموار رکھے، اسی طرح سر بھی اونچا نہ رہے، اور نہ جھکا رہے، سرین سے سر تک بالکل ہموار سطح رہے۔

رکوع میں تسبیح کی مقدار: اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہیکہ رکوع میں تسبیحات کیلئے کوئی وجوبا عدد متعین نہیں ہے البتہ تین سے لیکر گیارہ تک عدد کو مستحب کہا گیا ہے، یعنی مستحب کا ادنیٰ درجہ تین ہے اور اعلیٰ درجہ گیارہ ہے، آگے ایک حدیث آرہی ہے جسمیں تین بار تسبیح کی مقدار کو ادنیٰ قرار دیا گیا ہے، ادنیٰ قرار دیئے جانے کا یہی مطلب ہے کہ یہ ادنیٰ مقدار مستحب ہے نہ کہ ادنی مقدار واجب ہے۔

رکوع میں پڑھی جانے والی تسبیحات و دعاء

ابوداؤد میں "باب ما یقول الرجل فی رکوعه وسجوده" کے تحت حدیث ہے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس وقت "فسبح باسم ربك العظیم" اور سبح اسم ربك الاعلی" آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا "اجعلوها فی رکوعکم وسجودکم" یعنی ان دعاء میں سے اول رکوع میں اور دوم سجود میں داخل کرلو، پھر ابوداؤد میں اسی باب کے تحت دوسری حدیث ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے رکوع میں "سبحان ربی العظیم وبحمده" اور سجدوں میں "سبحان ربی الاعلی وبحمده" پڑھتے تھے، ابوداؤد کہتے ہیں کہ روایت میں جو "بحمده" ہے، اس کا اضافہ ثابت نہیں ہے: حاصل یہ نکلا کہ رکوع میں "سبحان ربی العظیم" تسبیح کے طور پر پڑھا جائے گا، آگے جو احادیث آرہی ہیں ان میں اس تسبیح کے علاوہ دیگر دعائیں بھی مذکور ہیں، ان کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ مذہب حنفیہ میں منفرد کو اختیار ہے کہ رکوع وسجود میں تسبیحات کے بعد احادیث میں منقول دعائیں یا مناسب اذکار

شامل کرسکتا ہے، اگر امام ہے تو مقتدیوں کی رعایت بہرحال اس پر لازم ہے لہٰذا اگر مقتدیوں کو بار نہ ہو تو رکوع میں دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور امام کے ساتھ مقتدی بھی دعاء کرسکتے ہیں لیکن اگر مقتدیوں پر بار ہو تو امام رکوع میں تسبیحات پر ہی اکتفاء کرے۔

رکوع میں تکرار نہیں : سجدہ میں تکرار ہے جبکہ رکوع میں تکرار نہیں ہے، اس کی محدثین بہت سی وجوہات لکھتے ہیں، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ سجدہ مقصد اصلی ہے اس میں انتہائی درجہ تذلل اور خضوع ہے، جب کہ رکوع سجدہ کا وسیلہ ہے، اس وجہ سے سجدہ میں تکرار ہے رکوع میں نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کا سجدہ کرنے کا حکم دیا، انہوں نے سجدہ کیا جس کی وجہ سے وہ کامیاب ہوئے ابلیس لعین نے سجدہ نہیں کیا، اس لئے وہ ناکام ہوا، فرشتوں نے سر اٹھا کر جب ابلیس کی ناکامی دیکھی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سجدہ کی توفیق مرحمت فرمادی دوبارہ سجدہ میں چلے گئے، یہیں سے بنی آدم کے لئے ہر رکعت میں دو سجدہ مشروع ہوئے، صاحب مرقات نے لکھا ہے کہ شب معراج میں ملائکہ نے سجدہ سے سر اٹھا کر آپ کو سلام کیا، پھر سجدہ میں مشغول ہوگئے، اسی وجہ سے دو سجدہ ہیں، آخر میں ملا علی قاریؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اظہر یہی ہے کہ تکرار سجدہ کا حکم امر تعبدی ہے۔

نوٹ : بعض لوگوں نے رکوع کو اس امت کی خصوصیت قرار دیا ہے، گذشتہ امتوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا، حضرت مریم کے متعلق قرآن مجید میں "وارکعی مع الرکعین" ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۸۰۹ ﴿رکوع و سجود میں درستگی کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۶۸

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰهِ اِنِّي لَاَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِي مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ : بخاری ص ۱۰۲ ج ۱، باب الخشوع فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۷۴۲، مسلم ص نمبر ۱۸۰ ج ۱، باب الامر بتحسین الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۲۵۔

ترجمہ : حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم لوگ رکوع وسجدہ کو ٹھیک طور پر ادا کیا کرو اللہ کی قسم میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے یہ بات فرمائی کہ رکوع وسجدہ میں اطمینان واعتدال کو ملحوظ رکھو، جلدی جلدی رکوع وسجود نہ کرو، اس حدیث کے بعد آپ ﷺ نے یہ بات بھی فرمائی کہ میں جس طرح آگے اور سامنے کی چیز دیکھتا ہوں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ معجزہ عطا فرمایا ہے کہ میں پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

کلمات حدیث کی تشریح اقیموا الرکوع والسجود: رکوع وسجدہ میں اعتدال وطمانیت اختیار کرو، نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے نماز پڑھنے کے انداز پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، اور جب بھی کسی قسم کی خامی دیکھتے فوراً ٹوکتے تھے۔

چنانچہ ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ پورے طور پر آداب صلاۃ کی رعایت نہیں کررہے ہیں، تو آپ نے مذکورہ بالا تنبیہ فرمائی، ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو رکوع وسجدہ میں خشوع اختیار کرنے کا حکم دیا، حدیث کے الفاظ ہیں "عن انس بن مالک قال صلی لنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃً ثم ترقی المنبر فقال فی الصلاۃ او فی الرکوع" حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور نماز یا رکوع کے بارے میں فرمایا، فواللہ انی لارکم من بعدی: مطلب یہ ہے کہ رکوع وسجدہ میں تم لوگ جو کمی کرتے ہو اور رکوع وسجود کا جو حق ہے اس میں

جو کچھ کوتاہی کرتے ہیں اس سے واقف ہو جاتا ہوں۔

ابن مالکؒ کہتے ہیں کے اس حدیث میں اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ نماز کو پورے طور پر خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا چاہئے اور کوتاہی سے گریز کرنا چاہئے کیوں کہ جب حضور ﷺ پر کوتاہی پوشیدہ نہیں ہے تو باری تعالیٰ پر کیوں کر پوشیدہ ہوگی، حضور ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ ہی کے مطلع کرنے سے اطلاع ہوئی تھی۔

سوال: حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک تو سامنے کی جانب یعنی قبلہ کی طرف ہوتا تھا، نیز آپ ﷺ امام ہونے کی وجہ سے سب سے آگے بھی رہتے تھے پھر پیچھے کھڑے ہوئے صحابہ کرام کی نماز ادائیگی کو کیسے دیکھ لیتے تھے۔

جواب: (ا) وحی کے ذریعہ پیچھے کی سمت کا علم ہو جاتا تھا اسی کو آپ نے رویت سے تعبیر کیا ہے، (ا) بطور معجزہ اور خرق عادت کے آپ ﷺ کے پیچھے کی سمت بھی دیکھ لیتے تھے، یہی زیادہ بہتر جواب ہے۔

حدیث نمبر ۸۱۰ ﴿ارکان صلاۃ میں اعتدال﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۶۹

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُودُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ فَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ الْقُعُودَ قَرِيباً مِنَ السَّوَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۱۰۹ ج ۱، باب حد تمام الرکوع، کتاب الاذان، حدیث ۷۹۲، مسلم ص ۱۸۹ ج ۱، باب اعتزال ارکان الصلاۃ کتاب الصلاۃ، حدیث ۴۷۱.

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رکوع اور آپ کا سجدہ اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ اور رکوع سے اٹھنے کے بعد کا قومہ سب قریب قریب برابر ہوتے تھے، سوائے قیام اور قعود کے۔

خلاصۂ حدیث: اس حدیث کا خلاصہ پیش کرنے سے پہلے چند چیزیں سمجھیں (ا) قیام: نماز پڑھنے والا کھڑا ہو کر قرأت کرتا ہے تو اس کھڑے ہونے کو قیام کہتے ہیں۔ (۲) رکوع: قرأت کے بعد تکبیر کہتے ہوئے، نمازی جو جھکتا ہے اس کو رکوع کہتے ہیں۔ (۳) قومہ: رکوع کے بعد نمازی کے سیدھے کھڑے ہونے کو قومہ کہتے ہیں۔ (۴) سجدہ: قومہ کے بعد نمازی زمین پر پیشانی، ناک، ہتھیلیاں وغیرہ رکھتا ہے اس کو سجدہ کہتے ہیں۔ (۵) جلسہ: دونوں سجدوں کے درمیان نمازی کا بیٹھنا "جلسہ" کہلاتا ہے۔ (۶) قعدہ: دونوں سجدوں کے بعد التحیات پڑھنے کے لئے نمازی جو بیٹھتا ہے اس کو قعدہ کہتے ہیں، اب اس حدیث کو سمجھئے اس میں یہ بات کہی گئی ہے کہ آپ ﷺ کا قیام اور قعدہ تو طویل ہوتا ہے کیونکہ کہ قیام میں قرأت ہوتی ہے اور قعدہ میں التحیات پڑھی جاتی ہے اس لئے اس میں زیادہ وقت لگتا ہے لیکن اس کے علاوہ چار چیزیں رکوع، سجدہ، اور قومہ وجلسہ تقریباً برابر برابر ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: ماخلا القیام والقعود: بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیام سے مراد قومہ اور قعود سے مراد جلسہ ہے اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر قیام سے قومہ اور قعود سے جلسہ مراد لیا جائے تو یہ استثناء صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ بین السجدتین واذا رفع من الرکوع" میں قومہ وجلسہ کا اثبات ہو چکا ہے اور جس بات کا اثبات ہوا اسی بات کا بعینہ استثناء درست نہیں یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کہ کہا جاتا ہے "جاء زید وعمر وخالد الا زیداً و عمراً" اس کا جواب دیا گیا ہے کہ جہاں قومہ وجلسہ کو شامل کیا گیا ہے وہاں مراد اطمینان ہے یعنی سب میں طمانیت واجب ہے اور جہاں استثناء ہے وہاں مراد برابر سرابر ہونے کا استثناء ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ قومہ جلسہ، رکوع سجدہ سب میں طمانیت واجب ہے البتہ رکوع وسجدہ میں توقف برابر سرابر ہے اور قومہ وجلسہ میں ان سے کم ہے اس کے برخلاف بعض لوگوں نے قیام سے مراد قرأت کے لئے جو کھڑا ہونا ہے وہ مراد لیا ہے اور قعود سے تشہد مراد لیا ہے

ایسی صورت میں استثناء بالکل واضح ہے یعنی رکوع، سجدہ وغیرہ برابر ہوتے ہیں اور قیام وتشہد طویل ہوتے ہیں۔

(تلخیص فتح الباری ص ۲۴۱ ج۲ و مرقات ج ۳۰۹ ج۲)

حدیث نمبر ۸۱۱ ﴿قومہ وجلسہ وغیرہ میں تعدیل کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷۰

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَامَ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ (رواہ مسلم).

حوالہ: مسلم ص ۱۸۹ ج۱، باب اعتدال ارکان الصلاۃ، حدیث ۴۷۳.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہنے کے ساتھ کھڑے ہوئے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ہمیں خیال ہوتا کہ حضور ﷺ بھول گئے پھر آپ ﷺ سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھے کہ ہم کہتے (دل میں حضور ﷺ بھول گئے ہیں)۔

خلاصہ حدیث قومہ وجلسہ میں اطمینان واجب ہے راوی اس حدیث سے یہ بات بتانا چاہ رہے ہیں کہ حضور ﷺ قومہ وجلسہ میں بہت دیر ٹھہرتے تھے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ حدیث میں مذکور عمل کا تعلق نفل سے ہے یا پھر فرض میں آپ ﷺ نے ایسا بیان جواز کے لئے کیا ہوگا اگر آپ ﷺ کا یہ معمول ہوتا تو صحابی یہ نہ کہتے کہ اتنی دیر حضور ﷺ ٹھہرے کہ ہم سمجھے کہ وہم ہو گیا ہے یہ بات اس طرف اشارہ کررہی ہے کہ یہ عمل کبھی کبھی کا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح حتی نقول قرأ وھم" وہم کے دو معنی ہوسکتے ہیں (۱) ترک" مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہنے کے بعد اتنی زیادہ دیر کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ خیال کرتے کہ آپ ﷺ نے پڑھی ہوئی رکعت ترک کردی ہے۔

(۲) اور قعقہ فی الغلط: یعنی لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حضور ﷺ بھول گئے ہیں اور سجدہ میں جانا آپ ﷺ کو یاد نہیں رہا، اسی طرح آگے جو "اوہم" آرہا ہے اس میں بھی یہی دو معنی ہوں گے یا تو یہ معنی ہوں گے کہ ہم سمجھتے کہ حضور ﷺ نے سجدہ ثانیہ ساقط کردیا ہے اور تشہد میں آپ ﷺ بیٹھ گئے، یا پھر یہ معنی ہوں گے کہ ہم سمجھتے تھے کہ حضور ﷺ سجدہ ثانیہ کرنا بھول گئے ہیں، دونوں معنی مراد لینے کی گنجائش ہے لیکن حضور ﷺ کا یہ عمل نہیں تھا یا مرض میں کبھی کبھار بیان جواز کے لئے تھا اور "کان" یہاں رابطہ کے لئے ہے، مواظبت بیان کرنے کے لئے نہیں ہے۔ (مرقات ص ۳۰۹ ج ۲)

"سمع اللّٰہ لمن حمدہ" سے متعلق بحث دیکھنے کے لئے حدیث ۷۳۸ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۸۱۲ ﴿حضور ﷺ کی دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷۱

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَقُوْلَ فِیْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۱۱۳ ج ۱، باب التسبیح والدعاء فی السجود، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۸۱۷، مسلم ص ۱۹۲ ج ۱، باب ما یقال فی الرکوع والسجود، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۸۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع وسجدہ میں کثرت سے یہ دعاء پڑھتے تھے "سبحانك الخ" آپ ﷺ کی ذات پاک ہے اے اللہ، اے ہمارے پروردگار! تیری ہی حمد کرتے ہیں، اے اللہ آپ ﷺ مجھ کو بخش دیجئے، یہ دعاء مانگ کر آپ ﷺ قرآن کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسبیح اور استغفار کے لئے حکم دیا ہے، آپ ﷺ حدیث باب میں موجود کلمات کو کثرت سے پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح سبحانك اللّٰم : اللہ تعالیٰ نے سورہ "نصر" میں فرمایا "فسبح بحمدربك الخ" اپنے رب کی تعریف کیساتھ تسبیح کریجئے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں آپ ﷺ مذکورہ دعاء کثرت سے مانگتے تھے۔

اللّٰهم اغفرلی: اللہ تعالیٰ کے فرمان: واستغفر لذنبك وللمؤمنين" کی تعمیل میں آپ ﷺ مذکورہ دعا مانگتے تھے آپ خود تو معصوم تھے لہذا آپ ﷺ قرآن کریم کی تفسیر کرتے تھے، یعنی "فسبح بحمد ربك" نازل ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کثرت سے تسبیح واستغفار کرتے تھے راوی نے کہا کہ آپ ﷺ قرآن کی تفسیر یعنی قرآن کریم کے حکم پر عمل کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۸۱۳ ﴿ رکوع و سجود میں مانگی ہوئی دعاء ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷۲

وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُوْدِهِ سُبُّوحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم ص ۱۹۲ ج ۱، باب ما يقال في الركوع، كتاب الصلاة، حديث ٤٨٧.

حل لغات: سبوح، ہر برائی سے بالکل پاک، پاک و برتر، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، سبح اللہ و له، (باب تفعیل سے) اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا، قدوس، عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ، پاک و بےعیب ذات اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ قدس اللہ: اللہ تعالیٰ کی تقدیس کا قائل ہونا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے رکوع وسجود میں یہ دعاء مانگا کرتے تھے، بہت پاک و برتر ہے، عیوب سے منزہ ہے فرشتوں اور روح الامین کا پروردگار ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے یہ بات بیان کی ہے کہ کبھی کبھی آپ رکوع وسجود میں مذکورہ بالا دعاء پڑھتے تھے، عام حالات میں آپ ﷺ وہی دعاء پڑھتے تھے جو ہم تمام لوگ رکوع وسجدہ میں پڑھتے ہیں وہی دعاء پڑھنا افضل ہے لیکن سنت سمجھ کر کبھی کبھی اس دعاء کے پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کان یقول: کبھی کبھی آپ ﷺ رکوع وسجدہ میں یہ دعاء پڑھتے تھے، سبوع قدوس: ان دونوں کلمات سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے، ایک قول تو یہ ہے یہاں تکرار تاکید کے لئے ہے، جب کہ دوسرا قول ہے کہ ایک کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی پاکی بیان کرنا مقصود ہے، جب کہ دوسرے سے اللہ تعالیٰ کی صفات کی پاکی بیان کرنا مقصود ہے، یہ دونوں کلمہ مبتداء محذوف کی خبر ہیں اصل عبارت ہے، "ركوعي وسجودي لمن هو سبوح وقدوس" میرا رکوع وسجدہ اس ذات کے لئے ہے جو سبوع وقدوس ہے، یعنی مخلوق کے اوصاف سے منزہ و پاک صاف ہے۔

رب الملائكة: علامہ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ یہاں پر فرشتوں کی طرف "رب" کی خصوصی طور پر نسبت اس وجہ سے ہے کہ وہ مخلوقات میں سب سے عظیم مخلوق ہے، سب سے زیادہ اطاعت کرنے والے اور سب سے زیادہ عبادت پر دلالت کرنے والی مخلوق ہے، حدیث میں آتا ہے کہ فرشتوں سے زیادہ کثیر تعداد میں کوئی مخلوق نہیں ہے، زمین سے اگنے والی ہر شئی پر ایک فرشتہ مقرر رہتا ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ جب سے آسمان وزمین کی تخلیق ہوئی ہے، اس وقت سے بعض فرشتے سجدہ میں ہیں، نہ تو انہوں نے ابھی تک اب

تک اپنا سر رکوع سے اٹھایا ہے اور نہ قیامت تک اٹھائیں گے کچھ فرشتے اس وقت سے صف بستہ کھڑے ہیں، وہ بھی نہ تو اب تک صف سے نکلے ہیں اور نہ قیامت تک نکلیں گے، جب قیامت آئے گی تو اللہ پاک ان پر اپنی تجلی فرمائیں گے، تو یہ اللہ کو دیکھیں گے اور کہیں گے "سبحانك ما عبدناك كما ينبغي لك" جیسا آپ کی عبادت کا حق ہم سے ویسی عبادت نہ ہوسکی، ایک روایت میں آتا ہے کہ ساتوں آسمانوں میں ایک قدم، ایک بالشت اور ایک ہتھیلی برابر بھی جگہ نہیں ہے سب میں فرشتے کھڑے ہیں کچھ سجدہ میں ہیں، قیامت کے دن سب کہیں گے "سبحانك ما عبدنا حق عبادتك الا انا لم نشرك بالله شيئاً" آپ کی ذات، آپ کی عبادت کا حق ہم سے ادا نہ ہوسکا البتہ ہم نے آپ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

والروح: اس سے مراد جبرئیل امین ہیں، فرشتوں کے تذکرہ کے بعد خصوصی طور پر ان کا ذکر ان کی فضیلت کی وجہ سے کہا گیا ہے، اس قول کے علاوہ بھی اقوال ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے، مرقات ص نمبر ۳۱۰-۳۱۱ ج ۲، یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ تربیت کی نسبت فرشتوں کی طرف کرنے سے فرشتوں کی فضیلت بنی آدم پر ثابت نہیں ہورہی ہے کیونکہ یہ نسبت ان کی خلقت کے عظیم ہونے کے اعتبار سے ہے ان کے انسانوں پر فضل وکمال کی وجہ سے نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۸۱٤ ﴿رکوع سجدہ میں قرآن پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷۳

وَعَنِ ابنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا اِنِّي نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعاً وَسَاجِداً فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوا فِيْهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص نمبر ۱۹۱ ج ۱، باب النهي عن قراة القرآن في الركوع، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٤٧٩.

حل لغات: قَمِنٌ، کسی کام کے لائق مناسب، قمنون، مؤنث، قمنة۔

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے رکوع وسجود میں قرآن کریم کی تلاوت سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا تم لوگ رکوع میں رب العالمین کی تعظیم بیان کرو، اور سجدہ میں خوب دعاء کرو، سجدہ کی دعاء تمہارے حق میں قبولیت کے زیادہ لائق ہے

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کا موقع قیام ہے، تلاوت اسی میں کی جائے گی، رکوع وسجدہ کے لئے دوسرے اذکار ہیں، لہٰذا رکوع وسجدہ میں قرأت نہ کی جائے، رکوع میں اللہ تعالیٰ کی خوب عظمت بیان کی جائے یعنی "سبحان ربي العظيم" پڑھا جائے، اور سجدہ میں خوب دعاء مانگی جائے، فرض نمازوں میں تو کثرت سے تسبیح کا اہتمام کیا جائے اور نفل نمازوں میں تسبیح کیساتھ اپنے مطلب کی دعاء بھی مانگنے کی گنجائش ہے، تسبیح بیان کرنے کو بھی دعاء کرنا ہی کہا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا بھی ایک طرح سے دعاء ہی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الا: خبردار کلمہ تنبیہ ہے، انی نہیت: ابن ملک کہتے ہیں کہ یہاں کراہت تنزیہی مراد ہے، حافظ کا کہنا ہے کہ اکثر علماء اسی کے قائل ہیں، بعض لوگ کراہت تحریمی کے قائل ہیں، اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

ان اقرأ القرآن: رکوع وسجدہ میں قرآن کریم کی تلاوت سے منع کیا گیا ہے، رکوع وسجدہ میں قرأت کیوں ممنوع ہے، اس کی اصل علت تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لیکن شراح حدیث نے اپنے فہم سے چند علتیں ذکر کی ہیں، خطابیؒ کہتے ہیں کہ "رکوع وسجدہ خضوع وتذلل کی حالتیں ہیں، لہٰذا ان میں ذکر وتسبیح کو مخصوص کیا گیا ہے اور دونوں میں تلاوت قرآن سے منع کیا گیا ہے، گویا اللہ تعالیٰ کے کلام اور مخلوق کے کلام کو ایک جگہ جمع کرنے سے منع کیا ہے، خطابیؒ کی یہ بات علامہ طیبیؒ نے نقل کی ہے، لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ قیام میں تسبیح وقرأت دونوں ہیں، ابن الملک کہتے ہیں کہ "نماز کے ارکان میں سب سے افضل رکن قیام ہے اور اذکار میں سب سے افضل ذکر قرآن ہے

نوافل کو افضل کے لئے مخصوص کردیا، تاکہ بقیہ اذکار کے ساتھ قرآن کے مساوی ہونے کا وہم پیدا نہ ہو، قاضی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو رکوع وسجدہ میں تلاوت قرآن سے منع کیا ہے اور ممانعت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رکوع وسجدہ میں قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں ہے، لیکن اگر کسی نے تلاوت کرہی لی تو نماز باطل نہ ہوگی۔

فاما الرکوع فعظموا فیه الرب: مطلب یہ ہے کہ رکوع میں "سبحان ربی العظیم" بیان کرو، **واما السجود:** میں خوب دعا کرو، حقیقی دعاء کرو، یہ تو ظاہر ہے اور یہ حکمی دعاء کو بھی شامل ہے جیسے کہ "سبحان ربی الاعلی" بعض لوگوں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ سجدہ میں "سبحان ربی الاعلی" کہنے کے بعد دعاء مانگو، علامہ طیبی کہتے ہیں کہ رکوع میں تعظیم اور سجدہ میں دعاء کا حکم اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ رکوع وسجود میں قرآن کریم کی تلاوت سے ممانعت کا حکم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ حضور ﷺ کے ساتھ اس حکم میں امت بھی داخل ہے، ابن الملک کہتے ہیں کہ امر استحباب کے لئے ہے، وجوب کیلئے نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے جب اعرابی کو نماز سکھائی تھی تو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

فقمن ان یستجاب لکم: زیادہ میں کی گئی دعاء زیادہ مقبول ہوئی ہے اس وجہ سے کہ سجدہ میں بندہ اپنے رب کے زیادہ قریب ہوتا ہے لہٰذا اس حالت میں دعاء قبولیت کے زیادہ قریب ہوئی ہے۔ (تلخیص مرقات ص ۳۱۱-۳۱۲ ج ۲)

سجدہ میں دعاء کرنے کا حکم

حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ سجدہ میں خوب دعا کرو، سجدہ میں دعاء کا حکم حنفیہ کے یہاں نوافل کے ساتھ خاص ہے لیکن اگر کوئی شخص فرض نماز میں بھی دعاء مانگ لے تو وہ مکروہ نہیں ہے، شوافع وغیرہ کے نزدیک یہ حکم عام ہے، لہٰذا ہر نماز میں دعاء مانگی جائے، حنفیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کا ذکر کرنا بھی درحقیقت دعاء ہے اور ذکر کرنے والے کی حاجات سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے لہٰذا جو شخص ذکر میں مشغولی کیوجہ اپنی حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں رکھ سکا اللہ تعالیٰ اس کو بغیر مانگے عطا فرماتے ہیں، حدیث قدسی ہے "من شغله ذکری لمن اعطیته افضل ما اعطی السائلین" جو شخص میرے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ مجھ سے مانگ نہیں سکا تو میں اس کو مانگنے والوں سے بڑھ کردوں گا۔

حدیث نمبر ۸۱۵ ﴿قومہ کی تسبیح کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷۴

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلَائِکَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۱۰۹ ج ۱، باب فضل اللّٰهم ربنا ولك الحمد، کتاب الاذان، حدیث ۷۹۶، مسلم ص ۱۷۶ ج ۱، باب التسمیع والتامین، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۰۹

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام "سمع الله لمن حمده" اللہ نے اس کی سن لی جس نے اللہ کی تعریف کی، کہے تو تم لوگ "اللّٰهم ربنا لك الحمد" (اے اللہ ہمارے رب آپ ہی کیلئے تعریف ہے) کہو، جس کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے مطابق ہوگیا، اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہوگئے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں رکوع سے اٹھنے یعنی قومہ جانے کی تسبیح کا ذکر ہے، اس تسبیح کی برکت سے اس کے پڑھنے والے کے گناہ ختم کردیئے جاتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح: **اذا قال الامام:** حدیث باب میں رکوع سے اٹھنے کے وقت تسبیح کا ذکر ہے، یہاں امام ومقتدی دونوں کو الگ اذکار بتائے گئے ہیں امام "سمع الله لمن حمده" کہے گا، اور مقتدی "ربنا لك الحمد"

کہیں گے، امام کو "ربنا لك الحمد" نہیں کہنا چاہئے۔ اس وجہ سے کہ اگر امام کو بھی یہ کہنا ہوتا تو اس کی ذکر کے تقسیم کے وقت صراحت ہوتی اسی طرح مقتدی کو بھی "ربنا لك الحمد" کے علاوہ کوئی ذکر نہیں کرنا، اگر کرنا ہوتو اس کی بھی صراحت ہوتی ''امام سمع الله لمن حمده'' کہہ کر مقتدیوں کو حمد کی طرف متوجہ کرر ہا ہے اور مقتدی ''ربنا لك'' کہہ کر امام کے حکم کی تعمیل کرر ہے ہیں اس مسئلہ کے متعلق مزید تفصیلات کے لئے حدیث ۷۳۸ میں دیکھیں۔

فانه من وافق: یعنی جس وقت فرشتے اس دعاء کو پڑھ رہے ہوں اس وقت جس نے یہ دعاء پڑھی اور فرشتہ امام کے "سمع الله لمن حمده" کہتے وقت دعاء پڑھتے ہیں، غفر له: گناہ معاف ہونے کا اللہ کا وعدہ ہے، کبیرہ معاف کردیں تو ان کا فضل ہے۔

حدیث نمبر ۸۱۶ ﴿رکوع میں پڑھی جانیوالی ایک اور تسبیح﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷۵

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأُ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأُ الْاَرْضِ وَمِلْأُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله :- مسلم، ۱۹۰ ج ۱، باب ما يقول اذا رفع رأسه من الركوع، كتاب الصلاة، حديث ٤٧٦.

ترجمه : حضرت عبداللہ بن اوفیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو یہ دعاء پڑھتے ''سمع الله لمن حمده'' اللہ نے اس کی سن لی جس نے اللہ کی تعریف کی، اے اللہ: اے ہمارے رب! آپ ہی کے لئے تعریف ہے آسمانوں بھر، زمین بھر، اور اس چیز بھر جس کو آپ اس کے علاوہ چاہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں نفل نماز کے رکوع سے اٹھتے وقت پڑھی جانے والی دعاء کا تذکرہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے آسمانوں وزمین اور دیگر جو کچھ بھی ہیں اللہ تعالیٰ کو پیدا کرنا ہے، وہ تمام اشیاء بھر جائیں اتنی تعریف بیان کی گئی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا رفع ظهره: آپ ﷺ جس وقت رکوع سے پشت اٹھانا شروع کرتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے، ملأ السموات: اس سے پہلے جو کلمات دعاء ہیں وہ تو فرض و نفل سب میں پڑھتے تھے، لیکن یہاں سے اخیر تک جو کلمات ہیں وہ خاص طور پر نفل میں پڑھتے تھے، آسمانوں وزمینوں کے بھر جانے کے بقدر حمد بیان کرنے سے کثرت مراد ہے، مظہر نے کہا ہے کہ یہ تمثیل ہے ورنہ تو کلام کو ناپا نہیں جاسکتا اور نہ ہی کلام برتنوں میں سما سکتا ہے، مراد حمد کے عدد کی کثرت ہے، یعنی اگر کلمات جسم کی شکل اختیار کرلیں تو تمام جگہیں پر ہوجائیں گی، حتی کہ اپنی کثرت کی وجہ سے تمام آسمان اور زمین کو بھر دیں گے، وملأ ما شئت: علامہ تورپشتی کہتے ہیں کہ اس میں بندہ اپنے عجز کی طرف اشارہ کرر ہا ہے کہ اس نے ایسی حمد کی جس سے آسمانوں وزمین بھر گئے لیکن ابھی اللہ کی حمد کا حق ادا نہیں ہوا، لہٰذا یہ بات کہی کہ جو مخلوقات بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہیں ان کے بھر بھی اللہ کی حمد ہے۔

(تلخيص مرقات ص ۳۱۳ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۱۷ ﴿رکوع میں پڑھی جانیوالی ایک دوسری دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷۶

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأُ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله : مسلم ص ۱۹۰ ج ۱، باب من يقول اذا رفع رأسه من الركوع، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٤٧٧.

ترجمه : حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے یہ دعاء پڑھتے ''اللهم ربنا الخ'' اے اللہ! اے ہمارے رب آپ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں آسمانوں کے بھرنے کے بقدر، زمین کے بھرنے کے بقدر، اور اس چیز کے

بھرنے کے بقدر جس کو آپ ان کے علاوہ چاہیں، اے ہر قسم کی تعریف اور بزرگی کے مستحق، آپ کی ذات ان تمام تعریفات سے بلند تر ہے جو بندہ کرتا ہے، ہم سب تیرے ہی بندے ہیں، اے اللہ جو آپ نے عطا فرمایا اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، اور جس کو آپ نے دینے سے روک لیا، اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے، اور دولت مند کو اس کی دولت آپ کے عذاب سے بچا نہیں سکتی ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی رکوع میں سے اٹھتے وقت پڑھی جانے والی ایک دعاء کا تذکرہ ہے اس دعاء کو آپ ﷺ رکوع سے اٹھتے وقت شروع کرتے اور قومہ میں ختم کرتے پھر مسجد میں جاتے تھے، یہ دعاء بھی نفل نماز کے موقعہ میں پڑھی جائے گی، اس دعاء میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ بندے کی عاجزی کا ذکر ہے، مزید اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بیان کے ساتھ اس بات کا بیان ہے کہ جہنم سے رہائی اللہ کے فضل سے وابستہ ہے مال و دولت آخرت میں کام نہیں آئیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح مالدار کو اس کی دولت اللہ کے عذاب سے نہیں بچائے گی، صاحب مرقات نے "جد" کے کئی معنی لکھے ہیں (۱) جد کے معنی عظمت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی کی عظمت اس کو اللہ کے عذاب سے نہ بچائے گی

(۲) خطر یعنی نصیبہ، اب مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی اطاعت کے بغیر کسی کو اس کا نصیبہ کام نہ دے گا۔

(۳) غنا، اب مطلب یہ ہوگا کہ کسی غنی کو اس کا مال اللہ کے عذاب سے نہیں بچائے گا۔

(۴) بعض لوگوں نے "جد" کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ کسی شخص کو خالص اس کی محنت و کوشش اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے گی، کوشش کے ساتھ اللہ کی توفیق اور قبولیت شامل ہوگی تب آدمی اللہ کے عذاب سے نجات پا سکے گا۔

(تلخیص مرقات ص ۳۱۳ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۱۸ ﴿رکوع میں پڑھی جانے والی ایک اور دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷۷

وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْداً كَثِيراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ مِنَ الْمُتَكَلِّمِ آنِفاً قَالَ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِينَ مِلَكاً يَبْتَدِرُونَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ . (رواه البخاری).

حوالہ: بخاری ص ۱۱۰ ج ۱، باب نمبر ۱۲۶، کتاب الاذان، حدیث ۷۹۹.

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافعؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو "سمع اللہ لمن حمد" کہا تو آپ ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے "ربنا و لك الحمد حمداً الخ" کہا اے ہمارے پروردگار! آپ کے لئے تعریف ہے ایسی تعریف جو بہت زیادہ ہے، (پاک ہے) اور بابرکت ہے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا، یہ کلمات کس نے کہے ہیں، ایک صاحب بولے میں نے، آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے تیس سے زائد کچھ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ اس کلام کے سلسلے میں مسابقت کر رہے تھے، کہ کون لکھے۔ (بخاری)۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قومہ میں عام حالت میں تو مختصر دعاء "سمع الله لمن حمده" اور "ربنا لك الحمد" مشروع ہے، اور اسی پر آپ ﷺ اور صحابہؓ کی مداومت ثابت ہے، لیکن کبھی دیگر اذکار کی بھی گنجائش ہے۔ خاص طور پر نوافل میں تو مزید دعائیں افضل ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح طیباً: ایسی حمد جو ریاء و شہرت سے پاک ہو، مبارکاً: ایک صاحب نے چند کلمات سے قومہ میں دعاء کی، حدیث کے انہیں اجزاء سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ نماز میں ماثورہ دعاء کے علاوہ الفاظ سے دعاء کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ کلمات دعاء ماثورہ کے خلاف نہ ہوں۔

من المتکلم: کون کلام کررہا تھا؟ کلمات کے اداء ہونے کا یقین تھا سوال کا مقصد کلمات اداء کرنے والے کی تعیین تھا، حدیث نمبر ۷۵۹ میں تقریباً یہی مضمون ہے، وہیں اس بات کی مزید صراحت ہے کہ "فارم القوم: تمام لوگ خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہ دیا، حضور ﷺ نے تین مرتبہ سوال کیا اور آخری مرتبہ اس کی صراحت کی "فانه لم یقل باساً" میں اس لئے نہیں پوچھ رہا ہوں کہ جس نے یہ بات کہی ہے اس نے غلط کہا اور میں اس کو تنبیہ کرنا چاہتا ہوں، میں تو اس لئے پوچھ رہا ہوں، "تاکہ تم کو اس دعاء کی برکت بتلاؤں۔

قال انا: ایک صاحب بولے کہ میں نے یہ دعاء پڑھی یہ صاحب خود راوی حدیث رفاعہ بن رافعؓ ہی ہیں، یبتدرونها: فرشتے ان کلمات کو لکھ کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے۔

صاحب مرقات لکھتے ہیں "بضع" کا لفظ تین سے لے کر نو کے لئے بولا جاتا ہے جو دعاء پڑھی جاتی ہے اس کے کلمات چونتیس ہیں، ممکن ہے کہ حرف کو لکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ نازل ہوگیا ہو۔ (مرقات ص ۳۱۴)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۸۱۹ ﴿تعدیل ارکان کی اهمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷۸

عَنْ اَبِی مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِئُ صَلَاةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهُ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

حواله: ابوداؤد ص ۱۲۴ ج۱، باب صلاة من لا یقیم صلبه، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۸۵۵، ترمذی ص ۶۱ ج۱، باب ما جاء فیمن لا یقیم صلبه، کتاب الصلاة، حدیث ۲۶۵، نسائی ص ۱۱۷ ج۱، باب اقامة الرکوع فی الصف، کتاب التطبیق، حدیث نمبر ۱۰۳۶، ابن ماجه ص ۶۲ باب الرکوع فی الصلاة، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر ۸۷۰، دارمی ص ۲۵۰ ج۱، باب فی الذی لا یتم الرکوع، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۳۲۷.

ترجمه: حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آدمی کی نماز اس وقت تک کافی نہیں ہوتی جب تک کہ وہ رکوع وسجدہ میں اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرلے۔ (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجه، دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے تعدیل ارکان کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ رکوع وسجدہ کو اتنے اطمینان سے کرنا کہ تمام اعضاء اپنے ٹھکانے پر آجائیں اور اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ ایک مرتبہ تسبیح پڑھا جاسکے تعدیل ارکان حنفیہ کے یہاں مختار قول کے مطابق واجب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تجزئ فی صلاة الوجل: حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدیل ارکان کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہاں پر صرف رکوع وسجدہ میں تعدیل کا حکم ہے، لیکن حدیث نمبر ۷۳۵ گزر چکی ہے اس میں وضاحت کے ساتھ یہ بات ہے کہ نماز کے ہر رکن میں تعدیل ہونا چاہئے، حدیث کے کلمات ہیں "ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً ثم ارفع حتی تستوی قائماً، ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً، ثم ارفع حتی تطمئن جالساً، ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تطمئن جالساً" (پھر اطمینان کے ساتھ رکوع پورا کرو، پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہوجاؤ پھر سجدہ میں جاؤ اور اطمینان سے سجدہ پورا کرو، پھر سر اٹھاؤ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، پھر دوسرا سجدہ کرو اور اطمینان کے ساتھ سجدہ پورا کرو، پھر سر اٹھاؤ اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، تو تعدیل ارکان کا مطلب یہ نکلا کہ نماز کے ہر رکن کو پورے سکون واطمینان کے ساتھ اداء کرنا بعض ائمہ کے یہاں تعدیل ارکان فرض ہے، لیکن حنفیہ کے یہاں مختار قول کے مطابق تعدیل ارکان واجب ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ قرآن میں

مطلق رکوع وسجدہ کا حکم ہے، لہٰذا مطلق رکوع وسجدہ فرض ہے، اور حدیث میں تعدیل ارکان کا حکم ہے، اس لئے تعدیل ارکان واجب ہے حنفیہ کے نزدیک اخبار آحاد سے قرآن کریم پر زیادتی درست نہیں ہے لیکن یہ بات یاد رہے کہ واجب بھی عمل کے اعتبار سے فرض کے مساوی ہی ہیں، کیوں کہ اگر کسی شخص نے تعدیل ارکان چھوڑ دیا تو اگر چہ فریضہ ساقط ہوگیا لیکن اس کو نماز کا اعادہ کرنا ہے اسی وجہ سے حدیث باب میں کہا ہے کہ بغیر تعدیل ارکان کے نماز کافی نہیں ہوتی تو اس طرح یہ حدیث حنفیہ کے خلاف بھی نہیں ہے اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۷۳۵ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۸۲۰ ﴿رکوع و سجود میں تسبیحات شامل کرنیکا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۷۹

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْهَا فِي رُكُوعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ اجْعَلُوْهَا فِي سُجُودِكُمْ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ.

حواله : ابوداؤد ص ۱۲۶ ج ۱، باب ما يقول الرجل في ركوعه، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۸۶۹، ابن ماجه ص ۶۳ باب التسبيح في الركوع والسجود، كتاب اقامة الصلاة، حديث نمبر ۸۸۷، دارمی ص ۳۴۱ ج ۱، باب ما يقال في الركوع كتاب الصلاة، حديث نمبر ۱۳۰۵.

ترجمه: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ جب "سبح باسم ربك الاعلى" (اپنے رب کے نام کی پاکی بیان کرو جو بلند و برتر ہے) آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اس آیت کو اپنے رکوع میں رکھو اور جب "سبح اسم ربك الاعلى" (اپنے رب کی پاکی بیان کرو جو بلند و بالا ہے) آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اسکو اپنے سجدوں میں رکھو۔ (ابو داؤد، ابن ماجه، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے رکوع کی تسبیح "سبحان ربی العظیم" اس وقت مقرر کی جب آیت "سبح اسم ربك الاعلى" نازل ہوئی، اسی طرح سجدہ کی تسبیح "سبحان ربی الاعلى" آپ ﷺ نے اس وقت مقرر کی جب آیت "سبح اسم ربك الاعلى" نازل ہوئی۔

کلمات حدیث کی تشریح اجعلوھا فی رکوعکم: یعنی اس آیت کے مضمون و مقصود کو رکوع میں پڑھا کرو، یہی مفہوم اگلے جز کا ہے "اعلى" عظیم سے ابلغ ہے، اس وجہ سے اسی کو سجدہ میں رکھنا، کیونکہ سجدہ رکوع سے افضل ہے۔ حدیث صحیح ہے "اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد" سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب کے سب سے قریب ہوتا ہے۔
(مرقات ص نمبر ۳۱۵ ج ۲)

یہ بات ذہن میں رہے کہ رکوع و سجود کی تسبیحات کا پڑھنا جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک سنت ہے، فرض یا واجب نہیں۔

حدیث نمبر ۸۲۱ ﴿رکوع سجدہ میں تسبیحات کی تعداد﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸۰

وَعَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَكَعَ اَحَدُكُمْ فَقَالَ فِيْ رُكُوعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوعُهٗ وَذَالِكَ اَدْنَاهُ وَاِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ عَوْنًا لَمْ يَلْقَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ.

حواله : ابوداؤد ص ۱۲۹ ج ۱، باب مقدار الركوع، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۸۸۶، ترمذی ص ۶۰ ج ۱، باب ماجاء في التسبيح في الركوع كتاب الصلاة، حديث نمبر ۲۶۱، ابن ماجه ص ۶۳ باب التسبيح في

الرکوع کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر ۸۵۰.

ترجمہ: حضرت عون بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے اور رکوع میں تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہے، تو اسکا رکوع پورا ہوگیا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے، اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے اور سجدہ میں "سبحان ربی الاعلی" تین بار کہے، تو اسکا سجدہ پورا ہوگیا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)
ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کا سند متصل نہیں ہے، اس وجہ سے کہ حضرت عونؒ کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رکوع وسجود میں کم از کم تین تین بار تسبیحات پڑھنا چاہئے، اس لئے کی تین بار پڑھنا یہ کمال سنت کی ادنیٰ مقدار ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ذلك ادناه: مطلب یہ ہے کہ تین بار تسبیحات پڑھنا کمال سنت کی ادنیٰ مقدار ہے، اصل سنت ایک بار تسبیح پڑھنے سے اداء ہو جاتی ہے، کمال سنت کا اوسط درجہ پانچ بار تسبیح پڑھنا اور اکمل درجہ سات بار تسبیح پڑھنا ہے۔ (مرقات ص ۳۱۵ ج ۲)

حضرت گنگوہیؒ نے الکوکب الدری میں تسبیحات کی تعداد کے حوالے سے تین درجہ بیان کئے ہیں۔ (۱) تمام بدایہ "ایک ایک مرتبہ "سبحان ربی العظیم" اور "سبحان ربی الاعلی" کہا جائے۔
(۲) تمام کفایہ "تین تین بار تسبیح پڑھی جائیں۔ (۳) تمام نہایہ "سات سات بار تسبیحات پڑھی جائیں۔ (الکوکب الدری ص ۲۷۲ ج ۱) بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ تین بار تسبیح پڑھنا یہ کمال سنت نہیں، بلکہ سنت کا ادنیٰ درجہ ہے، پانچ بار اوسط اور سات بار اکمل ہے لہٰذا تین سے کم بار تسبیح پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (طحاوی ص: ۲۱٤)

لیس اسناده متصل: یہ حدیث متصل السند نہیں ہے۔ بلکہ منقطع السند ہے۔ کیوں کہ راوی حدیث عبداللہ بن عوف کی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ملاقات ثابت نہیں ہے معلوم ہوا کہ ضرور کوئی واسطہ ہے، جس کا ذکر یہاں نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث منقطع ہوئی، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہاں پر استدلال میں کوئی حرج نہیں، اس وجہ سے کہ فضائل اعمال میں بالاتفاق، حدیث منقطع پر عمل ہوتا ہے۔
(مرقات حوالہ بالا)

حدیث نمبر ۸۲۲ ﴿دوران قرأت دعاء مانگنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸۱

وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِيْ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَمَا اَتٰى عَلٰى آيَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ وَسَأَلَ وَمَا اَتٰى عَلٰى آيَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهِ اِلَّا عَلٰى وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

حوالہ: ترمذی ص ٦١ ج ١، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۲٦۲، ابو داؤد ص ۱۲۷ ج ۱، باب ما یقول الرجل فی رکوعه کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۸۷۱، دارمی ص ۳٤۱ ج ۱، باب مایقول فی الرکوع کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۳۰٦، نسائی ص ۱۱۸ ج ۱، باب الذکر فی الرکوع، کتاب التطبیق، حدیث نمبر ۱۰٤٥، ابن ماجه ص: ٦۳ باب التسبیح فی الرکوع، کتاب اقامة الصلاة "حدیث نمبر ۸۸۸.

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ اپنے رکوع میں "سبحان ربی العظیم" اور اپنے سجدے میں "سبحان ربی الاعلی" پڑھتے تھے، اور جب کسی آیت رحمت پر پہنچتے تو ٹھہر کر دعاء مانگتے، اور جب

کسی آیت عذاب پر پہنچتے تو ٹھہر کر عذاب سے پناہ مانگتے۔(ترمذی، ابوداؤد، دارمی) نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے لیکن صرف "الاعلیٰ" تک نقل کی ہے اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ رکوع و سجود میں بالترتیب "سبحان ربی العظیم وسبحان ربی الاعلیٰ" پڑھتے تھے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ دوران قرأت دعاء مانگتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح وماأتی علیٰ آیة رحمة : حدیث کے اس جزء سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ ﷺ دوران قرأت دعاء مانگتے تھے، احناف و مالکؒ کے نزدیک فرض نماز میں دروان قرأت دعاء درست نہیں ہے، لہٰذا وہ اس حدیث کو نفل پر محمول کرتے ہیں؛ لیکن شوافع وحنابلہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے یہ بات کہتے ہیں کہ دوران قرأت دعاء مانگنا درست ہے اور یہ حکم فرض و نفل سب کے لئے ہے، اس کی وجہ حدیث باب میں حکم عام ہے، فرض و نفل کی کوئی تفصیل نہیں ہے، حنفیہ کی طرف سے اس کے جواب میں یہ کہی جاتی ہے کہ یہ حدیث مسلم شریف ص ۲۶۴ ج ۱، پر بھی ہے، اور جس باب کے تحت یہ حدیث ہے وہ باب ہے، "باب استحباب تطویل القرأن فی صلاۃ اللیل" معلوم ہوا کہ یہ روایت صلاۃ اللیل سے متعلق ہے اور صلاۃ اللیل نفل نماز ہے لہٰذا شوافع وحنابلہ کا حدیث باب سے استدلال درست نہیں ہوا۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۸۲۳ ﴿رکوع میں دیر تک تسبیح پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸۲

عَنْ عَوْفِ بنِ مَالِكٍ قَالَ قُمتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرِ سُوْرَةِ البَقْرَةِ وَيَقُوْلُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ ذِي الْجَبْرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ. (رواه النسائی)

حواله : نسائی ص ۱۱۹ ج ۱، باب نوع آخر من الذکر فی الرکوع، کتاب التطبیق، حدیث نمبر ۱۰۴۸.

ترجمه : حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا، پھر جب آپ ﷺ نے رکوع کیا تو سورۂ بقرہ کے بقدر رکوع میں ٹھہرے اور اپنے رکوع میں یہ کہتے رہے، "سبحان ذی الجبروت الخ" پاک ہے، وہ عظمت والا بادشاہت والا، بڑائی والا، اور بزرگی والا ہے۔(نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں حضرت عوف بن مالکؓ نے یہ بیان کیا کہ ایک موقع پر میں نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی (یہ نماز یا تو تہجد کی تھی یا کسوف کی تھی) اس موقع پر آپ ﷺ نے بہت طویل رکوع کیا، اور عام طور پر جو رکوع میں تسبیح پڑھتے تھے اس کے سوا دوسری تسبیح پڑھی۔(تسبیح کے کلمات حدیث میں موجود ہیں)۔

کلمات حدیث کی تشریح قمت: قیام بول کر نماز مراد ہے جیسے رکعت بول کر نماز مراد لی جاتی ہے یہاں جس نماز کا تذکرہ ہے وہ نفل نماز ہے، فرض نماز میں آپ ﷺ اتنا لمبا قیام نہیں فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۸۲۴ ﴿رکوع و سجدہ میں دس مرتبہ تسبیح پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸۳

وَعَنِ ابنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ ابْنِ مَالِكٍ يَقُولُ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا الْفَتَى يَعْنِي عُمَرَ ابْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ قَالَ فَحَزَرْنَا رُكُوعَهُ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ وَسُجُوْدَهُ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ.

حواله : ابو داؤد ص ۱۲۹ ج ۱، باب مقدار الرکوع والسجود، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۸۸۸، نسائی ص ۱۲۷ ج ۱، باب عدد التسبیح فی السجود، کتاب التطبیق، حدیث نمبر ۱۱۳۴.

ترجمه : حضرت جبیرؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد کسی بھی ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، جسکی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے اس جوان یعنی عمر بن عبدالعزیز کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو، راوی کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ میں نے ان کو رکوع کی تسبیحات کا اندازہ لگایا تو دس تسبیح کے بقدر تھا، اور اسی طرح سجدہ بھی دس تسبیحات کے بقدر تھا۔ (ابو داؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خاصل یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رکوع وسجدہ میں اتنی دیر ٹھہرتے تھے جتنی دیر میں دس بار تسبیحات پڑھی جاسکتی ہیں، تو عمر بن عبدالعزیزؒ بھی کم وبیش دس مرتبہ ہی تسبیح پڑھتے رہتے ہوں گے، پھر حضرت بن مالکؓ جیسے جلیل القدر صحابی یہ بیان کر رہے ہیں کہ حضرت عمر بن العزیز کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بہت مشابہ تھی، معلوم ہوا کہ حضور ﷺ بھی دس بار تسبیح پڑھنے کے بقدر رکوع وسجدہ میں توقف کرتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح ابن جبیر: بہت بڑے تابعی ہیں، من هذا الفی: حضرت عمر بن العزیزؒ نے حضرت انسؓ سے ملاقات کی ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے حضرت انسؓ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی ہے، اور حضرت عمر بن العزیزؒ کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی، قال فحرزنا: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رکوع کی تسبیحات کا اندازہ کیا، رکوعه: رسول اللہ ﷺ کا رکوع مراد ہے، یا حضرت عمر بن عبدالعزیز کا رکوع مراد ہے، عشر تسبیحات: دس تسبیحات کے بقدر کہا ہے، علامہ بن حجرؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے "ان الله وتر يحب الوتر" وتر کو پسند کرتا ہے، اسی سے استدلال کرتے ہوئے ہمارے ائمہ نے یہ بات کہا ہے کہ تسبیحات کی تعداد میں کمال کا اعلی درجہ یہ ہے کہ گیارہ مرتبہ تسبیح پڑھی جائے۔ (مرقات ص ۳۱۶ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۲۵ ﴿ناقص رکوع سے نماز نہیں ہوتی﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸٤

وَعَنْ شَقِيقٍ قَالَ اِنَّ حُذَيْفَةَ رَأى رَجُلاً لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلَا سُجُودَهُ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَاَحْسِبُهُ قَالَ وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِيْ فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّداً ﷺ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله : بخاری ص ۱۰۹ ج ۱، باب اذا لم يتم الركوع، كتاب الاذان، حديث نمبر ۷۹۱.

ترجمه : حضرت شقیقؒ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع وسجود کو پورے طور پر اداء نہیں کر رہا ہے جب اس شخص نے اپنی نماز پوری کر لی حضرت حذیفہؓ نے اس کو بلایا اور اس سے کہا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، راوی کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت حذیفہؓ نے یہ بات بھی فرمائی، اور اگر اس حال میں تم کو موت آگئی تو تمہاری موت اس فطرت کے خلاف پر ہوگی جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو پیدا فرمایا ہے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے رکوع وسجدہ میں اعتدال نہیں کیا بلکہ جلدی جلدی رکوع وسجدہ کر لیا حالانکہ تعدیل ارکان بعض ائمہ کی صراحت کے مطابق واجب اور بعض کے مطابق فرض ہے، تو نماز کے اس اہم عمل کو اس شخص نے چھوڑ دیا لہذا حضرت حذیفہؓ نے اس کے عمل پر زجر وتوبیخ کی تاکہ آئندہ اس طرح سے نماز نہ پڑھے، حضرت حذیفہؓ نے توبیخ میں شدت پیدا کرنے کے لئے یہ بات بھی فرمائی کہ اگر تم اسی عمل پر رہو گے تو خلاف سنت عمل پر مروگے۔

کلمات حدیث کی تشریح ماصلیت تعدیل ارکان ترک کرنے کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی، جو لوگ تعدیل ارکان کو فرض قرار دیتے ہیں وہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، اور جو لوگ تعدیل ارکان کو واجب قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں یہاں نفی صلاۃ مراد نہیں ہے بلکہ کمال صلاۃ کی نفی ہے، جیسا کہ حضرت رفاعہ کی روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ جب ایک بدو نے

جلدی جلدی تعدیل ارکان کی رعایت کے بغیر نماز پڑھ لی، تو آپ ﷺ نے اسکو نماز کے اعادہ کا حکم دیا، پھر اس سے آپ ﷺ نے فرمایا "ان انتقصت منه شیئاً انتقصت فی صلاتك" (اگر ان چیزوں میں تم نے کوتاہی کی تو نماز میں نقص پیدا ہو جائیگا) معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان واجب ہے فرض نہیں، مزید تفصیل کیلئے حدیث نمبر ۷۳۵ دیکھیں، ولو مت: اگر تو اسی طریقہ پر مرگیا تو اسلام کے خلاف طریقہ پر تیری موت ہوگی، بعض لوگوں کے نزدیک فطرت سے مراد دین ہے، اور بعض دوسرے لوگوں کے نزدیک فطرت سے مراد سنت ہے

حدیث نمبر ۸۲۶ ﴿رکوع و سجدہ میں تعدیل نہ کرنے پر وعید﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸۵

وَعَنْ اَبِی قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْوَءُ النَّاسِ سَرِقَۃَ الَّذِیْ یَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِہٖ قَالُوْا. یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِہٖ قَالَ لَایُتِمُّ رُکُوْعَھَا وَلَا سُجُوْدَھَا رَوَاہُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص ۳۱۰ ج ۵.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "چوری کرنے کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول نماز میں چوری کرنا کیسے ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا آدمی نماز کے رکوع وسجدہ کو پورا نہیں کرتا ہے۔ (مسند احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں رکوع وسجدہ کے اندر تعدیل ارکان کی رعایت نہ کرنے والے کی سخت مذمت کی گئی ہے اس قسم کی احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تعدیل ارکان واجب ہے، اسکے بغیر گو فریضہ ساقط ہو جائے گا، مگر نماز ناتمام اور واجب الاعادہ رہے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح اسرق الناس: لوگوں میں بدترین وہ ہے جو نماز کو چرالے یعنی تعدیل ارکان کی رعایت کے بغیر نماز اداء کرلے، تعدیل ارکان کی رعایت نہ کرنے والے کو سب سے بدترین چور کہا گیا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ دوسرے کا مال چرانے والا تو دنیا میں کچھ نہ کچھ اس مال سے نفع اٹھالیتا ہے، پھر اگر صاحب مال نے معاف کردیا یا اس کے ہاتھ کٹ گئے تو آخرت کے عذاب سے چھٹکارا پا جاتا ہے، برخلاف نماز کے چوری کرنے والے کے کہ یہ شخص دوسرے کی چیز نہیں چراتا ہے، بلکہ اپنے ثواب گنوا کر گویا خود اپنی چیز چرالیتا ہے اور اس کے بدلے میں آخرت کے عذاب کا الگ مستحق ہوتا ہے، تو اس کے ہاتھ میں سوائے نقصان کے کچھ نہیں لگتا ہے۔ (مرقات ص ۳۱۸ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۲۷ ﴿تعدیل ارکان ترک کرنے کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸۶

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُرَّۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَرَوْنَ فِی الشَّارِبِ وَالزَّانِی وَالسَّارِقِ وَذٰلِکَ قَبْلَ اَنْ تَنْزِلَ فِیْھِمُ الْحُدُوْدُ قَالُوا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ ھُنَّ فَوَاحِشُ وَفِیْھِنَّ عُقُوْبَۃٌ وَاَسْوَءُ.

حوالہ: مؤطا امام مالك: ج ۱، باب العمل فی جامع الصلاۃ، کتاب قصر الصلاۃ فی، حدیث نمبر ۷۲، مسند احمد ص ۵۶ ج ۳، دارمی ص ۳۵۰ ج ۱، باب فی الذی لا یتم الرکوع السجود کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۳۲۸.

ترجمہ: حضرت نعمان بن مرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "شراب پینے والے، زنا کرنے والے، اور چوری کرنے والے کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ آپ ﷺ نے یہ بات اس وقت پوچھی تھی جب ان مذکورہ چیزوں کے بارے میں حدود نازل نہیں ہوئی تھی، صحابہ نے جواب دیا کہ اللہ اور اسکا رسول زیادہ بہتر جاننے والے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ فحش کام ہیں اور ان پر سزائیں ہیں اور چوری کرنے والوں میں سب سے زیادہ برا وہ چور ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے،، صحابہ بولے اے اللہ کے رسول! اپنی نماز میں کیسے چوری کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نماز کے رکوع وسجدہ کو پورا نہیں کرتا ہے" (مؤطا امام مالك، مسند احمد، دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں رکوع وسجدہ میں اعتدال کی رعایت نہ کرنے والوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔اور اس کو سب سے بڑا چور قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ دنیا وآخرت دونوں اعتبار سے گھاٹا اٹھانے والا ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نعمان بن مرة: تابعی ہیں، ما ترون: کیا اعتقاد رکھتے ہو یا پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ الشارب: یعنی شراب وغیرہ پینے والے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، قتل ان تنزل: یہ سوال حدود کی آیت نازل ہونے سے پہلے کا ہے حدیث کا یہ جزء صحابی کا ہے، هن فواحش: مذکورہ امور بہت بڑے گناہ ہیں، اسوأ السرقة: تعدیل ارکان کی رعایت نہ کرنے والے کو سب سے قبیح چور کیوں قرار دیا، اس کی وضاحت گذشتہ حدیث کے تحت ہو چکی ہے۔

باب السجود وفضله

﴿سجدوں اوراسکی فضیلت کا بیان﴾

اس باب کے تحت جو حادیث ہیں ان میں سجدہ کے وجوب کا بیان ہے، نیز سجدہ کرنے کا طریقہ تفصیل سے مختلف احادیث میں مذکور ہے، سجدہ میں تعدیل ارکان کا خیال رکھنے کی اہمیت کا تذکرہ بھی ہے، سجدہ کی تسبیح اور اس کے علاوہ دیگر دعائیں بھی مذکور ہیں، اسی طرح سجدہ کے فضائل سے متعلق احادیث موجود ہیں جس طرح قیام قرأت اور رکوع فرض ہے، اسی طرح سجدہ بھی فرض ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" واسجدوا "سجدہ کرو، اس سے سجدہ کا وجوب لازم آتا ہے، لیکن سجدہ میں طمانیت خبر واحد سے ہے، اس لئے مطلقاً سجدہ فرض ہے، اور اس میں اطمینان حاصل کرنا یہ واجب ہے۔

سجدہ کا طریقہ : مختلف احادیث کو سامنے رکھ کر محدثین نے سجدہ کا جو طریقہ بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ نمازی اولاً زمین پر دونوں گھٹنے رکھے، پھر دونوں ہاتھوں، پھر پیشانی اور ناک رکھے، اور کہنیاں اونچی رکھے، کلائیاں کتے کی طرح زمین پر نہ بچھائے، اور ذرا لمبا ہو کر سجدہ کرے، تاکہ پیٹ رانوں سے جدا ہو جائے، اور دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے جدا کرے، یہاں تک بغل کی سفیدی نظر آسکے، البتہ دائیں بائیں نمازی ہوں تو ان کا خیال رکھے اور ہاتھوں کو زیادہ نہ کھولے اور دونوں پیر کھڑے کر کے انگلیوں کے سرے موڑ کر قبلہ کی طرف متوجہ کرکے، پھر سجدہ میں اطمینان سے ٹھہر کر ذکر کرے، مرغ کی طرح ٹھونگ مار کر نہ اٹھ جائے۔ (رحمة الله الواسعة)

سجدہ میں اقتصار علی الجبهة : یوں تو سجدہ سات ہڈیوں پر کیا جائے گا، جس کی تفصیل آگے حدیث میں آرہی ہے، لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ اقتصار علی الجبہۃ سے سجدہ اداء ہو جاتا ہے کیوں کہ حقیقت " وضع الجبهة على الارض بما لا سخرية فيه " ہے اور قرآن میں مطلق سجدہ کا حکم ہے، لہٰذا صرف پیشانی رکھنے سے بھی سجدہ اداء ہو جائے گا۔

سجدہ کی تسبیح : کچھ وضاحت "باب الركوع" میں ہو چکی ہے، ملاحظہ کیا جائے، باقی جو بات ضروری ہے وہ یہ کہ احادیث میں سجدہ میں پڑھے جانے والے مختلف اذکار موجود ہیں لیکن فرض نمازوں میں "سبحان ربي الاعلى" پڑھا جائے، یہی آپ ﷺ کا اور صحابہ کا عام معمول تھا، بقیہ اذکار و دعائیں عموماً نفل میں آپ ﷺ نے پڑھی ہیں لہٰذا ان کو نفل میں پڑھا جائے اور اگر کسی نے فرض میں پڑھ لیا تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

سجدہ کے فضائل : سجدہ کے فضائل سے متعلق بھی احادیث آگے آرہی ہے ان ہی میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ ایک صحابی ربیعہ بن کعبؓ جو کہ آپ ﷺ کی خدمت کرتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور ﷺ نے مجھ سے کہا کہ جو مانگنا ہے مانگو، میں نے عرض کیا میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ؟ میں نے عرض کیا یہی چاہئے، آپ نے فرمایا "تم اپنی ذات پر سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو" اس حدیث سے سجدہ اور نماز کی خوب اہمیت معلوم ہو رہی ہے کہ یہ چیز جنت میں

حضور ﷺ کی رفاقت کا ذریعہ ہے، سجدہ میں تکرار کیوں ہے؟ یہ اور اسکے علاوہ کچھ چیزیں باب الرکوع کے تحت دیکھیں۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۸۲۸ ﴿سجدہ کے اعضاء کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸۷

عَنْ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتُ الثِّيَابَ وَلَا الشَّعْرَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۱۱۲ ج ۱، باب السجود علی الانف کتاب الاذان، حدیث ۸۱۲، مسلم ص ۱۹۳ ج ۱، باب اعضاء السجود والنهی عن كف الشعر، كتاب الصلاۃ، حدیث ۴۹۰.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھ کو سات ہڈیوں یعنی پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پیروں کے پنجوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ہم کو کپڑوں اور بالوں کے سمیٹنے سے منع کیا گیا''۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے کہ سجدہ سات ہڈیوں پر کرنا چاہئے، سات ہڈیوں میں سے پہلی چیز "جبهة" یعنی پیشانی ہے، اس کو سجدہ میں رکھنا بالاتفاق فرض ہے، کیوں کہ سجدہ کی حقیقت ہے، "وضع الوجه علی الارض" (چہرے کا زمین پر رکھنا)، اور حدیث باب میں جبہ کہا ہے، لیکن اس میں انف بھی داخل ہے لیکن چوں کہ اصل پیشانی ہے، اس لئے اختصار علی الجبہۃ جائز ہے، اگر چہ بلا عذر مکروہ ہے، لیکن اختصار علی الانف ناجائز ہے، یہ تو جبہۃ یعنی پیشانی کے متعلق بات تھی، بقیہ جو چھ اعضاء ہیں یعنی یدین (دونوں ہاتھ) "رکبتین" (دونوں گھٹنے) "قدمین" (دونوں پیر) سجدہ میں ان کا رکھنا سنت کے طور پر ہے، اس وجہ سے کہ یہ اعضاء حقیقت سجود میں داخل نہیں ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح علی سبعة اعظم: سجدہ سات ہڈیوں پر کیا جائے، بعض احادیث وہ ہیں جن میں صرف پیشانی پر اختصار ہے، مثلاً ایک حدیث کے الفاظ میں "سجده وجبهه" دوسری حدیث ہے "حتی یضع جبهته علی الارض" ان احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اعضاء مسجود میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل عضو "جبهة" ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام سجدہ میں پیشانی رکھنے کو فرض قرار دیتے ہیں، باقی اعضاء کے رکھنے کو سنت قرار دیتے ہیں لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ رکبتین اور قدمین زمین پر رکھے بغیر پیشانی رکھنا ممکن ہی نہیں ہے اسی وجہ سے "الکوکب الدری" میں یہ بات لکھی ہے کہ اگر چہ حقیقت مسجود وضع الجبہۃ علی الارض ہے؛ لیکن جن اعضاء کے بغیر سجدہ کا تحقق نہیں ہوسکتا ان اعضاء کا بھی زمین پر رکھنا فرض ہے۔

والیدین: یدین سے یہاں مراد "کفین" ہے ایک حدیث میں اس طرح ہے "کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سجد ضم اصابعه وجعل یدیه حذو منکبیه ویرفع مرفقیه ویعتمد علی راحتیه"۔

والرکبتین واطراف القدمین: سجدہ میں گھٹنے اور دونوں پیروں کے نیچے بھی رکھے جائیں گے لیکن ان کا رکھنا سجدہ کی حقیقت میں داخل نہیں ہے۔

اشکال: درمختار میں یہ بات لکھی ہے کہ اگر کوئی شخص سجدہ کے وقت دونوں قدم زمین پر نہ رکھے تو اس کا سجدہ باطل ہے اور ظاہری بات ہے کہ جب سجدہ باطل ہوگیا تو نماز بھی باطل ہوگی، اشکال یہ ہے کہ جب سجدہ میں قدموں کا رکھنا فرض نہیں ہے تو نہ رکھنے سے سجدہ کیوں باطل ہو جاتا ہے؟۔

جواب: قدم سجدہ کی حقیقت میں داخل نہیں ہیں، اس وجہ سے کہ سجدہ کی حقیقت جیسا کہ بیان ہوا "وضع الوجه علی الارض" اور قرآن کریم میں مطلق سجدہ کا حکم ہے لہٰذا قدموں وغیرہ کی قید خبر واحد کے ذریعہ نہیں لگائی جائے گی، اب رہی یہ بات کہ قدم اٹھالینے

سے سجدہ کیوں باطل ہوتا ہے اس کی علت ایک دوسری چیز ہے، اور وہ ہے تمسخر واستہزاء، یعنی قدمین کے رکھے بغیر اگر کوئی سجدہ کر رہا ہے تو اسمیں استہزاء ہے، اس وجہ سے باطل ہو جاتا ہے۔ (واللہ اعلم)

ولانکفت الثیاب والشعر: بالوں اور کپڑوں کا سمیٹنا ممنوع ہے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ظاہری عبارت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ ممانعت نماز کے اندر ہے، یعنی نماز میں بالوں اور کپڑوں کا سمیٹنا ممنوع ہے، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ یہ ممانعت "مصلی" کے حق میں ہے خواہ نماز کے اندر کرے یا نماز میں داخل ہونے سے پہلے کرے، لیکن فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے اس ممانعت کے باوجود مذکورہ عمل انجام دیا تو نماز فاسد ہوگئی، اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ نمازی اگر زمین پر لگنے سے برابر اپنے کپڑے اور بالوں کو بچاتا رہے گا اور زمین پر نہ لگنے دے گا تو یہ تکبر کے مشابہ ہو جائے گا۔ (فتح الباری ص ۲۷۲ ج۳)

حدیث نمبر ۸۲۹ ﴿سجدہ میں اعتدال کا حکم﴾ عالمی حدیث ۸۸۸

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص ۱۱۳ ج۱، باب لا یفترش ذراعیه فی السجود، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۸۲۲، مسلم ص ۱۹۳ ج۱، باب الاعتدال فی السجود کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۹۳۔

حل لغات: اعتدلوا: امر حاضر جمع مذکر باب افتعال سے، سیدھا اور درست ہونا، معتدل ہونا، عدل: (ض) عدولاً عن الطریق، راستہ سے ہٹنا، یبسط بسط (ن) بَسطاً، پھیلانا، کشادہ کرنا، اِنبسطَ، پھیلنا۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سجدوں میں اعتدال کرو، اور تم میں سے کوئی شخص کتے کی طرح اپنی کلائیاں (زمین پر نہ بچھائے)۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) سجدہ میں اطمنان کو ملحوظ رکھنا چاہئے، کوے کے چونچ مارنے کی طرح زمین پر سر پٹخ کر اٹھا لینے سے سجدہ کا حق ادا نہیں ہوتا، بلکہ آرام واطمینان سے کرنا چاہئے، سجدہ میں جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں ان کو پورے آرام واطمینان سے پڑھنا چاہئے، (۲) سجدہ میں کہنیوں کو زمین پر رکھنا سنت کے خلاف ہے، مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں کہنیاں زمین سے اٹھی رہیں، دونوں ہتھیلیاں زمین پر ہوں۔ اور پیٹ ران سے الگ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح اعتدلوا فی السجود: سجدہ میں اعتدال کرو، حافظ ابن دقیق العید کا قول نقل کیا ہے کہ اعتدال سے مراد یہ ہے کہ سجدہ درست طریقہ سے کرو، یہاں اعتدال کے معنی میانہ روی اور برابری مراد نہیں ہے۔ ہاں رکوع میں وہی معنی مراد تھے کیونکہ رکوع میں گردن اور پیٹھ سب بالکل برابر رکھی جاتی ہے سجدہ میں سب چیزیں برابر نہیں ہوتیں۔

(فتح الباری ص ۲۸۱ ج۳)

اعتدال کا حاصل یہ نکلا کہ نہ تو مکمل طور سے ہاتھوں کو سمیٹنا چاہئے اور نہ ہی مکمل طور پر پھیلانا چاہئے، نہ کلائیاں پھیلی رہیں لیکن زمین سے بلند رہیں، اور ہتھیلیاں زمین پر بچھی رہیں۔

ولا یبسط احدکم ذراعیه: کہنیوں کو زمین پر رکھ کر سجدہ کرنا خشوع وخضوع کے منافی اور کاہلی وسستی کی علامت ہے، اسوجہ سے اس سے منع فرمایا ہے چونکہ کتا اپنی کہنیاں زمین پر رکھکر بیٹھتا ہے اسلئے سجدہ میں زمین پر کہنیاں رکھنے کو کتے کی بیٹھک سے تشبیہ دی ہے البتہ اگر سجدہ طویلہ کیوجہ سے کوئی شخص مشقت میں پڑ جائے تو اسکو کہنیاں زمین پر رکھنے کے بجائے گھٹنوں سے ملانے کی اجازت ہے، ترمذی شریف میں حدیث ہے "اشتکی اصحاب النبی ﷺ الی النبی صلی اللہ علیه مشقة السجود علیهم اذا

تفرجوا"(یعنی ہم اپنے ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھتے ہیں اور کہنی کو زمین سے بلند رکھتے ہیں تو سجدہ طویلہ کی صورت میں ہم مشقت کا شکار ہوجاتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا "استعینوا بالرکب" جب تھک جاؤ تو کہنیاں گھٹنے سے ملا کر راحت حاصل کرلو۔

حدیث نمبر ۸۳۰ ﴿سجدہ میں کہنیاں رکھنے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۸۹

وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ. رواه مسلم .

حواله : مسلم ص ١٩٤ ج ١، باب الاعتدال في السجود، كتاب الصلاة، حديث ٤٩٤ .

ترجمه : حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو، اور اپنی کہنیاں کو زمین سے اونچا رکھو۔(مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں سجدہ میں ہاتھ رکھنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، سجدہ میں ہاتھ یوں رکھا جائے کہ ہتھیلیاں زمین پر بچھی ہوں، اور دونوں کانوں کے سامنے ہوں، انگلیاں آپس میں ملے ہوں، اور کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی ہوں اور پہلو سے دور ہوں

کلمات حدیث کی تشریح اذا سجدت: یعنی جب سجدہ کا ارادہ کرو، فضع: یعنی زمین پر اپنی ہتھیلیاں رکھو، ہتھیلیاں کھلی رہنا چاہئے، لیکن یہ واجب نہیں ہے، ابن ماجہ میں روایت ہے، "انه عليه السلام صلى في مسجد بني الاشهل وعليه كساء ملفع به يضع يديه عليه تقيه الحصاء" (آپ نے بنی اشہل کی مسجد میں اس حال میں نماز پڑھی کہ آپ ﷺ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے) دونوں ہاتھ اسی چادر پر رکھے ہوئے تھے، ایسا آپ ﷺ نے کنکریوں کی حفاظت کی وجہ سے کیا تھا، معلوم ہوا کہ کھلی ہتھیلیاں یا ہاتھ کا زمین پر رکھنا واجب نہیں ہے، البتہ بلا عذر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔

(مرقات ص نمبر ۳۲۰ ج ۲)

وارفع مرفقيك : سجدہ میں کہنیاں اٹھائے رکھنا چاہئے، یہاں مطلب یہ ہے کہ زمین سے اونچی رہیں، یا دونوں پہلوؤں سے اونچی رہیں، یہ حکم مردوں کیلئے ہے عورتوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے اس وجہ سے کہ ان کو تو سجدہ میں کہنیاں زمین پر رکھنا ہے، اور پہلو سے ملا کے رکھنا ہے۔

حدیث نمبر ۸۳۱ ﴿سجدہ میں ہاتھوں کا پہلو سے دور رہنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹۰

وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ جَافٰى بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى لَوْ اَنَّ بَهْمَةً اَرَادَتْ اَنْ تَمُرَّ تَحْتَ يَدَيْهِ مَرَّتْ هٰذَا لَفْظُ اَبِي دَاوٗدَ كَمَا صَرَّحَ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ بِاِسْنَادِهٖ وَلِمُسْلِمٍ بِمَعْنَاهُ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَهْمَةٌ اَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ.

حواله : ابوداؤد ص ١٣٠ ج ١، باب صفة السجود، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٨٩٨، مسلم ص ١٩٤ ج ١، باب ما يجمع صفة الصلاة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٤٩٦ .

حل لغات : جافی: مفاعلت سے، دور کرنا، البهمة: بکری یا بھیڑ کا بچہ، بهمٌ، وبهائمٌ۔

ترجمه : حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ (پہلو سے) دور رکھتے تھے، یہاں تک کہ اگر بکری کا بچہ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے نیچے سے گذرنا چاہتا تو گذر جاتا، یہ ابوداود کے الفاظ ہیں، جیسا کہ بغوی نے "شرح السنہ" میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے، اور مسلم میں یہ حدیث اس کے ہم معنی منقول ہے، حضرت میمونہؓ نے فرمایا "نبی کریم ﷺ سجدہ کرتے تو اگر بکری کا بچہ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان سے گذرنا چاہتا تو گذر جاتا"۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھوں کو پیٹ پہلو اور ران کو جدا رکھتے تھے اور جدا رکھنے کی وجہ سے اتنی بڑی دراز رہتی کہ بکری کا بچہ آسانی سے گذر جاتا تھا، ہاتھوں کے پیٹ پہلو یا ران سے ملا کر سجدہ کرنا کاہلی کی علامت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا سجد جافی بین یدیه: سجدہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب اعضاء الگ الگ ہوں، کمر اور سرین ابھرے ہوں، ہاتھ، پہلو، پیٹ اور ران سے الگ ہوں، یہ حکم مرد کے لئے ہے، اور عورتوں کے لئے مسجد میں ستر کا خاص خیال رکھا گیا ہے لہٰذا ان کو سمیٹ کر سجدہ کرنا چاہئے۔

لوان بهمة: آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کے پیٹ و پہلو سے اتنا دور رکھتے تھے کہ بکری کا چھوٹا بچہ اس میں سے گذر سکتا تھا۔

هذا لفظ ابی: اس سے صاحب مشکوٰۃ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ ان الفاظ میں یہ حدیث بخاری و مسلم میں نہیں ہے اور صاحب مشکوٰۃ فصل اول میں بخاری و مسلم کی روایت ذکر کرنے کا التزام کرتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث ان کے ضابطہ کے خلاف یہاں مذکور ہے، پھر صاحب مشکوٰۃ نے اس معنی کی روایت ''مسلم'' کی ذکر کردی ہے۔

حدیث نمبر ۸۳۲ ﴿سجدہ میں ہاتھوں کو کشادہ رکھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹۱

وعن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص ۵٦ ج ۱، باب یبدی صبعیه، کتاب الصلاة، حدیث ۳۹۰، مسلم ص ۱۹٤ ج ۱، باب ما یجمع صفة الصلاة، کتاب الصلاة، حدیث ٤۹۵.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے کشادہ رکھتے کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی جھلکنے لگتی۔ (بخاری و مسلم)

کلمات حدیث کی تشریح اذا سجد فرج بین یدیه: حضور ﷺ سجدہ میں اپنے ہاتھوں کو اس قدر کشادہ رکھتے تھے، کہ دیکھنے والے کو بغل کی سفیدی نظر آسکتی تھی، حاصل یہ نکلا کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو پہلو سے جدا رکھتے تھے۔ کیوں کہ اسی صورت میں بغل کی سفیدی نظر آسکتی ہے، آپ اس قدر ہاتھوں کو پہلو سے کیوں دور رکھتے تھے، حافظ ابن حجرؒ نے مختلف لوگوں کے حوالے سے چند حکمتیں نقل کی ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اس طور پر سجدہ کرنے سے چہرے پر بوجھ کم پڑتا ہے، اور ناک اور پیشانی رکھنے میں زحمت نہیں ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ حکمت لکھی ہے کہ اس میں تواضع زیادہ ہے، بعض نے نقل کیا ہے کہ اس طور پر سجدہ کرنے میں بعض اعضاء کا بعض پر اعتماد نہیں ہوتا، بلکہ ہر عضو مستقل طور پر سجدہ میں چلا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے فتح ص ۲٦۸ ج ۲)

ہاتھ کو پہلو سے کتنی دور کیا جائے اس کی وضاحت گذشتہ حدیث میں یوں ہوئی کہ ''لو شاء ت بهمة ان تمر بين يديه لمرت'' (آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو پہلو سے اتنا دور رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ درمیان سے گذرنا چاہتا تو گذر سکتا تھا)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان احادیث کے ظاہر کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مذکورہ ہیئت پر سجدہ واجب ہو جائے، لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس میں صحابہ نے طویل سجدہ ہونے کی شکایت کی، تو آپ ﷺ نے کہنیوں کو گھٹنوں سے ملانے کی اجازت دے دی، وہ حدیث یہ ہے ''شكى اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم له مشقة السجود عليهم اذا تفرجوا فقال استعينوا بالركب'' معلوم ہوا کہ کہنیوں کو گھٹنوں پر رکھنا جائز ہے اس وجہ سے سجدہ کی مذکورہ ہیئت کو واجب قرار نہیں دیا گیا، لیکن پھر بھی اسی ہیئت پر حتی الامکان سجدہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (تلخیص فتح الباری ص ۲٦۹ ج ۳)

حتی یبدو بیاض ابطیه : سجدہ میں آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوئی، دور نبوت میں عام طور پر لباس چادر اور ازار تھا، قیص کا رواج کم تھا، کہ آپ ﷺ کی چادر چھوٹی ہو یا بالائی چادر نہ ہو۔ جس کی بناء پر سجدہ میں آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی دیکھ لی گئی ہو پھر قیص کی آستین بہت کشادہ ہوگی، اس وجہ سے بغلیں نظر آئی ہوں گی۔

حدیث نمبر ۸۳۳ ﴿سجدہ کی دعاء کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹۲

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِی سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِی ذَنْبِی کُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ آخِرَهٗ وَعَلَانِیَتَهٗ وَسِرَّهٗ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله : مسلم ۱۹۱ ج ۱، باب ما یقال فی الرکوع، کتاب الصلاة، حدیث ۴۸۳.

حل لغات : دِق، باریک، تھوڑی اور چھوٹی چیز، جلّ، بڑا، نمایاں، دقیق کی ضد ہے۔

ترجمه : حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سجدہ میں یہ دعاء مانگتے تھے، "اللّٰهم اغفرلی الخ" (اے اللہ میرے تمام چھوٹے بڑے، اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادے)۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں سجدہ میں پڑھی جانے والی ایک دعاء کا ذکر کرنا ہے، اس دعا کو آپ ﷺ سجدہ میں پڑھتے تھے اس بات کا بھی احتمال ہے کہ "سبحان ربی الاعلیٰ" کے ساتھ پڑھتے تھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو آپ ﷺ "سبحان ربی الاعلیٰ" کی جگہ پر پڑھتے تھے، لیکن یہ عمل آپ ﷺ کا دائمی نہیں تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح دقة و جله: پہلے صغیرہ گناہوں سے بخشش طلب کی، پھر کبیرہ گناہوں سے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سائل اپنی مراد کو مانگنے میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے، لہٰذا پہلے صغیرہ کی معافی طلب کی، پھر کبیرہ گناہ کی بخشش چاہی، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عام طور پر صغیرہ پر اصرار ہی کی بناء پر گناہ کبیرہ ہوتا ہے، تو صغیرہ ثبوت کے اعتبار سے مقدم ہے اس لئے زائل ہونے کے اعتبار سے بھی مقدم رکھا۔

علانیة و سره: ظاہری اور چھپے ہوئے تمام گناہوں کی بخشش چاہی، یہاں چھپے ہوئے کہنا یہ غیر اللہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، اللہ کی شان تو یہ ہے کہ "یعلم السر و اخفی" بھید بلکہ اس سے بھی زیادہ مخفی چیز کو جانتا ہے، "یعلم خائنة الاعین و ماتخفی الصدور" نگاہوں کی خیانت اور دلوں کے بھید سے وہ خوب واقف ہے۔

حدیث باب میں جس دعاء کا ذکر ہے وہ دعاء تو آپ ﷺ کبھی کبھی سجدہ میں مانگتے تھے، دائمی طور پر "سبحان ربی الاعلیٰ" کی تسبیح پر اکتفاء کرتے تھے، یہی عمل تواتر کے طور پر ثابت اور امت میں معمول رہا ہے۔

حدیث نمبر ۸۳۴ ﴿سجدہ کی ایک اور دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹۳

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ یَدَیَّ عَلٰی بَطْنِ قَدَمَیْهِ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله : مسلم ص ۱۹۲ ج ۱، باب ما یقال فی الرکوع کتاب الصلاة، حدیث ۴۸۶.

ترجمه : حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر سے گم پایا، تو میں نے آپ ﷺ کو ہاتھ سے ٹٹولنا شروع کیا، تو میرے ہاتھ آپ ﷺ کے تلوے پر پڑے، آپ اس وقت سجدہ میں تھے، اور آپ ﷺ کے دونوں پیر اٹھے ہوئے تھے، اور آپ ﷺ یہ دعاء مانگ رہے تھے، "اللّٰهم اعوذ الخ" (اے اللہ میں آپ کی رضامندی کے ذریعہ سے آپ کی ناراضگی کی پناہ چاہتا

ہوں) آپ کی معافی کے ذریعہ سے آپ کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں، اور آپ کے ذریعہ سے آپ کے قہر سے پناہ چاہتا ہوں میں آپ کی تعریف کو شمار نہیں کرسکتا، آپ ایسے ہی ہیں جیسے کہ آپ نے اپنی تعریف کی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی آپ ﷺ کے سجدہ کی ایک دعاء کا ذکر ہے آپ ﷺ اس دعاء کو بھی کبھی کبھی سجدہ میں مانگتے تھے، اس دعاء میں آپ نے اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے پناہ چاہنے کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اے اللہ آپ کی جیسی تعریف ہونی چاہئے میں ویسی تعریف کرنے سے عاجز وقاصر ہوں۔

کلمات حدیث کی تشریح ففقدت: حضرت عائشہؓ بیان کررہی ہے کہ حضور ﷺ کو میں نے بستر پر نہیں پایا، فالتمستہ: یعنی ہاتھوں سے ٹٹول کر تلاش کیا، فوقعت یدی: میرا ہاتھ حضور ﷺ کے تلوے پر پڑا، یہاں سے معلوم ہوا کہ "مس مرأۃ" ناقض وضوء نہیں ہے، اگر عورت کو چھونے یا اس کے ہاتھ لگنے سے وضوء ٹوٹتا ہوتا تو حضور ﷺ نماز توڑ کر وضوء فرماتے، لیکن حضور ﷺ کا سجدہ میں پڑے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا ہاتھ لگنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا ہے، (اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۲۹۸ دیکھیں) وهو فی المسجد: حضرت عائشہ کا ہاتھ جب حضور ﷺ کے تلوے پر لگا، اس وقت حضور ﷺ سجدہ میں تھے۔ یہاں مسجد بول کر سجدہ مراد لیا ہے، مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں اور دوسری کتابوں میں یہاں "السجدۃ" کے الفاظ ہی ہیں، من سخطك: یعنی ایسے فعل سے پناہ مانگتے ہیں جو میرے یا میری امت کے لئے ناراضگی کو واجب کرے، وبمعافاتك: مبالغہ کا صیغہ عفو کثیر کے طلب کے لئے ذکر کیا ہے، عقوبتك: سزا یہ ناراضگی کے آثار میں سے ہے، اس وجہ سے اس کی بھی پناہ مانگی ہے، اعوذبك: آپ کے ساتھ کسی چیز میں کوئی مالک نہیں ہے اس وجہ سے آپ ہی کی پناہ بھی مانگتا ہوں۔

حدیث باب میں ابتداء افعال کی صفات سے کی ہے، پھر دات کی صفات کا ذکر کیا اخیر میں مزید ترقی کرکے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کی پناہ کو طلب کیا۔

لااحصی: اللہ تعالیٰ کے احسانات ہر لحظہ ہر ساعت ان گنت ہیں، لہٰذا ان کا شمار کرنا کسی بھی انسان کے بس سے باہر کی بات ہے، خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها" تم اللہ کے اگر احسانات شمار کرنا چاہو تو نہیں کرسکتے) حضور ﷺ اپنی مذکورہ دعاء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے کماحقہ شکریہ اداء کرنے سے عجز بیان فرمارہے ہیں، "انت كما اثنيت على نفسك" آپ ویسے ہیں جیسے کہ آپ نے اپنی تعریف ذکر کی ہے، ارشاد ربانی ہے "فلله الحمد رب السموات ورب الارض ورب العالمين وله الكبرياء في السموات والارض وهو العزيز الحكيم" تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو آسمان وزمین کے پروردگار ہیں، اللہ ہی کیلئے آسمانوں اور زمین بھر میں بڑائی ہے اور وہی غالب حکمت والے ہیں۔

حدیث نمبر ۸۳۵ ﴿سجدہ میں بندہ کا رب سے قرب﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹٤

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوْا الدُّعَاءَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ سجدہ کی حالت میں قریب ہوتا ہے، لہٰذا تم لوگ سجدہ میں خوب دعاء کرو۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اللہ تعالیٰ بندہ سے ہمہ وقت بہت قریب ہے، لیکن سجدہ میں اس کی رحمتیں اس کی عنایتیں بھرپور طریقہ سے بندہ کی طرف متوجہ رہتی ہیں، اور بندہ کو اللہ تعالیٰ سجدہ میں خصوصی قرب بھی عطاء کرتا ہے اس کی دعائیں بھی خوب سنتا ہے۔

اس وجہ سے حدیث باب میں سجدہ کی کثرت سے دعاء کرنے کا حکم ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فاکثروا الدعاء: سجدہ میں چونکہ انتہائی تذلل ہوتا ہے اور بندہ کو عبودیت اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا خوب اعتراف ہوتا ہے اس لئے اس حالت کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتے ہیں، اور اس میں خوب دعائیں سنتے ہیں، حدیث کے اسی جزء سے کثرت سجود کی افضلیت طول قیام پر ثابت ہوتی ہے اس مسئلہ سے متعلق تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۷۴۵ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۸۳۶ ﴿سجدہ میں تلاوت کے وقت شیطان کا رونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹۵

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي يَقُوْلُ يَا وَيْلَتٰى اُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حواله: مسلم ص ٦١ ج ١، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، كتاب الايمان، حديث ٨١.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ابن آدم جب آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر روتا ہے اور کہتا ہے ہائے میری بربادی ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا، چنانچہ اس نے سجدہ کرلیا، تو اس کے لئے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا میں نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا تو میرے لئے جہنم ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس سے سجدہ میں تلاوت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور چونکہ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ کرنے سے شیطان کو سخت مایوسی ہوتی ہے لہٰذا اس بابت ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہئے، ورنہ شیطان کو خوش کرنا ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا قرأ ابن آدم: اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام کا شیطان کے ساتھ پیش آیا اور وہی واقعہ دونوں کے درمیان عداوت کا سبب بنا، فسجد: یعنی انسان نے اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری کی، اعتزل الشیطان: شیطان ہمہ وقت انسان سے وسوسہ ڈالنے کے لئے قریب رہتا ہے جب آیت سجدہ پڑھ کر انسان کو سجدہ میں جاتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس سے دور ہٹ جاتا ہے، یا ویلتی: بربادی کی صدا لگانا افسوس کے اظہار کے لئے ہے کہ وہ کیسی کرامت وشرافت شیطان کے ہاتھ سے نکل گئی، یہی ابن آدم سے حسد کی وجہ بھی ہے۔

فسجد له الجنة: ابن آدم نے سجدہ کیا تو اس کے لئے جنت ہے، اور شیطان نے تعنت کی بناء پر انکار کیا تو اس کے لئے جہنم ہے یہیں سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

حدیث نمبر ۸۳۷ ﴿کثرت سجود سے جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹۶

وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰتِيْهِ بِوَضُوْءِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْ غَيْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّي عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

حواله: مسلم ص ١٩٣ ج ١، باب فضل السجود، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٤٨٩.

ترجمه: حضرت ربیعہ بن کعب سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات گذارا کرتا تھا، اور میں آپ ﷺ کے لئے وضوء اور ضرورت کا سامان لاکر رکھتا تھا، مجھ سے آپ نے کہا مانگ، میں نے کہا کہ میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت مانگتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ؟ میں نے کہا میں یہی چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کثرت سجود کے ذریعہ اپنے بارے میں مدد کرو۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی کثرت سجود کی اہمیت بیان ہوئی ہے کثرت سجود سے نماز کا پڑھنا مراد ہے، یہ وہ عظیم عمل ہے جس کی بناء پر جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت میسر ہوگی "وذلك فضل الله يوتيه من يشاء"۔

کلمات حدیث کی تشریح

کنت ابیت : حضرت ربیعہ بن کعبؓ کہتے ہیں کہ میں رات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتا تھا ممکن ہے کہ یہ بات سفر سے متعلق ہو، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ سفر ہو یا حضر یہاں معیت سے مراد قرب ہے، یعنی میں رات میں حضور ﷺ سے اتنا قریب رہتا تھا کہ حضور ﷺ اگر کسی ضرورت سے مجھے پکارتے تو میں سن لیتا تھا۔

فاتیتہ بوضوء ہ: یعنی وضوء وطہارت وغیرہ کے لئے میں حضور ﷺ کو پانی فراہم کرتا تھا، وحاجتہ: مثلاً مسواک، مصلیٰ اور اسی طرح کی دیگر چیزوں کی حضور کو ضرورت پڑتی تو وہ بھی میں حاضر کرتا تھا، سل: یعنی مجھ سے اپنی کسی ضرورت کو طلب کرلو، شریف لوگ اپنی خدمت کے سلسلہ میں اپنے خدام کو نوازتے ہیں اور حضور سے بڑھ کر تو کوئی کریم ہوا ہی نہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے حضرت ربیعہؓ کی خدمت سے خوش ہو کر ان سے فرمایا اگر تم کو کوئی حاجت ہو تو مجھ سے بیان کرو میں پوری کروں گا۔

اسألك مرفقتك: حضرت ربیعہؓ نے کہا میں جنت میں آپ کی رفاقت کا طالب ہوں، مطلب یہ ہے کہ میں جنت میں آپ سے قریب رہ کر آپ ﷺ کے دیدار سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں، او غیر ذلك: یہ تو بہت بڑی چیز ہے اس کے علاوہ کچھ اور چاہتے ہو، **قلت هو ذالك:** مطلب یہ ہے کہ میری طلب تو بس یہی کہ جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت میسر آجائے، **فاعنیٰ علی نفسك بكثرة السجود:** مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو جنت میں میری رفاقت ہی چاہئے تو اس کی صورت یہ ہے کہ خوب نماز پڑھو اور سجدہ میں خوب دعاء کرو، کیوں کہ یہ چیز بڑے بڑے مراتب تک پہنچنے کا بہت بڑا وسیلہ ہے۔

اس حدیث سے ایک اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ بزرگوں کی خدمت میں رہنا اور ان کی ضروریات پوری کرنا بہت بڑی سعادت ہے، نیز یہ بات معلوم ہوئی کہ خادم کو اپنا مقصود خدمت سے دنیا نہ بنانا چاہئے بلکہ بزرگوں کی خدمت سے مقصود آخرت ہونا چاہئے، حضرت ربیعہؓ حضور ﷺ سے بہت کچھ مانگ سکتے تھے، لیکن ان کی نگاہ میں اصل آخرت تھی اس وجہ سے انہوں نے آخرت والی چیز یعنی جنت میں حضور کی رفاقت مانگی۔

حدیث نمبر ۸۳۸ ﴿سجدہ سے گناہ کا مٹنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹۷

وعن مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيْتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَخبِرْنِي بِعَمَلٍ اَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِي اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَالْتُهُ فَسَكَتَ سَالْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَالْتُ عَنْ ذَالِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَتِ السُّجُودِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَاتَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيْئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَالْتُهُ فَقَالَ لِيْ مِثْلَ مَا قَالَ لِيْ ثَوْبَانُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ : مسلم ص ۱۹۳ ج ۱، باب فضل السجود کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۸۸۔

ترجمہ : حضرت معدان بن طلحہؒ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ سے ملاقات کی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ ''آپ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھ کو جنت میں داخل فرمادے، تو وہ خاموش رہے میں نے ان سے پھر سوال کیا، وہ پھر خاموش رہے میں نے ان سے تیسری مرتبہ سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا تو میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا ''تم کثرت سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو' بلاشبہ تم اللہ تعالیٰ کو ایک سجدہ کردگے تو اللہ تعالیٰ اس سجدہ کی بدولت تمہارا ایک درجہ بلند فرمائیں گے، اور اس کے ذریعہ سے تمہاری ایک غلطی معاف کردیں گے، حضرت معدانؒ کہتے ہیں کہ پھر میں نے حضرت ابودرداء سے ملاقات کی اور ان سے بھی میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی مجھے اس طرح کی بات بتائی جس طرح کی بات حضرت ثوبان نے بتائی تھی۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی کثرت سجود کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے کہ یہ وہ عظیم عمل ہے جو جنت میں دخول کا ذریعہ تو ہے ہی نیز اس سے مراتب بھی بلند ہوتے ہیں اور غلطیاں بھی معاف ہوتی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح سالته الثالثة: حضرت معدان نے جب تیسری مرتبہ حضرت ثوبانؓ سے پوچھا تب انہوں نے جواب دیا، مقصود یہ تھا کہ سائل کے اندر زیادہ سے زیادہ رغبت پیدا ہو جائے، تاکہ جواب ذہن میں اچھی طرح محفوظ بھی ہو جائے، اور اس پر عمل درآمد بھی ہو، بکثرة السجود: نماز کا سجدہ تو مراد ہے ہی اس سے تو انسان کے مراتب بلند ہوتے ہیں، اسی حکم میں سجدۂ شکر اور سجدۂ تلاوت بھی داخل ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۸۳۹ ﴿سجدہ میں جانے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹۸

وَعَنْ وَائِلِ بنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۱۲۲ ج، باب کیف یضع رکبتیه کتاب الصلاة، حدیث ۸۳۸، ترمذی ص ۶۱ ج ۱، باب ماجاء فی وضع الیدین قبل الرکبتین، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۲۶۸، نسائی ص ۱۲۳ ج ۱، باب اول ما یصل الی الارض کتاب التطبیق، حدیث نمبر ۱۰۸۵، ابن ماجه ص ۶۳ باب السجود، کتاب اقامة الصلاة، حدیث ۸۸۲، دارمی ص ۳۴۷ ج ۲، باب اول ما یقع من الانسان علی الارض کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۳۲۰۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ سجدہ سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو رکھنے سے پہلے اپنے دونوں گھٹنوں کو رکھتے تھے اور جب سجدہ سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنے گھٹنے اٹھانے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجه، دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ کا یہ عمل بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ سجدہ میں جاتے تو پہلے گھٹنے رکھتے اس کے بعد ہاتھ رکھتے اور سجدہ سے اٹھنے میں اس کے برعکس کرتے تھے، علماء نے سجدہ میں جانے سے متعلق یہ اصول لکھا ہے کہ سجدہ کرنے میں جو عضو زمین سے قریب ہے اس کو پہلے رکھا جائے، اور جو عضو دور ہے اس کو بعد میں رکھا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے گھٹنے پھر ہاتھ پھر ناک اور پیشانی رکھی جاتی ہے جب کہ سجدہ سے اٹھنے میں معاملہ اس کے برعکس کیا جائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا سجد: یعنی جب سجدہ کرنے کا ارادہ فرماتے، وضع رکبتیه: پہلے گھٹنے رکھتے اس وجہ سے کہ گھٹنے زمین سے سب سے قریب ہیں اسی کو رکھنے میں سہولت ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہے جس کو پہلے گھٹنے میں کسی وجہ سے دشواری ہوتی ہے تو پہلے ہاتھ رکھے، واذا نهض: اٹھنے سے پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں گے، پھر گھٹنے، ناک اور پیشانی کو بعض لوگوں نے ایک عضو کو حکم میں رکھ کر کہا ہے کہ ہاتھ کے بعد ساتھ ساتھ ان دونوں کو رکھا جائے اور بعض لوگوں نے الگ الگ عضو کے حکم میں رکھ کر کہا ہے کہ پہلے ناک سجدہ میں رکھی جائے پھر پیشانی کیونکہ زمین سے ناک پیشانی کے بنسبت زیادہ قریب ہے سجدہ سے اٹھتے وقت معاملہ اس کے برعکس ہو جائے گا۔

اختلاف ائمہ: حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے جائیں پھر ہاتھ، لیکن دیگر احادیث کی بناء پر ائمہ میں کچھ اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک جو ترتیب حدیث باب میں ہے اسی کے مطابق عمل کرنا بہتر ہے، یعنی سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے جائیں پھر ہاتھ رکھے جائیں۔

دلیل: امام صاحب کی ایک دلیل تو حدیث باب ہے اس کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث، "ان علیه السلام قال اذا سجد احدکم فلیبدأ برکبتیه قبل یدیه"۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے جائیں، پھر گھٹنے رکھے جائیں۔

دلیل: امام مالکؒ کی دلیل اگلی حدیث ہے "اذا سجد احدکم فلایبرك کمایبرك البعیرلیضع یدیه قبل رکبتیه" (تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے اسکو چاہئے کہ زمین پر اپنے دونوں گھٹنے رکھنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ رکھے)

امام مالکؒ کی دلیل کاجواب: (۱) ہماری دلیل جو کہ وائل بن حجرؓ کی حدیث ہے وہ امام مالک کی پیش کردہ دلیل سے زیادہ قوی اور اثبت ہے۔ (۲) امام مالک کی پیش کردہ حدیث منسوخ ہے، اور اس کے لئے ناسخ حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث ہے، حدیث کے کلمات یوں ہیں "کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فامر بوضع الرکبتین قبل الیدین" (ہم لوگ شروع میں گھٹنے رکھنے سے پہلے ہاتھ کو رکھتے تھے، لیکن پھر ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ ہم گھٹنے پہلے رکھیں پھر ہاتھ رکھیں)۔

حدیث نمبر ۸۴۰ ﴿سجدہ میں گھٹنے کیسے رکھے جائیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۸۹۹

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَبْرُكْ کَمَا یَبْرُكُ الْبَعِیْرُ وَلْیَضَعْ یَدَیْهِ قَبْلَ رُکْبَتَیْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارَمِیُّ قَالَ اَبُوْ سُلَیْمَانَ الْخَطَّابِیُّ حَدِیْثُ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ اَثْبَتُ مِنْ هٰذَا وَقِیْلَ هٰذَا مَنْسُوْخٌ.

حوالہ: ابوداؤد ص نمبر ۱۲۲ ج ۱، باب کیف یضع رکبتیه کتاب الصلاة حدیث نمبر ۸۴۰، نسائی ص ۱۲۳ ج ۱، باب اول ما یصل الی الارض من الانسان، کتاب التطبیق حدیث ۱۰۹۰، دارمی ص ۳۴۷ ج ۱، باب اول ما یقع من الانسان علی الارض، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۳۲۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے اور اس کو چاہئے کہ اپنے دونوں گھٹنے رکھنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو رکھے (ابوداؤد، نسائی، دارمی) ابوسلیمان خطابی کا کہنا ہے کہ حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث اس حدیث سے زیادہ اثبت ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس میں دو متضاد حکم ہیں۔ (۱) پہلا حکم یہ ہے کہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ نہ رکھے، بلکہ پہلے گھٹنے رکھے کیوں کہ اونٹ بیٹھتے وقت پہلے ہاتھ رکھتا ہے پھر پیر رکھتا ہے۔

(۲) اور دوسرا حکم صراحتہ یہ ہے کہ پہلے ہاتھ رکھے جائیں پھر گھٹنے رکھے جائیں اس حدیث کے اسی اضطراب کی بناء پر بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اسکے بالمقابل اس سے پہلے جو حدیث گذری اسکو لوگوں نے اثبت قرار دیا ہے بعض لوگوں نے حدیث باب کو منسوخ بھی کہا ہے کچھ لوگوں نے حدیث باب کے تضاد کو ختم کرنے کیلئے دور کی تاویل بھی کی ہے اسکو کلمات حدیث کی تشریح کے تحت دیکھیں

کلمات حدیث کی تشریح: اذا سجد احدکم فلا یبرك: اس میں بیرک ابل سے ممانعت ہے اونٹ جب بیٹھتا ہے تو پہلے زمین پر ہاتھ ٹیکتا ہے پھر سر رکھتا ہے اس بیٹھک سے ممانعت کی گئی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ سجدہ میں پہلے ہاتھ رکھنے کی ممانعت ہے، حدیث باب کا یہ جزء حنفیہ کے موافق ہے کیونکہ گذشتہ حدیث میں بیان مسلک میں یہ بات گذری کہ حنفیہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے پر ہاتھ رکھنے کو افضل قرار دیتے ہیں، مالکیہ اس کے برعکس کے قائل ہیں، لہٰذا یہ جزء مالکیہ کے خلاف ہے مالکیہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ اونٹ اگرچہ پہلے اپنے ہاتھ پھر پیر زمین پر رکھتا ہے لیکن اونٹ کے گھٹنے اس کے ہاتھ میں ہوتے

ہیں پیروں میں نہیں، لہٰذا یہاں ممانعت ہوگی کہ اونٹ کی طرح پہلے گھٹنے نہ رکھو، ہماری طرف سے اس کا یوں جواب دیا جائے گا کہ اونٹ کے گھٹنے کا پیروں میں ہونا خود ہی محتاج بیان ہے، اس کو کسی اہل لغت نے ذکر نہیں کیا ہے، پھر اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اونٹ کے گھٹنے ہاتھوں میں ہوتے ہیں تو بھی مالکیہ کا مذہب ثابت نہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں اونٹ کی طرح بیٹھنے سے ممانعت میں جس طرح گھٹنے کا پہلے رکھنا ممنوع قرار پائے گا کیونکہ اونٹ گھٹنہ پہلے رکھتا ہے اسی طرح ہاتھ کا پہلے رکھنا بھی ممنوع قرار پائے گا، کیونکہ مالکیہ کی وضاحت کے مطابق گھٹنہ ہاتھ میں ہوتا ہے، تو اونٹ جب گھٹنہ رکھے گا تو ہاتھ بھی رکھے گا، لہٰذا اونٹ کی طرح بیٹھنے کی ممانعت میں پہلے ہاتھ کا رکھنا اس تفصیل کی رو سے بھی ممنوع قرار پائے گا۔

ولیضع یدیه قبل رکبتیه: حدیث کے اس جزء سے استدلال کرتے ہوئے مالکیہ کہتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھنا چاہئے، ہماری طرف سے اسکا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ اولاً تو حدیث منسوخ ہے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی اس حدیث نے "کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فامرنا بوضع الرکبتین قبل الیدین" ثانیاً حدیث کا یہ جزء شروع جزء کے مخالف ہے جسکی تفصیل ابھی گذری کہ اونٹ بیٹھتے وقت پہلے ہاتھ رکھتا ہے تو اس بیٹھک سے ممانعت کی، گویا حدیث کے جزء اول میں یہ بات بیان ہوئی کہ پہلے ہاتھ رکھنا منع ہے پھر دوسرے جزء میں اس بات کو بیان کیا کہ پہلے ہاتھ رکھے جائیں تو اس تعارض کی بناء پر یہ حدیث لائق استدلال نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۸۴۱ ﴿دونوں سجدوں کے درمیان کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۰۰

وَعَنْ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي رَوَاهُ اَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد ص، ۱۲۳ ج ۱، باب الدعاء بین السجدتین، کتاب الصلاۃ، حدیث ۸۵۰، ترمذی ص ۶۳ ج ۱، باب مایقول بین السجدتین، حدیث نمبر ۲۸۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعاء پڑھتے "اللّٰهم اغفرلی" اے اللہ مجھے بخش دیجئے، میرے اوپر رحم فرمایئے، مجھے ہدایت عطاء فرمایئے، اور مجھے عافیت مرحمت فرمایئے اور مجھے روزی عطاء فرمایئے۔

(ابوداؤد، ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں ایک دعاء مذکور ہے آپ ﷺ اس دعاء کو دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں پڑھتے تھے، لیکن آپ ﷺ کی اس دعاء کو جلسہ میں پڑھنا یا تو نفل نمازوں سے متعلق ہے، یا پھر یہ حدیث بہت نادر واقعہ ہے، عموماً آپ ﷺ فرض نمازوں کے جلسہ میں دعاء نہیں مانگتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح **بین السجدتین**: ابن ماجہ کی روایت میں یہاں "فی صلاۃ اللیل" کی قید ہے، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا یہ معمول نفل نمازوں کے حوالہ سے تھا، لیکن اگر کسی نے فرض نماز میں بھی یہ دعاء پڑھ لی، تو نماز مکروہ نہ ہوگی، حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری رائے ہے کہ اسکو پڑھنا بھی بہتر ہے مالابد میں بھی پڑھنا ہی بہتر قرار دیا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۸۴۲ ﴿جلسہ میں پڑھی جانے والی دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۰۱

وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْلِي رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: نسائی، ص نمبر ۱۲۹ ج ۱، باب الدعاء بین السجدتین کتاب التطبیق، حدیث نمبر ۱۰۹۰، دارمی ص ۳۴۸ ج ۱، باب القول بین السجدتین کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۳۲۴۔

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا مانگتے "رب اغفر لی" اے میرے پروردگار مجھے معاف فرمادیجئے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں پڑھی جانے والی ایک دعا مذکور ہے حنفیہ کے نزدیک فرض نماز وں میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے دیگر ائمہ کے نزدیک مسنون ہے احناف میں بعض فقہاء کہتے ہیں کہ پڑھ لینا بہتر ہے

کلمات حدیث کی تشریح رب اغفرلی: جلسہ میں آپ یہ دعاء مانگتے تھے ابن ماجہ میں بھی یہ دعاء مذکور ہے اس میں یہ کلمہ تین مرتبہ مذکور ہے یعنی رب اغفرلی، رب اغفرلی، رب اغفرلی، آج کل نمازوں میں تعدیل ارکان سے کافی غفلت برتی جاتی ہے ایسے میں اس دعاء کا اہتمام بہت بہتر ہوگا۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۸۴۳ ﴿سجدہ میں جلد بازی کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۰۲

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَاَنْ يُّوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيْرُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۱۲۵ ج۱، باب صلاۃ من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۸۶۲، نسائی ص ۱۲۵ ج۱، باب النهي عن نقرة الغراب كتاب التطبيق حديث نمبر ۱۱۱۱. دارمی: ص: ۳۴۸. ج: ۱. باب النهي عن الافتراش ونقرة الغراب. حديث نمبر ۱۳۲۳.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوے کے ٹھونگ مارنے اور درندوں کی طرح پھیلانے سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ آدمی مسجد میں ایسے ہی جگہ مقرر کرلے جیسے اونٹ مقرر کرلیتا ہے (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ نے تین باتوں سے منع فرمایا ہے۔ (۱) سجدہ میں جلدی جلدی ایسے سر نہ پٹخانا چاہئے، جیسے کوا چونچ مارتا ہے بلکہ آرام سکون کے ساتھ سجدہ کرنا چاہئے۔ (۲) سجدہ میں درندوں کے ہاتھ پھیلا کر بیٹھنے کی طرح ہاتھ پھیلا کر سجدہ نہ کرنا چاہئے، بلکہ گذشتہ احادیث میں سجدہ کی جو مسنون کیفیت منقول ہوئی ہے، اس کے مطابق سجدہ کرنا چاہئے۔

(۳) مسجد میں کسی خاص جگہ کو مقرر کر کے اسی جگہ پر بیٹھنا اور اسی جگہ نماز پڑھنا اور اس جگہ کو اپنا حق سمجھنا یہ ممنوع ہے، مسجد اللہ کا گھر ہے اس میں ہر شخص کو ہر جگہ بیٹھنے کی اجازت ہے اور کوئی خاص جگہ کسی کے لئے نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نقرۃ الغراب: سجدہ میں تخفیف کرنے میں مبالغہ کرنا مراد ہے یعنی جس طرح کوا جلدی جلدی چونچیں مار مار کر دانا چگتا ہے اس طرح سے سجدہ میں سر زمین پر رکھ کر فوراً اٹھانے سے منع کیا ہے سجدہ میں تعدیل کا پورا خیال رکھنا چاہئے اور کم از کم تین مرتبہ اطمینان سے تسبیح پڑھنا چاہئے، آپ نے ایک موقع پر فرمایا "واذا سجدفقال في سجوده سبحان ربي الاعلیٰ ثلاث مرات فقدتم سجوده وذلك ادناه" وافتراك السبع: آپ ﷺ نے درندوں کی طرح ہاتھ پھیلانے سے منع فرمایا ہے، نماز آرام وراحت کی چیز نہیں ہے، لہٰذا جس طرح درندے زمین پر کہنیاں بچھا کر بیٹھتے ہیں اس طرح کہنیاں بچھا کر سجدہ کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "ولا يبسط احدكم ذراعيه انبساط الكلب" کتے کے پھیلانے کی طرح تم میں سے کوئی شخص اپنی کہنیاں نہ پھیلائے ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "وارفع مرفقيك" اپنی کلائیاں اٹھائے رکھو خود آپ ﷺ کے سجدہ کا معاملہ یہ تھا کہ "اذا سجد لو شاء ت بهمة ان يمر بين يديه لمرت" آپ ﷺ جب سجدہ کرتے تو آپ ﷺ کے ہاتھوں کے درمیان سے بکری کا بچہ گذرنا چاہتا تو گذر سکتا تھا، یعنی آپ ﷺ اپنے ہاتھوں کو اس قدر اٹھا کر رکھتے کہ بکری کا بچہ آسانی کے ساتھ اس کے درمیان سے گذر سکتا تھا۔

وان يوطن الرجل: آپ ﷺ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کوئی شخص مسجد میں اپنی جگہ متعین کرلے جس طرح اونٹ اپنے بندھنے کی جگہ اپنے لئے متعین کرلیتا ہے اسی طرح کسی جگہ کو خاص کر کے اسی جگہ نماز نہ پڑھنا چاہئے۔

اس ممانعت کی حلت کو بیان کرتے ہوئے صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ یہ چیز شہرت وریاکاری تک پہنچادے گی جگہ متعین نہ کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بہت سی جگہوں پر سجدہ ہوگا تو سب جگہیں قیامت کے دن گواہی دیں گی، اور جگہ متعین کرنے میں یہ نقصان بھی ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس جگہ بیٹھ جائے گا تو یہ اس کو وہاں سے اٹھائے گا اور یہ عمل غلط اور فتنہ کا ذریعہ ہے لہٰذا آپ ﷺ نے جگہ متعین کرنے ہی سے منع فرمادیا۔

حدیث نمبر ۸٤٤ ﴿دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۰۳

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ إِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي وَأَكْرَهُ لَكَ مَا أَكْرَهُ لِنَفْسِي لَاتُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حواله: ترمذی ص ٦٣ ج ١، باب ماجاء في كراهية الاقعاء في السجود كتاب الصلاة، حديث نمبر ٢٨٢.

ترجمه: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے علیؓ میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور تمہارے لئے بھی وہ چیز ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں تم دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء مت کرنا۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حضور اس امت کے حق میں شفیق ہیں کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہی چیز اس امت کے افراد کیلئے پسند کرتے ہیں اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں وہی چیز اس امت کے افراد کے لئے ناپسند کرتے ہیں آپ ﷺ نے اس حدیث میں جلسہ میں اقعاء یعنی کتے کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

يا علي احب: حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے آپ ﷺ نے یہ بات کہی، محبت کے اظہار کا مقصد یہ تھا کہ آگے نصیحت اچھی طرح کارگر ہو، ورنہ تو آپ ﷺ کی یہ محبت ہر مؤمن کے ساتھ ہے۔

لاتقع بين السجدتين: اقعاء کی دو تشریحیں کی جاتی ہیں، (۱) آدمی الیتین پر بیٹھے اور اپنے پاؤں کو اس طرح کھڑا کرے کہ دونوں گھٹنوں دونوں کندھوں کے مقابل آجائیں اور اپنے ہاتھوں کو زمین پر ٹیک لے، اس تشریح کے اعتبار سے اقعاء بالاتفاق مکروہ ہے۔ (۲) دونوں پاؤں کو پنجوں کے بل کھڑا کرکے ایڑیوں پر بیٹھا جائے، اس دوسرے معنی کے اعتبار سے اقعاء میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک یہ بھی علی الاطلاق مکروہ ہے، امام شافعیؒ اس کو سجدتین کے درمیان مسنون قرار دیتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک افتراش بھی مسنون ہے اقعاء بھی مزید تفصیل کے لئے معارف السنن ص ٦٠ ٦٤٧ ج ۲ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۸٤٥ ﴿رکوع و سجدہ میں پیٹھ سیدھی رکھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۰٤

وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ الْحَنَفِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلٰى صَلَاةِ عَبْدٍ لَا يُقِيمُ فِيهَا صُلْبَهُ بَيْنَ خُشُوعِهَا وَسُجُودِهَا رَوَاهُ أَحْمَدُ.

ترجمه: حضرت طلق بن علی الحنفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندہ کی نماز کی طرف نگاہ نہیں فرماتے ہیں جو اپنی نماز کے رکوع وسجدوں میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتا۔ (مسند احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے اور اس کی طرف مشقت وعنایت کی نظر نہیں فرماتے جو نماز کے اندر رکوع وسجود کے درمیان یعنی قومہ میں تعدیل کا خیال نہیں کرتا۔

کلمات حدیث کی تشریح الحنفی راوی کا قبیلۂ بنو حنفیہ سے تعلق ہے، ''لاینظر یعنی قبولیت کی نگاہ نہیں ڈالتے ہیں، لايقيم صلبه مراد قومہ ہے، آگے اس کا بیان ہے، خشوعها: مراد رکوع ہے رکوع کو خشوع اس وجہ سے کہا کہ یہ خاشع کی ہیئت ہے، مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ مقصد اولیٰ اس ہیئت سے خشوع اور فرماں برداری ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رکوع وسجود کے درمیان یعنی قومہ میں تعدیل کا اہتمام کرنا چاہئے، اور جو شخص اس سے غفلت برتتا ہے اللہ

اس کی نماز کی طرف قبولیت کی نظر نہیں فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ۸۴٦ ﴿سجدوں میں ہاتھوں کے رکھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۰۵

وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عمرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهُ بِالْاَرْضِ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِى وَضَعَ عَلَيْهِ جَبْهَتَهُ ثُمَّ إِذَا رَفَعَ فَلْيَرْفَعْهُمَا فَإِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ رَوَاهُ مَالِكٌ۔

حواله: موطا امام مالك: ص:٥٧ باب وضع اليدين على مايوضع عليه فى السجود، كتاب قصر الصلاة فى السفر به، حديث نمبر ٦٠.

ترجمه: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں جو شخص اپنی پیشانی زمین پر رکھے تو اس کو چاہئے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر وہیں رکھے جہاں پیشانی رکھی ہے، جب اٹھے تو اس کو چاہئے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی اٹھالے اس وجہ سے کہ ہاتھ ایسے ہی سجدہ کرتے ہیں جیسے کہ چہرہ سجدہ کرتا ہے۔ (موطا امام مالك)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ چہرہ کی طرح ہاتھوں کو بھی زمین پر سجدہ میں رکھنا چاہئے، نیز ہاتھوں کو پیشانی کے برابر رکھا جائے، اور چہرے کی طرح ہاتھ بھی قبلہ رو رہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح نافع حضرت ابن عمر کے غلام ہیں وضع جبهته یعنی جو شخص پیشانی رکھنے کا ارادہ کرے فليضع كفيه یعنی ہاتھوں کو چہرے کے محاذات میں رکھے، یہی حنفیہ کے نزدیک مختار ہے، شوافع کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے محاذات میں رکھے جائیں۔ (مرقات ص: ٣٢٧. ج: ٢).

باب التشهد

﴿تشهد کا بیان﴾

اس باب کے تحت جو حدیثیں ہیں ان میں نمازی کے تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ، ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے کا طریقہ مذکور ہے نیز تشہد کے کلمات اور سبابہ انگلی سے اشارہ کرنے اور سبابہ پر نگاہ رکھنے اور اسی طرح کی دیگر چند باتیں بھی مذکور ہیں، احادیث میں تشہد کے کلمات مختلف ہیں اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو کلمات بھی پڑھ لئے جائیں تو جائز ہے، البتہ فضیلت میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک عبداللہ بن مسعودؓ کا تشہد افضل ہے، احادیث باب کے تحت افضلیت کی وجوہات مذکور ہیں دیکھ لی جائے، تشہد میں "اشهد ان لا اله" کہنے کے وقت اشارہ بالسبابہ مسنون ہے۔

تشهد میں بیٹھنے کی کیفیت: نمازی اپنا بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پیر کھڑا رکھے، اور دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رکھے، اپنے دونوں ہاتھوں کو ران پر رکھے، اور انگلیاں بچھادے، یعنی جس حال پر ہے اسی حال پر چھوڑ کر ران پر رکھے نہ تو انگلیوں کو باہم ملائے اور نہ دونوں پیر دائیں طرف نکال دے، قعدہ اولی میں صرف تشہد پڑھا جائے جب کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد، درود اور دعاء پڑھی) جائے، تشہد کا پڑھنا واجب ہے فرض نہیں ہے، مزید تفصیلات احادیث باب کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۸۴۷ ﴿تشهد میں بیٹھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۰۷،۹۰٦

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَخَمْسِيْنَ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِيْ تَلِيَ الْإِبْهَامَ يَدْعُوْ بِهَا وَيَدَهُ

الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ بَاسِطَهَا عَلَيْهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص ۲۱۶ ج ۱، باب صفة الجلوس، كتاب المساجد، حديث نمبر ۵۸۰.

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے داہنے گھٹنے پر رکھتے تھے، اور داہنے ہاتھ کو ترپن کی عدد کی طرح بند کرتے اور سبابہ سے اشارہ کرتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے، اور اپنے ہاتھ کی اس انگلی کو جو انگوٹھے کے قریب ہے اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعاء مانگتے اور بایاں ہاتھ اپنے رانوں پر کھلا ہوا رکھتے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں تشہد میں بیٹھنے کے بعد ہاتھ رانوں پر رکھنے کا طریقہ بیان کیا ہے اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ التحیات پڑھتے وقت سبابہ کے ذریعہ اشارہ کرنا سنت ہے، سبابہ سے اشارہ کرنے کی کئی صورتیں احادیث سے ثابت ہیں، حدیث باب سے جو صورت سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ خنصر بنصر اور وسطی تینوں کو بند رکھا جائے، سبابہ کو دراز کیا جائے اور ابہام کو سبابہ کے جڑ سے ملایا جائے، اسی صورت کو شوافع راجح مان کر عمل کرتے ہیں، آگے ایک حدیث آرہی ہے، اس سے سبابہ سے اشارہ کرنے کا یہ طریقہ مذکور ہے کہ خنصر اور بنصر کو بند رکھا جائے اور وسطی و ابہام کا حلقہ بنایا جائے، اور سبابہ کو دراز کیا جائے، حنفیہ کے نزدیک یہی صورت راجح ہے لہٰذا احناف اسی پر عمل کرتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح وعقد ثلاثة وخمسين واشار بالسبابة: تشہد میں بیٹھنے کے بعد التحیات پڑھتے ہوئے جب مصلی ''لا الہ'' پر پہنچے گا تو سبابہ انگلی یعنی انگوٹھا کے بغل والی انگلی کو اٹھا کر اشارہ کرے گا یہ اشارہ کرنا سنت مستمرہ سے ثابت ہے، حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا اس پر عمل درآمد تھا۔

سوال: انگوٹھے کے بغل والی انگلی کو سبابہ کیوں کہتے ہیں۔

جواب: حافظ ابن حجرؒ نے یہ بات لکھی ہے کہ مخالف سے جھگڑا کرتے وقت گالی دے کر اسی انگلی سے دشمن کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے اس وجہ سے اس کا نام سبابہ پڑ گیا اس کا نام مسبحہ بھی ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی پاکی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور اللہ کی پاکی بیان کرنا تسبیح ہے لہٰذا اس انگلی کو مسبحہ بھی کہا جاتا ہے۔

سوال: شہادت کی انگلی التحیات پڑھتے وقت کس کلمہ پر اٹھائی جائے، تاکہ توحید کے بارے میں قول فعل کے مطابق ہو جائے، ہمارے نزدیک ''لا الہ'' کہتے وقت انگلی اٹھائی جائے گی اور ''لا الہ'' پر رکھی جائے گی وجہ یہ ہے کہ نفی کے مناسب رفع یعنی اٹھانا ہے، اور اثبات کے مناسب رکھنا ہے اور اس صورت میں قول وعمل کے درمیان حقیقی مناسبت ہے۔

ضروری وضاحت: فتح القدیر میں یہ بات لکھی ہے کہ ائمہ مذاہب سے ''الا اللہ'' پر وضع مذکور نہیں ہے، البتہ شمس الائمہ حلوانی نے یہ بات نقل کی ہے کہ بعد میں پھر دوسرے لوگوں نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے روایت سے تو بقائے اشارہ کی تائید ہوتی ہے، مثلاً نسائی شریف کی روایت ہے ''ثم رفع اصبعه فرأيته يحركها يدعوبها'' نیز ابوداؤد کی روایت میں ہے ''كان يشير باصبعه واتبعها بصره'' اس کے علاوہ ائمہ مذاہب کے درمیان یہ اختلاف موجود ہے کہ اشارہ کرنے میں شہادت کی انگلی کو حرکت دیتے رہیں گے یا نہیں، حنفیہ کے نزدیک حرکت نہیں دیتے ہیں، مالکیہ کے نزدیک تحریک افضل ہے تو یہ تحریک وعدم تحریک کا اختلاف اسی وقت تو ہوگا جب بقائے اشارہ کے قول کو اختیار کیا جائے، مزید برآں اسی روایت میں آگے الفاظ ہیں ''یدعوبها'' اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ دعاء مانگتے تھے اگر دعاء کے عرفی معنی لئے جائیں تو تشہد میں دعاء ماثورہ درود کے بعد مانگی جاتی ہے، ''اللّٰهم انى ظلمت نفسى الخ''

کے الفاظ کے ذریعہ سے ایسی صورت میں حاصل یہ نکلے گا کہ حضور ﷺ دعاء کے وقت تک اشارہ کو باقی رکھتے تھے۔

سوال: اشارہ کرنے میں انگلی کتنی دیر اٹھائی جائے گی۔

جواب: اتنی انگلی اٹھائی جائے گی کہ آسمان کی طرف اشارہ ہونے کے ساتھ قبلہ کی طرف بھی رخ رہے بالکل اس طور پر سیدھی نہ کی جائے کہ رخ آسمان ہی کی طرف ہوجائے قبلہ کی طرف مائل رہے ہی نہ، نسائی میں صفحہ نمبر ۱۷۳ ج ۱، پر روایت کے الفاظ یوں ہیں، ''وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الَّتِیْ تَلِی الْاِبْهَامَ فِی الْقِبْلَةِ'' معلوم ہوا کہ اشارہ قبلہ کی جانب ہونا چاہئے۔

سوال: حدیث میں ہے کہ اشارہ کرتے وقت آپ ﷺ ترپن کا عقد بناتے تھے، ترپن کا عقد کس طرح بنایا جائے گا۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ انگلیوں کو ایک خاص انداز پر کھولنے بند کرنے سے گنتی متعین ہوتی ہے، اس کے لئے اصول مقرر ہیں، کہ کس انگلی کو کس انداز پر کھولنے بند کرنے سے کون سا عدد بنتا ہے، اس کے لئے ''عقد انا مل'' کے عنوان سے مستقل کتابیں ہیں، ان میں اسکے اصول لکھے ہوئے ہیں، جہاں تک ترپن کے عدد کا معاملہ ہے تو وہ اس طور پر بنتا ہے کہ ''خنصر، بنصر، وسطیٰ یعنی سب سے چھوٹی انگلی اس کے بعد والی اور پھر اس کے بعد والی یعنی درمیانی انگلی یہ تینوں انگلیاں بند کرلی جائیں، چھوٹی یعنی شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے اور انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھا جائے اس صورت میں ترپن کا عقد بن جاتا ہے۔

اشکال: حدیث باب میں جس انداز سے انگلیاں بند کرکے، شہادت کی انگلی اٹھانے کا ذکر ہے احناف تو اس طور پر عمل نہیں کرتے وہ ایسا کیوں کرتے ہیں اور جس طرح وہ انگلیاں بند کرکے شہادت کی انگلی بند کرتے ہیں اس کو کیا کہتے ہیں۔

جواب: جی ہاں حدیث باب میں جس طرح انگلیاں کھولنے بند کرنے کا بیان ہے احناف اس سے کچھ مختلف طور پر عمل کرتے ہیں اور احناف کا عمل بھی حدیث سے ثابت ہے، آگے فصل ثانی میں جو پہلی حدیث ہے، اس میں جو طریقہ بیان کیا ہوا ہے احناف اسی طریقہ پر عمل کرتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے بعد کی انگلی بند کی جائے، شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے گی اور انگوٹھے کے سرے کو درمیان کی انگلی کے سرے پر اس طور پر رکھا جائے گا کہ ان دونوں انگلیوں کا حلقہ بن جائے گا اس طرح انگلیاں کھولنے بند کرنے سے زاویہ بنتا ہے وہ زاویہ ''نوے'' کا عدد بتا رہا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث باب میں جو طریقہ بیان ہوا وہ بھی درست ہے اور اس کے مطابق شوافع عمل کرتے ہیں اور آگے فصل ثانی میں جو طریقہ مذکور ہے وہ بھی صحیح ہے اس کے مطابق احناف عمل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف طرح عمل کیا ہے اور اسی بناء پر یہ اختلاف واقع ہوا ہے جو بلاشبہ امت کے حق میں رحمت ہے۔

حدیث نمبر ۸۴۸ ﴿شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۰۸

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ يَدْعُو وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص ۲۱۶ ج ۱، باب صفة الجلوس، كتاب المساجد، حديث نمبر ۵۷۹.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قعدہ میں دعاء مانگنے (یعنی التحیات وغیرہ پڑھنے) کے لئے جب بیٹھتے تو اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے داہنی ران پر رکھتے، اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ران پر رکھتے اور اپنی سبابہ انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنے انگوٹھے کو اپنی درمیانی انگلی پر رکھتے تھے، اور کبھی کبھی اپنے بائیں ہاتھ سے اپنا بایاں گھٹنہ پکڑ لیتے تھے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی کلمہ شہادت کے وقت انگلی اٹھانے کا وہی طریقہ مذکور ہے جس طریقہ کا سابقہ حدیث میں تفصیل سے ذکر گذر چکا ہے شوافع اسی طریقہ کو افضل بتاتے ہیں احناف اس طریقہ کو افضل بتاتے ہیں، جو طریقہ فصل ثانی

کی پہلی حدیث میں مذکور ہے اس مسئلہ کے متعلق تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا قعد یدعو: التحیات وغیرہ قعدہ میں پڑھتے تھے، اسی کو دعا کہا ہے، علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں اس کو دعاء اس وجہ سے کہا کہ یہ دعائیہ کلمہ پر مشتمل ہے، اس وجہ سے کہ التحیات میں "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبركاته السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین" کلمات ہیں جو کہ درحقیقت دعاء ہی تو ہیں۔

وضع ابهامه علی اصبعه الوسطی: اپنے انگوٹھے کو اپنی بیچ کی انگلی پر رکھتے، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جب تشہد کے لئے بیٹھتے اسی وقت انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا لیتے تھے ہم کہتے ہیں کہ قابل اعتماد بات یہ ہے کہ آپ ﷺ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے وقت انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بناتے تھے۔ (مرقات ص ۳۲۹ ج ۲)

ویلقم: آپ کبھی کبھی بائیں ہاتھ سے بایاں گھٹنہ پکڑ لیتے تھے، اصل سنت تو یہی ہے کہ آپ ﷺ اپنی ہتھیلیاں ران پر رکھتے تھے، اشارہ سے متعلق مزید مباحث کے لئے گذشتہ حدیث دیکھئے۔

حدیث نمبر ۸۴۹ ﴿قعدہ میں التحیات پڑھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۰۹

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍؓ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلٰى جِبْرَئِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ لَاتَقُوْلُوْا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ اِذَا قَالَ ذَالِكَ اَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهٗ اِلَيْهِ فَيَدْعُوْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ".

حواله: بخاری ص ۹۲۰ ج ۲، باب السلام اسم من اسماء الله تعالیٰ، كتاب الاستئذان، حديث نمبر ۶۲۳۰، مسلم ص نمبر ۱۷۳ ج ۱، باب التشهد فی الصلاة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۴۰۲۰۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہم (قعدہ میں) یہ پڑھتے تھے "السلام علی الله قبل عباده، السلام علی جبرئیل السلام علی میکائیل، السلام علی فلان" اللہ تعالیٰ پر سلام ہو اس کے بندوں پر سلام سے پہلے، جبرئیلؑ پر سلام ہو، میکائیلؑ پر سلام ہو اور فلاں پر سلام ہو، رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) جب نماز سے فارغ ہوئے، تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اللہ پر سلام ہو مت کہو، کیوں کہ اللہ تو خود ہی سلام ہیں، چنانچہ تم میں سے جب کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو یہ کہے "التحيات لله الخ" تمام فعلی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں و برکاتیں آپ ﷺ پر نازل ہوں اور ہم پر بھی اور تمام اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو کیونکہ جو شخص یہ کلمات کہتا ہے تو اس کی برکت زمین و آسمان میں ہر نیک شخص کو پہنچتی ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں میں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں" پھر فرمایا کہ اس کے بعد بندہ کو جو دعاء اچھی لگے اس کو اختیار کرلے اور اللہ سے مانگے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ صحابہ شروع میں اللہ پر سلام بھیجتے تھے، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور یہ بات سمجھائی کہ اللہ تعالیٰ خود ہی سلام ہیں، تمام سلامتیں اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوتی ہیں، اسکی ذات کو کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ بھی نہیں اس وجہ سے اس پر سلامتی بھیجنا بے مقصد ہے، پھر آپ ﷺ نے قعدہ میں پڑھی جانے والی دعاء سکھائی، یہی وہ دعاء ہے جو شب معراج میں رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ اور جبرئیل امین سے صادر ہوئی تھی، آپ ﷺ نے صحابہ کو یہ دعاء سکھائی اور اس کا فائدہ بتا کر اس بات کی تلقین بھی فرمائی کہ اس کے بعد بندہ کو اپنے حسب حال دعا کرنا چاہئے، مذکورہ دعا ہر قعدہ میں پڑھی جانی چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح

صلینا مع النبی: معراج سے پہلے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنا مراد ہے "السلام علی اللّٰہ" اللہ کے ہر نقص سے محفوظ ہونے اعتراف ہے، السلام علی فلان: یعنی فرشتوں میں سے کسی فرشتہ پر یا نبیوں میں سے کسی نبی پر مراد یہ ہے کہ مذکورہ کلمات التحیات کے عوض میں پڑھتے تھے، فلما انصرف: نماز سے فارغ ہوئے، اور ایک قول ہے کہ آپ جب معراج سے تشریف لائے، لاتقولوا السلام: اللہ پر سلام مت پڑھو کیوں کہ اللہ تعالیٰ پر سلام پڑھنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کے لئے اس بات کی دعاء کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام آفات، تمام ناپسندیدہ چیزوں اور عذاب سے محفوظ رہیں، حالانکہ اللہ کے حق میں اس قسم کی دعاء کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی بندہ کو سلامتی عطاء فرماتے ہیں اور جو بات دعاء میں منقول ہے، "اللّٰھم انت السلام: تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سلامتی آپ کے ساتھ ہے کوئی اور سلامتی دینے والی ذات نہیں ہے، و منك السلام: یعنی سلامتی اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل ہوتی ہے اللہ کے علاوہ سے حاصل نہیں ہوتی، و الیك السلام: آپ کے علاوہ سے جو سلامتی صادر ہوتی ہے وہ صرف ظاہری سلامتی ہوتی ہے حقیقت اور انجام کے اعتبار سے وہ بھی آپ ﷺ ہی کی طرف لوٹتی ہے۔

فاذاجلس احدکم فلیقل: یہیں سے معلوم ہوا کہ تشہد کا پڑھنا واجب ہے، التحیات: "التحیات" سے مراد عبادات قولیہ ہیں "الصلوٰۃ" سے مراد عبادات بدنیہ ہیں، اور "الطیبات: سے مراد عبادات مالیہ ہیں، السلام علیك: ایک مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ پر اللہ کا نام ہو اور زہری کہتے ہیں کہ سلام تسلیم کے معنی میں ہے، جس نے حضور ﷺ پر سلام بھیجا وہ تمام آفات سے محفوظ ہو گیا، حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ "لَمَّا کَانَتْ لَیْلَةٌ بُعِثْتُ مَامَرَرْتُ بِشَجَرٍ وَلَاحَجَرٍ اِلَّاقَالَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ: یعنی شب معراج میں آپ ﷺ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گذرے اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ ﷺ پر سلامتی ہو، ایک دوسری حدیث "اَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اِنِّیْ لَاَ عْرِفُ حَجَراً بِمَکَّةَ کَانَ یُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ وَاِنِّیْ لَاَعْرِفُهُ الْاٰنَ" آپ نے فرمایا کہ مکہ میں ایک پتھر تھا، جو میری بعثت سے قبل ہی مجھ کو سلام کرتا تھا، میں اس پتھر کو اب بھی جانتا ہوں، کل عبد صالح: صالح وہ کہلائے گا جو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کما حقہ اداء کرنے والا ہو ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر ایک مسلمان ہے، ابن مالک نے روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ معراج میں تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف ان کلمات سے کی (اَلتحیات للّٰہ و الصلوات و الطیبات) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا السلام علیك ایھا النبی و رحمة اللّٰہ و برکاته" آپ نے فرمایا "علینا و علی عباد اللّٰہ الصالحین" جبرئیل علیہ السلام نے کہا "اشھد ان لااله الا اللّٰہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسوله" یہیں سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ "السلام علیك" یہ خطاب کے صیغہ کے ساتھ سلامتی بھیجی جاتی ہے وہ درحقیقت مسلمانوں کی معراج یعنی نماز کے اخیر میں رسول اللہ ﷺ کی معراج کا بطور حکایت ذکر ہے۔ (تلخیص مرقات ص ۳۳۰، ۳۳۱ ج ۲)

سوال: السلام علیك ایھا النبی: میں کلام کا سیاق وسباق تو اس بات کا تقاضہ کر رہا ہے کہ یہاں حاضر کا صیغہ نہ ہو بلکہ غائب کا صیغہ ہو پھر حضور ﷺ سامنے موجود بھی نہیں تو خطاب سے سلام کیوں بھیجا جاتا ہے۔

جواب: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جس لفظ کے ذریعہ صحابہ کو تعلیم دیتے تھے ہم اسکے مکلف ہیں حضور ﷺ کی تعلیم میں یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں لہٰذا ہم اسی کے مکلف ہیں۔

﴿تشھد کے بارے میں اختلاف ائمه﴾

اصل میں تشہد کے الفاظ مختلف وارد ہوئے ہیں، لہٰذا کون سا تشہد پڑھا جائے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف صرف

اولیت میں ہے، جواز وعدم جواز میں نہیں ہے، لہٰذا جون سا تشہد پڑھ لیا جائے کافی ہوگا اب ہم تشہد کے کلمات نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عمرؓ سے ایک تشہد یوں مروی ہے "اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ الخ" (مؤطا امام مالک) امام مالکؒ اسی تشہد عمرؓ کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کو افضل بتاتے ہیں یہ تشہد عمرؓ دوسرے کلمات سے بھی منقول ہے، مثلاً یہ کلمات بھی منقول ہیں "اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ"۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ سے ایک تشہد یوں منقول ہے "التحیات" اس تشہد کو امام شافعیؒ افضل قرار دیتے ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک تشہد منقول ہے یہ وہی تشہد ہے جو حدیث باب میں موجود ہے اور اس کو ہم لوگ نمازوں میں پڑھتے ہیں اس تشہد کو امام ابوحنیفہؒ اور ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ افضل قرار دیتے ہیں۔

تشہد ابن مسعودؓ کی وجوہ ترجیح: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کی وجوہ ترجیح کثیر ہیں ہم چند نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کو نقل کرنے والے رواۃ ایک طرح کے الفاظ پر متفق ہیں، جب کہ دیگر صحابہ کے تشہد کو نقل کرنے والے رواۃ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد میں امر کا صیغہ ہے۔

(۳) حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والے تشہد کو سکھانے کے لئے حضرت عبداللہ کو متعین کیا تھا جب کہ دیگر تشہدوں کو یہ فضیلت نہیں حاصل ہے۔

(۴) یہ تشہد وہ ہے جو آپ ﷺ کو معراج کے موقعہ پر عطا ہوا جس کی تفصیل گذشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔

حدیث نمبر ۸۵۰ ﴿حضور ﷺ کا تشہد سکھانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۱۰

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ فَكَانَ يَقُوْلُ التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَمْ اَجِدْ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ اَلِفٍ وَلَامٍ وَلٰكِنْ رَوَاهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ۔

حوالہ: مسلم ص نمبر ۱۷۴ ج ۱، باب التشهد فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۰۳، ترمذی ص ۲۵ ج ۱، باب ماجاء فی التشهد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۲۹۰.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اس طرح تشہد سکھاتے تھے، جیسے قرآن کریم کی سورت سکھاتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ فرماتے تھے "التحیات للّٰہ الخ" تمام بابرکت جانی ومالی عبادتیں اللہ ہی کیلئے ہیں، آپ ﷺ پر سلام ہو اے نبی ﷺ، اور اللہ کی رحمت وبرکت ہو، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں (مسلم) صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ میں نے صحیحین میں اور جمع بین الصحیحین میں "سلام علیك" اور "سلام علینا" بغیر الف لام کے نہیں پایا لیکن اس کو ترمذی سے صاحب جامع الاصول نے نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں وہ تشہد مذکور ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تشہد کو شوافع افضل قرار دے کر اسی کو پڑھتے ہیں، حنفیہ عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کو افضل قرار دے کر اسی کو اختیار کرتے ہیں عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کی وجوہ ترجیح سابقہ احادیث میں گذر چکی ہے کچھ فضیلت تشریح کلمات کے تحت دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح یعلمنا التشهد: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تشہد میں یہ بات ہے کہ حضور ﷺ ہمیں قرآن کی سورت کی طرح سکھاتے تھے، جبکہ عبداللہ بن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان تھا کہ اسکو لوگوں کو سکھائے جائیں، نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت "متسلسل باخذ الید" ہے جس سے کثرت اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حمادؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد سکھایا، حمادؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیمؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد کی تعلیم دی، ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت علقمہؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد سکھایا، علقمہؒ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد کی تعلیم دی، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد کی تعلیم دی، مسلسل باخذ الیدان وجوہات ترجیح میں سے ایک وجہ ترجیح ہے جن سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے روایت کردہ تشہد کی فوقیت معلوم ہوتی ہے۔

ولم اجد: مؤلف مشکوۃ نے اس عبارت سے صاحب مصابیح پر اشکال کیا ہے کہ آپ ﷺ نے "سلام علیك" اور "سلام علینا" بغیر الف لام کے نقل کیا ہے اور یہ بخاری و مسلم کسی میں بھی نہیں ہے، لہٰذا اس روایت کو فصل اول میں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۸۵۱ ﴿اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۱۱

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَقَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَّقَ حَلْقَةً ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْبِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ.

حواله: ابوداؤد ص نمبر ۱۳۸ ج ۱، باب کیف الجلوس فی التشهد کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۹۵۷، دارمی ص ۲۶۲ ج ۱، باب صفة الصلاة علی رسول الله صلی الله علیه وسلم، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۳۵۷.

ترجمه: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھتے تو اپنا بایاں پیر بچھالیتے اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ران پر رکھتے اور اپنی داہنی کہنی داہنی ران پر الگ رکھتے اور دونوں انگلیاں بند کر لیتے اور ایک حلقہ بنالیتے پھر اپنی انگلی اٹھاتے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ انگلی کو حرکت دے رہے ہیں۔ (ابوداؤد، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت وائل بن حجرؓ آپ ﷺ کے تشہد میں بیٹھنے اور رانوں پر ہاتھ رکھ کر شہادت کے وقت انگلی سے اشارہ کرنے کے حوالہ سے رسول اللہ کے طریقہ کو ذکر کیا ہے، اس میں آپ ﷺ نے ایک خاص بات ذکر کی ہے کہ تشہد میں شہادتین کی انگلی سے اشارہ کرنے سے پہلے چھوٹی انگلی اور اسکے بعد کی انگلی آپ ﷺ بند کر لیتے انگوٹھے اور درمیانی انگلی سے حلقہ بناتے، سبابہ سے اشارہ کرتے اور اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت دیتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح فرأیته یحرکها: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ اشارہ کے وقت انگلی کو دائیں بائیں حرکت دیتے تھے، یہی مالکیہ کا مذہب بھی ہے، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت نہیں دی جائے گی اس کی تائید اگلی حدیث میں بھی ہو رہی ہے "کان النبی صلی الله علیه وسلم یشیر باصبعه اذا دعا ولا یحرکها" معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے، دونوں حدیثوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ تحریک سے مراد عین اشارہ ہی ہے، کیونکہ بغیر تحریک کے اشارہ ہوگا ہی نہیں، اشارہ کے لئے انگلی اٹھانے اور رکھنے کو تحریک کہا گیا ہے تو جس نے حرکت دینا نقل کیا ہے اس کی مراد یہی اشارہ کے لئے انگلی اٹھانا اور رکھنا لازم ہے اور جس نے حرکت کی نفی کی ہے اس کی مراد اشارہ کرتے وقت انگلی کو دائیں بائیں حرکت دینے کی نفی ہے۔ (والله اعلم)

حدیث نمبر ۸۵۲﴿اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت نہ دینا﴾عالمی حدیث نمبر ۹۱۲

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُ بِاِصْبَعِهٖ اِذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ وَلَايُجَاوِزُ بَصَرُهٗ اِشَارَتَهٗ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۱۴۱ ج ۱،باب الاشارة فی التشهد، کتاب الصلاة،حدیث نمبر ۹۹۰،نسائی ص ۱۴۲ ج ۱، باب بسط الیسریٰ علی الرکبة، کتاب السهو حدیث نمبر ۱۲۶۹.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دعاء کرتے تو انگلی سے اشارہ کرتے ، لیکن انگلی کو ہلاتے نہیں تھے، (ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کی نظر اشارہ سے تجاوز نہ کرتی تھی۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ التحیات پڑھتے وقت کلمہ شہادت کا تلفظ کرتے تو انگلی شہادت اٹھاتے تھے، لیکن اس کو دائیں بائیں حرکت نہیں دیتے تھے، دوسری بات حدیث میں بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ کی نگاہ اس انگلی پر رہتی تھی تا کہ توحید کا مضمون پورے طور پر ذہن میں مستحضر رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یشیر باصبعه اذادعا یحرکھا: عبداللہ بن زبیر کی اس روایت کے مطابق جمہور کا مذہب بھی یہی ہے جمہور کے نزدیک اشارہ کے وقت انگلی کو دائیں بائیں حرکت نہیں دیا جائے گا جیسا کہ گذشتہ حدیث میں بیان بھی کیا گیا ہے، امام مالکؒ گذشتہ حدیث یعنی وائل بن حجرؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت دیا جائے گا، دونوں حدیث میں تطبیق کی یہ شکل بیان ہو چکی ہے کہ تحریک سے مراد عین اشارہ ہے، یعنی انگلی کو اٹھانا اور رکھنا اور عدم تحریک سے مراد عیناً وشمالاً حرکت نہ دینا ہے، ولا یجاوز بصرہ: آپ ﷺ کی نگاہ شہادت کی انگلی پر مرکوز رہتی تھی بعض لوگ اشارہ کے وقت آسمان کی طرف دیکھتے ہیں وہ درست نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۸۵۳﴿اشارہ ایک انگلی سے کیا جائے﴾عالمی حدیث نمبر ۹۱۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ يَدْعُوْ بِاِصْبَعَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِدْ اَحِدْ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ.

حوالہ: ترمذی ۲،باب کتاب الدعوات،حدیث نمبر ۳۵۵۷،نسائی ص ۱۴۲ ج ۱،باب النهی عن الاشارة باصبعین، کتاب السهو، حدیث نمبر ۱۲۷۱.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب تشہد میں اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا ایک انگلی سے اشارہ کرو، ایک انگلی سے اشارہ کرو (ترمذی، نسائی) بیہقی نے دعوات کبیر میں یہ روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ التحیات میں کلمہ شہادت کے تلفظ کے وقت جب اشارہ کیا جاتا ہے تو صرف ایک انگلی مسبحہ سے اشارہ کیا جائیگا دو انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جائے ایک صاحب نے دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔

کلمات حدیث کی تشریح ان رجلا: سعد بن ابی وقاصؓ مراد ہیں، نسائی وابوداؤد کی ایک روایت میں ان کے نام کی صراحت ہے احد ایک انگلی سے اشارہ کرو، وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اشارہ اللہ کی وحدانیت کی طرف ہے، تو اس کو ایک انگلی سے ہی ہونا چاہئے، دونوں انگلیوں سے اشارہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اشارہ نہیں ہو پائے گا اللہ کی ذات کے اعتبار سے بھی اللہ کا کوئی ثانی نہیں ہے صفات کے اعتبار سے بھی اللہ کا کوئی ثانی ہے، شاید اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ”احد احد“ مکرر فرمایا ہے۔

حدیث نمبر ۸۵۴ ﴿قعدہ میں ہاتھ ٹیک کر بیٹھنا منع ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۱۴

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَجْلِسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلٰى يَدِهِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ نَهٰى اَنْ يَعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰى يَدَيْهِ اِذَا نَهَضَ فِي الصَّلَاةِ.

حواله: مسند احمد ص ۱۴۷ ج ۲، ابوداؤد ص ۴۲ ج ۱، باب کراهية الاعتماد علی اليد، کتاب الصلاة، حديث نمبر ۹۹۲.

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھنے سے آدمی کو منع کیا ہے (مسنداحمد، ابوداؤد) اورابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز میں ہاتھ ٹیک کر اٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آدمی جب قعدہ میں بیٹھنے لگے یا قعدہ سے اٹھنے لگے تو اس کو زمین پر ہاتھ نہ ٹیکنا چاہئے بلکہ بغیر ہاتھ ٹیکے بیٹھے اور کھڑا ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح **وهو معتمد عليه:** آپ ﷺ نے ہاتھ ٹیک کر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ قعدہ میں بیٹھتے وقت ہاتھ زمین پر ٹیک کر نہ بیٹھنا چاہئے۔ **اذا نهض فی الصلاة:** قعدہ سے اٹھتے وقت زمین پر ہاتھ ٹیکنے کی بھی آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے، کھڑے ہونے میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا چاہئے، امام صاحب کا یہی مذہب ہے اور دلیل حدیث باب میں ہے اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور حدیث ہے "كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ" امام شافعی کے نزدیک قعدہ سے کھڑے ہوتے وقت زمین پر ہاتھ ٹیکے جائیں گے ان کی دلیل یہ حدیث ہے "رَوَى مَالِكُ بْنُ حُوَيْرِثٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَمَدَ عَلٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاَرْضِ" حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث یا تو بیان جواز پر محمول ہے، یا آپ کے بوڑھاپے کی حالت میں محمول ہے، دونوں روایتوں میں سے ایک کو چھوڑنا اور دوسری پر عمل کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ایک میں تاویل کر لی جائے تاکہ دونوں پر عمل ہو جائے۔ (تلخیص مرقات ص ۳۳۵ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۵۵ ﴿قعدہ اولی میں بیٹھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۱۵

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ كَاَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ حَتّٰى يَقُوْمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حواله: ابوداؤد ص ۱۴۳ ج ۱، باب فی تخفیف القعود، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۹۹۵، ترمذی ص نمبر ۸۵ ج ۱، باب ماجاء فی مقدار القعود، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۳۶۶، نسائی نمبر ۱۲۳ ج ۲ باب التخفیف فی التشهد الاول، حدیث نمبر ۱۱۷۵.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر آپ اپنے جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے گرم پتھر پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ قعدہ اولیٰ میں بہت تھوڑی دیر بیٹھتے یہیں سے معلوم ہوا کہ قعدہ اولیٰ میں صرف التحیات پڑھی جائے گی باقی درود دعاء وغیرہ قعدہ اخیرہ میں پڑھے جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح **فی الرکعتین الاولیین:** حدیث کے اس جزء سے دو مطلب محدثین ذکر کرتے ہیں، (۱) آپ ﷺ قعدہ اولیٰ کو مختصر کرتے تھے اور ایسی جلدی تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہو جاتے جیسے گرم پتھر پر بیٹھے ہیں حاصل یہ نکلا کہ آپ ﷺ صرف التحیات پڑھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، درود دعاء قعدہ میں نہیں پڑھتے تھے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں "رکعتین اولیین" سے مراد پہلی اور تیسری رکعت ہے ایسی صورت میں حاصل یہ نکلے گا کہ آپ ﷺ جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوجاتے، یا تیسری رکعت کے بعد چوتھی کے لئے کھڑے ہوتے، تو ایسی جلدی کھڑے ہوجاتے جیسے گرم پتھر پر ہیں اس مطلب سے جلسہ استراحت کی نفی ہوجائے گی کیونکہ دوسرے سجدے کے بعد پہلی اور تیسری رکعت ہی میں جلسہ استراحت کے بعض لوگ قائل ہیں۔

حدیث نمبر ۸۵٦ ﴿ایک اور "التحیات"﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۱٦

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ، رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حوالہ: نسائی ص ۱۳۲ ج ۱، باب نوع آخر من التشہد، کتاب التطبیق، حدیث نمبر ۱۱۷۵۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسے ہی تشہد سکھایا جیسے کہ قرآن کریم کی سورت ہمیں سکھاتے تھے، (تشہد کے الفاظ یوں ہیں) "باسم اللہ وباللہ الخ" اللہ کے نام سے اور اللہ کی توفیق سے شروع کرتا ہوں، تمام قولی عبادتیں، جانی عبادتیں، مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، سب سلامتی ہو آپ ﷺ پر اے اللہ کے نبی، اور اللہ کی رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ کی برکت ہو، سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں، اللہ سے جنت مانگتا ہوں اور جہنم سے پناہ چاہتا ہوں۔ (نسائی)

خلاصہ حدیث تشہد کے الفاظ کچھ تفاوت کے ساتھ بہت طرق سے آپ ﷺ سے ثابت ہیں لیکن ان تمام میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا روایت کردہ تشہد کئی وجوہات سے راجح ہے، تفصیل گذشتہ احادیث میں گزر چکی ہے، امام ابوحنیفہ کے علاوہ بعض ائمہ نے تشہد ابن عباسؓ کو افضل قرار دیا ہے، حدیث باب کے تشہد کے الفاظ عبداللہ ابن عباسؓ کے تشہد کے بہت قریب ہیں بعض ائمہ نے حضرت عمر بن خطابؓ کے روایت کردہ تشہد کو افضل قرار دیا ہے، تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۸۴۹ دیکھئے۔

کلمات حدیث کی تشریح باسم اللہ وباللہ: ان الفاظ کے روایت کرنے میں حضرت جابرؓ منفرد ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد میں واو کا اضافہ ہے اس تشہد اور اسکے علاوہ جو تشہد بھی ہیں ان میں واو نہیں ہے، واو کا اضافہ تجدید کلام کے لئے ہوتا ہے اس سے تشہد کے ہر کلمہ کی عظمت مستقلاً علیحدہ طور پر ثابت ہو رہی ہے تو عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کی عظمت دیگر تشہدات پر بایں طور بھی ثابت ہوئی۔ (واللہ اعلم)

حدیث نمبر ۸۵۷ ﴿شہادت کی انگلی کا اشارہ شیطان پر سخت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۱۷

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهٖ وَاَتْبَعَهَا بَصَرَهٗ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَهِيَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ. يَعْنِي السَّبَّابَةَ. رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص ۱۱۹ ج ۲۔

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب نماز کے لئے بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ لیتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے، اور اپنی نظر اسی انگلی پر رکھتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یعنی یہ شہادت کی انگلی سے اشارہ شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اگر انسان کفر و شرک کی گمراہی میں پڑا ہوا ہے تو اس کو بے حد مسرت ہوتی ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ بندہ نماز پڑھ رہا ہے اللہ کی وحدانیت کا اعتراف کر رہا ہے اور پھر انگلی کے اشارہ سے اللہ کے علاوہ تمام قوتوں کا انکار کر کے صرف اللہ کو رب تسلیم کر رہا ہے تو یہ بات شیطان کو سخت تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے اور یہ ایسی تکلیف ہے جو تیر و تلوار سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نافع ابن عمر کے مولیٰ ہیں، واتبعها: اشارہ کے وقت نگاہ اشارہ والی انگلی پر رہتی تھی تا کہ مکمل طور پر حضور قلب کے ساتھ معبودان باطلہ کی نفی اور اللہ کی وحدانیت کا اعتراف ہو۔ اشد علی الشیطان من الحدید: یعنی اشارہ بالسبابہ، یعنی توحید کا اقرار یہ لوہے کے وار سے زیادہ شیطان کے حق میں تکلیف دہ ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ اس اشارہ میں جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر کے اللہ کی حمد بیان ہوتی ہے وہیں شیطان کی مذمت بھی ہوتی ہے یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زبان کا زخم نیزہ اور برچھی کے زخم سے زیادہ کاری ہوتی ہے کیا ہی خوب کہا کہنے والے نے:

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ ☆ وَلَا يَلْتَامُ مَاجَرَحَ اللِّسَانُ

چھری کا تیر کا تلوار کا زخم تو بھرا ☆ لگا جو زخم زباں کا رہا ہمیشہ ہرا

(مرقات ص نمبر ۲۳۶ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۵۸ ﴿التحیات آہستہ پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۱۸

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ مِنَ السُّنَّةِ اِخْفَاءُ التَّشَهُّدِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ابوداؤد ج ۱، باب اخفاء التشهد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۹۸۶، ترمذی ص نمبر ۶۵ ج ۱، باب ما جاء انه يخفى التشهد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۲۹۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ تشہد آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے (ابوداؤد، ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ بات کہی ہے کہ التحیات آہستہ سے پڑھنا سنت ہے محدثین نے یہ بات لکھی ہے کہ جب کوئی صحابی "السنة كذا" "من السنة كذا" کہیں تو وہ حدیث حکم میں مرفوع کے ہوتی ہے یعنی یہ اس صورت کے مانند ہے جس میں "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" کے ذریعہ کوئی بات کہی گئی ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح من السنة اخفاء التشهد: سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تشہد آہستہ آہستہ پڑھا جائے گا، لہٰذا یہ اجماعی مسئلہ ہے، اس پر تفصیلی کلام کی حاجت نہیں ہے ایک وضاحت ضروری ہے کہ اگر کسی نے بھولے سے جہراً تشہد پڑھا تو اس پر سجدہ سہو لازم نہ ہوگا، اس وجہ سے کہ "مایخافت به" کے سہواً جہر سے پڑھنے سے سجدہ کا لازم ہونا قرأت قرآن کے ساتھ خاص ہے دوسرے اذکار و ادعیہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلها

﴿نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور اس کی فضیلت کا بیان﴾

اس باب کے تحت وہ احادیث ہیں جنمیں درود شریف مذکور ہے نیز وہ احادیث بھی ہیں جنمیں اللہ کے نبی ﷺ پر درود بھیجنے پر ابھارا گیا ہے درود بھیجنے سے اللہ تعالیٰ انسان کے رتبہ بڑھاتا ہے اور اسکے گناہوں کو معاف کرتا ہے اسلئے درود بھیجنا بھی درحقیقت اپنے نفع کیلئے ہے۔

"صلاۃ" کے معنی دعاء کے ہیں، صلاة على النبى صلى الله عليه وسلم" سے مراد حضور اکرم ﷺ کے لئے ایسی رحمت طلب کرنا جو دونوں جہاں کی بھلائی پر مشتمل ہو اس کو مختصراً درود بھی کہتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" یہاں پر امر کا صیغہ ہے اسی وجہ سے جمہور امت نے کہا کہ پوری عمر میں ایک دفعہ درود بھیجنا فرض ہے نماز میں امام صاحب کے نزدیک درود مسنون ہے، بعض ائمہ نے کہا جب آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آئے تب درود بھیجنا مستحب ہے، درود شریف کے فضائل کے متعلق اگلے صفحات میں بہت سی حدیثیں مذکور ہیں ان ہی میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "من صلى على واحدة صلى الله عليه عشر صلوات وحطت عنه عشر خطيئات ورفعت له عشر درجات" رواه النسائى، آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میرے اوپر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اس کی دس غلطیاں معاف کر دیتا ہے اور اس کے دس درجہ بلند کرتا ہے۔ (نسائی)

الفصل الاول

حدیث نمبر ۸۵۹ ﴿حضور ﷺ پر درود بھیجنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۱۹

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِى لَيْلٰى قَالَ لَقِيَنِىْ كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ اَلَا اُهْدِىْ لَكَ هَدِيَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰى فَاَهْدِهَا لِى فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلِ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ مُسْلِمًا لَمْ يَذْكُرْ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فِى الْمَوْضِعَيْنِ.

حوالہ: بخارى، ص ٤٧٧ ج ١، باب كتاب الانبياء، حديث نمبر ٣٣٧٠، مسلم ص ١٧٥ ج ١، باب الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم بعد التشهد، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٤٠٦.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ میری ملاقات کعب بن عجرہؓ سے ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں تم کو ایک ایسا ہدیہ نہ دوں جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں! مجھے ضرور ہدیہ دیجئے تو کعبؓ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سوال عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ سب اہل بیت پر ہم درود کیسے بھیجیں؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو یہ سکھلا دیا ہے کہ ہم آپ ﷺ پر سلام کیسے بھیجیں، تو اللہ کے نبی ﷺ نے کہا کہ تم یوں کہو "اللّٰهم صلّ على محمد الخ" اے اللہ رحمت نازل فرما محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر جیسا کہ رحمت نازل فرمائی آپ نے ابراہیم پر اور ابراہیمؑ کی آل پر بے شک آپ بزرگ اور برتر ہیں، اے اللہ برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر جیسا کہ برکت نازل فرمائی آپ نے ابراہیم اور ابراہیم کی آل پر، بے شک آپ بزرگ اور برتر ہیں۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجو، اللہ نے اپنے نبی کے ذریعہ سے پہلے ہی امت کو سکھا دیا کہ سلام اس طرح بھیجو لیکن درود نہیں سکھایا تھا، اسی وجہ سے صحابہ نے آکر عرض کیا ہمیں درود بھیجنے کا طریقہ سکھا دیجئے، آپ ﷺ نے صحابہ کو درود بھی سکھا دی، درود کے الفاظ متن میں موجود ہیں، ترجمہ سطور بالا میں گذر چکا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فان الله قد علمنا: یعنی آپ کے واسطے سے التحیات میں پڑھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلام تو سکھا دیا لیکن درود کیسے بھیجیں یہ ہمیں نہیں معلوم، صحابہ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں

"یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً" فرما کر ہمیں آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم کیا ہے، اور آپ کے ذریعہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجنے کا طریقہ بتادیا، لیکن درود بھیجنے کا طریقہ ہمیں ابھی تک نہیں معلوم وعلی آل محمد: حضور ﷺ کی آل سے مراد وہ ہیں جن کے لئے زکوٰۃ لینا حرام ہے، مثلاً بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب ایک قول یہ ہے کہ ہر متقی آپ کی آل میں داخل ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ آل سے تمام امت اجابت مراد ہے، کماصلیت: تمام نبیوں کو چھوڑ کر ابراھیم کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کے دادا ہیں، حضور ﷺ آپ ہی کے نسل سے تھے اور ہم کو اصول دین یا توحید مطلق میں انہی کی اتباع کا حکم ملا ہے، وعلی آل ابراھیم: مراد اسمٰعیل واسحاق اور ان کی اولاد احفاد ہیں۔

اشکال: یہاں پر یہ مشہور اشکال ہے کہ عربی قواعد کی رو سے مشبہ بہ مشبہ سے افضل ہوتا ہے جب کہ حدیث باب میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے آل کو مشبہ بہ اور حضور ﷺ کو اور ان کی آل کو مشبہ قرار دیا ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ حضور ﷺ سے افضل ہیں۔

جواب: اس اشکال کے بہت سے جواب دیے گئے ہیں، ان میں سے دو یہاں ذکر کئے جاتے ہیں، (۱) یہاں اصل صلاۃ کے اعتبار سے تشبیہ ہے، نہ کہ قدر صلاۃ کے اعتبار سے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" یہاں تشبیہ نفس صوم میں ہے، قدر صوم میں نہیں ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ اس سے حضرت ابراہیمؑ کی حضور پر فوقیت ثابت نہیں ہوئی۔

(۲) بسا اوقات اعلیٰ کو ادنیٰ سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے یعنی جس عربی قاعدہ کو مدار بنا کر اشکال ہوا تھا وہ قاعدہ ہی کلی نہیں ہے کبھی کبھی تشبیہ دی جاتی ہے یعنی جس عربی قاعدہ کو مدار بنا کر اشکال ہوا تھا وہ قاعدہ ہی کلی نہیں ہے، کبھی کبھی مشبہ مشبہ بہ سے افضل ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ" اللہ کے نور کو مشبہ اور نور مشکوٰۃ کو مشبہ بہ قرار دیا گیا ہے، جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کے نور کو مشکوٰۃ کے نور سے فضیلت میں کوئی تناسب نہیں ہے، معلوم ہوا کہ کبھی کبھی مشبہ مشبہ بہ سے افضل ہوتا ہے، اسی طرح حدیث میں بھی حضرت ابراہیمؑ اگرچہ مشبہ بہ ہیں لیکن حضور ﷺ سے افضل نہیں ہیں۔

سوال: درود پڑھنا فرض ہے واجب ہے یا مستحب؟

جواب: حنفیہ کے نزدیک نماز میں درود پڑھنا سنت ہے امام شافعیؒ فرض قرار دیتے ہیں، حنفیہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے لوگوں کو مکمل طور پر نماز کی تعلیم دی ہے، لیکن درود کا تذکرہ نہیں کیا ہے اگر نماز میں درود پڑھنا فرض ہوتا تو حضور ﷺ اس کی بھی تعلیم دیتے، البتہ جس محفل میں حضور کا نام نامی اسم گرامی آئے، اس محفل میں حضور ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔

حدیث نمبر ۸۶۰ ﴿درود میں حضورؐ کی ازواج کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۲۰

وَعَنْ اَبِیْ حُمَيْدِ نِ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نُصَلِّیْ عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص ۹۴۱ ج ۱، باب هل يصلی علی غير النبی ﷺ، کتاب الدعوات، حديث ۶۳۶۰، مسلم ص ۱۷۵ ج ۱، باب الصلاة علی النبیؐ کتاب الصلاة، حديث نمبر ۴۰۷.

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ درود کیسے بھیجیں؟ آپ نے فرمایا یوں کہو "اللهم صل علی محمد الخ" اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے آپ پر اور آپ کی ازواج پر اور آپ کی ذریت پر جیسا کہ رحمت نازل فرمائی ابراہیمؑ پر، اور برکت نازل فرمائے محمد ﷺ پر، اور آپ ﷺ کی ازواج پر آپ ﷺ کی ذریت پر جیسا کہ

برکت نازل فرمائی آپ نے ابراہیم پر بے شک آپ بزرگ اور برتر ہیں۔

خلاصہ حدیث صحابہ نے آپ ﷺ سے درود بھیجنے کا طریقہ معلوم کیا ہے، آپ نے مختلف اوقات میں مختلف الفاظ سے درود سکھایا ہے، کسی میں صراحت کے ساتھ ازواج مطہرات کا ذکر ہے، کسی میں نہیں جیسا کہ حدیث باب میں صراحت کے ساتھ ازواج مطہرات کا ذکر ہے، گذشتہ حدیث میں صراحتاً ازواج مطہرات کا ذکر نہیں تھا، محدثین لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص گذشتہ حدیث میں موجود درود پڑھتا ہے تو وہ درود سب کو کفایت کرے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح کیف نصلی: صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت ''ان اللہ وملائکته یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً'' نازل ہوئی تو صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ''السلام علیك'' ہم نے سیکھ لیا ہے وہ کیا ہے تو آپ ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے بارے میں؟ فقال رسول اللہ'' آپ ﷺ نے حدیث میں موجود درود کے کلمات سکھائے، درود کے کلمات میں الفاظ مختلف ہیں لیکن جس درود میں ''کما ترحمت'' کے الفاظ ہیں وہ درجہ صحت کو نہیں پہنچتے، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں تکلف وتواضع کے معنی ہیں اور ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے بہتر نہیں۔

صاحب مرقات نے اسی حدیث کے تحت یہ بات بھی لکھی ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ کیلئے ابتداء صلاۃ یعنی درود بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے اس وجہ سے کہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے ہم کو اس سے منع کیا گیا ہے، ابو محمد جوینی کہتے ہیں کہ سلام بھی صلاۃ کے مانند ہے، انبیاء اور فرشتوں کے علاوہ کیلئے درست نہیں ہے البتہ انبیاء اور فرشتوں کے تابع کر کے دوسروں کیلئے بھی گنجائش ہے۔ (مرقات ص ۳۴۰ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۶۱ ﴿درود بھیجنے کی برکت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۲۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم ص ۱۷۵ ج ۱، باب الصلاۃ علی النبی بعد التشهد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۰۸.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے اوپر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں درود شریف پڑھنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے گا تو وہ درحقیقت اپنے لئے اللہ کی رحمت جمع کرے گا اور ایک بار درود بھیجنے کا ثواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ درود بھیجنے والے پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے اسی وجہ سے آقا ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو میرا نام سن کر میرے اوپر درود نہ بھیجے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلی اللہ علیه: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا'' جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے لہٰذا جو ایک بار محمد ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے یہ ادنیٰ درجہ ہے، اس سے بہت زیادہ اللہ نوازتا ہے، اور اس کی کوئی حد نہیں ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۸۶۲ ﴿درود کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۲۲

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ.

حواله: نسائی ص نمبر ۱۴۵ ج ۱، باب الفضل فی الصلاۃ علی النبی، کتاب السهو، حدیث نمبر ۱۲۹۶.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوشخص میرے اوپر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس شخص پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کی دس خطائیں معاف فرمائے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔(نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی درود پڑھنے کی فضیلت و برکت معلوم ہورہی ہے کہ یہ چھوٹا سا عمل اپنے اندر کتنی رحمتیں و برکتیں سمیٹے ہوئے ہے، محض ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود بھیجنے والے کو اللہ تعالیٰ اس طور پر نوازتے ہیں کہ اپنی دس رحمتیں اس پر نازل فرماتے ہیں اس کی دس غلطیاں محو کردیتے ہیں اور اسکے دس درجے بلند کردیتے ہیں: وذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

کلمات حدیث کی تشریح صلى الله: اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندہ پر صلاۃ کا مطلب اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت کا نازل ہونا ہے، اور بندہ کی جانب رسول اللہ کے لئے صلاۃ بھیجنے کا مطلب آپ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ سے تعظیم کا طلب کرنا ہے۔

حديث نمبر ٨٦٣﴿آخرت میں درود بھیجنے کا مقام﴾عالمی حدیث نمبر٩٢٣

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص ١١٠ ج ١، باب ماجاء فی فضل الصلاة على النبی صلى الله عليه وسلم، كتاب الوتر، حديث ٤٨٤.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ وہ شخص قریب ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والا ہوگا۔(ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی درود کی اہمیت معلوم ہورہی ہے کہ یہ مبارک عمل ہے جو رحمت خداوندی کے متوجہ ہونے کا سبب تو ہے ہی ساتھ میں اس کی کثرت کی بناء پر آخرت میں قرب بھی حاصل ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح اولیٰ الناس: یعنی لوگوں میں میرے سب سے زیادہ قریب اومیری شفاعت کے مستحق وہ لوگ ہیں جو کثرت سے میرے اوپر درود بھیجتے ہوں گے، درود کی کثرت آپ ﷺ کی تعظیم کی بنیاد بنتی ہے اور تعظیم تقاضا کرتا ہے اتباع کا اور آپ کی اتباع یہ آپ ﷺ کی محبت پیدا کرتی ہے اور آپ ﷺ سے محبت پیدا کرنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اور اسکے گناہ کو معاف کرتا ہے ارشاد ربانی ہے "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ"

ابن حبان کہتے ہیں کہ قیامت میں آپ ﷺ کا قرب سب سے زیادہ محدثین کو میسر آئے گا اس وجہ سے کہ اس امت میں ان سے زیادہ کثرت سے کوئی درود پڑھنے والا نہیں ہے۔(مرقات ص نمبر ٣٤٠ ج ٢)

حديث نمبر ٨٦٤﴿حضور ﷺ تک سلام پہنچتا ھے﴾عالمی حدیث نمبر ٩٢٤

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِّيْ مِنْ اُمَّتِي السَّلَامَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: نسائی ص ١٤٣ ج ١، باب السلام على النبي، كتاب السهو، حديث نمبر ١٢٨١، دارمی ص ٤٠٩ ج ٢، باب فی فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، كتاب الرقاق، حديث ٢٧٧٤.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے فرشتے جو زمین پر پھرا کرتے ہیں وہ مجھ تک میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔(نسائی، دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو امتی بھی آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتے مقرر ہیں وہ فرشتے سلام لے جا کر آپ ﷺ کو پہنچاتے ہیں آپ ﷺ اس سلام بھیجنے والے سے خوش ہوتے ہیں اور آپ اس کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اِنَّ لِلّٰہِ: یعنی ملائکہ کی ایک جماعت ہے جو زمین میں پھرا کرتی ہے: یبلغونی: یعنی جو حضور اکرم ﷺ تک امت کے سلام پہنچاتے ہیں، امتی السلام: یہ فرشتے قلیل و کثیر تمام سلاموں کو پہنچاتے ہیں، یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ فرشتے ان لوگوں کے سلام پہنچاتے ہیں جو روضۂ اقدس سے دور رہ کر سلام بھیجتے ہیں، جو کوئی روضہ اقدس کے قریب سے حضور ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو حضور ﷺ اس کو خود سنتے ہیں، فرشتوں کے حضور ﷺ تک پہنچانے کی حاجت نہیں رہتی ہے یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ اپنے روضہ میں حیات ہیں، اور حضور ﷺ کو حیات دائمی حاصل ہے۔

حضور کو جب امت کا سلام پہنچتا ہے تو حضور ﷺ خوش ہوتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ آگے حدیث میں یہ بات منقول ہے۔(مرقات ص ۳۴۱ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۶۵ ﴿آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۲۵

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ۔

حواله: ابوداؤد ص نمبر ۲۷۹ ج ۱، باب زیارۃ القبور، کتاب المناسك، حدیث نمبر ۲۰۴۱۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب کوئی شخص میرے اوپر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹاتے ہیں اور پھر میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (ابوداؤد، بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیا ہے)۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ یوں تو آپ ﷺ کو حیات حاصل ہے ہی اور آپ ﷺ اپنے روضہ میں زندہ ہیں، لیکن جب کوئی آپ ﷺ کو سلام کرتا ہے، تو خاص طور سے آپ کو اس سلام کی طرف متوجہ فرمایا جاتا ہے، اسی کو آپ ﷺ نے اس سے تعبیر کیا ہے کہ میری روح لوٹائی جاتی ہے، پھر آپ ﷺ تمام سلام بھیجنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح مَامن احد یسلم علی الا رد اللّٰہ: کوئی شخص بھی قبر پر حاضر ہو کر مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو میں اس کے سلام کو سنتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے میری روح لوٹا دی ہے اس وجہ سے میں ہر سلام کرنے والا کا بنفس نفیس جواب بھی دیتا ہوں۔

﴿رد روح پر اشکال اور جواب﴾

اشکال: انبیاء کرام کی حیات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جب کہ حدیث باب سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ جب بندہ حضور ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تب حضور ﷺ کی روح لوٹائی جاتی ہے تو روح کے جسم کی طرف لوٹانے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ روح جسم سے جدا رہتی ہے، یعنی حضور ﷺ حیات نہیں ہیں، سلام پڑھنے کے وقت جسم کا روح سے تعلق جوڑا جاتا ہے یہ چیز بہت سی احادیث کے خلاف ہے، کیونکہ کثرت دلائل سے حیات انبیاء ثابت ہے۔

جواب: (۱) حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں اس کا جواب نقل فرمایا ہے کہ ”آپ کی روح تجلیات ربانیہ اور معارف الٰہیہ کی طرف توجہ رہتی ہے جب کوئی آپ کا امتی آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو جواب دینے کے لئے امت کی طرف

متوجہ فرمادیتے ہیں اس کو ’’رد روح‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔

(۲) بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ بمنزلہ سونے والے کے آرام فرما رہے ہیں اور جس طرح سونے والا بات کرنے والے کی بات اس وقت سنتا ہے جب تک وہ بیدار ہوتا ہے اسی طرح آپ ﷺ سلام کرنے والے کے سلام کو اس وقت تک سنتے ہیں جب تک متوجہ ہوتے ہیں اسی متوجہ ہونے اور تیقظ کو ’’رد روح‘‘ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) کلام عرب میں یہ بات بہت عام ہے کہ شرط کی جزاء کو حذف کر کے علت کو قائم مقام کر دیتے ہیں قرآن مجید میں اس قاعدہ کی بہت سی مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فان کذبوك فقد کذب رسل من قبلك" (اگر انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں) اس آیت میں "فان کذبوك" جو کہ شرط ہے، اس شرط جزاء کی علت ہے جس کو جزاء کے قائم مقام کر دیا ہے، اس طرح کا معاملہ حدیث باب میں بھی ہے کہ یہاں اصل علت یہ ہے، ’’مامن احد یسلم علی الا ارد علیه السلام لان الله قد رد علی روحی‘‘ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں، اس وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے روح کو مجھ کو لوٹا رکھا ہے اور آگے حدیث کا جزء ہے، ’’حتی ارد علیه السلام‘‘ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسی سبب سے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (تلخیص بذل المجهود، والدر المنضود)

حدیث نمبر ٨٦٦ ﴿درود بھیجنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ٩٢٦

وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُوْراً وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِيْ عِيْداً وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حواله: ابو داؤد ص نمبر ۲۷۹ ج، باب زیارة القبور، کتاب المناسك، حدیث نمبر ۲۰۴۲.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ’’اپنے گھر کو قبر مت بناؤ اور میری قبر کو عید مت بناؤ اور میرے اوپر درود بھیجو، تم جہاں کہیں بھی ہوگے تمہارا درود مجھ تک پہونچے گا‘‘۔ (نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنی امت کو تین ہدایتیں دی ہیں، (۱) گھروں کو قبرستان مت بناؤ، یعنی گھروں میں مردوں کو مت دفن کرو، (۲) میری قبر کو عید مت بناؤ یعنی وہاں پر لہو ولعب کے کام اور میلہ اور ٹھیلہ کے کام مت کرو۔ (۳) کثرت سے درود بھیجو یہ خیال کر کے کہ ہم حضور ﷺ کے روضہ سے دور ہیں، میرا اسلام حضورؐ تک نہیں پہونچے گا تم درود بھیجنا ترک مت کرو تم دنیا کے جس گوشے سے بھی درود بھیجو گے وہ مجھ تک پہونچے گا۔

لا تجعلوا بیوتکم قبوراً: اپنے گھروں کو قبر مت بناؤ حدیث کے اس جزء کی مختلف توجیہ بیان کی گئی ہے ایک توجیہ تو وہی ہے جس کو خلاصہ میں بیان کیا گیا کہ گھروں میں مردوں کو دفن مت کرو، ابوداؤد شریف کتاب الصلاۃ کے تحت ایک حدیث ہے حدیث باب کا یہ جزء موجود ہے، اس جزء سے پہلے حدیث کے الفاظ ہیں ’’اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم‘‘ یعنی بعض نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو، تو اب اس جزء کو سامنے رکھ کر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنے گھروں میں مردوں کو دفن کر کے مقبرہ مت بناؤ کیونکہ گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، اور قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

سوال: جب گھروں میں قبریں بنانا مکروہ ہے تو حضور ﷺ کو آپ کے گھر میں کیوں دفن کیا گیا؟

جواب: حضور ﷺ کو آپ ہی کے گھر میں دفن کرنا یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے، دوسروں کیلئے اس پر عمل کرنا ناجائز ہے۔

(۲) باب کے اس جزء ’’لاتجعلوا بیوتکم بیوتکم‘‘ کی دوسری توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ اپنے گھروں میں کسی بھی قسم کی نماز کی

ادائیگی نہ کر کے اس کو قبرستان کے مانند مت بناؤ، یعنی جس طرح قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی اسی طرح نماز نہ پڑھ کر اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، سنن ونوافل گھر میں ہی اداء کرو، سنن ونوافل کا گھر میں اداء کرنا مسجد میں ادا کرنے سے بہتر ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے، البتہ اگر گھر میں نماز پڑھنے سے سنن ونوافل کے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو پھر سنن ونوافل مسجد ہی میں ادا کرنا بہتر ہے، لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی گھر میں بھی نماز کا اہتمام کرتے رہنا چاہئے تاکہ گھر قبرستان نہ بنے۔

و لاتجعلوا قبری عیدا: اس جزء کے بھی کئی مطلب ذکر کیے جاتے ہیں، (۱) میری قبر کو جشن کی جگہ مت بناؤ کہ وہاں میلہ ٹھیلہ لگانے لگو، یہیں سے اس عمل کی قباحت معلوم ہوئی کہ جو آج کل اولیاء اللہ کی قبروں پر عرس کے نام سے انجام دیا جارہا ہے **"نعوذ باللہ من ذلك"**۔

(۲) بعض حضرات نے قبر کو عید نہ بنانے کا مطلب یہ ذکر کیا ہے کہ استطاعت کے باوجود ایسا نہ کرے کہ صرف سال بھر میں عید کی طرح ایک بار حاضری دو، بلکہ اگر استطاعت ہو تو میری قبر پر حاضری دیتے رہنا۔

وصلوا علی: تم درود ضرور بھیجنا، جہاں کہیں بھی ہوگے تمہارا درود مجھ تک ضرور پہونچے گا، گذشتہ حدیث میں یہ بات گذر چکی ہے کہ بعض فرشتے اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مقرر کر رکھے ہیں جو زمین میں پھرا کرتے ہیں اور کوئی بھی امتی حضور ﷺ پر درود پڑھتا ہے تو اس کو لے کر وہ حضور کی خدمت میں پہنچتے ہیں، اس میں ان لوگوں کے لئے تسلی بھی ہے جو جسمانی اعتبار سے دور ہیں، کہ اگرچہ وہ جسمانی اعتبار سے دور ہیں، لیکن حضور ﷺ کی توجہ ان پر بھی ہے **"اللّٰھم صلی علی محمد النبی وازواجه امھات المؤمنین و ذریته واھل بیته کما صلیت علی ابراھیم انك حمید مجید"**۔

﴿نماز میں درود پڑھنے کا حکم﴾

اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے کیوں کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے **"یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً"** اس میں امر وجوب پہ دلالت کرتا ہے اس لئے درود وسلام پڑھنا فرض ہے لیکن چونکہ امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا ہے، اس لئے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں قعدۂ اخیرہ کے اندر درود شریف پڑھنا فرض ہے یا نہیں۔

امام ابو حنفیه کا مذهب: امام صاحب کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں درود پڑھنا سنت ہے، فرض نہیں ہے۔

دلائل: (۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آپ نے تشہد کی تعلیم دی، اس کے بعد فرمایا **"اذاقلت هذااو فعلت هذافقدتمت صلاتك"** یعنی جب تم نے تشہد پڑھ لیا، یا تشہد کے مقدار بیٹھ لئے تو تمہاری نماز پوری ہوگئی۔

(۲) حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے **"انھما قالا الصلاۃ علی النبی سنة فی الصلاۃ"** نماز میں حضور ﷺ پر درود بھیجنا سنت ہے۔

(۳) آپ نے بہت سے لوگوں کو نماز کی تعلیم سکھائی لیکن ان مواقع پر آپ ﷺ نے درود کا ذکر نہیں کیا، معلوم ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں درود فرض نہیں ہے۔

امام شافعی کا مذهب: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قعدہ اخیرہ میں درود کا پڑھنا فرض ہے۔

دلیل: (۱) **یا ایھاالذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما"** (۲) **لاصلاۃ لمن لم یصل علی فی صلاته"**۔

جواب: قرآن مجید کی آیت کا مطلب گذر چکا، امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا، لہٰذا عمر بھر میں ایک مرتبہ درود پڑھ لینے سے اس حکم کی تعمیل

ہوگئی، ہر نماز میں درود پڑھنے کا حکم اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا، اور نماز میں نفی صلاۃ سے نفی کمال مراد ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔

حدیث نمبر ۸۶۷ ﴿درود نہ بھیجنے والے کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۲۷

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ اِنْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُغْفَرَ لَهُ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهُ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حواله: ترمذی ص ۱۹۴ ج ۲، باب کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۳۴۵.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا تذکرہ ہوا اور اس نے میرے اوپر درود نہیں بھیجا، اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کی زندگی میں رمضان آیا اور اس کی مغفرت کرانے سے پہلے گزر گیا، اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے اس کے والدین نے یا والدین میں سے کسی ایک نے بڑھاپا پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کرایا۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین طرح کے لوگوں کی مذمت کی ہے اور ایک طرح سے ان کے لئے ہلاکت کی بددعا کی ہے، پہلا وہ شخص ہے جس نے آپ ﷺ کا مبارک نام سن کر آپ ﷺ پر درود نہیں بھیجا، یہ شخص انتہائی بخیل اور محروم القسمت ہے؛ کیونکہ ایک طرف درود نہ بھیج کر جہاں اس نے آپ ﷺ سے گہری محبت وعقیدت نہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا، وہیں دوسری طرف درود بھیجنے کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والی رحمتوں سے اعراض کیا، دوسرا شخص وہ ہے، جس نے رمضان کا برکتوں والا مہینہ پایا، لیکن اپنی بدبختی کی بناء پر اس مہینہ کی ناقدری کی، اور اس جہنم سے نجات دلانے والے اور بخشش والے مہینہ میں بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے اپنی مغفرت نہیں کرا سکا، تیسرا شخص وہ ہے، جس نے اپنے بوڑھے والدین کو پایا یا ان میں سے ایک کو پایا، اگر ان کی خدمت کرتا ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا، تو اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کے صلہ میں اس کو جنت عطا کرتے؛ لیکن اس بدبخت نے والدین کی ناقدری کی، اور جنت کے حصول کے اس گراں قدر ذریعہ کو گنوا دیا؛ چنانچہ یہ شخص ذلیل وخوار ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رغم انف رجل اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، یہ ذلیل وخوار ہونے سے کنایہ ہے جس شخص کے سامنے حضور ﷺ کا تذکرہ ہوا، اور اسنے حضور ﷺ پر درود نہیں بھیجا، تو اس نے بہت گھاٹے کا سودا کیا، اس وجہ سے کہ اگر درود بھیجتا تو اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے، اس کے دس درجہ بلند فرماتے اور اس کی دس غلطیاں معاف کر دیتے، لیکن اس نے درود نہ بھیج کر یہ سب گنوا دیا، اس وجہ سے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا یہ ذلیل وخوار ہوا۔

دخل علیه رمضان: مغفرت کا مہینہ رمضان آیا، اس مہینہ کی پہلی ہی رات سے شیطان کو زنجیروں میں کر دیا گیا، جس نے پورے مہینہ یہ آواز لگائی کہ "اے خیر کے متلاشی آگے بڑھ، اور اے برائی کے طالب اپنے قدم پیچھے کر، ان سب چیزوں کے باوجود جس شخص نے اس برکت والے اور مغفرت والے مہینہ کی ناقدری کی اور یہ مہینہ گزر گیا اور یہ شخص مغفرت نہیں کرا سکا تو یہ بھی ذلیل وخوار ہوا۔

ادرك عنده الکبر: والدین کی اطاعت وفرمانبرداری فرض ہے، اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ ہے، خاص طور پر والدین جب بوڑھے ہو جائیں تو ان کی خدمت اور قدم قدم پر ان کی اطاعت لازم وضروری ہے ان کی نافرمانی ودل آزاری کو اشد کبائر میں شمار کیا گیا ہے، اگر کسی شخص نے اپنے والدین کو بوڑھاپے کے عالم میں پایا اور ان کی صحیح معنوں میں خدمت کی، تو وہ مستحق جنت ہو گیا، لیکن وہ شخص ذلیل وخوار ہوا، جس نے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کے عالم میں پایا، پھر ان کی ناقدری کی اور انکے حقوق تلف کئے۔

لم یدخلاه الجنة: اسناد مجازی ہے، اصلاً تو جنت میں داخل کرنیوالی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، والدین کی خدمت دخول جنت کا

سبب ہے، مطلب یہ ہے کہ اسنے والدین کی ایسی خدمت نہیں کی، جسکے نتیجہ میں وہ جنت میں داخل ہوسکتا۔ (مرقات ص نمبر ۳۴۳ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۶۸ ﴿درود بھیجنے پر دس رحمتوں کا نزول﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۲۸

وَعَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم جَاءَ ذَاتَ یَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِیْ وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنَّهٗ جَاءَنِیْ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ یَقُوْلُ اَمَا یُرْضِیْكَ یَا مُحَمَّدُ اَنْ لَا یُصَلِّیْ عَلَیْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَلَیْهِ عَشْرًا وَلَا یُسَلِّمُ عَلَیْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْهِ عَشْرًا رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔

حوالہ: نسائی، ج:۱، باب فضل التسلیم علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کتاب السهو، حدیث نمبر ۱۲۸۴، دارمی، ص نمبر ۴۰۸ ج ۲، باب فی فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کتاب الرقاق، حدیث نمبر ۱۷۷۳۔

ترجمہ: حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن اس حال میں تشریف لائے کہ خوشی آپ ﷺ کے چہرے سے جھلک رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ میرے پاس جبرئیل امین آئے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ کیا آپ اس سے راضی نہیں ہیں کہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو کوئی بھی آپ ﷺ پر درود بھیجے گا، تو اس پر دس رحمتیں نازل کردوں گا اور جو کوئی آپ پر ایک سلام بھیجے گا تو میں اس پر دس سلام بھیجوں گا۔ (نسائی، دارمی)

خلاصہ حدیث چوں کہ آپ ﷺ امت کے حق میں انتہائی شفیق اور بے حد مہربان ہیں، اس وجہ سے امت کے فلاح و بہبود اور اسکے نفع سے متعلق ہر بات میں آپ ﷺ کو بہت مسرت وشادمانی ہوتی تھی؛ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کیلئے درود کے حوالہ سے مذکورہ بالا فیصلہ ہوا، تو اس خوش خبری کے اثرات آپ ﷺ کے چہرے سے بھی ہویدا ہوئی، اور آپ ﷺ نے یہ عظیم خوش خبری صحابہ کو دی اور صحابہ کے واسطہ سے پوری امت کو دی۔

کلمات حدیث کی تشریح ذات یوم، دن کا کوئی حصہ مراد ہے، والبشر یعنی خوشی ومسرت کی علامت آپ ﷺ کے چہرے پر تھیں، فقال صحابہ میں سے کسی نے آپ ﷺ سے سوال کیا تب آپ ﷺ نے فرمایا یا پھر بغیر کسی کے سوال کئے خود ہی آپ ﷺ نے بتایا، یہاں کسی کے پوچھنے کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن دوسری روایت میں ہے کہ فسأله من ذلك یعنی آپ ﷺ کے چہرے پر خوشی وشادمانی کی علامت دیکھ کر کسی صحابی نے اس کی وجہ دریافت کی، تو آپ ﷺ نے اس کی وجہ بتائی۔

جاء نی جبرئیل: جبرئیل امین نے جو بشارت دی وہ درحقیقت امت کے حق میں ہے لیکن امت کی بشارت سے حضور ﷺ کو بھی خوشی ہوئی، حدیث کے دوسرے طرق میں یہ کلمات بھی ہیں کہ "بَشِّرْ اُمَّتَكَ اَنَّهٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیْكَ صَلَاةً الخ" آپ ﷺ اپنی امت کو یہ خوش خبری سنا دیجئے کہ جو کوئی آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے، اس کی دس خطاؤں کو معاف کردیں گے اور اس کے دس درجات بلند فرمائیں گے۔ (مرقات ص نمبر ۳۴۳ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۶۹ ﴿درود سے گناہ جھڑتے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۲۹

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اُكْثِرُ الصَّلَاةَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِیْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَیْرٌ لَكَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَیْرٌ لَكَ قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَیْرٌ لَكَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِیْ كُلَّهَا قَالَ اِذًا یُكْفٰی هَمُّكَ وَیُكَفَّرُ لَكَ ذَنْبُكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ۔

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۷۲ ج ۲، باب کتاب صفة القیامة، حدیث نمبر ۲۴۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں کثرت سے درود پڑھتا

چاہتا ہوں، تو میں نے اپنی دعاء کیوقت میں سے کتنا حصہ آپ ﷺ پر درود بھیجنے کیلئے مقرر کرلوں، آپ ﷺ نے فرمایا جتنا چاہو، میں نے کہا کہ چوتھائی حصہ مقرر کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا چاہو زیادہ مقرر کرلو، تمہارے حق میں بہتر ہے، میں نے کہا آدھا وقت مقرر کرلوں؟ آپ نے فرمایا جتنا چاہو لیکن اگر زیادہ مقرر کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، تو میں نے کہا کہ میں اپنی دعاء کا تمام وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنے کیلئے مقرر کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا تب تو تمہاری پریشانیاں دور ہو جائیں گی اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اصل میں جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں لگا رہتا ہے اور اپنے لئے کچھ مانگنے کی فرصت نہیں نکال پاتا، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بغیر مانگے عطا فرماتا ہے، حضرت ابی ابن کعبؓ نے کچھ وقت دعاء کے لئے مقرر کر رکھا تھا، اس کے کچھ حصہ میں حضور ﷺ پر درود بھیجنا چاہا، آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کتنا وقت درود بھیجنے کے لئے خالص کرلوں؟ آپ ﷺ نے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا، بلکہ یہ بتادیا کہ جتنا زیادہ وقت اس کام میں لگاؤ گے اتنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا، اور دھیرے دھیرے کرکے حضرت ابی ابن کعبؓ نے کل وقت اسی کام میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو آپ ﷺ نے ان کو یہ مژدہ سنایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تکالیف کو دور کردے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا، وجہ وہی تھی کہ حضرت ابیؓ نے اپنے وقت کو ایسے کام میں لگانے کا عزم کیا تھا، جو کام اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اکثر الصلاۃ یعنی میں کثرت سے آپ ﷺ پر درود بھیجنا چاہتا ہوں، صلاتی یہاں صلاۃ سے مراد دعاء ہے، یعنی میں نے جو وقت دعا کے لئے مقرر کیا ہے اس میں سے کتنا وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنے میں صرف کردوں، ما شئت یعنی جتنی مقدار میں تمہارا دل چاہے اتنی مقدار مقرر کرلو، الربع یعنی جو وقت میں نے اپنے نفس کے لئے دعاء کرنے کے واسطہ مقرر کیا ہے اس میں سے چوتھائی وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنے میں صرف کردوں گا، اذا یکفی جب حضرت ابی ابن کعبؓ نے یہ بات کہی کہ میں وہ تمام وقت جو میں نے اپنے نفس کے واسطہ دعاء کرنے کے لئے مقرر کیا تھا، آپ پر درود بھیجنے میں لگاؤں گا، تب آپ ﷺ نے ان کو یہ خوش خبری سنائی کہ دنیاوی واخروی جو بھی تمہاری فکریں ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ دور فرمائیں گے، اور تمہارے گناہ معاف کردیں گے۔

حدیث نمبر ۸۷۰ ﴿نماز کے بعد حمد و ثنا اور درود پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳۰

وعن فَضَالَةَ بنِ عُبَيْدٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَّلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّي اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ اُدْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلَّى رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذَالِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّهَا الْمُصَلِّي اُدْعُ تُجَبْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى اَبُو دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ.

حوالہ: ابو داؤد ص۲۰۸ ج۱، باب الدعاء کتاب الوتر، حدیث نمبر ۱۴۸۱، ترمذی ص۱۸۵ ج۲، باب کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۳۴۷۶، نسائی ص۱۴۴ ج۱، باب التمجید و الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلاۃ کتاب السهو، حدیث نمبر ۱۲۸۳۔

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، کہ ایک شخص آئے اور انہوں نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے دعا مانگی "اللّٰهم اغفرلی وارحمنی" (اے اللہ میری مغفرت فرمائیے، اور مجھ پر رحم فرمائیے) رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا "اے نمازی تونے جلد بازی سے کام لیا جب نماز پڑھو اور بیٹھو تو اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کرو جس کے اللہ تعالیٰ مستحق ہیں، پھر میرے اوپر درود بھیجو، پھر اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگو" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا، تو ان سے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا "اے نمازی تم کو جو دعا مانگنا پسند ہے مانگو تمہاری دعاء قبول ہوگی" (ترمذی) ابوداؤد اور نسائی نے بھی اسی جیسی روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز پڑھنے کے بعد دعاء مانگنا چاہئے، کیونکہ نماز کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے لیکن دعاء مانگنے کا ادب یہ ہے کہ دعاء سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے، اور محمد ﷺ پر درود بھیجا جائے، ایک شخص نے نماز کے بعد دعاء مانگی اور حمد و درود کو چھوڑ دیا، آپ ﷺ نے ان کو تنبیہ فرمائی کہ پہلے اللہ کی حمد، پھر مجھ پر درود بھیجو، اس کے بعد دعاء مانگو، جب کہ ایک دوسرے شخص نے دعاء نہیں مانگی، لیکن حمد اور درود بھیجا، تو آپ نے ان کو دعاء کرنے کی تاکید فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح فقال نماز کے اخیر میں دعا مانگی، یا نماز کے بعد دعا مانگی، عجلت آپ ﷺ نے فرمایا تونے جلد بازی سے کام لیا، وجہ یہ تھی کہ نمازی نے دعاء کی ترتیب کو ترک کر دیا تھا، وسیلہ سے پہلے دعاء پیش کر دیا تھا، صاحب مرقات نے امام زاہدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ درخواست پیش کرنے سے پہلے جس کے پاس درخواست دی جا رہی ہے اس کے نزدیک جو مقرب ہے اور جس کی سفارش اس کے پاس چلتی ہے اس کا وسیلہ لگانے سے درخواست یعنی دعاء جلد قبول ہوتی ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنی امت کو اس ادب کو سکھانے کے لئے فرمایا کہ اللہ کی حمد کے بعد میرا اوپر درود بھیج کر دعا مانگو، تاکہ قبول ہو جائے ثم صلی رجل آخر ممکن ہے کہ یہ دوسرے آنے والے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہوں، جیسا کہ اگلی حدیث سے سمجھ میں بھی آ رہا ہے۔

(مرقات میں ص ۳٤٤ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۷۱ ﴿حمد و ثناء اور درود پڑھنے کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳۱

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّيْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاضِرٌ وَاَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَاْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالىٰ ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهْ سَلْ تُعْطَهْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حواله : ترمذی ص ۱۳۰ ج ۱، باب ما ذکر فی الثناء علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل الدعاء ابواب السفر حدیث نمبر ۵۹۳.

ترجمه : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی کریم ﷺ موجود تھے، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، جب میں بیٹھا تو میں نے اللہ تعالیٰ پر حمد و ثناء کرنی شروع کی، پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا، پھر میں نے اپنے لئے دعاء کی تو آپ ﷺ نے فرمایا مانگو دیئے جاؤ گے، مانگو دیئے جاؤ گے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز کے بعد حمد و ثناء کرنے اور درود شریف پڑھنے کے بعد دعاء مانگی جائے گی تو وہ قبول ہوگی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسی ترتیب سے دعاء مانگی تو آپ نے اپنی مبارک زبان سے بشارت سنائی کہ تم دعا مانگو تمہاری دعاء قبول ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح سل تعطه آپ ﷺ نے یہ کلمات مکرر ارشاد فرمایا، مقصد یا تو تاکید ہے یا تکثیر ہے یعنی دنیا و آخرت دونوں کو طلب کرو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دونوں عطاء فرمائیں گے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۸۷۲ ﴿اہل بیت پر درود بھیجنے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳۲

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْاَوْفٰى اِذَا صَلّٰى عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهِ وَاَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ. رَوَاهُ اَبُو دَاؤدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۴۱ ج ۱، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ بعد التشہد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۹۸۲.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کو مکمل وزن کر کے دیا جائے یعنی بھرپور ثواب ملے تو اسے چاہئے کہ جب ہم اہل بیت پر درود بھیجے تو یہ درود پڑھے "اَللّٰهُمَّ صَلِّ الخ" اے اللہ محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما، جیسا کہ آپ نے حضرت ابرہیم پر رحمت نازل فرمائی، بے شک آپ بزرگ و برتر ہیں۔ (ابو داؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ایک درود مذکور ہے، جس میں آپ ﷺ کے ساتھ صراحت کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات، اہل بیت اور آپ کی آل پر درود بھیجنے کا ذکر ہے، اس درود کے پڑھنے سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح من سرہ، یعنی جس کو اچھے لگے، جس کو پسند ہو، یکتال مطلب یہ ہے کہ حدیث باب میں جو درود مذکور ہے اسکے پڑھنے سے ثواب بہت ملتا ہے، جو چیزیں قلیل ہوتی تھی، اسکو اہل عرب عام طور پر تولتے تھے اور جو زیادہ ہوتی تھیں، اس کو ناپتے تھے، ناپ کے لئے کیل اور تولنے کے لئے وزن کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہاں اس درود پر بہت زیادہ ثواب ملنے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے "یکتال" کا لفظ لائے ہیں۔ الامی ام کی طرف منسوب ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسا ماں کے پیٹ سے آیا تھا ویسا ہی رہے کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا، عام آدمی کے لئے امی ہونا اچھی بات نہیں ہے، لیکن آپ ﷺ کے لئے یہ صفت مدح بن گئی، اس وجہ سے کہ آپ ﷺ امی ہونے کے باوجود جن بلند اخلاق کے حامل اور جن کمالات سے مزین تھے اس کا دوسروں سے تصور بھی نہیں، آپ ﷺ سے امی ہونے کے ساتھ علوم و معارف کا صدور، یہ آپ ﷺ کا کھلا ہوا معجزہ تھا۔

حدیث نمبر ۸۷۳ ﴿درود نہ بھیجنے والا بخیل ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳۳

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی، ص ۱۹۴ ج ۲، باب قول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رغم انف رجلٍ، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۳۵۴۶، مسند احمد ص ۲۰۱ ج ۱.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بخیل وہ شخص ہے کہ جسکے سامنے میرا تذکرہ ہوا اور اس نے میرے اوپر درود نہیں بھیجا (ترمذی) اس حدیث کو احمدؒ نے حضرت حسین بن علیؓ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

خلاصہ حدیث عام طور پر جو شخص مال میں بخل کرتا ہے، اس کو بخیل سمجھا جاتا ہے، آپ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ بڑا بخیل وہ ہے جو اپنی سستی و غفلت کی بناء پر میرا تذکرہ سننے کے باوجود میرے اوپر درود نہ بھیجے، آپ ﷺ کا امت کے اوپر جو عظیم احسان ہے، اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہمہ وقت آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے سے زبان تر رہے لیکن اگر یہ نہیں کیا جا سکتا، تو کم از کم آپ ﷺ کا نام سن کر آپ ﷺ پر درود تو بھیجا جا سکتا ہے، اب اگر کوئی نام سننے کے باوجود زبان نہیں ہلا رہا ہے، تو اسکو بخیل کہنا بہت ہی بہتر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح البخیل: گذشتہ حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان مذکور تھا "من سرہ ان یکتال بالمکیال الاوفی" یعنی جس کی خواہش ہو کہ اس کو بھرپور ثواب ملے تو وہ مجھ پر حدیث پاک میں موجود درود پڑھے، اب ایک شخص کے سامنے حضور اکرم ﷺ کا مبارک نام آیا اور اس نے نام سننے کے باوجود، آپ ﷺ پر درود نہیں بھیجا، تو اس شخص نے بخل سے کام لیا اور اپنے کو اس عظیم ثواب سے محروم کرلیا، اس بنا کر اس شخص کو یعنی درود نہ بھیجنے والا کو بخیل کہا گیا ہے، ایک روایت میں تو "اَلْبَخِیْلُ کُلُّ الْبَخِیْلِ" کے الفاظ منقول ہیں۔

حدیث نمبر ۸۷۴ ﴿آپ ﷺ کے پاس درود کا پہنچنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳۴

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُهٗ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

حوالہ: بیہقی شعب الایمان، ص ۲۱۸ ج ۲، باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۱۵۸۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے میری قبر کے پاس میرے اوپر درود بھیجا تو اس کو میں سنتا ہوں، اور جو شخص دور سے میرے اوپر درود بھیجتا ہے تو وہ میرے پاس پہنچایا جاتا ہے۔ (بیہقی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص بھی حضور ﷺ پر درود بھیجتا ہے وہ حضور ﷺ تک پہنچتا ہے اگر کوئی حضور ﷺ کے روضہ کے پاس حاضر ہو کر درود سلام بھیجتا ہے تو اسکو آپ ﷺ بغیر کسی واسطے کے سنتے ہیں، اور اگر کوئی دور دراز کا رہنے والا آپ ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو کچھ فرشتے اسی کام کیلئے مقرر ہیں کہ وہ درود بھیجنے والے لوگوں کے درود حضور ﷺ تک پہنچائیں، چنانچہ یہ فرشتے حضور ﷺ تک درود پہنچاتے ہیں، اور حضور ﷺ قریب و دور دونوں طرح کے لوگوں کے صلاۃ وسلام کا جواب دیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح من صلی علی مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے روضہ کے پاس حاضر ہو کر اگر کوئی درود سلام پڑھتا ہے تو حضور ﷺ اس کو بلا واسطہ سنتے ہیں، اور اس کا جواب دیتے ہیں، اس سے درود و سلام پڑھنے والے کے مقام و مرتبہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور جو کوئی دور سے سلام پڑھتا ہے تو اس کو ملائکہ سیاحین حضور تک پہنچاتے ہیں جیسا کہ حدیث گذری "اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِکَةً سَیَّاحِیْنَ یُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِی السَّلَامَ"۔

حدیث نمبر ۸۷۵ ﴿درود بھیجنے سے بندہ پر رحمت کا نزول﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳۵

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَمَلَائِکَتُهٗ سَبْعِیْنَ صَلَاةً رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص ۱۸۷ ج ۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ستر رحمتیں نازل کرتے ہیں۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بندہ کا آپ ﷺ پر درود بھیجنا خود اس کے حق میں کتنا زیادہ مفید ہے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجنے والا اللہ اور اس کے معصوم فرشتوں کی طرف سے ستر رحمتوں کا مستحق بن جاتا ہے، یہ حدیث اگرچہ عبداللہ بن عمرو پر موقوف ہے لیکن کوئی صحابی اپنی طرف سے کسی عمل کا ثواب نہیں بیان کرتا ہے، اس وجہ سے یہ موقوف حدیث حکم میں مرفوع حدیث کے ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

من صلی ایک بار حضور ﷺ پر درود بھیجنے سے بندہ ستر رحمتوں کا مستحق ہوجاتا ہے صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ ثواب جمعہ کے دن کے ساتھ مخصوص ہو اس وجہ سے کہ جمعہ کے دن اعمال کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے اسی بناء پر ہر حج اکبر جو کہ جمعہ کے دن واقع ہوتا ہے اس کا ثواب ستر حجوں کے برابر ہے۔ (مرقات ص ۳۷۴ ج ۱)

حدیث نمبر ۸۷۶ ﴿حضور ﷺ کی شفاعت کا ملنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳۶

وَعَنْ رُوَيْفِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص ۱۰۸ ج ٤۔

ترجمہ: حضرت رویفعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے محمد ﷺ پر درود بھیجا اور اس کے بعد یہ دعاء مانگی "اللّٰهم انزله المقعد الخ" اے اللہ محمد ﷺ کو اس مقام پر اتار جو آپ کے نزدیک مقرب ہے، قیامت کے دن تو اس شخص کے لئے سفارش لازم ہوگی۔ (احمد)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث میں اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ بندہ حضور ﷺ پر درود بھیجنے اور حضور کے لئے مقام محمود کے حاصل ہونے کی دعاء کرے، یہ بات طے ہے کہ حضور ﷺ کو مقام محمود ملے گا، چاہے کوئی دعا کرے یا نہ کرے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ "وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" لیکن جو شخص آپ کے لئے یہ دعا کرے گا خود اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے لئے حضور کی شفاعت لازم ہوجائے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح

"اللّٰهم انزله المقعد المقرب" مراد اس سے مقام محمود ہے، ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں "المقرب عندك في الجنة" اس روایت کی وجہ سے اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد "وسیلہ" ہے اور وسیلہ جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ کا نام ہے، جس میں صرف آپ ﷺ ہی ہوں گے ایک قول یہ ہے کہ حضور ﷺ کے دو مقام ہیں۔

(۱) عرش رحمٰن کے دائیں جانب وہ مقام جہاں پر آپ شفاعت کریں گے۔

(۲) دوسرے وہ مقام جو آپ ﷺ کو جنت میں ٹھہرنے کے لئے حاصل ہوگا، وجبت مطلب یہ ہے کہ اس دعاء کے کرنے والے کو حضور کی شفاعت ضرور حاصل ہوگی، یوں تو آپ ﷺ کے ہر امتی کو آپ ﷺ کی سفارش حاصل ہوگی، لیکن اس دعاء کے کرنے والے کو خصوصی سفارش یعنی رفع درجات کی سفارش بھی حاصل ہوگی، یا پھر آپ ﷺ کے اس فرمان کا مطلب اس کے حسن خاتمہ کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ (مرقات ص ۳٤۷ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۷۷ ﴿درود کا مقام و مرتبہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳۷

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ تَوَفَّاهُ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ مَالَكَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلَاةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد ص ۱۹۱ ج ۱۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکل کر کھجور کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ ﷺ سجدہ میں پڑ گئے، پھر آپ ﷺ نے سجدہ کو اتنا طول دیا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات تو نہیں دے دی،

چنانچہ میں دیکھنے کے لئے آیا تو آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ میں نے آپ ﷺ سے صورت حال ذکر کی، راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بے شک جبرئیل امین تشریف لائے اور مجھ سے کہا کہ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ جو آپ ﷺ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ ﷺ پر سلام بھیجے گا اس پر میں سلام بھیجوں گا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے درود وسلام پڑھنے کی افضلیت اور اس پر عمل کرنے والے کے مقام کا علم ہوتا ہے، جو شخص آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، تو اللہ جل شانہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے "**ذالك فضل الله يوتيه من يشاء**" یہی وہ عظیم بشارت تھی جس کو سن کر آپ ﷺ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے اور آپ ﷺ نے اس سجدہ شکر کو اتنا طول دیا کہ حضرت عبدالرحمٰن کو یہ خیال گذرا کہ خدانخواستہ آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت تو نہیں ہو گئے۔

کلمات حدیث کی تشریح **حتیٰ دخل نخلاً** آپ ﷺ مسجد یا مکان سے نکل کر کھجور کے باغ میں داخل ہوئے ایک روایت کے الفاظ ہیں "فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَخَرَّ رَاكِعًا" آپ ﷺ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر سجدہ ریز ہو گئے، **فجئت انظر** حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ سجدہ کی طوالت سے مجھے یہ خیال ہوا کہ کہیں حضور ﷺ واصل بحق تو نہیں ہو گئے، چنانچہ میں حضور ﷺ کے قریب آیا، تاکہ حضور ﷺ کو قریب سے دیکھ کر صحیح کیفیت کا اندازہ کروں، **فقال مالك** حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے چہرے سے پریشانی کی علامت کو محسوس کر کے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ایک روایت کے الفاظ ہیں "**قال من هذا**"۔ آپ ﷺ نے کہا کہ یہ کون ہے؟ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جب اپنا نام بتایا تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے خوف زدہ ہونے کی وجہ بتائی، تب حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو جبرئیل امین کی آمد اور جبرئیل کے ذریعہ سنائی گئی خوش خبری سے واقف کیا، مسند احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں، "**فسجدت شكراً لله**" یعنی میں سجدہ میں جو گیا وہ اس بشارت کو سن کر اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کی بناء پر کیا تھا۔ (مرقات ص ۳۴۸، ۲۷)

حدیث نمبر ۸۷۸ ﴿درود سے دعاء قبول ہوتی ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳۸

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَايَصْعَدُ مِنْهُ شَئٌ حَتّٰى تُصَلِّي عَلٰى نَبِيِّكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی ص ۱۱۰ ج ۱، باب فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الوتر، حدیث نمبر ۴۸۶۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ دعاء اس وقت تک آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی، جب تک تم اپنے نبی ﷺ پر درود نہیں بھیجتے۔ (ترمذی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ دعاء میں درود کو ضرور شامل کیا جائے اگر درود کو شامل کر لیا جائے تو دعا ضرور قبول ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ درود کو ضرور قبول کرتے ہیں تو درود کے ساتھ دعاء بھی قبول کرلیں گے، دعا کے پہلے اور دعاء کے اختتام دونوں مواقع پر درود پڑھنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح **ان الدعاء موقوف** صاحب مرقات لکھتے ہیں ممکن ہے کہ یہ حدیث موقوف ہو، یعنی حضرت عمر بن خطاب کا اپنا قول ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے یہ بات حضور ﷺ سے سن کر کہی ہو، ایسی صورت میں یہ حدیث مرفوع ہوگی، محققین کہتے ہیں کہ اس قسم کی روایات صحابہ کرام اپنی طرف سے نقل نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر بیان کرتے ہیں، حصن میں ابوسلیمان الدارمی نے لکھا ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کا سوال کرے، تو

شروع میں درود پڑھے، اس کے بعد جو چاہے دعاء مانگے، پھر آخر میں درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جب درود کو قبول کریں گے تو دعاء بھی قبول کرلیں۔ (مرقات ص: ۳۴۸ ج)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ.

باب الدعاء فی التشهد

﴿تشہد میں دعاء پڑھنے کا بیان﴾

تشہد میں درود کے بعد سلام سے پہلے دعاء پڑھنا سنت ہے، بہتر یہ ہے کہ وہ دعائیں مانگی جائیں، جو آپ ﷺ سے منقول ہیں، کیوں کہ یہ دعائیں دنیا و آخرت کے مقاصد کو جامع ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی ہیں، تشہد میں آپ ﷺ سے جو دعائیں منقول ہیں، یا جو آپ ﷺ نے صحابہ کو سکھائی ہیں، ان کے علاوہ دعا کرنا یعنی ماثورہ کے علاوہ دعاء پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے یہاں ماثورہ دعاء پڑھنا افضل ہے، لیکن دیگر دعاؤں کی بھی گنجائش ہے، البتہ ایسی دعائیں، درست نہیں ہیں، جو کلام الناس سے مشابہت رکھتی ہوں، حنفیہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کی وضاحت باب کے تحت موجود حدیث میں ہوگی "اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ" امام شافعیؒ کے یہاں ہر قسم کی دعاء مانگنے کی گنجائش ہے، وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں "ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ الْمُعَجَبَةَ" (یعنی جو دعاء پسند ہو مانگو) حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے بہت سی دعائیں منقول ہیں، ان میں اختیار ہے کہ جو چاہوں مانگو، اس توجیہ سے تمام احادیث میں تطبیق بھی ہو جائے گی، آگے جو حدیث آرہی ہے، ان میں بہت سی ان دعاؤں کا ذکر ہے جو آپ ﷺ نے قعدہ اخیرہ میں پڑھی ہیں، یا جن کے پڑھنے کی آپ ﷺ نے صحابہ کو تعلیم دی ہے، تفصیل احادیث کے ضمن میں دیکھی جائے۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۸۷۹ ﴿آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں دعا پڑھی﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۳۹

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ يَدْعُوْ فِي الصَّلَاةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مَا اَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَاَخْلَفَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری ص: ۱۱۵ ج ۱، باب الدعاء قبل السلام، کتاب الاذان، حدیث مسلم ص ۲۱۷ ج ۱، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر کتاب المساجد و مواضع الصلاة، حدیث ۵۸۹.

حل لغات: المسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے، دجال کو مسیح دجال کہتے ہیں، ج مَسْحاءُ و مُسحی مسح (ف) مسوحاً فی الارض زمین پر کہیں جانا الشیء مسحاً کسی آلودہ، یا بھیگی چیز کو پوچھنا الدجال انتہائی جھوٹا مسیح کذاب کا لقب ہے، جس کا آخر زمانہ میں ظہور ہوگا، دَجَلَ (ن) دَجلاً جھوٹ بولنا فریب الْمَأْثَمُ گناہ، آثم (س) اِثماً و مَاْثماً، جرم کرنا، المغْرَمُ (ج) مغارم، قرض، غرِمَ (س) غُرماً، غیر لازم چیز کا ذمہ دار ہونا۔

ترجمه: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں (یعنی تشہد میں) یہ دعاء مانگتے تھے۔ اللّٰهم انی اعوذبك من

عذاب القبر الخ" اے اللہ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں قبر کے عذاب سے، اور میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں، مسیح دجال کے فتنہ سے، اور میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں زندگی کے فتنوں سے موت کے فتنوں سے، اے اللہ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں، گناہ سے اور قرض سے، ایک صاحب نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ تعجب کی بات ہے کہ آپ ﷺ قرض داری سے بہت پناہ مانگتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان جب قرض دار ہوتا ہے تو باتیں بناتا ہے، اور جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کرتا ہے وعدہ خلافی کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں جو دعاء مذکور ہے وہ دعاء آپ نماز میں تشہد کے لئے بیٹھتے تھے تو التحیات اور درود کے بعد بسا اوقات مانگتے تھے۔ اس دعاء میں آپ ﷺ نے چند بری چیزوں سے پناہ مانگی ہے۔

(۱) قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں یعنی قبر میں جو تکلیف انسان کو برداشت کرنا پڑتی ہیں، ان سے پناہ مانگتا ہوں۔

(۲) قرب قیامت کے وقت ظاہر ہونے والے کذاب سے پناہ مانگی ہے یہ کذاب نبوت کا دعویٰ کرے گا، پھر خدا کا دعویدار ہوگا، شیطان کی پوری اعانت اس کو حاصل ہوگی۔

(۳) زندگی کے فتنوں سے یعنی ان آزمائشوں سے پناہ مانگی ہے، جسمیں صبر و رضا کا دامن انسان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

(۴) موت کے فتنوں یعنی حالت نزع میں شیطان کے وساوس ڈالنے وغیرہ کے فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔

(۵) ہر قسم کے گناہ اور ایسے قرض سے جس کی بناء پر جھوٹ اور وعدہ خلافی کا ارتکاب ہوتا ہے پناہ مانگی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یدعو فی الصلاۃ نماز میں دعاء مانگتے تھے، مراد یہ ہے کہ نماز کے اخیر میں تشہد سے پہلے دعا مانگتے تھے جیسا کہ اگلی حدیث میں اسکی وضاحت بھی موجود ہے "اِذَا فَرَغَ اَحَدُکُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ اَرْبَعٍ الخ" آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ چاروں چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے، اعوذ من عذاب القبر اے اللہ میں قبر کے عذاب سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، مطلب یہ ہے کہ قبر کے زور سے بھینچنے اور اس میں تنہائی کی وحشت سے پناہ چاہتا ہوں، اس حدیث سے خوب اچھی طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ عذاب قبر ثابت ہے۔

عذاب قبر کے سلسلہ میں معتزلہ کا مذہب اور انکی تردید معتزلہ کہتے ہیں کہ عذاب قبر کوئی چیز نہیں ہے، قبر میں کسی کو عذاب و ثواب نہیں ہوگا، حالانکہ سچائی یہ ہے کہ قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول اللہ ﷺ کی ستر احادیث متواترہ میں صراحت کے ساتھ عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے، کسی مسلمان کیلئے اس میں شک وشبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے، بعض عامیانہ باتیں پیش کی جاتی ہیں کہ دنیا میں عذاب و ثواب نظر نہیں آتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہے کہ وہ چیز موجود نہیں ہے، ہوا، جنات، فرشتے، نظر نہیں آتے، لیکن اس کا وجود ہے، اصل بات یہ ہے کہ عذاب و ثواب کا تعلق دوسرے عالم سے ہے، اس کو عالم دنیا پر قیاس کرنا غلط ہے۔

"سورۂ والنازعات" میں موت کے وقت فرشتوں کا آنا اور انسان کی روح قبض کر کے آسمان کی طرف لیجانے، پھر اسکے اچھے یا برے ٹھکانے پر جلدی سے پہنچا دینا اور وہاں ثواب یا عذاب، تکلیف یا راحت کے انتظامات کر دینا مذکور ہے۔ (معارف القرآن)

واعوذ بك من فتنة المسيح الدجال: میں تیری پناہ میں آتا ہوں مسیح دجال کے فتنے سے، مطلب یہ ہے کہ فتنہ کی ابتلاء و آزمائش میں پڑنے سے پناہ مانگتا ہوں، دجال کے معنی ہیں، کذاب اور مکار کے، اس اعتبار سے تو ہر گمراہ کرنے والے کو دجال کہا جاسکتا ہے، لیکن اخیر زمانہ میں جو دجال ظاہر ہوگا، اور جس کے فتنہ سے دعاء میں پناہ مانگی گئی ہے، وہ مسیح دجال ہے، مسیح اس کو کہا گیا ہے اس کی وجہ صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ مسیح فعیل کے وزن پر ممسوح کے معنی میں ہے، اس کی ایک آنکھ ممسوح ملی ہوئی، بالکل سپاٹ ہوگی یعنی وہ کانا

ہوگا، یا پھر وہ ہر خیر سے دور ہوگا، اس وجہ سے اس کو مسیح کہا جاتا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مسیح فعیل کے وزن پر مساحة سے فاعل کے معنی میں ہے، وہ کچھ ہی مدت میں سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام دنیا میں پھر لیگا، اس وجہ سے اس کو مسیح کہا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو مسیح لقب ہے وہ بہت مبارک ہے، ان کا لقب اس وجہ سے ہے کہ وہ مریض کو چھوتے تھے تو اللہ کے حکم سے مریض کا مرض دور ہو جاتا تھا، یا پھر اس وجہ سے مسیح لقب ہے کہ وہ زمین پر بہت چل پھر کر دعوت وتبلیغ کام کرتے تھے۔ (تلخیص مرقات ص ۳۴۹ ج ۲)

فتنۂ دجال دجال کی علامت اور اسکے ظہور سے متعلق آپ ﷺ کے بہت سے فرامین ہیں، مسلم شریف میں دجال سے متعلق بہت سی احادیث ہیں، یہاں پر حضرت نواس بن سمعانؓ کی حدیث جو کہ (مسلم ص ۴۰۰ تا نمبر ۴۰۲ ج ۲) پر موجود ہے، اس کے اس حصہ کا ترجمہ پیش ہے جو دجال سے متعلق ہے، حضرت نواس بن سمعانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا، اور تذکرہ فرماتے ہوئے بعض باتیں اسکے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے اس کا حقیر وذلیل ہونا معلوم ہوتا تھا (مثلاً یہ کہ وہ کانا ہے) اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا فتنہ سخت اور عظیم ہے (مثلاً جنت ودوزخ کا اس کے ساتھ ہونا اور دوسرے خوارق عادت) آپ کے بیان سے (ہم پر ایسا خوف طاری ہوا کہ) گویا دجال کھجوروں کے جھنڈ میں ہے (یعنی قریب ہی موجود ہے) جب ہم شام کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے قلبی تاثرات کو بھانپ لیا اور پوچھا کہ تم نے کیا سمجھا؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے دجال کا تذکرہ فرمایا اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں جن سے اس کا معاملہ حقیر اور آسان معلوم ہوتا تھا، اور بعض باتیں ایسی فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی قوت ہوگی اس کا فتنہ عظیم ہے، ہمیں تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہمارے قریب ہی وہ کھجور کے جھنڈ میں موجود ہے، حضور ﷺ فرمانے لگے، تمہارے بارے میں جن فتنوں کا مجھے خوف ہے ان میں دجال کی بہ نسبت دوسرے فتنے زیادہ قابل خوف ہیں (یعنی دجال کا فتنہ اتنا عظیم نہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے) اگر میری موجودگی میں وہ نکلا تو میں اس کا مقابلہ خود کروں گا (تمہیں اس کی فکر کی ضرورت نہیں) اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر شخص اپنی ہمت کے موافق اس کو مغلوب کرنے کی کوشش کرے گا، حق تعالیٰ میری غیر موجودگی میں ہر مسلمان کا ناصر اور مددگار ہوگا، (اس کی علامت یہ ہے) کہ وہ نوجوان سخت پیچدار بالوں والا ہے، اسکی ایک آنکھ اوپر کو ابھری ہوئی ہے (اور دوسری آنکھ سے کانا ہے) جیسا کہ دوسری روایات میں ہے) اور اگر میں (اس کی قبیح صورت میں) اس کو کسی کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ہوں وہ عبد العزی بن قطن ہے (یہ زمانہ جاہلیت میں بنو خزاعہ قبیلہ کا ایک بدشکل شخص تھا) اگر تم میں سے کسی مسلمان کا دجال کے ساتھ سامنا ہو جائے، تو اس کو چاہئے کہ وہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ لے (اس سے دجال کے فتنے سے محفوظ ہو جائے گا) دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا، اور ہر طرف فساد مچائے گا۔

اے اللہ کے بندو! اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔

ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ زمین پر کس قدر مدت رہے گا، آپ نے فرمایا وہ چالیس دن رہے گا، لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا، اور دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا، اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا، کیا ہم صرف ایک دن کی (پانچ نمازیں) پڑھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ وقت کا اندازہ کر کے پورے سال کی ادا کرنا ہوں گی، پھر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ زمین میں کس قدر سرعت کے ساتھ سفر کریگا۔ فرمایا اس ابر کے مانند تیز چلے گا جس کے پیچھے موافق ہوا لگی ہوئی ہو، پس دجال کسی قوم کے پاس سے گزرے گا ان کو اپنے باطل عقائد کی دعوت دے گا وہ اس پر ایمان لائیں گے تو وہ بادلوں کو حکم دے گا تو وہ برسنے لگیں گے، اور زمین کو حکم دے گا تو وہ سبز وشاداب ہو جائے گی۔

(اوران کے مویشی اس میں چریں گے) اور شام کو جب واپس آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے کی بہ نسبت بہت اونچے ہوں گے، اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے، اور ان کی آنکھیں پر ہوں گی، پھر دجال کسی دوسری قوم کے پاس سے گزرے گا اور ان کو بھی اپنے کفر واضلال کی دعوت دے گا۔

لیکن وہ اس کی باتوں کو رد کر دیں گے، وہ ان سے مایوس ہو کر چلا جائے گا، تو یہ مسلمان لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے پاس کچھ مال نہ رہے گا، اور ویران زمین کے پاس سے گزرے گا تو اس کو خطاب کرے گا کہ اپنے خزانوں کو باہر لے آ؛ چنانچہ زمین کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے ہولیں گے، جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے ہولیتی ہیں، پھر دجال ایک آدمی کو بلائے گا، جس کا شباب پورے زوروں پر ہوگا اس کو تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دے گا، اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلہ پر کر دیئے جائیں گے جس قدر تیر مارنے والے اور نشانہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے، پھر وہ اس کو بلائے گا، وہ (زندہ ہو کر) دجال کی طرف اس کے اس فعل پر ہنستا ہوا روشن چہرے کیساتھ آجائے گا، دریں اثناء حق تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو نازل فرمائیں گے، چنانچہ وہ دو رنگ دار چادریں پہلے ہوئے دمشق کی مشرقی جانب کے سفید مینارہ پر اس طرح نزول فرمائیں گے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے، جب اپنے سر مبارک نیچے کریں گے تو اس سے پانی کے قطرات جھڑیں گے (جیسے کوئی ابھی غسل کر کے آیا ہو) اور جب سر کو اوپر کریں گے تو اس وقت بھی پانی کے متفرق قطرات جو موتیوں کی طرح صاف ہوں گے گریں گے، جس کافر کو آپ کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہ وہیں مر جائے گا، اور آپ کا سانس اس قدر دور پہونچے گا، جس قدر دور آپ کی نگاہ جائے گی حضرت عیسیٰؑ دجال کو تلاش کریں گے، یہاں تک کہ آپ اسے بابُ اللدّ پر جا پکڑیں گے (یہ بستی اب بھی بیت المقدس کے قریب اسی نام سے موجود ہے) وہاں اس کو قتل کر دیں گے، پھر حضرت عیسیٰؑ لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے، اور (بطور شفقت کے) ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے، اور جنت میں اعلیٰ درجات کی ان کو خوشخبری سنائیں گے۔ (معارف القرآن ص ۶۳۹ تا ص ۶۴۱ ج ۵)

اور دجال کے قصہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ دجال مدینہ منورہ سے دور رہے گا۔ اور مدینہ کے راستوں پر بھی اس کا آنا ممکن نہ ہوگا، تو وہ مدینہ کے قریب ایک شور زمین کی طرف آئے گا، اس وقت ایک آدمی دجال کے پاس آئے گا اور وہ آدمی اس وقت کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا، اور اس کو خطاب کر کے کہے گا کہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی (یہ سن کر) دجال کہنے لگے گا، لوگو! مجھے یہ بتلاؤ کہ اگر میں اس آدمی کو قتل کر دوں اور پھر اسے زندہ کر دوں تو میرے خدا ہونے میں شک کرو گے، وہ جواب دیں گے، نہیں چنانچہ وہ اس آدمی کو قتل کرے گا اور پھر اس کو زندہ کر دے گا تو وہ دجال کو کہے گا کہ اب مجھے تیرے دجال ہونے کا پہلے سے زیادہ یقین ہو گیا، دجال اس کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا لیکن وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔ (صحیح مسلم)

واعوذبك من فتنة المحيا: زندگی کے فتنوں سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ زندگی میں ہونے والی آزمائشوں سے پناہ چاہتا ہوں جن میں صبر و رضاء کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے، آفتوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہونے اور گناہوں پر اصرار کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ (مرقات ص ۳۴۹ ج ۲)

الممات: موت کے فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں، یعنی نزع کے وقت کی آزمائش، منکر نکیر کے سوالوں کے جواب میں جو تکلیف اور جو خوف ممکن ہے، اس سے پناہ مانگتا ہوں۔

المائم: ہر قسم کے گناہوں سے پناہ مانگتا ہوں اور ان چیزوں سے بھی جو گناہ کا ذریعہ بنتی ہیں۔

المغرم: یہاں اس قرض سے پناہ مانگی گئی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے، مثلاً قرض لینے کے بعد جھوٹ بولنے یا وعدہ خلافی کرنے کی لعنت میں گرفتار ہو، یا قرض کا یہ مال خلاف شرع طریقے پر خرچ ہو، اگر کوئی شخص ضرورت کے وقت قرض لے رہا ہے اور بعد میں اس کو ادا کر دیتا ہے تو اس قرض سے پناہ نہیں مانگی گئی ہے۔

حدیث نمبر ۸۸۰ ﴿چار چیزوں سے پناہ کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۴۰

وَعَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَافَرَغَ اَحَدُکُم مِنَ التَّشَھُّدِ الآخِرِفَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ القَبْرِ وَمِنْ فِتْنَۃِ المَحْیَاوَالمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ المَسِیْحِ الدَّجَّالِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ : مسلم: ص:۲۱۷، ج:۱ باب استحباب التعوذ من عذاب القبر. کتاب المساجد و مواضع الصلواۃ، ص:۲۱۷، ج:۱، حدیث نمبر ۵۸۸.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص دوسرے تشہد سے فارغ ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ (۱) جہنم کے عذاب سے۔ (۲) قبر کے عذاب سے۔ (۳) زندگی اور موت کے فتنوں سے۔ (۴) مسیح دجال کی برائی سے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جب آدمی قعدہ میں تشہد اور درود پڑھ چکے تو مذکورہ بالا دعاء مانگے، دعاء میں چار بہت اہم چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے، جن میں سے تین، عذاب قبر، زندگی اور موت کے فتنوں اور مسیح دجال کے فتنہ کا ذکر گزشتہ حدیث میں بھی تھا، اس حدیث میں مزید جہنم کے عذاب سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنے کا ذکر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا فرغ احد کم من التشھد نماز کا اخیر مراد ہے، اگر چہ تشہد پہلا ہی کیوں نہ ہو، دو رکعت والی نماز میں پہلا تشہد ہی آخری تشہد بھی ہے، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ حدیث باب سے اخیر تشہد میں تعوذ کے استحباب کی صراحت ثابت ہوتی ہے اور اس بات کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ پہلے تشہد میں تعوذ یعنی وہ دعائیں جن میں پناہ مانگی گئی ہے کا پڑھنا مستحب نہیں ہے اس لئے کہ پہلا تشہد یعنی قعدۂ اولیٰ تخفیف پر مبنی ہے، اور یہ بات بھی ہے کہ دعاء کا محل تکمیل کا وقت ہے، کیونکہ امیدوں کا طلب کرنا اور آرزوؤں کا اظہار کرنا کام مکمل کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

فلیتعوذ : امر استحباب کے لئے ہے جمہور کے نزدیک بعض لوگوں نے کہا کہ وجوب کے لئے ہے۔

من عذاب جھنم : جہنم کے عذاب کا تذکرہ سب سے پہلے کیا، اس لئے کہ سب سے زیادہ شدید اور سب سے باقی رہنے والا ہے، بقیہ کلمات سے متعلق تحقیق گزشتہ حدیث کے تحت دیکھئے۔

حدیث نمبر ۸۸۱ ﴿حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعاء سکھانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۴۱

وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعَلِّمُھُمْ ھٰذَا الدُّعَاءَ کَمَا یُعَلِّمُھُمْ السُّوْرَۃَ مِنَ القُرْآنِ یَقُوْلُ قُوْلُوا اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَاَعُوذُبِکَ مِنْ عَذَابِ القَبْرِ وَاَعُوذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ المَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ المَحْیَا وَالمَمَاتِ. رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ : مسلم ص ۲۱۸، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ. حدیث نمبر ۵۹۰.

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو یہ دعاء ایسے سکھاتے تھے، جیسے کہ قرآن مجید سکھاتے تھے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ یوں پڑھو "اللّٰھم انی اعوذبک الخ" اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور زندگی و موت کے فتنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث آپ ﷺ صحابہؓ کو قرآن جیسے یاد کراتے تھے، ویسے ہی مذکورہ دعاء بھی یاد کراتے تھے، اور تشہد کے دوران تعلیم امت کے لئے بلند آواز سے بھی یہ دعاء کبھی کبھی پڑھتے تھے، تا کہ لوگوں کو یاد ہو جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح **کان یعلمھم** حضور ﷺ مذکورہ دعاء صحابہ اور اہل بیت کو سکھاتے تھے، **قولوا** علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ امام طاؤس اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے، یعنی قعدہ اخیرہ میں التحیات اور درود پڑھنے کے بعد مذکورہ دعاء کا پڑھنا واجب ہے، چنانچہ ایک مرتبہ امام طاؤس کے صاحبزادہ نے یہ دعاء نہیں پڑھی، تو انہوں نے اس کو نماز دہرانے کا حکم کیا، لیکن جمہور کے نزدیک مذکورہ دعا کا پڑھنا مستحب ہے۔

من عذاب جهنم: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہنم سے چھٹکارے کے لئے بارگاہِ الٰہی میں التجا لازمی ہے۔

عذاب القبر: انبیاء کو عذاب نہیں ہوتا، لیکن تعلیم امت کے لئے، یا امت کو عذاب سے بچانے کیلئے آپ ﷺ نے دعاء کی ہے۔

بقیہ کلمات کی تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۸۷۹ دیکھئے۔

حدیث نمبر ۸۸۲ ﴿سلام پھیرنے سے پہلے کی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۴۲

وَعَنْ اَبِي بَكْرِ ِالصِّدِّيْقِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي دُعَاءً اَدْعُوْبِهِ فِي صَلَاتِيْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْماً كَثِيْراً وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرِ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله :بخاری: ص: ۱۱۵ ج: ۱، باب الدعا قبل السلام، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۸۳۴، مسلم: ص: ۳۴۷ ج: ۱، باب استحباب خفض الصوت بالذکر، کتاب الذکر، والدعاء، والتوبة والاستغفار. حدیث: ۲۰۷۵.

ترجمه : حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی دعاء سکھا دیجئے، جس کو میں اپنی نماز میں پڑھ لیا کروں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ دعاء پڑھا کرو: **اللّٰهم انی ظلمت الخ** اے اللہ میں نے اپنی ذات پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو بخشنے والا تیرے سوا کوئی نہیں ہے، تو اپنی بخشش سے مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحم کر، بے شک تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طلب پر آپ ﷺ نے نماز میں تشہد اور درود کے بعد پڑھی جانے والی ایک دعاء کی تعلیم فرمائی ہے۔ اس سے پہلے بھی اس موقع پر پڑھی جانے والی چند دعائیں ذکر ہو چکی ہیں، اور ان کے علاوہ بھی کچھ دعائیں ہیں، سلام پھیرنے سے پہلے ان تمام دعاؤں میں سے جو دعاء بھی پڑھی جائے، مستحب و مسنون ہے۔ دعاء کے اندر اپنے گناہوں پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ اپنے قصوروں کا اعتراف ہے، اور رب العالمین سے خطاؤں کی معافی کو طلب کیا گیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **علمنی دعاء** تشہد و درود کے بعد پڑھنے والی دعاء سکھا دیجئے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کے کلام میں تو مطلقاً نماز میں پڑھنے والی دعاء سکھانے کا ذکر ہے، لیکن علماء نے اس کو تشہد کے بعد کی دعاء ہی پر محمول کیا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے اس حدیث "**باب الدعاء قبل السلام**" کے تحت ذکر کیا ہے، **انی ظلمت** : میرے نفس ان امور کے ساتھ ملتا ہے جو امور سزا کو واجب کرنے والے اور مرتبہ کو گھٹانے والے ہیں، حافظؒ اس موقع پر لکھتے ہیں، انسان تقصیر سے مبرا نہیں ہے، اگرچہ صدیق ہی کیوں نہ ہو۔

ولا یغفر الذنوب الا انت: اس میں وحدانیت کا اقرار اور مغفرت کا طلب کرنا ہے، یہ اللہ کے اس فرمان کے مطابق ہے۔

"وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا الخ " آیت میں گناہ کے بعد مغفرت طلب کرنے والوں کی مدح ہے، اور ضمناً نفس استغفار کی بھی تعریف ہے، صرف اللہ ہی سے مغفرت طلب کی جاسکتی ہے، کیونکہ اللہ کے علاوہ سے گناہوں کا معاف کیا جانا ناممکن ہے۔

مغفرۃ: نکرہ لائے ہیں، تنوین تعظیم کیلئے ہے، یعنی عظیم مغفرت مطلوب ہے، **وارحمنی:** یہ دعا جوامع الکلم میں سے ہے اسوجہ سے کہ اسمیں اپنی کوتاہی کی کثرت کا اعتراف بھی ہے، اور بے انتہاء بخشش کی طلب بھی ہے، مغفرت کا مطلب گناہوں کو ڈھانکنا اور مٹانا ہے جبکہ رحمت کا مطلب نیکیوں کو پہنچانا ہے، تو مغفرت طلب کرنیکا مقصد جہنم سے دوری کو طلب کرنا ہے اور رحمت طلب کرنیکا مقصد نیکیوں کے ساتھ جنت میں داخل کرنے کو مانگنا ہے، یہ بہت بڑی کامیابی اور ہمیشہ کا انعام ہے، اللہ ہم کو اپنے فضل وکرم سے اس انعام سے نوازے۔

انت الغفور الرحیم: خاتمہ کلام پر اللہ تعالیٰ کی دو صفات مقابلہ کے طور پر ذکر ہیں، **اغفرلی:** دعا کی تو اس کے مقابل میں "الغفور" ذکر کیا۔ **ارحمنی:** دعا کی تو اس کے مقابل میں "الرحیم" ذکر کیا، یعنی جس ذات سے مغفرت اور رحمت طلب کی جارہی ہے وہ ذات خوب مغفرت کرنے والی اور خوب رحم کرنے والی ہے، یہ دعاء بہت جامع ہے، اسی وجہ سے اس کو نمازوں میں عام طور پر ضرور پڑھا جاتا ہے۔ (مرقات ص ۳۵۱ ج ۲، فتح الباری ص ۳۰۸ ج ۳)

دعاء کا حکم نماز میں قعدۂ اخیرہ کے اندر تشہد و درود سے فراغت کے بعد دعاء کرنا فرض و واجب نہیں ہے، البتہ مسنون و مستحب ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے، جو دعائیں آپ ﷺ سے مروی ہیں وہ سب کی سب احناف کے نزدیک پڑھی جاسکتی ہیں، نماز کے اندر ایسی دنیوی باتوں کی دعاء جو انسان بھی پوری کرسکتا ہے احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے، مسلم شریف ص ۲۰۳ ج ۱، باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ" کے تحت آپ ﷺ کا فرمان ہے، اِنَّ ھذہ الصلاۃ لایصلح فیھا شئ من کلام الناس انما ھو التسبیح والتکبیر وقرأۃ القرآن الخ" آپ ﷺ نے فرمایا، ہماری اس نماز میں انسانوں کے کلام کی گنجائش نہیں ہے، اس میں تو صرف تسبیح تکبیر اور قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے، شافعیہ وحنابلہ دعاء کو جائز کہتے ہیں۔ (ماخوذ از نصر الباری ص: ۳۶، ج: ۴)

حدیث نمبر ۸۸۳ ﴿آپ کے سلام پھیرنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۴۳

وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کُنْتُ اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ یَسَارِہٖ حَتّٰی اَرٰی بَیَاضَ خَدِّہٖ رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

ترجمہ: حضرت عامر بن سعدؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تھا کہ وہ اپنے داہنے اور بائیں جانب سلام پھیرتے تھے، یہاں تک کہ میں آپ کے چہرے کی سفیدی دیکھ لیتا تھا۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ دائیں جانب سلام پھیرتے وقت اپنا چہرہ اتنا زیادہ موڑتے تھے کہ پیچھے نماز ادا کرنے والے آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ لیتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح **عن یمینہ:** یعنی پہلے سلام میں دائیں طرف چہرہ کرتے اور دوسرے سلام میں بائیں طرف چہرا کرتے **بیاض خدہ:** حافظ نے "خدیہ" تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا ہے، لیکن دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے، اس وجہ سے کہ دونوں صورتوں میں مطلب یہی ہے کہ دائیں طرف سلام پھیرنے میں داہنا رخسار نظر آتا تھا اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بایاں رخسار نظر آتا تھا، اس کی صراحت آگے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث آرہی ہے، اس میں یوں ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِیْنِہٖ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ خَدِّہِ الْاَیْمَنِ وَعَنْ یَسَارِہٖ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ خَدِّہِ الْاَیْسَرِ".

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے ہوئے داہنی طرف سلام پھیرتے تھے تو آپ ﷺ کے دائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی تھی، پھر آپ ﷺ السلام علیکم رحمۃ اللہ کہتے ہوئے بائیں طرف سلام پھیرتے تھے تو آپ ﷺ کے بائیں رخسار کی سفیدی نظر آتی تھی۔

حدیث نمبر ۸۸۴ ﴿سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ کا عمل﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۴۴

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری، ص ۱۷۷ ج ۱، باب مایستقبل الامام الناس اذاسلم، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۸۴۵.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے، ہماری طرف رخ کر کے نماز میں بیٹھتے۔ (بخاری)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب جماعت مکمل ہوجاتی ہے، تو آپ ﷺ اپنا روئے مقدس مقتدیوں کی طرف کر کے بیٹھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی صلاۃ" حضرت سمرہؓ کی اس روایت سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ حضور ﷺ نماز سے فراغت کے بعد ہمیشہ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے، نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنے کی کیا حکمت ہے؟ اس کے بارے میں حافظ فتح میں لکھتے ہیں کہ "اَلْحِكْمَةُ فِيْ اِسْتِقْبَالِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يُعَلِّمَهُمْ مَايَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ" یعنی حضور ﷺ صحابہ کرامؓ کو جو مسائل یا جن چیزوں کی ان کو ضرورت ہوتی وہ سکھانے کے لئے اپنے مقتدیوں یعنی صحابہ کی طرف رخ کر کے نماز کے بعد بیٹھتے تھے، ایک حکمت اس کی یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ نماز میں داخل ہونے والے کو معلوم ہوجائے کہ نماز پوری ہوگئی، اس وجہ سے کہ اگر امام اپنی حالت پر بیٹھا رہے گا، تو ممکن ہے کہ اس کو یہ وہم ہو کہ امام ابھی تشہد میں بیٹھا ہے۔

زین بن منیرؒ نے یہ حکمت لکھی ہے کہ امام کی پشت کا مقتدیوں کی جانب ہونا، امامت کے حق کی بناء پر ہے، جب نماز پوری ہوگئی تو اب سبب زائل ہوگیا، لہٰذا اب امام مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے گا، اگر ایسا نہ ہوا تو تکبر پیدا ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم مستفاد (ازفتح الباری ص: ۳۳۰، ج: ۳)

حدیث نمبر ۸۸۵ ﴿آپ ﷺ کا دائیں طرف پھر کر بیٹھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۴۵

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص: ۲۴۷، ج: ۱، باب الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا. حدیث نمبر ۷۰۸.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دائیں جانب سے پھر کر بیٹھتے تھے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث گزشتہ حدیث میں یہ بات بیان کی گئی تھی کہ نماز کے بعد آپ ﷺ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے، اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنے میں آپ دائیں طرف سے پھر کر تھوڑا سا بائیں طرف ہو کر بیٹھتے تھے، یعنی تشہد کی ہیئت سے جب آپ پھرتے تو دائیں طرف سے پھرتے اور اپنا رخ بالکل سامنے کرنے کے

بجائے تھوڑا سا بائیں طرف مائل رکھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح كان النبي صلى الله عليه وسلم ينصرف: نبی کریم ﷺ کبھی اپنے مصلی سے دائیں طرف پھرتے تھے، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب دائیں جانب کی ضرورت ہوتی تو دائیں جانب سے پھرتے اور جب بائیں جانب کی ضرورت ہوتی تو بائیں جانب سے پھرتے تھے، صاحب مرقات کہتے ہیں کہ مصلی کو جس طرف سے ضرورت ہو اس طرف سے پھرے، مثلاً نماز کے بعد بائیں جانب جانا ہے تو بائیں جانب سے پھر جائے، دائیں جانب جانا ہے تو دائیں جانب سے پھرے اور جب دونوں جانب برابر ہوں تو جس طرف سے چاہے پھرے، لیکن داہنی جانب سے پھرنا افضل ہے اس وجہ سے کہ آپ ﷺ ہر کام میں داہنی جانب کو پسند فرماتے تھے۔ (مرقات: ص: ۳۵۲: ج: ۲)

حدیث نمبر ۸۸۶ ﴿دائیں اور بائیں طرف سے نماز سے پھرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۴۶

وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَايَجْعَلُ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْئًا مِنْ صَلَاتِهٖ يَرٰى اَنَّ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَمِيْنِهٖ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْراً يَنْصَرِفُ عَنْ يَسَارِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ :بخاری، ص ۱۱۸ ج ۱، باب الانفتال والانصراف عن اليمين وعن الشمال، كتاب الاذان، مسلم: ص نمبر ۲۴۷ ج ۱، حدیث نمبر ۸۵۲، باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال، حدیث نمبر ۷۰۷.

ترجمه : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بایں طور شیطان کا حصہ اپنی نماز میں مقرر نہ کرے کہ وہ سمجھنے لگے کہ اس پر نماز میں دائیں ہی طرف سے پھرنا واجب ہے، حالانکہ میں نے بہت سی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بائیں طرف سے پھرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث نماز سے فراغت کے بعد چاہے دائیں جانب سے پھرا جائے چاہے بائیں جانب سے پھرا جائے دونوں طریقے صحیح ہیں، آپ ﷺ نے حسب ضرورت دونوں پر عمل کیا ہے، لہٰذا نمازی بھی اپنی ضرورت کے اعتبار سے جس جہت سے چاہے نماز سے فارغ ہو کر اٹھے، یا رخ موڑ کر بیٹھے، لیکن افضل دائیں طرف سے ہی پھرنا ہے اور اسی پر آپ ﷺ عام طور پر عمل کرتے رہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حدیث باب سے یہ سمجھا رہے ہیں کہ کسی افضل چیز کو واجب سمجھنا اور جس چیز پر عمل کی گنجائش اللہ اور اس کے رسول نے رکھی ہو اس پر عمل کرنے کو برا سمجھے یہ اپنی جگہ خود شیطانی عمل ہے، لہٰذا نماز سے پھرنے میں دائیں طرف کو لازم سمجھنا اور بائیں طرف سے پھرنے کو برا سمجھنا یہ غلط عمل ہے اور پھر ابن مسعودؓ نے اس کی بھی صراحت کردی کہ خود حضور ﷺ کو میں نے بہت سی مرتبہ بائیں جانب سے پھرتے دیکھا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لايجعل احدكم للشيطان: مطلب یہ ہے کہ نماز میں دائیں طرف سے پھرنا یہ واجب نہیں ہے، لہٰذا اس کو لازم سمجھنا شیطان کی اتباع کرنا ہے، حافظؒ ابن منیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ مستحبات کو جب اس کے مرتبہ سے بلند کردیا جاتا ہے یعنی اس کو لازم سمجھا جاتا ہے تو وہ مکروہات میں داخل ہو جاتے ہیں، عبادت سے متعلق امور میں دائیں طرف کی جہت کو اختیار کرنا مستحب ہے، لیکن جب ابن مسعودؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس کو واجب سمجھا جا رہا ہے، تو آپ نے اس کی کراہت کی طرف اشارہ کیا۔ (فتح الباری، ص نمبر ۳۳۷، ۳۳۸ ج ۳)

علامہ طیبیؒ کا قول مرقات نے لکھا ہے کہ "ابن مسعودؓ کے اس اشارہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے امر مستحب کو لازم کا درجہ دیا، اور رخصت پر عمل نہیں کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان اس کو گمراہ کرنے کیلئے اس کے پاس پہونچ چکا ہے، عبداللہ بن

مسعودؓ کی ایک حدیث ہے "اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰی رُخْصَتُہٗ کَمَا یُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰی عَزَائِمُہٗ" (مرقات ص ۳۵۳ ج۲) اللہ تبارک وتعالیٰ رخصت پر عمل کرنے کوایسے ہی پسند فرماتے ہیں جیسے عزیمت پر عمل کرنے کو پسند فرماتے ہیں: لقد رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کثیرا حافظؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کبھی دائیں طرف سے پھرتے تھے کبھی بائیں طرف سے پھرتے تھے، جس صحابیؓ نے جس عمل کو اپنے اعتبار سے زائد سمجھا اس کو بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ اس طرح اکثر پھرتے تھے، اسمیں اصل یہی ہے کہ مصلی کو جس میں سہولت ہو وہ صورت اختیار کرے، البتہ اگر دونوں جانب برابر ہوں تو دائیں طرف سے پھرنا افضل ہے، لیکن اسکولازم سمجھناغلط ہے۔

حدیث نمبر ۸۸۷ ﴿نماز کے بعد پڑھی جانیوالی ایک اور دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۴۷

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ کُنَّا اِذَا صَلَّیْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحْبَبْنَا اَنْ نَکُوْنَ عَنْ یَمِیْنِہٖ یُقْبِلُ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ قَالَ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ اَوْ تَجْمَعُ عِبَادَکَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم: ص: ۲۴۷ ج: ۱، باب استحباب یمین الامام، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا، حدیث نمبر ۷۰۹.

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہیکہ ہم لوگ جب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہم سب اس بات کو پسند کرتے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے داہنی جانب ہوں، تاکہ آپ ﷺ ہماری طرف چہرہ پھیریں۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے سنا "رب قنی" اے ہمارے رب مجھ کو اپنے عذاب سے اس دن بچا جس دن تیرے بندے اٹھائے یا جمع کئے جائیں گے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں دو باتیں ہیں۔ (۱) آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے وقت صحابہ کی یہ خواہش رہتی کہ آپ ﷺ کے دائیں طرف کھڑے ہوں تاکہ جب آپ ﷺ سلام پھیریں تو آپ ﷺ کے چہرے کا دیدار سب سے پہلے ان ہی حضرات کو ہو۔ (۲) حضور ﷺ نماز پڑھنے کے بعد تعلیم امت کی خاطر مذکورہ دعا نماز کے بعد مانگتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان نکون عن یمینہ دائیں طرف کھڑے ہونے کو پسند کرنے کی دو وجہیں تھیں (۱) صف میں داہنی طرف کھڑے ہونا افضل ہے۔ (۲) سلام پھیرتے وقت پہلے حضور ﷺ داہنی طرف پھیرتے تھے، تو اس توجہ کی سبقت کی بناء پر دائیں طرف کھڑے ہونے کو پسند کرتے تھے حضور ﷺ کے دائیں طرف متوجہ ہونے سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ نماز سے پھرتے تو دائیں طرف متوجہ ہوتے تھے۔ فسمعتہ: سلام پھیرنے کے بعد حضور ﷺ سے یہ دعاء سنی، یا پھر نماز ہی میں دعا سنی۔ رب قنی عذابک: حضور ﷺ کو عذاب نہیں ہوگا، لیکن یہ دعاء تو تعلیم امت کی خاطر تھی یا پھر اپنے رب کے ساتھ تو اضع کی بنا پر تھی، تبعث او: راوی کو شک ہے کہ حضور ﷺ نے دعا مانگتے وقت تبعث کہا تھا یا تجمع کہا تھا۔

حدیث نمبر ۸۸۸ ﴿امام کے اٹھنے کے انتظار میں مقتدیوں کا بیٹھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۴۸

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ اِنَّ النِّسَاءَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ کُنَّ اِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلّٰی مِنَ الرِّجَالِ مَاشَاءَ اللّٰہُ فَاِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ فِیْ بَابِ الضِّحْکِ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

حوالہ: بخاری ص ۱۱۹ ج ۱، باب انتظار الناس قیام الامام العالم، کتاب الاذان، عالمی حدیث ۸۶۶

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ بیشک عورتیں رسول اللہ ﷺ کے دور میں جب فرض نماز سے سلام پھیر لیتیں، اٹھ جاتی تھیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ اور مردوں میں سے جو لوگ نماز میں شامل رہتے جتنی دیر اللہ تعالیٰ چاہتا بیٹھے رہتے، پھر جب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تو مرد حضرات بھی کھڑے ہوجاتے (بخاری) حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت انشاءاللہ "باب الضحک" میں ذکر کریں گے۔

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ کے دور مبارک میں جب عورتیں مسجد میں نماز کے لئے آتی تھیں تو سلام پھیرتے ہی گھروں کو چلی جاتی تھیں، مقصد یہ تھا کہ راستہ میں مردوں سے ٹکراؤ نہ ہو، اس حدیث میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ مرد حضور ﷺ کے ساتھ کچھ دیر بیٹھتے تھے، معلوم ہوا مصلی پر کچھ دیر بیٹھنا مستحب ہے، اور جب تک امام نہ اٹھے مقتدیوں کو بھی نہ اٹھنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح ام سلمة: ام المؤمنین ہیں قمن: یعنی اپنے گھروں کو جانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوتی تھیں، وثبت: آپ ﷺ اور صحابہؓ بیٹھے رہتے تھے، تاکہ عورتیں نکل جائیں اور راستہ میں ان سے اختلاط نہ ہو: قام الرجال: حضور ﷺ مصلی پر کتنی دیر بیٹھتے تھے۔

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ کبھی اتنا مختصر بیٹھتے کہ صرف "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" پڑھنے کے بقدر وقت میں گنجائش رہتی، کبھی کچھ اس سے زائد مدت بیٹھتے اور کچھ دیگر اذکار پڑھتے، حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوا کہ امام کے مصلی سے اٹھنے سے پہلے مصلیوں کا اٹھنا بہتر نہیں ہے: بلکہ مستحب یہ ہے کہ جب امام اٹھے تب ہی اٹھیں: وسند کر حدیث جابر: جس حدیث کا حوالہ دے رہے ہیں وہ حدیث یہ ہے:

"كَانَ لَايَقُوْمُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ الصُّبْحَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَكَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَأْخُذُوْنَ فِيْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُوْنَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

(رسول اکرم ﷺ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک اپنے مصلی پر بیٹھتے رہتے تھے، لوگ کچھ بات چیت کرنے لگتے، تو اس میں زمانہ جاہلیت کا بھی ذکر چھڑ جاتا تو اس پر صحابہؓ ہنستے تھے، آپ ﷺ بھی مسکراتے تھے) اس حدیث میں مباح کلام کے مسجد میں جواز کی دلیل ہے، لیکن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ صحابہؓ کا کلام جو مسجد میں ہوتا تھا، وہ دینی فوائد سے خالی نہیں ہوتا تھا، لہٰذا اس کو مباح کلام پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

صاحب مرقات کہتے ہیں کہ صاحب مشکوٰۃ کو یہ حدیث یہاں ذکر کرنا چاہئے تھا، حوالہ نہ دینا چاہئے تھا، اس وجہ سے کہ جب کوئی حدیث طویل مختلف طور پر مشتمل ہو، تو اس کو ہر اس باب کے تحت لایا جاسکتا ہے جس کے وہ مناسب ہو، اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے ایک ہی حدیث کو بہت سے ابواب کے تحت اپنی کتاب بخاری شریف میں ذکر کیا ہے، پھر حدیث کے شروع کا حصہ" کان لایقوم من مصلاہ الخ" اس مقام کے بہت ہی مناسب بھی تھا۔ واللہ اعلم بالمراد، وهو الهادی بالالهام (مرقات: ص: ۳۵۳: ج: ۲)

عورتوں کے مسجد میں نماز پڑھنے کا مسئلہ عورتوں کو مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت دینی چاہئے یا نہیں؟ اسکو سمجھنے سے پہلے یہ بات سمجھئے کہ آپ کے دور خیر میں عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا، فتنہ کا سبب نہیں تھا، اسوجہ سے چند شرائط کے ساتھ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دی تھی اور ان کو مسجد آنے سے روکنے سے منع فرمایا تھا، لیکن اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے اس دور میں بھی یہ ترغیب دی تھی کہ عورتیں گھر ہی میں نماز پڑھیں تو بہتر ہے اور ان کی بہترین مسجد آپ ﷺ نے گھروں ہی کو قرار دیا تھا، چنانچہ ارشاد گرامی ہے "خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوْتِهِنَّ" عورتوں کے گھروں کا گوشہ ان کی بہترین مساجد ہیں۔

حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں "لَمْ يَخْتَلِفُوْا اَنَّ صَلَاةَ الْمَرْاَةِ فِيْ بَيْتِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي الْمَسْجِدِ" (التمهيد، ص ۱۹۶ ج ۱۱)

(اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عورت کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے) آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب بگاڑ پیدا ہونے لگا اور جن شرائط کے ساتھ آپ ﷺ نے نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی شرائط کی پابندی میں کوتاہی ہونے لگی تو صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا، آج کے حالات اگر آپ ﷺ مشاہدہ فرماتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیتے،

لہٰذا صحابہ کرامؓ نے بعد میں یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں کا مسجد میں آنا فتنہ سے خالی نہیں، اس لئے اس پر پابندی عائد کردی جائے اب ہم چندوہ احادیث ذکر کرتے ہیں، جن سے عورتوں کے مسجد میں آنے کی اباحت معلوم ہوتی ہے، پھر چندان احادیث کوذکر کریں گے جن میں مسجد میں حاضری کے لئے شرائط مقرر کی گئی ہیں، پھران روایات کوذکر کریں گے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں نہ جانا بہتر ہے۔

عورتوں کے مسجد میں حاضر ہونے کے جواز پر احادیث

(۱) اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ "اِذَا اسْتَاذَنَتْ اِمْرَاَةُ اَحَدِكُمْ فَلَا يَمْنَعُهَا" (بخاری) تمہاری بیوی جب (مسجد میں آنے کی) اجازت مانگے تو اس کو منع مت کرو۔ (۲) لَاتَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ" (اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے روکو مت)

احادیث بالا میں عورتوں کو مسجد میں آنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ مردوں کو اس بات کی تاکید کی گئی ہے، کہ اگر عورتیں مسجد آنا چاہیں تو محض وساوس کی وجہ سے ان کو آنے سے روکو مت، معلوم ہوا کہ مسجد میں آکر عورتوں کا نماز پڑھنا کوئی لازم وضروری نہیں ہے۔

مساجد میں عورتوں کے آنے کیلئے شرائط

(۱) صرف رات میں آنے کی اجازت ہے "اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اِذَا اسْتَاْذَنَكُمْ نِسَاءُ كُمْ بِاللَّيْلِ اِلَى الْمَسَاجِدِ فَاْذَنُوْا لَهُنَّ" آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہاری عورتیں تم سے رات میں مسجد میں آنے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دیدو۔ (بخاری) رات سے مراد تاریکی ہے اوراس میں عشاء و فجر کی نمازیں داخل ہیں۔ (۲) **پردہ کی شرط** : اَلنِّسَاءُ يُصَلِّيْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَاةَ ثُمَّ يَخْرُجْنَ مُتَلَفِّفَاتٍ" عورتیں آپ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتی تھیں، پھر انہی رنگین موٹی چادروں میں لپٹی مسجد سے نکل جاتی تھیں۔

(۳) **خوشبو کے استعمال سے اجتناب**:" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا اِمْرَاَةٍ اَصَابَتْ بُخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْاَخِيْرَةَ "(مسلم) آپ ﷺ نے فرمایا جس عورت نے بھی خوشبو کی دھونی لی ہو، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی جماعت میں حاضر نہ ہو۔ (۴) **مردوں سے عدم اختلاط** :مسجد آنے جانے اور مسجد میں مردوں سے اختلاط نہ ہو، یہ بھی ایک شرط تھی، اور حدیث باب میں ام سلمہؓ نے اسی شرط کی رعایت کی بناء پر فرمایا ہے، "كُنَّ اِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ" یعنی عورتیں فرض نماز پوری ہوتے ہی اٹھ کر چل دیتی تھیں، جبکہ مرد حضرات حضورؐ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے رہتے تھے، عام حالات میں بھی عورتوں کا مردوں کے ساتھ راستہ میں اختلاط سے شریعت نے روکا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے لَيْسَ لِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ لِلْخُرُوْجِ وَلَيْسَ لَهُنَّ نَصِيْبٌ فِي الطَّرِيْقِ اِلَّافِيْ جَوَانِبِ الطَّرِيْقِ عورتوں کو گھروں سے نکلنے کا حق نہیں ہے (مجبوری کی حالت میں اگر نکلیں) تو راستہ میں ان کا حق صف راستہ کا کنارہ ہے۔

گھروں میں نماز پڑھنے کی فضیلت پر احادیث

رسول اللہ ﷺ کے دور میں عورتوں کیلئے چند شرائط کے ساتھ اگر چہ مسجد میں حاضری درست تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا یہ بھی فرمان تھا۔ کہ عورتوں کے لئے اپنے گھروں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ (۱) قَالَ صَلٰوةُ الْمَرْاَةِ فِيْ بَيْتِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ حُجْرَتِهَا، وَصَلَاتُهَا فِيْ مَخْدَعِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ بَيْتِهَا" (ابو داؤد) آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورت کی نماز اپنے گھر کے اندر گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اوراس کی نماز گھر کی چھوٹی کوٹھری میں گھر کی نماز سے بہتر ہے اوران کے گھران کے حق میں زیادہ بہتر ہیں، مطلب یہ ہے کہ جتنا تستر ہو زیادہ بہتر ہیں یعنی گھر میں عورتیں نماز پڑھیں تو زیادہ ثواب ہے۔ (ابوداؤد) (۲) "قَالَ خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرُ بُيُوْتِهِنَّ" آپ ﷺ نے فرمایا "عورتوں کی بہترین مسجدیں ان کے گھروں کے اندرونی حصہ ہیں۔

وہ احادیث جن سے مسجد میں جانے کی ممانعت ثابت ہے

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ

كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ. (بخاری)

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عورتوں نے زیب وزینت ایجاد کرلی ہے، اگر رسول اللہ ﷺ اس کا مشاہدہ فرماتے، تو آپ ﷺ انہیں مسجدوں سے ضرور روک دیتے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں)

(۲) اَنَّهٗ رَأَى عَبْدَاللّٰهِ يُخْرِجُ النِّسَاءَ مِنَ الْمَسْجِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَقُوْلُ اَخْرِجُوْهُنَّ بُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌلَّهُنَّ" ابوعمرو الشیب نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھا کہ جمعہ کے دن عورتوں کو کنکری مار مار کر مسجد سے نکال رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ تم لوگ اپنے گھروں کو جاؤ تمہارے حق میں تمہارے گھر ہی بہتر ہیں۔

خلاصۂ حدیث مذکورہ بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دور نبوت میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی، مردوں کو حکم تھا کہ عورتیں مسجد آنا چاہیں تو ان کو روکو نہیں، لیکن مسجد میں عورتوں کا یہ آنا فرض یا واجب نہیں تھا، صرف آنے کی اجازت تھی اور یہ اجازت بھی بہت سی شرائط کے ساتھ مقید تھی، نیز عورتوں کو ترغیب اسی بات کی آپ ﷺ نے اس دور میں بھی دی کہ گھر میں ہی نماز پڑھنا زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب بگاڑ شروع ہوا تو صحابہؓ نے عورتوں کو مسجد میں آنے کو برا سمجھا اور پھر بعد میں فتنوں کے خاتمہ کے لئے اور حجاب کے اہم مسئلہ کے تحفظ کے لئے عورتوں کے مسجد میں آنے کو ممنوع قرار دیا، بلاشبہ یہ فیصلہ قرآن مجید کی آیت "وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ" اور منشاء نبوی ﷺ "وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌلَّهُنَّ" کے مطابق تھا۔

(نوٹ) یہ مباحث میں نے بہت اختصار کے ساتھ احادیث کی کتابوں اور خواتین اسلام کی بہترین مسجد، نامی رسالہ سے نوٹ کردیئے ہیں، تفصیل کے لئے مذکورہ رسالہ اور دیگر احادیث کی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ (ابن علی)

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۸۸۹ ﴿نماز کے بعد کی ایک اہم دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۴۹

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّ اَبَادَاوُدَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَ مُعَاذٌ وَاَنَا اُحِبُّكَ.

حوالہ: مسند احمد ص ٢٤٤ ج٥، ابوداؤد ص ٢١٣ ج١، باب في الاستغفار، كتاب الصلاة، حديث نمبر ١٥٢٢. نسائی ص ٢٤٦ ج٢، باب نوع آخر من الدعاء، كتاب السهو، حديث نمبر ١٣٠٢.

ترجمه: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا "اے معاذؓ میں تم سے محبت کرتا ہوں، میں نے عرض کیا میں بھی آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا تو ہر نماز کے بعد یہ دعاء مانگنا مت چھوڑو "رب اعني علي" اے پروردگار اپنے ذکر کرنے اور اپنے شکر ادا کرنے اور اپنی اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرمایئے۔ (احمد، ابو داؤد، نسائی) مگر ابوداؤد کی روایت میں حضرت معاذؓ کا یہ جملہ "و انا احبك" مذکور نہیں ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو نماز کے بعد پڑھی جانے والی ایک دعا سکھائی ہے، اس دعاء میں رب العالمین سے ہی اس کی مخلصانہ عبادت اور اسکے ذکر و شکر ادا کرنے پر قدرت و طاقت کو طلب کیا گیا ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے، کہ بہترین دوست اور محبت کرنیوالا وہ ہے جو اپنے دوست کی آخرت سنوارنے کے حوالے سے فکر کرے۔

کلمات حدیث کی تشریح **اخذ بیدی:** حضور ﷺ نے محبت و تعلق ہی کی بناء پر حضرت معاذؓ کا ہاتھ پکڑا تھا، **انی لا احبك:** اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس شخص کو کسی سے محبت ہو، تو وہ اس سے ظاہر کردے۔

انا احبك: حضرت معاذؓ نے بھی جواب میں آپ ﷺ سے محبت کا اظہار فرمایا، فلاتدع: آپ ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ جب ہمارے درمیان محبت ہے تو تم آگے آنیوالی دعاء کا اہتمام کرو، یا پھر یہ مقصد تھا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ محبت باقی رہے تو تم اس دعاء کا اہتمام کرو: کل صلاۃ: ہر نماز کے مابعد مراد ہے، یا بالکل اخیر میں مراد ہے، ذکرك: سے مراد زبان کی اطاعت ہے، وشکرك: قلب کی اطاعت مراد ہے، وحسن عبادتك: ارکان اطاعت مراد ہے حسن عبادت کی تفسیر حدیث جبریل میں گذر چکی ہے، ان تعبدالله کانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك" عبادت ایسے کرو کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم یہ سمجھو کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ (حذف واضافه مرقات، ص ۳۵٤ ج ۲) اس حدیث کو محدثین حدیث مسلسل میں شمار کرتے ہیں، حدیث مسلسل وہ حدیث کہلاتی ہے جس کی سند کے تمام رواۃ کسی خاص صفت میں مشترک ہوں، خواہ وہ صفت قولی ہو یا فعلی، اسکی ایک بہت واضح مثال وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "لَا يَجِدُ الْعَبْدُ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ حُلْوِهٖ وَمُرِّهٖ قَالَ النَّاسُ وَقَبَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ وَقَالَ اٰمَنْتُ بِالْقَدَرِ" (بندہ اچھی و بری، شریں و تلخ، تقدیر پر ایمان لائے بغیر ایمان کی حلاوت نہیں پاسکتا، لوگوں نے کہا اس وقت آپ ﷺ نے اپنی داڑھی پکڑ کر کہا کہ میں نے تقدیر پر ایمان لایا) آپ ﷺ کے بعد جس راوی نے بھی یہ حدیث نقل کی تو "امنت بالقدر" داڑھی پکڑ کر کہا، یہی ہے حدیث مسلسل، کیونکہ اس حدیث کے تمام راوی حدیث بیان کرنے میں ایک خاص وصف یعنی داڑھی پکڑنے میں مشترک ہیں جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو وہ یوں مسلسل ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یہ دعاء سکھانے سے پہلے ان کا ہاتھ پکڑا اور یوں کہا "انا احبك" تو بعد میں تمام راویوں نے یہ حدیث سنانے سے پہلے اپنے شاگردوں سے آقا کا یہ فرمان اسی طرح سے نقل کیا، لہٰذا یہ حدیث بھی مسلسل ہوگئی، اس سلسلہ کی مزید تفصیلات کیلئے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا رسالہ "اَلْفَضْلُ الْمُبِيْنُ فِي الْمُسَلْسَلِ مِنْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ الْاَمِيْنِ" دیکھا جاسکتا ہے۔

حدیث نمبر ۸۹۰ ﴿آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۵۱/۹۵۰

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْسَرِ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَلَمْ يَذْكُرِ التِّرْمِذِيُّ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهٖ وَرَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ۔

حواله: ابو داؤد ص ۱٤۳ ج ۱، باب السلام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۹۹٦، ترمذی، ص ٦٥ ج ۲، باب ماجاء فی التسلیم کتاب الصلاۃ، نسائی، ص ۱٤۸ ج ۱، باب کیف السلام علی الشمال، کتاب السھو، حدیث نمبر ۱۳۲۱.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ "السلام علیکم ورحمة الله" کہتے ہوئے اپنی دائیں طرف اس طور پر سلام پھیرتے کہ آپ کے داہنے رخسار کی سفیدی نظر آجاتی، اور اپنی بائیں طرف "السلام علیکم ورحمة الله" کہتے ہوئے اس طرح سلام پھیرتے کہ آپ ﷺ کے بائیں رخسار کی سفیدی نظر آجاتی (ابو داؤد، ترمذی، نسائی) لیکن ترمذی کی روایت میں "حتی یری بیاض خده" کے الفاظ نہیں ہیں اور ابن ماجہ نے عمار بن یاسرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

خلاصۂ حدیث: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرتے تھے، اور سلام پھیرنے میں "السلام علیکم ورحمة الله" پر اکتفاء فرماتے تھے، دائیں بائیں رخ کرنے میں کچھ مبالغہ فرماتے تھے، اسی بناء پر مقتدیوں کو آپ ﷺ کے رخسار مبارک نظر آجاتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح: السلام علیکم ورحمة الله: بعض شوافع "وبرکاته" کی زیادتی کو مستحب قرار دیتے ہیں، نسائی کی روایت میں ہے کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت ورحمۃ اللہ کہا، اور بائیں طرف سلام پھیرتے

وقت "السلام علیکم" کہا، چونکہ اکثر روایات میں یہ فرق مذکور نہیں ہے، اسی طرح اکثر روایات میں "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" پر آپ ﷺ نے اکتفاء فرمایا ہے، لہٰذا جمہور کے نزدیک دونوں سلاموں میں یہی الفاظ کہنا مسنون ہے۔

حدیث نمبر ۸۹۱ ﴿آپ ﷺ کا بائیں طرف ہوکر بیٹھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۵۲

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ اِنْصِرافِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ اِلَى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ اِلَى حُجْرَتِهِ رَوَاهُ فِي شَرحِ السُّنَّةِ.

حوالہ: بغوی فی شرح السنۃ، ص ۲۱۰/۲۱۱، ج۳ باب الانصراف عن الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۷۰۲

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر نماز کے بعد بائیں طرف پھر کر حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جاتے تھے۔

خلاصۂ حدیث حدیث نمبر ۸۸۶ کے تحت یہ بات گذر چکی ہے کہ نمازی نماز کے بعد اپنی سہولت کے اعتبار سے جس طرف چاہے پھرے، چونکہ آپ ﷺ کے حجرۂ مبارکہ کا دروازہ مسجد میں بائیں محراب کی طرف تھا، اس لئے جب آپ ﷺ کو نماز کے بعد جانا ہوتا تو آپ ﷺ بائیں جانب پھرتے اور حجرہ میں تشریف لے جاتے۔ (شرح السنۃ)

کلمات حدیث کی تشریح الی حجرتہ: علامہ طیبیؒ نے نقل کیا کہ آپ ﷺ کے حجرۂ مبارکہ کا وہ دروازہ جو مسجد کی طرف کھلتا تھا، محراب کے دائیں جانب تھا، اس بناء پر آپ ﷺ اپنی بائیں جانب پھر کر حجرہ میں داخل ہوتے تھے۔ (مرقات ص ۳۵۴ ج ۲) مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۸۸۵ و ۸۸۶ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۸۹۲ ﴿فرض کی جگہ سے ہٹ کر سنتیں پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۵۳

وَعَنْ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّى الْاِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ حَتّٰى يَتَحَوَّلَ رَوَاهُ اَبُو دَاوٗدَ وَقَالَ: عَطَاءُ الْخُرَاسَانِيُّ لَمْ يُدْرِكِ الْمُغِيْرَةَ.

حوالہ: ابوداؤد ص ۹۱ ج ۱، باب الامام یتطوع فی مکانہ، کتاب الصلاۃ۔ حدیث نمبر ۶۱۶۔

ترجمہ: حضرت عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام اس جگہ نماز نہ پڑھے جس جگہ نماز پڑھ چکا ہے، بلکہ اس جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھے (ابوداؤد کہتے ہیں کہ حضرت عطا خراسانی کی ملاقات حضرت مغیرہؓ سے نہیں ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس جگہ فرض پڑھی ہو، اس جگہ سنت پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے، سنن ونوافل تھوڑا ہٹ کر پڑھنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح لایصلی الامام: جہاں فرض پڑھی ہو وہیں پر سنت ادا کرنے سے منع کیا گیا ہے، حدیث کے ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے اس ممانعت کا تعلق صرف امام سے ہے، یعنی امام نے جس جگہ کھڑے ہوکر نماز پڑھائی ہے اسی جگہ سنن ونوافل ادا نہ کرے، یہ حدیث کا ظاہر ہے لیکن محدثین وضاحت کرتے ہیں کہ یہ ممانعت عام ہے، امام ومقتدی سب کو شامل ہے، ایک حدیث میں ہے "اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ اَوْعَنْ يَّمِيْنِهٖ اَوْ عَنْ شِمَالِهٖ فِي الصَّلَاةِ" یہ حدیث عام ہے، اس میں امام کی قید نہیں ہے، لہٰذا جمہور کے نزدیک یہ حکم بھی عام ہے۔

سوال؟ فرض وسنت ایک جگہ ادا کرنے سے کیوں منع کیا ہے؟

جواب: تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ لوگ ابھی فرض نماز میں ہی مشغول ہیں۔

(۲) تاکہ دونوں جگہیں قیامت کے روز اطاعت کی گواہ بنیں۔ (مرقات ص ۳۵۵ ج ۲)

عطاء الخراسانی: حدیث باب ضعیف ہے، وجہ ضعف یہ ہے کہ حدیث منقطع ہے، عطاء خراسانی اور حضرت مغیرہؓ کے درمیان کوئی راوی ضرور ہوگا کیونکہ عطاء خراسانی کی ملاقات حضرت مغیرہؓ سے ثابت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۸۹۳ ﴿مقتدیوں کو امام سے پہلے اٹھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۵٤

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَضَّھُمْ عَلَی الصَّلٰوۃِ وَنَھَاھُمْ اَنْ یَّنْصَرِفُوْا قَبْلَ اِنْصِرَافِہٖ مِنَ الصَّلٰوۃِ رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ۔

حوالہ: ابو داؤد ص ۹۲ ج ۱، باب فیمن ینصرف قبل الامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ٦٢٤.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھنے پر ابھارتے تھے، اور اس بات سے منع کرتے تھے کہ صحابہؓ نماز کے بعد آپ ﷺ کے اٹھنے سے پہلے اٹھیں۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں ایک بات تو یہ بتائی گئی ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھنے کی یا جماعت سے نماز پڑھنے کی بہت ترغیب دیتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کے فضائل صلاۃ سے متعلق بے شمار فرامین اس پر شاہد بھی ہیں، دوسری بات اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ صحابہؓ کو آپ ﷺ یہ ہدایت دیتے تھے کہ نماز اور ذکر واذکار سے فراغت کے بعد جب تک میں نہ اٹھوں تم لوگ نہ اٹھا کرو، چنانچہ صحابہؓ کا معمول بھی تھا کہ جب تک آپ ﷺ مصلی سے نہیں اٹھتے تھے صحابہ بھی مصلے پر بیٹھے رہتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح ونھاھم ان ینصرفوا آپ ﷺ نے اپنے اٹھنے سے پہلے صحابہ کو اٹھنے سے منع کیا، یہاں ''انصراف'' یعنی اٹھنے سے کیا مراد ہے اسمیں تین اقوال ہیں (۱) مقتدی امام کے نکلنے سے پہلے مسجد سے نہ نکلیں اسکی وجہ یہ تھی کہ عورتیں آپ ﷺ کے سلام پھیرتے ہی مسجد سے نکل جاتی تھیں اور آپ ﷺ کے ذکر واذکار میں لگ جاتے تھے، اب اگر مرد بھی فوراً نکلتے تو عورتوں کیساتھ راستہ میں اختلاط ہوتا، اسوجہ سے آپ ﷺ نے منع فرمادیا، (۲) امام کے سلام پھیرنے سے قبل مقتدی سلام نہ پھیریں، ۳۔ مسبوق امام کے سلام پھیرنے سے قبل اپنی بقیہ نماز کی ادائیگی کیلئے کھڑے نہ ہوں یہ ہمارے یہاں حرام ہے۔ (مرقات ص ۳۵۵ ج ۱)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۸۹٤ ﴿تشھد میں پڑھی جانے والی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۵۵

وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ فِیْ صَلَاتِہٖ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَۃَ عَلَی الرُّشْدِ، وَاَسْاَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَحُسْنَ عِبَادَتِکَ وَاَسْاَلُکَ قَلْباً سَلِیْماً وَلِسَاناً صَادِقاً وَاَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَنَسْتَغْفِرُکَ لِمَا تَعْلَمُ رَوَاہُ النَّسَائِیُّ وَرَوَی اَحْمَدُ نَحْوَہٗ۔

حوالہ: سنن نسائی ص ۱٤٦ ج ۱، باب نوع آخر من الدعاء، کتاب السھو، حدیث نمبر ۱۳۰۳ مسند احمد ص ۱۲۳ ج ٤.

ترجمہ: حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں یہ دعا مانگتے تھے، اللّٰھم انی اسالك'' اے اللہ میں آپ سے دینی معاملات میں ثابت قدمی کا سوال کرتا ہوں اور درست بات کا عزم مانگتا ہوں، اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ میں آپ کی نعمت کا شکر یہ ادا کروں اور آپ کی بہترین عبادت کروں، اور آپ سے قلب سلیم اور سچی زبان کا طلبگار ہوں، اور میں اس چیز کی بھلائی مانگتا ہوں جس کو آپ جانتے ہیں اور اس چیز کی برائی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں جس کو آپ جانتے ہیں اور اس گناہ کی بخشش چاہتا ہوں جو آپ کے علم میں ہیں۔ (نسائی) احمد نے بھی اسی طرح یہ روایت نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں ایک بہت جامع دعا منقول ہے، یہ دعا بھی آپ ﷺ تشہد میں مانگتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر گناہ سے معصوم اور ہر طرح کی رشد وہدایت سے مزین تھے۔ اس کے باوجود آپ نے یہ دعاء امت کی تعلیم کی خاطر مانگی ہے، تاکہ امت دعا کو سیکھ کر رب العالمین سے مانگے۔

سچ ہے کہ ہمیں تو رب العالمین سے مانگنا بھی نہیں آتا، یہ تو ہمارے بے مثال آقا کا کرم ہے کہ انہوں نے بارگاہ ذوالجلال سے مانگنے کا سلیقہ بھی دیا اور وہ کلمات بھی عطاء فرمائے جن سے مانگا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح الامر دین سے متعلق تمام امور مراد ہیں العزیمة علی الرشد: کسی کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کرنا عزم ہے مطلب یہ ہے کہ خیر کی بات اختیار کرنے میں تذبذب کا شکار نہ ہوں، ہدایت کو فوراً اختیار کرلوں اور ہدایت کو اپنے لئے لازم کرلوں۔

واسالك: یعنی آپ ﷺ نے جو نعمتیں عطاء کیں ہیں، ان کو آپ کی فرمانبرداری میں صرف کروں، حاصل یہ ہے کہ آپ کے اوامر پر عمل کروں اور نواہی سے اجتناب کروں۔

وحسن عبادتك: عبادت اس کے شرائط، ارکان اور کامل اخلاص کے ساتھ ادا کروں، أسالك: ایسے دل کا طلب گار ہوں جو فاسد عقائد اور شہوات کی طرف مائل ہونے سے پاک ہو اس وجہ سے کہ یہ چیزیں قلب کے امراض میں سے ہیں، اور قلب کی صحت علم اور اخلاق فاضلہ ہیں، یا پھر یہ مراد ہے کہ ایسا قلب عطاء فرمایئے جو کینہ کپٹ، بغض وحسد اور دیگر اخلاق رذیلہ سے پاک ہو، ولسانا صادقا: یعنی ایسی زبان عطا فرمادیجئے جس سے حق بات اور واقع کے مطابق بات نکلے، جھوٹ سے وہ بہت دور ہو۔ (مرقات ص ۳۵۵ ج ۲)

واسالك: بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جن کے ظاہر سے انسان اس کو اپنے حق میں مفید خیال کرتا ہے، حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے اس کے حق میں بہتر نہیں ہوتی، اسی طرح بہت سی اشیاء کو انسان بری سمجھتا ہے، لیکن وہ اپنے انجام کے اعتبار سے اس انسان کے حق میں مفید ہوتی ہیں، اسی بات کو رب العالمین نے یوں فرمایا ہے "عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ" ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کررہے ہو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کررہے ہو جب کہ وہ تمہارے حق میں بری ہو، ایسا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان ہر چیز کی کامل حقیقت سے واقف نہیں ہوتا، ہر چیز کے اول وآخر سے واقف ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، اس وجہ سے اس دعاء میں آپ ﷺ نے یوں مانگا کہ اے اللہ جو چیز آپ کے علم میں بہتر ہے وہ عطاء کیجئے اور جس چیز کو آپ برا جانتے ہیں اس سے ہمیں محفوظ رکھئے۔ واستغفرك: گناہوں اور غلطیوں سے بھی اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی مغفرت بھی طلب کی ہے۔

حدیث نمبر ۸۹۵ ﴿آپ ﷺ کا تشہد کے بعد دعاء کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۵۶

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلَاتِهٖ بَعْدَ التَّشَهُّدِ اَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَاَحْسَنُ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حواله: نسائی، ص ج ۱، باب نوع آخر من الذکر بعد التشهد، کتاب السهو، حدیث نمبر ۱۲۱۰

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں تشہد کے بعد یہ دعاء مانگتے تھے "احسن الکلام الخ" سب سے بہترین کلام اللہ کا کلام ہے، اور سب سے اچھا طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ (نسائی)

خلاصہ حدیث التحیات: وغیرہ پڑھنے کے بعد قعدہ اخیرہ میں آپ ﷺ سے کئی طرح کی دعاء مانگنا ثابت ہے، حدیث باب میں جو دعاء مذکور ہے وہ بھی آپ ﷺ کبھی کبھی مانگتے تھے، کسی ایک دعاء کا ہمیشہ ہمیش معمول نہیں تھا، بلکہ مختلف مواقع پر

مختلف دعائیں مانگی ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح

احسن الهدی: آپ ﷺ کے احوال وافعال مراد ہیں۔

اشکال: جوالفاظ ذکر ودعاء کے علاوہ ہوں انکے تلفظ سے نماز باطل ہوجاتی ہے، پھر نماز میں احسن الهدی ہدی محمد کے الفاظ کہنے سے نماز کیوں نہیں باطل ہوئی، یہ الفاظ نہ دعا ہیں نہ ذکر ہیں۔

جواب: اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی مدح یہ درحقیقت اللہ کے رسول کی مدح ہے، اور یہ ذکر وتسبیح اور رسول اللہ پر درود بھیجنے کے حکم میں ہے، کیونکہ اعتبار معنی کا ہوتا ہے، الفاظ کا نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اگر کسی سے نماز میں کہا گیا کے فلاں کی وفات ہوگئی اور نمازی نے یہ سن کر "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا تو نماز باطل ہوگئی، اسی وجہ سے کہ معنی کے اعتبار سے یہ قائل کے کلام کا جواب ہوگیا، اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے قرآن کے الفاظ ہی ہیں، علماء لکھتے ہیں کہ تشہد کے بعد سلام سے پہلے یعنی نماز میں وہ دعا نہ کرنا چاہئے، جن کو انسان سے طلب کیا جاتا ہے، لہٰذا اگر کسی نے دعاء کی "اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ مَالاً وَجَارِیَةً" اے اللہ مال عطا فرمادیجئے، باندی عطا فرمادیجئے، تو اس سے دعاء کرنے والے کی نماز باطل ہوجائے گی۔

اس کے برخلاف اگر کسی نے یہ دعاء کی "اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِیْ وَزَوِّجْنِیْ الْحُوْرَ الْعِیْنَ" اب نماز باطل نہ ہوگی، کیونکہ غنا عطا کرنا اور حورعین سے شادی کردینا کسی انسان کا کام نہیں ہے۔ (مرقات ص ۳۵۶ ج ۲)

حدیث نمبر ۸۹۶ ﴿ایک سلام پھیرنے کا ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۵۷

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلٰوةِ تَسْلِيْمَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَمِيْلُ اِلَى الشِّقِّ الْاَيْمَنِ شَيْئاً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

حواله: ترمذی، ص ٦٦ ج ١، باب كتاب الصلاة، حدیث نمبر ٢٩٦.

ترجمه: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں ایک سلام اس طور پر پھیرتے کہ شروع میں آپ ﷺ کے چہرے کا رخ سیدھا ہوتا پھر کچھ دائیں طرف مائل ہوجاتا۔ (نسائی)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نماز سے نکلنے کے لئے صرف ایک مرتبہ سلام پھیرا جائے گا، آپ ﷺ کے سلام پھیرنے کا طریقہ تھا "السلام علیکم" کہتے وقت آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک قبلہ رخ رہتا، پھر بعد میں آپ ﷺ کا چہرہ کچھ داہنی طرف مائل ہوجاتا۔

کلمات حدیث کی تشریح

تسلیمة تلقاء: جب آپ ﷺ سلام پھیرنا شروع کرتے تو چہرہ قبلہ رخ رہتا تھا، ثم یمیل: پھر آپ ﷺ اپنا چہرہ تھوڑا سا داہنی طرف موڑتے تھے، یہاں تک کہ دایاں رخسار مبارک لوگوں کو نظر آجاتا پھر تھوڑا سا بائیں طرف اپنے چہرہ کو مائل کرتے، تو بایاں رخسار بائیں طرف کے لوگوں کو نظر آجاتا، جیسا کہ اس پر بہت سی حدیثیں دلالت کررہی ہیں۔ (مرقات ص ۳۵۶ ج ۲)

ایک سلام پر اکتفاء کرنے کا مسئلہ

امام مالکؒ کا مذهب: امام مالکؒ کے نزدیک صرف ایک مرتبہ امام اپنے سامنے کی طرف منھ اٹھا کر سلام کرے اور اس کے بعد تھوڑا سا دائیں جانب کو مڑ جائے۔

دلیل: انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یسلم فی الصلاة تسلیمة واحدة تلقاء وجهه ثم یمیل الیٰ الشق الایمن شیئاً

امام ابو حنیفهؒ کا مذهب: امام ومقتدی ومنفرد سب پر دونوں سلام واجب ہیں۔

دلیل: ''انّه کان یسلم عن یمینه وعن یساره'' آپ ﷺ دائیں اور بائیں دونوں جانب سلام پھیرتے تھے۔

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب: امام مالکؒ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، اسکا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے، بعض اوقات نبی کریم ﷺ نے دوسرا سلام اس قدر آہستہ کہا ہو کہ کچھ لوگ اسکو سن نہ سکے ہوں، جسکی بناء پر انہوں نے ایک ہی سلام سمجھا ہو، نیز روایات کثیرہ کے مقابل میں چند روایات کو ترجیح نہیں دی جائیگی، اکثر روایات اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ کا معمول دو سلام پھیرنے کا تھا

حدیث نمبر ۸۹۷ ﴿سلام پھیرتے وقت جواب کی نیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۵۸

وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَرُدَّ عَلَى الْاِمَامِ وَنَتَحَابَّ وَاَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ . (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُد)

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۴۳ ج ۱، باب الرد علی الامام. کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۰۰۱.

ترجمہ: حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم امام کا جواب دیا کریں، ایک دوسرے سے محبت کریں، ہم میں سے بعض بعض کو سلام کرے۔ (ابو داؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب امام سلام پھیرے، تو مقتدی امام کے جواب دینے کی نیت سے سلام پھیریں، دائیں طرف والے پہلے سلام کے جواب میں امام کی نیت کریں، اور بائیں طرف والے دوسرے سلام میں امام کے جواب کی نیت کریں، نیز ایک دوسرے پر سلام بھیجنے کی نیت کریں، امام کی پشت والے ہر سلام میں امام کے جواب کی نیت کریں۔ امام بھی مقتدیوں پر سلام بھیجنے کی نیت کرے نیز ایک دوسرے کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ان نرد: رد علی الامام کا مطلب یہ ہے کہ جب مقتدی نماز میں ''السلام علیکم'' کہیں، تو اسمیں امام کی نیت بھی کریں، یعنی ''کم'' خطاب میں امام کو بھی شامل کرلیں، اور ہر مقتدی دوسرے مقتدی کی بھی نیت کرلے علماء نے لکھا ہے جماعت میں شریک فرشتوں کی نیت بھی کی جائے۔

باب الذکر بعد الصلاۃ

﴿نماز کے بعد ذکر کا بیان﴾

نماز کے بعد ذکر واذکار، اور درود ودعاء میں مشغول ہونا مستحب ہے، جن فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں، ان میں مختصر دعاء کرنا چاہئے اور جن میں سنن ونوافل نہیں ہیں ان میں دیر تک دعاء میں مشغول رہنا بہتر ہے۔

فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت اس باب کے تحت ترمذی کے حوالے سے حدیث آرہی ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سے وقت سب سے زیادہ دعاء مقبول ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَاتِ'' اس حدیث میں صاف صراحت ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء مقبول ہوتی ہے، علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ''فض الوعا فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء'' میں بحوالہ ابن ابی شیبہ محمد یحیٰ اسلمی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اس طرح دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگ رہا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمایا رسول اللہ ﷺ جب تک نماز سے فارغ نہ ہوجاتے دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھاتے، اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔

دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا حضرت سلمان فارسیؓ سے ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ اِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ اِلَيْهِ يَدَيْهِ اَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا خَائِبَيْنِ'' اللہ تعالیٰ بہت حیا

کرنیوالے اور کریم ہیں، وہ اس سے حیا کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس کی طرف دعاء کیلئے ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی ہاتھ اور محروم لوٹا دے۔

ابوداؤد شریف میں مالک بن یسارؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَأَلُوْهُ بِبُطُوْنِ كَفِّكُمْ وَلَا تَسْأَلُوْهُ بِظُهُوْرِهِمَا" جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کے باطنی جانب سے سوال کرو، ظاہر طرف سے نہ کرو، یعنی ہتھیلیاں چہرے کی طرف کر کے دعا کرو۔

ذکر کے وقت ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے محمد ابن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ دعاء کے وقت خواہ کوئی دعاء ہو اور کسی وقت ہو، نماز کے بعد ہو یا ان کے سواء دیگر اوقات میں ہو ہاتھ اٹھانے پر احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں، یہاں پر یہ ذہن میں رہے کہ دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا اس وقت مستحب ہے جب کہ الفاظ دعاء طلب کے مقصد و نیت سے ہوں، لیکن جب یہ قصد نہ ہو بلکہ بطور ذکر مسنون کے پڑھنا ہو، جیسے صبح و شام کی بیداری اور سونے کی دعائیں بیت الخلاء جانے اور نکلنے کی دعاء، تو ان میں ہاتھ اٹھانے کا کوئی قائل نہیں ہے کیونکہ، اگر ایسا ہوا تو کوئی وقت بھی ہاتھ اٹھانے سے خالی نہ رہے، کیونکہ ہر نقل و حرکت کے لئے کوئی نہ کوئی دعاء ہے جو کہ مسنون ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے جنبی ذکر کے طور پر قرآن پڑھ سکتا ہے تلاوت کے قصد سے نہیں پڑھ سکتا ہے۔

(تلخیص امداد الفتاویٰ جلد اول)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۸۹۸ ﴿نماز کے بعد ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۵۹

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۱۱۶ ج۱، باب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۸۴۲، مسلم ص ۲۱۷ ج۱، باب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۸۳.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے اختتام کو آپ ﷺ کے "اللہ اکبر" کہنے سے پہچان لیتا تھا۔

(بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے اختتام پر بلند آواز سے "اللہ اکبر" کہتے تھے، اسی اللہ اکبر کے کہنے سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سمجھ لیتے تھے کہ نماز پوری ہوگئی۔

کلمات حدیث کی تشریح **کنت اعرف انقضاء:** آپ ﷺ اختتام صلاۃ پر تکبیر کہتے تھے، اس تکبیر کی مراد متعین کرنے میں کافی اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے بعد ذکر ہے، یعنی نماز کے بعد ذکر جہری مستحب ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ نماز کے بعد مسجد میں ذکر جہری بہتر نہیں ہے، آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو زور سے ذکر کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا "اِنَّكُمْ لَاتَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَاغَائِبًا اِنَّهُ يَعْلَمُ اِنَّهُ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ" تم کسی بہرے کو کسی غائب کو نہیں پکارتے ہو تم تو اس ذات کو پکارتے ہو جو تمہارے ساتھ سنتا ہے اور قریب ہے، اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ تمام اذکار میں مسنون یہ ہے کہ آہستہ ذکر کیا جائے، لیکن کچھ مواقع مستثنیٰ ہیں مثلاً تلبیہ وغیرہ تفصیل کے لئے دیکھئے (مرقات ص ۳۷۵ ج۲)

ذکر بالجہر میں مذاہب ائمہ **ابن حزم کا مذھب:** بعض مکلف کے نزدیک فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے، متاخرین میں یہی مذہب ابن حزم ظاہری کا ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہی ہے، اس سے استدلال کر کے کہتے ہیں، کہ یہ حدیث بتارہی ہے کہ نماز کے بعد آپ ﷺ

ذکر بالجہر کرتے تھے، التعلیق الصبیح ص۲ ج۲ پر ہے: وَقَالَ الْإِمَامُ النَّوَوِیُ فِیْ هٰذَا دَلِیْلٌ لِّمَا قَالَهٗ بَعْضُ السَّلَفِ إِنَّهٗ يُسْتَحَبُّ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّكْبِيْرِ وَالذِّكْرِ عَقِبَ الْمَكْتُوْبَةِ" امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث باب ان اسلاف کی دلیل ہے جو فرض نماز کے بعد تکبیر اور ذکر کو بلند آواز سے مستحب قرار دیتے ہیں۔

جواب : آپ نماز کے بعد ذکر بالجہر نہیں فرماتے تھے، حدیث باب میں جو رفع الصوت بالتکبیر کا ذکر ہے وہ ذکر کی تعلیم کے لئے تھا اور یہ آپ نے کبھی کبھی کیا ہے یہ کوئی آپ کا دائمی معمول نہیں تھا یا پھر رفع الصوت بالتکبیر سے منیٰ وغیرہ میں ایام تشریق کی تکبیر مراد ہے۔ (بذل، والتعلیق)

ائمہ اربعہ کا مذہب : ائمہ اربعہ ذکر بالجہر کے استحباب کے قائل نہیں ہیں۔

دلیل : اوپر ائمہ اربعہ کی دلیل گذری کہ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو بلند آواز سے ذکر کرتے دیکھا تو اس سے منع فرمایا اور کہا کہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو۔ الخ۔

سوال : اس تکبیر سے ذکر بالجہر نہیں مراد ہے تو پھر کیا مراد ہے۔

جواب : (۱) ایک جواب تو گزر چکا ہے کہ اس سے ذکر کی تعلیم دینا ہے۔ (۲) رسول اللہ ﷺ کے شروع دور میں ایک بار یا تین بار تکبیر کہی جاتی تھی وہی مراد ہے۔ (۳) منیٰ وغیرہ میں ایام تشریق مراد ہے۔ (۴) تکبیر سے مراد سبحان اللہ الحمد للہ اور اللہ اکبر ہے جو کہ نماز کے بعد تینتیس بار پڑھا جاتا ہے۔

اشکال : نماز کا ختم ہونا سلام کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے، یعنی امام جب سلام پھیرے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ نماز مکمل ہوگئی ایسی صورت میں عبداللہ بن عباسؓ یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ نماز کا پورا ہونا تکبیر کے ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

جواب : (۱) حضرت ابن عباسؓ اس وقت کم سن تھے، ہر نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے، تو جس نماز میں وہ شریک نہ ہوتے اس نماز کے مکمل ہونے کو اس آواز سے سمجھ جاتے تھے، جو نماز پوری ہونے پر اللہ اکبر کہے جانے کی صورت میں مسجد سے باہر سنائی دیتی تھی۔

(۲) حضرت ابن عباس صغیر السن ہونے کی وجہ سے پچھلی صف میں کھڑے ہوئے تھے اور وہاں چونکہ سلام کی آواز نہیں پہنچ پاتی تھی، اس لئے تکبیر سن کر معلوم کر لیتے تھے کہ نماز ختم ہوگئی۔

حدیث نمبر ۸۹۹ ﴿نماز کے بعد دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۶۰

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم ص ۲۱۸ ج۱، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ حدیث نمبر ۵۹۲۔

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اتنی دیر بیٹھے تھے جتنی دیر میں یہ دعاء پڑھی جائے "اللّٰھم انت السلام" اے اللہ آپ ﷺ سلام ہیں اور آپ ﷺ ہی سے سلامتی ملتی ہے، اے بزرگی و بخشش والی ہستی، آپ بابرکت و برتر ہیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ ان فرض نمازوں کے بعد کہ جن فرض نماز کے بعد سنن ہیں، بہت زیادہ دیر تک بیٹھ کر دعائیں نہیں مانگتے تھے، اور نہ بہت دیر تک ذکر اللہ کرتے تھے، بلکہ مختصراً بیٹھ کر سنن و نوافل کی ادائیگی فرماتے تھے۔ البتہ جن فرض نمازوں کے بعد سنن و نوافل نہیں ہیں مثلاً فجر یا عصر ان میں آپ ﷺ کا سلام پھیرنے کے بعد دیر تک بیٹھنا ثابت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا سلم: یعنی آپ ﷺ جب ان فرض نمازوں کا سلام پھیرتے جن کے بعد سنن نہیں ہیں، لم یقعد: یعنی فرض اور سنن کے درمیان زیادہ دیر نہیں بیٹھتے تھے: الامقدار مایقول: بس اتنی دیر بیٹھتے تھے جتنی دیر میں مذکورہ دعاء پڑھی جا سکے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ بسا اوقات آپ ﷺ اتنی دیر بیٹھتے تھے اور بسا اوقات سلام پھیرنے کے بعد معاً سنت کی ادائیگی کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، لیکن فجر اور عصر کی نماز میں زیادہ دیر تک بیٹھنا اور ذکر کرنا مستحب ہے بلکہ فجر میں طلوع شمس اور عصر میں غروب شمس تک ذکر و دعاء کے لئے بیٹھنا مستحب ہے، حضرت انسؓ کی روایت آگے آرہی ہے "عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً" (ابو داؤد) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس جماعت کیساتھ بیٹھنا جو نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں میرے نزدیک حضرت اسماعیل کی اولادوں میں سے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک ایسے لوگوں میں میرا بیٹھنا جو اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ چار غلام آزاد کروں، معلوم ہوا کہ فجر و عصر کی نماز کے بعد ذکر و اذکار میں مشغول ہونا مستحب ہے، اللّٰهم انت السلام "اے اللہ آپ ہر عیب و حوادث اور تغیر و آفات سے پاک و صاف اور محفوظ ہیں، و منك السلام: یعنی سلامتی آپ ہی سے طلب کی جاتی ہے اور آپ سے سلامتی کی امید کی جاتی ہے، شیخ جزائری نے "تصحیح المصابیح" میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے فرمان "منك السلام" کے بعد جو اضافے کئے جاتے ہیں مثلاً "وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ" ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تبارکت: آپ کی ذات ان تمام چیزوں سے بلند ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں، یا پھر یہ مطلب ہے کہ آپ کی صفات مخلوق کی صفات سے بلند ہیں، یا ذا الجلال و الاکرام: یعنی اے جلال و عظمت کے مستحق ذات جلال اللہ کے ساتھ خاص ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کے لئے استعمال نہیں ہوگا۔ (تلخیص مرقات ص ۳۵۸ ج ۲)

حدیث نمبر ۹۰۰ ﴿نماز کے بعد دعاء و استغفار﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۶۱

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ اِسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حواله: مسلم ص ۲۱۸ ج ۱، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفته کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ حدیث نمبر ۵۹۱۔

ترجمه: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو تین مرتبہ "استغفار" پڑھتے پھر یہ دعاء مانگتے "اللّٰهم انت السلام الخ" اے اللہ آپ محفوظ ہیں، آپ ہی سے سلامتی ہے اے بزرگی و بخشش والے آپ برتر ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنن ہیں، آپ ﷺ ان نمازوں میں سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ "استغفر الله" پڑھنے کے بعد حدیث میں جو دعاء مذکور ہے مانگتے تھے، اس کے بعد سنن کی ادائیگی میں لگ جاتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح استغفر ثلاثاً: نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ تین مرتبہ "استغفر الله" کہتے تھے، یا پھر تین مرتبہ استغفار پڑھتے تھے "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ" استغفار کا مقصد

رب العالمین کی عبادت میں کوتاہی کا اعتراف تھا، اور یہ بات اس وجہ سے تھی کہ دستور ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" یعنی جو چیزیں نیک لوگوں کی نیکیاں شمار ہوتی ہیں مقربین کے حق میں وہ غلطیاں ہوتی ہیں اسی وجہ سے رابعہ کہا کرتی تھیں، اِسْتِغْفَارُنَا يَحْتَاجُ اِلٰی اِسْتِغْفَارٍ كَثِيْرٍ" ہمارے استغفار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی معافی کے لئے بہت سے استغفار کی ضرورت ہوتی ہے۔ (مرقات ص ۳۵۸ ج ۲) "وقال" استغفار کے بعد آپ ﷺ دعا مانگتے "الت السلام" اے اللہ آپ ہر قسم کے عیوب سے پاک ہیں، ہماری اطاعت آپ کو عیوب سے پاک نہیں کرتی ہے ومنك السلام: ہماری اطاعت کو قبول کر کے اسے بھی سلامتی والی بنادے: تَبَارَكْتَ: جیسا کہ آپ کی عبادت کا حق ہے اس طرح عبادت و اطاعت کی جاسکے، اس سے آپ کی ذات بلند و برتر ہے، یا ذا الجلال: اے فجار سے انتقام لینے والی ذات، والاکرام: اے نیکیوں پر انعام کرنے والی ہستی۔

حدیث نمبر ۹۰۱ ﴿نماز کے بعد کی ایک اور دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۶۲

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ.

حوالہ: بخاری ص ۱۱۷ ج ۱، باب الذکر بعد الصلا، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۸۴۴، مسلم ص ۲۱۸ جلد ۱. باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، وبیان صفتہ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعاء پڑھتے تھے "لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ الخ" اللہ کے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے، اور تمام تعریف اسی کے لئے ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ تو جس کو عطاء فرماتے ہیں اس سے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اور جسے تو نہ دے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور مالداروں کو اس کی دولت تیرے سامنے کوئی نفع نہیں پہونچا سکے گی۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ فرض نماز کے بعد مختصراً دعا مانگتے، اور لوگ فرض نماز کے بعد سنن سے پہلے دعا کو مکروہ قرار دیتے ہیں، یہ بات درست نہیں ہے، البتہ بہت زیادہ طویل دعائیں نہ مانگنا چاہئے۔ فقہاء حنفیہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، ان میں مختصر دعاء مانگ کر سنن میں لگ جانا چاہئے۔ البتہ جن فرض نمازوں کے بعد نہیں ہیں ان میں اذکار مسنونہ پڑھ کر دعاء کرنا مستحب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کل صلاۃ مکتوبۃ: احادیث کی کتابوں میں فرض نماز کے بعد پڑھی جانیوالی بہت سی دعائیں مذکور ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ آپ ﷺ تمام دعائیں فرض نماز کے بعد سنن سے پہلے مانگتے تھے، بعد میں کبھی کوئی دعاء مانگ لی کبھی کوئی دعاء مانگ لی۔

حدیث نمبر ۹۰۲ ﴿نماز کے بعد ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۶۳

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهٖ يَقُولُ بِصَوتِهِ الْاَعْلٰى لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ).

حوالہ: مسلم، ص ۲۱۸ ج ۱، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۹۴.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے سلام پھیر کر فارغ ہوتے تو بلند آواز سے یہ

پڑھتے: "لا اله الا الله الخ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ تنہا اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کے لئے بادشاہت ہے اور اس کے لئے تمام تعریفیں ہیں، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، گناہ سے باز رہنے اور عبادت کرنے کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے، اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، ہم اسی کی بندگی کو خالص کرنے والے ہیں، اگر چہ کافروں کو برا کیوں نہ لگے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث نماز کے بعد دعاء اور ذکر آہستہ آواز سے بھی افضل ہے، آپ ﷺ نے جب کبھی نماز کے بعد بلند آواز سے کوئی ذکر یا دعاء کی ہے، تو اس کا مقصد اس ذکر یا اس دعاء کو صحابہ کو سکھانا اور یاد کرانا تھا، لہٰذا تعلیم کی خاطر اگر کبھی کبھی کوئی دعاء یا ذکر بلند آواز سے کیا جا رہا ہو تو بلا شبہ یہ خلاف اولیٰ نہیں ہے لیکن عام حالات میں بلند آواز سے ذکر یا دعاء نماز کے بعد کرنا یہ مناسب نہیں ہے۔ مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۸۹۸ دیکھیں، حدیث میں بھی جو کلمات مذکور ہیں آپ ﷺ نے ان کو بلند آواز سے اسی لئے پڑھا، تا کہ صحابہ اس کو ذہن نشین کر لیں اور بعد والوں تک پہنچا دیں، ہمیشہ بلند آواز سے ان کلمات کا پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح بصوته الا علیٰ: حاضرین کی تعلیم کی خاطر بلند آواز سے کلمات مذکور ادا کئے: لا اله الا الله وحده: اللہ تعالیٰ الوہیت میں تنہا ہیں، لا شریك له: اللہ کی الوہیت میں کوئی شریک نہیں ہے: له الملك: ظاہر اور باطن ہر اعتبار سے اللہ ہی کی بادشاہت ہے۔ وله الحمد: اول و اخیر ہر اعتبار سے اس کی حمد ہے۔ وهو علی كل شيء قدير: وجود بخشنے، فنا کرنے، انعام کرنے، رنج دینے سب پر قادر ہے: لاحول: اللہ کی نافرمانی سے کوئی بچا نہیں سکتا، ولا قوة: نیکی کرنے کی کوئی قوت نہیں دے سکتا الا بالله: اللہ تعالیٰ ہی معصیت سے حفاظت فرماتے ہیں اور اللہ ہی اطاعت کرنے پر اعانت کرتے ہیں لا اله الا الله: کائنات میں جو کچھ ہے اس کو اللہ ہی نے وجود بخشا ہے، اور اللہ ہی نے اس کو باقی رکھا ہے اس وجہ سے اس کے علاوہ کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا: ولا نعبد: اللہ کے علاوہ کوئی ذات مستحق عبادت ہی نہیں، لہٰذا عبادت بھی صرف اللہ ہی کی کی جائے گی: لا اله الا الله: مشرکین کا رد ہے۔ مخلصین منافقوں اور ریا کاروں پر رد ہے۔ (تلخیص: مرقات: ص: ۳۵۹: ج: ۲)

حدیث نمبر ۹۰۳ ﴿کلمات تعوذ کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۹٦٤

وَعَنْ سَعْدٍ اَنَّهُ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤلاءِ الكَلِمَاتِ وَيَقُولُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُ بِكَ مِنَ الجُبْنِ وَاَعُوذُ بِكَ مِنَ البُخْلِ وَاَعُوذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ العُمُرِ وَاَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ القَبْرِ رَوَاهُ البُخَارِيُّ.

حواله: بخاری ص ۳۹٦ ج ۱، باب ما يتعوذ من الجبن، كتاب الجهاد، حديث نمبر ۲۸۲۲.

ترجمه: حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے لڑکے کو یہ دعاء سکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ بلا شبہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد انہی کلمات کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے "اللّٰهم انی اعوذ بك من الجبن" اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں ناکارہ عمر سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور عذاب قبر سے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں پانچ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے (۱) بزدلی سے یعنی نیک کام کرنے کی ہمت نہ رہے اس سے پناہ مانگی ہے (۲) بخل یعنی اپنے علم، مال، عمل سے دوسروں کو نفع نہ پہنچانے سے پناہ مانگی ہے (۳) ایسی عمر جس میں پہنچ کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جواب دے جاتی ہے اس سے پناہ مانگی ہے۔ (۴) دنیا کے فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔ (۵) ان فتنوں سے پناہ مانگی ہے جو عذاب قبر کا سبب ہیں، حدیث میں جو دعاء ہے وہ دعاء حضور ﷺ سلام پھیرنے کے بعد مانگتے تھے، صحابی رسول حضرت سعدؓ یہ دعاء اپنے بچوں کو یاد کراتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح

وعن سعد: سعد سے مراد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں، انه كان يعلم بنينه مذکورہ دعاء حضرت سعدؓ اپنی اولاد کو سکھاتے تھے، جن میں مذکر و مؤنث سب داخل ہیں، یہاں پر تغلیباً "بنينه" یعنی مذکر کا ذکر ہے حافظؒ کہتے ہیں کہ محمد بن سعد نے طبقات میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی اولاد کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے چودہ عدد لڑکے اور سترہ عدد لڑکیاں تھیں۔ (فتح الباری ص ۳۹۷ ج ۷)

دبر الصلاۃ: آپ ﷺ ان کلمات کے ذریعہ سے نماز کے بعد پناہ مانگتے تھے، آپ ﷺ کا ذکر یا تو تعلیم امت کے خاطر تھا یا پھر بارگاہ خداوندی میں تقرب میں اضافہ کی بناء پر رب العالمین کے آگے تذلل کے طور پر تھا: من الجبن: نفس میں بخل کو جبن کہتے ہیں، یعنی طاعت پر جرأت نہ ہونا البخل: مال یا علم یا انکے علاوہ کے ذریعہ غیر کو نفع نہ پہنچانا بخل ہے، فیاضی نفس کے ذریعہ ہوتی ہے تو اسکو شجاعت کہتے ہیں اور اسکی ضد "جبن" ہے، مال کے ذریعہ فیاضی ہے تو یہی سخاوت ہے اور اسکے مقابلہ میں بخل ہے، شجاعت اور سخاوت نفس کامل میں ہی جمع ہوتی ہیں، اور ان دونوں صفات میں سے عاری شخص انتہائی ناقص ہوتا ہے: واعوذبك من ارذل العمر: اس سے مراد "ھرام" یعنی اتنی زیادہ عمر سے پناہ چاہی گئی ہے، جس عمر میں پہنچ کر انسان سٹھیا جاتا ہے، اسکی عقل کم ہو جاتی ہے اور اسکی قوت کمزور پڑ جاتی ہے، اس عمر سے اس وجہ سے پناہ چاہی گئی کہ زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کر کے اس کا شکر ادا کرنا ہے، یہ چیز اس عمر میں پہنچ کر فوت ہو جاتی ہے: واعوذبك من فتنة الدنيا: دنیا کا فتنہ یہ ہے کہ دنیا اچھی لگنے لگے، آخرت کی یاد دل سے نکل جائے، اور دنیا کی ہوس بہت بڑھ جائے، وعذاب القبر: جو فتنے عذاب قبر کا ذریعہ ہیں ان فتنوں سے بھی پناہ مانگی ہے۔ (تلخیص مرقات ص ۳۵۹ ج ۲)

حدیث نمبر ۹۰۴ ﴿تسبیح کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۶۵

وَعن اَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَتَوْا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا قَدْ ذَهَبَ اَهلُ الدُّثُورِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّى وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَيَتَصَدَّقُونَ وَلَا نَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُونَ وَلَا نُعْتِقُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَيْئاً تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَايَكُونُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوا بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ تُسَبِّحُونَ وَتُكَبِّرُونَ وَتَحْمَدُونَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثاً وَّثَلَاثِيْنَ مَرَّةً قَالَ اَبُو صَالِحٍ فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوا مِثْلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَشَاءُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَيْسَ قَوْلُ اَبِى صَالِحٍ اِلٰى آخِرِهٖ اِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ وَفِى رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِىِّ تُسَبِّحُونَ فِى دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْراً وَتَحْمَدُونَ عَشْراً وَتُكَبِّرُونَ عَشْراً بَدَلَ ثَلَاثاً وَّ ثَلَاثِيْنَ.

حوالہ: بخاری، ص ۱۱۶ ج ۱، باب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۸۳۴، مسلم ص ۲۱۹، ج ۱ باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۹۵.

حل لغات: الدثور جمع ہے واحد الدثر، مال کثیر، یعتقون: باب افعال سے، مصدر اعتاق، العبد، غلام کو آزاد کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ "فقرائے مہاجرین" رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ مالدار، دولت مند لوگوں نے بلند درجے اور ہمیشہ رہنے والی نعمت (جنت) حاصل کرلی، حضور ﷺ نے فرمایا وہ کیسے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں، جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی اس طرح روزہ رکھتے ہیں، جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں، لیکن وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے ہیں، وہ غلام آزاد کرتے ہیں، اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا میں تم کو ایک

چیز نہ سکھادوں، جس کے ذریعہ سے تم ان لوگوں کو پالو گے جو تم سے آگے بڑھ گئے ہیں، اور اس کے ذریعہ سے بعد والوں سے تم آگے بھی بڑھ جاؤ گے، اور کوئی (مالدار) شخص تم سے افضل نہیں ہوگا، مگر وہ شخص جو تمہاری طرح ہی کرنے لگے۔ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ضرور بتا دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا، ہر نماز کے بعد "سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر" تینتیس بار پڑھو۔ ابو صالح نے کہا (راوی حدیث) "فقراء مہاجرین" حضور اکرم ﷺ کے پاس لوٹ کر آئے اور انہوں نے کہا ہمارے مالدار بھائیوں نے جب اس عمل کو سنا، جو ہم کرتے ہیں، تو وہ بھی اسی طرح کرنے لگے، تو آپ ﷺ نے فرمایا ذالك فضل الله يوتيه من يشاء (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے) (بخاری و مسلم)

صالح کا قول اخیر تک صرف امام مسلم نے نقل کیا ہے اور بخاری کی ایک روایت میں تینتیس بار کے بجائے یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ "سبحان اللہ" دس مرتبہ "الحمد للہ" اور دس مرتبہ "اللہ اکبر" پڑھو۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ فقراء مہاجرین نے ایک موقع پر آکر عرض کیا کہ ہم لوگ غریب ہیں جس کی بناء پر مال و صدقات نہیں دے پاتے ہیں اور نہ ہی غلام آزاد کر پاتے ہیں، جبکہ ہمارے مالدار بھائی یہ نیک کام بھی کرتے ہیں، ساتھ میں جس طرح ہم بدنی عبادت کرتے ہیں، وہ بھی کرتے ہیں ایسے میں اللہ کے نزدیک بلندی درجات کے وہ مستحق ہو جا رہے ہیں؛ اور ہم اپنے افلاس کی بناء پر ان کے مقام کو نہیں پا پا رہے ہیں، آپ ﷺ نے ان کو نسخہ بتایا کہ تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھو، تمہارا مقام بھی بلند ہو جائے گا اور تمہارے بعد والے تمہارے مقام کو چھو بھی نہ سکیں گے، ان فقراء مہاجرین نے یہ عمل شروع کیا، تو مالدار بھی اس نیک کام کو انجام دینے لگے، وہ فقراء مہاجرین پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا بھائی یہ تو اللہ کا فضل ہے، اللہ جس کو جتنی سعادتیں دینا چاہتے ہیں، دیتے ہیں، حدیث سے معلوم ہوا کہ شکر گزار دولت مند صبر کرنے والے غریب سے افضل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح تسبحون: اس حدیث میں سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر تینتیس بار پڑھنے کو کہا ہے، تینتیس کی مراد میں چند اقوال ہیں۔ (۱) ہر کلمہ کو تینتیس تینتیس بار پڑھا جائے یہی سب سے بہتر اور راجح قول ہے، بخاری شریف میں اسی روایت کے بعد یہ الفاظ ہیں، کہ ہمارے درمیان اختلاف ہو گیا تو ہم نے پھر حضور ﷺ سے رجوع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا " تَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُنَّ كُلُّهُنَّ ثَلٰثاً وَثَلٰثِيْنَ" آپ نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، کہو یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک تینتیس مرتبہ ہو جائے اسی طرح ایک روایت آگے آرہی ہے: اَنَّهٗ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ الخ ان روایات سے معلوم ہوا کہ ہر کلمہ کو علیحدہ علیحدہ تینتیس بار پڑھنا مراد ہے۔

(۲) تینوں کلمہ مل کر تینتیس ہوں یعنی ہر ایک کو گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا جائے۔

(۳) تینوں کو ملا کر تینتیس بار پڑھا جائے اس طرح ان میں سے ہر ایک کا تینتیس مرتبہ پڑھنا بھی ہو جائے گا۔

حدیث نمبر ۹۰۵ ﴿تسبیحات پڑھنے والا محروم نہیں ہوگا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۶٦

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقِّبَاتٌ لَايَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ اَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ ثَلَاثٌ وَّ ثَلَاثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَثَلَاثٌ وَّ ثَلَاثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَاَرْبَعٌ وَّ ثَلَاثُوْنَ تَكْبِيْرَةً. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم، ص ۲۱۹ ج ۱، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۹۵٦.

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کے بعد آنے والے چند کلمات ہیں، جن کو ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے والا یا آپ ﷺ نے فرمایا کرنے والا محروم نہیں ہوتا، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ ہے تینتیس مرتبہ الحمد للہ ہے، اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر ہے۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث میں بھی مذکورہ تسبیح کی فضیلت بیان کی گئی ہے لہٰذا ہر نماز کے بعد اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے، اس کی بدولت انسان دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مستفید ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح: معقبات مذکورہ تسبیحات کو معقبات قرار دیا ہے، یہ نماز کے بعد ہیں، اس وجہ سے ان کا یہ نام ہے، یا پھر ان کے بعد ثواب ہے اس وجہ سے ان کو معقبات کہا گیا ہے لایخیب: اس کا پڑھنے والا ثواب سے محروم نہیں ہوتا ہے، واربع وثلاثون تکبیرۃ: گذشتہ حدیث میں تینوں کلمہ تینتیس مرتبہ کہنے کا حکم تھا، اس حدیث میں اللہ اکبر کو چونتیس مرتبہ کہنے کی تاکید ہے، اس طرح کل ملا کر سو کا عدد پورا ہو جائے گا، دونوں طریقوں پر عمل کرنے کی گنجائش ہے اور یہاں گذشتہ حدیث سے جو زیادتی ہے اس کو قبول کیا جائے گا کہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہوگی ہے۔

حدیث نمبر ۹۰۶ ﴿تسبیحات سے گناہوں کی مغفرت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۶۷

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِی دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِیْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِیْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَ ثَلَاثِیْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَ تِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامُ الْمِائَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ غُفِرَتْ خَطَایَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۱۹ ج، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ حدیث نمبر ۵۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ پڑھا، اور الحمد للہ تینتیس بار پڑھا، اور اللہ اکبر تینتیس بار پڑھا تو ننانوے کی تعداد ہوگئی اور سو کے عدد کو پورا کرنے کے لئے ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك له له الملك وله الحمد وهو علی كل شیٔ قدیر" پڑھا۔ (اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے، وہ تنہاء ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، بادشاہت اسی کے لئے ہے، تمام تعریفیں اس کے لئے ہیں، وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں موجودہ کلمات کو پڑھنے کی برکت سے تمام گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح: صلاۃ: مراد ہر فرض نماز ہے: غفرت خطایاہ: تسبیح پڑھنے سے تمام صغیرہ گناہ تو معاف ہو ہی جائیں گے، کیونکہ کبیرہ کے معاف ہونے کا بھی احتمال ہے: مثل زبد البحر: یعنی اگر چہ گناہ کثرت اور عظمت میں سمندر کے جھاگ کے مانند کیوں نہ ہو، لیکن اللہ کی رحمت اور ان کلمات کی برکت سے وہ معاف ہو جائیں گے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۹۰۷ ﴿اوقات قبولیت دعاء﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۶۸

عَنْ اَبِی اُمَامَةَ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّیْلِ الْآخِرُ وَدُبُرَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوْبَاتِ

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

حوالہ: ترمذی، ص ۱۸۷ ج ۲، باب کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۳۴۹۹.

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ کون سی دعاء سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اخیر رات کے بیچوں بیچ میں اور فرض نماز کے بعد۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ سے اس حدیث میں یہ بات پوچھی گئی ہے کہ کس وقت دعاء کے قبولیت کے زیادہ امکان ہے، آپ ﷺ نے حدیث میں دو وقتوں کی نشاندہی فرمائی ہے (۱) رات کے اخیر حصہ میں (۲) فرض نمازوں کے ادائیگی کے بعد۔

کلمات حدیث کی تشریح بعض لوگوں نے رات کے اخیر کا بیچ دو بجے لے کر چار بجے تک شب کو بتایا ہے: دبر الصلاۃ: جب فرض نمازوں کے بعد سنن ہیں ان میں سنن کی ادائیگی سے قبل لمبی دعاء نہ کرنا چاہئے البتہ جن فرض نمازوں کے بعد سنن نہیں ہیں ان میں لمبی دعاء کی جاسکتی ہے۔

حدیث نمبر ۹۰۸ ﴿دعاء کے بعد مُعَوِّذَتین پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۶۹

وَعَنْ عُقْبَةَ بنِ عَامِرٍ قَالَ اَمَرَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ .

حوالہ: مسند احمد ص ۱۵۵ ج ٤، ابو داؤد، ص ۲۱۳ ج ۱، باب فی الاستغفار، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱۵۲۳

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھا کروں۔ (احمد ابو داؤد و نسائی) بیہقی نے اس روایت کو دعوات کبیر میں نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں صحابی رسول یہ بتا رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھ کو فرض نماز کے بعد "قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس" پڑھنے کا حکم دیا ہے، ظاہری بات ہے جب آپ ﷺ نے حکم دیا تو اس کے فوائد وثمرات بے حد ہوں گے، اس لئے ہمیں اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح المعوذات: اس سے مراد قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہے جمع کا اطلاق دو سورتوں پر اسلئے کیا گیا ہے کہ اقل جمع دو ہی ہے یا پھر تغلیباً اس میں "قل ھو اللہ" اور قل یا ایھا الکافرون" بھی داخل ہیں، کیونکہ ان دو سورتوں میں کفر وشرک سے برأت کا اظہار ہے تو ایک طرح سے اسمیں بھی تعوذ کے معنی پائے گئے (مرقات ص ۳٦٤ ج ۲)

حدیث نمبر ۹۰۹ ﴿نماز کے بعد ذکر کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۷۰

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ .

حوالہ: ابو داؤد، ص ۵۱٦ ج ۲، باب فی القصص، کتاب العلم، حدیث نمبر ۳٦٦۷.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس جماعت کے ساتھ میرا بیٹھنا جو فجر کی نماز سے طلوع شمس تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کروں، اور ایسی قوم کے ساتھ بیٹھنا جو عصر کی نماز سے غروب شمس تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں، مجھے اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔ (ابو داؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں نماز فجر وعصر کے بعد سے طلوع شمس اور غروب شمس تک ذکر کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھنے کو چار غلام آزاد کرنے سے افضل قرار دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **لان اقعد**: لام ابتداء کے لئے ہے، حافظ نے اس کو قسم کا لام قرار دیا ہے، **یذکرون اللہ**: ذکر اللہ عام ہے اس میں دعاء تلاوت، علم کا مذاکرہ، ذکر صالحین سب داخل ہے۔

ولد اسماعیل: عرب قوم تمام قوموں میں افضل ہے اور عرب میں بنو اسماعیل سب سے افضل ہیں اسی بناء پر ان کا تذکرہ کیا ہے اس سے ذکر اللہ کی اہمیت اور اس عمل کو انجام دینے والوں کے ساتھ بیٹھنے کی فضیلت خوب ظاہر ہو رہی ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں چار غلاموں کے آزاد کرانے سے افضل عمل ذکر اللہ میں منہمک جماعت کیساتھ بیٹھنے کو قرار دیا ہے، اسمیں چار کے عدد کی تخصیص یقینی طور پر آپ ﷺ ہی کو معلوم ہے ہمارے اوپر اسکو تسلیم کرنا لازم ہے، البتہ احتمال کے درجہ میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جس عمل کیطرف دعوت دی جارہی ہے اسمیں چار چیز جز ہیں، اسوجہ سے اسمیں بھی چار عدد ذکر کیا ہے وہ چار اشیاء یہ ہیں۔ (۱) بیٹھنا (۲) ذکر اللہ (۳) ذکر کرنیوالی جماعت کیساتھ بیٹھ کر ذکر کرنا (۴) طلوع شمس یا غروب تک اس عمل کو جاری رکھنا۔ (مرقات ص ۳٦۵ ج ۲)

حدیث نمبر ۹۱۰ ﴿نماز فجر کے بعد ذکر اللہ ونماز اشراق کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۷۱

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهٗ كَاَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حوالہ: ترمذی، ص ۱۳۰ ج ۱، باب ذکر مایستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلاۃ الصبح ابواب السفر حدیث نمبر ۵۸٦.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی پھر وہ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہا، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا، تو اس کے لئے ایک حج وعمرہ کے مانند ثواب ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا "پورے حج وعمرہ کا ثواب، پورے حج وعمرہ کا ثواب، پورے حج وعمرہ کا ثواب"۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ فجر پڑھنے کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھ کر ذکر اللہ میں طلوع شمس تک مشغول رہنے والا اور پھر اشراق کا وقت آنے پر نماز اشراق پڑھنے والا اسی ثواب کا حق دار ہو جاتا ہے، جو ثواب حج وعمرہ کرنے والے کو ملتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **ثم قعدیذکر اللہ**: یعنی فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے بعد اسی جگہ پر بیٹھ کر ذکر اللہ میں لگا رہا اگر کوئی شخص طواف کیلئے اس جگہ کھڑا ہو گیا، یا طلب علم کی وجہ سے اٹھا، یا مسجد میں مجلس وعظ میں شریک ہوا اسی طرح اپنے گھر ذکر اللہ کرتے ہوئے لوٹا اور طلوع شمس تک گھر آکر ذکر اللہ میں لگا رہا، تو سب اس حدیث کے مصداق میں شامل ہیں، **ثم صلی**: سورج کے ایک نیزے کے بقدر طلوع ہونے کے بعد جب وقت کراہت نکل گیا تب نماز پڑھی، اس سے مراد اشراق کی نماز ہے۔ **تامۃ تامۃ تامۃ**: تین مرتبہ تاکید کے طور پر کہا ہے، ناقص کو کامل کے ساتھ لاحق کرنے کی بناء پر بطور ترغیب کے کئی بار ذکر کیا ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۹۱۱ ﴿دو فرض نمازوں کے درمیان فصل﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۷۲

عَنِ الْاَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا اِمَامٌ لَنَا يُكْنٰى اَبَا رِمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةَ اَوْ مِثْلَ هٰذِهِ الصَّلَاةِ مَعَ

النَّبِیِّ ﷺ قَالَ وَكَانَ اَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يَقُومَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَمِينِهِ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ فَصَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتّٰى رَاَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِي رِمْثَةَ يَعْنِي نَفْسَهُ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِي اَدْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ يَشْفَعُ فَوَثَبَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْكِبَيْهِ فَهَزَّهُ ثُمَّ قَالَ اِجْلِسْ فَاِنَّهُ لَنْ يَهْلِكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلَاتِهِمْ فَصْلٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ رَوَاهُ اَبُو دَاوُدَ.

حوالہ : ابو داؤد ص نمبر ۱۴۴ ج ۱، باب في الرجل يتطوع في مكانه، كتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۰۰۷۔

ترجمہ : حضرت ازرق بن قیس سے روایت ہے کہ ہمارے امام نے جنکی کنیت ابو رمثہ ہے ہم کو نماز پڑھائی، پھر امام صاحب نے کہا کہ میں نے یہ نماز یا یہ کہا کہ اس جیسی نماز رسول اللہ ﷺ کیساتھ پڑھی راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اگلی صف میں دائیں طرف کھڑے تھے، ایک آدمی نماز میں تکبیر اولیٰ ہی سے شریک تھا، پھر نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی اور اپنی دائیں و بائیں جانب اس طرح سلام پھیرا کہ ہم نے آپ ﷺ کے رخسار کی سفیدی دیکھ لی، پھر حضور ﷺ پلٹے جیسے کہ ابو رمثہ یعنی میں خود پلٹا، تو وہ آدمی تکبیر اولیٰ ہی سے نماز میں شریک تھے، فوراً کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھنے لگے، حضرت عمرؓ لپک کر اٹھے اور اسکے دونوں مونڈھے پکڑ کر ہلائے اور کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنی نمازوں میں فصل نہیں کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نے نگاہ اٹھائی اور کہا کہ اے خطاب کے بیٹے اللہ نے تم کو درست بات کی توفیق دی۔ (ابو داؤد)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک نماز کے فوراً بعد دوسری نماز نہ پڑھنا چاہئے؛ بلکہ دونوں نمازوں کے درمیان کسی عمل سے فصل کر لینا چاہئے، حضرت عمرؓ نے ایک صاحب کو بغیر فصل کے نماز پڑھتے دیکھا، تو اس سے منع فرمایا، آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے اس عمل کو درست قرار دیا، آپ ﷺ نے صحابہ کے کسی عمل کو دیکھ کر نکیر نہیں فرمائی، تو وہ عمل بھی حدیث سے ثابت مانا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس کو "تقریر" کہتے ہیں، حضرت عمرؓ کے منع کرنے پر آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کو درست قرار دیا؛ لہٰذا اس عمل کو بھی ثابت بالسنۃ ہی کہا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ سنت یہی ہے کہ دونوں کے درمیان فصل کیا جائے، اس کے علاوہ دیگر احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے، جس کی وضاحت آئندہ احادیث میں ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح **یکنی ابا رمثة:** "ابو رمثہ" کے نام میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول تقریب یہ لکھا ہے کہ ان کا نام "رفاعہ بن یثربی" ہے، اور "ابو رمثہ" کنیت ہے، **صلیت هذه الصلاة: او مثل هذه الصلاة،** یہ راوی کا شک ہے کہ دونوں میں سے ایک بات فرمائی، **الصف المقدم عن یمینه** حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ آپ کے دائیں طرف پہلی صف میں کھڑے تھے، کیوں کہ آپ ﷺ کا ارشاد تھا "لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ اُولُو الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى: تم میں سے میرے پاس میں کھڑے ہوں سمجھ دار اور عقلمند لوگ، یہیں سے معلوم ہوا کہ مسنون یہ ہے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کی کوشش کی جائے پھر دائیں طرف کھڑے ہونے کی کوشش کی جائے، یہی افضل ہے، **التکبیرة الاولیٰ** تکبیر اولیٰ کی قید اس لئے لگائی ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ جو آدمی سلام پھیرتے ہی نماز کیلئے کھڑے ہو گئے تھے، وہ مسبوق نہیں تھے، کیونکہ مسبوق تو سلام پھیرنے کے معاً بعد اپنی نماز کی تکمیل کے لئے لامحالہ کھڑا ہوگا، اس میں نہ کوئی قباحت ہے اور نہ کسی کے لئے اس کو روکنے کی گنجائش ہے، جو شخص کھڑے ہوئے، وہ تکبیر اولیٰ ہی سے شریک تھے، لہٰذا ان کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا یہ دو نمازوں کے درمیان فصل کو ترک کرنا تھا، جس سے ان کو روکا گیا۔

کانفتال ابی رمثة: اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو رمثہ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح اس وقت تمہارے سامنے سلام پھیر کر رخ موڑ کر بیٹھا ہوں، اسی طرح حضور ﷺ بھی بیٹھتے تھے، **فقام الرجل الذی:** وہ آدمی جو تکبیر تحریمہ ہی سے شریک تھے، جس جگہ فرض نماز پڑھی

تھی، اسی جگہ دوسری نماز میں لگ گئے، فوثب عمر: حضرت عمر جلدی سے کھڑے ہوئے، لن یھلك اھل الکتاب: اہل کتاب اصلاً تو احکام خداوندی میں تحریف کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوئے حضرت عمرؓ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ نماز کے فوراً بعد اسی جگہ کھڑے ہو کر دوسری نماز پڑھنا یہ بھی حکم الہٰی کو ایک طرح بدلنا ہے، لہٰذا یہ بھی ہلاکت کا سبب ہے اور اس کو حصر کے طور پر اس لئے بیان کیا تا کہ دعوے میں قوت پیدا ہو جائے: لم یکن بین صلاتھم فصل: نماز میں فصل سے کیا مراد ہے، فصل سے مراد یا تو یہ ہے کہ جس جگہ فرض نماز ادا کی ہے اس سے ذرا ہٹ کر سنن و نوافل میں لگنا چاہئے، یا پھر فصل سے مراد یہ ہے کہ دو نمازوں کے درمیان کسی عمل سے فصل کر لے، مثلاً بات چیت کر لے، یا مسجد سے نکل جائے یا پھر فصل سے مراد یہ ہے کہ وہ نمازوں کے درمیان کچھ ذکر و اذکار کر لے، اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے، اسی وجہ سے صاحب مشکوٰۃ اس حدیث کو "باب الذکر بعد الصلاۃ" کے تحت لائیں ہیں۔

حدیث نمبر ۹۱۲ ﴿نماز کے بعد کا ایک اور ذکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۷۳

وَعَنْ زَيْدِ بنِ ثَابِتٍ قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نُسَبِّحَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاةٍ ثَلاثاً وَّ ثَلاثِيْنَ وَنَحْمَدَ ثَلاثاً وَّ ثَلاثِيْنَ وَنُكَبِّرَ اَرْبَعاً وَّ ثَلاثِيْنَ فَاَتَى رَجُلٌ فِي الْمَنَامِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقِيْلَ لَهُ اَمَرَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُسَبِّحُوا فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاةٍ كَذَا وَكَذَا قَالَ الْاَنْصَارِيُّ فِي مَنَامِهِ نَعَمْ قَالَ فَاجْعَلُوْهَا خَمْساً وَّ عِشْرِيْنَ وَاجْعَلُوا فِيْهَا التَّهْلِيْلَ خَمْساً وَّ عِشْرِيْنَ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَافْعَلُوا، رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: مسند احمد، ص ۱۸۴ ج ۵، نسائی ص ۱۵۱ ج ۱، باب اخر من عدد التسبیح، کتاب السھو، حدیث نمبر ۱۳۴۹، دارمی، ص ۳۶۰ ج ۱، باب التسبیح فی دبر الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۳۵۴۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ہم ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ "سبحان اللّٰہ" تینتیس مرتبہ "الحمد للّٰہ" چونتیس مرتبہ "اللّٰہ اکبر" پڑھا کریں، ایک انصاری صحابی کے خواب میں آیک آدمی (فرشتہ) آیا اور ان صحابی سے خواب میں ہی کہا گیا، کہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو ہر نماز کے بعد اتنی اتنی مرتبہ تسبیح پڑھنے کا حکم کیا ہے، انصاری صحابیؓ نے خواب میں کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے، تو وہ آدمی (فرشتہ) بولا کہ ان تینوں کلمات کو پچیس پچیس مرتبہ کر لو، اور ان میں پچیس مرتبہ "لا الہ الا اللّٰہ" بھی شامل کر لو، جب صبح ہوئی تو وہ صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بتایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اسی طرح کر لو" (احمد، نسائی، دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور نے تین کلمہ پڑھنے کا حکم اتنی تعداد میں کیا تھا، جن کی مجموعی تعداد سو ہوتی تھی، ایک انصاری صحابی کو فرشتہ نے اس ذکر میں "لا الہ الا اللّٰہ" داخل کرنے اور ان کلمات کی تعداد میں کمی کرنے کی ہدایت دی، صحابی نے حضور ﷺ سے آ کر خواب بتایا تو حضور ﷺ نے اس عمل کی توثیق کی، تو اب یہ عمل صحابی کا خواب نہیں رہا، بلکہ حضور ﷺ کی توثیق فرمانے سے ایسا ہو گیا، جیسا کہ خود حضور ﷺ نے حکم دیا، اگر حضور ﷺ کی توثیق نہ ہوتی، تو محض کسی کا خواب خواہ وہ صحابی کیوں نہ ہوں ہرگز حجت نہیں بن سکتا۔

کلمات حدیث کی تشریح امرنا: مراد استحباب کے طور پر ہے، وجوب کے طور پر نہیں ہے، فی دبر الصلاۃ: یعنی ہر فرض نماز کے بعد، وتکبر اربعاً و ثلاثین: سبحان اللّٰہ اور الحمد للّٰہ تینتیس مرتبہ، جبکہ اللّٰہ اکبر چونتیس مرتبہ کہنے کا حکم کیا، تا کہ سو کا عدد پورا ہو جائے: فاتی رجل: خواب کا فرشتہ آیا طیبی نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ سونے کی حالت میں خواب نہ ہو بلکہ الہام ہو اور یہ اسی کے مثل ہو جو رسول اللہ ﷺ کو سونے کی حالت میں تعلیم دی جاتی تھی، یعنی جس طرح وہ کوئی خواب نہیں ہوتا تھا، اسی طرح یہ محض خواب نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک ہدایت ہو، اس بناء پر حضور ﷺ نے اس کو برقرار رکھا، فرشتہ نے جو بات کہی وہ یہ تھی کہ

مذکورہ تینوں کلمات کو پچیس پچیس مرتبہ پڑھو اور پچیس مرتبہ "لا الٰہ الا اللّٰہ" پڑھو یہ صورت زیادہ جامع ہے۔ اس وجہ سے کہ اس میں "لا الٰہ الا اللّٰہ" کا شمول بھی ہو گیا ہے اور سو کا عدد بھی مکمل ہے: فافعلوا: ہمارے لئے اس عمل کو اختیار کرنا، آپ ﷺ کے اس فرمان کی بنا پر ہے، کیوں کہ کسی صحابی کا الہام یا خواب حجت نہیں، حجت تو آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ (حذف و اضافہ ۔ مرقات ص ۳۶۷ ج ۲)

حدیث نمبر ۹۱۳ ﴿نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۷٤

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَعْوَادِ ھٰذَا الْمِنْبَرِ یَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ آیَةَ الْکُرْسِیِّ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلَاةٍ لَمْ یَمْنَعْہُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَأَھَا حِیْنَ یَاْخُذُ مَضْجَعَہٗ اٰمَنَہُ اللّٰہُ عَلٰی دَارِہٖ وَدَارِ جَارِہٖ وَاَھْلِ دُوَیْرَاتٍ حَوْلَہٗ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَقَالَ اِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ.

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان، ص نمبر ٤٥٨ ج۲، باب فی تعظیم القرآن، حدیث نمبر ۲۳۹۵.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی منبر کی لکڑیوں پر کھڑے ہو کر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس نے ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے کا معمول بنایا، تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے علاوہ کوئی چیز روک نہیں سکتی، اور جو شخص اپنے بستر پر لیٹتے وقت آیت الکرسی پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر کو محفوظ رکھے گا اس کے پڑوسی کے گھر کو محفوظ رکھے گا، اور اس کے ارد گرد کے بہت سے گھروں کو محفوظ رکھے گا (بیهقی فی شعب الایمان) اور بیہقی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آیت الکرسی کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کا معمول بنانے والا مرنے کے بعد جنت میں داخل ہوگا، اور سوتے وقت اس کو پڑھنے کا معمول بنانے والا نہ صرف خود ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رہے گا، بلکہ اس کا گھر اور محلہ کے بہت سے گھر محفوظ رہیں گے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح علی اعواد هذا المنبر: حضرت علیؓ نے یہ بات اس لئے فرمائی تا کہ سمجھ لیا جائے گا کہ جو بات وہ نقل کر رہے ہیں وہ ان کو خوب اچھی طرح یاد ہے، حضور اکرم ﷺ شروع میں زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، پھر آپ کے لئے لکڑی کا منبر بنایا گیا چوں کہ مسلمان کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی، اس وجہ سے منبر بنا دیا گیا تا کہ سب لوگ اچھی طرح خطبہ سنیں یہ عمل ۸ھ میں یا ۷ھ میں ہوا۔ صلاۃ: مراد فرض نماز ہے۔

الا الموت: یعنی صرف موت حائل ہے اس کے جنت میں داخل ہونے کے لئے، موت آئے اور وہ جنت میں جائے۔

اشکال: حدیث میں دخول جنت کی راہ میں موت کو رکاوٹ قرار دیا ہے، حالانکہ رکاوٹ تو زندگی ہے، جو جنت میں داخل ہونے سے مانع بنی ہوئی ہے، موت تو دخول جنت کی راہ ہموار کرتی ہے، لہٰذا اس کو رکاوٹ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

جواب: (۱) جنت میں داخل ہونے کے لئے مرنا شرط ہے، اب موت آ نہیں رہی ہے، تو گویا موت اپنا فریضہ ادا نہیں کر رہی ہے اس اعتبار سے کہا ہے کہ موت رکاوٹ ہے، یعنی موت آ جائے تو آدمی جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(۲) موت سے مراد عالم برزخ ہے، یعنی جنت کی راہ میں عالم برزخ حائل ہے، جوں ہی قیامت آئیگی اور صور پھونکا جائیگا وہ جنت میں پہنچ جائیگا، اسناد ضعیف سند کے اعتبار سے یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف احادیث بھی معتبر سمجھی جاتی ہے۔

حدیث نمبر ۹۱٤ ﴿مغرب کے بعد ذکر کی برکت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۷٥، ۹۷٦

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ اَنْ یَنْصَرِفَ وَیَثْنِیَ رِجْلَیْہِ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ کُتِبَ لَہٗ بِکُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِیَتْ عَنْہُ عَشْرُ سَیِّئَاتٍ وَرُفِعَ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ

وَكَانَتْ لَهُ حِرْزاً مِنْ كُلِّ مَكْرُوهٍ وَحِرْزاً مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَلَمْ يَحِلَّ لِذَنْبٍ اَنْ يُدْرِكَهُ اِلَّا الشِّرْكَ وَكَانَ مِنْ اَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلاً اِلَّا رَجُلاً يَفْضُلُهُ يَقُوْلُ اَفْضَلَ مِمَّا قَالَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ عَنْ اَبِي ذَرٍّ اِلَى قَوْلِهِ اِلَّا الشِّرْكَ وَلَمْ يَذْكُرْ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَلَا بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: مسند احمد، ص ۲۲۷ ج ٤، ترمذی، ص ۱۸۵ ج ۲، باب، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ٣٤٧٤.

حل لغات: ینصرف انصرف عنه انفعال سے، ہٹنا الگ ہونا، صرف (ض) صرفا الشئی ہٹانا، ثنی ثنیٰ (ض) ثنیا موڑنا، لپیٹنا، حرز، محفوظ مقام، بچاؤ کا ذریعہ، ج احراز حرز (ن) حرازۃ، محفوظ ہونا۔

توجمه: حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؒ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے مغرب اور فجر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اور پیر موڑنے سے پہلے "لاالہ الا اللہ الخ" کا (اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس کے لئے حکومت ہے اس کے لئے تمام تعریفیں ہیں، خیر اسی کے قبضہ میں ہے زندہ کرتا ہے، اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے) ذکر دس مرتبہ کیا، تو اس کے لئے ہر مرتبہ پڑھنے کے عوض دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی، اور دس برائیاں مٹادی جائیں گی، اور اس کے دس درجے بلند کردیئے جائیں گے اور ہر بری چیز سے اور شیطان مردود سے اس کی حفاظت ہوگی، شرک کے علاوہ کوئی گناہ اس کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا اور وہ عمل کے اعتبار سے سب سے افضل ہوگا، سوائے اس شخص کے جو اس سے بھی زیادہ ان کلمات کو پڑھنے کی فضیلت حاصل کرلے" (مسند احمد) امام ترمذیؒ نے اسی طرح کی روایت حضرت ابوذر غفاریؓ سے نقل کی ہے، لیکن انہوں نے صرف "إلا الشراك" تک کلمات نقل کئے ہیں، مغرب کی نماز کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور نہ "ولابیدہ الخیر" کے الفاظ ذکر کئے ہیں، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث میں بھی بعد نماز مغرب و فجر پڑھا جانے والا ایک ذکر مذکور ہے، لیکن یہ ذکر اسی جگہ پر بیٹھ کر کیا جائے جہاں پر یہ نمازیں ادا کی گئی ہیں، اور تشہد میں بیٹھنے کی جو ہئیت ہوتی ہے اسی ہیئت پر برقرار رہ کر یہ ذکر کیا جائے گا۔ دس مرتبہ یہ مختصر کلمات پڑھے جائیں گے، تو اس کی برکت سے نہ صرف دس نیکیاں لکھی جائیں گی، بلکہ ذکر کرنے والے کے دس درجے بھی بلند ہوں گے، اور دس برائیاں مٹا بھی دی جائیں گی، اسی کے ساتھ ساتھ ہر ناپسندیدہ چیز کے شر سے "شیطان لعین کے شر سے حفاظت بھی رہے گی، اس دعاء و استغفار کی برکت سے ہلاکت میں پڑنے سے محفوظ بھی رہے گا، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ ذکر کرنے والا بہت معزز ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس ذکر پر مداومت اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

کلمات حدیث کی تشریح محیت عنه: ذکر کرنے سے دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، مٹانا یہ معاف کرنے سے افضل ہے۔ من کل مکروہ: یعنی ذکر کرنے والا ہر قسم کی آفات و بلیات سے محفوظ رہے گا، لذنب ان یدرکه: یعنی شرک کے علاوہ کوئی گناہ نہ اس کو ہلاک کرے گا اور نہ اس کے عمل کو باطل کرے گا۔

حدیث نمبر ۹۱۵ ﴿طلوع شمس تک ذکر میں مشغولیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۷۷

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثاً قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوا غَنَائِمَ كَثِيْرَةً وَاَسْرَعُوا الرَّجْعَةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَّا لَمْ يَخْرُجْ مَا رَاَيْنَا بَعْثاً اَسْرَعَ رَجْعَةً وَلَا اَفْضَلَ غَنِيْمَةً مِنْ هٰذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى قَوْمٍ اَفْضَلَ غَنِيْمَةً وَاَفْضَلَ رَجْعَةً قَوْماً شَهِدُوا صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاُولٰئِكَ اَسْرَعُ رَجْعَةً وَاَفْضَلُ غَنِيْمَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ اَبُوْ حُمَيْدٍ الرَّاوِيْ ضَعِيْفٌ.

حوالہ: ترمذی، ص ۱۹۶ ج ۲، باب، کتاب الدعوات، حدیث نمبر ۳۵۶۱.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا، اس نے بہت کچھ مال غنیمت حاصل کیا، اور وہ لوگ بہت جلد لوٹ آئے، تو ہم سے ایک شخص جو لشکر کے ساتھ گیا نہیں تھا بولا، ہم نے کوئی ایسا لشکر نہیں دیکھا جو اس سے جلد لوٹ آیا ہو اور اس لشکر سے زیادہ غنیمت لایا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا "کیا میں تم کو ایسی قوم نہ بتاؤں جو مال غنیمت لانے کے اعتبار سے بھی اس سے افضل ہے اور لوٹنے کے اعتبار سے بھی اس سے افضل ہے وہ ایسی جماعت ہے جو فجر کی نماز میں شریک ہوئی، پھر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی رہی، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا، یہی لوگ جلد لوٹنے والے ہیں اور مال غنیمت میں بڑھے ہوئے ہیں۔

ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے "حماد بن ابوحمید راوی ضعیف ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں جماعت فجر کیساتھ شریک ہونے کے بعد سورج نکلنے تک ذکر اللہ میں منہمک رہنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے پیچھے حدیث گذری ہے، جس میں سورج نکلنے کے بعد دو رکعت اشراق پڑھنے کا بھی ذکر تھا اور ایسے شخص کا ثواب حج وعمرہ کرنیوالے کے ثواب کے برابر بتایا تھا، حدیث باب میں بھی طلوع شمس تک ذکر اللہ میں منہمک رہنے کو عظیم عمل قرار دیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اسرعوا الرجعة: وہ لوگ بہت جلد مدینہ لوٹ آئے، حافظؒ کہتے ہیں کہ اپنے وطن کو لوٹ آئے، پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ (مرقات) فقال: آپ ﷺ نے اس بات کو بتانے کے لئے کہ اللہ کے نزدیک ہر عبادت سے افضل عبادت ذکر اللہ ہے، یہ بات فرمائی، الا ادلکم: ایک ایسی جماعت نہ بتاؤں جس کا ثواب باقی رہنے کے اعتبار سے سب سے افضل غنیمت ہے: شهدوا صلاة الصبح: صبح کی نماز میں حاضری سے مراد یا تو یہ ہے کہ جماعت میں حاضر ہوئے، یا یہ مراد ہے کہ وقت کے اندر انہوں نے نماز پڑھ لی۔

باب مالا یجوز من العمل فی الصلاة وما یباح منه

﴿نمازمیں جن امور کا کرنا جائز نہیں ہے اور جن کا کرنا جائز ہے ان کا بیان﴾

اس باب میں جو احادیث منقول ہیں، ان کے ذریعہ سے بعض ان چیزوں کا علم ہوتا ہے جن سے نماز فاسد اور باطل ہو جاتی ہے اسی طرح ان احادیث کے ذریعہ سے بعض ان افعال کی بھی نشاندہی ہوگی، جن کا دوران صلاۃ انجام دینا مکروہ ہے، یعنی ان سے نماز باطل تو نہیں ہوئی، البتہ نماز میں کراہت ضرور آجاتی ہے اس باب میں بعض وہ احادیث بھی مذکور ہیں جن میں ان اعمال کا تذکرہ ہے، جو نماز میں مباح ہیں، یعنی دوران صلاۃ جن اعمال کے کرنے کی گنجائش ہے، ان سے نماز فاسد یا مکروہ نہیں ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ذہن میں رہے کہ نماز کی بنیاد تین چیزیں ہیں۔

(۱) اعضاء کا عاجز کرنا (۲) دل کا حاضر ہونا (۳) زبان کا ذکر وتلاوت کے علاوہ امور سے رکا رہنا، اس امر کو ذہن نشین کرنے کے بعد دو باتیں واضح ہو گئیں، پہلی بات ہر وہ حالت جو خشوع وخضوع کے مباین ہے، اور ہر وہ بات جو ذکر خداوندی کے قبیل سے نہیں ہے، نماز کے منافی ہے، اور یہ سب کے سب برابر درجہ کی نہیں ہیں، لہٰذا بعض سے نماز بالکلیہ فاسد ہوگی، بعض سے صرف کراہت آئے گی، اور بعض کی ضرورت کی بناء پر گنجائش ہوگی۔

اب یہاں پر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جو چیزیں نماز کو باطل کرتی ہیں، اور جو نماز میں نقص پیدا کرتی ہیں، ان میں امتیاز شریعت ہی سے ہو سکتا ہے، عقل کے ذریعہ سے کسی نماز کو فاسد یا مکروہ ٹھہرانا ممکن نہیں ہے، لہٰذا جن چیزوں کے بارے میں احادیث رسول سے نماز کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے، ان سے نماز باطل ہوگی، اور جن چیزوں سے نماز میں کراہت کا پیدا ہونا ثابت ہے، ان سے کراہت کا ثبوت

ہوگا، احادیث رسول سے ہی یہ بات معلوم ہوا کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہوگی، جب کہ عمل قلیل سے نماز فاسد نہ ہوگی، عمل قلیل سے متعلق بہت سی احادیث باب کے تحت مذکور ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کا چند قدم چل کر حضرت عائشہؓ کے لئے دروازہ کھولنا، حضرت امامہؓ کو کاندھے پر بٹھانا اور کاندھے سے اتارنا وغیرہ، عمل کثیر کیا ہے؟ اس سلسلہ میں سب سے بہتر یہ ہے کہ اس کو مبتلی بہ کی رائے پر چھوڑ دیا جائے، جس کے نماز کے دوران عمل قلیل کیا ہے، وہ خود غور کرے، اگر اس کے اعتبار سے عمل زیادہ ہے تو از سر نو نماز پڑھے، ورنہ اسی نماز کو مکمل کرلے، احناف کے نزدیک کلام خواہ قلیل ہو یا کثیر بہرحال مفسد صلاۃ ہے، دیگر ائمہ نے کچھ گنجائش دی ہے، تفصیل باب کے تحت موجود احادیث کے ضمن میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (تلخیص رحمة الله الواسعة)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر۹۱۶ ﴿نماز میں بات چیت کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر۹۷۸

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ بَيْنَا اَنَا اُصَلِّي مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِاَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ اُمِّيَاهُ مَاشَاْنُكُمْ تَنْظُرُوْنَ فَجَعَلُوا يَضْرِبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ عَلٰى اَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَاَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِي لٰكِنِّي سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِاَبِي هُوَ وَاُمِّي مَا رَاَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ اَحْسَنَ تَعْلِيْماً مِنْهُ فَوَاللّٰهِ مَاقَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَايَصْلُحُ فِيْهَا شَيْئٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاْةُ الْقُرْآنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْ جَاءَ نَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ وَاِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَاْتُوْنَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتِهِمْ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ قَالَ ذَالِكَ شَيْئٌ يَجِدُوْنَهُ فِي صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَّافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلَهُ لٰكِنِّي سَكَتُّ هٰكَذَا وَجَدْتُ فِي صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَكِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَصُحِّحَ فِي جَامِعِ الْاُصُوْلِ بِلَفْظَةِ كَذَا فَوْقَ لٰكِنِّي.

حواله : مسلم ص:۲۰۳ ج۱، باب تحريم الكلام في الصلاة وما كان من اباحته، كتاب المساجد مواضع الصلاة، حديث نمبر ۵۳۷۔

حل لغات: عطس: (ض) مصدر عطساً "الرّجل" چھینک آنا، العاطس، چھینکنے والا، رمی: (ض) رمیاً، نشانا بنا، یہاں گھورنا مراد ہے، الثکل، ثکل (س) ثکلاً، الولد "اولاد سے محروم ہونا، پیار کے موقع پر دعا کیلئے اور ناراضگی کے وقت بددعا کیلئے بولا جاتا ہے، خدا اسکا ناس کرے، افخاذ جمع ہے واحد فخذ، ران، قَهَرَ (ف) قهراً، فلاناً کسی کو روکنا یا اس پر زبردستی کرنا، شَتَمَ (ن) شتما گالی دینا، برا بھلا کہنا، کہّانٌ جمع ہے واحد کاهنٌ، کاہن والی بات کہنا، کَهَنَ (ف) کہنا انکل سے آئندہ کی بات بتانا، یتطیرون، تطیّر، اچھا شگون لینا، پرامید ہونا، یصدّنّ۔ صَدَّ (ن) صَدّاً وصُدوداً عنه، اعراض کرنا، منہ پھیرنا، روکنا، خطّ (ن) خطّاً الشی، لکیر کھینچنا۔

ترجمه: حضرت معاویہ بن حکمؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک جماعت میں ایک شخص کو چھینک آئی، میں نے "یرحمك الله" کہا اس پر لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کیا، میں نے کہا مجھے میری ماں گم کرے، تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ اس پر انہوں نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے شروع کئے، بہرحال جب میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں، تو میں خاموش ہوگیا، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے، تو میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں میں نے آپ ﷺ سے بہترین معلم نہ تو آپ ﷺ سے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد میں دیکھا، بخدا نہ تو آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، اور نہ برا بھلا کہا، آپ

ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں لوگوں کی بات چیت مناسب نہیں، نماز تو تسبیح تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے۔

پھر اس کے بعد میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نومسلم ہوں، اللہ نے ہمیں اسلام کی دولت سے مشرف فرمایا، ہم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، آپ نے فرمایا ان کے پاس مت جاؤ، میں نے عرض کیا، کہ ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جو نیک فالی لیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں، یہ چیز ان کو اپنے کام سے نہ روکے، پھر میں نے عرض کیا، کہ ہم میں سے کچھ خط کھینچتے ہیں (اور اس کے ذریعہ غیب کی خبریں بتاتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے، لہٰذا جس شخص کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہو جائے تو وہ درست ہے، آخر میں صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں، کہ حدیث کے الفاظ "لکنی سکت" کو میں نے صحیح مسلم اور حمیدی کی کتاب میں اسی طرح پایا، اور صاحب جامع الاصول نے "لکنی" کے اوپر لفظ "کذا" لکھ کر اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک نومسلم صحابی نماز میں شریک ہوئے، ان کو اس کا علم نہ تھا کہ نماز میں کسی سے بات چیت درست نہیں ہے، چنانچہ دوران نماز ایک صحابی کو چھینک آگئی، تو انہوں نے "یرحمك الله" کہا، بعض صحابہ نے نماز میں چھینک کا جواب دینے کی بناء پر ان کو گھورا، یہ بات سمجھ نہ پائے، چنانچہ ان کے گھورنے پر حیرت کا اظہار کرنے لگے، ان لوگوں نے رانوں پر ہاتھ مار کر ان کو بات کرنے سے روکا، یہ صورت حال سے واقف تو نہ ہو پائے، بہرحال خاموشی اختیار کر لی، نماز کے بعد حضور ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا نماز میں انسانی کلام کی گنجائش نہیں ہے، پھر ان صحابی نے حضور ﷺ سے کچھ اور مسائل دریافت کئے، حضور ﷺ نے ان سب کے جوابات دیئے۔

کلمات حدیث کی تشریح پہلے اہم کلمات کی مختصراً تشریح کی جارہی ہے، بعد میں حدیث باب سے نکلنے والے اہم مسائل کی الگ الگ قدرے وضاحت کی جائے گی۔

اذ عطس رجل من القوم: معاویہ بن حکمؓ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، کہ دوران نماز ایک شخص کو چھینک آئی، اس کے بعد وہ کہتے ہیں، میں نے "یرحمك الله" کہا، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ معاویہ بن حکمؓ نے "یرحمك الله" اس وقت کہا ہوگا جب چھینکنے والے نے الحمد لله کہا ہوگا، چھینکنے کے جواب پر "یرحمك الله" کہنے سے جمہور کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس وجہ سے کہ اس میں تخاطب ہے اور نماز میں خطاب وکلام ناجائز ہے۔

اشکال: جب خطاب کے طور پر "یرحمك الله" کہنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو حضرت معاویہ بن حکم کو حضور ﷺ نے نماز لوٹانے کا حکم کیوں نہیں دیا۔

جواب: (۱) معاویہ بن حکم نومسلم تھے، انکو معلوم نہیں تھا کہ نماز میں بات کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے اسی بناء پر انکو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا (۲) ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے نماز لوٹانے کا حکم کیا ہو، لیکن حدیث میں اسکا ذکر صراحتاً نہیں ہے (نماز کے دوران کلام کرنے کے جواز وعدم جواز سے متعلق مزید تفصیل چند سطور کے بعد مستقلاً ذکر کریں گے: **فرمانی القوم:** جب معاویہ بن حکم نے "یرحمك الله" کہا تو لوگ انپر نگاہوں کے تیر مارنے لگے، یعنی انکو گھورنے لگے: **واثکل امیاہ:** یہ کلمہ اصلاً بدعا کیلئے ہے، لیکن محاورہ میں اسوقت بولتے ہیں، جب کسی بات پر حیرت ظاہر کرنا ہوتا ہے: **فجعلوا یضربون:** نمازیوں نے اپنے ہاتھ رانوں پر مارنا شروع کیا، معلوم ہوا کہ عمل قلیل مفسد صلاۃ نہیں ہے: **فلما رایتھم یصمتوننی:** یہاں پر شرط جزاء محذوف ہے، اور جزاء محذوف ہی پر یہ استدراک ہے، اور وہ جزاء محذوف "غضبت" ہے یعنی جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھ کو خاموش کرنا چاہ رہے ہیں تو مجھے بڑا غصہ آیا، اس وجہ سے کہ

اولاً تو مجھے گھورر ہے ہیں، اور میرے حیرت ظاہر کرنے پر مجھے خاموش کرر ہے ہیں، لیکن بہر حال میں نے غصہ کو دبالیا اور خاموش ہو گیا۔

إنّ هذا الكلام: آپ کے اس فرمان سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوئی کہ نماز میں بات چیت کی گنجائش نہیں ہے، قاضی کہتے ہیں کہ کلام کی اضافت الناس کی طرف کرنے سے دعاء و تسبیح اور ذکر اس سے نکل گئے، یعنی ان مذکورہ چیزوں سے نماز فاسد نہ ہوگی، امام نوویؒ کہتے ہیں کہ یہیں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ بات نہیں کرے گا، پھر تسبیح پڑھی، یا تکبیر کہی یا قرآن پڑھا تو حانث نہ ہوگا۔

(مرقات ص ۴ ج ۳)

"**يرحمك الله**" کو انسانی کلام خطاب کیوجہ سے قرار دیکر یہ کہا گیا ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، **انا قوم حديث عهد:** ہم لوگ نو مسلم ہیں، ابھی جلد ہی جاہلیت چھوڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں، **یاتون الکهان:** ہم میں سے بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، اور انسے غیب کی خبریں معلوم کرتے ہیں، کیا انکا یہ عمل ٹھیک ہے؟ آپ ﷺ نے اس غلط عمل سے انکو منع فرمایا اور کہا کاہنوں کے پاس غیب کی خبریں معلوم کرنے مت جایا کرو، **ومنا رجل يتطيرون:** ہم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو پرندوں کے ذریعہ شگون لیتے ہیں، عرب کام پر نکلتے وقت پرندوں کو دیکھتے کہ اگر دائیں جانب اڑ رہا ہے تو نیک فال لیتے اور بائیں جانب اڑتے دیکھتے تو برا فال لیتے۔

فلا يصدنهم: آپ ﷺ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اگر بدشگونی کی بات بلا اختیار ذہن میں آرہی ہے تو آنے دو کیوں کہ اس کے روکنے پر کوئی قادر نہیں، البتہ اس کے مقتضی پر عمل نہ کرو، یعنی جس کام کا عزم کیا ہے وہ کرلو، چاہے پرندے جس جانب اڑیں، بدشگونی ان کام کے کرنے سے مانع نہ بنے۔

ومنا رجال يخطون: ہم میں سے کچھ لوگ خط کھینچتے ہیں، اس علم کو "رمل" کہا جاتا ہے، اس علم کے ذریعہ مخفی چیزوں کا پتہ لگایا جاتا ہے، اس سے منع کیا گیا ہے، **كان نبي من الانبياء يخط:** یہ نبی بعض کے نزدیک حضرت ادریسؑ تھے اور بعض کی صراحت کے مطابق حضرت دانیال علیہ السلام تھے۔ ان کو بذریعہ وحی رمل سکھایا گیا تھا، رسول اللہ ﷺ سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اس علم میں اگر کسی کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہو جائے تو درست ہے۔

درحقیقت آپ نے بڑے عمدہ انداز میں اس علم میں اشتغال سے منع فرمایا، کیونکہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ اس کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہے یا نہیں؟ اور جب موافقت کا علم نہیں تو رکنا پڑے گا، بقیہ یہ بات کہ آپ ﷺ نے اس علم سے صراحتاً کیوں نہیں منع فرمایا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ صراحتاً ممانعت کرتے تو اس سے ان نبی کے مقام و مرتبہ کے حوالہ سے نقصان کا اندیشہ ہوگا، اسی بناء پر آپ ﷺ نے اس علم کا مطلقاً ابطال نہیں فرمایا۔

لكني سكت هكذا: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ "كذا" محدثین کے نزدیک تصحیح کی علامت ہے، یعنی اگر کسی لفظ کے بارے میں عدم صحت کا گمان ہو تو وہاں لفظ "كذا" لکھ دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "كذا" **في الاصول** "یعنی اصول میں یہ لفظ ایسا ہی ہے، اور یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ "كذا روی" یعنی یہ لفظ اسی طرح روایت کیا گیا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے، کہ "**فلما رأيتهم يصمتونني لكني سكت**" میں چونکہ نہ تو "**فلما**" کا جواب مذکور ہے اور نہ "**لكني**" کے لئے مستدرک عنہ مذکور ہے اس لئے کسی کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ لفظ "**لكني**" یہاں پر صحیح نہیں ہے، اس لئے صاحب جامع الاصول نے "**لكني**" کے اوپر لفظ "**كذا**" لکھ کر اس طرف اشارہ کیا کہ یہ لفظ اسی طرح صحیح ہے، اور اس کو اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

نماز میں بات چیت کا مسئلہ

اتنی بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر کلام عمداً ہو، اصلاح صلاۃ کی غرض سے نہ ہو، تو وہ مفسد صلاۃ ہے، اختلاف اس بارے میں ہے کہ اگر نمازی نے بھول کر یا اصلاح صلاۃ کی غرض سے کلام کیا تو

نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

امام ابو حنیفہ ؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک نماز میں کلام مطلقاً مفسد صلاۃ ہے، خواہ عمداً ہو یا نسیاناً، اسی طرح خواہ اصلاح صلاۃ کی غرض سے ہو یا اس غرض سے نہ ہو۔

دلائل: (۱) سب سے پہلی دلیل تو حدیث باب ہی ہے، جس میں آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ فرمایا "ان هذه الصلاة لايصلح فيها شيئ من كلام الناس" (نماز میں لوگوں کے کلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے)۔

(۲) (نسائی: ص: ۱۸۱، ج: ۱) عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے کہ "جب حبشہ سے واپس لوٹے، تو حضور اکرم ﷺ کو نماز کی حالت میں سلام کیا، آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، مجھے اس پر بڑی حیرانی اور فکر لاحق ہوئی، چنانچہ میں بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ مِنْ اَمْرِهٖ مَا يَشَاءُ وَاِنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ مِنْ اَمْرِهٖ اَنْ لَّا يُتَكَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ" (اللہ تعالیٰ جو بھی نیا حکم دینا چاہتا ہے دیتا ہے اب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ نماز میں بات نہ کی جائے)

(۳) بخاری میں ص: ۲۵۰ ج ۲ پر حضرت زید بن ارقم کی حدیث ہے "كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهٗ وَهُوَ اِلٰى جَنْبِهٖ فِي الصَّلَاةِ حَتّٰى نَزَلَتْ "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" فَاُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ" (نماز میں ہم بات کیا کرتے تھے، چنانچہ نمازی اپنے بغل میں کھڑے نمازی سے گفتگو کرتا، لیکن جوں ہی آیت "وقوموا الخ" (کھڑے ہو اللہ کے آگے ادب سے) نازل ہوئی، تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم کیا گیا، اور بات کرنے سے منع کر دیا گیا، ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ "کلام فی الصلاۃ" مطلقاً ممنوع ہے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کلام اگر نسیاناً ہو یا جہالۃً ہو تو مفسد صلاۃ نہیں ہے۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل مشہور حدیث "حدیث ذو الیدین" ہے جو مشکوۃ آگے (ص: ۹۲، ۹۳) پر آرہی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی، اور دو رکعت ہی پر سلام پھیر دیا، جو لوگ جلد باز تھے، یہ کہتے ہوئے مسجد سے جانے لگے، "قُصِرَتِ الصَّلَاةُ" (نماز میں کمی کر دی گئی) حضرت ذو الیدینؓ نے اس وقت میں عرض کیا "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَسِيْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ" (اے اللہ کے نبی چار رکعت والی نماز دو رکعت آپ ﷺ نے بھول کر پڑھائی ہے، یا من جانب اللہ کمی کر دی گئی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا "لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ" (نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز میں کمی کی گئی ہے) اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کیا ذو الیدین جو کہہ رہے ہیں معاملہ ویسا ہی ہے؟ جب لوگوں نے بھی تائید کی، تو پہلی نماز پر بناء کرتے ہوئے دو رکعت اور پڑھائی، اور سجدہ سہو کیا، اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شوافع کہتے ہیں کہ دیکھئے حضور ﷺ نے اور ذو الیدین وغیرہ نے دوران صلاۃ کلام کیا، اگر بات کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، تو حضور ﷺ پھر سے نماز پڑھاتے، ان ہی دو رکعتوں پر بناء نہ فرماتے، آپ ﷺ کا دو رکعت کے بعد کلام ہونے کے باوجود ان ہی دو رکعتوں پر بنا فرمانا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

جواب: یہ حدیث منسوخ ہے ان دلائل سے جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں، احناف کے دلائل کے ذیل میں تیسری دلیل میں اس کی صراحت ہے کہ ہم "قوموا للّٰہ قانتین" نازل ہونے سے پہلے بات کیا کرتے تھے، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم کو بات کرنے سے منع کر دیا گیا، اور خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

اشکال: شوافع کہتے ہیں کہ حضرت ذو الیدین کا واقعہ نسخ کلام کے بعد کا ہے، یعنی پہلے کلام کرنے کی اجازت تھی، ممانعت ہوگئی، اور ذو الیدین کا واقعہ اس ممانعت کے بعد کا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کی ایک گونہ پھر اجازت ہوگئی، شوافع اپنے اس اشکال پر دلیل

پیش کرتے ہیں کہ دیکھئے آپ ﷺ نے نماز میں کلام منسوخ ہونے پر جو دوسری دلیل پیش کی ہے وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے، اور اس میں یہ بات ہے کہ عبداللہ بن مسعود جب حبشہ سے تشریف لائے تو انہوں نے حضور ﷺ کو سلام کیا اور حضور ﷺ نے جواب مرحمت نہیں فرمایا، نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نماز میں بات کرنے سے منع فرمایا ہے، اس دلیل سے نماز میں کلام کرنے کی ممانعت ثابت ہوئی اتنی بات جب ہوگئی تو اب سمجھئے کہ عبداللہ بن مسعود حبشہ سے ہجرت سے پہلے تشریف لے آئے تھے، یعنی مکہ ہی میں آپ حبشہ سے چلے آئے تھے تو گویا نماز میں بات چیت کی ممانعت مکہ میں ہوگئی تھی، اور حضرت ذوالیدین کا واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے بلکہ اواخر ہجرت کا ہے کیونکہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، جو کہ ۷ھ میں اسلام لائے تھے۔

جواب: جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہجرت کا تعلق ہے تو انہوں نے حبشہ دو مرتبہ ہجرت کی ہے، پہلی مرتبہ ہجرت کے بعد جب حبشہ میں یہ افواہ پھیلی کہ پورا قبیلہ قریش مسلمان ہوگیا تو مکہ تشریف لے آئے تھے، لیکن خبر کے غلط ہونے کی بناء پر پھر تشریف لے گئے تھے، اور دوبارہ ۲ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے، اور حدیث میں یہی دوسری والی ہجرت سے واپس تشریف لانا مراد ہے، اور حضرت ذوالیدین کا واقعہ اس سے پہلے ہی پیش آچکا تھا، کیونکہ حضرت ذوالیدین ۲ھ میں غزوہ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ یہ جواب اس صورت میں ہے کہ جب کہ حدیث ذوالیدین کو منسوخ مانا جائے۔ اور اگر منسوخ نہ مانا جائے تو دیگر طرح سے بھی جوابات دیئے گئے ہیں، مثلاً یہ حدیث مضطرب ہے وغیرہ وغیرہ، حدیث ذوالیدین "باب السھو" کے تحت آرہی ہے، مزید تحقیق وہیں پر ذکر کی جائے گی اور جہاں تک ابو ہریرہؓ کا اس حدیث کو روایت کرنا ہے تو انہوں نے حدیث کسی سے سنی ہوگی، اس کو بیان کیا ہے۔

وجوہ ترجیح: مذہب حنفیہ کو کئی اعتبار سے وجہ ترجیح حاصل ہے (۱) ہمارا مذہب قرآن مجید کی آیت "قوموا للہ قانتین" سے مؤید ہے (۲) حنفیہ کے دلائل ضابطہ کلیہ ہیں جب کہ شوافع کی دلیل ایک جزئی واقعہ ہے۔ (۳) حنفیہ کی احادیث محرم ہیں اور شوافع کی دلیل مبیح ہے۔ اور تعارض کے وقت محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ (یہ مضامین فتح الباری، معارف السنن اور درس ترمذی سے مستفاد ہے)۔

نماز میں چھینکنے والے کا الحمدللہ کہنا

حدیث باب میں یہ بات آئی کہ "یرحمك اللّٰہ" کہنے والے صحابی کو گھورا گیا اور "یرحمك اللّٰہ" کہنے سے منع کیا گیا، لیکن ظاہری بات ہے کہ "یرحمك اللّٰہ" تو اس وقت کہا گیا جب چھینکنے والے نے "الحمد للّٰہ" کہا تو سوال یہ ہے کہ دوران صلاۃ الحمدللہ کہنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک اصح قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ یہ کلام الناس نہیں ہے، اور اس میں کسی انسان کو مخاطب بھی نہیں بنایا گیا ہے، "یرحمك" میں "ك" ضمیر کے ذریعہ خطاب تھا، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ خاموش رہے، ایک حدیث گذری ہے جس میں ایک صحابی نے دوران صلاۃ حمد پڑھی، تو آپ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا "لم یقل بامعاء" اس کا مطلب یہ ہے کہ معصیت کی نفی ہے یا عدم علم کی وجہ سے ان کو معذور سمجھا گیا ہے، بعض لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ فرض نماز میں حمد فی نفسہ سے زائد کی گنجائش نہیں ہے، البتہ نفل نمازوں میں گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

"کہانت" کا مسئلہ

"کہانت" کے معنی غیب کی باتیں بتانا، ہاتھ کی لکیر دیکھ کر فال نکالنا، علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ کاہن اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو آئندہ کی خبریں بتائے اور علم غیب و معرفت اسرار کا مدعی ہو، بعثت نبوی سے قبل شیاطین چوری چھپکے آسمان کے قریب پہنچ جاتے تھے، اور وہاں سے دنیا میں آئندہ پیش آنے والے واقعات فرشتوں کے آپس میں تذکرہ کرنے کی بنا پر سن لیتے تھے اور اس میں جھوٹ کی آمیزش کر کے شریر نفسوں پر القاء کرتے تھے، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد شیطانوں کو وہاں جانے سے روک دیا گیا، تو کہانت کا یہ سلسلہ ختم ہوگیا، اس قسم کے علاوہ بھی کہانت کی چند قسمیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) جنات آسمان سے خبریں تو نہیں لاتے، لیکن جن خبروں پر لوگ مطلع نہیں ہوتے وہ خبریں ان شریر نفوس پر جو اسرار معرفت کے مدعی ہوتے ہیں، القاء کرتے ہیں اور یہ دوسرے سے بتاتے ہیں۔

(۲) محض تخمین و اندازہ سے بعض آگے کی خبریں جانی جائیں اس میں غلطی کا امکان بہت ہوتا ہے، کاہنوں کے پاس جانا ان کو اجرت دینا یہ سب کچھ حرام ہے۔

شگون لینے کا مسئلہ جب ملأ اعلیٰ میں کسی امر کا فیصلہ ہوتا ہے تو وہ چیزیں جنمیں سرعت سے اثر پزیری کی صلاحیت ہوتی ہے وہ بہت جلد ان فیصلوں کا اثر قبول کر لیتی ہیں انہی چیزوں میں سے نیک فالی و بدفالی کا مسئلہ ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگ پرندوں کی آوازوں اور انکی پروازوں کے رخ سے اچھا اور برا شگون لیتے تھے، اور انسے آئندہ کے واقعات کے حوالے سے فیصلہ کرتے تھے کہ یہ کام ہوگا یا نہیں؟ شریعت نے نیک فال لینے کی اجازت دی ہے لیکن برا فال لینے سے منع کیا ہے، بدشگونی سے اللہ تعالیٰ کی انکار کی نوبت آجاتی ہے، نیز بدشگونی سے انسان طرح طرح کے وساوس میں گرفتار ہوتا ہے، اسوجہ سے بدشگونی سے منع کیا، نیک فال لینے میں یہ قباحت نہیں ہے، اسوجہ سے اسکو منع نہیں کیا، نیک فال لینے میں بندہ اللہ تعالیٰ سے پرامید ہوکر اس سے لو لگاتا ہے (تلخیص رحمۃ اللہ الواسعۃ)

حدیث نمبر ۹۱۷ ﴿دوران صلاۃ بات چیت کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۷۹

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلَاةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ اِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا . (متفق علیه)

حواله: بخاری ص ۱۶۰ ج ۱، باب ماينهي من الكلام في الصلاة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۱۱۹۹، مسلم ص ۲۰۴ ج ۱، باب تحريم الكلام في الصلاة، كتاب المساجد و موضع الصلاة، حديث نمبر ۵۳۸.

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہیکہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کو اسوقت سلام کرتے تھے، جب آپ نماز میں مشغول ہوتے آپ ﷺ ہم لوگوں کے سلام کا جواب عنایت فرماتے تھے لیکن جب ہم نجاشیؓ کے پاس سے لوٹ کر آئے اور ہم نے آپ ﷺ کو سلام کیا، تو آپ ﷺ نے ہمیں جواب مرحمت نہیں فرمایا تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ ﷺ کو اسوقت سلام کرتے تھے جبکہ آپ ﷺ نماز میں ہوتے تھے اور آپ ہمیں جواب سے نوازتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ نماز میں ایک دوسرا کام ہے (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شروع میں دورانِ صلاۃ کلام کرنے کی ممانعت نہیں تھی، اس وجہ سے آپ ﷺ نماز میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے، لیکن جب ممانعت ہوگئی تو آپ ﷺ نے نماز میں جس طرح ہر طرح کی گفتگو سے گریز کیا، اسی طرح سلام کا جواب دینے سے بھی گریز کیا، عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ آنے سے پہلے حبشہ میں تھے، اس وجہ سے ان کو دوران صلاۃ تکلم کی ممانعت کا علم نہیں تھا، لہٰذا ان کو جب سلام کا جواب نہیں ملا، تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کا استفسار کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو بتایا کہ دوران صلاۃ تو بس ذکر و اذکار اور تسبیح و تلاوت میں مشغول رہنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلما رجعنا من النجاشي: حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوا کرتا تھا، رسول اللہ کے دور میں جو نجاشی بادشاہ تھے ان کا نام ''اصحمہ'' تھا، یہ ایمان لے آئے تھے ۹ھ میں ان کی وفات ہوئی تھی، ان کی نماز جنازہ حضور ﷺ اور صحابہ نے مدینہ منورہ میں پڑھی، ان کے نعش مبارک رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر کر دی گئی، چنانچہ حضور ﷺ نے اعیاناً ان کی نماز پڑھائی، كذا ذكره ابن حجرؒ۔ (مرقات ص ۵ ج ۳)

کنا نسلم علیك: صحابہ کی ایک جماعت مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئی تھی، جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے، اور وہاں سکون ہوگیا، تو یہ ہجرت کرنے والے مدینہ آگئے، مکہ کی زندگی میں بہت سے امور کی اباحت تھی، مدینہ میں حرمت نازل ہوگئی تھی، یعنی بہت سے احکام میں نسخ ہوگیا تھا، ان ہی میں سے دوران صلاۃ بات کرنا تھا، ہجرت کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے، جب یہ آئے تو سمجھ رہے تھے کہ حضور ﷺ جیسے پہلے نماز میں سلام کرنے والوں کا جواب دیتے تھے دیں گے، لیکن حضور ﷺ نے جب جواب نہیں دیا تو ان کو بہت حیرانی ہوئی، نماز کے بعد حضور ﷺ سے اس بارے میں استفسار کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا "ان فی الصلاۃ لشغلا" مطلب یہ تھا کہ نماز میں ادا کئے جانے والے امور پر سلام کا جواب دینے سے مانع ہیں، طیبیؒ کہتے ہیں "شغلا" کو نکرہ لائے ہیں تنوع کی بناء پر، یعنی نماز کے کام قرآن کی قرأت ہے، تسبیح ہے، دعاء ہے، بات چیت نماز کے کاموں میں سے نہیں ہے، اور تنوین تعظیم کے لئے ہو اس کا بھی احتمال ہے، یعنی نماز ایک بہت اہم مشغلہ ہے، اس میں حق تعالیٰ کے ساتھ سرگوشی، اور اس کی خدمت میں استغراق ہوتا ہے، دوسرے امور میں مشغول ہونے کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ (مرقات: ص: ۵ ج: ۳)

اشارہ سے سلام کا جواب دینا

اس بات پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ دوران صلاۃ زبان سے سلام کا جواب دینا نماز کو فاسد کردیتا ہے لیکن نماز کی حالت میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں محدثین لکھتے ہیں کہ ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اشارہ سے سلام کا جواب دینے سے نماز فاسد تو نہ ہوگی کیوں کہ یہ عمل کثیر نہیں ہے، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے یا نہیں، اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام صاحب کا مذهب: امام صاحب کے نزدیک اشارہ سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔

دلیل: امام صاحب کی دلیل حدیث باب ہے جسمیں اس بات کی صراحت ہیکہ حضور ﷺ نے مطلقاً جواب نہیں دیا "فلم یرد علینا" حضور ﷺ نے جواب نہیں دیا، اس سے زیادہ صراحت ایک دوسری حدیث میں ہے جس کے کلمات یوں ہیں۔ (نسائی: میں حدیث ہے)

"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا السَّلَامَ حَتّٰى قَدِمْنَا مِنْ أَرْضِ الْحَبْشَةِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَأَخَذَنِيْ مَاقَرُبَ وَمَا بَعُدَ فَجَلَسْتُ حَتّٰى إِذَا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهِ مَا يَشَاءُ وَإِنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ مِنْ أَمْرِهِ أَنْ لَّا يُتَكَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ"

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ (دوران صلاۃ) نبی کریم ﷺ کو سلام کرتے تھے، اور آپ ﷺ جواب عنایت فرماتے تھے، جب ہم حبشہ سے واپس آئے تو میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ نے جواب نہیں دیا، تو مجھے بے چینی وفکر لاحق ہوئی، میں وہیں بیٹھ گیا، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو نیا حکم دینا چاہتا ہے، دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ نماز میں بات نہ کی جائے، دیکھئے اس حدیث میں عبداللہ بن مسعودؓ کہہ رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے جواب نہ دینے سے مجھے بے حد پریشانی لاحق ہوئی، ظاہری بات ہے کہ اگر آپ اشارہ سے بھی جواب دیتے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یوں پریشان نہ ہوتے، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے نہ زبان سے سلام کا جواب دیا نہ اشارہ سے جواب دیا۔

امام شافعیؒ کا مذهب: امام شافعیؒ بلکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سلام کا جواب اشارہ سے دینا بلا کراہت جائز ہے، بلکہ بعض شوافع تو اشارہ سے جواب دینے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

دلیل: قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ قَالَ كَانَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال سے پوچھا کہ جب لوگ آپ ﷺ کو ایسی حالت میں سلام کرتے تھے، کہ آپ ﷺ نماز میں ہوتے تو آپ کیسے جواب دیتے تھے، تو حضرت بلالؓ نے کہا آپ ﷺ اشارہ سے جواب دیتے تھے، معلوم ہوا اشارہ

سے جواب دینا درست ہے۔

جواب: یہ اس وقت کی بات ہے جب نماز میں کلام منسوخ نہیں ہوا تھا، جب کلام منسوخ ہوا تو آپ ﷺ نے ہر طرح سے جواب دینے سے گریز کیا، جیسا کہ احناف کی دلیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے بخوبی معلوم ہوتا ہے۔[1]

حدیث نمبر ۹۱۸ ﴿سجدہ کی جگہ سے کنکری ہٹانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۸۰

وَعَن مُعَيقِيبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيثُ يَسجُدُ قَالَ اِن كُنتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

حوالہ: بخاری ص۱۶۱ ج۱، باب مسح الحصی فی الصلاۃ، کتاب التھجد، حدیث نمبر ۱۲۰۷، مسلم ص۲۰۶ ج۱، باب کراھیۃ مسح الحصیٰ کتاب المساجد حدیث نمبر ۵۴۶.

ترجمہ: حضرت معیقیبؓ نے نبی کریم ﷺ سے ایک آدمی کے بارے میں روایت کیا ہے جو سجدہ کی جگہ میں مٹی برابر کرتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اور اگر تجھے ایسا کرنا ہی ہے تو بس ایک بار کرو۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر سجدہ کی جگہ پر کنکریاں وغیرہ پڑی ہیں جن کی بنا پر سجدہ کرنے میں دشواری ہو رہی ہے تو ایک مرتبہ سجدہ کی جگہ سے کنکری ہٹانے میں کوئی حرج نہیں ہے، نمازی نماز پڑھنے میں ہاتھ سے کنکریاں اس طرح دور کرے کہ عمل کثیر نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح ان کنت فاعلا فواحدۃ: اگر کنکری ہٹانے کی ضرورت ہو تو ایک بار ہٹانے کی گنجائش ہے، ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ کی جگہ پر اتنی زیادہ کنکریاں ہیں کہ جن پر سجدہ کرنا مشکل ہے، بلاضرورت ہٹانا بالاتفاق مکروہ ہے، ضرورت پر بھی بعض لوگ کراہت کے قائل ہیں، البتہ کراہت سے نہی تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ مراد ہے، بعض حضرات نے کنکری یا مٹی ہٹانے کی ممانعت کی وجہ تحریر فرمائی ہے کہ یہ تواضع کے منافی ہے، بعض ممانعت کی وجہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ کنکری سجود سے محروم نہ ہو، اس وجہ سے کہ ہر کنکری یہ آرزو کرتی ہے کہ اس پر نمازی سجدہ کرے۔

حدیث نمبر ۹۱۹ ﴿نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۸۱

وَعَن اَبِي هُرَيرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَنِ الخَصرِ فِي الصَّلَاةِ مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .

حوالہ: بخاری ص۱۶۳ ج۱، باب الخصر فی الصلاۃ، کتاب التھجد، حدیث نمبر ۱۲۲۰، مسلم ص ۲۰۶ ج۱، باب کراھیۃ الاختصار فی الصلاۃ، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ نمبر ۵۴۵.

حل لغات: الخصر: کمر، کوکھ، ج خصور: خَصَرَ (ن) خصراً، کوکھ پر ہاتھ مارنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخصر فی الصلاۃ: روایات میں تخصر، خصر اور اختصار تینوں طرح کے الفاظ ہیں، آپ نے نماز میں خصر سے منع فرمایا ہے۔

"خصر" کے معنی: خصر اور تخصر کے معنی میں متعدد اقوال ہیں (۱) ابن سیرین فرماتے ہیں "هُوَ اَن يَّضَعَ يَدَهُ عَلٰى خَاصِرَتِهٖ وَهُوَ يُصَلِّي" نماز پڑھتے ہوئے کمر پر ہاتھ رکھنا، یہی معنی راجح بھی ہیں، اس معنی کی تائید ابوداؤد شریف کی حدیث سے بھی

ہوتی ہے، "عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زِيَادِ بْنِ صَبِيْحِ الْحَنَفِيِّ قَالَ صَلَّيْتُ اِلٰى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى خَاصِرَتِيْ، فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ هٰذَا الصَّلْبُ فِي الصَّلَاةِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهُ (سعید بن زیاد بن صبیح حنفی کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بغل میں کھڑے ہوکر نماز پڑھی اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کوکھ پر رکھ لئے، جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز سے فارغ ہوگئے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ تو نماز میں سولی کی شکل ہے، آقا ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، حضرت ابن عمرؓ کے ارشاد گرامی کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح سولی میں ہاتھ پھیل جاتے ہیں اسی کے کافی حد تک مانند کمر پر ہاتھ رکھنے میں بھی پھیل جاتے ہیں، اور یہ شکل نماز میں ممنوع ہے۔

خصر کے بہت سے معنوں میں یہی معنی راجح ہیں، چنانچہ حافظ ابن سیرین کا مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "وَبِذٰلِكَ جَزَمَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَنَقَلَهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ بَعْضِ اَهْلِ الْعِلْمِ وَهٰذَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ"۔

(۲) خطابی کہتے ہیں کہ "خصر" سے مراد لاٹھی کا سہارا لے کر نماز پڑھنا، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ لاٹھی پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنا بغیر کسی عذر کے ایسے ہی مکروہ ہے جیسے کہ دیوار پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ عذر کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۳) ہروی نے نقل کیا ہے کہ "خصر" سے مراد آخیر سورت سے ایک دو آیتوں کی تلاوت مراد ہے۔

(۴) صاحب مرقات کہتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ "خصر" سے مراد مکمل سورت نہ پڑھنا ہے، لیکن یہ قول ضعیف ہے، اس وجہ سے کہ مکمل سورت کا پڑھنا بہتر ہے، لیکن مکمل سورت تلاوت نہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔

(۵) آیت سجدہ تلاوت کرنا اور آیت سجدہ کو چھوڑ دینا تاکہ سجدہ تلاوت نہ کرنا پڑے، "خصر" ہے۔ (غزالی)

"خصر" کی ممانعت کی حکمت

جس طرح خصر کے معنی متعدد ہیں، اسی طرح اسکی ممانعت کی وجوہات بھی متعدد ذکر کی جاتی ہیں

(۱) "ابلیس کی مشابہت" ابلیس کو جب آسمانوں سے اتارا گیا تو وہ اسی "خصر" یعنی کمر پر ہاتھ رکھے ہوئے اترا تھا، لہٰذا اس سے منع کیا ہے۔ (اخرجہ ابن الجاشیہ)

(۲) "یہود کی مشابہت" یہود اس طرح کمر پر ہاتھ رکھتے تھے، لہٰذا ان کی مشابہت سے بچانے کے لئے آپ نے اس کی ممانعت فرمادی۔ (اخرجه البخاری فی ذکر بنی اسرائیل عن عائشة)

(۳) "جہنمیوں کی راحت" جہنمی جب جہنم میں بہت پریشان اور تھک جائیں گے تو راحت کے لئے ایسا کریں گے، چونکہ یہ جہنمیوں کا طریقہ ہے، لہٰذا اس سے منع فرمادیا۔ (اخرجه ابن ابی شيبة)

(۴) "صفت راجز" رجز اشعار پڑھنے والوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اشعار پڑھتے وقت یہ کرتے ہیں۔ (رواہ سعید بن منصور)

(۵) "متکبرین کا طریقہ" تکبر کی بنا پر کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوتے ہیں لہٰذا تکبر سے بچنے کے لئے آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی۔ (حکاہ المهلب)

(۶) "مصیبت زدہ لوگوں کی ہیئت" مصیبت زدہ لوگ کمر پر ہاتھ رکھ کر آہ و فغاں کرتے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ (حکاہ الخطابی)

حافظ ان سب معنوں کے لکھنے کے بعد دوسرے معنی کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وَقَوْلُ عَائِشَةَ اَعْلٰى مَا وَرَدَ فِيْ ذٰلِكَ وَلَا مُنَافَاةَ بَيْنَ الْجَمْعِ" (تلخیص فتح الباری ص ۱۴۵، ۱۴۶ ج ۴، مرقات ص ۶ ج ۳)

خصر کا حکم

اہل ظواہر کے نزدیک "خصر فی الصلاۃ" حرام ہے، دلیل حدیث باب کو بناتے ہیں اور نہی کو تحریمی قرار دیتے ہیں، جمہور کے نزدیک خصر فی الصلاۃ مکروہ ہے ان حضرات کی دلیل بھی حدیث باب ہے، لیکن یہ اس کو کراہت تنزیہی پر

محمول کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۹۲۰ ﴿نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۸۲

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْإِلْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ هُوَ إِخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری ص ۱۰٤ ج ۱، باب الالتفات فی الصلاۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۵۱.

حل لغات: اختلس الشيء: دوسرے سے چھین لینا، جھپٹا مار کر چھین لینا، مجرد میں (ض) سے اسی معنی میں مستعمل ہے۔

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے نماز میں التفات یعنی دائیں بائیں جانب دیکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شیطان کا جھپٹا ہے، شیطان بندہ کی نماز سے اس کو جھپٹ لیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نمازی نماز میں مشغول ہو کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے، شیطان کو یہ گوارہ نہیں ہوتا، لہٰذا وہ نماز ادا کرنے سے پہلے طرح طرح کی کوشش کرتا ہے کہ نمازی سے نماز چھوٹ جائے، لیکن جب وہ اس کوشش میں ناکام ہو جاتا ہے، تو دوران صلاۃ مختلف قسم کے رخنہ ڈالتا ہے، تاکہ نمازی کی توجہ نماز سے ہٹ جائے اور نماز سے خشوع و خضوع ختم ہو جائے، نمازی جوں ہی اس جگہ سے نگاہ ہٹاتا ہے، جہاں نماز میں نگاہ ہونا چاہئے، شیطان فوراً اپنا کام دکھانا شروع کر دیتا ہے، نگاہ کے ساتھ اس کی توجہ بھی دوسری طرف مبذول کرا دیتا ہے اسی وجہ سے ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "فَإِنَّ الْإِلْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ هَلَكَةٌ" (ترمذی) نماز میں التفات نماز کے لئے یعنی نماز کے خشوع کے لئے ہلاکت ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح عن الالتفات: آپ ﷺ سے التفات عن الصلاۃ کے بارے میں پوچھا گیا۔

التفات فی الصلاۃ کی تین صورتیں ہیں: (۱) "تَحْوِيلُ الصَّدْرِ عَنِ الْقِبْلَةِ" یعنی چہرے کے ساتھ ساتھ سینہ بھی قبلہ سے پھر جائے اس طور پر اگر التفات ہوا تو نماز بالاتفاق فاسد ہوگی۔

(۲) "تَحْوِيلُ الرَّأْسِ وَالْوَجْهِ عَنِ الْقِبْلَةِ" صرف سر اور چہرہ قبلہ سے پھرا اس صورت میں نماز فاسد تو نہیں ہوگی، البتہ مکروہ ہوگی۔

(۳) اِلْتِفَاتٌ بِطَرَفِ الْعَيْنِ: گوشۂ چشم سے ادھر ادھر دیکھنا، اس صورت میں اگرچہ نہ نماز فاسد ہوگی اور نہ مکروہ، لیکن خلاف اولیٰ بہر حال ہے ہی۔ (مستفاد مرقات ص ۷۰٦ ج ۳)

ھو اختلاس: مطلب یہ ہے کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے نماز کا خشوع زائل ہو جاتا ہے، اور نماز کی برکت چلی جاتی ہے، نیز شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے، کیونکہ جب تک انسان پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ رہتا ہے۔ اور جب بندہ دائیں بائیں کرنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی توجہ ہٹا لیتے ہیں، ابوداؤد شریف میں حدیث ہے "لَايَزَالُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلاً عَلَى الْعَبْدِ فِيْ صَلَاتِهِ مَالَمْ يَلْتَفِتْ فَإِذَا الْتَفَتَ اِنْصَرَفَ عَنْهُ" حافظ لکھتے ہیں کہ "اختلاس" کے معنی اچک لینے کے ہیں۔

"مختلس" وہ شخص جو غلبہ کے بغیر کوئی چیز اچک لے اور بھاگ کھڑا ہو، "ناھب" وہ شخص ہے جو بزور طاقت کوئی چیز چھین لے، اور "سارق" وہ ہے جو خفیہ طور پر کوئی چیز چرا لے، یہاں التفات فی الصلاۃ کو اختلاس اس وجہ سے قرار دیا ہے کہ نمازی رب العالمین کی طرف متوجہ رہتا ہے، تو شیطان برابر اس بات کے انتظار میں رہتا ہے کہ یہ توجہ ختم کرائیں، نمازی جوں ہی دائیں بائیں نظر کرتا

ہے، شیطان کو اس وقت موقع ملتا ہے پس وہ فوراً نمازی کی اس توجہ کو ہٹا دیتا ہے۔ (فتح الباری ص ۱۷٤ ج ۳)

حدیث نمبر ۹۲۱ ﴿دعاء کے وقت نگاہ اٹھانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۸۳

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ اَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ اِلَى السَّمَاءِ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص ۱۸۱ ج ۱، باب النهى عن رفع البصر الى السماء فى الصلاة، حديث نمبر ۴۲۹.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو نماز میں دعاء کرتے وقت اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے گریز کرنا چاہئے، ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں اور بالخصوص نماز میں دعاء کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دعاء ہرگز نہ کرنا چاہئے، ورنہ ممکن ہے کہ بصارت چلی جائے، اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ آسمان کی طرف دعاء کرتے وقت نگاہ اٹھانے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ بندہ اس بات کا تصور کر رہا ہے کہ گویا اللہ اوپر ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ مکان سے مبرا ہیں، اللہ کیلئے کوئی ایک جہت یا مکان کا مقرر کرنا گمراہی ہے، اس فاسد خیال سے بچانے کے لئے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دعاء کرنے سے منع فرمایا۔

کلمات حدیث کی تشریح لینتھن: یہ لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ ہے، اسی طرح لتخطفن ہے، مقصد یہ ہے کہ نماز میں دعاء کے وقت نگاہ اٹھانے سے ضرور بچا جائے، ورنہ نگاہیں اچک لی جائیں گی، نماز میں تو نگاہ اٹھانے کی ممانعت ثابت ہو ہی گئی، یہ جمہور علماء کے نزدیک مکروہ ہے، ابن حزم کے نزدیک حرام ہے، لہٰذا ان کے نزدیک ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

سوال: نماز کے علاوہ مواقع پر دعاء کرنے میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کیسا ہے؟

جواب: قاضی شریحؒ کہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ میں بھی نگاہ کا دعاء کے وقت آسمان کی طرف اٹھانا مکروہ ہے لیکن بعض لوگ جائز قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے، جیسا کہ نماز کا قبلہ کعبہ ہے، لہٰذا آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے دعاء میں منع نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے سے نہیں روکا جاتا ہے۔

صاحب مرقات یہ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں، ''دعا'' میں ہاتھ کا اٹھانا منقول ہے، اس کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ آسمان کی طرف دعا میں نگاہ اٹھانے سے روکا گیا ہے۔ (مرقات ص ۷ ج ۳)

حدیث نمبر ۹۲۲ ﴿نماز میں کاندھے پر بچی کو اٹھانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۸٤

وَعَنْ اَبِي قَتَادَةَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَةُ بِنْتُ اَبِي الْعَاصِ عَلٰى عَاتِقِهٖ فَاِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا وَاِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ اَعَادَهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخارى ص ۷٤ ج ۱، باب اذا جعل جارية صغيرة على عنقه فى الصلاة كتاب الصلاة حديث نمبر ۵۱۶. مسلم ص ۲۰۵ ج ۱، باب جواز حمل الصبيان الخ كتاب الصلاة حديث نمبر ۵۴۳.

ترجمه: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، اور آپ ﷺ کی نواسی امامہ بنت ابی العاص آپ ﷺ کے کاندھے پر تھیں، جب آپ ﷺ رکوع کرتے تو امامہ کو نیچے بٹھا دیتے اور سجدہ سے اٹھتے تو ان کو کاندھے پر بٹھا لیتے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ آپ ﷺ نواسی حضرت امامہ کو کاندھے پر بٹھا کر بعض اوقات نماز پڑھتے تھے، آپ ﷺ رکوع وسجدہ میں جاتے تو کاندھے سے اتار دیتے تھے، جب کھڑے ہوتے تو پھر اٹھا لیتے تھے

بچی کی والدہ حضرت زینب کی وفات حضور ﷺ کی زندگی ہی میں ۸ھ میں ہوگئی تھی، ممکن ہے کہ گود میں لینے کا واقعہ اسی کا وقت ہو، یعنی آپ بچی کی دلداری کی بناء پر اس کو گود میں لے لیتے ہوں گے، یا پھر آپ ﷺ ایسا بیان جواز کے لئے کرتے ہوں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح یؤم النّاس وامامة بنت ابی العاص علی عاتکه: آپ ﷺ امامہ کو کاندھے پر بٹھا کر نماز پڑھاتے تھے۔

اشکال: رسول اللہ ﷺ کا حضرت امامہ کو اٹھانا اور کاندھے پر بٹھانا، پھر اتارنا یہ تو عمل کثیر ہے، اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، یہاں نماز فاسد کیوں نہیں ہوئی؟

جواب: (۱) حضرت امامہ آپ ﷺ سے چمٹ جاتی تھیں، اور حضور کے اشارہ پر آپ ﷺ سے علاحدہ ہوجاتی تھیں، اور حضور ﷺ کے اشارے سے پھر کندھے پر بیٹھ جاتی تھیں، تو درحقیقت یہ حضرت امامہ کا فعل ہے، جس کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کردیا ہے۔

(۲) آپ ﷺ کا حضرت امامہ کا اٹھانا اور ہٹانا ایک ہاتھ سے ایسے طور پر ہوتا ہوگا جس کو عمل کثیر نہیں کہتے ہیں، اور آپ ﷺ کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا۔

حدیث نمبر ۹۲۳ ﴿نماز میں جمائی روکنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۸۵، ۹۸۶

عَنْ اَبِی سَعِیدٍ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُکُم فِی الصَّلاَةِ فَلْیَکْظِمْ مَااسْتَطَاعَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَفِی رِوَایَةِ الْبُخَارِیِّ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ اِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُکُم فِی الصَّلاَةِ فَلْیَکْظِمْ مَااسْتَطَاعَ وَلاَ یَقُلْ هَا فَاِنَّمَا ذَالِکُم مِنَ الشَّیْطَانِ یَضْحَکُ مِنْهُ.

حوالہ: مسلم ص ۴۱۳ ج۲، باب تشمیت العاطس، کتاب الزهد والرقاق، حدیث نمبر ۲۹۹۵، بخاری ص ۹۱۹ ج۲، باب اذا تثاء ب فلیضع یده علی فمه، کتاب الادب، حدیث نمبر ۶۲۲۶۔

حل لغات: تثاء ب، باب تفاعل سے، جمائی لینا، جمائی آنا، ثیبَ (س) ثیباً، جمائی لینا، فلیکظم: امر ہے کَظَمَ (ض) کَظمًا، النفس، روکنا، غیظة، غصہ کو پی جانا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو حتی الامکان اس کو روکنا چاہئے، اس وجہ سے کہ شیطان (منہ میں) گھس جاتا ہے، اور بخاری شریف میں حضرت ابوہریرۃؓ سے یوں روایت ہے کہ تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اس کو حتی الامکان روکنا چاہئے، اور "ہا" نہ کہنا چاہئے، اس وجہ سے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے، اور شیطان اس پر ہنستا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے جمائی روکنے کا حکم دیا ہے، چونکہ جمائی سستی کی دلیل ہے اور اس سے غفلت میں اضافہ ہوتا ہے، اس وجہ سے شیطان کو اس میں لطف آتا ہے، اس بناء پر آپ نے فرمایا کہ جمائی کو روکے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا تثاء ب احدکم: تم میں سے کسی کو جمائی آئے، جمائی نیند کے غلبہ کی وجہ سے بھی آتی ہے، زیادہ مقدار میں کھانا کھانے سے بھی آتی ہے اور یہ چیزیں شریعت کی نگاہ میں محمود نہیں ہیں، اس وجہ سے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے حوالے سے سستی وکاہلی کی طرف مشیر ہیں، "فلیکظم" جمائی آئے تو اس کو روکو، جمائی کو روکنے کے لئے مختلف طریقے علماء نے لکھے ہیں۔ (۱) جمائی آنے لگے تو منہ بند کرے، یا نچلے ہونٹ کو دانت سے دبالے۔

(۲) علامہ شامی نے بعض علماء سے جمائی روکنے کا ایک طریقہ یہ نقل کیا ہے کہ جمائی آنے لگے تو تصور کرنے لگے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو جمائی نہیں آتی تھی، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ صاحب قدوری نے فرمایا ہے "جَرَّبْنَاهُ مِرَاراً فَوَجَدْنَاهُ کَذٰلِکَ" میں

نے اس کا بارہا تجربہ کیا، تو اس کو درست پایا، جمائی روکنے کا ایک طریقہ حدیث میں بھی ہے "اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِكْ یَدَهٗ عَلٰی فَمِهٖ" جب جمائی آنے لگے تو منہ پر ہاتھ رکھ لو، ما استطاع: مطلب یہ ہے کہ جمائی روکنے کے اسباب اختیار کرو۔

فان الشیطان: جب انسان جمائی کے لئے منہ کھولتا ہے اور منہ پر ہاتھ یا کپڑا وغیرہ نہیں رکھتا ہے تو شیطان اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے، حافظؒ کہتے ہیں کہ داخل ہونے سے ممکن ہے کہ حقیقتاً داخل ہونا مراد ہو، کیونکہ یہ تو انسان کے خون کے ساتھ دوڑنے کی سکت رکھتا ہے لیکن انسان جب تک ذکر اللہ میں لگا رہتا ہے شیطان اس پر قابو نہیں پاتا، اور جمائی کی حالت میں انسان ذکر کی حالت میں نہیں رہتا ہے، لہٰذا شیطان انسان کے اندر حقیقتاً گھس جاتا ہے، یا پھر داخل ہونے سے مراد قابو پانا ہے کیونکہ کوئی چیز جب کسی چیز میں داخل ہوتی ہے تو گویا وہ اس چیز پر قابو پا لیتی ہے، اس معنی کے اعتبار سے دخول سے تمکن یعنی قابو مراد ہوگا۔ (فتح الباری ص ۷۰ ج۱۳)

صاحب مرقات کہتے ہیں کہ جمائی نیند کو دعوت دیتی ہے، اور نیند (عبادت کی حالت میں) شیطان کا پھندا ہے، تو اس کے ذریعہ سے شیطان نمازی کے اندر گھس جاتا ہے اور نمازی کو اس کی نماز سے نکال دیتا ہے، تو اس بناء پر جمائی کو شیطان کے داخل ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ (مرقات ص۸ ج۳)

فانما ذلکم من الشیطان: جمائی کو شیطان کا فعل قرار دیا ہے ابن العربی کہتے ہیں کہ ہم نے بیان کر دیا ہے ہر ناپسندیدہ فعل کی نسبت شریعت نے شیطان کی طرف کی ہے اس وجہ سے کہ شیطان ہی اس کا واسطہ ہوتا ہے اور اچھے فعل کی نسبت شریعت نے فرشتے کی طرف کی ہے اس وجہ سے کہ نیک کام کے لئے واسطہ ہوتا ہے۔

یضحك: جب کسی کو جمائی آتی ہے تو شیطان ہنستا ہے، جمائی لیتے وقت جمائی لینے والے کی صورت کچھ متغیر ہو جاتی ہے یہی چیز شیطان کو پسند آتی ہے چنانچہ وہ ہنستا ہے۔ (فتح الباری ص ۷۸۱ ج۱۳)

حدیث نمبر ۹۲۴ ﴿آپ ﷺ کی نماز میں شیطان کی مداخلت کی کوشش﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۸۷

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عِفْرِیْتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِیَقْطَعَ عَلَیَّ صَلَاتِیْ فَاَمْکَنَنِی اللّٰهُ مِنْهُ فَاَخَذْتُهٗ فَاَرَدْتُ اَنْ اَرْبِطَهٗ عَلٰی سَارِیَةٍ مِنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ حَتّٰی تَنْظُرُوْا اِلَیْهِ کُلُّکُم فَذَکَرْتُ دَعْوَةَ اَخِیْ سُلَیْمَانَ رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِیْ فَرَدَدْتُهٗ خَاسِئًا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

حوالہ: بخاری ص ۶۶ ج۱، باب الاسیر او الغریم یربط فی المسجد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۶۱، مسلم ص: ۲۰۵ ج۱، باب جواز لعن الشیطان فی اثناء الصلاۃ کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۴۱۔

حل لغات: العفریت، مکار و خبیث، شیطان، دیو، جن: ج عفاریت، تفلت منه: ایکا یک چھوٹ جانا، علیه کسی پر حملہ کرنا (باب تفعل سے) فلتَ (ض) فلتاً، قبضہ سے نکلنا، البارحة، بارح کی مونث، گذشتہ رات، اربطه رَبَطَ (ن) رَبطاً باندھنا، ملانا، ساریة واحد ہے جمع سواری لکڑی کا ستون، پل، کھمبا، خاسئاً خسأ (ف) خسأ ذلیل ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سرکش جن گذشتہ رات میری نماز میں خلل ڈالنے کے لئے چھوٹ کر آ گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو فرما دیا، تو میں نے اس کو پکڑ لیا، پھر میں نے چاہا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھوں تاکہ تم لوگ بھی اس کو دیکھ سکو، پھر مجھ کو اپنے بھائی سلیمانؑ کی دعاء یاد آ گئی، رب هب لی الخ: اے میرے پروردگار مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو نہ دی جائے، تو میں نے اس کو نا کام واپس کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک موقع پر ایک سرکش جن بلی کی صورت اختیار کر کے آپ ﷺ کی نماز میں خلل ڈالنا چاہا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر قابو دیا، چنانچہ آپ نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو باندھنے کا بھی ارادہ کیا، لیکن پھر

خیال آیا کہ جن کو اگر ہم اس طرح تماشا بنائیں گے تو کوئی کوتاہ فہم یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت سلیمان نے اللہ تعالیٰ سے جو مخلوقات کو خاص ان کے لئے تسخیر کئے جانے کی دعاء کی تھی، وہ قبول نہیں ہوئی اس بناء پر شیطان کو چھوڑ دیا، لیکن چونکہ شیطان اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو پایا اس لئے ذلیل ورسوا ہو کر واپس ہوا۔

کلمات حدیث کی تشریح

ان عفریتاً: بہت سرکش شیطان کا نام ہے، عربوں میں جنات کیلئے انکی خصلتوں کی بناء پر جو چند نام متعین تھے، ان میں سے ایک عفریت ہے، یعنی وہ جن جو سب سے زیادہ قوی اور سرکش ہوتے ہیں۔
(۲) ارواح، وہ جن جو لڑکوں بالوں کو ستاتے ہیں اصل ہندان کو بھوت یا آسیب کہتے ہیں۔
(۳) عامر یعنی ہمزاد وہ جن جو آدمیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ (۴) شیطان جو خبیث اور تکلیف دینے والے ہوتے ہیں۔ (۵) مارد جو شیطانوں سے بھی زیادہ سرکش ہوتے ہیں۔ (۶) ہاتف، جو جنگلوں میں چیختے چلاتے اور آوازیں نکالتے ہیں۔ (۷) رجال الغیب جو مسافروں کو راہ بھلا دیتے ہیں۔ (۸) شہابہ، جو بیابانوں میں کبھی لشکر اور کبھی مشعل وغیرہ کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ (۹) چھلاوہ جو رات میں اور بعض اوقات دن میں بھی اجاڑ جنگلوں میں کبھی چھوٹے لڑکوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور پھر دفعتاً کسی اور شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ (مظاہر حق جدید ص ۳۶ ج ۲)

تفلت: حضرت سلیمان نے جن جنات کو جزیروں میں قید کر رکھا تھا، ان میں سے کوئی چھوٹ کر آ گیا، یقطع صلاتی، شیطان کا مقصد یہ تھا کہ وسوسہ ڈال کر نماز کے کمال کو فوت کرا دے، حضرت ابو درداءؓ کی روایت میں ہے کہ شیطان نے آگ کا شعلہ نبی کریم ﷺ کے رخ انور پر ڈالنے کی کوشش کی۔

فامکننی: اللہ نے اس پر مجھے قابو عطا کر دیا کہ میں جو چاہوں اس کو سزا دوں، فاخذتہ: میں نے اس کو پکڑ لیا، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شیطان نجس عین نہیں ہے، اس وجہ سے اس کے چھونے سے نماز باطل نہیں ہوتی، حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ میں نے اس کو پکڑ لیا، پھر پٹک دیا یہاں تک کہ "وَجَدْتُ بَرْدَ لِسَانِهِ عَلَى يَدِيْ: یعنی اس جنات کا لعاب دہن حضور ﷺ کے ہاتھ پر گرا، تو آپ کو اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔

فاردت: آپ فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ میں اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں، اسی جزء سے استدلال کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے اس حدیث پر جو باب باندھا ہے وہ ہے "باب الاسیر او الغریم یربط فی المسجد" یعنی مقروض یا قیدی وغیرہ کو مسجد میں باندھنا، مسجد کے احترام کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا بھی جنات کو مسجد میں باندھنے کا ارادہ تھا، پیغمبر ﷺ کا ارادہ بھی اس چیز کا ہو گا جو فی نفسہ جائز ہو۔

حتی تنظروا الیہ: اس سے معلوم ہوا کہ شیطان و جنات کا نظر آنا ممکن ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ" بے شک شیطان اور اس کی جماعت تم کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے، اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ عمومی حالات میں جنات نظر نہیں آتے ہیں، فذکرت دعوۃ: آپ ﷺ نے باندھنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی، اس لئے نہیں باندھا، حالانکہ اگر آپ باندھتے تو بھی حضرت سلیمانؑ کی دعا سے تعارض نہ ہوتا، جیسا کہ اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی دعا اس زمانہ کے اعتبار سے اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر تھی آپ ﷺ کی دعا محض حصول سلطنت یا کشور کشائی کے لئے نہیں تھی۔ اس حدیث کے ذیل میں استاذ محترم حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے ایضاح البخاری میں چند بہت مفید بحثیں کی

ہیں، مناسب ہے کہ ان ہی کے الفاظ نقل کردوں۔

حضرت سلیمان کی دعا اور ایک جن کی گرفتاری

رسول اکرم ﷺ نے جن عفریت کو گرفتار فرمالیا تھا، اگر آپ اس کو ستون سے باندھ بھی دیتے اور مدینہ طیبہ کے بچے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیتے تو اس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء سے تعارض نہیں تھا، لیکن حضور پاک ﷺ نے کمال احتیاط اور انبیاء کرام کے حقوق کی مکمل رعایت اور تعظیم کی وجہ سے اس کو بھی مناسب نہیں سمجھا، حضرت سلیمان کی دعا اور آپ ﷺ کے اس ایک جن کو مقید کرنے کے عمل میں تعارض نہ ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء کے الفاظ قرآن کریم میں نقل فرمائے گئے ہیں۔

رب هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی: اس آیت میں اگر من بعدی کو تاخر زمانی کے معنی میں لیں تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو میسر نہ ہو، لیکن آیت کے تاخر زمانی والے یہی معنی متعین نہیں ہیں، بلکہ "بعد" علاوہ اور سواء کے معنی میں بھی آتا ہے، قرآن مجید میں دوسری جگہ "من بعد" علاوہ اور سواء کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسے

فمن یهدی من بعد اللّٰه" (سورة الجاثیة ۲۳)

پھر ایسے شخص کو اللہ کے علاوہ اور کون ہدایت دے سکتا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا میں بھی "**من بعدی**" کے معنی مفسرین نے مراد لئے ہیں کہ اللہ مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ کسی کو مجھ سے چھین لینے کا حوصلہ نہ ہو، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ میں ایسی سلطنت چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں وہ مجھ سے الگ نہ ہو، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ مجھ سے کم درجہ کے انسان کو ایسی حکومت نہ ملے وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اول تو کلمات دعاء میں متعدد معانی کے احتمالات ہیں، جن کی رو سے حضرت سلیمانؑ کے بعد والے زمانوں میں دوسروں کے لئے اس طرح کی حکومت کی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ تاریخ عالم میں کسی کو بھی حضرت سلیمانؑ جیسی حکومت عطا کی گئی ہو، کیونکہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت صرف انسانوں پر نہیں تھی، جنات اور ہواؤں تک پر ان کی حکومت عام تھی، قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

"فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ" (سورۃ ص)

پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیر نگیں کردیا، کہ وہ قرآن کے حکم سے جس جگہ سے وہ چاہتے نرمی سے چلتی، اور شیاطین یعنی سرکش جنوں کو ان کے تابع کردیا، یعنی تعمیر کرنے والے اور غوطہ خوری کرنے والے جنات کو اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ان جنات سے حضرت سلیمانؑ جس طرح خدمت چاہتے لے لیتے تھے، حضرت سلیمانؑ کی یہ حکومت وسلطنت ان تمام مخلوقات پر عام تھی، اس لئے اگر حضور ﷺ ایک جن کو قید کرکے مسجد کے ستون سے باندھ دیتے تو اس کا حضرت سلیمانؑ کی دعا سے کوئی تعارض نہ تھا لیکن چونکہ پیغمبران عالی مقام ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں اس لئے آپ نے قاصر الفہم انسان کے اس وسوسہ کو بھی رعایت فرمائی تاکہ کسی کو حضرت سلیمانؑ کی دعا کی قبولیت میں شک نہ ہو۔

جنات کے بعض احکام

روایت میں ایک جن کی گرفتاری کا تذکرہ آیا ہے جنات اللہ کی پیدا کی ہوئی وہ ناری مخلوق ہے جو انسان کی پیدائش سے پہلے اس دنیا میں آباد تھی، اور ناری ہونے کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ وہ اب بھی آگ کا ایک شعلہ ہیں، ان کا وجود آگ اور اس کے خواص کا حامل ہے، بلکہ جس طرح انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا گیا، لیکن مٹی دیگر عناصر کے ساتھ مل کر ایک بالکل نئی صورت اور جداگانہ خواص میں تبدیلی ہوگئی، اس طرح جنات کے وجود کا عنصر اصلی تو آگ ہی ہے لیکن روایت باب سے معلوم

ہوتا ہے کہ یہ عنصر اپنے خواص کے ساتھ باقی نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ جن آگ کا شعلہ لے کر آیا اور اس نے میرے منہ پر ڈالنا چاہا اگر یہ خود آگ ہوتا تو اسے آگ کا شعلہ لانے کی کیا ضرورت تھی، بلکہ خود اس کا جسم یا اس کا کوئی بھی عضو جلانے کے لئے کافی تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ دیگر عناصر سے مل کر نئی چیز بن گئی، بلکہ اس روایت کے بعض طرق میں "وجدت برد لسانه علی یدی" آیا ہے، کہ مجھے اپنے ہاتھ پر اس کے لعاب کی ٹھنڈک محسوس ہوئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خواص ترک کرتے ہیں، اور وہ ٹھنڈک میں تبدیل ہوگئی ہے، نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات کو اللہ نے یہ قدرت عطا کی ہے کہ وہ اپنی اصلی صورت کے علاوہ انسان، حیوان، سانپ، بچھو اور دوسری تمام شکلوں میں متشکل ہوسکتے ہیں اسی روایت کے بعض طرق میں یہ ہے کہ جن بلی کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تھا، اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ گھروں میں سانپ وغیرہ نظر آئیں تو انہیں فوراً نہ مارا جائے بلکہ انہیں تین مرتبہ متنبہ کیا جائے، اس کے بعد بھی وہ نظر آئیں تو مار دینے میں مضائقہ نہیں، ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے "اِنَّ بُیُوْتَکُمْ عُمَّاراً فَحَرِّجُوْا عَلَیْهِنَّ ثَلَاثًا فَاِنْ بَدَالَکُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْهُنَّ شَیْئٌ فَاقْتُلُوْهُ" بیشک تمہارے گھروں میں کچھ جنات بھی رہتے ہیں وہ کسی سانپ وغیرہ کی شکل میں نظر آئیں تو انہیں تین بار متنبہ کرو، کہ تم کو تنگی ہوسکتی ہے اس کے بعد بھی ظاہر ہوں تو انہیں قتل کر دو۔ (ترمذی)

معلوم ہوا کہ جنات اپنی شکل تبدیل کر کے انسان کے سامنے آسکتے ہیں، نیز یہ کہ جب وہ کسی دوسرے قالب میں ظاہر ہوتے ہیں تو پھر وہ اسی قالب کے احکام کو قبول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، انہیں گرفتار بھی کیا جاسکتا ہے وغیرہ۔

خطابی اور دوسرے شارحین نے اس روایت سے یہ بھی کہا ہے کہ جنات کو ان کی اصلی صورت میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس جن کو دیکھا اور گرفتار کیا رہی قرآن کریم کی وہ آیت جس میں جنات کو اصل صورت میں دیکھنے کی نفی کی گئی ہے یعنی "انه براکم هو وقبیله من حیث لاترونهم" (سورۂ اعراف) اور بے شک شیطان اور اس کی جماعت (جنات) تم اس طرح دیکھتے ہیں کہ انہیں تم نہیں دیکھتے، تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ عمومی حالات میں وہ نظر نہ آنے والی مخلوق ہے، لیکن اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ انسان جنات کو اصلی صورت میں دیکھنے پر قادر نہیں ہے۔ (ایضاح البخاری ص نمبر ۲۴۰ تا ۲۴۲ ج ۳)

جنات کی اصل بعض لوگوں نے کہا کہ جنات ابلیس کی اولاد ہیں، ان میں سے جو کافر ہیں ان کو شیطان کہا جاتا ہے اسکے برخلاف بعض دوسرے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ شیطان خود جنات کی اولاد میں سے ہیں، جمہور کے نزدیک جنات شریعت کے مکلف ہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے "وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" میں نے جنات اور انسان کو اپنی بندگی کیلئے پیدا کیا ہے، اکثر فلاسفہ جنات کے وجود کے منکر ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جنات نظر نہیں آتے، حالانکہ یہ نری حماقت ہے اس وجہ سے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اسکے عدم کی دلیل نہیں ہے، نہ جانے کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کو ہماری یہ ظاہری نگاہ نہیں دیکھ سکتی ہیں، لیکن ہم ان کے وجود کے قائل ہیں، ایمان والے تمام کے تمام جنات کے وجود کا یقین رکھتے ہیں کیونکہ ان کا تذکرہ قرآن مجید کی آیات اور بہت سی احادیث میں ہوا ہے۔

حدیث نمبر ۹۲۵ ﴿دوران صلاۃ سبحان اللہ کہنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۸۸

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَابَهٗ شَیْئٌ فِیْ صَلَاتِهٖ فَلْیُسَبِّحْ فَاِنَّمَا التَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ التَّسْبِیْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حوالہ: بخاری، ص ۹۴ ج ۱، باب من دخل لیؤم الناس فجاء الامام الاول، کتاب الاذان حدیث نمبر ۶۸۴.
(۲) بخاری ص: نمبر ۱۶۰ ج ۱، باب التصفیق للنساء کتاب التهجد، حدیث نمبر ۱۲۰۳، مسلم ص ۱۸۰ ج ۱

باب تسبیح الرجال، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۴۲۲۔

حل لغات : نابہ،ناب(ن) نوباً الشیء،نزدیک ہونا،کوئی چیز پیش آنا،التصفیق تفعیل کا مصدر ہے،زور سے ہاتھ مارنا"بیدہ" تالی بجانا۔

ترجمہ : حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا"جس شخص کو نماز کے دوران کوئی بات پیش آجائے تو اس کو سبحان اللہ کہنا چاہئے،تصفیق کا عمل (دستک مارنا) تو وہ عورتوں کے لئے ہے،ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا"تسبیح مردوں کے لئے ہے، تصفیق عورتوں کے لئے ہے۔(بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث ۳ھ کا واقعہ ہے کہ بنوعمرو بن عوف میں جھگڑا ہوگیا،آپ صلح کے لئے ظہر کی نماز کے بعد تشریف لے گئے،اور حضرت بلالؓ سے فرماگئے،کہ اگر میں عصر کی نماز میں نہ آسکا تو ابوبکرؓ سے نماز پڑھوانا،آپ ﷺ وقت پر نہ آسکے تو حضرت ابوبکرؓ نے نماز شروع فرمادی،دوران صلاۃ آپ ﷺ تشریف لے آئے،حضرت ابوبکرؓ نماز میں اس قدر مشغول تھے کہ آپ کی آمد کا احساس نہ کرسکے،صحابہ کرام نے حضرت ابوبکرؓ کو مطلع کرنے کے لئے تصفیق کا عمل کیا،جب حضرت ابوبکرؓ کو آپ کی آمد کا احساس ہوا تو وہ پیچھے ہٹ آئے،آپ ﷺ نے نماز کے بعد یہ فرمایا کہ"مَالِيَ رَأَيْتُكُمْ اَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ" تم نے تصفیق کا عمل بہت زیادہ کیا،اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ بات فرمائی جو حدیث میں ہے،اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی بات پر مقتدی امام کو متنبہ کرنا چاہتا ہے،مثلاً امام سے کوئی غلطی ہوگئی تو اب مقتدی امام کو اس کی غلطی پر متنبہ کرے،تو اس کے لئے مقتدی"سبحان اللّٰہ" کہے گا،امام کو احساس ہوجائے گا کہ مجھ سے کوئی کوتاہی ہورہی ہے،عورتوں کو اگر امام کو متنبہ کرنا ہے تو یہ تصفیق کا عمل اختیار کریں گی۔

کلمات حدیث کی تشریح من نابہ شئ فی صلاتہ: نماز میں کلام ممنوع ہے،لیکن اگر نماز میں کوئی بات پیش آجائے تو تسبیح یعنی"سبحان اللّٰہ" کہنا جائز ہے،آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ سے مقتدی کو یہ حق دیا ہے کہ وہ امام کو دوران صلاۃ اس کی غلطی پر متنبہ کردے،جب مقتدی سبحان اللہ کہے گا تو امام کو خود بخود احساس ہوجائے گا کہ اس سے نماز میں کوئی چوک ہورہی ہے اس وجہ سے جس مقتدی کو قرأت کی اجازت نہیں ہے اس کا سبحان اللہ کہنا کسی مصلحت سے ہی ہوگا،چنانچہ جب امام کو کوتاہی کا احساس ہوگا تو وہ تلافی بھی کرے گا۔

التصفیق للنساء: جیسا کہ خلاصہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکر کو متنبہ کرنے کے لئے تصفیق کا عمل کیا تھا،تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ"تصفیق عورتوں کیلئے ہے تصفیق کے معنی ہیں تالی بجانا، جو تالی ہم لوگ کھیل کود کے موقع پر بجاتے ہیں وہ لہو ولعب میں داخل ہے، یہاں تصفیق یعنی جو تالی مراد ہے اس کی صورت یہ ہوگی کہ عورت اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو مارے گی اس سے جو آواز پیدا ہوگی وہ تصفیق ہے اور اسی آواز سے امام کو احساس ہوگا کہ اس سے نماز میں کوتاہی ہورہی ہے۔

چونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اس وجہ سے عورت کو تصفیق کا حکم ہے (ابن الملك: مرقات ص ۱۰ ج ۳)عورتوں کا مسجد میں آکر جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے اس سے متعلق تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۸۸۸ کا مطالعہ فرمایئے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۹۲۶ ﴿نماز کے دوران سلام کے جواب کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۸۹، ۹۹۰

عَنْ عَبْدِاللهِ بنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ اَنْ نَأْتِيَ اَرْضَ الْحَبْشَةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ اَتَيْتُهُ فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ حَتّٰى

اِذَا قَضٰی صَلَاتَهٗ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ مِنْ اَمْرِهٖ مَا يَشَاءُ وَاِنَّ مِمَّا اَحْدَثَ اَنْ لَّا تَتَكَلَّمُوْا فِي الصَّلَاةِ فَرَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ وَقَالَ اِنَّمَا الصَّلَاةُ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ فَاِذَا كُنْتَ فِيْهَا فَلْيَكُنْ ذٰلِكَ شَأْنُكَ. رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۳۳ ج ۱، باب رد السلام فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۹۲۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہمارے حبشہ آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو بھی ہم سلام کرتے تھے، تو آپ ﷺ جواب عنایت فرماتے تھے، لیکن جب ہم حبشہ سے لوٹے، تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ کو میں نے نماز پڑھتے ہوئے پایا میں نے آپ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ جب آپ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا اللہ تعالیٰ اپنا جو حکم چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے یہ نیا حکم دیا ہے کہ تم لوگ نماز میں بات چیت نہ کرو، پھر آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب عطا کیا اور فرمایا نماز تو تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کیلئے ہے لہٰذا جب تم نماز میں ہو تو اس میں لگے رہو۔ (ابو داؤد)

خلاصۂ حدیث شروع اسلام میں نماز میں تکلم کی گنجائش تھی، لہٰذا پہلے دورانِ صلاۃ سلام کا جواب بھی عنایت فرماتے تھے، جب قرآن مجید کی آیت "وقوموا للہ قانتین" (اللہ کے آگے ادب سے کھڑے ہو) نازل ہوئی، تو نماز میں تکلم کی اجازت ختم ہوگئی، لہٰذا آپ نے دوران صلاۃ جواب دینا بھی بند کر دیا، چوں کہ یہ حکم مدینہ منورہ میں نازل ہوا تھا، اور عبداللہ بن مسعودؓ ہجرت سے پہلے ہی حبشہ ہجرت کر گئے تھے، لہٰذا جب وہ لوٹ کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان کو اس ممانعت کا علم نہیں تھا، چنانچہ انہوں نے حسب سابق سلام کیا، کہا آپ ﷺ نے دوران صلاۃ جواب نہیں دیا، نماز سے فراغت کے بعد سلام کا جواب بھی دیا اور اللہ تعالیٰ کے اس نئے حکم سے عبداللہ بن مسعودؓ کو مطلع کیا، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کسی کو دوران صلاۃ سلام کیا گیا ہے تو وہ نماز مکمل کر کے جواب دے تو بہت اچھا ہے، آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے، اور ایسا کرنا مستحب ہے، اسی طرح جو شخص تلاوت قرآن یا قضاء حاجت یا کسی دوسرے اہم کام مثلاً وضوء وغیرہ میں مشغول ہے تو اس کام سے فراغت کے بعد جواب دے تو بہتر ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان ناتی ارض الحبشة: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہجرت حبشہ دو مرتبہ فرمائی ہے، پہلی مرتبہ جب حبشہ گئے، تو کچھ مدت بعد وہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ پورا قبیلہ قریش مسلمان ہو گیا ہے، چنانچہ آپ واپس مکہ چلے آئے، لیکن یہاں آ کر جب علم ہوا کہ جو خبر حبشہ میں سنی تھی وہ غلط تھی، تو دوبارہ پھر حبشہ چلے گئے، اور پھر دوبارہ ۲ھ میں حبشہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے، یہاں جو حبشہ سے لوٹنا مراد ہے وہ یہی دوسری مرتبہ کا لوٹنا مراد ہے، کیونکہ نماز میں تکلم کی اجازت مدینہ ہی میں منسوخ ہوئی تھی، جب آپ حبشہ سے لوٹ کر پہلی مرتبہ مکہ تشریف لائے، اس وقت تک تو تکلم کی اجازت تھی: فسلمت علیه: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نماز میں تکلم کی ممانعت کا علم نہیں تھا، اس وجہ سے انہوں نے سلام کیا، حنفیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کو دوران صلاۃ سلام کرنا مکروہ ہے، ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، فلم یرد علی: آپ ﷺ نے نماز میں سلام کا جواب نہیں دیا، جب آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا تو نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سوال کیا "أُنْزِلَ فِيَّ شَيْءٌ" کیا اس سلسلہ میں کچھ نازل ہوا ہے، آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو سلام کا جواب نہ دینے کی وجہ سے مطلع کیا، مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۱۷ مطالعہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۹۲۷ ﴿نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۹۱

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ كَانَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ نَحْوَهٗ وَعِوَضُ بِلَالٍ صُهَيْبٌ.

حوالہ: ترمذی ص ۸۵ ج ۱، باب ماجاء فی الاشارۃ فی الصلاۃ کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ جس وقت نبی کریم ﷺ نماز میں ہوتے اور صحابہ کرام آپ ﷺ کو سلام کرتے تو آپ ﷺ سلام کا جواب صحابہ کو کیسے دیتے تھے، حضرت بلال نے فرمایا آپ ﷺ اپنے ہاتھ کے اشارہ سے جواب مرحمت فرماتے تھے۔ (ترمذی)

نسائی کی روایت میں بھی اس جیسے الفاظ ہیں، لیکن وہاں حضرت بلالؓ کی جگہ حضرت صہیبؓ سے سوال کیا گیا ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ آپ ﷺ سلام کا جواب اشارہ سے دیتے تھے، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ہاتھ کا پنجہ کھول کر ہتھیلی زمین کی طرف کرتے تھے، فقہاء احناف کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ اشارہ سے سلام کا جواب اس وقت دیتے تھے جب کہ نماز میں تکلم کی اجازت تھی، جب تکلم کی اجازت اٹھالی گئی تو ہاتھ سے اشارہ کے ذریعہ بھی آپ ﷺ جواب نہیں دیتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح یرد علیهم: حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت بلالؓ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ دوران صلاۃ صحابہ کے سلام کا جواب کیسے دیتے تھے، حضرت ابن عمرؓ کا یہ سوال کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ سلام کا جواب دینا اس وقت منسوخ ہو چکا تھا۔

کان یشیر بیده: جس طرح ہاتھ سے اشارہ جائز ہے اسی طرح سے آنکھ اور سر سے بھی اشارہ جائز ہے "ظهیریه" میں ہے کہ اگر کسی نے اپنے سر یا اپنے ہاتھ یا اپنی انگلی سے سلام کا جواب حالت صلاۃ میں دیا تو نماز فاسد ہوگئی اس کے برخلاف "خلاصه" میں ہے کہ سر یا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا نماز کو فاسد کر دیتا ہے، "شرح منیه" میں ہے کہ مصلی کے لئے ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔ (تلخیص مرقات ص ۱۱ ج ۳)

اشارہ سے جواب کا مسئلہ یہ مسئلہ حدیث نمبر ۹۱۷/ کے تحت گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے، احناف کے نزدیک اشارہ سے جواب دینا مکروہ ہے، اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ گذشتہ حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو نماز کے بعد جواب دیا تھا، اگر اشارہ سے سلام کا جواب بلا کراہت جائز ہوتا تو آپ ﷺ دوران صلاۃ ضرور جواب دیتے اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بات بھی فرمائی کہ "الصلاة لقرأة القرآن و ذکر الله فاذا کنت فیها فلیکن ذلك شأنك" مطلب یہ ہے کہ نماز میں تلاوت قرآن اور ذکر اللہ ہی ہونا چاہئے جب نماز میں ہو تو اسی کام میں لگے رہو، اس طرح ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابن مسعودؓ کے سلام کا جواب نہیں دیا، تو ان کو بہت پریشانی ہوئی، ظاہر بات ہے کہ اگر آپ ﷺ اشارہ سے جواب دیتے تو ان کو یہ پریشانی نہ ہوتی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا "ان فی الصلاة لشغلا" یہ فرمان بھی اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں امور صلاۃ کے علاوہ امور کی گنجائش نہیں ہے، مزید تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۹۱۷ دیکھیں۔

حدیث باب کا جواب حدیث باب سے سمجھ میں آتا ہے کہ آپ ﷺ اشارہ سے جواب دیتے تھے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ عمل آپ ﷺ کا اس وقت کا تھا جب دوران صلاۃ تکلم کی اجازت تھی، جب تکلم کی اجازت ختم ہوگئی، اور ہمہ تن نماز میں مشغول رہنے کا حکم نازل ہوا تو آپ ﷺ نے اشارہ سے سلام کا جواب دینا بھی بند کر دیا، اس کا ایک دوسرا جواب امام طحاویؒ نے دیا ہے کہ یہ اشارہ "منع عن السلام" کے لئے تھا، یعنی اس بات کے لئے اشارہ تھا کہ سلام کا جواب مت دو۔

حدیث نمبر ۹۲۸ ﴿چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۹۲

وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْداً كَثِيْراً

طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْهِ مُبَارَکًا عَلَیْهِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی فَلَمَّا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَکَلِّمُ فِی الصَّلٰوةِ فَلَمْ یَتَکَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِیَةَ فَلَمْ یَتَکَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ اِبْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَثَلَاثُوْنَ مَلَکًا اَیُّهُمْ یَصْعَدُ بِهَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۱۱۲ ج۱، باب مایستفتح به الصلاۃ فی الدعاء کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۷۷۳، ترمذی ص ۹۱ ج۱، باب ماجاء فی الرجل یعطس فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ حدیث ۴۰۴. نسائی ص ۱۰۸ ج۱، باب قول المأموم اذا عطس خلف الامام کتاب الافتتاح، حدیث نمبر ۹۳

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافعؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، مجھے چھینک آئی تو میں نے یہ دعاء پڑھی، الحمد لله الذی حمداً کثیراً الخ" (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، بہت بہت تعریفات، پاکیزہ تعریف، اس تعریف میں برکت ہو، اس پر برکت ہو، ایسی تعریف جس کو ہمارا رب پسند کرتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے) جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے، اور ہماری طرف پھرے تو آپ ﷺ نے فرمایا، نماز میں بولنے والا کون تھا؟ کسی نے جواب نہیں دیا، آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ یہی سوال دہرایا، پھر کوئی نہیں بولا، آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ بھی یہی سوال کیا، تو حضرت رفاعہؓ بولے اے اللہ کے رسول! نماز میں بولنے والا میں تھا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تیس سے کچھ زائد فرشتے ان کلمات پر اس لئے لپک رہے تھے کہ ان کو اوپر کون لے جائے۔ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص رفاعہ بن رافعؓ کو چھینک آئی تو انہوں نے مذکورہ کلمات ادا کئے، آپ ﷺ نے ان کلمات کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ان کلمات کو اوپر لے جانے کے لئے تیس سے بھی زائد فرشتے لپک پڑے، اس حدیث سے چھینک آنے پر دوران صلاۃ ان کلمات کو کہنے کے لئے صرف جواز ثابت ہو رہا ہے افضل یہی ہے کہ آدمی دوران صلاۃ چھینک آنے پر دعائیہ کلمات کا تلفظ نہ کرے۔

کلمات حدیث کی تشریح من المتکلم: حضرت رفاعہ نے مذکورہ دعا اتنی زور سے پڑھی کہ حضور ﷺ نے بھی سن لیا، چنانچہ حضور ﷺ نے پوچھا کہ اس دعا کو پڑھنے والا کون ہے؟ حضرت رفاعہ نے یہ سمجھا کہ انہوں نے ایک ایسا کام کیا جو مناسب نہیں اس وجہ سے نہیں بولے، اس سے پہلے حدیث نمبر ۷۵۹ اور حدیث نمبر ۸۱۸ گزر چکیں ہیں ان میں بھی دعاء پڑھنے کا تذکرہ ہے، لیکن وہاں پر یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت رفاعہ نے چھینک آنے پر یہ دعاء پڑھی، بلکہ وہاں تو صف میں داخل ہونے کے وقت "ربنا لك الحمد" کہتے ہوئے پڑھنے کا ذکر ہے، تحقیق کے لئے مذکورا حادیث دیکھیں۔

دوران صلاۃ اگر کسی کو چھینک آ گئی تو اس نے "الحمد لله" پڑھا، تو اس سے نماز بالاتفاق فاسد نہ ہوگی، البتہ تلفظ کے ساتھ "الحمد لله" کہنا خلاف اولیٰ ضرور ہے "الحمد لله" دل میں کہنا زیادہ بہتر ہے، مصنف عبدالرزاق میں حدیث ہے "اِذَا عَطَسْتَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ فَاحْمَدْ فِیْ نَفْسِكَ" نماز کی حالت میں چھینک آئے تو دل میں الحمد لله کہو، حدیث باب میں آپ ﷺ نے پسندیدگی کا جو اظہار فرمایا ہے، اس سے ان کلمات کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے، اس عمل کی فضیلت بیان کرنا مقصود نہیں ہے، کہ چھینکنے والے نے الحمد لله کہا تو اب جواب میں دوران صلاۃ دوسرے شخص نے "یرحمك الله" کہا تو اس رحمت کی دعا دینے والے کی نماز فاسد ہو گئی۔ مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۱۶ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۹۲۹ ﴿دوران صلاۃ جمائی روکنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۹۳

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم التَّثَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاؤَبَ اَحَدُكُم فَلْيَكْظِمْ مَااسْتَطَاعَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي أُخرىٰ لَهُ وَلِابْنِ مَاجَةَ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلىٰ فِيْهِ.

حوالہ: ترمذی ص ۸۵ ج ۱، باب ماجاء فی کراھیۃ التثاؤب فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۷۰، ابن ماجہ ص ٦٨ ج ١، باب مایکرہ فی الصلاۃ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ٩٦٨.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز میں جمائی کا آنا شیطان کی طرف سے ہے، لہٰذا تم میں سے جب کسی کو جمائی آئے تو اسکو چاہئے کہ وہ جمائی روکے (ترمذی) ترمذی کی ایک دوسری روایت میں اور ابن ماجہ میں ہے کہ اسکو چاہئے کہ وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ دے۔

خلاصۂ حدیث چونکہ نماز میں جمائی کا آنا سستی و کاہلی کی دلیل ہے، شیطان کو اس چیز میں بڑا لطف آتا ہے کہ آدمی نماز میں جمائی لے اور اس کا چہرا متغیر ہو جائے، لہٰذا آپ نے فرمایا کہ جمائی کو روکو، یعنی ان اسباب کو اختیار کرو جن کے ذریعہ سے نماز میں جمائی نہ آئے، اور اگر جمائی آجائے تو منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح التثاؤب فی الصلاۃ من الشیطان: جمائی کے اسباب غفلت سستی، زیادہ کھانا، اور نیند کا غلبہ ہے، حافظؒ فرماتے ہیں کہ نماز کے ساتھ ہی اس عمل کی قباحت مختص نہیں ہے، نماز کا ذکر تو اس وجہ سے کردیا کہ نماز میں جمائی کا آنا بہت زیادہ قبیح ہے، اس کو شیطان کی طرف اس وجہ سے منسوب کیا کہ اس کے اسباب شیطان ہی کی جانب سے ہوتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ نماز میں جمائی کا آنا یہ شیطان کی طرف سے ہے اور جو حکم نماز کا ہے وہی تلاوت ذکر اور دعاء کا بھی ہے یعنی ان اوقات میں جمائی کا آنا بھی شیطان کی طرف سے ہے۔

البتہ عام اوقات میں جو جمائی آتی ہے وہ شیطان کی طرف سے نہیں ہوتی ہے، فلیکظم: ہونٹوں کو بند کر کے یا منہ پر ہتھیلی وغیرہ رکھ کر جمائی کو روکے اس حدیث کی مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۲۳ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۹۳۰ ﴿انگلیوں کے درمیان تشبیک کی کراھت﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۹٤

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ اَحَدُكُمْ فَاَحْسَنَ وُضُوئَهُ ثُمَّ خَرَجَ عَامِداً اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ بَيْنَ اَصَابِعِهِ فَاِنَّهُ فِي الصَّلَاةِ رَوَاه اَحْمَدُ وَالتِّرمِذِيُّ وَاَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

حوالہ: مسند احمد ص ۲٤۱ ج ۲، ابوداؤد، ص ۸۳ ج ۱، باب ما فی الھدی فی المشی الی الصلاۃ کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ٥٦٢. ترمذی ص ۸۸ ج، باب ماجاء فی کراھیۃ التشبیك کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۳۸٦، دارمی ص ۳۸۱ ج ۱، باب النھی عن الاشباك اذا خرج الی المسجد کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱٤۰٤.

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص وضوء کرے اور اچھی طرح وضوء کرے، پھر مسجد کے ارادہ سے نکلے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے، اس وجہ سے کہ وہ تو نماز میں ہے۔

(احمد، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز کے لئے اچھی طرح وضوء کر کے جانے والا اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں نہ پروئے، وجہ یہ ہے کہ نماز کے ارادہ سے وضوء کر کے مسجد جانے والا گویا کہ نماز ہی میں داخل ہے

لہٰذا جو عمل نماز کے خشوع کے دوران منافی صلاۃ ہے اس سے نماز کے لئے مسجد جاتے وقت بھی گریز کرے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح فاحسن وضوء ہ : وضوء کے آداب و شرائط کو ملحوظ رکھ کر کامل توجہ اور صحیح نیت کے ساتھ وضو کرنا مراد ہے۔
فلا یشبکن بین اصابعہ "تشبیك اصابع" بعض انگلیاں دوسری بعض انگلیوں میں داخل کرنا تشبیک کہلاتا ہے، یہ نماز میں مکروہ ہے۔ اس وجہ سے کہ نماز کے خشوع کے منافی ہے، میرکؒ نے کہا کہ ممکن ہے کہ ممانعت کی وجہ یہ ہو کہ تشبیک سے جھگڑوں وغیرہ کے اختلاط کی طرف اشارہ ہوتا ہے، آپ ﷺ نے بھی فتنوں کے تذکرہ کے وقت تشبیک فرمائی تھی، بہر حال نماز میں تشبیک مکروہ ہے لہٰذا نماز کے قصد سے مسجد جانے والے کو بھی اس عمل سے روکا ہے کیوں کہ مسجد جانا بھی عبادت ہے، اور مسجد جانے والا گویا کہ نماز میں شامل ہے، لہٰذا اس کو لغو کاموں سے گریز کرنا چاہئے، تشبیک ایک لغو وفضول حرکت ہے، لہٰذا اس سے منع کیا گیا ہے۔
حدیث ذوالیدین میں ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں تشبیک فرمائی، آپ ﷺ کا یہ عمل اس لئے تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ تشبیک کا عمل حرام نہیں ہے، آپ ﷺ کے عمل سے کراہت کی نفی نہیں ہوتی اس وجہ سے کبھی کبھی آپ ﷺ خلاف اولیٰ کوئی کام بیانِ جواز کے لئے کرتے تھے، یا پھر آپ ﷺ کا تشبیک فرمانا اس وقت ہوگا، جب تشبیک کی ممانعت نہ ہوگی، بخاری شریف میں تشبیک کے جواز پر احادیث مذکور ہیں تقریر بخاری میں یہ بات لکھی ہے کہ "سنن" کی روایت اور بخاری کی روایت میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ بخاری کی روایت نفس تشبیک پر محمول ہے اور وہ جائز ہے اور سنن کی روایت "مشی فی المساجد" پر محمول ہے (جو کہ مکروہ ہے)۔

حدیث نمبر ۹۳۱ ﴿نمازی سے اللہ تعالیٰ کا توجہ ہٹانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۹۵

عَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلاً عَلَی العَبْدِ وَھُوَ فِی صَلَاتِہٖ مَالَمْ یَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ اِنْصَرَفَ عَنْہُ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُو دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارَمِیُّ۔

حوالہ: مسند احمد ص ۱۷۲ ج ۵، ابو داؤد ص ۱۳۱ ج ۱، باب الالتفات فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۹۰۹ نسائی ص ۱۳٤ ج ۱، باب التشدید فی الالتفات فی الصلاۃ، کتاب السھو، حدیث نمبر ۱۱۹٤، دارمی ص ۳۹۰ ج ۱، باب کراھیۃ الالتفات فی الصلاۃ کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۱٤۲۳۔

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "بندہ جب نماز میں ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر اس وقت تک متوجہ رہتے ہیں جبتک کہ وہ ادھر ادھر نہیں دیکھتا، بندہ جب ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ (احمد ابو داؤد، نسائی، دارمی)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ نماز میں دائیں بائیں ذرہ برابر التفات نہ ہونا چاہئے، پوری طرح بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات سے اپنی توجہ ہٹاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے نظر عنایت پھیر لیتے ہیں، اور اس کے ثواب میں کمی فرما دیتے ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح لایزال اللہ عز وجل مقبلاً علی العبد: بندہ جب تک اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسکی طرف رحمت کی نگاہ کئے رہتے ہیں اور اسکو ثواب عطا کرتے رہتے ہیں
فاذا التفت: جب وہ اللہ تعالیٰ سے اعراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے توجہ پھیر لیتے ہیں، ابن ملک کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ ثواب کم کر دیتے ہیں (مرقات ص ۱۳ ج ۳) اس مضمون کی حدیث نمبر ۹۲۰ ما قبل میں گذر چکی ہے، مزید تحقیق وہیں پر دیکھ لی جائے۔

حدیث نمبر ۹۳۲ ﴿نگاہ سجدہ کی جگہ رکھی جائے﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۹۶

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَنَسُ اِجْعَلْ بَصَرَكَ حَیْثُ تَسْجُدُ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِی سُنَنِ الْکَبِیْرِ مِنْ طَرِیْقِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسٍ یَرْفَعُہُ الجَزَرِیُّ۔

حوالہ : بیہقی فی السنن الکبری ص ۲۸۴ ج ۲، باب لا یجاوز بصرہ موضع سجودہ، کتاب الصلاۃ.

ترجمہ : حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے انس اپنی نگاہ کو اپنے سجدہ کی جگہ رکھو، اس روایت کو بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انسؓ سے بطریق حسنؒ نقل کیا اور جزریؒ نے اس کو آنحضرت ﷺ تک مرفوع کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت انسؓ کو نماز کے دوران سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھنے کا حکم دیا ہے، یہ حکم اس مقصد سے ہے، تاکہ نگاہ دائیں بائیں، ملتفت نہ ہو، اور نماز کا خشوع فوت نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح اجعل بصرك حيث تسجد: آپ ﷺ کے اس فرمان سے بظاہر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ پوری نماز میں نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھنا مستحب ہے، شوافع اس کو مستحب بھی قرار دیتے ہیں، صاحب مرقات نے علامہ طیبیؒ کے حوالہ سے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ قیام کی حالت میں نگاہ سجدہ کی جگہ رہے، رکوع میں قدم کے پشت پر ہو، سجدہ میں ناک پر نگاہ ہو، اور التحیات میں گود پر نگاہ ہو۔ (مرقات ص ۱۳ ج ۳)

حدیث نمبر ۹۳۳ ﴿نماز میں التفات ہلاکت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۹۷

وَعَنْهُ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَابُنَيَّ اِيَّاكَ وَالْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ فَاِنَّ الْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ هَلَكَةٌ فَاِنْ كَانَ لَابُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ لَا فِي الْفَرِيْضَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

حوالہ : ترمذی ص ۱۳۰ ج ۱، باب ما ذکر فی الالتفات فی الصلاۃ ابو اب السفر حدیث نمبر ۵۸۹.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے نماز میں التفات یعنی ادھر ادھر دیکھنے سے بچو اسوجہ سےکہ نماز میں التفات ہلاکت ہے اور اگر التفات ضروری ہی ہے تو نفل کی حد تک تو ٹھیک، فرض میں تو قطعی گنجائش نہیں ہے۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں نماز کے اندر التفات یعنی دائیں بائیں دیکھنے سے گریز کرنے کی ہدایت ہے، اس حدیث میں نفل کے اندر دائیں بائیں دیکھنے کی اجازت دینا مقصود نہیں ہے بلکہ کراہت اس میں بھی ہے، مقصد نفل کے مقابلہ میں فرض کی اہمیت بیان کرنا ہے کہ فرض میں تو ہرگز گنجائش نہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اياك والالتفات فى الصلاة: نماز میں التفات کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) تحویل الوجہ، چہرا دائیں بائیں موڑنا، یعنی گردن کا اس طور پر گھمانا کہ سینہ نہ گھومے۔ (۲) تحویل الصدر، اس طور پر رخ موڑنا کہ سینہ قبلہ سے ہٹ جائے۔ (۳) گوشۂ چشم سے دیکھنا، قسم اول مکروہ ہے اور یہی یہاں مراد ہے، قسم ثانی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، خواہ فرض نماز ہو یا نفل نماز ہو، قسم ثالث خلاف اولیٰ اور خشوع کے منافی ہے۔

فان الالتفات فى الصلاة هلكة: نماز میں التفات سے شیطان خوش ہوتا ہے اور یہ چیز نماز کے خشوع کو مکمل طور سے ختم بھی کردیتی ہے اس وجہ سے اس کو ہلاکت کہا گیا ہے، فان كان لابد ففى التطوع: حافظؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ بات اس مقصد سے فرمائی تاکہ فرض نماز میں غایت اہتمام سے مصلی کامل احتیاط کو اختیار کرے، یہاں اس بات کی اجازت دینا مقصود نہیں ہے، کہ نفل میں دائیں بائیں متوجہ ہو جائے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے کراہت بلاشبہ اس بات میں بھی ہے، بات صرف اتنی ہے کہ یہاں اس بات پر زور دیکر ابھارنا ہے کہ فرض میں قطعی طور پر التفات نہ کیا جائے، کیوں کہ فرض میں احتیاط زیادہ ضروری ہے، اگر کوئی شخص نفل نماز میں احتیاط نہیں برت رہا ہے، تو اس کے لئے قطعی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ فرض میں بھی اس احتیاط کو فوت کردے۔

(مرقات: ص ۱۴ ج ۳) مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۲۰ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۹۳۴ ﴿گوشۂ چشم سے دیکھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۹۸

وَعَنِ ابنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ اِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَلحَظُ فِی الصَّلاۃِ یَمِیناً وَشِمَالاً وَلَا یَلوِی عُنُقَہٗ خَلفَ ظَھرِہٖ رَوَاہُ التِّرمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ۔

حوالہ: ترمذی ص: ۱۳۰ ج ۱، باب ما ذکر فی الالتفات فی الصلاۃ، ابواب السفر، حدیث نمبر ۵۸۷، نسائی ص ۱۳۴ ج ۱، باب الرخصۃ من الالتفات فی الصلاۃ، کتاب السھو، حدیث ۱۲۰۰۔

حل لغات: یلحظ لحظۃً بالعین والیہ لحظاً: کسی کو کنکھیوں سے دیکھنا، گوشۂ چشم سے دیکھنا، یلوی لوی (ض) لیۃ ولویاً کسی کی طرف متوجہ ہونا مائل ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نماز میں دائیں بائیں گوشۂ چشم سے دیکھتے تھے، اپنی گردن اپنی پیٹھ کے پیچھے نہیں موڑتے تھے۔ (ترمذی، نسائی)

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ کنکھیوں یعنی گوشۂ چشم سے دائیں بائیں دیکھ لیتے تھے جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گذرا، اس طرح دیکھنا خلاف اولیٰ ہے، آپ ﷺ کبھی خلاف اولیٰ کام اس مصلحت سے کرتے تھے، تاکہ امت کو یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ عمل حرام نہیں ہے، یعنی آپ ﷺ کا خلاف اولیٰ عمل کو انجام دینا بیان جواز کی مصلحت سے ہوتا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح کان یلحظ: ابن ملک ؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایسا ایک مرتبہ یا چند مرتبہ کیا ہے، یعنی گوشۂ چشم سے دیکھنا، آپ ﷺ سے بس ایک آدھ مرتبہ ثابت ہے اور آپ ﷺ نے اس وجہ سے کیا تاکہ امت کو معلوم ہوجائے کہ یہ عمل نماز کو باطل کرنیوالا نہیں ہے یا آپ ﷺ نے ایسا کسی دوسری ضرورت کی بناء کیا ہوگا، کیوں کہ یہ بات جائز ہی نہیں ہے کہ آپ ﷺ کسی عمل سے امت کو روکیں اور پھر بغیر کسی ضرورت کے اس کو خود اختیار کریں، ولا یلوی عنقہ: اگر کوئی شخص گوشۂ چشم سے دیکھتا ہے تو خلاف اولیٰ عمل کرتا ہے اس سے نماز باطل نہ ہوگی، لیکن اگر وہ اپنی گردن اس طور پر پھیرتا ہے کہ اسکا سینہ جہت قبلہ سے ہٹ جاتا ہے تو اسکی نماز باطل ہوجائیگی آپ ﷺ کا گوشۂ چشم سے اس طور پر دیکھنا ہوتا کہ آپ ﷺ کی گردن پیٹھ کیطرف نہ ہوتی۔ (مرقات ص ۱۴ ج ۳)

حدیث نمبر ۹۳۵ ﴿نماز کے دوران اونگھ و جمائی کا آنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۹۹۹

وَعَن عَدِیِّ بنِ ثَابِتٍ عَن اَبِیہِ عَن جَدِّہٖ رَفَعَہٗ قَالَ العُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاؤُبُ فِی الصَّلاۃِ وَالحَیضُ وَالقَیئُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّیطَانِ رَوَاہُ التِّرمِذِیُّ۔

حوالہ: ترمذی ص ۱۰۴ ج ۲، باب ماجاء ان العطاس فی الصلاۃ من الشیطان، کتاب الابواب، حدیث نمبر ۲۷۴۸۔

ترجمہ: حضرت عدی بن ثابت اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "نماز کے دوران چھینک، اونگھ، جمائی، حیض اور قی کا آنا اور نکسیر کا پھوٹنا شیطان کی طرف سے ہے۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث العطاس: چھینک آنے سے شیطان اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ اس بناء پر قرأت کچھ دیر کے لئے موقوف ہوجاتی ہے نمازی کے حضور قلب میں خلل واقع ہوجاتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ العُطَاسَ" اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے، چھینک کو پسند فرمانے کی علت یہ ہے کہ چھینک کا آنا چستی کی دلیل ہے، اور جس چھینک کو پسند کیا گیا ہے وہ ایسی چھینک ہے جو اعتدال کے اندر ہو اور اس کی مقدار یہ ہے کہ وہ تین سے کم ہو بہر حال حدیث مذکور میں چھینک کو پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے جب کہ حدیث باب میں چھینک کو شیطان کی جانب سے قرار دیا گیا ہے، بظاہر دونوں میں تعارض محسوس ہو رہا ہے، اس کا جواب یہ

ہے کہ جس چھینک کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں، اس چھینک سے مراد نماز کے باہر آنے والی چھینک ہے، اور جس چھینک کو شیطان کی طرف سے کہا گیا ہے وہ نماز کے اندر چھینک ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، النعاس: اونگھ، یہ ہلکی نیند یا نیند کے مقدمہ کا نام ہے۔

التثاؤب: جمائی یہ کاہلی کی بناء پر آتی ہے، اس کی وضاحت حدیث نمبر ۹۲۳ کے تحت گذر چکی ہے، **فی الصلاۃ:** تین چیزوں کو "فی الصلاۃ" سے پہلے ذکر کیا ہے اور تین چیزوں کو اس کے بعد ذکر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تین چیزوں کو اخیر کی تین چیزوں سے الگ بیان کیا کیوں کہ بعد کی تین چیزیں یعنی حیض، قی اور نکسیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، بخلاف پہلی تین چیزوں کے کہ ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (مرقات ص ۱٤ ج ۳)

الحیض و القیء و الرعاف: اگر کسی عورت کو دوران صلاۃ حیض آ گیا تو اب نماز اس سے ساقط ہو جائے گی، اور اگر کسی نمازی کو دوران صلاۃ قے آ گئی، یا نکسیر پھوٹ گئی تو اس کا وضوء ٹوٹ گیا، لہٰذا اب یہ شخص جائے اور وضوء کر کے آئے اور اس نماز پر بناء کرے، آپ ﷺ کا فرمان ہے "مَنْ اَصَابَهُ قَيْءٌ اَوْ رُعَافٌ اَوْ قَلَسٌ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلٰى صَلَاتِهٖ" لیکن اگر یہ شخص سابقہ نماز پر بناء کے بجائے از سر نو نماز پڑھتا ہے، تو بہتر ہے، تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۴۲ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۹۳۶ ﴿آپ ﷺ کا نماز میں رونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۰۰

وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَفِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ رَوَى النَّسَائِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَبُوْ دَاوٗدَ الثَّانِيَةَ .

حوالہ: مسند احمد ص ۲۵ ج ٤، نسائی، ص ۱۳۵ ج ۱، باب البکاء فی الصلاۃ کتاب السھو، حدیث نمبر ۱۲۱۳، ابو داؤد ص ۱۳۰ ج ۱، باب البکاء فی الصلاۃ کتاب الصلاۃ، حدیث ۹۰٤.

حل لغات: ازیز، گونج دار آواز، اَزَّ (ض) ازیزاً، حرکت کرنا، گونج دار آواز پیدا ہونا، المرجل، مٹی کی پختہ ہانڈی، پتیل وغیرہ کی دیگچی، ج، مراجل، الرّحی آٹا پیسنے کی چکی ج ارحٍ، وارحیۃ.

ترجمہ: حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ نماز پڑھ رہے تھے، اور آپ ﷺ کے اندر سے ایسی آواز نکل رہی تھی، جیسے کہ دیگچی کے جوش مارنے کی آواز نکلتی ہے، یعنی آپ رو رہے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے اس حال میں دیکھا کہ رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینۂ مبارک سے ایسی آواز نکل رہی ہے جیسی آواز چکی سے نکلتی ہے پہلی روایت احمد اور نسائی نے نقل کی ہے جب کہ دوسری روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث

اس حدیث سے آقا ﷺ کی خشیت الٰہی خوب اچھی طرح معلوم ہو رہی ہے آپ ﷺ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود، اللہ کے حضور کھڑے ہو کر رو رو کر عبادت کرتے تھے، راوی حدیث بیان کر رہے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو اس طور پر نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ مسلسل رونے کی دھیمی دھیمی آواز سینۂ مبارک سے سنائی دے رہی تھی، جیسے کہ ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز ہوتی ہے اور دوسری روایت کے مطابق جیسے چکی چلنے کی آواز ہوتی ہے، یہی آپ ﷺ کا خوف خدا اور خشیت الٰہی تھی جس کی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا "اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ وَاَتْقَاكُمْ"۔

کلمات حدیث کی تشریح

یعنی یبکی: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہ اس بات پر دلیل ہے کہ نماز میں رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی، شوافع کے نزدیک بکاء فی الصلاۃ میں اگر دو حرف پیدا ہو گئے، تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی، خواہ یہ

رونا خوف خدا اور فکر آخرت کی بناء پر ہو یا درد و تکلیف کی بناء پر ہو، شوافع کے علاوہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر نماز میں رونا فکر آخرت اور خوف خدا کی بناء پر ہے تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، اور کسی مرض یا تکلیف کی بناء پر رونا ہے تو اگر آرام سے رو رہا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ خوف خدا کی بناء پر رونا ذکر میں داخل ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم کی مدح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنَّهٗ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ" ایک دوسرے موقع پر ارشاد باری ہے "خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا"

حدیث نمبر ۹۳۷ ﴿سجدہ کی جگہ سے کنکر ہٹانے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۰۱

وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصَا فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: مسند احمد، ص ۱۵۰ ج۵، ابو داؤد، ص ۱۳۶ باب مسح الحصا فی الصلاۃ کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۹۴۵، نسائی ص ۱۳۴ ج۱، باب النهی عن مسح الحصا فی الصلاۃ، کتاب السهو، حدیث نمبر ۱۱۹۰ ابن ماجه ص، ۷۲ ج۱، باب الحصا فی الصلاۃ، کتاب اقامة الصلاۃ حدیث نمبر ۱۰۲۷، ترمذی ص ۸۷ ج۱، باب ماجاء فی کراهية مسح الحصا فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۳۷۹.

ترجمه: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو، تو اس کو کنکریوں پر ہاتھ نہ پھیرنا چاہئے (یعنی کنکریاں نہ ہٹائے) اس وجہ سے کہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے۔ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجه)

خلاصہ حدیث حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آدمی جب نماز شروع کرتا ہے، تو نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ رہتی ہے، لہٰذا نمازی کو کوئی ایسی حرکت نہ کرنا چاہئے، جس کی وجہ سے نمازی کی توجہ نماز سے ہٹے، نمازی کی توجہ جوں ہی ہٹتی ہے اللہ تعالیٰ کی توجہ بھی اس سے ہٹ جاتی ہے، سجدہ میں جاتے وقت مٹی یا کنکری کا ہٹانا بھی انہیں امور میں سے ہے جن سے نمازی کی توجہ نماز سے ہٹ جاتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا قام احدكم الى الصلاة: جب کوئی شخص نماز شروع کرے تو اب نماز شروع کرنے کے بعد سجدہ میں جاتے وقت یا کسی وقت سجدہ کی جگہ پر پڑی ہوئی مٹی چھوٹی چھوٹی کنکریاں برابر نہ کرے یعنی ان کو ہٹائے نہیں اس وجہ سے کہ اس کی بناء پر نمازی کی توجہ ہٹ جائے گی، اور نماز کا خشوع ختم ہو جائے گا، اس سے پہلے حدیث گذری ہے "اذا کنت فاعلاً فواحدة" یعنی اگر کنکری کے ہٹانے کی سخت ضرورت پڑ جائے تو بس ایک مرتبہ ہٹانے کی گنجائش ہے، ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ گاہ پر اتنی زیادہ مقدار میں کنکریاں ہوں کہ ان پر سجدہ کرنا دشوار ہو جائے، ضرورت کے وقت بھی کنکری ہٹانے کو بعض لوگ مکروہ قرار دیتے ہیں، البتہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور بلا ضرورت ہٹانے کے مکروہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے، کنکری ہٹانے کی ممانعت کی وجہ بعض لوگوں نے یہ تحریر کی ہے کہ یہ تواضع کے منافی ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آرزو ہوتی ہے کہ اس پر سجدہ کیا جائے، اس لئے کنکری ہٹانے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

فان الرحمة تواجهه: جب آدمی نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں ہوتا ہے ایسے میں بجائے اس کے کہ اس عظیم نعمت کے شکریہ کی بناء پر پوری توجہ رب العالمین کی طرف ہو کوئی اس حقیر کام میں لگا ہے کہ مٹی ہٹا رہا ہے یا کنکریاں ہٹا رہا ہے تو یہ سخت نادانی ہے، کسی عاقل آدمی کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۹۳۸ ﴿سجدہ میں منہ پر مٹی لگنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۰۲

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ رَاَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا يُقَالُ لَهٗ اَفْلَحُ اِذَا سَجَدَ

نفخ فقال یا افلح ترب وجھک رواہ الترمذی .

حوالہ : ص ۸۷ ج ۱ ، باب ماجاء فی کراھیۃ النفخ فی الصلاۃ ، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۳۸۱.

ترجمہ : حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے ایک غلام جن کو "افلح" کہا جاتا تھا، دیکھا کہ جب سجدہ کرتے ہیں تو پھونک مارتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا اے افلح اپنے چہرے کو خاک آلود ہونے دو۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سجدہ کرنے میں چہرے پر مٹی لگنا یہ اللہ کو پسندیدہ ہے کیوں کہ اس میں بندہ کی جانب سے بہت تذلل ہے، لہٰذا نماز میں اسکا اہتمام نہ کرنا چاہئے، کہ سجدہ میں جاتے وقت پھونک مار کر مٹی جھاڑ دی جائے تاکہ چہرے پر مٹی نہ لگے، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا سجد: یعنی جب سجدہ کرنے کا ارادہ کرے، نفخ: زمین پر پھونک مارے، تاکہ سجدہ کی جگہ سے مٹی جھڑ جائے اور سجدہ کریں تو آپ نے اس سے منع کیا ہے۔ وجھك: آپ ﷺ نے کنایہ پھونک مار کر مٹی جھاڑنے سے منع فرمایا، اس وجہ سے کہ سجدہ کے وقت چہرا پر مٹی لگنا تذلل وانکساری کے بہت قریب ہے، اور بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ (مرقات ص ۱۶ ج ۱)

حدیث نمبر ۹۳۹ ﴿نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث ۱۰۰۳

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْاِخْتِصَارُ فِی الصَّلَاۃِ رَاحَۃُ اَھْلِ النَّارِ رَوَاہُ .

حوالہ : بغوی شرح السنۃ ص ۲۴۷، ۲۴۸، ج ۳، باب کراھیۃ الاختصار، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۷۳۰.

ترجمہ : حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا جہنمیوں کی راحت ہے۔

(بغوی فی شرح السنۃ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں جہنمیوں کو جب بہت دیر کھڑے رہنے کی بناء پر سخت تکلیف ہوگی، تو وہ راحت کے حصول کے لئے کمر پر ہاتھ رکھ کر راحت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، آپ ﷺ نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے کی ممانعت فرمادی ہے تاکہ دوزخیوں سے مشابہت لازم نہ آئے۔

کلمات حدیث کی تشریح راحۃ اھل النار: مطلب یہ ہے کہ جہنمی جب میدان حشر میں کھڑے کھڑے تھک جائیں گے تو وہ اختصار کے ذریعہ راحت حاصل کریں گے، یا پھر یہ مطلب ہے کہ اختصار یہود ونصاری کا طریق ہے، اور وہ جہنمی ہیں، تو انجام کے اعتبار سے ان کو جہنمی کہا ہے، ورنہ جہنم میں جا کر تو کسی جہنمی کو راحت نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں کو جہنم میں جانا ہے وہ اختصار کے ذریعہ راحت حاصل کرتے ہیں، لہٰذا ایمان والوں کو اس سے گریز کرنا چاہئے، خصر واختصار سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۱۹ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۹۴۰ ﴿نماز میں سانپ مارنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۰۴

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْاَسْوَدَیْنِ فِی الصَّلَاۃِ الْحَیَّۃَ وَالْعَقْرَبَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَلِلنَّسَائِیِّ مَعْنَاہُ فِی شَرْحِ السُّنَّۃِ .

حوالہ: مسند احمد ص ۲۳۳ ج ۲، ابو داؤد، ص ۱۳۳ ج ۱، باب العمل فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۹۲۱، ترمذی، ص ۸۹ ج ۱، باب ماجاء فی قتل الأسودین فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۹۰، نسائی، ص ۱۳۵ باب قتل الحیۃ والعقرب فی الصلاۃ کتاب السھو، حدیث نمبر ۱۲۰۱، ۱۲۰۲.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نماز میں دو کالوں یعنی سانپ اور بچھو کو قتل کردو۔

(احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دوران صلاۃ اگر کوئی موذی جانور مثلاً سانپ بچھو وغیرہ نمازی کے پاس آجائیں تو ان کے تکلیف پہنچانے سے پہلے انکا قتل کردینا بہتر ہے، اگر ان کا قتل عمل قلیل کے ذریعہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر قتل کرنے میں عمل کثیر ہوگیا تو نماز فاسد ہوجائے گی، بہرحال نماز کے فساد کا اس موقع پر خیال نہ کیا جائے، اگر عمل کثیر ہی کے ذریعہ ان موذی جانور کا قتل ممکن ہو تو اس سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح اقتلوا الاسودین فی الصلاۃ: سانپ بچھو مراد ہیں، یہاں کالے سانپ کی تخصیص تغلیباً کی گئی ہے ورنہ ہر قسم کے سانپ کا یہی حکم ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ کالے سانپ کے ذکر سے سفید سانپ کے قتل سے احتراز مقصود ہے، اس وجہ سے کہ سفید سانپ جن ہوتا ہے، امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ تمام سانپوں کے قتل میں کوئی حرج نہیں ہے اس وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ نے جنوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ کی امت کے گھروں میں داخل نہ ہوں گے، اور نہ امت کے افراد پر اپنے آپ کو ظاہر کریں گے، اب اگر کوئی جن اسکے خلاف ورزی کررہا ہے تو وہ نقض عہد کررہا ہے، لہٰذا اس کے قتل میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ جن موذی جانوروں میں جنوں کی علامت ہوں یا کسی طور پر سمجھ میں آئے کہ یہ ممکن ہے جن ہو، تو اس کے قتل سے پہلے بطور انذار یعنی ڈرانے کے طور پر کہا جائے کہ "خَلِّ طَرِیْقَ الْمُسْلِمِیْنَ" مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دو، یا یہ کہا جائے کہ "اِرْجِعِیْ بِاِذْنِ اللّٰہِ" (اللہ کے حکم سے لوٹ جاؤ) اس کے کہنے کے باوجود اگر وہ موذی جانور بھاگے نہیں تو اس کو قتل کردینا چاہئے، یہ انذار نماز میں نہیں کیا جائے گا بلکہ بغیر نماز میں کیا جائے گا۔ (مرقات ص ۱۶ ج ۳)

عمل کثیر کے ذریعہ سے سانپ کو مارنا ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ سانپ بچھو وغیرہ کو دوران صلاۃ ایک چوٹ یا دو چوٹ سے مارنا درست ہے، اس سے زائد سے درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس سے زیادہ دفعہ مارنا عمل کثیر ہے، جو کہ مبطل صلاۃ ہے، اصل بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ دوران صلاۃ سانپ وغیرہ کو قتل کرنے کی اجازت دینا یہ رخصت ہے، لہٰذا عمل قلیل اور کثیر دونوں کے ذریعہ قتل کرنا درست ہے، البتہ اتنی تفصیل ہے کہ عمل کثیر کی صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی، اور عمل قلیل کے ذریعہ سے قتل کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

عمل قلیل وکثیر میں فرق عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے جب کہ کثیر عمل سے نماز فاسد ہوتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ کس عمل کو قلیل کہا جائے، کس کو کثیر کہا جائے، اس کیلئے عرض ہے کہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جس کام میں دونوں ہاتھ استعمال ہوں وہ کثیر ہے اور جو عمل ایک ہاتھ سے ہوسکتا ہو وہ عمل قلیل ہے، ایک دوسرا قول نقل کیا جاتا ہے جو کہ عمل ایسا ہو کہ اسکے انجام دینے والے کی طرف دیکھ کر اس بات کا یقین ہو کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے تو وہ کثیر ہے اور جو عمل ایسا نہ ہو وہ قلیل ہے یہی راجح قول ہے۔

حدیث نمبر ۹۴۱ (نماز میں چلنا) عالمی حدیث نمبر ۱۰۰۵

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَجِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ فَمَشٰى فَفَتَحَ لِيْ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى مُصَلَّاهُ وَذَكَرَتْ اَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ.

حوالہ: مسند احمد، ص ۲۳۴ ج ۶، ابو داؤد ص ۱۳۳ ج ۱، باب العمل فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ حدیث

نمبر ۹۲۲، ترمذی ص ۱۳۱ ج ۱، باب مایجوز من المشی والعمل فی الصلاۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۶۰۱، نسائی ص ج ۱، باب المشی امام القبلۃ خطی یسیرۃ کتاب السھو، حدیث نمبر ۱۲۰۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں نماز پڑھ رہے ہوتے، اور دروازہ بند ہوتا تو میں آتی، اور دروازہ کھلواتی، تو رسول اللہ ﷺ چل کر میرے لئے دروازہ کھولتے، پھر اپنے مصلی پر واپس تشریف لے جاتے، اور حضرت عائشہؓ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔ (احمد، ترمذی، ابو داؤد) اورنسائی نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کیلئے دروازہ کھولنے کی غرض سے دو ایک قدم چلتے تھے، چلنے کی ضرورت اس وجہ سے نہیں پڑتی تھی کہ حضرت عائشہؓ کا حجرہ بہت چھوٹا تھا، اور چونکہ دروازہ قبلہ رخ تھا، اس وجہ سے چہرۂ مبارک قبلہ سے ہٹتا بھی نہیں تھا، کل ملا کر چوں کہ یہ عمل کثیر نہیں تھا، اس وجہ سے آپ ﷺ کی نماز فاسد نہیں ہوتی تھی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح یصلی تطوعا: طیبیؒ کہتے ہیں کہ نفل کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفل کا معاملہ آسان ہے، فاستفتحت: یعنی حضرت عائشہؓ نے دروازہ کھلوانا چاہا، ظاہر بات ہے کہ حضرت عائشہؓ سمجھ رہی ہوں گی کہ آپ ﷺ نماز میں نہیں ہیں، اگر آپ ﷺ جانتی کہ حضور نماز میں ہیں تو دروازہ نہ کھلواتیں، کیوں کہ ادب کا تقاضا یہی ہے۔

فمشی: آپ ﷺ ایک دو قدم چلے، لہٰذا عمل کثیر نہیں ہوا ثم رجع: دروازہ کھولنے کیلئے جانا پھر واپس آنا یہ سب لیکر عام طور پر عمل کثیر ہو جاتے ہیں، لیکن آپ ﷺ چونکہ یہ افعال توالی کیساتھ انجام نہیں دیتے تھے، اسلئے عمل کثیر نہیں ہوا۔ (تلخیص مرقات ص ۱۷ ج ۳)

وذکرت ان الباب: چوں کہ دروازہ قبلہ کی طرف تھا، لہٰذا آپ ﷺ جب دروازہ کھولنے گئے تو قبلہ سے انحراف نہیں ہوا، اور واپس مصلی پر آئے تو الٹے پاؤں آئے، لہٰذا واپسی میں بھی انحراف قبلہ نہیں ہوا۔

اشکال: حجرۂ عائشہ کا دروازہ قبلہ کی طرف تھا، اس پر اشکال یہ ہے کہ اہل مدینہ کا قبلہ جنوب ہے اس لئے کہ مدینہ مکہ سے شمال کی جانب ہے اور حضرت عائشہؓ کا حجرہ جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، وہ مسجد سے بالکل متصل مسجد کی بائیں جانب مشرق میں واقع ہے، اور حجرہ کا دروازہ مسجد کی طرف غرب میں واقع ہے۔

باب شامی بھی کہتے ہیں تو گویا دو دروازے ہوئے، غربی اور شمالی، یہ غربی دروازہ تو دائیں جانب ہوا اور شمالی پیچھے کی جانب تو ان میں سے کوئی سا بھی دروازہ قبلہ کی جانب یعنی جنوبی نہیں، حالانکہ یہاں روایت میں ہے ان الباب کان فی القبلۃ" ہے الکوکب الدری میں یہ منقول ہے کہ فی القبلۃ کا یہ مطلب نہیں کہ حجرۂ شریفہ کی جو دیوار قبلہ کی جانب ہے اس میں یہ دروازہ تھا تا کہ اشکال واقع ہو، بلکہ فی القبلۃ کا مطلب ہے آگے کی طرف، یعنی دروازہ تو حجرۂ شریفہ کے دائیں جانب جدار غربی ہی میں تھا، جیسا کہ مشہور ہے لیکن وہ حضور ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ سے آگے کی طرف تھا، جس کو کھولنے کے لئے آپ ﷺ کو آگے کی جانب چلنا پڑا اور جب آپ اس دروازہ کے محاذات میں پہنچے تو ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا فالحمد للہ اشکال دفع ہو گیا۔ (الدر المنضود)

حدیث نمبر ۹۴۲ (نماز میں حدث کا لاحق ہونا) عالمی حدیث نمبر ۱۰۰۶

وَعَنْ طَلْقِ بنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا اَحَدُكُم فِى الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّا وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ رَوَاهُ اَبُو دَاوُدَ وَرَوَى التِّرمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانٍ.

حوالہ: ابو داؤد، ص ۲۷ ج ۱، باب من یحدث فی الصلاۃ کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر ۲۰۵، ترمذی ص ۲۲۰ ج ۱، باب ماجاء فی کراھیۃ اتیان النساء فی ادبارھن، کتاب الرضاع حدیث نمبر ۱۱۶۶۔

ترجمہ : حضرت طلق بن علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کسی کو پھسکی نکلے تو اس کو چاہئے کہ وہ پھرے اور وضوء کرے اور پھر نئے سرے سے نماز پڑھے۔ (ابو داؤد، ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے، کہ اگر کسی شخص کو دورانِ نماز حدث لاحق ہو گیا، تو اس کو وضو کرنا چاہئے، اور از سر نو نماز پڑھنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح فسا احدکم: یعنی ریح بغیر آواز کے نکلے، ولیعد الصلاۃ: نماز کے لوٹانے کا حکم بطور وجوب کے اس وقت ہے جب کہ حدث عمداً لاحق ہوا، اور بغیر قصد وارادہ کے حدث لاحق ہوا تو یہ امر استحباب کے لئے ہوگا۔ (مرقات ص ۱۷ ج ۳)

حدث لاحق ہوا، بنا کرے یا اعادہ کرے: نماز کے دوران حدث لاحق ہو گیا، وضوء کر کے اسی پر بنا کی جا سکتی ہے یا نماز کا از سر نو پڑھنا لازم ہے، اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام صاحبؒ کا مذھب : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر حدث عمداً لاحق ہوا ہے تو نماز کا اعادہ لازم ہے، اور اگر بغیر قصد وارادہ کے لاحق ہوا ہے تو اعادہ مستحب ہے، اس نماز پر بناء کی بھی گنجائش ہے۔

دلیل : جان بوجھ کر حدث لاحق ہونے پر اعادہ لازم ہے اس کی دلیل تو حدیث باب ہے، اور بغیر عمد کے حدث لاحق ہونے پر بناء کی گنجائش پر امام صاحب کی دلیل یہ حدیث ہے ”مَنْ اَصَابَهُ قَیْءٌ اَوْ رُعَافٌ اَوْ قَلْسٌ اَوْ مَذِیٌّ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلٰى صَلَاتِهٖ“

ائمہ ثلاثہ کا مذھب : ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عمداً یا بغیر عمد کے بہر صورت اعادہ صلاۃ لازم اور ضروری ہے۔

دلیل : ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیث باب ہے جس میں آپ ﷺ نے ”ولیعد الصلاۃ“ کا حکم دیا ہے، یعنی نماز لوٹانے کا حکم ہے۔

جواب : یہاں امر وجوب کے لئے عمداً کی صورت میں ہے اور استحباب کے لئے غیر عمد کی صورت میں ہے، لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں ہے، اگر یہ تفصیل نہ کی جائے گی تو بہت سی ان احادیث سے تعارض ہوگا جن میں نماز کی ”بناء“ کا صراحتاً حکم موجود ہے، جیسا کہ ماقبل میں ایک حدیث بھی پیش کی گئی ہے۔

حدیث نمبر ۹۴۳ ﴿حدث لاحق ہونے پر نماز سے نکلنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۰۷

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَاْخُذْ بِاَنْفِهٖ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ.

حوالہ : ابو داؤد ص ۱۵۹ ج ۱، باب استئذان المحدث الامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۱۱۴.

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو اپنی نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ ناک تھام لے پھر نماز سے نکلے۔ (ابو داؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز میں حدث لاحق ہو گیا تو اب اس کو چاہئے کہ جب نماز سے نکل کر وضو کرنے جائے تو ناک پکڑے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ نکسیر پھوٹ گئی ہے، کیونکہ یہ ظاہر کرنا کہ ریح کا خروج ہوا ہے، شرم کی بات ہے اور لوگوں کے مذاق اڑا کر گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلیاخذ بانفہ: ناک پکڑ کر نکلنے کا حکم بطور استحباب کیلئے ہے، فرض یا لازم نہیں ہے، یہ حکم اس لئے دیا ہے تاکہ لوگ اسکے بارے میں یہ خیال کریں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے جس کی بناء پر وضو کرنے گیا ہے

اس کی اجازت مصلحت سے بھی دی ہے کہ ممکن ہے ریح کے خروج کی بناء پر شیطان یہ وسوسہ ڈالے کہ شرم کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یوں ہی نماز میں کھڑے رہو، اور یہ شخص شرم کی بناء پر کھڑا بھی رہے، لہٰذا شرم وعار سے بچانے کے لئے یہ تدبیر بتادی گئی، ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اسمیں ایک گونہ ادب ہے، قبیح چیز کا اخفاء مقصود ہے، یہ بہترین توریہ ہے، ریاکاری یا دروغ گوئی نہیں، اس میں مواضع تہمت سے بچنا بھی ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّهَمِ" (تلخیص مرقات ص ۱۸ ج ۳)

بعض لوگ اس صورت کو کذب اور دھوکہ سمجھ سکتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کذب نہیں ہے، اپنے عیب اور نقص کی پردہ پوشی ہے، اور بلا کسی مصلحت کے اپنے عیب کا لوگوں کے سامنے اظہار قطعاً مناسب نہیں ہے اگر لوگ خروج ریح کا یقین کرلیں گے، تو مذاق اڑائیں گے، جن میں ان کا بھی نقصان ہے اور اس کا بھی خسارہ ہے، لہٰذا مصلحت اس میں ہے کہ اس رخصت وحکمت پر عمل کیا جائے، کسی بات کو مصلحت کے پیش نظر ایسے پیرایہ میں ظاہر کرنا کہ مخاطب دوسرا مقصد سمجھے اور یہ شخص دوسرا مقصد لے رہا ہو، اسی کو توریہ کہتے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

حدیث نمبر ۹۴۴ ﴿قعدۂ اخیرہ میں حدث کا لاحق ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۰۸

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُم وَقَدْ جَلَسَ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلَاتُهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَقَدِ اضْطَرَبُوا فِي إِسْنَادِهِ.

حواله : ترمذی ص ۹۳ ج ۱، باب ماجاء فی الرجل یحدث بعد التشهد، کتاب الصلاۃ حدیث نمبر ۴۰۸۔

ترجمه : حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے جب کسی شخص کا وضوء سلام پھیرنے سے پہلے اس وقت ٹوٹے جب کہ وہ اپنی نماز کے آخر میں بیٹھ چکا ہے، تو اس کی نماز ہوگئی (ترمذی) اس روایت کے بارے میں ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے اس کی سند میں اضطراب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قعدہ آخیرہ کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے اگر حدث لاحق ہوا ہے، تو فریضہ ساقط ہوگیا، یعنی سلام پھیرنا فرض نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فقد جازت صلاته: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سلام پھیرنا فرض نہیں ہے بلکہ خروج بصنع المصلی فرض ہے، یعنی نمازی کا کسی بھی عمل کے ذریعہ بالقصد نکلنا فرض ہے، لفظ سلام کے ذریعہ نکلنا واجب ہے، اب اگر کسی شخص نے نماز میں جان بوجھ کر نماز سے نکلنے کے قصد سے حدث لاحق کیا ہے تو اس کا فریضہ ساقط ہوگیا، لیکن چونکہ سلام کے ذریعہ نکلنا واجب تھا اور اس نے واجب کو ترک کیا، لہٰذا واجب الاعادہ رہے گی، اور اگر کسی کو بغیر ارادہ کے حدث لاحق ہوا ہے تو وضوء کر کے اسی نماز پر بناء کرے نماز ہو جائے گی نماز میں بناء سے متعلق مسئلہ گذشتہ پیوستہ حدیث نمبر ۹۴۲ میں گذرا ہے دیکھا جائے، اور سلام کے ذریعہ نماز سے نکلنے کا مسئلہ حدیث نمبر ۲۹۱ کے تحت دیکھا جائے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۹۴۵ ﴿آپ ﷺ کا نماز سے پہلے غسل جنابت کرنا﴾ عالمی حدیث ۱۰۰۹، ۱۰۱۰

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَبَّرَ انْصَرَفَ وَأَوْمَأَ إِلَيْهِمْ أَنْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلَّى بِهِمْ فَلَمَّا صَلَّى قَالَ إِنِّي كُنْتُ جُنُباً فَنَسِيتُ أَنْ أَغْتَسِلَ رَوَاهُ أَحْمَدُ. وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عَطَاءِ بنِ يَسَارٍ مُرْسَلاً.

حوالہ : مسند احمد، ص ۴۴۸ ج۲، مؤطا امام مالك، ص ۱۷ باب اعادۃ الجنب الصلاۃ وغسلہ الخ کتاب الطہارۃ، حدیث نمبر ۷۹۔

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے ارادہ سے نکل کر آئے، پھر تکبیر کا ارادہ کیا ہی تھا کہ آپ ﷺ واپسی کیلئے پلٹے اور لوگوں کو اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا، پھر مسجد سے نکل گئے، اور غسل کیا پھر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے، پھر لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز پڑھانے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میں جنبی تھا، اور میں غسل کرنا بھول گیا تھا۔ (مسند احمد، مؤطا مالك) امام مالکؒ نے عطاء بن یسار سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

خلاصہ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کو حالت جنابت لاحق ہو تو پہلے اس حدث اکبر کو غسل کے ذریعہ دور کرے پھر نماز پڑھے، حدث کے لاحق ہونے کے ساتھ نماز کی ادائیگی درست نہیں ہے، آپ ﷺ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے آئے تھے، لیکن جوں ہی اس بات کا خیال آیا کہ حدث لاحق ہے، فوراً آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور گھر سے غسل فرما کر واپس تشریف لائے پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح: خرج الی الصلاۃ: نماز پڑھانے کے ارادے سے مسجد تشریف لائے، فلما کبّر: تکبیر تحریمہ کا ارادہ کیا، انصرف: یعنی ارادہ تو کیا تکبیر تحریمہ کا، لیکن تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی آپ ﷺ جانے کے لئے مڑ گئے، وا وما ان کما کنتم: آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ جس حالت پر ہو اس حالت پر رہو، مقصد یہ تھا کہ جس طرح تم لوگ جمع ہو اسی طرح جمع رہنا، یہاں سے چلے نہ جانا، آپ ﷺ کے فرمان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ جس طرح ابھی کھڑے ہو اسی طرح کھڑے رہنا، حافظؒ فرماتے ہیں کہ "کبر" کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے تکبیر کہہ دی تھی، اور "وا وما" کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ میرے جانے کے بعد اسی طرح نماز میں کھڑے رہنا نہ تو نماز سے نکلنا، اور نہ نماز پوری کرنا، اور پھر یہیں سے اپنے مذہب پر استدلال کر کے کہتے ہیں کہ "امام کی نماز سے مقتدی کی نماز باطل نہیں ہوتی" دیکھئے حضور ﷺ کی نماز تو باطل ہوگئی لیکن صحابہ کی نماز باطل نہیں ہوئی، حالانکہ استدلال قطعی غلط ہے، بخاری شریف میں صاف حدیث موجود ہے، حَتّٰی اِذَا قَامَ فِیْ مُصَلَّاہُ وَانْتَظَرْنَا اَنْ یُّکَبِّرَ اِنْصَرَفَ" حضور ﷺ اپنے مصلی پر کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام تحریمہ کا انتظار کر رہے تھے، لیکن آپ تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے چلے گئے، بخاری کی اس صریح اور صحیح روایت کو چھوڑ کر حافظؒ جیسے شخص نے مجہول و مبہم روایت سے اپنے مسلک پر استدلال کیا، ایسا اس وجہ سے ہوا کہ "حُبُّكَ الشَّیْئَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ وَیَجْعَلُ الْمَعْرُوْفَ مُنْکَرًا وَالْمُنْکَرَ مَعْرُوْفًا، ھَدَانَا اللّٰہُ اِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ حَتّٰی نَحْمِلَ اَحْوَالَہٗ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ مَھْمَا اَمْکَنَ الْاَمْرُ الْجَمِیْلُ" (مرقات ص ۱۹ ج۳)

حدیث نمبر ۹۴۶ ﴿نماز میں عمل قلیل کا معاف ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۱۱

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ کُنْتُ اُصَلِّی الظُّھْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاٰخُذُ قَبْضَۃً مِّنَ الْحَصٰی لِتَبْرُدَ فِیْ کَفِّیْ اَضَعُھَا لِجَبْھَتِیْ اَسْجُدُ عَلَیْھَا لِشِدَّۃِ الْحَرِّ رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ. وَرَوَی النَّسَائِیُّ نَحْوَہٗ.

حوالہ: ابو داؤد ص ۵۸ ج۱، باب فی وقت صلاۃ الظہر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۳۹۹، نسائی ص ۱۲۲، باب تبرید الحصی للسجود علیہ، کتاب التطبیق، حدیث نمبر ۱۰۸۰۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں ظہر کی نماز رسول اللہ ﷺ کیساتھ پڑھتا تھا، اور میں مٹھی میں کچھ کنکریاں لیتا تھا، تا کہ وہ میری ہتھیلی میں ٹھنڈی ہو جائیں، پھر انکو اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ پر رکھتا اور گرمی سے بچنے کی غرض سے ان ہی پر سجدہ کرتا (ابو داؤد، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ضرورت پڑنے پر اگر نماز میں تھوڑا عمل کیا گیا تو وہ معاف ہے، حضرت جابرؓ گرمی کی شدت کی بناء پر اپنی پیشانی زمین پر رکھنے کے بجائے کنکریاں ٹھنڈی کر کے ان پر پیشانی رکھتے تھے، یہ عمل قلیل تھا لہٰذا مفسد صلاۃ نہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح اسجد علیها لشدة الحر: حضرت جابرؓ حرارت سے بچنے کی خاطر کنکریاں ٹھنڈی کر کے ان پر سجدہ کرتے تھے، شوافع حدیث کے اس جز سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ مصلی کیلئے اپنے کپڑوں پر سجدہ درست نہیں، اگر سجدہ کرنا درست ہوتا، تو حضرت جابرؓ کنکریوں پر سجدہ نہ کرتے، حنفیہ کے نزدیک مصلی کیلئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرنا ناجائز نہیں ہے، بہت سی احادیث سے سجود علی ثوب المصلی ثابت ہے، شوافع کہتے ہیں کہ جن روایات میں مصلی کا کپڑے پر سجدہ کرنا آیا ہے وہاں وہ کپڑا مراد نہیں ہے جو مصلی پہنے ہوتا ہے بلکہ ثوب منفصل مراد ہے، احناف کہتے ہیں کہ یہ خلاف ظاہر ہے، صحابہ کے پاس پہننے کے لئے الگ اور بچھانے کے لئے ایک کپڑے نہیں تھے، حدیث ہے "اَوَ لِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ"۔

حدیث نمبر۹۴۷ ﴿نماز کے دوران ابلیس کی شرارت﴾ عالمی حدیث نمبر۱۰۱۲

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّی فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ ثَلَاثاً وَبَسَطَ يَدَهُ كَاَنَّهُ يَتَنَاوَلُ شَيْئاً فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُولُ فِی الصَّلَاةِ شَيْئاً لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُولُهُ قَبْلَ ذٰلِكَ وَرَاَيْنَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ قَالَ اِنَّ عَدُوَّاللّٰهِ اِبْلِيسَ جَاءَ بِشِهَابٍ مِنْ نَارٍ لِيَجْعَلَهُ فِی وَجْهِی فَقُلْتُ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ فَلَمْ يَسْتَأْخِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَرَدْتُّ اَنْ آخُذَهُ وَاللّٰهِ لَوْلَا دَعْوَةُ اَخِينَا سُلَيْمَانَ لَاَصْبَحَ مُوْثَقاً يَلْعَبُ بِهِ وِلْدَانُ اَهْلِ الْمَدِينَةِ.

حواله: مسلم ص ۲۰۵ ج۱، باب جواز لعن الشيطان فی اثناء الصلاة كتاب المساجد، حديث نمبر۵۴۲.

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو ہم نے ان کو یہ دعاء کرتے ہوئے سنا "اعوذ باللّٰه" میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا "العنك الخ" میں اللہ کی لعنت کیساتھ تجھ پر لعنت کرتا ہوں، تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ کلمات فرمائے، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس طرح بڑھایا جیسے کوئی چیز پکڑ رہے ہوں، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم نے نماز میں آپ ﷺ کو کچھ ایسے کلمات کہتے ہوئے سنا ہے جو اس سے پہلے آپ کو کہتے ہوئے نہیں سنا ہے، اور ہم نے آپ کو ہاتھ دراز کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک شعلہ لے کر اس غرض سے آیا کہ اس کو میرے چہرے پر ڈالدے تو میں نے تین مرتبہ کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، پھر میں نے کہا کہ میں اللہ کی مکمل لعنت کے ساتھ تجھ پر لعنت کرتا ہوں، پھر وہ ہٹا نہیں تو میں نے تین مرتبہ یہ کلمات کہے، پھر میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو پکڑ لوں اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ بندھا ہوا ہوتا، مدینہ والوں کے بچے اس سے کھیلتے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث ابلیس حضور ﷺ کی نماز کے خشوع وخضوع کو ختم کرنے آیا تھا لیکن اس کا آپ ﷺ پر بس نہیں چل سکا، آپ ﷺ نے اس پر قابو پالیا، اور آپ ﷺ نے اس کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا ارادہ بھی کر لیا تھا، لیکن پھر حضرت سلیمان کی دعا یاد آگئی، حضرت سلیمان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی، ان کو اجنہ وغیرہ پر بھی حکومت عطاء کر دی جائے، اگر حضور ﷺ ابلیس کو باندھ دیتے تو حضرت سلیمانؑ کی جناتوں پر حکومت کے حوالے سے کوئی خصوصیت نہ تھی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ان عدو اللّٰه ابليس: حدیث نمبر۹۲۴ گذری ہے اس میں الفاظ تھے "ان عفريتاً من الجن" معلوم ہوا کہ ابلیس جناتوں میں سے ہی ہے، العنك بلعنة اللّٰه: حضور ﷺ نے خطاب کے صیغہ کے ذریعہ

لعنت بھیجی ہے، اور نماز میں خطاب سے نماز باطل ہوجاتی ہے اس کا بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر دوران صلاۃ بغیر واسطہ کے ابلیس سے معارضہ ہوجائے تو اسپر لعنت کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اسکے علاوہ خطاب کرنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے، بعض لوگوں نے اس کو آپ ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے اس حدیث کو مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۲۴ دیکھئے کافی کچھ تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

حدیث نمبر ۹۴۸ ﴿نماز میں اشارہ سے جواب دینے کا ثبوت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۱۳

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ وَهُوَ يُصَلِّى فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ اِلَيْهِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهُ اِذَا سُلِّمَ عَلٰى اَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّى فَلَا يَتَكَلَّمْ وَلْيُشِرْ بِيَدِهٖ رَوَاهُ مَالِكٌ .

حواله : مؤطا امام مالكؒ، ص ۵۹، باب العمل فى جامع الصلاة كتاب قصر الصلاة، حديث نمبر ۷۶.

ترجمہ : حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک شخص کے پاس سے اس حال میں گذرے کہ وہ شخص نماز پڑھ رہا تھا، آپ ﷺ نے اس کو سلام کیا، اس شخص نے تکلم کر کے سلام کا جواب دیا، تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کے پاس لوٹ کر آئے، اور اس سے کہا کہ جب تم میں سے کسی شخص کو نماز کی حالت میں سلام کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ بول کر جواب نہ دے، بلکہ اپنے ہاتھ کے اشارہ سے جواب دے۔ (مالك)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے کی اجازت معلوم ہو رہی ہے، یہ حکم پہلے تھا، اب اشارہ سے بھی سلام کا جواب دینا احناف کے نزدیک درست نہیں ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح نسلم: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نماز میں مشغول شخص کو سلام کیا ممکن ہے کہ آپ سلام کرتے وقت یہ نہ سمجھ سکے ہوں کہ یہ شخص نماز میں ہے: ولیشر بیدہ: اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نمازی کو اگر سلام کیا جائے تو وہ اشارہ سے یہ بتادے کہ وہ سلام کا جواب دینے سے معذور ہے جیسا کہ نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو نمازی اشارہ سے روکتا ہے، اس سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۱۷ دیکھیں۔

باب السھو

﴿سجدہ سہو کا بیان﴾

اس باب کے تحت وہ احادیث مذکور ہیں، جن میں سجدۂ سہو اور اس کے احکام کا بیان ہے۔

''سہو'' کے معنی ہے غفلت، نمازی سے کبھی غفلت اور بھول کی وجہ سے نماز میں کوئی کام چھوٹ جاتا ہے، یا کبھی کوئی چیز بڑھ جاتی ہے، اب یہ دیکھا جائے کس چیز میں کمی ہوئی ہے، اگر نماز کا کوئی رکن چھوٹ گیا ہے، تو اس نقصان کی تلافی کی کوئی صورت نہیں، نماز کا اعادہ یعنی ازسرنو نماز پڑھنا لازم ہوگا، اور سنت یا مستحب چھوٹنے کی صورت میں نماز ہوجاتی ہے، کسی قسم کی تلافی کی ضرورت نہیں ہے۔

سجدۂ سہو درحقیقت اس وقت کیا جاتا ہے جب واجب کے درجہ کی کوئی چیز چھوٹ جائے، یا کوئی واجب کے درجہ یا رکن یعنی فرائض کے درجہ کی کسی چیز میں اضافہ ہوجائے، اس کمی بیشی کی تلافی کے لئے شریعت نے سجدۂ سہو کو مشروع کیا ہے۔

نماز کے واجبات: واجبات نماز چودہ ہیں، (۱) فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں کو قراءت کے لئے مقرر کرنا، (۲) فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت کے علاوہ تمام نمازوں کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا، (۳) فرض نماز کی شروع کی دو رکعت میں اور بقیہ تمام نمازوں کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت یا بڑی ایک آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا، (۴) سورۂ فاتحہ کو سورت سے پہلے پڑھنا، (۵) قرأت رکوع وغیرہ میں ترتیب قائم رکھنا، (۶) قومہ، (۷) جلسہ، (۸) تعدیل ارکان، (۹) قعدۂ اولیٰ، (۱۰) دونوں قعدوں میں تشہد

پڑھنا، (۱۱) جہری نمازوں میں جہر اور سری نمازوں میں سر قراءت کرنا (۱۲) لفظ سلام کے ذریعہ نماز سے نکلنا، (۱۳) وتر میں قنوت کیلئے تکبیر کہنا اور دعائے قنوت پڑھنا، (۱۴) دونوں عیدوں کی نماز میں زائد تکبیریں کہنا۔

مذکورہ واجبات میں سے اگر کوئی عمداً چھوڑ دیا تو نماز کا اعادہ لازم ہے، بھول کر چھوڑا تو سجدۂ سہو کے ذریعہ نماز مکمل کر لے۔ سجدۂ سہو فوت شدہ کا عوض بھی ہے اور اس سے کوتاہی کا گناہ بھی زائل ہو جاتا ہے، عبادت کی ادائیگی کے حوالے سے آپ ﷺ سے بھول ممکن ہے، بلکہ بھول ہوئی ہے، البتہ جن امور کا تعلق تبلیغ سے ہے، اُن میں آپ ﷺ سے بھول کا امکان نہیں ہے، نماز میں آپ ﷺ سے ایک موقع پر بھول ہوئی تو آپ ﷺ نے بعد میں فرمایا کہ: أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ. میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں جیسے تم کو بھول ہوتی ہے ویسے ہی مجھے بھی بھول ہوتی ہے۔ جب میں بھول جایا کروں تو یاد دلا دیا کرو۔

سجدۂ سہو سے متعلق چند ابحاث: (۱) سجدۂ سہو حنفیہؒ کے نزدیک واجب ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے، (۲) سہو کے لئے جمہور کے نزدیک تکبیر افتتاح کی ضرورت نہیں ہے، امام مالکؒ کے نزدیک ہے، (۳) سجدۂ سہو کے بعد حنفیہ کے یہاں بہر صورت تشہد پڑھا جائے گا، ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ اگر سجدۂ سہو بعد السلام کیا ہے تب پڑھا جائے گا ورنہ نہیں، (۴) حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو مطلقاً بعد السلام ہے، ائمہ ثلاثہ کے یہاں تفصیل ہے، ان مباحث کی تفصیل مع دلائل آئندہ سطور میں احادیث کے ذیل میں منقول ہے۔

سجدۂ سہو سے متعلق بعض اہم مسائل: (۱) اگر مسبوق کو امام کے سہو کا علم نہیں تھا جس کی وجہ سے سجدۂ سہو سے پہلے کھڑا ہو گیا تو جب تک اس نے اپنی بعد میں پڑھی جانے والی نماز کا سجدہ نہیں کیا ہے، واپس آ کر امام کی اتباع کرلے، اور اگر سجدہ کرلیا ہے تو واپس نہ آئے بلکہ اخیر میں سجدۂ سہو کرے، (۲) قعدۂ اخیرہ میں تشہد و درود کے بعد دوبارہ درود و دعاء وغیرہ پڑھنے کی وجہ سے اگر تاخیر ہوئی تو سجدۂ نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ دعاء و ثناء وغیرہ کا موقع ہے، اس میں تاخیر سے کوئی قباحت نہیں آتی، لہٰذا سہو کے ذریعہ تلافی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ (۳) قعدۂ اولیٰ میں تکرار تشہد سے تیسری رکعت میں کھڑے ہونے میں تاخیر ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر کسی نے جان بوجھ کر ایسا کیا تو نماز واجب الإعادہ ہے، اور اگر سہوًا کیا تو سجدہ سہو لازم ہے، تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنے کے بقدر یعنی ۴۲ حروف پڑھنے کے بقدر تاخیر ہوئی، تو اسی کو تاخیر کہیں گے اور اسی تاخیر پر سجدۂ سہو واجب ہوگا اور اگر اس سے کم تاخیر ہے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، (۴) وتر کی نماز میں دعاء قنوت بھول گیا، رکوع یا قومہ میں یاد آیا تو قنوت نہ پڑھے صرف سجدۂ سہو کرے، لیکن اگر کسی نے دعاء قنوت رکوع یا قومہ میں پڑھ لی تو بھی سجدۂ سہو کرے، (۵) کھانسی یا ہچکی وغیرہ کی وجہ سے تین تسبیح کے بقدر قرأت سے یا دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے سے رک گیا تو سجدۂ واجب نہیں ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

الفصل الاول

حدیث نمبر ۹۴۹ ﴿تعداد رکعات میں شک کا پیدا ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۱۴

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّيْ جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَّسَ عَلَيْهِ حَتّٰى لَا يَدْرِيَ كَمْ صَلّٰى فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ. (متفق علیه)

حواله: بخاری ص نمبر ۱۶۴، جلد نمبر ۱، باب السهو فی الفرائض والتطوع، کتاب التهجد، حدیث نمبر ۱۲۳۲، مسلم ص نمبر ۲۱۱، ج نمبر ۱، باب السهو فی الصلاة والسجود له، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۳۸۹.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، بے شک جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے، تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اس کو شک و شبہ میں ڈالتا ہے، یہاں تک کہ اس کو یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی

ہیں، اگر تم میں سے کسی کو یہ صورت حال پیش آئے، تو اس کو چاہئے کہ قعدہ اخیرہ میں دو سجدہ کرے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شیطان انسان کا دیرینہ دشمن ہے شیطان کی پہلی خواہش تو یہی ہوتی ہے کہ انسان کا اپنے رب سے رشتہ کمزور سے کمزور تر رہے، لہٰذا وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ بندہ اپنے رب کی عبادت سے غافل رہے، لیکن جب کوئی اللہ کا بندہ شیطان کے فریب سے بچکر نماز جیسی اہم عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے، اب شیطان دوسرا جال لیکر آجاتا ہے، چنانچہ وہ نمازی کے دل میں طرح طرح کے خیالات اور وساوس ڈالتا ہے جنمیں محو ہوکر نمازی اس بات کو ہی فراموش کر دیتا ہیکہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، آپ ﷺ نے شیطان کو ذلیل ورسوا کرنے کی یہ تدبیر بتائی کہ ایسی صورت میں سجدہ سہو کر لینا چاہئے، یہ سجدہ سہو شیطان کی ذلت ورسوائی کا سبب بن جائے گا، وہ نمازی کو نماز سے غافل کر کے اس کے ثواب کو ختم کرنے اور اس کی نماز میں رکاوٹ ڈالنے کی غرض سے آیا تھا، لیکن نمازی کو دو سجدوں کی مزید توفیق مل گئی، جس کی وجہ سے شیطان نہایت نادم ہوتا ہے، مسلم شریف کی حدیث میں ان دو سجدہ سہو کو "تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ" قرار دیا گیا ہے، یعنی یہ سجدے شیطان کی ناک رگڑنے کا سبب بن جائیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح أن احدكم اذاقام يصلي جائه الشيطان. انسان جب نماز کے ارادہ سے کھڑا ہوتا ہے، تو شیطان اسکو ورغلانے اور اسکے دل میں طرح طرح کے خیالات ڈالنے کیلئے آجاتا ہے، گذشتہ اوراق میں حدیث نمبر ۶۰۵ گذری ہے، اسمیں آپ ﷺ کا فرمان ہے "اذا نودی للصلاۃ الخ" جب نماز کیلئے اذان دی جاتی ہے، تو شیطان آواز کے ساتھ ریح خارج کرتا ہوا پشت پھیر کر بھاگتا ہے، تاکہ اسکو اذان سنائی نہ دے، پھر جب اقامت ہو چکتی ہے تو آجاتا ہے، یہاں تک کہ جب تکبیر کہی جاتی ہے تو پھر پشت پھیر کر بھاگتا ہے، پھر جب اقامت ہو چکتی ہے تو آجاتا ہے الخ، حدیث باب میں جو آنا مراد ہے، اس سے یہی مراد ہے کہ شیطان تکبیر کیوقت راہ فرار اختیار کر چکا تھا، لیکن پھر تکبیر کے اختتام اور نماز کے ابتدا پر وسوسہ اندازی کیلئے آجاتا ہے۔

اشکال: حدیث نمبر ۶۰۵ کے تحت یہ اشکال نقل کیا گیا ہے، یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے کہ شیطان اذان واقامت سے راہِ فرار اختیار کرتا ہے، تو نماز جیسی اہم عبادت پر وہ کیوں حاضر ہو جاتا ہے؟

جواب: (۱) ابن الجوزی نے فرمایا ہے کہ کلمات اذان واقامت میں ایک خاص ہیبت ہے جس کی بنا پر شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ (۲) مؤذن کی آواز جتنی دور تک بھی جن وانس کے کان میں پڑیگی سب کے سب گواہی دیں گے، شیطان اس گواہی سے بچنے کے لئے بھاگ کھڑا ہوتا ہے، مزید تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۶۰۵ دیکھیں، حتی لایدری کم صلی شیطان نمازی کے دلوں کو دوسرے امور میں اس قدر مشغول کر دیتا ہے کہ اس کو یہاں تک یاد نہیں رہتا کہ اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو رکعت! کتنی نماز پڑھ چکا ہے کتنی باقی ہے؟ فاذا وجد ذلك یعنی جب اس طرح کا تردد پیدا ہو تو نمازی کو چاہئے کہ تشہد کے بعد سلام پھیر کر دو سجدہ سہو کر لے۔

تعداد رکعات میں شک اور اختلاف مذاھب: نماز کے دوران اگر کسی شخص کو نماز کی تعداد رکعات کے حوالے سے شک پیدا ہو گیا، تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں چار مذاہب مشہور ہیں۔

امام شعبی اور امام اوزاعی کا مذھب: امام شعبیؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک تعداد رکعات میں شک پیدا ہونے کی صورت میں نماز کا اعادہ لازم ہے۔

دلیل: حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے "إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ سَهَا فِيْ صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى: فَقَالَ لِيُعِدْ صَلَاتَهُ وَيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَاعِدًا" (اعلاء السنن)

حضرت حسن بصریؒ کا مذھب: حضرت حسن بصری کے نزدیک شک واقع ہونے کی صورت میں بیٹھ کر سجدہ کر لے اور

پھر سلام پھیر دے، تحری، استیناف، بناء علی الاقل کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

دلیل: حضرت حسن بصریؒ کی دلیل حدیث باب ہے، حدیث باب میں شک پیدا ہونے کی صورت میں صرف دو عدد سجدہ سہو کرنے کی صراحت ہے، ارشادِ مبارک ہے "فإذا وجد ذلك احد كم فليسجد سجدتين" شک واقع ہونے کی صورت میں دو سجدہ سہو کر لینا چاہئے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک تعدادِ رکعات کے حوالے سے شک پیدا ہونے کی صورت میں "بناء علی الاقل" واجب ہے، البتہ ہر اُس رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے جس کے بارے میں یہ امکان ہو کہ یہ آخری رکعت ہو سکتی ہے۔

دلیل: عن سعيد الخدری قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيُلْقِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِيْنِ" اس حدیث سے شوافع استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے یقینی پہلو کو اختیار کیا جائے اور رکعات تعداد میں شک کی صورت میں اقل متیقن ہے، لہٰذا اقل کا اعتبار کیا جائے گا۔

(نوٹ): امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا بعض حضرات نے وہی مذہب نقل کیا ہے جو امام شافعیؒ کا مذکور ہوا، اور بعض نے کچھ الگ ذکر کیا ہے، سب کا مشترکہ مذہب کم از کم یہ تو ہے ہی کہ اِن میں سے کوئی استینافِ صلاۃ کا قائل نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب و دلیل: امام صاحب کے مذہب میں کچھ تفصیل ہے شک رکعات کی صورت میں تین طرح کے عمل ممکن ہیں (۱) استیناف کیا جائے (۲) بناء علی الاقل (۳) تحری یعنی ظن غالب پر عمل، اسکی تفصیل یہ ہے کہ اگر رکعات کی تعداد کے حوالے سے شک کا پیدا ہونا کبھی کبھار ہو، تو ایسی صورت میں بنا کیا جائے، بناء کی دلیل وہی حدیث ہے جسکو امام شعبیؒ کی دلیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اگر شک کثرت سے پیدا ہوتا ہو، تو ایسا شخص تحری کرے اور ظن غالب پر عمل کرے، بخاری شریف میں حدیث ہے نمبر ۵۸، ج نمبرا "اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ" جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز کے بارے میں شک ہو جائے، تو وہ غلبۂ ظن سے درست صورتِ حال کی تلاش کرے، پھر اس درست صورتِ حال پر اپنی سابق نماز کو پوری کرے، پھر بنا علی الاقل کو اختیار کرے۔ بناء علی الاقل پر امام صاحب کی دلیل وہی حدیث ہے جو امام شافعیؒ کی دلیل کے طور پر مذکور ہے بناء علی الاقل کی صورت میں ہر اس رکعت پر قعدہ کرے، جس کے بارے میں آخری رکعت ہونے کا امکان ہو۔

مذہب حنفیہ کی ترجیح: گزشتہ سطور میں ائمہ کا جو اختلاف مذکور ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تعدادِ رکعات میں شک پیدا ہونے کی صورت میں کیا کیا جائے، اسکے حوالے سے آپ ﷺ کے فرامین مختلف ہیں، فرامین کے اختلاف کی بناء پر ائمہ کے مذاہب مختلف ہو گئے، اسوجہ سے کہ کسی نے کسی فرمان پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی، اور کسی نے کسی دوسرے فرمان پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی، اور اپنے مذہب کے خلاف پڑنے والے فرمان سے یا تو صرف نظر کر لی یا پھر تاویل کی راہ اختیار کی، اسکے برعکس امام صاحبؒ نے سارے فرامین کو سامنے رکھکر انکے الگ الگ محمل تلاش کیے، جس کی بناء پر تمام فرامین میں تطبیق ہو گئی، چنانچہ آپ ﷺ کے جس فرمان میں بناء کا حکم ہے امام صاحب نے اس کو اُس صورت پر محمول کیا جب شک کا پیدا ہونا ایک آدھ بار ہو، بناء علی الاقل والی حدیث کو اس صورت پر محمول کیا، جب تحری سے کوئی جانب راجح نہ ہو، اور تحری والی حدیث کو اس صورت پر محمول کیا، جب کہ تعدادِ رکعات میں شک کثرت سے واقع ہو، حنفیہ کے مذہب کی وجہ ترجیح یہی ہے کہ اُن کے مسلک پر تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ جبکہ دیگر مذاہب میں یہ بات نہیں ہے۔

(نوٹ): سجدۂ سہو سلام سے پہلے کیا جائے یا بعد میں؟ اس کی تفصیل حدیث نمبر ۹۵۰ کے تحت دیکھیں (یہ مباحث معارف السنن اور اعلاء السنن وغیرہ سے منقول ہیں)

حدیث نمبر ۹۵۰ ﴿سجدۂ سہو شیطان کو رسوا کرتا ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۱۵

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلَاتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى ثَلَاثًا اَوْ اَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ فَاِنْ كَانَ صَلّٰى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهٗ صَلَاتَهٗ وَاِنْ كَانَ صَلّٰى اِتْمَامًا لِاَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيْمًا لِلشَّيْطَانِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا وَفِیْ رِوَايَةٍ شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ.

حوالہ: مسلم، ص:نمبر ۲۱۱، ج نمبر ۱، باب السهو فی الصلاة والسجود، كتاب المساجد، حديث نمبر ۵۷۱ موطا امام مالك باب اتمام المصلی ماذكر اذا شك فی صلاته، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۶۲.

ترجمہ: حضرت عطابن یسارؒ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز کے دوران شک ہو۔ اور وہ یہ جان سکے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعات پڑھیں؟ تو اس کو چاہئے کہ وہ شک دور کرے اور جس طور پر یقین ہو اس پر بنا کرے، پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو عدد سجدے کرے، تو اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی، تو یہ پانچ رکعتیں ان دو سجدوں کے ذریعہ اس کی نماز جفت کردیگی اور اگر اس نے پوری چار رکعات نماز پڑھی ہوگی تو یہ دونوں سجدہ شیطان کی ذلت کا سبب بنیں گے۔ (مسلم)

امام مالک نے اس روایت کو عطابن یسار سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ ”شفعها الخ“ نمازی ان دونوں سجدوں کے ذریعہ سے پانچ رکعتوں کو جفت کردے گا۔

خلاصۂ حدیث جیسا کہ اس سے پہلے والی حدیث میں بھی تحریر کیا گیا کہ نماز کے دوران شیطان طرح طرح کے وساوس اور رخنے ڈالنے کے ذریعہ نماز کو نا تمام ختم کرانے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے، نمازی نماز کے دوران یہ بھول گیا کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار؟ تو اب کیا کرے، گذشتہ حدیث میں اس بات کی صراحت تھی کہ اعادۂ صلاۃ کرے، یعنی نماز ازسرنو پڑھے، اس صورت کو امام صاحب نے اس بات پر محمول کیا تھا کہ شک کا پیدا ہونا کبھی کبھار ہو، اس حدیث میں یہ بات منقول ہے کہ جس شخص کو تین رکعات یا چار میں شبہ ہوگیا وہ یقین والے پہلو پر عمل کرے اور شک والے پہلو کو دل سے نکال دے، یقینی پہلو تین رکعات والا ہے یعنی تین رکعات تو پڑھ چکا ہے یہ تو طے ہے ہی، چوتھی پڑھی یا نہیں؟ اس میں شک ہے، لہٰذا تین مان کر ایک رکعت اور نماز پڑھنی ہے، امام صاحب اس حدیث کو اس صورت پر محمول کرتے ہیں جب کہ تحری کے نتیجہ میں کسی ایک پہلو کو ظن غالب حاصل نہ ہو۔ یعنی جب شک کا پیدا ہونا کثرت سے ہوگا، تو نمازی اولاً تحری کرے گا کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار جس جانب گمان راجح ہوگا، اس کے مطابق عمل کرے گا، لیکن اگر تحری کی صورت میں ظن غالب حاصل نہیں ہوا تو پھر بناء علی الاقل متعین ہے۔ شک کی صورت میں جب بناء علی الاقل کرتے ہوئے ایک رکعت اور پڑھ لی تو اب انجام کے اعتبار سے دو صورتیں ممکن ہیں (۱) کل پانچ رکعتیں ہوگئیں۔ (۲) چار ہی رکعات ہوئیں۔ اخیر میں سجدہ سہو کرے گا اگر پانچ رکعتیں تھیں، تو اس سجدہ کے ذریعہ اب رکعتیں عند اللہ چھ ہوگئیں، چار فرض کے درجے میں ہیں، اور دو نفل کے درجے میں ہیں اور اگر چار ہی رکعتیں تھیں، تو یہ سجدہ سہو شیطان کی ذلت کا تو سبب بنے گا کہ وہ نماز میں فساد پیدا کرنے آیا تھا۔ دو مزید سجدوں کی توفیق سے اس کی رسوائی میں اضافہ ہوا اور اس کا منصوبہ ناکام ہوگیا۔

کلمات حدیث کی تشریح **اذا شك.** شک سے مراد وہ تردد ہے، جس میں کوئی جانب راجح نہ ہو، اس وجہ سے کہ اگر کوئی ایک جانب راجح ہوگئی، مثلاً تین رکعت پڑھی ہیں؟ اس میں شک ہوا لیکن چار کے بارے میں گمان غالب ہے تو اسی کے مطابق عمل کریں گے، شوافع کہتے ہیں کہ بہرصورت بناء علی الاقل متعین ہے، **فليطرح الشك.** نمازی شک والے پہلو یعنی

چار رکعت ہونے کے خیال کو دل سے نکال دے اور یہ سمجھے کہ تین ہی رکعت پڑھی ہے، کیوں کہ تین کا پڑھنا تو متعین ہے ہی، اب مزید ایک رکعت اور پڑھ لے۔ثم یسجد سجدتین. پھر تشہد پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے دو عدد سجدۂ سہو کرے۔ حدیث کے اِن کلمات سے استدلال کرتے ہوئے شوافع کہتے ہیں کہ سجدۂ سہو کرنے سے پہلے سلام نہ پھیرا جائے گا، حنفیہ کہتے ہیں سلام پھیر کر سجدۂ سہو کیا جائے گا، مذاہب مع دلائل تفصیل سے اسی حدیث کے تحت اگلی سطور میں نقل کروں گا۔

فان کان صلی خمسا. مصلی نے بناء علی الاقل کرتے ہوئے ایک رکعت جب اور پڑھ لی، تو اگر یہ حقیقت کے اعتبار سے پانچ رکعت ہوگئیں، تو سجدۂ سہو کے ذریعہ سے یہ نماز جفت ہو جائے گی، یعنی سہو کے یہ دو سجدہ بھی حکم میں ایک رکعت کے ہو جائیں گے اور کل رکعات چھے ہو جائیں گی، جن میں سے چار فرض شمار ہوں گی اور دو نفل کے حکم میں ہوں گی، اسی کی وضاحت میں ابوداؤد شریف کی ص نمبر ۱۴۷، ج نمبر ۱ پر ایک روایت یوں ہے "فَاِنْ كَانَتْ صَلَاتُهُ تَامَّةً كَانَتِ الرَّكْعَةُ نَافِلَةً وَالسَّجْدَتَانِ وَاِنْ كَانَتْ نَاقِصَةً كَانَتِ الرَّكْعَةُ تَمَامًا لِصَلَاتِهِ وَكَانَتِ السَّجْدَتَانِ مُرْغِمَتَيِ الشَّيْطَانِ" مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بناء علی الاقل کرتے ہوئے ایک رکعت مزید پڑھی، حالاں کہ اس کی نماز حقیقت کے اعتبار سے پہلے ہی پوری ہو چکی تھی تو یہ ایک رکعت نفل ہو جائے گی اور سہو کے دو سجدے نفل کی دوسری رکعت کے قائم مقام ہو جائیں گے، تو گویا ایسے شخص کی اب یہ کل چھے رکعتیں ہوگئیں۔ جن میں سے چار فرض ہوں گی اور دو نفل ہوں گی اور اگر ایک رکعت ملانے سے پہلے اس کی نماز ناقص تھی، یعنی حقیقت کے اعتبار سے اس نے تین ہی رکعات پڑھی تھیں، تو اب اس ایک رکعت پڑھنے سے یہ کل چار رکعات ہوگئیں اور فرض نماز پوری ہوگئی اور دو عدد سجدے زائد ہوں گے، جو کہ شیطان کی رسوائی کا سبب ہوں گے۔ سجدۂ سہو کو شیطان کو رسوا کرنے والا اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ شیطان تو وسوسہ اندازی اس مقصد سے کر رہا تھا کہ فرض نماز مکمل نہ ہو سکے اور یہاں فرض بھی مکمل ہوگئی، مزید دو عدد سجدوں کی توفیق مل گئی، یہ چیز شیطان کی ذلت وندامت کا سبب ہے، اس لئے اِن دو سجدوں کو شیطان کو ذلیل کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔

سجدۂ سہو سلام سے پہلے یا بعد میں؟: سجدۂ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے گا، یا تشہد پڑھنے کے بعد، پہلے سجدۂ سہو کر لیا جائے، یا پھر سلام پھیرا جائے؟ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ آپ ﷺ سے عملی طور پر دونوں طریقے ثابت ہیں، یعنی آپ ﷺ نے سلام پھیر کر بھی سجدہ کیا ہے اور سلام سے پہلے بھی سجدہ کیا ہے، لہٰذا یہ اختلاف صرف اولویت اور افضلیت کے حوالے سے ہے جواز اور عدم جواز کا یہ اختلاف نہیں ہے اب ہم مذاہب ائمہ نقل کرتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً قبل السلام سجدہ کیا جائے گا اور سجدۂ سہو کے بعد سلام پھیرا جائے گا۔

دلیل: ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ ابن بحینہ کی روایت ہے "فَلَمَّا أَتَمَّ صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ" حدیث کے اِن کلمات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو فرمایا ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک اگر سجدۂ سہو کسی نقصان کی بنا پر ہے، تو قبل السلام کیا جائے اور اگر کسی زیادتی کی بنا پر ہے تو بعد السلام کیا جائے گا۔

دلیل: امام مالکؒ نماز میں کسی کمی کی صورت میں قبل السلام سجدۂ سہو کئے جانے پر دلیل میں وہی حدیث پیش کرتے ہیں جو حضرت امام شافعیؒ کی دلیل کے ذیل میں حدیث ذکر کی گئی ہے۔ اُس روایت میں یوں ہے کہ حضور ﷺ قعدۂ اولیٰ میں بیٹھے بغیر کھڑے ہوگئے "قَامَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ وَعَلَيْهِ جُلُوسٌ فَلَمَّا أَتَمَّ صَلَاتَهُ الخ" آپ ﷺ ظہر کی نماز میں قعدۂ اولیٰ میں بیٹھے بغیر کھڑے ہوگئے، تو آپ ﷺ نے جب نماز مکمل فرمائی تو سلام پھیرنے سے قبل دو عدد سجدۂ سہو کئے، اور زیادتی کی صورت میں بعد السلام سجدۂ سہو کیا جائے گا اس

کی دلیل کے طور پر عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت پیش کرتے ہیں: عن عبدالله بن مسعودؓ انّ النبیّ صلی الله علیه وسلم صَلّی الظُّهرَ خَمسًا فَقِیلَ لَهُ اَزِیدَ فِی الصَّلاۃِ اَم نَسِیتَ فَسَجَدَ سَجدَتَینِ بَعدَ مَا سَلَّمَ " اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ظہر کی نماز میں پانچویں رکعت پڑھنے کی شکل میں جب کچھ زیادتی ہوگئی، تو آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا۔

امام احمدؒ کا مذهب: امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ جن مواقع پر آپ ﷺ سے قبل السلام سجدہ ثابت ہے قبل السلام سجدۂ سہو کیا جائے گا، مثلاً کوئی شخص قعدۂ اولیٰ میں بیٹھے بغیر کھڑا ہوگیا، تو اب یہ شخص قبل السلام سجدۂ سہو کرے گا کیوں کہ آپ ﷺ سے یوں ہی ثابت ہے، جیسا کہ عبداللہ ابن بحینہ کی روایت میں منقول ہوا اور جن مواقع پر آپ ﷺ سے بعد السلام سجدۂ سہو ثابت ہے وہاں بعد السلام سجدۂ سہو کیا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی نے چار کے بجائے پانچ رکعت پڑھ لی تو اب سجدہ بعد السلام کرے گا، کیوں کہ آپ ﷺ سے یوں ہی ثابت ہے، جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں نقل ہوا، اور جن مواقع پر آپ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں ہے، وہاں امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق قبل السلام سجدۂ سہو کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفهؒ کا مذهب: امام صاحبؒ کے نزدیک مطلقاً بعد السلام سجدۂ سہو کیا جائے گا۔

دلائل: امام صاحبؒ کے پاس قولی اور فعلی دونوں طرح کی روایات کثیرہ جمع ہیں، حضرت امام مالکؒ کی دلیل کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جو دلیل نقل ہوئی وہ بھی امام صاحب کی دلیل ہے، اسی طرح گذشتہ حدیث کے ذیل میں بخاری شریف کی ایک روایت نقل کی گئی ہے "اذا شك أحدكم فی صلاته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم يسلم ثم يسجد سجدتين" اس حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سجدۂ سہو سلام کے بعد کیا جائے گا، اسی طرح ابوداؤد میں روایت ہے "لكل سهو سجدتان بعد ما يسلم" ان کے علاوہ بھی دلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو کو سلام کے بعد ہی کرنا بہتر ہے۔

ائمه ثلاثه کے دلائل کا جواب: امام مالکؒ کا ضابطہ آگے آنے والی حدیث نمبر ۹۵۱ یعنی ذوالیدین سے ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ وہاں نماز میں نقصان ہے، اس کے باوجود سجدۂ سہو سلام پھیرنے کے بعد کیا جانا منقول ہے، پھر اگر ایک ہی نماز میں کسی پہلو سے کمی ہوجائے اور دوسرے اعتبار سے زیادتی ہوجائے، مثلاً قعدۂ اولیٰ چھوٹ جائے، اور پانچ رکعت پڑھ لی جائیں، تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو پہلے کیا جائے یا بعد میں؟ کسی ایک طریقے پر عمل کرنے میں وجہ ترجیح کیا ہوگی؟ اور تکرار سجدۂ سہو مشروع نہیں؟ لہٰذا امام مالکؒ کا مذہب اقرب الی الصواب محسوس نہیں ہوتا اور جہاں تک شوافع واحمد کے مذہب کا سوال ہے، تو اسکا جواب یہ ہے کہ جن روایات میں قبل السلام سجدہ کیا جانا منقول ہے، تو وہاں مراد یہ ہیکہ "نماز سے فراغت والے سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا" اصل میں جب سجدہ سہو واجب ہوگا تو دو مرتبہ سلام پھیرنا ہوگا (۱) سجدۂ سہو سے پہلے (۲) نیز تشہد و درود سے فراغت کے بعد نماز کے اختتام کیلئے تو جن روایت میں قبل السلام کا ذکر ہے وہاں مراد یہ ہے کہ اختتام صلاۃ والے سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا اور جہاں بعد السلام کا ذکر ہے تو وہاں مراد یہی سجدہ سہو والا سلام ہے

مذهب حنفیه کی وجه ترجیح: مذہب حنفیہ کی ترجیح کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اسمیں دونوں طرح کی احادیث پر عمل ہوجاتا ہے، جیسا کہ ماقبل کی سطور میں بیان ہوا، اور دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ حنفیہ کے پاس قولی و فعلی دونوں طرح کی احادیث ہیں جب کہ ائمہ ثلاثہ کے پاس صرف فعلی احادیث ہیں جو کہ جواز پر محمول ہیں اور جواز کے تو ہم بھی قائل ہیں، اختلاف تو افضلیت کا ہے اور افضلیت مذہب حنفیہ ہی کو حاصل ہوگی مذکورہ وجوہات کی بنا پر۔

حدیث نمبر ۹۵۱ (بھول کر پانچ رکعت پڑھنا) عالمی حدیث نمبر ۱۰۱۶

عَن عَبدِ اللّٰهِ بنِ مَسعُودٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّهرَ خَمسًا فَقِیلَ لَهُ اَزِیدَ فِی الصَّلاۃِ

فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي وَإِذَاشَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر۵۸، ج نمبر۱، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٤٠١ مسلم، ص نمبر ۲۱۱/۲۲۱، ج نمبر۱، باب السهو في الصلاة والسجود له، كتاب المساجد، حديث نمبر ۵۷۲

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعات پڑھائیں، آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ نماز میں کچھ اضافہ ہوگیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بات کے کہنے کی کیا وجہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں، تو آپ ﷺ نے سلام پھیر کر دو سجدے کئے“ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”بلاشبہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں، جس طرح تمہیں بھول ہوتی ہے، اسی طرح مجھے بھول ہوتی ہے، لہٰذا اگر مجھے بھول ہو جائے تو یاد دلا دیا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے، تو وہ تحری کے ذریعہ درست صورتِ حال کو تلاش کرے، پھر اسی صورت حال پر اپنی نماز پوری کرے، پھر سلام پھیر کر دو عدد سجدے کرے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ (۱) نبی کریم ﷺ سے سہو ہوگیا چنانچہ آپ ﷺ نے ظہر کی چار رکعات کے بجائے پانچ رکعات نماز پڑھائیں۔ انبیاءِ کرام سے سہو ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ کی بنا پر ہے کہ لوگوں کو مسائل سہو میں عملی طور پر تعلیم دی جاسکے، اعمال میں اس قسم کا سہو شانِ نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ (۲) صحابہؓ نے دورانِ صلاۃ خاموشی اس وجہ سے اختیار کی کہ ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ ممکن ہے نماز میں کسی تبدیلی کا حکم آ گیا ہو۔ (۳) نماز کے بعد جب آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ آپ ﷺ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں، تو آپ ﷺ نے فوراً قبلہ کی طرف رخ کر کے سجدۂ سہو کر کے نماز کی تکمیل فرمائی، پھر آپ ﷺ نے بتایا کہ میں بھی انسان ہوں، لہٰذا اگر مجھ سے کوئی بھول ہو جائے تو دورانِ صلاۃ ”سبحان اللّٰه“ وغیرہ کہہ کر مجھے یاد دلایا کرو آپ ﷺ سے بھول کا ہونا اعمال کے سلسلہ میں تو ممکن ہے، لیکن تبلیغ کے سلسلہ میں سہو کا ہونا ناممکن ہے، کیوں کہ تبلیغ کرانے اور بیان کرانے کی ذمہ داری خود خداوند قدوس نے لی ہے۔ اگر نماز کے حوالے سے کوئی نیا حکم آیا ہوتا، تو اس کے بتانے کے حوالے سے سہو کا ہونا ناممکن تھا۔ (۴) تعداد رکعات کے حوالے سے اگر شک پیدا ہو جائے اور یہ شک پہلی مرتبہ نہ ہو، کیوں کہ پہلی مرتبہ شک پیدا ہونے کی صورت میں نماز کا عادہ ہے، جیسا کہ گذشتہ حدیث میں نقل ہوا یہاں مراد یہ ہے کہ شک پیدا ہوتا رہتا ہو تو ایسی صورت میں آدمی تحری کرے۔ جس جانب گمان غالب ہو اس کے مطابق عمل کرے، تحری کرنے میں اگر تاخیر ہوگئی تو سجدہ سہو کرے۔ (۵) سجدہ سے پہلے سلام پھیرے پھر سجدۂ سہو کرے۔ پھر تشہد درود وغیرہ پڑھنے کے بعد سلام پھیرے۔ (۶) دورانِ صلاۃ کلام کرنے سے بظاہر نماز باطل نہیں ہوتی، تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۹۱۶ دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح صلی الظهر خمسًا بخاری شریف کی جس روایت کا میں نے حوالہ دیا ہے اس کے شروع کے کلمات میں ہے ”صلى النبي صلى الله عليه وسلم“ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی اس روایت کے ایک راوی ابراہیمؒ کہتے ہیں ”لا ادري زاد أو نقص“ مجھے نہیں معلوم کے دورانِ صلاۃ حضور ﷺ سے جو سہو ہوا وہ نماز میں کمی سے متعلق تھا یا اضافہ سے متعلق تھا، لیکن اس روایت کے الفاظ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نماز ظہر کی ایک رکعت آپ ﷺ نے زائد پڑھا دی تھی، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں ”هٰذِهِ الرِّوَايَةُ أَصَحُّ مِنْ رِوَايَةِ فَزَادَ أَوْنَقَصَ عَلَى الشَّكِّ“ جس روایت میں کمی یا اضافہ کا شک کے طور پر تذکرہ

ہے، اس سے یہ روایت زیادہ صحیح ہے صلیت خمسًا آپ ﷺ کا پانچ رکعات اس طور پر پڑھانا ہوا ہوگا کہ چوتھی رکعت میں قعدۂ اخیرہ کے موقع پر بیٹھے ہوں گے۔ اگر قعدۂ اخیرہ کے بغیر پانچویں رکعت پڑھی گئی، تو حنفیہ کے نزدیک سجدۂ سہو سے نفل نماز ہو جائے گی، فریضہ ساقط نہ ہوگا، فسجد سجدتین بعد ما سلم حضور ﷺ نے سلام پھیر کر سجدۂ سہو کیا، حنفیہ کا یہی مذہب ہے، بعض ائمہ کا اس میں اختلاف ہے۔ تفصیل مذاہب مع دلائل دیکھنے کے لئے گذشتہ حدیث نمبر ۹۵۰ ملاحظہ فرمائیں: السی کما تنسون آپ ﷺ نے پانچ رکعات پڑھائیں، لیکن آپ ﷺ کو چار کے بجائے پانچ رکعات پڑھانے کا خیال نہیں تھا، اس وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا "وما ذاك" یعنی تم لوگ یہ کیوں کہہ رہے ہو کہ نماز میں اضافہ کر دیا گیا ہے؟ یہیں سے معلوم ہوا کہ افعال میں انبیاء کرام سے سہو کا واقع ہونا ممکن ہے، یہی ابن دقیق العید کا مذہب ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں لیکن بعض تھوڑے سے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی سے سہو کا ہونا ناممکن ہے، لیکن اُن کی تردید آپ ﷺ کے مذکورہ فرمان "السی کما تنسون" (مجھ سے بھی ایسے ہی بھول ہوتی ہے جیسے تم سے ہوتی ہے) سے بخوبی ہو رہی ہے۔ (فتح الباری ص نمبر ۲۴۰، ج نمبر ۲)

اشکال: نماز میں بات چیت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، صحابہ نے بات چیت کی، لیکن آپ ﷺ نے اُن کی نماز کے باطل ہونے کا حکم نہیں لگایا، بلکہ آپ ﷺ نے اسی نماز کی تکمیل سجدۂ سہو سے فرمادی اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: صاحب مرقات نے اس کے دو جواب نقل کئے ہیں۔ (۱) شروع اسلام میں دورانِ صلاۃ بات کرنے کی اجازت تھی، ممانعت بعد میں ہوئی، یہاں جو تکلم مذکور ہوا، یہ اسی وقت کا ہے جب بات چیت کرنے کی گنجائش تھی۔ (۲) صحابہ نے نماز مکمل ہو جانے کے خیال سے کلام کیا تھا، پھر جب حضور ﷺ نے اسی نماز کی تکمیل سجدۂ سہو سے فرمادی تو اِن کی نماز بھی ہو گئی، اور چوں کہ اِن کا یہ عمل سہوا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا۔ (مرقات ص نمبر ۲۳، ج نمبر ۳) مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۱۶ ملاحظہ فرمائیں۔

فاذا نسیت فذکرونی: جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دو، امام جب نماز میں کوئی خطا کرے تو مقتدی کو اس کو متنبہ کرنا چاہئے، لیکن یہ متنبہ کرنا، بات چیت کے ذریعہ سے نہیں ہوگا، بلکہ تسبیح کے ذریعہ ہوگا، جیسا کہ اس کی وضاحت میں حدیث نمبر ۹۲۵ گذر چکی ہے "مَنْ نابه شیٔ فی صلاته فلیسبّح" جس شخص کو نماز کے دوران کوئی بات پیش آجائے، تو اس کو سبحان اللہ کہنا چاہئے۔ آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ سے مقتدی کو یہ حق دیا ہے کہ وہ امام کو دورانِ صلاۃ اس کی غلطی پر تنبیہ کردے، جب مقتدی "سبحان اللہ" کہے گا تو امام کو خود بخود احساس ہو جائے گا کہ اس سے کوئی چوک ہو رہی ہے واذا شك احدکم نمازی کو رکعاتِ نماز کے حوالے سے شک پیدا ہو جائے تو کیا کرے؟ اس حدیث میں ہے کہ غور وفکر کرے، جس جانب رجحان قوی ہو، اس کے مطابق عمل کرے، غور وفکر میں وقت لگا اور تاخیر ہوئی، تو تاخیر کی بنا پر سجدۂ سہو کرے۔ اگر غور وفکر سے کسی ایک جانب کو غلبۂ ظن حاصل نہیں ہوا، تو جانب اقل پر عمل کرے۔ اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۴۹ اور حدیث نمبر ۹۵۰ کا مطالعہ فرمائیں۔

پانچویں رکعات کے سلسلہ میں حنفیہ مذہب: اگر کوئی شخص چار رکعات کے بعد پانچویں رکعات کیلئے بھی کھڑا ہوا تو اسکی دو صورتیں ممکن ہیں (۱) قعدۂ اخیرہ کیا تھا یعنی چوتھی رکعات کے بعد بقدر تشہد بیٹھا تھا (۲) قعدۂ اخیرہ نہیں کیا تھا، اگر پہلی صورت ہے تو نمازی کو اگر پانچویں رکعات میں سجدہ میں جانے سے پہلے خیال آگیا کہ میں چار رکعات پڑھ چکا ہوں تو اب قعدہ میں لوٹ آئے پھر سے تشہد پڑھ کر سلام پھیرے، سجدۂ سہو کرے اور سجدۂ سہو کے بعد تشہد درود وغیرہ پڑھنے کے بعد سلام پھیرے، اور اگر نمازی کو سجدہ کے بعد یاد آیا تو اب قعدہ میں نہ لوٹے، بلکہ ایک رکعت اور ملالے، اور پھر حسب سابق سجدۂ سہو کرے، اس صورت میں چار رکعت فرض شمار ہوں گی اور دو نفل شمار ہوں گی، لیکن یہ تفصیل اسوقت ہے، جب پانچویں رکعت میں کھڑے ہونے سے پہلے چوتھی رکعت کے بعد قعدۂ اخیر کرلیا تھا۔

اگر قعدۂ اخیرہ نہیں کیا تھا، تو اب دو صورتیں ممکن ہیں (۱) سجدہ میں جانے سے پہلے یاد آ گیا، تو اب پلٹ آئے، قعدہ آخیرہ کر کے سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرے پھر نماز سے فراغت کا سلام پھیرے (۲) سجدہ میں جانے کے بعد یاد آیا، ایسی صورت میں چھٹی رکعت ملا لے، اب یہ نماز نفل شمار ہوگی، قعدۂ اخیرہ نہ ہونے کی بنا پر فرض نماز باطل ہوگی، نفل چونکہ ہر دو رکعت مستقل نماز مانی جاتی ہے، لہٰذا اسمیں قعدہ اولیٰ ہی قعدۂ اخیرہ کے حکم میں ہوتا ہے، پھر چھٹی رکعت پر قعدہ کیا، اس سے یہ آخیر کی دو نفل بھی ہو گئیں، حاصل یہ نکلا کہ فرض نماز پھر سے پڑھے۔

حدیث نمبر ۹۵۲ ﴿نماز مکمل ہونے سے پہلے بھول کر سلام پھیرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۱۷

وَعَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدىٰ صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيرِيْنَ سَمَّاهَا اَبُوْهُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ اَنَا قَالَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَاَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنىٰ عَلَى الْيُسْرىٰ وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرىٰ وَخَرَجَتْ سَرْعَانُ الْقَوْمِ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قُصِرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ فَهَابَاهُ. اَنْ يُكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طُوْلٌ يُقَالُ لَهٗ ذُوالْيَدَيْنِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَسِيْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ اَكَمَا يَقُوْلُ ذُوالْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ وَكَبَّرَ فَرُبَّمَا سَاَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُوْلُ نُبِّئْتُ اَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيِّ وَفِي اُخْرىٰ لَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَلَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْ كَانَ بَعْضُ ذَالِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ.

حوالہ: بخاری ص نمبر ۸۹٤، باب تشبيك الاصابع في المسجد، وغيره، كتاب الصلاة، بخاری، ج: نمبر۱، باب ما يجوز من ذكر الناس الخ كتاب الادب، حديث نمبر ۶۰۵۱، مسلم ص: نمبر ۲۱۳، ج نمبر۱، باب السهو في الصلاة، كتاب المساجد، حديث نمبر ۵۷۳.

ترجمہ: حضرت ابن سیرینؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں شام کی دو نمازوں (ظہر، عصر) میں سے کوئی ایک نماز پڑھائی، ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس نماز کا نام بتایا تھا، لیکن میں بھول گیا حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا، پھر آپ ﷺ کھڑے ہو کر اس لکڑی کے پاس آئے جو مسجد میں عرضاً کھڑی تھی، آپ ﷺ اس لکڑی کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے گویا آپ ﷺ غصہ میں ہیں اور اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، انگلیوں میں تشبیک فرمائی اور اپنا داہنا رخسار اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا، جلد باز لوگ مسجد کے دروازوں سے یہ کہتے ہوئے نکلنے لگے کہ "نماز میں کمی ہو گئی ہے" قوم میں ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی موجود تھے۔ وہ دونوں حضور ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے بات نہ کر سکے، لوگوں میں ایک شخص تھے، جن کے دونوں ہاتھ لمبے تھے اور اُن کو ذوالیدین کہا جاتا تھا، انہوں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول ﷺ" کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں کمی کر دی گئی ہے" آپ ﷺ نے فرمایا" نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی کی گئی ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا ایسا ہی ہے جیسا کہ ذوالیدین کہہ رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے، پھر آپ ﷺ آگے بڑھے اور جو نماز چھوٹ گئی تھی اس کو پڑھایا، اور سلام پھیرا، پھر "اللہ اکبر" کہتے ہوئے حسب معمول سجدوں جیسا یا اُن سے بھی کچھ طویل سجدہ کیا، اور اپنا سر اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہا پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں گئے اور اپنے معمول کے سجدہ کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر اپنے سر کو اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہا، بہت سے لوگوں نے علامہ ابن سیرینؒ سے دریافت کیا کہ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا؟ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عمران بن حصینؓ

سے یہ خبر ملی ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا۔ (بخاری ومسلم) روایت کے الفاظ بخاری کے ہیں، اور مسلم وبخاری دونوں کی ایک روایت میں لم انس ولم تقصر. (نہ میں بھولا اور نہ نماز میں کمی کی گئی) کے بجائے "کل ذلك لم یکن الخ" (جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس میں سے کچھ نہیں ہوا) کے الفاظ ہیں۔ حضرت ذوالیدین نے فرمایا کچھ تو ہوا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دو اہم باتیں ہیں (۱) حضرت ذوالیدین نے بات چیت کی، حضور ﷺ نے حضرت ذوالیدین کی بات کا جواب دیا، حضور ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا، صحابہؓ نے حضور ﷺ کو جواب دیا، گویا کہ بہت سے لوگوں نے بات چیت کی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس نماز پر بنا فرمائی، بظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے دوران اگر تھوڑی بہت بات چیت کر لی جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی، اس وجہ سے کہ اگر بات چیت سے نماز فاسد ہو جاتی تو آپ ﷺ ازسرنو نماز پڑھاتے، اس نماز پر بنا نہیں فرماتے حنفیہ کا مذہب اس کے خلاف ہے، حنفیہ کے یہاں دورانِ صلاۃ بات کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (۲) چار رکعت والی نماز میں اگر دو رکعت پر ہی سلام پھیر دیا، تو یاد آتے ہی کھڑے ہو جانا چاہئے پھر دو رکعت مزید پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر دو عدد سجدۂ سہو کرنے کے بعد نماز سے فراغت کا سلام پھیرا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح فقام الی خشبة معروضة. حضور ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز میں بھولے سے چار رکعات کے بجائے دو رکعت پڑھادیں، اور سلام پھیر دیا اسکے بعد مسجد میں عرض میں پڑی ہوئی ایک لکڑی کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے آپ ﷺ اندرونی طور پر متفکر تھے، جس کی بنا پر چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں تھے، پھر آپ ﷺ سے دو عمل صادر ہوئے۔ (۱) ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے تشبیک فرمائی۔ (۲) داہنے رخسار کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا، یہ سب کیفیات اس وجہ سے صادر ہو رہی ہیں کہ آپ ﷺ نے وقت سے پہلے سلام پھیر دیا تھا، اگر چہ آپ ﷺ نماز کو مکمل سمجھ رہے تھے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے نماز مکمل نہیں ہوئی تھی، جس کی بنا پر آپ ﷺ اندرونی طور پر آپ ﷺ کو بے چینی لاحق ہوئی اور یہ اعمال گویا غیر اختیاری طور پر آپ ﷺ سے صادر ہوئے: انسیت ام قصرت الصلاة حضرت ذوالیدین نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے چار کے بجائے دو رکعت پڑھائیں ہیں، اس کا کیا سبب ہے، کیا آپ ﷺ نے بھولے سے ایسا کیا ہے یا پھر نماز میں تخفیف کر دی گئی ہے، چوں کہ نماز میں تخفیف کی نہیں گئی تھی، اور حضور ﷺ کو بھولنا یاد نہیں تھا، اس وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا ایسا کچھ بھی نہیں ہوا ہے، لیکن جب حضور ﷺ کے استفسار پر دیگر صحابہؓ نے بھی حضرت ذوالیدین کی بات کی تصدیق کی، تو آپ نے باقی نماز پڑھا کر سجدہ سہو کیا۔ اس حدیث میں دورانِ صلاۃ کلام صادر ہوا، اس کے باوجود نماز باطل نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ کلام مفسد صلاۃ نہیں ہے، حنفیہ کے یہاں نماز کے دوران مطلقاً بات چیت سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، حنفیہ کا مذہب مع دلائل اور وجوہ ترجیح کے بیان کے ساتھ حدیث نمبر ۹۲۶ کے تحت نقل ہو چکا ہے، وہاں تفصیل دیکھی جائے، چوں کہ امام شافعیؒ وغیرہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، اس لئے یہاں حنفیہ کی طرف سے حدیث باب کا جواب اور دیگر چند باتیں حدیث باب کے متعلق نقل کی جاتی ہے۔

حدیث باب سے شوافع کا استدلال حضرات شوافع حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھئے اگر کلام قلیل بھول کر ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، حضور ﷺ نے بھول کر کلام کیا، لہٰذا نماز فاسد نہیں ہوئی، یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ جان بوجھ کر بلاضرورت بات کرنے سے سب کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی۔

جواب: نماز میں تکلم کی اجازت پہلے تھی، لیکن بعد میں منسوخ ہو گئی، جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے "کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیرد علینا السلام حتی قدمنا من ارض الحبشة فسلمت علیه فلم یردهٔ علی فاخذنی ما

قرب و مابعد فجلست حتى اذا قضى الصلاة قال ان اللّٰه يحدث من امره ما يشاء و انه قد أحدث من امره ان لا يتكلم في الصلاة" ہم نبی کریم ﷺ کو (دورانِ صلاۃ) سلام کرتے تھے، اور آپ ﷺ جواب عنایت فرماتے تھے، لیکن جب ہم حبشہ سے لوٹ کر آنے کے بعد میں نے آپ کو سلام کیا، تو آپ ﷺ نے جواب عنایت نہیں فرمایا، تو مجھے بہت زیادہ تشویش لاحق ہوگئی، چنانچہ میں وہیں بیٹھ گیا، پھر جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو حکم چاہتے ہیں دیتے ہیں، (بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ نماز کے دوران بات چیت ہرگز نہ کی جائے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوافع جس حدیث یعنی حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، وہ حدیث نماز میں کلام کے حوالے سے منسوخ ہے۔

اشکال: عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے حدث باب کو منسوخ قرار دینا درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حبشہ سے مکہ واپسی ہوئی تھی۔ اس میں دورانِ صلاۃ بات چیت کی ممانعت کا ذکر ہے۔ جبکہ حدیث باب کا تعلق مدینہ سے ہے، ان کے راوی ابو ہریرۃؓ ہیں جو کہ ۷ھ میں اسلام لائے، لہٰذا بعد والی حدیث کو پہلے والی حدیث سے منسوخ قرار دینا درست نہیں ہے۔

جواب: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حبشہ سے واپسی دو بار ہوئی ہے، ایک بار مکہ کی طرف ہوئی، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب سورۂ نجم کے نزول کے بنا پر مجمع پر ایسا اثر ہوا کہ کافر بھی سجدہ ریز ہوگئے۔ حبشہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ پورا قبیلہ قریش مسلمان ہوگیا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مکہ تشریف لے آئے، لیکن جب سنی ہوئی خبر کے غلط ہونے کا علم ہوا، تو پھر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور دوبارہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر تشریف لائے، اور نسخ کلام کی جو حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالہ سے اوپر گذری، جس میں حبشہ سے واپسی کا ذکر ہے، اس سے مراد یہی دوسری مرتبہ کی آمد ہے، تو گویا عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ حدیث غزوۂ بدر سے بس کچھ ہی پہلے سنی ہے، اور جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے وہ بھی غزوۂ بدر سے یقینی طور پر پہلے کی ہے کیونکہ حدیث باب میں جن حضرت ذوالیدین کا تذکرہ ہے اُن کی غزوۂ بدر میں شہادت ہوگئی تھی، لہٰذا شوافع کا یہ اعتراض کہ بعد والی حدیث کو پہلے والی حدیث سے منسوخ قرار دیا ہے درست نہیں ہے۔

اشکال: ایک صحابی ہیں حضرت ذوالشمالین، ان کی شہادت غزوۂ بدر میں ہوئی اور ایک صحابی ہیں حضرت ذوالیدین جن کا ذکر حدیث باب میں ہے، یہ دو الگ الگ صحابی ہیں، جن کو ایک سمجھ لینے کی بنا پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ حدیث باب کا تعلق غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حدیث باب میں جو واقعہ نقل ہوا ہے وہ ۷ھ یا اس کے بعد کا ہے، اس وجہ سے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ ۷ھ میں ایمان لائے ہیں۔ حضرت ذوالیدین حضرت معاویہؓ کے دورِ حکومت تک زندہ رہے، ذوالشمالین کا نام عمیر بن عبد عمرو ہے، اور ان کا تعلق قبیلہ بنی خزاعہ سے ہے، جب کہ ذوالیدین کا نام خرباق بن عمرو ہے اور ان کا تعلق بنو سلیم سے ہے۔

جواب: ذوالشمالین اور ذوالیدین دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں، ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ذوالیدین ویقال ذوالشمالین. (طبقات ابن سعد ص نمبر ۱۶۷، ج نمبر ۳) نسائی شریف ص نمبر ۱۸۳/۱۸۱، جلد نمبر ۱) میں حدیث ہے "نسي رسول الله صلى الله عليه وسلم في سجدتين فقال له ذوالشمالين أقصرت الصلاة ام نسيت يا رسول الله قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اصدق ذواليدين قالوا نعم فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتم الصلاة" نسائی کی اس حدیث سے خوب اچھی طرح معلوم ہوا کہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں، پہلے ان کو ذوالشمالین کہا جاتا تھا، لیکن اس میں ایک قسم کی بدفالی تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے اس کو بدل کر ذوالیدین کر دیا، ان کا نام عمیر بن عبد عمرو تھا اور لقب خرباق تھا، لہٰذا کبھی نام سے کبھی لقب سے پکارے جاتے تھے اور بنو سلیم بنو خزاعہ کی ایک شاخ تھی، لہٰذا کبھی سلیمی کبھی خزاعی کہے جاتے تھے، ان وجوہات سے لوگ اُن کو دو شخص سمجھے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے یہ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں، اور جہاں تک کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کا اس

حدیث کو روایت کرتا ہے تو انہوں نے کسی سے سن کر حدیث روایت کی ہوگی اور اس کی بکثرت مثالیں ہیں کہ صحابی نے جن سے روایت سنی اُن کا نام ذکر نہیں کیا اور اس سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر بھی نہیں پڑتا، کیوں صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں۔

اشکال: اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "صلی بنا" اس طرح ایک اور روایت میں "صلی لنا" کے الفاظ ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نماز میں شریک تھے، اور جب ابوہریرہؓ نماز میں شریک تھے تو یہ ثابت ہوگیا کہ یہ واقعہ ۷ ھ یا اس کے بعد کا ہے، لہٰذا اس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے منسوخ قرار دینا درست نہیں ہوگا۔

جواب: "صلی لنا" یا "صلی بنا" سے مراد "صلی المسلمین" ہے اور اس کی مثالیں کلام عرب میں بکثرت ہیں، امام طحاویؒ نے "باب الکلام فی الصلاۃ" میں اس کی بہت عمدہ وضاحت فرمائی ہے، حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں "قدم علینا معاذ بن جبل" آپ ﷺ نے معاذ بن جبل کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجا ہے، اس وقت حضرت طاؤسؒ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، لہٰذا اُن کے کلام کا مقصد "قدم علی قومنا" ہوگا، اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کا مقصد "صلی المسلمین" ہے۔

اشکال: جس طرح روزے میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، تو بھول کر نماز میں بات چیت کرنے سے نماز کیوں فاسد ہوتی ہے، اب اگر آپ نماز کو فاسد قرار دیتے ہیں، تو روزہ کو کیوں نہیں فاسد قرار دیتے ہیں۔؟

جواب: نماز کو روزہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ بھول کر روزہ کی حالت میں کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اس پر صریح نص موجود ہے، جبکہ بھول کر نماز میں بات چیت سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اس پر صریح نص موجود نہیں ہے، پھر روزہ دار بھول کر کوئی چیز کھا رہا ہے، تو اس کو یاد دلانے والی کوئی چیز موجود نہیں ہے، جبکہ نماز کی ہیئت یہ مذکر کی حیثیت رکھتی ہے، اسی کے ساتھ روزہ میں قلت اور کثرت کا اعتبار نہیں ہے، یعنی بھول کر تھوڑا کھایا یا زیادہ کھایا، دونوں صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا، جب کہ نماز میں شوافع کلام قلیل ناسیًا کو معاف قرار دیتے ہیں، کثیر کو معاف قرار نہیں دیتے، لہٰذا ایسی صورت میں نماز کو روزہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے: وسالوہ۔

حضرت ابن سیرینؒ نے جب لوگوں سے یہ حدیث بیان کی تو بہت سے لوگوں نے یہ سوال کیا کہ حضور ﷺ نے سجدہ کے بعد سلام کیا، یا نہیں؟ یعنی سجدۂ سہو سے پہلے سلام ہوگا یا بعد میں؟ حضرت ابن سیرینؒ نے عمران بن حصینؓ کے حوالے سے یہ بات بتائی کہ حضور ﷺ نے سلام پھیرا، یعنی حضور ﷺ نے پہلے سلام پھیرا، پھر سہو کے دو سجدے کئے، اس کے بعد نماز سے فراغت کا سلام پھیرا۔ اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۵۰ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۹۵۳ ﴿سلام سے پہلے سجدۂ سہو کا ثبوت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۱۸

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمِ الظُّهْرَ فَقَامَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلَاةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهٗ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۱۱۵/۴۱۴، ج نمبر ۱، من لم یری التشهد الاول واجبًا، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۸۲۹، کتاب السهو حدیث نمبر ۸۲۹، و ۱۲۲۴، مسلم، ص نمبر ۲۱۱، باب السهو فی الصلاة والسجود له، کتاب المساجد حدیث نمبر ۵۷۰۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن بحینہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ظہر کی نماز پڑھائی، تو پہلی دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوگئے۔ اور قعدہ میں بیٹھے نہیں، لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نماز پوری کر چکے، اور لوگ آپ ﷺ کے سلام پھیرنے کے انتظار میں تھے کہ آپ ﷺ نے بیٹھے بیٹھے ہی تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے،

اس کے بعد سلام پھیرا۔(بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قعدۂ اولیٰ واجب ہے فرض نہیں ہے۔اس بنا پر آپ ﷺ نے قعدۂ اولیٰ کے چھوڑنے پر سجدۂ سہو فرمایا، اگر فرض ہوتا تو اس کے بغیر نماز نہ ہوتی، یہاں بھی معلوم ہوئی کہ اگر ایک نماز میں ایک سے زائد واجبات چھوٹ جائیں تو سجدۂ سہو متعدد نہ ہوں گے، حدیث باب میں دو واجبات چھوٹے ہیں۔(۱) قعدۂ اولیٰ۔(۲) تشہد کا پڑھنا، دو واجبات چھوٹنے کے بعد بھی آپ ﷺ نے سجدہ متعدد نہ کئے۔حدیث باب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کئے، حالاں کہ مذہب حنفیہ میں سجدہ سہو سلام کے بعد ہے تو یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے اس مسئلہ سے متعلق کچھ تفصیل تشریح کلمات کے تحت دیکھیں۔مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۵۰ ملاحظہ فرمائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فسجد سجدتین قبل ان یسلم حضور ﷺ نے سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے پہلے کیا، شوافع اسی حدیث سے استدلال کر کے کہتے ہیں سجدۂ سہو کے بعد سلام پھیرا جائے گا، سجدۂ سہو کے بعد تشہد اور درود وغیرہ پڑھنے کے بعد نماز سے فراغت کے لئے سلام پھیرا جائے، اس مسئلہ کی وضاحت حدیث نمبر ۹۵۰ کے تحت تفصیل سے ہو چکی ہے، وہاں دیکھ لیا جائے، یہاں صرف حدیث باب کا جواب نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حدیث باب کا جواب: (۱) حدیثِ باب بیان جواز پر محمول ہے۔(۲) اس میں قبل السلام سے مراد وہ سلام ہے جو سجدۂ سہو کے بعد تشہد کے آخر میں کیا جاتا ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۹۵۴ ﴿سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۱۹

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

حواله ترمذی، ص نمبر ۹۰، ج نمبر ۱، باب ماجاء فی التشهد فی سجدتی السهو، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۳۹۵

ترجمه: حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، آپ ﷺ کو سہو ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ نے دو سجدے کئے پھر التحیات پڑھی پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا، ترمذی نے اس روایت کو نقل کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں اگر کوئی ایسی بات پیش آجائے، جس کی تلافی سجدۂ سہو سے ممکن ہو، تو تشہد پڑھنے کے بعد دو عدد سجدۂ سہو کئے جائیں، پھر تشہد پڑھنے کے بعد سلام پھیرا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلی بهم فسها فسجد. جمہور کے نزدیک سجدۂ سہو کے بعد بھی تشہد پڑھنا چاہئے، چنانچہ یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے، اسلئے کہ اسمیں اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ ﷺ نے سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھا بعض لوگ مثلاً علامہ ابن سیرین وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ سجدہ کے بعد تشہد نہیں پڑھا جائے گا، اب یہ بات رہ گئی کہ درود اور دعاء وغیرہ کب پڑھی جائے سجدۂ سہو سے پہلے یا بعد میں، احناف کے یہاں دو طرح کے اقوال ہیں، لیکن احتیاط اس میں ہے کہ سجدۂ سہو سے پہلے بھی دعاء و درود پڑھا جائے، اور سجدۂ سہو کے بعد بھی پڑھا جائے۔

حدیث نمبر ۹۵۵ ﴿قعدۂ اولیٰ بھولنے کا تذکرہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۲۰

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ الْاِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَاِنْ ذَكَرَ قَبْلَ اَنْ يَسْتَوِيَ

قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَإِنْ اِسْتَوىٰ قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابودواؤد، ص نمبر ۱۴۸، ج نمبر ۱، باب من نسی ان یتشھدوھو جالس، کتاب الصّلوٰۃ، حدیث نمبر ۱۰۳۶ ابن ماجہ، ص نمبر ۸۴، باب ماجاء فی من قام من اثنتین ساھیاً، ابواب السھو فی الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۲۸.

ترجمہ: حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب امام دو رکعت پڑھکر کھڑا ہونے لگے، تو اگر پورے طور پر کھڑے ہونے سے پہلے یاد آجائے، تو اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے اور اگر پورے طور پر کھڑا ہوگیا تو اب نہ بیٹھے اور اس کو چاہئے کہ دو عدد سجدۂ سہو کرے" ابو داؤد، ابن ماجہ.

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ بھول گیا، اور تیسری رکعت کے ارادہ سے کھڑا ہونے لگا، تو اب اگر پورے طور پر کھڑا نہیں ہوا ہے، تو واپس لوٹ آئے، یعنی قعدۂ اولیٰ میں بیٹھ جائے، اور اگر کھڑا ہوگیا ہے، تو اب نہ لوٹے، کیوں کہ قیام فرض ہے اور قعدۂ اولیٰ واجب ہے، فرض سے واجب کی طرف نہ لوٹے، البتہ قعدۂ اولیٰ یعنی واجب کے چھوٹنے کی بنا پر دو عدد سجدۂ سہو کرے۔

کلمات حدیث کی تشریح فان ذکر قبل أن یستوی قائماً فلیجلس حنفیہ کے یہاں جو بات مشہور ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر کھڑا ہو رہا ہے، تو اگر اقرب إلی القعود ہے تو بیٹھ جائے اور اگر اقرب الی القیام ہے تو کھڑا ہو جائے، اور اقرب الی القعود یعنی بیٹھنے کے قریب وہ ہیئت ہے جس میں بدن کے نیچے کا حصہ سیدھا نہ ہوا ہو یعنی گھٹنوں کو اٹھایا نہ ہو، اور اگر گھٹنے اٹھ گئے یعنی وہ کھل گئے تو اب اس کو اقرب الی القیام کہیں گے، ایسی صورت میں بیٹھا نہیں جائے گا، بلکہ کھڑا ہوا جائے گا۔ لیکن حنفیہ کے یہاں ظاہر الروایۃ وہ ہے جو صورت حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ ابن ہمام نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہی صحیح تر قول ہے۔ یہی حدیث سے مؤید ہے، لہٰذا اس کے مطابق عمل ہونا چاہئے۔ صاحب مرقات "قبل أن یستوی قائماً" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "سواء یکون إلی القیام" یعنی اگر قعدہ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو رہا ہے، تو جب تک بالکل سیدھا نہ کھڑا ہو جائے وہ قعدہ اولیٰ میں بیٹھ جائے، خواہ وہ کھڑے ہوتے وقت قیام سے قریب ہو یا قعود سے قریب ہو، بہر صورت بیٹھ جائے، کیوں کہ قیام کے قریب ہونا مکمل طور پر کھڑا ہونا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص سیدھا کھڑے ہونے کے بعد بیٹھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۹۵۶ ﴿تین رکعت پر سلام پھیرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۲۱

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِي ثَلَاثِ رَكْعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهُ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ فِي يَدَيْهِ طُوْلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَكَرَ لَهُ صَنِيعَهُ فَخَرَجَ غَضْبَانَ يَجُرُّ رِدَائَهُ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَى النَّاسِ فَقَالَ صَدَقَ قَالُوْا نَعَمْ فَصَلّٰى رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۱۴، ج نمبر ۱، باب السھو فی الصلاۃ والسجود لہ، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۵۷۴.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعات پر سلام پھیر دیا، پھر اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے، ایک شخص جن کو "خرباق" کہا جاتا تھا اور جن کے ہاتھ کچھ لمبے تھے۔ حضور ﷺ کے پاس جا کر بولے اے اللہ کے رسول! اور پھر انہوں نے حضور ﷺ کے عمل کو حضور ﷺ کو یاد دلایا، آپ ﷺ غصہ سے چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ شخص سچ کہہ رہا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں، تو آپ ﷺ نے ایک رکعت نماز پڑھائی، پھر سلام

پھیرا، پھر دو سجدے کئے، پھر سلام پھیرا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دو باتیں خاص طور سے مذکور ہیں (۱) حضور ﷺ سے سہو ہو گیا، آپ ﷺ نے چار رکعت کے بجائے تین رکعات پڑھائیں، پھر آپ ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے ظاہری بات ہے چلنا قبلہ کی طرف سے چہرے اور سینہ کا ہٹنا، یہ سب عمل نماز کے منافی تھے۔ (۲) آپ ﷺ نے صحابہؓ سے تکلم فرمایا، اس کے بعد اسی نماز پر بناء کرتے ہوئے مزید ایک رکعت اور پڑھا کر سجدہ فرمایا، حنفیہ کہتے ہیں کہ جس طرح کلام فی الصلاۃ کی پہلے اجازت تھی، اسی طرح پہلے نماز کے دوران مذکورہ اعمال کا جواز تھا، لیکن یہ سب کچھ بعد میں منسوخ ہو گیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلی العصرفی ثلاث رکعات گزشتہ اوراق میں ایک حدیث گذری ہے حدیث نمبر ۹۵۲ اس میں بھی اس قسم کا مضمون ہے، لیکن چند باتوں میں وہ حدیث سے مختلف ہے، مثلاً اُس حدیث میں ظہر یا عصر میں سے کوئی ایک نماز بلاتعیین مذکور ہے اور یہاں عصر کی صراحت ہے، نیز وہاں دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرنا مذکور ہے اور یہاں تین رکعتوں پر سلام پھیرنا مذکور ہے۔ ان وجوہات سے محدثین کہتے ہیں کہ دونوں احادیث میں دو الگ الگ واقعوں کا ذکر ہے، البتہ یہ اتفاق ہے کہ دونوں معاملوں میں مسائل ایک ہی شخص حضرت ذوالیدین کے ہیں۔ مزید تحقیق حدیث نمبر ۹۵۲ کے تحت ملاحظہ ہو۔

حدیث نمبر ۹۵۷ ﴿شک دور کرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۲۲

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى صَلَاةً يَشُكُّ فِي النُّقْصَانِ فَلْيُصَلِّ حَتّٰى يَشُكَّ فِي الزِّيَادَةِ رَوَاهُ أَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر ۱۹۵، ج نمبر ۱۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو نماز میں کمی کے حوالے سے شک ہو جائے تو وہ اتنی نماز پڑھے کہ زیادتی کے حوالے سے شک ہو جائے۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اگر کسی کو تعداد رکعات کے حوالے سے شک ہو جائے کہ تین پڑھی یا چار پڑھی؟ تو تین کا اعتبار کر کے ایک اور پڑھ لے، تو اب یہ احتمال رہے گا کہ چار پڑھی یا پانچ، تو اب اضافہ میں شک ہوگا۔ کمی میں شک نہیں رہے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح من صلی صلاۃ. امام شافعیؒ حدیث باب اور اس کے مثل احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تعداد رکعات میں شک کی صورت میں اقل عدد متعین ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ بعض دیگر احادیث میں تحری کا حکم بھی مذکور ہے، لہٰذا دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق پیدا کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ جب تحری سے کوئی ایک صورت راجح نہ ہو تب اقل عدد متعین ہوگا۔ اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۴۹ دیکھیں۔

باب سجود القرآن

﴿قرآن کے سجدوں کا بیان﴾

سجود القرآن سے مراد سجدۂ تلاوت ہے، تلاوت کے معنی پڑھنے کے ہیں، قرآن شریف میں بعض مقام ایسے ہیں جن کو پڑھنے یا کسی کو پڑھتے ہوئے سننے سے سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

سجدۂ تلاوت کی حکمت: آنحضرت ﷺ نے یہ طریقہ جاری کیا ہے کہ جب کوئی شخص ایسی آیت پڑھے جس میں سجدہ کرنے

کا حکم دیا گیا ہے، یا سجدہ کرنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے یا سجدہ کرنے سے انکار کرنے والے کے لئے سزا بیان کی گئی ہے، تو پروردگار کے کلام کی تعظیم بجالاتے ہوئے اور خیر کے کام کی طرف سبقت کرتے ہوئے سجدہ کرے۔

سجدوں کی آیت میں پانچ طرح کے مضامین ہیں:

(۱) انسانوں کو ملائکہ کا حال سنایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اطاعت شعار بندے ہیں، بندگی سے تکبر نہیں کرتے۔ ہر وقت پاکی بیان کرتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں پروردگار سے ڈرتے ہیں اور جو بھی حکم دیا جاتا ہے بجالاتے ہیں۔ (سورۃ الاعراف: ۲۰۶ اور سورۃ النحل: ۵۰)

(۲) آسمان وزمین کا ذرّہ ذرّہ خدا کے سامنے سجدہ ریز ہے، مگر بہت سے انسان انکار کرتے ہیں، اس لئے ان پر عذاب ثابت ہوگیا۔ (الرعد، الحج)

(۳) انبیاء اور مؤمنین خدا کو سجدہ کرتے ہیں، روتے ہیں اور اللہ کی آیتیں سن کر ان کا خشوع بڑھ جاتا ہے۔

(بنی اسرئیل: ۱۰۹، مریم: ۵۸، السجدہ: ۱۵)

(۴) کفار سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ (الفرقان: ۶۰، الانشقاق: ۲۱)

(۵) سجدہ صرف اللہ کو کرو اور سجدہ کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کرو۔ (النمل: ۲۶، حم السجدہ: ۳۸، النجم: ۶۲، العلق: : ۱۹)

اور سورہ ص میں داؤد علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر ہے، جب وہ سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انکی لغزش بخش دی۔ سورۃ الحج آیت نمبر ۷۷ میں مؤمنین سے خطاب ہے کہ رکوع اور سجدہ کیا کرو، اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو، تاکہ فلاح پاؤ۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ البالغہ جلد سوم)

سجدۂ تلاوت حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک سجود تلاوت کی تعداد چودہ ہے، بعض لوگوں کے نزدیک پندرہ ہے۔

جن کے نزدیک چودہ ہیں ان میں تعین کے حوالے سے اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک سورہ ص میں سجدہ ہے اور سورہ حج میں ایک سجدہ ہے، شوافع کے نزدیک سورہ ص میں سجدہ نہیں ہے، بلکہ سورہ حج میں دو سجدے ہیں۔ یہ مباحث تفصیل کے ساتھ آئندہ سطور میں دلائل کے ساتھ مذکور ہیں۔

سجدۂ تلاوت سے متعلق بعض اہم مسائل

اگر کسی ایسے شخص نے جو نماز سے خارج ہے آیت سجدۂ تلاوت کیا، تو نماز پڑھنے والے سامع پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدۂ تلاوت کرے، اور اگر نماز کے اندر ہی سجدۂ تلاوت کرلیا، تو نماز واجب الاعادہ ہے، اور سجدۂ تلاوت بھی ادا نہ ہوا، بعد میں پھر سجدہ کرنا پڑے گا۔ نمازی نے آیت سجدہ تلاوت جہراً کی، نماز سے خارج ایک شخص نے آیت سجدہ سنی تو اس کے لئے بھی سجدہ کرنا واجب ہے۔

جنبی نے آیت سجدہ پڑھی یا سنی تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، حائض، مجنون اور نابالغ پر واجب نہیں ہے، خواہ خود پڑھیں یا کسی سے سنیں، جنبی، حائضہ اور صبی ممیز سے آیت سجدہ سننے والے پر سجدہ واجب ہے، مجنون اور صبی غیر ممیز سے سننے پر واجب نہیں، آیت سجدہ پوری پڑھنے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، اگر کسی نے آیت کا بعض حصہ پڑھا تو سجدہ واجب نہ ہوگا، اسی طرح پوری آیت مسلسل پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے، اگر کسی نے حروف الگ الگ کر کے یعنی تہجی کے طور پر پڑھا تو سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔ آیت سجدہ کا لفظی ترجمہ کرنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے، آیت سجدہ کی تفسیر سے سجدہ واجب نہیں ہوتا، آیت سجدہ لکھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا، ایک

ہی مجلس میں ایک آیت بار بار پڑھنے اور سننے سے صرف ایک ہی سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، ٹیپ ریکارڈ سے آیت سجدہ سننے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، اسی طرح ٹی وی اور ریڈیو پر اگر براہِ راست پروگرام میں قاری صاحب آیتِ سجدہ تلاوت کررہے ہیں تو سامع پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، اور اگر پروگرام ریکارڈ کر کے ٹیپ سنایا جارہا ہے تب سجدہ واجب نہیں ہے، (ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر۹۵۸ ﴿سورۂ نجم میں سجدہ کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر۱۰۲۳

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۱۴۶، ج نمبر ۱، باب سجود المسلمین مع المشرکین، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۰۷۱

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا، آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جناتوں، اور تمام لوگوں نے سجدہ کیا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے تو سجدہ آپ ﷺ کی اتباع کی بناپر کیا، لیکن مشرکوں کا سجدہ کرنا اس بناپر تھا کہ اُن پر ہیبت طاری ہوگئی، جس کی بناپر وہ بھی سجدہ ریز ہوگئے، یعنی ان کے قلب پر حق بایں طور غالب آگیا کہ فرماں برداری کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا، چنانچہ وہ سجدہ میں چلے گئے۔

کلمات حدیث کی تشریح بالنجم. صاحب مرقات کہتے ہیں کہ اس سے مراد سورۂ نجم کی آیتِ سجدہ ہے، یعنی جب سورۂ نجم کی آیت سجدہ آپ ﷺ نے تلاوت کی تو سجدہ میں چلے گئے: وسجدہ معه المسلمون. تعمیم کے بعد تخصیص ہے، یہ سجدہ کا واقعہ مکہ میں مسجد حرام کے اندر ہوا۔

سوال: مسلمانوں نے آپ ﷺ کی اتباع میں سجدہ کیا، لیکن خود آپ ﷺ نے سجدہ کیوں کیا؟

جواب: سورۂ نجم کے شروع میں آپ ﷺ کے اوصاف اور قرب الٰہی وغیرہ کا ذکر ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے بطورِ شکریہ کے سجدہ کیا۔

سوال: مشرکین نے آپ کے ساتھ سجدہ کیوں کیا؟

جواب: اس کی ایک وجہ تو خلاصۂ حدیث کے تحت نقل کی گئی ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کے رائے حاشیہ بذل میں تحریر ہے کہ یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے، جب سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے تھے۔ بعد میں رؤسائے قریش کے بھڑ کانے سے مشرکین نے سجدہ کرنا بند کردیا تھا۔ دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر جن مشرکین نے سجدہ کیا بعد میں اُن کو ایمان کی توفیق مل گئی۔ مشرکین کے سجدہ کرنے کے حوالے سے شروحات میں ایک من گھڑت واقعہ نقل کیا جاتا ہے، پھر اس کی بھرپور انداز میں تردید کی جاتی ہے فضول واقعہ ذکر کرنا پھر تردید کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے میں اس کو ترک کررہا ہوں، مرقات بذل جلالین وغیرہ میں واقعہ مذکور ہے دیکھا جاسکتا ہے۔

سجدۂ تلاوت واجب ہے یا مسنون؟

امام صاحب کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

دلیل: حنفیہ کی دلیل ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ آیات سجدہ تین طرح کے ہوتے ہیں (۱) وہ آیات جن میں سجدہ کا حکم ہے، "مثلاً" وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ. امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ (۲) وہ آیات جن میں کفار

کے سجدہ کرنے سے انکار کا تذکرہ ہے "مثلاً" وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْراً. کفار کی مخالفت واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا. لہٰذا اس صورت میں بھی سجدۂ تلاوت کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ (۳) بعض وہ آیات ہیں جن میں انبیاء کرامؑ کے سجدہ کا تذکرہ ہے "مثلاً" وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ. انبیاء کرامؑ کی اقتداء بھی واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ. اس سے بخوبی معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب ہے۔ (مع حذف و اضافه فتح القدير)

اشکال: جب آیت سجدہ میں سجدہ کا حکم ہے، تو سجدۂ تلاوت کو واجب کیوں قرار دیتے ہیں، فرض کیوں نہیں قرار دیتے؟

جواب: مذکورہ آیات کی دلالت سجدہ کے وجوب پر قطعی نہیں ہے، بلکہ ظنی ہے، اس لئے وجوب کے قائل ہیں، فرضیت کے لئے دلیل قطعی ضروری ہے، یعنی ثبوت اور دلالت دونوں اعتبار سے جو نص قطعی ہوگی، اس سے فرضیت ثابت ہوگی، ورنہ فرضیت ثابت نہ ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت مسنون ہے۔

دلیل: ترمذی میں حضرت زید بن ثابت کی حدیث ہے "قَرَأْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "النَّجْم" فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا"

جواب: یہاں فوری طور پر سجدہ کی نفی ہے، یعنی آپ ﷺ نے فوری طور پر سجدہ نہیں کیا، بالکلیہ سجدہ کی نفی نہیں ہے، اور فوری طور پر سجدہ حنفیہ کے نزدیک بھی واجب نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۹۵۹ ﴿سورۂ انشقاق میں سجدہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۲۴

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۱۵، ج نمبر ۱، باب سجود التلاوة، كتاب المساجد، حديث نمبر ۵۷۸

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ "اذا السماء انشقت" اور "اقرأ باسم ربك" میں سجدہ کیا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے سورۂ انشقاق تلاوت فرمائی، اور اس میں "لا یسجدون" پر پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا، آپ ﷺ کیساتھ حضرات صحابہؓ نے بھی سجدہ کیا، اسی طرح سورۂ علق کی آپ ﷺ نے تلاوت کی اور جب سورت مکمل ہوئی، تو آپ ﷺ نے نیز صحابہؓ نے سجدہ تلاوت فرمایا۔

کلمات حدیث کی تشریح سجدنا مع النبی صلی اللہ. حدیث کے اس جز سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مفصل کی سورتوں میں بھی سجدۂ تلاوت ہے، سورۂ حجرات سے لے کر سورۃ الناس تک مفصل سورتیں ہیں اور ان میں تین درجے ہیں، جن کی گذشتہ صفحات میں وضاحت ہو چکی ہے۔

مفصل میں سجدۂ تلاوت اور اختلاف ائمہ

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک مفصل کی سورتوں میں سجدۂ تلاوت ہے۔

دلیل: پہلی دلیل تو حدیث باب ہی ہے، اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے مفصل کی سورتوں میں سجدۂ تلاوت کیا ہے، اس کے علاوہ گذشتہ حدیث میں سورۂ نجم بھی مفصل کی سورتوں میں سے ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مفصل کی سورتوں میں سجدہ نہیں ہے۔

دلیل: آگے حدیث آرہی ہے کہ عن زيد بن ثابتؓ قال قرأت على رسول الله صلى الله عليه وسلم "النجم" فلم

یسجد فیھا" سورۂ نجم میں سجدہ نہیں کیا، معلوم ہوا مفصل میں سجدہ نہیں ہے۔
جواب: سجدۂ علی الفور کی نفی ہے یا پھر وضوء نہ ہوگا، اس لئے سجدہ نہیں کیا، یا پھر وقت مکروہ میں تلاوت کی ہوگی، اس لئے سجدہ نہیں کیا۔
اس کے علاوہ بھی بعض دلائل امام مالکؒ کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں، جن احادیث کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے وہ اس باب کے تحت آگے آرہی ہے۔ لہٰذا ان کا جواب بھی اس موقع پر ذکر کیا جائے گا۔

حدیث نمبر ۹۶۰ ﴿سجدۂ تلاوت کا وجوب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۲۵

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۴۶، ج نمبر ۱، باب ازدحام الناس إذا قرأ الامام السجدة، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۰۷۶، مسلم، ص نمبر ۲۱۵، ج نمبر ۱، باب سجود التلاوة، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۵۷۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ آیت سجدہ کی تلاوت کرتے اور ہم لوگ آپ ﷺ کے پاس ہوتے، پھر آپ سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے، اس وقت اتنی بھیڑ ہوتی کہ ہم میں کوئی اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ نہ پاتا کہ اس پر سجدہ کرے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں ہیں۔ (۱) صحابہ کرامؓ کو حضور ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی بڑی خواہش ہوتی تھی،، سی وجہ سے اتنا ازدحام ہوجاتا کہ جگہ سجدہ کیلئے تنگ پڑ جاتی (۲) سجدۂ تلاوت واجب ہے، اگر واجب نہ ہوتا تو صحابہ کرامؓ اس قدر اہتمام نہ فرماتے۔ (۳) قاری وسامع سب پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ (۴) ازدحام؛ بھیڑ کی وجہ سے سجدہ چھوڑ نہ دینا چاہئے، سجدۂ تلاوت ضرور کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح یقرأ السجدة ونحن عنده حضور ﷺ اپنی مجلس میں کسی آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد سجدہ کرتے، تو صحابہ کرامؓ بھی سجدہ ریز ہوجاتے، سجدہ کرنے والوں کی اتنی بھیڑ ہوتی کہ جگہ تنگ پڑ جاتی اور سب لوگ زمین پر سجدہ نہ کرپاتے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بھیڑ کی وجہ سے زمین پر سجدہ ممکن نہ ہو تو غیر زمین مثلاً ران وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز ہے، ایک روایت میں آپ ﷺ کیساتھ تمام صحابہ کرامؓ کے سجدہ کرنیکا یوں ذکر ہے کہ "حَتّٰى يَسْجُدَ الرَّجُلُ عَلٰى ظَهْرِ الرَّجُلِ". (طبرانی)

سوال: کیا سامع پر بھی سجدۂ تلاوت اسی طرح ہے جیسے قاری پر واجب ہے۔

جواب: امام ابوحنیفہؒ سامع کے لئے بھی مطلقاً سجدہ کو واجب قرار دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث باب سے سمجھ میں بھی آرہا ہے، لیکن امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک سامع کے سجدہ کیلئے تین شرائط ہیں۔ (۱) آیت سجدہ بالقصد سنی ہو۔ (۲) تلاوت کرنیوالا سجدہ کرے، اگر تلاوت کرنے والا سجدہ نہیں کر پارہا ہے تو سامع بھی نہیں کریگا۔ (۳) تلاوت کرنیوالا سامع کی امامت کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، اگر بچہ یا عورت تلاوت کرے تو بالغ مرد اگر سامع ہے تو وہ سجدۂ تلاوت نہیں کریگا، کیونکہ بچہ وعورت میں یہ اہلیت نہیں کہ وہ بالغ مرد کی امامت کریں۔

حدیث نمبر ۹۶۱ ﴿سورۂ نجم میں سجدہ نہ کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۲۶

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۴۶، ج نمبر ۱، باب من قرأ السجدة ولم یسجد، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۰۷۲، مسلم، ص نمبر ۲۱۵ ج نمبر ۱، باب سجود التلاوة، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۵۷۷۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۂ "نجم" پڑھی، آپ ﷺ نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

خلاصہ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سجدہ تلاوت فوری طور پر لازم نہیں ہوتا، یعنی آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد سجدہ تو لازم ہو گیا، لیکن فوری طور پر سجدہ کرنا لازم نہیں، اس وجہ سے حضرت زید بن ثابتؓ نے سجدہ نہیں کیا، اور آپ ﷺ نے بھی اسی بنا پر آیت سجدہ سننے کے باوجود سجدہ نہیں کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح فلم یسجد فیھا حدیث کے اس جز سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ نجم کی تلاوت سننے کے بعد آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا اور حضرت زید بن ثابتؓ نے آیت سجدہ کی تلاوت کے باوجود سجدہ نہیں کیا، حالاں کہ حدیث نمبر ۹۵۸ گذری اس میں صراحت ہے کہ سورۂ نجم پڑھنے کے بعد آپ ﷺ نے بھی سجدہ کیا، اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا، اس ظاہری تعارض کو دور کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں سجدہ نہ کرنا یا تو اس وجہ سے تھا کہ وضو نہیں تھا، یا پھر وقت مکروہ میں تلاوت کی تھی، یا پھر فوری سجدہ کی نفی ہے، اس مسئلہ سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۵۸ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۹۶۲ ﴿سورۂ صٓ میں سجدہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۲۸/۱۰۲۷

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَةُ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَاَسْجُدُ فِي صٓ فَقَرَأَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ حَتّٰى اَتٰى فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ اُمِرَ اَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری، ص: نمبر ۱۴۶، ج نمبر ۱، باب سجدۃ ص، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۰۶۹، باب واذکر عبدنا داؤد، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث نمبر ۳۴۲۱.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سورۂ "ص" کا سجدہ تاکیدی سجدوں میں سے نہیں ہے، اور میں نے نبی کریم ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مجاہد نے کہا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ کیا میں سورۂ "ص" میں سجدہ کروں؟ تو انہوں نے "ومن ذریته داؤد سلیمان" سے پڑھنا شروع کیا اور جب "فبھداھم اقتدہ" پر پہنچے تو فرمایا۔ تمہارے نبی ﷺ ان میں سے ہیں جن کو ان کی پیروی کا حکم ہوا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دو باتیں خاص طور پر مذکور ہیں۔ (۱) سورۂ ص کا سجدہ فرض نہیں ہے، بلکہ واجب ہے یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔ (۲) قرآن مجید میں آپ ﷺ کو انبیاء کرامؑ کی اتباع کا حکم ہے، اور سورۂ ص کا سجدہ حضرت داؤدؑ نے توبہ قبول ہونے کی بنا پر کیا تھا، آپ ﷺ نے بھی اس بات کے شکریہ میں کہ حضرت داؤد کی توبہ قبول ہوئی۔ اس موقعہ پر سجدہ کیا، لہٰذا ہم مسلمانوں کے لئے بھی لازم ہے کہ انبیاء سابقین اور خاص طور پر نبی امی ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے سورۂ ص کی تلاوت کرتے وقت اگر آیت سجدہ کی تلاوت کریں یا سنیں تو سجدۂ تلاوت کریں۔

کلمات حدیث کی تشریح لیس من عزائم السجود سورۂ ص کا سجدہ تاکیدی نہیں ہے، شوافع حدیث کے اس جز سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز کے اندر یہ سجدہ نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر خارج صلاۃ سورۂ ص کی آیت سجدۂ تلاوت کی گئی تو سجدہ کیا جائے گا۔ یعنی وہ اس سجدہ کو سجدۂ تلاوت نہیں بلکہ سجدہ شکر مانتے ہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سورۂ "ص" کا سجدہ بھی واجب ہے، دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے سجدہ کیا ہے، نیز آپ ﷺ کو انبیاء سابقین کی اتباع کا حکم ہے۔ اور یہ سجدہ حضرت

داؤدؑ نے بطور شکر یہ کیا تھا، لہٰذا آپؐ نے قرآن کریم کے اس حکم کی بنا پر سورۂ ص کا سجدہ کیا تھا، اور جہاں تک حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد کا تعلق ہے تو وہ اُن کی ذاتی رائے ہے، حضور ﷺ کے عمل کے ہوتے ہوئے اُن کی رائے حجت نہ ہوگی، نیز حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد کا مطلب ممکن ہے کہ یہ ہو کہ سورۂ ص کا سجدہ فرض نہیں ہے، یعنی حضرت ابن عباسؓ نے فرضیت کی نفی کی ہے۔ اور فرضیت کے ہم بھی قائل نہیں ہیں، ہم احناف سورۂ ص کے سجدہ کو واجب قرار دیتے ہیں۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۹۶۳ (تعداد سجود) عالمی حدیث نمبر ۱۰۲۹

عَنْ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ اَقْرَأَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِى الْقُرْاٰنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِى الْمُفَصَّلِ وَفِى سُوْرَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۱۹۹، ج نمبر، باب تفریع ابواب السجود، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۴۰۱ ابن ماجه، ص نمبر ۷۳، باب عدد سجود القرآن، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر ۱۰۵۷.

ترجمه: حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو قرآنِ کریم میں پندرہ سجدہ پڑھائے ہیں، اُن میں سے تین مفصل کی سورتوں میں ہیں۔ اور دو سجدہ سورۂ حج میں ہیں۔ (ابو داؤد، ابن ماجه)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اجمالی طور پر سجدۂ تلاوت کی تعداد بتائی گئی ہے، حدیث باب کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ تلاوت کی کل تعداد پندرہ ہے، لیکن امام مالکؒ دیگر دلائل کی بناء پر سجدۂ تلاوت کو گیارہ میں منحصر مانتے ہیں، امام شافعیؒ پندرہ کے قائل ہیں، لیکن سورۂ ''ص'' کے سجدہ کو گذشتہ حدیث کی بنا پر غیر تاکیدی قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اصلاً سجدۂ تلاوت چودہ ہیں سورۂ ''ص'' کا سجدہ درحقیقت سجدۂ شکر ہے، نماز کے اندر اگر یہ آیت تلاوت کی گئی تو سجدہ نہیں کیا جائے گا، خارج صلاۃ میں سجدہ مسنون ہے، لہٰذا اگر اس کو ملالیا جائے تو امام شافعیؒ کے نزدیک سجدوں کی تعداد پندرہ ہوتی ہے ورنہ چودہ ہے، حنفیہ چودہ کے قائل ہیں، حدیث باب میں سورۂ حج میں دو سجدوں کا ذکر ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ سورۂ حج میں جو دوسرا سجدہ ہے، وہ سجدۂ صلاتیہ ہے، سجدۂ تلاوت نہیں ہے، مزید تحقیق کلمات تشریح کے تحت دیکھیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح خمس عشرة سجدةً سجدہ تلاوت کل پندرہ ہیں، امام احمدؒ اس حدیث کے ظاہر پر مکمل طور پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت پندرہ ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) سورة الاعراف کے ختم پر ''ویسبحونه وله یسجدون'' (۲) سورة الرعد کی آیت نمبر ۱۵ پر ''بالغدو والاصال'' (۳) سورة ''النحل'' کی آیت نمبر ۵۰ پر ''ویفعلون مایؤمرون'' (۴) سورة الاسرا کی آیت نمبر ۱۰۹ پر ''ویزیدهم خشوعاً'' (۵) سورة مریم کی آیت نمبر ۵۸ پر ''خروا سجدا وبکیا'' (۶) سورۂ حج میں آیت نمبر ۱۸ پر ''ان الله یفعل ما یشاء'' (۷) سورة حج آیت نمبر ۷۷ پر ''لعلکم تفلحون'' (۸) سورة القرآن آیت نمبر ۶۰ پر ''وزادهم نفوراً'' (۹) سورة النمل آیت نمبر ۲۰۰ پر ''رب العرش العظیم'' (۱۰) سورة السجدة آیت نمبر ۱۵ پر ''وهم لا یستکبرون'' (۱۱) سورۂ صٓ آیت نمبر ۲۴ پر ''وخر راکعًا واناب'' (۱۲) سورۂ فصلت آیت نمبر ۳۸ پر ''وهم لا یسئمون'' (۱۳) سورة النجم کے ختم آیت نمبر ۶۲ پر ''فاسجدوا لِلّٰهِ واعبدوا'' (۱۴) سورة الانشقاق آیت نمبر ۲۱ پر ''واذا قرئ علیهم القرآن لا یسجدون'' (۱۵) سورة العلق کے ختم آیت نمبر ۱۹ پر ''واسجدو واقترب'' تو یہ کل پندرہ سجدہ ہو گئے امام احمدؒ ان پندرہوں کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے

نزدیک سجدۂ تلاوت چودہ ہیں، لیکن تفصیل میں کچھ فرق ہے۔ شوافع کہتے ہیں کہ سورۂ "ص" میں سجدہ تلاوت نہیں ہے، بلکہ وہ سجدۂ شکر ہے، حنفیہ سورۂ "ص" کے سجدہ کو سجدۂ تلاوت قرار دیتے ہیں۔ (اس مسئلہ سے متعلق تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۹۶۲ دیکھیں) البتہ سورہ حج کے دوسرے سجدہ کو سجدہ صلاتیہ کہتے ہیں، سجدہ تلاوت نہیں قرار دیتے ہیں۔ اس کیوجہ یہ ہے کہ وہاں رکوع کے ساتھ سجدہ کا ذکر ہے اور جہاں رکوع کے ساتھ سجدہ کا ذکر ہے، وہاں سجدہ سے سجدۂ صلاتیہ مراد ہوتا ہے۔ جیسے واسجدی وارکعی مع الراکعین.

ثلاث فی المفصل. تین سجدہ مفصل کی سورتوں میں ہیں۔ سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ الناس تک کی سورتیں مفصل کہلاتی ہیں، پھر ان کے تین درجے ہیں۔ (۱) طوال مفصل: سورۃ الحجرات سے لے کر سورۃ البروج تک۔ (۲) اوساط مفصل: سورۃ الطارق سے لے کر سورۃ القدر تک۔ (۳) قصار مفصل: سورۃ البینہ سے سورۃ الناس تک۔ جو سورتیں کہلاتی ہیں ان میں تین سجدے ہیں۔ جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔ (۱) سورۃ النجم میں۔ (۲) سورۃ الانشقاق میں۔ (۳) سورۃ العلق میں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مفصل کی سورتوں میں سجدہ نہیں ہے، ان کے نزدیک کل گیارہ سجدے ہیں۔ یہ حدیث امام مالک کے مذہب کے خلاف ہے، اس اختلاف کو مع دلائل دیکھنے کے لئے حدیث نمبر ۹۵۹ دیکھیں۔

وفی سورۃ الحج سجدتین. سورۂ حج میں دو سجدے ہیں، حدیث باب کا یہ جز بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے، کیوں کہ جیسا کہ گذرا حنفیہ کے نزدیک سورۂ حج میں صرف ایک سجدہ ہے۔

حدیث باب کا جواب: (۱) سورۂ حج کے دوسرے سجدہ سے سجدۂ تلاوت نہیں، بلکہ سجدۂ صلاۃ مراد ہے، یہ قرآن کریم کا اسلوب ہے کہ جہاں سجدۂ تلاوت ہوتا ہے، وہاں صرف رکوع یا سجدہ کا ذکر ہوتا ہے، اور جہاں دونوں جمع ہوں وہاں سجدۂ صلاۃ مراد ہوتا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے، یعنی دونوں جمع ہیں، ارشاد خداوندی ہے "یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا. الخ" لہٰذا حدیث باب کا یہ مطلب ہے کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں ایک سے مراد سجدۂ تلاوت اور دوسرے سے سجدۂ صلاۃ مراد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے خود ایک روایت منقول ہے جس میں صراحت ہے "فی الحج سجدۃ" ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "سُجُوْدُ الْحَجِّ، الْاَوَّلُ عَزِیْمَۃٌ وَالْاٰخِرُ تَعْلِیْمٌ" حاصل یہ نکلا کہ دوسرا سجدہ سجدۂ تلاوت نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے طحاوی دیکھیں۔

حدیث نمبر ۹۶٤ ﴿سورۂ حج میں دو سجدے ہیں﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳۰

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فُضِّلَتْ سُوْرَةُ الْحَجِّ بِاَنَّ فِيْهَاسَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلاَ يَقْرَأْهُمَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ. وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلاَ يَقْرَأْهَا كَمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۱۹۹، ج نمبر ۱، باب تفریع ابواب السجود، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱٤۰۲ ترمذی، ص نمبر ۱۲۸، ج نمبر ۱، باب ماجاء فی السجدۃ فی الحج، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۵۷۸، بغوی فی شرح السنۃ، باب السجدۃ فی الحج، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۷٦۵.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! سورۂ حج کو اس وجہ سے فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اور جو شخص ان دونوں سجدوں کو نہ کرے وہ ان کو نہ پڑھے، ابوداؤد، ترمذی، ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے، اور مصابیح میں "فلا یقرأھا" ہے جیسے کہ شرح السنہ میں ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ حج میں دو سجدہ ہیں، امام صاحبؒ کے نزدیک پہلا سجدہ تلاوت ہے، جبکہ دوسرا سجدۂ صلاتیہ ہے۔ تحقیق گذشتہ حدیث میں دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فلا یقرأھما یعنی جس شخص کا سجدہ کرنے کا ارادہ نہ ہو، اس کیلئے بہتر ہے کہ وہ آیات سجدہ کی تلاوت یا پھر سورت ہی کی تلاوت نہ کرے، اس وجہ سے کہ تلاوت مستحب ہے، اور سجدہ حنفیہ کے نزدیک واجب اور شوافع کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ لہٰذا جو مستحب ترک واجب یا ترک سنتِ مؤکدہ کا سبب بنے اس کا نہ ہی کرنا بہتر ہے یہ حدیث بظاہر حنفیہ کے خلاف ہے کیوں کہ اس سے سورہ حج میں دو سجدے معلوم ہوتے ہیں۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک سورۃ حج میں سجدۂ تلاوت فقط ایک عدد ہے اس کا ایک جواب تو گذر چکا ہے خلاصۂ حدیث کے تحت دوسرے جواب کے طور پر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس وجہ سے کہ اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہیں۔

حدیث نمبر ۹۶۵ ﴿حضور کے سجدۂ تلاوت کرنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳۱

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِی صَلَاۃِ الظُّھْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَکَعَ فَرَأَوْا اَنَّہٗ قَرَأَ تَنْزِیْلَ السَّجْدَۃِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۱۱۷، ج نمبر ۱، باب قدر القرأۃ فی صلاۃ الظهر والعصر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۸۰۷

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدۂ تلاوت کیا، پھر کھڑے ہوئے، اور رکوع کیا، لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے "الم تنزیل السجدہ" کی تلاوت کی تھی۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ﷺ نے سجدۂ تلاوت کیا، اور اس کے بعد کھڑے ہو کر فوراً رکوع میں چلے گئے، مزید آگے نہیں پڑھا، ایسا کرنا جائز ہے، اسی جواز کو یہاں بیان کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ایسا کیا ورنہ بہتر یہی کہ سجدۂ تلاوت کے بعد مزید کچھ پڑھنے کے بعد رکوع کیا جائے، ظہر کی نماز تھی، لیکن صحابہ کرامؓ نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ نے سورۂ "الم تنزیل السجدۃ" پڑھی ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ کبھی کبھی حضور ﷺ ایک آدھ آیت سری نماز میں بھی جہراً پڑھ دیتے تھے، تاکہ صحابہ واقف ہو جائیں کہ کون سی سورت حضور ﷺ پڑھ رہے ہیں، ایسا کرنے کی وجہ ہی سے ہمیں علم ہوا کہ سری نمازوں میں کون سی سورتوں کی تلاوت افضل ہے۔؟ اور اس سلسلہ میں حضور ﷺ کا کیا معمول تھا؟

کلمات حدیث کی تشریح سجد فی صلاۃ الظھر ثم قام فرکع. ظہر کی نماز میں حضور ﷺ نے آیت سجدہ کی تلاوت کی، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے، اسکے بعد آپ ﷺ نے رکوع کیا، رکوع کرنے سے پہلے آپ ﷺ نے آیت سجدہ کے بعد مزید کچھ پڑھایا نہیں؟ اس کی صراحت نہیں ہے، البتہ ظاہری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مزید نہیں پڑھا، صاحب مرقات کہتے ہیں کہ مزید پڑھنا افضل ہے، لیکن آپ ﷺ کا نہ پڑھنا بیانِ جواز کے لئے تھا، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے کے معاً بعد سجدہ کرنا چاہئے اگر چہ رکوع کرنے کی بھی گنجائش ہے اور رکوع میں سجدہ کی نیت کیجا سکتی ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ سجدہ کیا جائے، فرأوا. سری نماز کے بعد حضور کی تلاوت کردہ سورت کا علم صحابہ کو کیسے ہوا؟ کبھی حضور ﷺ سے بے اختیار جہر جاری ہو جاتا تھا یا پھر صحابہ کی تعلیم کی خاطر ایک آدھ آیات جہری پڑھ لیا کرتے تھے۔ کما مر۔

حدیث نمبر ۹۶۶ ﴿سامع بھی سجدہ تلاوت کرے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳۲

وَعَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ عَلَیْنَا الْقُرْاٰنَ فَاِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَۃِ کَبَّرَ وَسَجَدَ وَسَجَدْنَا مَعَہٗ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۲۰۰، ج نمبر ۱،باب فی الرجل یسمع السجدۃ وھوراکب، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۴۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے قرآن پڑھتے ،تو جب آیت سجدہ سے گذرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے ،اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرتے ۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آیتِ سجدہ تلاوت کرنے والے کیلئے سجدہ کرنا ضروری ہے اسی طرح سجدہ تلاوت سننے والے کیلئے بھی واجب ہے آپ ﷺ نے آیتِ سجدہ تلاوت کرنے کے بعد سجدہ کیا، تو آپ ﷺ کے ساتھ صحابہؓ نے بھی سجدہ کیا۔

کلمات حدیث کی تشریح کبر وسجد تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جائے حدیث کے اس جز سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں جانے کے لئے صرف تکبیر کہی جائے گی، یہی امام صاحب کا مذہب ہے، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ پہلے تحریمہ کے لئے تکبیر کہے پھر سجدہ میں جانے کیلئے تکبیر کہے یعنی دو مرتبہ تکبیر کہے۔ وسجدنا معه. آیت سجدہ کے قاری کے لئے جس طرح سجدۂ تلاوت واجب ہے، اسی طرح سامع کے لئے بھی سجدۂ تلاوت واجب ہے، یہی امام صاحب کا مذہب ہے امام مالکؒ واحمدؒ سجود علی السامع کے لئے تین شرائط لگاتے ہیں۔ (۱) آیتِ سجدہ کو بالقصد سننا۔ (۲) آیت سجدہ تلاوت کرنے والا کا خود سجدہ کرنا۔ (۳) تلاوت کرنے والے کے اندر اس بات کی اہلیت کا پایا جانا کہ وہ سامع کی امامت کر سکے۔

حدیث نمبر ۹۶۷ ﴿سجدۂ تلاوت کا جواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳۳

وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ عَلَى الْاَرْضِ حَتّٰى اِنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلٰى يَدِهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۲۰۰، ج نمبر ۱،باب فی الرجل یسمع السجدۃ وھو الراکب، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۴۱۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال آیت سجدہ پڑھی، تو تمام لوگوں نے سجدہ کیا، ان میں کچھ سوار تھے، اور کچھ زمین پر سجدہ کرنے والے، جو لوگ سوار تھے انہوں نے اپنے ہاتھوں پر سجدہ کیا۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) صرف آیت سجدہ پڑھنا جائز ہے، اگر چہ مستحب یہ ہے کہ صرف آیت سجدہ نہ پڑھا جائے، بلکہ آگے پیچھے کی بھی چند آیات ملا لینا چاہئے۔ (۲) سجدۂ تلاوت قاری وسامع سب پر واجب ہے اگر واجب نہ ہوتا تو اتنے اہتمام سے سب لوگ سجدہ نہ کرتے۔ (۳) سوار کے لئے اور معذور کے لئے ہاتھ پر سجدہ کرنا درست ہے، اسی طرح بھیڑ بھاڑ میں ران یا کسی دوسرے حصہ پر بھی سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ بہتر یہی ہے کہ زمین پر سجدہ کیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح قرأ عام الفتح. آپ ﷺ نے ایسی سورت تلاوت کی جس میں آیت سجدہ تھی، یا صرف آیت سجدہ تلاوت کی، اگر صرف آیتِ سجدہ تلاوت کی تو آپ ﷺ کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا، کیوں کہ صرف آیت سجدہ پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ اس آیت کا پڑھنا افضل ہے: فسجد الناس کلھم سواری پر اشارہ سے سجدۂ تلاوت جائز ہے، لیکن اس وقت درست ہے جب آیت سجدہ سواری پر رہتے ہوئے پڑھی یا سنی ہو، اگر زمین پر آیت سجدہ کی تلاوت کی، یا زمین پر آیت سجدہ سنی، تو سواری پر سجدہ درست نہیں ہے، سوار کا ہاتھ پر سجدہ کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اشارہ سے سجدہ کیا، یعنی صرف تھوڑا

سا سر جھکا کر ہاتھ پر رکھدیا۔

حدیث نمبر ۹۶۸ ﴿مفصل سورتوں میں سجدہ نہ کرنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳۴

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَسْجُدْ فِی شَیْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۱۹۹، ج نمبر ۱، باب من لم یر السجود فی المفصل، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۴۰۳

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے مفصل کی کسی سورت میں سجدہ نہیں کیا۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد مفصل کی سورتوں، یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ ناس تک جو سورتیں ہیں، ان میں سے جن تین سورتوں یعنی سورۂ نجم، سورۂ انشقاق، اور سورۂ علق میں آیات سجدہ ہیں آپ ﷺ نے ان آیات کی تلاوت کے بعد سجدۂ تلاوت نہیں کیا، یہی امام مالکؒ کا مذہب ہے، جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح تحول إلی المدینۃ. ابن عباسؓ نے یہ بات کہ حضور ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد مفصل کی سورتوں میں سجدۂ تلاوت نہیں فرمایا، اس وجہ سے کہ خود ان کی روایت گذشتہ صفحات میں گذری (حدیث ۹۵۸) جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدۂ تلاوت کیا، اور آپ ﷺ کے ساتھ نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ ابن عباسؓ کی یہ روایت ان بہت سی روایات کے خلاف ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مفصل کی سورتوں میں سجدہ کیا ہے اور فنی اعتبار سے وہ روایات ابن عباسؓ کی روایت پر راجح ہیں، لہٰذا اُن ہی روایات کو ترجیح دی جائے گی، مزید تحقیق حدیث نمبر ۹۵۹ کے تحت دیکھیں۔

حدیث نمبر ۹۶۹ ﴿سجدہ تلاوت میں پڑھی جانیوالی تسبیح﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳۵

وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ بِاللَّیْلِ سَجَدَ وَجْھِیْ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ بِحَوْلِہٖ وَقُوَّتِہٖ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ. ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ.

حوالہ: ابوداؤد، ص: نمبر ۲۰۰، ج نمبر ۱، باب ما یقول اذا سجد، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۴۱۴، ترمذی، ص نمبر ۱۲۸، ج نمبر ۱، باب ما یقول فی سجود القرآن، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر ۵۸، نسائی، ص نمبر... ج نمبر ۱، باب نوع آخر من الدعا، کتاب التطبیق، حدیث نمبر ۱۱۲۸۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات میں قرآن کریم کے سجدہ کرتے تو یہ تسبیح پڑھتے "سجد وجھی، الخ" میرے چہرے نے اس ذات کا سجدہ کیا جس ذات نے اس کے کان اور آنکھیں اپنی قدرت وطاقت سے بنائیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کی راویہ چونکہ حضرت عائشہؓ ہیں، اور وہ آپ ﷺ کی گھریلو عبادات سے ہی واقف تھیں، اس لئے انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ آپ کو میں نے رات کے سجدے میں مذکورہ دعا پڑھتے دیکھا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ رات و دن کی کوئی قید نہیں ہے۔ سجدۂ تلاوت میں آپ ﷺ سے مذکورہ دعا پڑھنا ثابت ہے، اس کے علاوہ دعائیں بھی منقول ہیں، لہٰذا سجدہ میں منقولہ دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں، لیکن بہتر یہی ہے کہ "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھا جائے، کیوں کہ آپ ﷺ کا عام معمول

"سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھنے ہی کا تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح سجد وجھی الخ. حضرت عائشہؓ کے فرمان کے مطابق آپ رات میں سجدۂ تلاوت میں مذکورہ دعا پڑھتے تھے۔ محدثین لکھتے ہیں کہ فرض نماز میں تو بہتر یہی ہے کہ سجدہ میں "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھا جائے، نفل میں اختیار ہے کہ جو بھی منقولہ دعائیں جی چاہے پڑھی جائیں۔ اسی طرح خارج صلاۃ بھی حسب منشا منقولہ دعائیں پڑھی جائیں۔ ترمذی میں حدیث باب میں موجود دعا مذکور ہے اور اس سے پہلے ایک دعا اور ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور اس نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں نے سجدہ کیا، تو میرے سجدہ کرنے کی بنا پر درخت نے بھی سجدہ کیا، پھر میں نے سنا کہ درخت یہ دعا پڑھ رہا ہے: "اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْراً وَضَعْ عَنِّیْ بِهَا وِزْراً وَاجْعَلْهَا لِیْ عِنْدَكَ ذُخْراً وَتَقَبَّلْهَا مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ" ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے آیت سجدہ پڑھ کر سجدۂ تلاوت کیا اور اس میں وہی دعا پڑھی جو آدمی نے بتائی تھی کہ درخت نے پڑھی ہے، معلوم ہوا کہ مذکورہ دعا بھی سجدۂ تلاوت میں پڑھنا مسنون ہے۔ یہ دعا آگے حدیث میں آرہی ہے۔

حدیث نمبر ۹۷۰ ﴿سجدۂ تلاوت میں پڑھی جانے والی دعا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳۶

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُنِیْ اللَّيْلَةَ وَاَنَا نَائِمٌ كَاَنِّیْ اُصَلِّیْ خلفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُّ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُوْدِیْ فَسَمِعْتُهَا تَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِیْ بِهَا عِنْدَكَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّیْ بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِیْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَاَ النَّبِیُّ ﷺ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ فَسَمِعْتُهٗ وَهُوَ يَقُوْلُ مِثْلَ مَا اَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر ۱۲۸، ج نمبر ۱، باب ما یقول فی سجود القرآن، ابواب السفر، حدیث نمبر ۵۷۹، ابن ماجہ، ص نمبر ۷۳، باب سجود القرآن کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۰۵۳.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے رات میں سوتے ہوئے یہ دیکھا کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں، تو میں نے سجدہ کیا، میرے سجدہ کرنے کی وجہ سے درخت نے بھی سجدہ کیا، تو میں نے درخت کو سنا کہ وہ یہ دعا مانگ رہا ہے: "اللّٰھمّ اکتب، الخ" اے اللہ میرے لئے اس سجدہ کے ذریعہ اپنے پاس اجر لکھ لیجئے، اور اس کے ذریعہ سے گناہ مجھ سے ہٹا دیجئے، اور اس کو میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ بنا لیجئے اور اس کو میری طرف سے ایسے ہی قبول فرما لیجئے جیسے آپ ﷺ نے اپنے بندہ داؤد کی طرف سے سجدہ کو قبول کیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے آیت سجدہ پڑھی، پھر سجدہ کیا۔ تو میں نے آپ ﷺ کو وہی دعا پڑھتے سنا جو ان آدمی نے درخت سے سن کر حضور ﷺ کو بتائی تھی۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ابن ماجہ نے "وتقبلها منی کما تقبلتها من عبدك داؤد" کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں ایک دعا منقول ہے، سجدۂ تلاوت میں اس کا پڑھنا مسنون ہے۔ خاص طور پر سورۂ "ص" کی آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد جب سجدہ کیا جائے تو اس میں یہ دعا پڑھنا بہت اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے درخت کو گویائی عطا فرمادی ہوگی، لہٰذا اس نے مذکورہ دعا کی ہوگی، یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے جو کہ تعبیر کا محتاج ہوا کرتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح جاء رجل. رجل سے مراد ''ابوسعید خدری'' ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی صراحت بھی ہے: فسجدت. سجدہ صلاتیہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ لیکن زیادہ ظاہر یہی ہے کہ یہ سجدۂ تلاوت ہوگا۔ اورآیتِ سجدہ سے سورۂ ''ص'' کی آیت مراد ہوگی: تقبلها یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سورۂ ''ص'' کا سجدہ تلاوت کا سجدہ ہے۔ بعض ائمہ کا اختلاف ہے۔ تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۶۲ دیکھیں۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۹۷۱ ﴿آیتِ سجدہ پر کفار کا سجدہ کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳۷

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ فِیْهَا وَسَجَدَ مَنْ کَانَ مَعَهٗ غَیْرَ اَنَّ شَیْخًا مِنْ قُرَیْشٍ اَخَذَ کَفًّا مِنْ حَصًی اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰی جَبْهَتِهٖ وَقَالَ یَکْفِیْنِیْ هٰذَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَأَیْتُهٗ بَعْدُ قُتِلَ کَافِرًا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَزَادَ الْبُخَارِیُّ فِیْ رِوَایَةٍ وَهُوَ اُمَیَّةُ بْنُ خَلَفٍ.

حواله:بخاری، ص نمبر ۱۴۶، ج نمبر ۱، باب سجدة النجم، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر ۱۰۷۰، مسلم، ص نمبر ۲۱۵، باب سجود التلاوة، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۵۷۶.

ترجمه: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ ''والنجم'' کی تلاوت فرمائی، پھر اس میں سجدہ کیا، سوائے قریش کے ایک بوڑھے شخص کے آپ ﷺ کے ساتھ جو لوگ تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا، اس بوڑھے نے ایک مٹھی کنکری لیکر اپنی پیشانی تک اٹھائی اور کہا کہ میرے لئے یہی کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بعد میں اس بوڑھے کو دیکھا کہ کفر کی حالت میں مارا گیا۔ (بخاری و مسلم) بخاری کی ایک اور روایت میں مزید یہ بات منقول ہے کہ وہ بوڑھا ''امیہ بن خلف تھا''

خلاصۂ حدیث اس باب کی پہلی حدیث کے تحت یہ مضمون نقل ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی، اور آیت سجدہ پر پہنچ کر سجدۂ تلاوت کیا، آپ ﷺ کی اتباع میں تمام مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا، جو کفار و مشرکین اس وقت وہاں تھے ان پر بھی ہیبت طاری ہوگئی، چنانچہ وہ بھی سجدہ ریز ہو گئے، لیکن امیہ بن خلف کی بدبختی کہ اس نے اس موقع پر بھی سجدہ نہیں کیا۔ چنانچہ اس کی کفر ہی پر ہلاکت ہوئی، جبکہ دیگر جو لوگ اس موقع پر سجدہ ریز ہو گئے تھے ان کو ایمان کی توفیق مل گئی۔

کلمات حدیث کی تشریح وسجد من کان معه. اس وقت جو بھی لوگ موجود تھے خواہ مسلمان ہوں، مشرکین و کافرین ہوں، جنات ہوں، سب نے سجدہ کیا، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی زبان سے ان کے معبودوں کی تعریف ہوگئی تھی، اسی تعریف کو سن کر مشرکین و کافرین نے بھی سجدہ کیا۔ یہ بات صحیح نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اللہ کے علاوہ کسی معبود باطل کی مدح کفر ہے، لہٰذا اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف درست نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ کفار پر ہیبت طاری ہوگئی تھی۔ جس کی بنا پر انہوں نے سجدہ کیا: غیر ان شیخامن قریش. قریش کے ایک بوڑھے نے سجدہ نہیں کیا، یہ بوڑھا کون تھا، بخاری کی ایک روایت میں ''امیہ بن خلف'' کی تعیین ہے، بعض لوگوں نے ولید بن مغیرہ کہا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس وجہ سے کہ ولید بن مغیرہ قتل نہیں ہوا، بعض لوگوں نے سعید بن العاص، اور بعض نے ''ابولہب'' کہا ہے، طیبیؒ نے جامع الاصول میں نقل کیا ہے کہ ''ابی بن خلف'' رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں حالتِ شرک میں غزوۂ احد کے موقع پر قتل ہوا، اور ''امیہ بن خلف'' شرک کی حالت میں غزوۂ بدر کے موقع پر قتل ہوا۔ یہ دونوں ''خلف بن وھب بن حذافہ بن جمح الجمعان'' کے لڑکے ہیں۔ (مرقات، ص نمبر ۴۰، ج نمبر ۳) امیہ بن خلف کی بدبختی تھی کہ اس نے اس موقع پر سجدہ نہیں کیا، دیگر مشرکین نے سجدہ کیا، بعد میں ان کو ایمان کی توفیق مل گئی۔

حدیث نمبر ۹۷۲ ﴿سورۂ "ص" کا سجدہ بطورشکر﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳۸

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِيْ صٓ وَقَالَ سَجَدَهَا دَاوٗدُ تَوْبَةً وَّنَسْجُدُهَا شُكْرًا رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حوالہ: نسائی، ص نمبر ۱۱۱، ج نمبر ۱، باب سجود القرآن فی صٓ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر ۹۵۶.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ "ص" میں سجدہ کیا، اور فرمایا کہ حضرت داوٗد نے یہ سجدہ توبہ کے لئے کیا تھا۔ اور ہم یہ سجدہ شکرانہ کے طور پر کررہے ہیں۔ (نسائی)

خلاصۂ حدیث حضرت داوٗدؑ سے ایک لغزش ہوگئی تھی، جس کا ذکر سورۂ ص میں ہے، اس لغزش سے معافی کے طور پر حضرت داوٗدؑ نے سجدہ کیا تھا حضرت داوٗدؑ کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول کرلی، اس کے شکریہ میں اس موقع پر آپ ﷺ نے بھی سجدہ کیا بہرحال سورۂ "ص" کی آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد حنفیہ کے نزدیک سجدہ واجب ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **ونسجدھا شکراً.** شکریہ کے طور پر سجدہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سجدۂ تلاوت نہ ہو، یہ سجدۂ تلاوت ہی ہے، اور سجدۂ تلاوت کے اسباب مختلف ہوسکتے ہیں، کبھی امر ہوتا ہے، کبھی شکر ہوتا ہے، کبھی اس کے علاوہ بھی ہوتا ہے۔ سورۂ "ص" کے سجدہ سے متعلق مزید تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۹۶۲ دیکھیں۔

باب اوقات النھی

اس باب کے تحت وہ احادیث ہیں، جن سے ان اوقات کی تعیین ہوتی ہے، جن میں آپ ﷺ نے نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ جن اوقات میں آپ ﷺ نے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے، ان کو اوقات مکروہہ کہا جاتا ہے۔

اوقات مکروھہ کی دوقسمیں ھیں: (۱) اوقات ثلاثہ، یعنی طلوع شمس کے وقت، غروب شمس کا وقت اور استوائے شمس یعنی زوال کا وقت۔ (۲) فجر کی نماز کے بعد سے طلوع شمس سے پہلے کا وقت، عصر کی نماز کے بعد سے غروب سے پہلے کا وقت، یہ مکروہہ اوقات کل ملا کر پانچ ہوگئے۔ ان میں سے تین اول الذکر میں حنفیہ کے نزدیک کسی قسم کی فرض ونفل نماز کا پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ اسی دن کی عصر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اخیر الذکر دووقتوں میں حنفیہ کے نزدیک فرائض ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ نوافل کی گنجائش نہیں ہے، پھر حنفیہ کے نزدیک یہ ممانعت تمام ازمنہ وامکنہ کے لئے یکساں ہے۔ کسی جگہ اور کسی وقت کے لئے الگ سے کوئی حکم نہیں ہے۔ لیکن دوسرے ائمہ کا ان مسائل میں اختلاف ہے۔ آئندہ سطور میں وہ اختلاف مع دلائل تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں۔

بعض ضروری مسائل: عین طلوع آفتاب کے وقت نماز شروع کرنے سے نماز منعقد ہی نہیں ہوتی، اور اگر طلوع آفتاب سے پہلے شروع کی اور درمیان میں طلوع ہوگیا تو نماز باطل ہوجاتی ہے، لہٰذا یہ نماز صحیح نہیں ہوئی قضا فرض ہے، عصر کی نماز ادا کرتے کرتے سورج غروب ہوگیا تو عصر کی نماز ہوجائے گی۔ جب تک آفتاب طلوع کے بعد اس کیفیت پر رہے کہ اس کو دیر تک دیکھنے سے آنکھوں میں دشواری نہ ہو اس وقت تک نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اسی طرح عصر میں جب یہ کیفیت ہوجائے تو نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن اس دن کی عصر درست ہے، اگر جنازہ پہلے سے تیار تھا تو طلوع، غروب اور نصف النہار کے وقت اس پر نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر اسی وقت تیار ہے، تو کوئی کراہت نہیں اسی وقت نماز پڑھ لی جائے۔ عصر بعد آیت سجدہ کی تلاوت کی، تو اسی وقت سجدہ کرنا جائز ہے، البتہ اگر دھوپ پھیکی ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

الفصل الاول

حدیث نمبر ۹۷۳ ﴿جن اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۳۹

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَتَحَرّٰی اَحَدُکُمْ فَیُصَلِّیَ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِھَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ اِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوْا الصَّلَاۃَ حَتّٰی تَبْرُزَ وَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوْا الصَّلَاۃَ حَتّٰی تَغِیْبَ وَلَا تَحَیَّنُوْا بِصَلَاتِکُمْ الشَّمْسَ فَدَعُوْا الصَّلَاۃَ حَتّٰی تَبْرُزَ وَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوْا الصَّلَاۃَ حَتّٰی تَغِیْبَ وَلَا تَحَیَّنُوْا بِصَلَاتِکُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَھَا فَاِنَّھَا تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۸۲، ج نمبر ۱، باب الصلاۃ بعد الفجر، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۸۳، مسلم، ص نمبر ۲۷۵، ج نمبر ۱، باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا، کتاب صلاۃ المسافرین الخ، حدیث نمبر ۸۲۹

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی شخص سورج نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے“ ایک روایت میں ارشاد ہے کہ ”جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز چھوڑ دو، یہاں تک کہ سورج خوب ظاہر نہ ہوجائے، اور جب سورج کا کنارہ ڈوب جائے تو نماز چھوڑ دو، یہاں تک کہ بالکل غروب ہوجائے، اور آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرو، اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، یہ اوقات مکروہہ کہلاتے ہیں، ان کی احکام کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں۔(۱) یہ وہ قسم ہے جس میں اوقات ثلاثہ یعنی طلوعِ شمس، غروبِ شمس، اور استواءِ شمس کے اوقات داخل ہیں، ان اوقات میں کسی بھی قسم کی نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔(۲) یہ وہ قسم ہے جس میں نماز فجر اور عصر کے بعد کے اوقات ہیں، ان اوقات میں نوافل کا پڑھنا ممنوع ہے فرائض ادا کرنے کی گنجائش ہے، اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف بھی ہے جس کو تشریح کلمات کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لا یتحری احدکم طلوعِ شمس اور غروبِ شمس کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرو، اوقات ثلاثہ مکروہہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، اس کی صراحت فصل ثالث کی پہلی حدیث میں ہے، حنفیہ کے نزدیک ان تین اوقات یعنی طلوعِ شمس، غروبِ شمس، اور استواءِ شمس میں ہر طرح کی نماز پڑھنا ناجائز ہے، البتہ عصر یوم پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اِن تینوں اوقات میں فرض، فائتہ کی قضا درست ہے، فجر اور عصر کے بعد کے اوقات میں حنفیہ کے نزدیک فرض ادا کرنا درست ہے، نفل درست نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا اس وقت کے بارے میں بھی وہی مذہب ہے جو اوقات ثلاثہ کے بارے میں ہے، حنفیہ اس ممانعت کو ہر دن اور ہر جگہ کیساتھ مخصوص مانتے ہیں، جبکہ امام شافعیؒ جمعہ کے دن اور حرم مکہ کا استثنا کرتے ہیں۔

فانہا تطلع بین قرنی الشیطان: سورج کے طلوع اور غروب کے وقت سورج پرست سورج کی عبادت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان اوقات میں نماز پڑھنا شیطان کی عبادت کے دائرے میں آسکتا ہے، لہٰذا نماز پڑھنے سے منع فرمادیا، بعض لوگ اس کو حقیقت پر محمول کرکے کہتے ہیں کہ اِن اوقات میں واقعتہً شیطان سورج کو اپنے سینگوں کے درمیان لے لیتا ہے۔ اس مراد کو لینا ممکن ہے، سورج دنیا کے کسی نہ کسی گوشہ میں ہر وقت طلوع رہتا ہے، لہٰذا ہر مطلع کے لئے الگ شیطان ہوگا، جو طلوع اور غروب کے وقت سورج کو اپنے سینگوں میں لے لیتا ہوگا۔

حدیث نمبر ۹۷۴ ﴿اوقات ثلاثہ میں نماز کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۴۰

وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْھَانَا اَنْ نُصَلِّیَ فِیْھِنَّ اَوْ

نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِينَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضِيْفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۷۶، ج نمبر ۱، باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، حدیث نمبر ۸۲۷.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین اوقات میں ہم کو نماز پڑھنے اور اپنے مردوں کو دفن کرنے سے منع کیا ہے۔ (۱) سورج نکل کر طلوع ہو رہا ہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے۔ (۲) دوپہر کا سایہ ٹھہر گیا ہو، یہاں تک کہ سورج ڈھلے۔ (۳) اس وقت جبکہ سورج ڈوبنے کے لئے جھک جائے، یہاں تک کہ ڈوب جائے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں صراحت کے ساتھ اوقاتِ ثلاثہ میں نماز پڑھنے اور مردوں کے دفن کرنے کی ممانعت ہے۔ مردوں کے دفن سے مراد نمازِ جنازہ کی ممانعت ہے۔ مردوں کے کسی بھی وقت دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح او نقبر فیھن موتانا اوقات ثلاثہ مکروہہ میں نماز جنازہ پڑھنا بھی درست نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی جنازہ ان ہی تینوں اوقات میں سے کسی وقت آیا ہو، تو پھر نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے، لیکن مؤخر کرنا افضل ہے یہی حکم سجدۂ تلاوت کا بھی ہے۔ فجر بعد اور عصر بعد نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۹۷۵ ﴿فجر کی نماز کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۴۱

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ ۨالْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۸۳، ج نمبر ۱، باب لا یتحری الصلاۃ، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۸۶، مسلم، ص نمبر ۲۷۵، ج نمبر ۱، باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا، کتاب صلاۃ المسافرین الخ، حدیث نمبر ۸۲۷

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "فجر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے" یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو جائے، اور نہ عصر کے بعد کوئی نماز ہے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ نماز فجر کے بعد سے طلوع شمس تک اور نماز عصر کے بعد سے غروب شمس تک نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح فجر کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد طلوع شمس اور غروب شمس تک نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، لیکن یہ ویسی ممانعت نہیں ہے، جیسے اوقات ثلاثہ مکروہہ میں ممانعت ہے، جس کا ذکر ماقبل کی حدیث میں ہوا ہے اوقات ثلاثہ یعنی طلوع شمس، غروب شمس، اور استواءِ شمس یہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں بذات خود قباحت ہے، ان اوقات میں شیطان سورج کو اپنی سینگوں کے درمیان لے لیتا ہے، لہٰذا ان اوقات میں ہر طرح کی نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ جبکہ حدیث باب میں جن دو اوقات کا ذکر ہے ان میں بذاتِ خود قباحت نہیں ہے، بلکہ یہ پورا وقت وظیفہ فریضہ میں مشغول رکھا گیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص فجر کی نماز طلوع آفتاب پر ختم کرتا ہے، یا عصر کی نماز اول وقت میں شروع کر کے غروب پر ختم کرتا ہے، تو یہ نہ صرف درست بلکہ بہت بہتر ہے۔ لہٰذا جب ان اوقات میں بذات خود قباحت نہیں ہے، تو حنفیہ کہتے ہیں کہ ممانعت صلاۃ کا تعلق نفل نماز سے ہے، ان اوقات میں فرائض پڑھنے کی گنجائش ہے۔

حدیث نمبر۹۷۶ ﴿نماز کے ممنوعہ اوقات﴾ عالمی حدیث نمبر۱۰۴۲

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ فَقَدِمْتُ الْمَدِیْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلَیْہِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حِیْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ حَتّٰی تَرْتَفِعَ فَاِنَّھَا تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ وَحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَھَا الْکُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلَاةَ مَشْھُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰی یَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَاِنَّ حِیْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَھَنَّمُ فَاِذَا اَقْبَلَ الْفَیْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلَاةَ مَشْھُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ الْعَصْرَ ثُمَّ اقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَاِنَّھَا تَغْرُبُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ وَحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَھَا الْکُفَّارُ قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ فَالْوُضُوْءُ حَدِّثْنِیْ عَنْہُ قَالَ مَا مِنْکُمْ رَجُلٌ یُقَرِّبُ وَضُوْئَہٗ فَیَمَضْمِضُ وَیَسْتَنْشِقُ فَیَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا وَجْھِہٖ وَفِیْہِ وَخَیَاشِیْمِہٖ ثُمَّ اِذَا غَسَلَ وَجْھَہٗ کَمَا اَمَرَہُ اللّٰہُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا وَجْھِہٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْیَتِہٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَغْسِلُ یَدَیْہِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا یَدَیْہِ مِنْ اَنَامِلِہٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَمْسَحُ رَاْسَہٗ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا رَاْسِہٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِہٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ یَغْسِلُ قَدَمَیْہِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَایَا رِجْلَیْہِ مِنْ اَنَامِلِہٖ مَعَ الْمَاءِ فَاِنْ ھُوَ قَامَ. فَصَلّٰی فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ وَمَجَّدَہٗ بِالَّذِیْ ھُوَلَہٗ اَھْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَہٗ لِلّٰہِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِیْئَتِہٖ کَھَیْئَةِ یَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۷۶، ج نمبر ۱، باب اسلام عمروبن عبسة، کتاب صلاة المسافرین، حدیث نمبر ۸۳۲.

ترجمہ: عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، تو میں بھی مدینہ حاضر ہوا، اور میں حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور میں نے عرض کیا کہ مجھے نماز سے متعلق بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم فجر کی نماز پڑھو پھر جس وقت سورج طلوع ہو رہا ہو اس وقت نماز سے رک جاؤ، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، اس وجہ سے کہ سورج جس وقت طلوع ہوتا ہے، تو وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اور اس وقت کفار سورج کا سجدہ کرتے ہیں، پھر نماز پڑھو، یہ نماز ایسی ہے جس کی گواہی دی جاتی ہے، اور اس میں حاضری ہوتی ہے یہاں تک کہ سایہ نیزہ پر چڑھ جائے، پھر نماز سے رک جاؤ، اس لئے کہ اسوقت جہنم جھونکی جاتی ہے۔ پھر جب سایہ واپس آجائے تو نماز پڑھو۔ یہ نماز ہے جس کی گواہی دی جاتی ہے اور اس میں حاضری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھ لو، پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے، اور اس وقت کفار سورج کا سجدہ کرتے ہیں، عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا وضو کے متعلق مجھ سے ارشاد فرمایئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص جب وضو کا پانی اپنے قریب کرتا ہے، پھر کلی کرتا ہے، ناک میں پانی ڈالتا ہے، اور ناک صاف کرتا ہے، تو اس کے چہرے کے، اس کے منہ کے، اور اس کے ناک کے نتھنوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کے مطابق اپنے چہرے کو دھلتا ہے، تو پانی کے ساتھ چہرے کے گناہ اس کی داڑھی کے کناروں سے جھڑ جاتے ہیں، پھر جب اپنے کہنیوں تک دھلتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھوں کے گناہ پانی کے ساتھ انگلیوں کے پوروں سے جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ پانی کے ساتھ اس کے بالوں کے کناروں سے گر جاتے ہیں۔ پھر جب اپنے دونوں پیر کو ٹخنے تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں پیروں کے گناہ پانی کے ساتھ پیروں کی انگلیوں کے پوروں سے گر جاتے ہیں، پھر اگر وہ کھڑا ہوا اور نماز پڑھی، پھر حمد بیان کی، اور اس کی تعریف کی، اور اس کی اس بزرگی کو ذکر کیا جس کا وہ مستحق ہے۔ اور اپنے دل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ کر لیا، تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو کر نماز سے واپس آتا ہے، جیسا کہ وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں ایک صحابی عمرو بن عبسہؓ نے حضور ﷺ سے نماز کے ممنوعہ اوقات کے متعلق دریافت کیا ہے، آپ ﷺ نے جن اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی ہے، ان کے ذکر کے ساتھ نماز پڑھنے کے اوقات کو بھی بیان کر دیا

پھر صحابیؓ نے وضو کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے وضو کے فائدے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وضو میں جن اعضاء کو دھویا یا مسح کیا جاتا ہے تو پانی کے ساتھ اُن اعضاء کے گناہ بھی جھڑ جاتے ہیں، پھر اگر کوئی نماز اور ذکر کا اہتمام کرتا ہے تو تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فانها تطلع حين تطلع بين قرني الشيطان سورج جب نکلتا ہے تو شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے، بعض لوگوں نے مجاز پر محمول کیا ہے۔ جنہوں نے حقیقت پر محمول کیا وہ کہتے ہیں کہ جب سورج نکلتا ہے تو شیطان اپنے سر کو سورج کے قریب کر دیتا ہے تا کہ وہ اپنی سمجھ سے سورج کی پوجا کرنے والوں کا قبلہ بن جائے۔ اور جو لوگ مجاز پر محمول کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں اس سے شیطان کی قوت اس کا فساد و غلبہ مراد ہے، یعنی جب کفار سورج کی پرستش کرتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوتا ہے، اور اپنا غلبہ محسوس کرتا ہے، اور فتنہ فساد بڑھانے میں اپنے کو قوی محسوس کرتا ہے: صل. اشراق یا چاشت کی نماز مراد ہے: فان الصلاة شهودة. سورج طلوع ہونے کے بعد چاشت یا اشراق جو نماز پڑھی جاتی ہے، اس کا اجر لکھنے کے لئے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو نماز پڑھتا ہے اس کے حق میں گواہی دیتے ہیں: محضورة. تبرک حاصل کرنے کے لئے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، یہ بات چاشت کی نماز کی اہمیت بیان کرنے کے لئے کہی گئی ہے: حتىٰ يستقبل الظل. جب سایہ نیزہ پر چڑھ جائے۔ یہ بات مکہ و مدینہ اور ان کے اطراف کے اعتبار سے ہے، کیوں کہ ان جگہوں میں گرمی کی شدت میں جب دن لمبے ہوتے ہیں، تو زوال کے وقت زمین پر سایہ نہیں پڑتا ہے، بلکہ زمین سے اوپر رہتا ہے پھر جب سورج مشرق سے مغرب کی طرف مائل ہوتا ہے، یعنی زوال کے بعد جو کہ ظہر کا اول وقت اس وقت زمین پر سایہ پڑتا ہے: ثم اذا غسل وجهه كما امره الله. اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چہرے کا دھونا فرض ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم. کی بنا پر۔ اسکے برخلاف کلی اور ناک میں پانی ڈالنا آپ ﷺ کے فرمان کی وجہ سے مسنون ہے: الاخرت خطایا. گناہ صغیرہ تو وضو سے معاف ہو جاتے ہیں، لیکن گناہ کبیرہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رہتے ہیں، اس مضمون کی تفصیل کیلئے حدیث نمبر ۲۶۵/۲۶۶/۲۶۷، دیکھیں۔

حدیث نمبر۹۷۷ ﴿نماز عصر کے بعد دو رکعت سنت﴾ عالمی حدیث نمبر۱۰۴۳

وَعَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَبْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْاَزْهَرِ اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالُوْا اقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَبَلَّغْتُهَا مَا اَرْسَلُوْنِىْ فَقَالَتْ سَلْ اُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِمْ فَرَدُّوْنِىْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهُمَا ثُمَّ رَاَيْتُهٗ يُصَلِّيْهِمَا ثُمَّ دَخَلَ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْلِىْ لَهٗ تَقُوْلُ اُمُّ سَلَمَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى عَنْ هَاتَيْنِ وَاَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا قَالَ يَاابْنَةَ اَبِىْ اُمَيَّةَ سَاَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَاِنَّهٗ اَتَانِىْ نَاسٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِىْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری، ص نمبر ١٦٤، ج نمبر ١، باب اذا حكم وهو يصلى فاشار بيده، كتاب السهو، حديث نمبر ١٢٣٣، مسلم، ص نمبر ٢٧٧، ج نمبر ١، باب معرفة الركعتين الخ، كتاب صلاة المسافرين، حديث نمبر ٨٣٤

ترجمه: حضرت کریبؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت مسور بن مخرمہؓ، اور عبدالرحمٰن بن ازہرؓ نے ان کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا، اور ان لوگوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ سے سلام عرض کرنا اور ان سے عصر کے بعد دو رکعت نماز کے بارے میں پوچھنا، حضرت کریبؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس پیغام کو پہنچا دیا جس کے لئے انہوں نے مجھے بھیجا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ام سلمہؓ سے دریافت کرو، تو میں ان لوگوں کے پاس آ گیا۔ انہوں نے مجھے ام سلمہؓ کے پاس بھیجا، ام سلمہؓ نے

فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ وہ ان دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے، پھر میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ عصر کے بعد دو رکعت پڑھ رہے ہیں، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے پاس باندی کو بھیجا، میں نے اس باندی سے کہا کہ تم حضور ﷺ سے کہنا کہ ام سلمہؓ کہتی ہے کہ اے اللہ کے رسول! میں نے ان دو رکعتوں سے آپ ﷺ کو منع کرتے ہوئے سنا ہے، اور میں آپ ﷺ کو ان رکعتوں کو پڑھتے ہوئے دیکھ رہی ہوں، آپ نے فرمایا، اے ابوامیہ کی بیٹی! تم نے مجھ سے عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے، درحقیقت میرے پاس عبدالقیس کے کچھ لوگ آگئے تھے، ان کی وجہ سے میں ظہر کے بعد کی دو رکعت نہیں پڑھ سکا، یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بعض لوگوں نے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے متعلق دریافت کرنے کے لئے حضرت کریبؒ کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا، چونکہ اصل مسئلہ سے حضرت ام سلمہؓ زیادہ واقف تھیں، اس لئے حضرت عائشہؓ نے مسائل کو ان کے پاس بھیجا، حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عام لوگوں کے لئے عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے جو پڑھی وہ اس لئے کہ حضور ﷺ کی ظہر کی دو رکعت سنن تبلیغ دین کی بنا پر چھوٹ گئیں تھیں۔ اس کی قضا حضور ﷺ نے فرمائی۔ عام آدمی سنن کی قضا بھی نہیں کرے گا۔ اس کی تفصیل میں اگلی سطور میں رقم کروں گا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ہمیشہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، بعض لوگوں نے مواظبت کی روایت کو ترجیح بھی دی ہے۔ یہ بھی حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ عام لوگوں کے لئے عصر کے بعد نوافل سے ممانعت ہی ہے۔ جیسا کہ ماقبل کی احادیث میں صراحت ہو چکی ہے۔

کلماتِ حدیث کی تشریح ارسلوہ. آپ ﷺ عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے، پھر آپ ﷺ نے خود عصر کے بعد نماز ادا فرمائی، لہٰذا تحقیق کی غرض سے بعض صحابہؓ نے حضرت کریبؒ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا۔ سَلْ أُمَّ سَلَمَةَ. حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں خود کچھ جواب دینے کے بجائے حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کرنے کیلئے کہا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ کو یہ معلوم تھا کہ حضرت ام سلمہؓ اس بارے میں آپ ﷺ سے پوچھ چکی ہیں۔ لہٰذا وہ زیادہ بہتر طور پر جانتی ہیں، حدیث کے اس جز سے حضرت عائشہؓ کی انکساری اور احتیاط بہت بہتر طور پر سمجھ میں آتی ہے: فخرجت الیھم. حضرت عائشہؓ نے حضرت کریبؒ سے کہا کہ حضرت ام سلمہؓ سے پوچھ لو، حضرت کریبؒ سیدھے ام سلمہؓ کے پاس نہیں گئے، بلکہ جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تھا۔ پہلے ان کی خدمت میں آئے انہیں آکر پوری بات بتائی، پھر جب ان لوگوں نے حضرت ام سلمہؓ کے پاس جانے کے لئے کہا تب گئے۔ محدثین لکھتے ہیں کہ اس سے حضرت کریبؒ کے کمال ادب اور نہایت سعادت مندی کا پتہ چلتا ہے: سمعت رسول اللہ ینھی عنھا. حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے سے منع فرماتے تھے، حضرت ام سلمہؓ کے اس ارشاد میں دو احتمال ہیں۔ (۱) حضور ﷺ مطلق عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے اور اسی کے ضمن میں یہ دو رکعت داخل ہیں، جن کے بارے میں سائل سوال لے کر آئے تھے۔ (۲) خاص طور پر حضور ﷺ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ ثم رأیتہ یصلیھما ممانعت کے باوجود حضور ﷺ کو جب میں نے بعد العصر رکعتین پڑھتے دیکھا تو تحقیق حال کے لئے خادمہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا: یا ابنۃ ابی امیۃ، "ابوامیہ" حضرت ام سلمہؓ کے والد کی کنیت ہے، آپ ﷺ نے باندی کو مخاطب کر کے کہا ام سلمہؓ سے یہ بات عرض کر دینا، یا پھر آپ ﷺ نے براہِ راست حضرت ام سلمہؓ کو مخاطب کیا: اتانی ناس من عبد القیس فشغلونی. عبدالقیس کے کچھ لوگ آگئے ان کو تبلیغ دین کرنے لگا، جس وجہ سے ظہر کی دو رکعت سنت رہ گئی تھی اس کو حضور ﷺ نے عصر کے بعد ادا کیا، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تبلیغ دین نوافل بلکہ سننِ رواتب پر مقدم ہیں خاص طور پر آپ ﷺ کے حق میں کیوں کہ آپ

ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی تبلیغ دین تھا۔

سوال: سنن اگر فوت ہو جائیں تو کیا ان کی قضا کی جائے گی۔

جواب: سنن کی قضا نہیں ہے، البتہ اگر فجر کی سنن فرض کے ساتھ قضا ہو گئیں ہیں، تو ان کی قضا کی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ "لیلۃ التعریس" میں جب آپ ﷺ کی صحابہ کے ساتھ فجر کی فرض نماز مع سنن کے قضا ہو گئی تھی، تو آپ ﷺ نے فجر کی نماز کے ساتھ سنن کی قضا فرمائی۔

اشکال: جب سنن کی قضا نہیں ہے، تو پھر آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعت سنن کی قضا عصر کے بعد کیوں پڑھی۔؟

جواب: (۱) ممکن ہے آپ ﷺ نے ظہر کے وقت میں ظہر کی دو رکعت سنن شروع کر دی ہوں پھر تبلیغ دین کی فوری ضرورت کے بنا پر نماز توڑ دی ہو، چوں کہ نماز شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے، اور واجب کی قضا ہے، اس لئے آپ ﷺ ان کو عصر بعد ادا کر رہے ہوں، اور عصر بعد فرض اور واجب کے ادا کرنے کی گنجائش بھی ہے۔ (۲) حضور ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ ﷺ سنن کی قضا فرماتے تھے، امت کے حق میں سنت کی قضا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ام سلمہؓ نے یہ سنا کہ آپ ﷺ ظہر کی دو رکعت کی قضا فرما رہے ہیں، تو حضرت ام سلمہؓ نے دریافت کیا اَفَاَقْضِیْھِمَا اِذَافَاتَتَا "کیا میں بھی ان کی قضا کیا کروں اگر یہ فوت ہو جائیں" آپ ﷺ نے فرمایا "لا" تم قضا نہ کرو۔

اشکال: حدیث باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر کی دو رکعت کی قضا عصر کے بعد کی، لیکن دیگر احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کا عصر کے بعد معمول یہی تھا کہ آپ ﷺ عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے۔ مثلاً مسلم شریف میں حدیث ہے "مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِیْ قَطُّ" اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ عصر کے بعد دو رکعت کبھی بھی ترک نہیں فرماتے تھے۔ اسی طرح کی احادیث کی بنا پر امام شافعیؒ عصر کے بعد سنن پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں اور سابقہ روایات کی بنا پر امام شافعیؒ سنن کی قضا کے بھی قائل ہیں۔

جواب: ماقبل میں یہ بات وضاحت سے گذر چکی کہ سنن کی قضا حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا امام شافعیؒ کا حدیث باب سے سنن کی قضا کا عام امت کے حق میں حکم لگانا درست نہیں ہے۔ اور جہاں تک یہ بات کہ حضور ﷺ کا عصر کے بعد ہمیشہ کا یہی معمول تھا کہ حضور ﷺ عصر بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے تو اس طرح کا مضمون کئی احادیث میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے مواظبت کی روایت کو ترجیح بھی دی ہے، لیکن یہ بھی حضور ﷺ کی خصوصیت ہے۔ جس میں کسی دوسرے کے شامل ہونے کی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ ابوداؤد میں حدیث ہے "كَانَ يُصَلِّی الْعَصْرَ وَيَنْهٰی عَنْهَا" حضور ﷺ خود تو عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے، لیکن دوسروں کو منع فرماتے ہیں، اسی ممانعت کی بنا پر حضرت عمرؓ اگر کسی کو عصر بعد سنن پڑھتے دیکھتے تو اس کو روکتے تھے۔ اصرار کی صورت میں آپ درے بھی لگواتے تھے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر۹۷۸ ﴿فجر کی سنت کی قضا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۴۴

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَاٰى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّی بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّی لَمْ اَكُنْ صَلَّيْتُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْاٰنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِیُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ اِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِبْرَاهِيْمَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِی شَرْحِ السُّنَّةِ وَنُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ قَيْسِ بْنِ قَهْدٍ نَحْوَهٗ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۱۸۰، ج نمبر ۱، باب من فاتتہ رکعتا الفجر متی یقضیھا، کتاب التطوع، حدیث نمبر ۱۲۶۷، ترمذی، ص نمبر ۹۴، ج نمبر ۱، باب ماجاء فیمن تفوته الخ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۲۳

ترجمہ: حضرت محمد بن ابراہیم قیس بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو فجر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا "فجر کی نماز تو بس دو ہی رکعت پڑھو، اُن صاحب نے عرض کیا میں نے فجر کی نماز سے پہلے کی دو رکعت (سنن) نہیں پڑھی تھیں، ان ہی کو اب پڑھ رہا ہوں رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ (ابوداؤد) ترمذیؒ نے بھی اس کے مانند روایت نقل کی ہے، اور کہا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ ابراہیمؒ نے قیس بن عمرو سے نہیں سنا ہے، شرح السنہ اور مصابیح میں قیس بن فہد سے اسی جیسی روایت منقول ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فجر کی سنت اگر چھوٹ جائے، تو فرض نماز کے بعد اس کو ادا کرنا چاہئے، کیوں کہ صحابی نے جب فجر کے بعد سنت کی قضا کی اور آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا، تو آپ ﷺ نے سکوت فرمایا آپ ﷺ کا سکوت کرنا اس کو ثابت کرتا ہے۔ کیوں کہ تقریر نبی بھی حدیث نبی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رای رجل. یہ آدمی کون ہیں؟ جن کو حضور ﷺ نے فجر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا، یہ راوی حدیث حضرت قیس خود ہیں، ترمذی میں ایک روایت میں صراحت ہے "اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ رَاٰی قَیْسًا" صلوٰۃ الصبح رکعتین. آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ فجر میں چار رکعت سے زیادہ نہ ہو دو پہلے سنت ہوں، پھر دو فرض ہوں، یا پھر مطلب یہ ہے کہ فجر کی فرض صرف دو رکعت ہیں اس کے بعد کوئی نماز نہیں ہے: فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. حدیث کے اس جز سے استدلال کر کے حضرات شوافعؒ کہتے ہیں کہ فجر کی سنت کی قضا ہے، امام ابوحنیفہؒ سنت کی قضا کے قائل نہیں، پھر فجر کی فرض کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت خود بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں کئی احادیث گذر چکی ہیں، جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس کے احناف کی طرف سے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ (۱) حدیث باب میں آپ ﷺ کا سکوت منقول ہے، جب کہ دیگر بہت سی احادیث میں آپ ﷺ نے صراحتًا ممانعت فرمائی ہے، ایسی صورت میں صراحت والی احادیث راجح ہوں گی۔ (۲) اس کو ممانعت سے پہلے پر محمول کیا جائے۔ (۳) قضا نام ہے ادا کما وجب کا، سنن واجب ہی نہیں ہیں، لہٰذا ان کی قضا بھی نہیں ہے، فجر کی سنن کی قضا فرض کے تابع کر کے استحسانًا درست ہے۔ (مزید تحقیق کے لئے مرقات ص نمبر ۴۷، ج نمبر ۳، دیکھیں) مزید یہ کہ حدیث باب سے استدلال درست بھی نہیں ہے، خود امام ترمذی کا قول صاحب مشکوٰۃ نے نقل کر دیا ہے کہ یہ حدیث متصل نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۹۷۹ ﴿ممنوعہ اوقات میں مسجد حرام میں نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۴۵

وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَیْتِ وَصَلّٰی اَیَّةَ سَاعَةٍ شَآءَ مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَهَارٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۲۶۰، ج نمبر ۱، باب الطواف بعد العصر، کتاب المناسک، حدیث نمبر ۱۸۹۴، ترمذی، ص نمبر ۱۷۵، ج نمبر ۱، باب ماجاء فی الصلاۃ بعد العصر وبعد الصبح، کتاب الحج، حدیث نمبر ۸۶۸، نسائی، ص نمبر ۶۸، ج نمبر ۱، باب اباحۃ الصلاۃ فی الساعات کلھا بمکۃ، کتاب المواقیت، حدیث نمبر ۵۸۴.

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبد مناف کے بیٹو! رات و دن کے کسی بھی حصہ میں اس گھر یعنی بیت اللہ کا طواف کرنے اور یہاں نماز پڑھنے سے کسی کو روکو مت۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

خلاصۂ حدیث خانۂ کعبہ کے جملہ امور کی تولیت عبد مناف کی مختلف اولادوں کے سپرد تھی، اس وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا کہ اس گھر کا طواف اور اس میں نماز پڑھنے سے کسی کو روکو نہیں، خانہ کعبہ کا طواف تو ہمہ وقت جائز ہے لیکن خانۂ کعبہ میں ممنوعہ اوقات میں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح طواف ہمہ وقت جائز ہے، اسی طرح مسجد حرام میں ہمہ وقت نماز پڑھنے کے بھی گنجائش ہے، یہی امام شافعیؒ کا مذہب بھی ہے، امام صاحبؒ کا اختلاف ہے تفصیل تشریح کلمات کے تحت دیکھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتمنعوا احدًا حدیث کے اسی جز سے استدلال کرتے ہوئے شوافع کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جن اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے، اس کا تعلق تمام امکنہ اور تمام ایام سے ہے، اس میں کسی دن اور کسی جگہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، اور جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث نماز کے اوقات کو بیان کرنے کے لئے وارد نہیں ہوئی ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قریش مکہ کا قبائل بیت اللہ کے اطراف میں آباد تھے۔ ہر قبیلہ کے لئے ایک مخصوص دروازہ تھا، کوئی باب بنی شیبہ، کوئی باب بنی سہم، کوئی باب بنی مخزوم کہلاتا تھا، زمانۂ جاہلیت میں ان کا یہ دستور تھا کہ یہ رات کے وقت اپنے اپنے دروازہ بند کر لیتے تھے، جس کی وجہ سے باہر سے آنے والا مسجد حرام میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے سے محروم ہو جاتا تھا، جب آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان قبائل کو حکم دیا کہ تم دروازے بند کر کے مسجد حرام کا طواف کرنے والوں اور اس میں نماز پڑھنے والوں کو روکو مت، حاصل یہ ہے کہ یہاں عبد مناف کو ہمہ وقت دروازہ کھلا رکھنے کا حکم دینا مقصد ہے، اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنے کی اجازت دینا مقصود نہیں ہے۔ نیز حدیث باب اوقات خمسہ ممنوعہ کے علاوہ دیگر اوقات کے ساتھ خاص ہے، اوقات خمسہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت گذشتہ احادیث میں ہو چکی ہے۔

حدیث نمبر ۹۸۰ ﴿جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۴۶

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ.

حواله: مسند امام شافعیؒ، ص نمبر ۱۳۹، ج نمبر ۱، الباب الحادی عشر فی صلاة الجمعة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۴۰۸

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے دن کے علاوہ نصف النہار کے وقت یعنی زوال کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا، یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے۔ (مسند شافعیؒ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ زوال کے وقت نماز پڑھنے کی جو ممانعت ہے، وہ دیگر ایام میں ہے، جمعہ کا دن اس سے مستثنیٰ ہے جمعہ کے دن زوال کے وقت بھی نماز پڑھنا درست ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الایوم الجمعة حدیث باب کے اسی جز سے استدلال کر کے امام شافعیؒ و امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نماز پڑھنا درست ہے، کیوں کہ زوال کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت کے ساتھ "الا یوم الجمعة" کے ذریعہ جمعہ کے دن کا آپ ﷺ نے استثنا فرمادیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیگر ایام کی طرح جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مستدل وہ بہت سی روایات ہیں جن میں مطلقاً صراحت کے ساتھ اوقات ثلاثہ میں کسی بھی قسم کی نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ امام صاحب کا مذہب دلائل کی کثرت اور دلائل کی صحت کے

اعتبار سے راجح ہے، نیز جب محرم اور مبیح میں تعارض پیدا ہو جائے تو محرم کو راجح قرار دیا جائے گا، اسی میں زیادہ احتیاط ہے، لہٰذا جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت نفل نماز پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۹۸۱ ﴿جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز کا جواز﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۴۷

وَعَنْ اَبِی الْخَلِیْلِ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ کَرِهَ الصَّلٰوةَ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ اِنَّ جَهَنَّمَ تُسْجَرُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ اَبُوالْخَلِیْلِ لَمْ یَلْقَ اَبَا قَتَادَةَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۱۵۵، ج نمبر ۱، باب الصلاة یوم الجمعة قبل الزوال، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۰۸۳

ترجمہ: حضرت ابوخلیل ؒ حضرت ابوقتادہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ زوال کے وقت نماز کو مکروہ قرار دیتے ہیں، یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے، سوائے جمعہ کے دن کے، اور آپ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ جہنم جمعہ کے دن کے علاوہ (زوال کے وقت) جھوکی جاتی ہے، ابوداؤد نے اس روایت کو نقل کیا اور کہا کہ ابوخلیل ابوقتادہؓ سے نہیں ملے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی سابقہ حدیث کا مضمون ہے، یعنی اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ جمعہ کے دن نصف النہار یعنی زوال کے وقت نفل نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، دیگر ایام سے جمعہ کو یہ خصوصیت کیوں حاصل ہے، حدیث باب میں اس کی صراحت ہے، کہ دیگر ایام میں نصف النہار کے وقت جہنم کو دہکایا جاتا ہے، لیکن جمعہ کے دن جہنم کو زوال کے وقت نہیں دہکایا جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح کرہ الصلاۃ اوقات ثلاثہ یعنی طلوع شمس، غروب شمس اور استواءِ شمس، کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے، بعض احادیث شروع باب میں نقل بھی ہوئی ہیں، یہ روایات اتنی زیادہ ہیں کہ حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، اور ان میں بلا کسی دن اور بلا کسی جگہ کی تخصیص کے اوقات مذکورہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہ ؒ اور دیگر بہت سے فقہا مطلقاً ان اوقات میں نماز کی ممانعت کی طرف گئے ہیں، لیکن امام شافعی ؒ حدیث باب اور ان جیسی چند احادیث کی بنا پر جمعہ کے دن زوال کے وقت نوافل پڑھنے کو مکروہ نہیں قرار دیتے ہیں۔ حنفیہ کی طرف سے ایک جواب تو نقل ہو چکا ہے کہ مبیح اور محرم میں تعارض کے وقت محرم کو راجح قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا ان دلائل سے اگرچہ جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن نہی والی روایت اپنی کثرت و حجت اور محرم ہونے کیوجہ سے راجح قرار پائیں گی، اور جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس سے استدلال کے درست نہ ہونے کی طرف، خود صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد کا قول نقل کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ ابوخلیل جو کہ ابوقتادہ سے روایت کرتے ہیں ان کا ابوقتادہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۹۸۲ ﴿ممنوعہ اوقات کی وضاحت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۴۸

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّیْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا وَاِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِیْ تِلْكَ السَّاعَاتِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ.

حوالہ: مؤطا امام مالك، ص نمبر....ج نمبر.... باب النهی عن الصلاة بعدالصبح وبعد العصر، کتاب القرآن، حدیث نمبر ٤٤، مسند احمد، ص نمبر ٣٤٨، ج نمبر ٤، نسائی، ص نمبر ٦٥، ج نمبر... باب الساعات التی نهی عن الصلاة فیها، کتاب المواقیت، حدیث نمبر ٥٥٨

ترجمہ: حضرت عبداللہ صنابحیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ سورج جب طلوع ہوتا ہے تو شیطان کا سینگ اسکے ساتھ ہوتا ہے، پھر جب سورج بلند ہو جاتا ہے، تو شیطان اس سے جدا ہو جاتا ہے، پھر جب زوال کا وقت ہوتا ہے پھر شیطان سورج سے مل جاتا ہے، چنانچہ جب سورج ڈھل جاتا ہے، تو جدا ہو جاتا ہے، پھر جب غروب کا وقت قریب ہوتا ہے تو پھر شیطان سورج سے مل جاتا ہے، چنانچہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو اس سے جدا ہو جاتا ہے، اور آپ ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (مالک، احمد، نسائی)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں آپ ﷺ نے اوقات ثلاثہ مکروہہ کی وضاحت فرمائی ہے اور ان میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اوقات ثلاثہ مکروہہ یہ ہیں۔ (۱) طلوع شمس کا وقت۔ (۲) زوال شمس کا وقت۔ (۳) غروب شمس کا وقت، ان اوقات میں شیطان سورج کے قریب ہو جاتا ہے، اور سورج کی پوجا کرنیوالے خاص طور پر ان اوقات میں سورج کی عبادت کرتے ہیں، شیطان اپنی عبادت سمجھ کر خوش ہوتا ہے، لہٰذا شیطان کو خوشی کا موقع فراہم نہ ہو، اسلئے آپ ﷺ نے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة فى تلك الساعات. اوقات ثلاثہ میں حضور ﷺ نے نماز پڑھنے سے ممانعت فرمائی، نماز میں جنازہ کی نماز بھی داخل ہے، یعنی ان اوقات میں جنازہ کی نماز نہ پڑھنا چاہئے۔ اس کی وضاحت بھی ماقبل کی حدیث میں ہو چکی ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے "ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا اَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْنَقْبُرَفِيْهِنَّ مَوْتَانَا" تین اوقات میں رسول اللہ ﷺ نے ہم کو نماز پڑھنے سے اور اپنے مردے قبر میں دفن کرنے سے یعنی مردوں کی جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا، البتہ اگر جنازہ وقت مکروہ میں آجائے تو پھر اسی وقت نماز جنازہ ادا کرنا چاہئے، امام مالکؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے، لیکن وہ زوال کے وقت کو وقت مکروہہ میں داخل نہیں مانتے ہیں، ان کی یہ روایات خود ان کے مذہب کے خلاف حجت ہے۔

حدیث نمبر ۹۸۳ ﴿عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۴۹

وَعَنْ اَبِىْ بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُخَمَّصِ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ صَلَاةٌ عُرِضَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوْهَا فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتّٰى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ وَالشَّاهِدُ النَّجْمُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۲۷۵، ج نمبر ۱، باب الاوقات التى نهىٰ عن الصلاة فيها، كتاب صلاة المسافرين، حديث نمبر ۸۳۰.

ترجمہ: حضرت ابوبصرہ غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عصر کی نماز مقام "مخمص" میں پڑھائی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ نماز ان لوگوں پر بھی پیش کی گئی جو لوگ تم سے پہلے تھے، لیکن ان لوگوں نے اس نماز کو ضائع کر دیا، تو جس شخص نے اس نماز پر مداومت کی، اس کو اس نماز کا دوہرا ثواب ملے گا، اور اس نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے، یہاں تک کہ شاہد طلوع ہو جائے اور شاہد ستارہ کا نام ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث سے ایک بات معلوم ہوئی کہ عصر کی نماز نہایت اہم نماز ہے، اس لئے پابندی کا حد درجہ اہتمام کرنا چاہئے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عصر کے بعد سورج غروب ہو جانے تک کوئی نماز نہ پڑھنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح: المخمص. ایک راستہ کا نام ہے: فقال نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: عرضت عصر کی نماز یہود و نصاریٰ پر بھی فرض کی گئی تھی: فضیعوها یعنی انہوں نے نماز کا حق ادا نہیں کیا، اور اس

نماز کی پابندی نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا، لہٰذا تم لوگ ان کی طرح ہونے سے بچو: **کان له اجره مرتین.** جو شخص نماز کی پابندی کرے گا، اس کو دوہرا اجر ملے گا، دوہرا اجر کیوں ملے گا۔ ایک اجر تو یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرتے ہوئے نماز عصر کی پابندی کرنے پر ہے اور دوسرا اجر دیگر تمام نمازوں کی بنا پر جو اجر ملتا ہے وہ ہے، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ ایک اجر تو نماز کی پابندی کی بنا پر ہے اور دوسرا اجر تجارت کو نماز کی وجہ سے چھوڑنے پر ہے، کیوں کہ عصر کا وقت اس زمانے کے بازاروں کے اعتبار سے بہت مشغولی کا ہوتا تھا، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں ایک اجر تو عصر کی نماز کی فضیلت کی بنا پر ہے اور دوسرا اجر اس کی پابندی پر ہے۔ (مرقات ص نمبر ۴۹، ج نمبر ۳)
و لا صلاة بعدها. عصر کی نماز کے بعد کسی قسم کی نماز پڑھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس وقت میں بذات خود کوئی ممانعت نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی عصر کی نماز اول وقت سے شروع کر کے آخیر وقت تک پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ پسندیدہ ہے: **حَتّٰی یطلع الشاهد.** مراد یہ ہے کہ عصر کی نماز کے بعد اس وقت تک نماز نہ پڑھی جائے جب تک سورج مکمل طور پر ڈوب نہ جائے۔

حدیث نمبر ۹۸۴ ﴿عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۵۰

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلَاةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۸۳، ج نمبر ۱، باب لا یتحری الصلاة قبل غروب الشمس، کتاب مواقیت الصلاة، حدیث نمبر ۵۸۷

ترجمه: حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "بیشک تم لوگ ایک ایسی نماز پڑھ رہے ہو، کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے، مگر ہم نے آپ ﷺ کو وہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا، اور آپ ﷺ نے ان سے یعنی عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بعض لوگوں کو عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا تو اس سے ممانعت فرمائی، اور ممانعت کے لئے آپ ﷺ کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بات فرمائی کہ نہ تو آپ ﷺ کو ہم نے یہ دو رکعت پڑھتے دیکھا، اور نہ ہی آپ ﷺ نے پڑھنے کا حکم دیا، یعنی نہ تو آپ ﷺ کے عمل سے دوسروں کے حق میں اس کا ثبوت ہے، اور نہ آپ ﷺ کے فرمان سے بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فمارأیناه یصلیهما حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے عصر کے بعد آپ ﷺ کو دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، جبکہ گذشتہ اوراق میں حدیث گذری جس میں ام سلمہؓ نے حضور ﷺ کو عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا تھا، اس کے علاوہ بخاری شریف میں حدیث "مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْنِيْ فِيْ يَوْمٍ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ." (بخاری، ص نمبر ۸۳، ج نمبر ۱) اسی طرح مسلم شریف میں حدیث ہے "ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين بعد العصر عندی قط" (مسلم، ص نمبر ۲۷۷، ج نمبر ۱) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے بعد حضور ﷺ کا دو رکعت پڑھنے کا معمول تھا، پھر حضرت معاویہؓ کے نہ دیکھنے کے کیا معنی ہے، بات یہ ہے کہ عصر کے بعد حضور ﷺ دو رکعت پڑھتے تھے، لیکن یہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا، اسی بنا پر آپ ﷺ نے صراحتاً عصر کے بعد نماز پڑھنے اور خاص طور سے دو رکعت نفل پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے، اور چوں کہ امت کے حق میں عصر کے بعد رکعتین پڑھنے کی ممانعت تھی، اس وجہ سے

آپ ﷺ عام لوگوں کے سامنے خود بھی عصر کے بعد نماز نہیں پڑھتے تھے، اگر آپ ﷺ کا مقصد دوسروں کو ترغیب دینا ہوتا تو لوگوں کے سامنے یہ نماز بھی پڑھتے، حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ عام لوگوں کے سامنے یہ نماز نہیں پڑھتے تھے، اسی وجہ سے حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے نہیں دیکھا، اب اگر کسی نے دیکھا ہے، تو حضور ﷺ کا نماز پڑھنا، باوجودیکہ دوسروں کو اس سے منع فرمایا ہے، حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص کہلائے گا۔

حدیث نمبر ۹۸۵ ﴿فجر کے بعد و عصر کے بعد نماز کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۵۱

وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلٰى دَرَجَةِ الْكَعْبَةِ مَنْ عَرَفَنِيْ فَقَدْ عَرَفَنِيْ وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِيْ فَاَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَزِيْنٌ.

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر ۱۶۵/۱۶۶، ج نمبر ۵،

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ وہ خانہ کعبہ کی سیڑھی پر چڑھ گئے اور کہا کہ جس نے مجھے پہچانا، اس نے مجھے پہچانا، اور جس نے مجھے نہیں پہچانا تو میں جندب ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ فجر کے بعد نماز نہیں ہے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے، اور عصر کے بعد نماز نہیں ہے، یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے، سوائے مکہ میں، سوائے مکہ میں، سوائے مکہ میں۔ (احمد، رزین)

خلاصۂ حدیث حضرت ابوذرؓ اپنے کلام میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خانہ کعبہ کی سیڑھی پر چڑھ کر حضور ﷺ کا فرمان سنا رہے ہیں، حدیث باب سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مکہ میں فجر کے بعد و عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے کی گنجائش ہے دیگر جگہوں میں ممانعت ہے، یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے، امام ابوحنیفہؒ ممانعت کو تمام ازمنہ و تمام امکنہ کے ساتھ متعلق قرار دیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح فانا جندب یہ حضرت ابوذر کا نام ہے: الا بمکۃ۔ اس سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ مکہ میں نماز عصر و فجر کے بعد نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بہت سی احادیث میں مطلقاً ان اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے وہ احادیث کثیر بھی ہیں اور صحت و قوت میں بھی ان سے راجح ہیں، پھر محرم اور مبیح میں محرم کو راجح قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا مکہ میں فجر کے بعد و عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

باب الجماعۃ وفضلھا

﴿جماعت اور اس کی فضیلت کا بیان﴾

اس باب کے تحت آپ ﷺ کے وہ فرامین ہیں جن میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی بہت تاکید و ترغیب ہے، اور جماعت چھوڑنے والوں کی سخت مذمت اور ان پر وعید ہے، بعض ان اعذار کا ذکر ہے، جن کی بنا پر ترک جماعت کی رخصت ہے، بعض لوگ ترک جماعت کے حوالے سے آپ ﷺ کی بیان کی ہوئی سخت وعیدات کے پیش نظر جماعت کو فرض قرار دیتے ہیں، حضرات حنفیہ کے نزدیک جماعت سے نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

جماعت سے متعلق ضروری مسائل: جماعت کھڑی ہونے کے وقت فجر کے علاوہ کوئی سنت نہ شروع کی جائے، اگر پہلے سے کوئی سنت پڑھ رہا ہو تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے، اور جماعت میں شریک ہوجائے، اگر جماعت شروع ہونے کے وقت تیسری رکعت شروع کرچکا ہے تو چوتھی رکعت بھی پوری کرے، پھر جماعت میں شریک ہوئے۔

مقتدی کی تکبیر تحریمہ سے قبل اگر امام نے ایک طرف لفظ سلام کہہ دیا اگرچہ ابھی علیکم نہیں کہا تو اقتدا صحیح نہ ہوگی، لہٰذا مقتدی کو دوبارہ

تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز پڑھنا چاہئے، اگر دوبارہ تکبیر تحریمہ نہ کہے گا، تو نماز نہ ہوگی، امام کو مقتدی جس حالت میں پائے اسی حالت میں شرکت کرے، بلاوجہ تاخیر کرنا گناہ ہے۔

اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہے تو اس کو بالغوں کے ساتھ کھڑا کیا جائے، اگر نابالغ لڑکے زیادہ ہوں تو ان کو پیچھے کھڑا کرنا مستحب ہے، عورتوں کا اجنبی مرد کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جبکہ ان کے ساتھ کوئی مرد یا کوئی محرم عورت نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی جماعت میں شریک ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، عام شہروں اور قصبات میں بالعموم محلہ کی جو مقدار ہوتی ہے اگر مسجد اس مقدار سے زیادہ فاصلہ پر ہے، تو وہاں جماعت میں شریک کے لئے جانا واجب نہیں ہے، جماعت کا وقت مقرر ہے امام کو اس کی رعایت کرنا چاہئے، جماعت سے قبل سنتوں سے فراغت کا اہتمام کرے، اگر کبھی کسی عذر کی وجہ سے تاخیر ہوگئی تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو سنتیں ادا کرنے کا موقع دیں، اصفرار شمس سے پہلے جماعت قائم نہ ہو تو نماز تنہا پڑھ لینا چاہئے، نمازیوں کے اجتماع کے بعد کسی فرد کے انتظار میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۹۸٦ ﴿جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۵۲

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۸۹، ج نمبر ۱، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر ٦٤٥، مسلم، ص نمبر ۲۳۱، ج نمبر ۱، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر ٦٥٠

حل لغات: الفذُّ. اکیلا، تنہا، جمع اَفذاذ، وفُذُوْذٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جماعت کی نماز تنہا کی نماز سے ستائیس درجہ افضل ہے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے کی صورت میں جو ثواب ملتا ہے، جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں وہ ثواب ستائیس گنا کر دیا جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلاۃ الجماعۃ تفضل صلاۃ الفذ حدیث کے اس جز سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اہمیت بہت اچھی طرح سے سمجھ میں آرہی ہے، جماعت سے نماز پڑھنا اتنا اہم ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا "لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ" مسجد کے پاس رہنے والے کی نماز مسجد ہی میں درست ہے، خود نبی پاک ﷺ ہمیشہ جماعت کا بڑا اہتمام کرتے رہے بعد میں جب مرض الوفات میں آپ ﷺ کیلئے از خود مسجد آنا ممکن نہ رہا، تو دو صحابہؓ کے سہارے سے آپ ﷺ مسجد تشریف لاتے جماعت کی تاکید بہت ہے، لیکن فرض ہے یا نہیں؟ اس سے متعلق تفصیلات اگلی سطور میں نقل کروں گا۔

بسبع وعشرین درجۃ: آپ ﷺ نے جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کا ثواب تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ستائیس گنا بتایا، معلوم ہوا کہ جماعت فرض نہیں، اگر جماعت فرض ہوتی تو اکیلا نماز پڑھنے والا گنہگار اور مجرم سمجھا جاتا حالانکہ اسکو تو اصل فضیلت حاصل ہو رہی ہے۔

تعارض: اس حدیث میں "سبع وعشرین" کے الفاظ ہیں، جبکہ بہت سی احادیث میں "خمس وعشرین" کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، دونوں طرح کی احادیث میں بظاہر تعارض ہے۔

دفع تعارض: اس ظاہری تعارض کو بعض حضرات نے "ترجیح" کے ذریعہ دور کیا ہے، یعنی ان دو طرح کی احادیث میں سے ایک کو راجح

قرار دیا ہے، اور دوسری کو مرجوح، چنانچہ فتح الملہم میں ہے کہ اکثر رواۃ نے ''خمس و عشرین'' کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ لیکن ابن عمر کی روایت میں ''سبع و عشرین'' کے الفاظ ہیں، دونوں میں کون سی حدیث راجح ہوگی، اس میں محدثین کی آرا مختلف ہیں، بعض نے کہا کہ ''سبع و عشرین'' کی روایت راجح ہے، کیوں کہ اس کے رواۃ عدل وضبط میں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، جبکہ بعض نے ''خمس وعشرین'' کی روایت کو راجح قرار دیا ہے، رواۃ کی کثرت کا لحاظ کرتے ہوئے۔ (ماخوذ از فتح الملہم، ص نمبر ۲۲۰، ج نمبر ۲) بعض محدثین نے دونوں طرح کی احادیث میں ''تطبیق'' پیدا کر کے بھی اس ظاہری تعارض کو دور کیا، تطبیق کی چند صورتیں ہم ذکر کرتے ہیں۔ (۱) عدد سے مراد کثرت ہے، کسی عدد میں انحصار نہیں ہے۔ (۲) پہلے آپ ﷺ کو پچیس گنا ثواب کی اطلاع دی گئی، پھر اللہ نے مزید فضل کرتے ہوئے ستائیس گنا ثواب کر دیا۔ (۳) عدد کا یہ فرق نمازی کے احوال کے فرق کی بنا پر ہے، بعض کو پچیس گنا ثواب ملے گا، اور بعض کو ستائیس گنا ثواب ملے گا۔ (۴) مسجد کے قریب اور بعید کے اعتبار سے بھی فرق ممکن ہے۔ (۵) ستائیس گنا ثواب کا تعلق جہری نمازوں سے ہے، پچیس گنا ثواب کا تعلق سری نمازوں سے ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے توجیہات کی گئی ہیں۔

جماعت کا ثواب ستائیس درجہ کیوں:؟ جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب ستائیس، یا پچیس گنا کیوں ہے؟ اصل حکمت تو آپ ﷺ کو ہی معلوم ہوگی، ہمارا کام تو ایمان لانا ہے، لیکن بعض لوگوں نے آپ ﷺ کے اس فرمان کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے مختلف وجوہات بیان کیں ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے بہت تفصیلی توجیح فتح الباری ص، نمبر ۱۶۱۷، ج نمبر ۳، پر نقل کی ہے، اس کو میں نے ص نمبر ۱۴۰، ج نمبر ۲، حدیث نمبر ۶۵۱ کے تحت نقل کیا ہے دیکھ لیا جائے، اس کے علاوہ بعض لوگوں نے اجمالی وجوہات بھی بیان کی ہیں، اُن میں سے ایک نقل کی جاتی ہے۔ اصل جماعت میں کم از کم تین افراد ہوتے ہیں، لہٰذا ایک جماعت اصلاً تین نفر پر مشتمل ہوتی ہے، اور کل حسنة بعشر امثالها کے قاعدہ سے ان کی نیکیاں تیس ہو جاتی ہیں، اور تیس کا عدد اصل اور فضیلت دونوں کا مجموعہ ہے، روایت میں ستائیس کا ذکر بایں معنی ہے کہ اس میں سے اصل عدد نکال دیا ہے، البتہ یہ توجیح پچیس والی روایت پر صادق نہیں آتی، چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پچیس میں اجر زائد کا ذکر ہے۔ اور چوں کہ جماعت دو سے بھی ممکن ہے، تو ستائیس میں اجر زائد کے ساتھ امام اور مقتدی کے عدد کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ (تلخیص معارف السنن، ص نمبر ۲۶۳، ج نمبر ۲)

جماعت فرض ہے یا نہیں:؟ نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا فرض ہے، یا صرف جماعت مسنون ہے، اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، اور یہ اختلاف نصوص کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا، چنانچہ حضرت انور شاہ کشمیریؒ اختلاف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف درحقیقت تعبیر کا اختلاف ہے، انجام کے اعتبار سے کوئی خاص اختلاف نہیں ہے، اصل میں روایات دو طرح کی ہیں، کچھ روایات وہ ہیں، جن سے جماعت کے وجوب کا اور اس کے انتہائی اہتمام کرنے کا اور اس کے ترک پر شدید وعید ہونے کا اور اس میں شامل ہونے پر بہت زیادہ فضائل کی ترغیب کا علم ہوتا ہے، جبکہ کچھ ایسی روایات ہیں جن سے معمولی اعذار کی صورت میں ترک جماعت کی اباحت سمجھ میں آتی ہے، تو جن لوگوں نے پہلی قسم کی روایات کی طرف نظر کی تو انہوں نے جماعت کو فرض اور واجب کا درجہ دیا اور اعذار کو جماعت کی حقیقت میں شامل نہیں کیا، کیوں کہ وہ تو خارج سے لاحق ہوتے ہیں، لہٰذا وہ اصل حقیقت میں اثر انداز نہ ہوں گے اور جن لوگوں نے نرمی والے پہلو کی رعایت کی اور اعذار کی طرف بھی نگاہ کی، تو ظاہر بات ہے، اعذار کے ہوتے ہوئے جماعت فرض یا واجب نہیں ہو سکتی، لہٰذا انہوں نے جماعت کو سنت کا درجہ دیا۔ (معارف السنن، ص نمبر ۲۶۷، ج نمبر ۲)

قائلین فرض: امام احمدؒ اور داؤد ظاہری وغیرہ کے نزدیک جماعت فرض ہے۔

دلیل: یہ لوگ ان بہت سی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں ترک جماعت پر وعید شدید بیان ہوئی ہے، مثلاً آگے حدیث آرہی

ہے "لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ" جولوگ مسجد میں نہیں آتے، گھر میں پڑے رہتے ہیں انکے گھروں کو جلا دوں۔

قائلین سنت: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جماعت سنتِ مؤکدہ ہے، اکثر مشائخ کہتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک جماعت واجب ہے

دلیل: امام صاحب کی دلیل وہ تمام احادیث ہیں، جن میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، مثلاً حدیث باب، اسی طرح جماعت کی سنت سے متعلق ابوداؤد میں حدیث ہے "اِنَّهَا مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى، وَلَوْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ."

قائلین فرض کی دلیل کا جواب: جن احادیث میں وعید شدید ہے، تو اس سے جماعت ترک کرنے والوں کو تنبیہ مقصود ہے، جماعت کے فرض ہونے کو بیان کرنا نہیں ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ وعید منافقین کے بارے میں ہو، بعض روایات میں صراحتاً منافقین کا ذکر موجود ہے، وہ بلا سبب گھروں میں پڑے رہ کر نفاق کی وجہ سے مسجد میں نہیں آتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے حق میں وعید سنائی، پھر خبر واحد سے فرضیت ثابت بھی نہیں ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۹۸۷ ﴿ترک جماعت پر وعید شدید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۵۳

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبُ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَيُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى رِجَالٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا اَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهٗ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۸۹، ج نمبر ۱، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر ٦٤٦، مسلم، ص نمبر ۲۳۲، ج نمبر ۱، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ٦٥١

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں نے اس بات کا پختہ ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر جب لکڑیاں جمع کر لی جائیں، تو نماز کا حکم دوں، پھر نماز کے لئے اذان دی جائے، تو میں کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے، پھر میں لوگوں کی طرف جاؤں، ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں کی طرف جاؤں، جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے، پھر ان کے گھروں کو جلا دوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر ان میں سے کوئی جان لے کہ اس کو مسجد میں آنے پر ایک گوشت دار ہڈی، یا دو اچھے کھر ملیں گے، تو وہ عشاء کی نماز کیلئے مسجد میں ضرور حاضر ہو جائیں۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے، مسلم نے بھی اس کے مانند نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں کے حق میں سخت وعید ہے، جو بلا عذر جماعت ترک کرتے ہیں آپ ﷺ نے جماعت ترک کرنے پر اس ان لوگوں قدر سخت وعید جو سنائی، اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جماعت شعائر دین میں سے ہے، اور شعائر دین خواہ سنت ہی کیوں نہ ہو، اس کا ترک بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے، جیسے اگر کوئی بستی والے اذان کو ترک کر دیں تو انکے خلاف جہاد کیا جائیگا، باوجودیکہ اذان فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ سنت علی الکفایہ ہے، اس حدیث میں جماعت ترک کرنے والوں کی خست اور دنیا کی حرص کا بھی ذکر ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی اور حصولِ ثواب کیلئے تو مسجد آکر جماعت میں شریک ہونے سے تغافل برتتے ہیں، جبکہ تھوڑی سی دنیوی منفعت کی غرض سے اپنا آرام وچین قربان کر کے مسجد آنا پڑے تو ضرور آجائیں گے، آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کے گھر جلانے کا ارادہ کر لیا تھا تاکہ وہ گھر ہی نہ رہے، جس میں جماعت چھوڑ کر پڑے رہتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح

والذی نفسی بیدہ لقد ھممت یہاں آپ ﷺ قسم کھا کر کہہ رہے ہیں کہ میں نے اس بات کا ارادہ کیا کہ لوگوں کو مسجد میں نماز شروع کرا کر خود ان لوگوں کے گھروں کو جاؤں جو اپنے گھروں میں رہتے ہیں اور نماز کے لئے مسجد نہیں آتے پھر ان کے گھروں کو جلادوں۔

سوال: آپ ﷺ نے گھروں کو جلانے کا ارادہ کیوں کیا؟

جواب: یہ بھی درحقیقت مسجد میں لانے کا ایک طریقہ ہے کہ جب گھر نہ رہیں گے تو وہ جماعت چھوڑ کر گھروں میں بیٹھیں گے بھی نہیں۔

سوال: آپ ﷺ نے گھر جلانے کا ارادہ فرمایا تھا پھر گھر جلایا کیوں نہیں؟

جواب: گھر میں عورتیں اور بچے بھی ہوتے ہیں، وہ جماعت کے مکلف نہیں ہیں؟ اس بنا پر آپ ﷺ نے گھروں کو جلایا نہیں، چنانچہ بعض روایتوں میں یہ الفاظ منقول ہیں "لَوْلَا مَا فِي الْبُيُوْتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ" یعنی گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو گھروں کو جلادیا جاتا۔

اشکال: حدیث باب کے ان کلمات سے تو سمجھ میں آرہا ہے کہ جماعت فرض ہے، پھر احناف جماعت کی فرضیت کے قائل کیوں نہیں ہیں۔

جواب: جماعت فرض ہے یا نہیں ہے؟ اس مسئلہ سے متعلق کچھ تفصیل گذشتہ حدیث کے تحت نقل کی جاچکی ہے، وہیں پر قائلین فرضیت اور عدم قائلین فرضیت کے دلائل بھی ذکر کیے گئے، جو لوگ جماعت کی فرضیت کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں اور چوں کہ امام صاحب فرضیت کے قائل نہیں ہیں، تو امام صاحب کی طرف سے مختلف جوابات دئے جاتے ہیں، چند کو ذکر کیا جاتا ہے۔ (۱) سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ یہاں زجر و توبیخ مراد ہے۔ (۲) حافظ ابن حجرؒ نے کئی جوابات دئے ہیں ان میں سے ایک ہے کہ یہ حدیث منافقین کے بارے میں وارد ہوئی ہے، لہٰذا یہ گھر جلانے کی دھمکی صرف ترک جماعت کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ نفاق کی بنا پر ترکِ جماعت کی وجہ سے ہے۔ (۳) اس دھمکی کے مخاطب وہ قوم ہے، جو نفس صلاۃ کی تارک ہے، محض ترک جماعت پر یہ تہدید وارد نہیں ہوئی، اس کے علاوہ بھی جوابات دئے گئے ہیں، لیکن مذکورہ اور غیر مذکورہ سب جوابات پر محدثین نے اشکالات بھی نقل کئے ہیں۔ فتح الباری اور عینی میں مذکورہ حدیث کے تحت تفصیلی مباحث دیکھے جاسکتے ہیں۔

والذی نفسی بیدہ: قسم کا اعادہ کر کے تارکین جماعت کی خست اور دنیا طلبی کو ذکر کیا ہے کہ ایک طرف تو انکی یہ حالت ہے کہ گھروں میں پڑے رہتے ہیں، اور مسجد میں آکر جماعت میں شریک نہیں ہوتے اور دوسری طرف دنیوی معمولی چیزوں کیلئے بھاگے چلے آتے ہیں: **عرقاً سمیناً** وہ ہڈی جس سے اکثر موٹا گوشت اتار لیا گیا ہو اور کچھ تھوڑا گوشت لگا ہوا ہو: **مرماتین**. تثنیہ ہے، واحد مِرْماۃ، اس کے دو معنی ہیں۔ (۱) بکری کا کھر یا بکری کے کھر کا گوشت۔ (۲) ایسے تیر جن سے تیراندازی کی مشق کی جاتی ہے یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ دنیوی معمولی چیز ملنے کا علم ہو جائے تو مسجد دوڑے چلے آئیں، لیکن ثواب اخروی کیلئے نہیں آتے۔

حدیث نمبر ۹۸۸ (ترک جماعت کی اجازت طلب کرنا) عالمی حدیث نمبر ۱۰۵٤

وَعَنْهُ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَعْمٰى فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُوْدُنِيْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَسَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُرَخِّصَ لَهُ فَيُصَلِّيَ فِي بَيْتِهِ فَرَخَّصَ لَهُ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۳۲، ج نمبر ۱، باب فضل صلاۃ الجماعۃ وبیان التشدید، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۵۳

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی قائد دستیاب نہیں ہے جو مجھے مسجد تک لے کر آئے پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی رخصت چاہی کہ وہ

اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کریں، آپ ﷺ نے ان کو رخصت عطا فرمادی، پھر جب وہ جانے کے لئے مڑے، تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور کہا کہ کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا "تب آیا کرو"۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے جو اہم اور بنیادی بات سمجھ میں آئی وہ یہ کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور اذان سن کر مسجد آنا بہت ہی اہم امر ہے، اس میں کسی قسم کی کوتاہی ہرگز نہ کرنا چاہئے، آپ ﷺ نے نابینا صحابی جو کہ عبداللہ ابن ام مکتوم تھے۔ کو پہلے رخصت دی پھر اجتہاد میں تغیر یا وحی کی آمد کی بناء پر رخصت سے گریز کر کے مسجد آنے کیلئے کہا، یعنی رخصت کو منسوخ کردیا، اعذار شدیدکی بناء پر ترک جماعت میں کوئی حرج نہیں، لیکن عبداللہ بن ام مکتومؓ کو اجازت نہ ملنا یہ ان کے ساتھ خاص ہے، ان کے کمال مرتبہ کی بناء پر عزیمت پر عمل کرنا انکے حق میں لازم قرار دیا گیا۔ عام نابینا اگر قائد نہ ملنے کی بناء پر مسجد نہیں آرہا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رجل اعمیٰ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ مراد ہیں، ابوداؤد کی روایت میں اسکی یوں صراحت ہے "عن ابن مکتوم أنه سأل النبی صلی اللہ علیه وسلم "فاجب اللہ کے نبی ﷺ جانتے تھے کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ بغیر قائد کے مسجد آسکتے ہیں، اس بناء پر فرمایا کہ اگر تم کو اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، یعنی تمہارا گھر مسجد سے دور نہیں ہے، تو مسجد آؤ اور جماعت سے نماز پڑھو۔ (مرقات: ص: نمبر ۵۴، ج: نمبر ۳)

اشکال: قرآن مجید کی آیت ہے "لیس علی الاعمی حرج" یعنی اللہ تعالیٰ نے نابینا کو شرعاً معذور قرار دیا ہے تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن ام مکتومؓ کو مسجد آنے کا کیوں حکم دیا، اور رخصت کی اجازت کیوں نہیں دی؟

جواب: (۱) یہ حدیث عذر کی آیت مذکورہ کے نزول سے پہلے کی ہے۔ (۲) حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کے ساتھ یہ معاملہ خاص ہے یہی وجہ کہ جب ایک دوسرے نابینا صحابی "عتبان بن مالک" نے گھر پر نماز پڑھنے کی رخصت مانگی تو آپ ﷺ نے ان کو عنایت کی۔ تفصیل واقعہ مسلم، ص نمبر ۲۳۳ پر دیکھئے، رہی بات کہ یہ عبداللہ بن ام مکتومؓ کی خصوصیت کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ مؤذن رسول، مہاجر صحابی اور نہایت فضل وکمال کے حاملین میں سے ہیں، لہٰذا آپ ﷺ کے فضل وکمال کی بناء پر آپ ﷺ کے لئے عزیمت کی صورت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا۔ جو لوگ جماعت کو فرض قرار دیتے ہیں، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، گذشتہ سطور سے ان کے استدلال کا جواب بھی ہو گیا تفصیلی مذاہب کے لئے حدیث نمبر ۹۸۵ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۹۸۹ ﴿ترک جماعت کی رخصت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۵۵

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيحٍ ثُمَّ قَالَ أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُولُ أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۸۸، ج نمبر ۱، باب الاذان للمسافرین، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۳۲، مسلم، ص نمبر ۲۴۳، ج نمبر ۱، باب الصلاۃ فی الرحال فی المطر، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر ۶۹۷

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک ٹھنڈ اور ہوا والی رات میں اذان دی، پھر کہا کہ خبردار الوگوں اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لو، پھر کہا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ "جب سردی اور بارش والی رات ہو، تو خبردار ! تم لوگ اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھو۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اعذار شدیدہ کی بناء پر جماعت ساقط ہو جاتی ہے اور جن اعذار کی بناء پر جماعت ساقط ہوتی ہے ان میں سے دو کا حدیث میں ذکر ہے۔ (۱) بہت زیادہ ٹھنڈک (۲) بہت تیز ہوا، اگر بہت زیادہ ٹھنڈک اور ہوا کی شدت کی بناء پر مسجد میں حاضر ہو کر جماعت سے نماز پڑھنا دشوار ہو، تو مسجد نہ آنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ذات برد ومطر جماعت سے نماز پڑھنے کی احادیث میں بہت تاکید آئی ہے، اور جماعت کے ترک کرنے پر سخت وعیدیں بھی آپ ﷺ نے ذکر کیں ہیں، لیکن کچھ ایسے اعذار ہیں جن کی بنا پر اگر جماعت ترک کردی جائے تو کچھ گناہ نہیں ہے، دو عذر حدیث باب میں ہیں، اس کے علاوہ بھی چند اعذار کا ذکر آگے آنے والی احادیث میں ہے۔ علامہ شامیؒ نے بیس اعذار شمار کرائے ہیں اور ان کو چند اشعار میں جمع فرما دیا ہے۔ (اشعار:

اَعْذَارُتَرْكِ جَمَاعَةٍ عِشْرُوْنَ قَدْ ☆ أَوْدَعْتُهَا فِيْ عَقْدِ نَظْمٍ كَالدُّرَرْ
مَرَضٌ وَاِقْعَادٌ عَمًى وَزَمَانَةٌ ☆ مَطَرٌ وَطِيْنٌ ثُمَّ بَرْدٌ قَدْ اَضَرَّ
قَطْعٌ لِرِجْلٍ مَعَ يَدٍ أَوْدُوْنَهَا ☆ فَلَجٌ وَعَجْزُ الشَّيْخِ قَصْدٌ لِلسَّفَرْ
خَوْفٌ عَلٰى مَالٍ كَذَا مِنْ ظَالِمٍ ☆ اَوْدَائِنٍ وَشَهِيُّ اَكْلٍ قَدْ حَضَرْ
وَالرِّيْحُ لَيْلاً ظُلْمَةٌ تَمْرِيْضُ ذِيْ ☆ اَلَمٍ مُدَافَعَةٌ لِبَوْلٍ اَوْقَذَرْ
ثُمَّ اِشْتِغَالٌ لَا بِغَيْرِ الْفِقْهِ فِيْ ☆ بَعْضٍ مِّنَ الْاَوْقَاتِ عُذْرٌ مُّعْتَبَرْ

ان بیس میں دو بارش اور ہوا کا حدیث باب میں ذکر ہے، لیکن یہ عذر ان کے حق میں ہے جن کے لئے بارش یا ہوا میں آنا دشوار ہو، جو لوگ بارش یا ہوا میں گھومتے پھرتے ہیں، ان کے حق میں یہ اعذار شمار نہ ہوں گے۔

حدیث نمبر ۹۹۰ ﴿جماعت کے وقت کھانے کا تقاضہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۵۶

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ عَشَآءُ اَحَدِكُمْ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَآءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَلَا يَاْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَاِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۹۲، ج نمبر ۱، باب اذاحضر الطعام واُقیمت الصلاۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۷۳، مسلم، باب کراھۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۵۶۰

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کسی کے سامنے رات کا کھانا رکھا جائے اور نماز کھڑی ہو جائے، تو کھانا شروع کر دے، اور جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہو جائے۔ ابن عمرؓ کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور اس وقت نماز کھڑی ہو جاتی، تو آپ نماز کے لئے اس وقت تک نہ آتے جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے، حالانکہ آپ امام کی قرأت سنتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کو بھوک بہت شدید لگی ہو، اور کھانا آجائے نماز پڑھنے کی صورت میں، دل کھانے کی طرف متوجہ رہے گا، نماز میں خشوع وخضوع حاصل نہ ہو سکے گا، تو پھر اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے۔

کلمات حدیث کی تشریح فابدء وا بالعشاء کھانا سامنے آگیا اور اسی وقت امامت ہونے لگی، تو کھانے کو مقدم کرے، یا جماعت میں شریک ہونے کو؟ حدیث باب میں ہے کہ پہلے کھانے سے فراغت حاصل کرو، لیکن یہ امر وجوب کے لئے نہیں، بلکہ اباحت کیلئے ہے، اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر بھوک کی شدت کے وقت کھانا کے سامنے ہوتے ہوئے نماز ادا کرے گا، تو دل کھانے کی طرف متوجہ رہے گا اور یہ بات مناسب نہیں ہے، اسی وجہ سے اسی باب کے تحت بخاری میں حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت میں ہے کہ "مِنْ فِقْهِ الْمَرْءِ اِقْبَالُهُ عَلٰى حَاجَتِهِ حَتّٰى يُقْبِلَ عَلٰى صَلَاتِهِ وَقَلْبُهُ فَارِغٌ" انسان کی سمجھداری کی بات ہے کہ

پہلے اپنی ضرورت کی طرف متوجہ ہو، تا کہ وہ نماز کی طرف توجہ کرے، تو اس کا دل فارغ ہو، تو گویا نماز کو مؤخر کرنا، اور کھانا کھانا یہ عذر کی بنا پر ہے، اور عذر کھانے کی طرف اشتیاق کا ہونا ہے اور کھانے کے بغیر نماز کی طرف متوجہ ہونے میں خشوع وخضوع کا فوت ہونا ہے، اگر کسی کو کھانے کی طرف اشتیاق نہیں ہے، تو پہلے نماز پڑھے، پھر کھانا کھائے، حضرت عائشہؓ کی اگلی حدیث ہے کہ "لا صلاۃ بحضرۃ طعام" کھانا سامنے آنے کے بعد نماز نہ پڑھنا چاہئے۔ اسی کو بنیاد بنا کر اہل ظواہر کہتے ہیں کہ کھانا آنے کے بعد نماز پڑھنے سے نماز باطل ہو جائے گی، ظواہر کی یہ بات درست نہیں ہے، حدیث کا مقصد صرف یہ ہے کہ شدت اشتیاق کے وقت کھانا کے سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنے سے نماز کا کمال فوت ہو جاتا ہے، کیوں کہ دل نماز کے بجائے کھانے میں لگا رہتا ہے، اسی بات کو امام ابوحنیفہؒ نے یوں بیان کیا ہے کہ "لَأَنْ يَكُوْنَ أَكْلِيْ كُلُّهُ صَلَاةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ تَكُوْنَ صَلَاتِيْ كُلُّهَا أَكْلًا" کھانے میں نماز کی فکر ہو یہ بہتر ہے، اس سے کہ نماز میں کھانے کی فکر ہو، حاصلِ بحث یہ ہے کہ جماعت کھڑی ہونے کی صورت میں شرکت واجب ہے، بعض اعذار کی بنا پر رخصت دی گئی ہے، ان ہی اعذار میں سے ایک عذر شدت اشتیاق کے وقت کھانے کی موجودگی ہے، ایسی صورت میں پہلے کھانا سے فارغ ہو پھر نماز پڑھے، لیکن اگر کسی نے نماز پڑھی پھر کھانا کھایا، تو بھی نماز ہو جائے گی۔

حدیث نمبر ۹۹۱ ﴿جماعت کے وقت استنجا کا تقاضہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۵۷

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلَاةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۰۸، ج نمبر ۱، باب كراهية الصلاة بحضرة الطعام، كتاب المساجد، حديث نمبر ۵۶۰

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کھانا آنے کے بعد نماز نہیں ہوتی، اور نہ اس وقت نماز ہوتی ہے جب کہ دونوں ناپاکیاں اس کو دور کریں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بھوک کی شدت کے وقت کھانا آ گیا تو پہلے کھانا کھایا جائے، پھر نماز پڑھی جائے، کیوں کہ اگر کھانا کے سامنے ہوتے ہوئے بھوک کی شدت کے وقت نماز پڑھی گئی، تو حضور قلب میسر نہ آئے گا۔ اسی طرح پیشاب یا بیت الخلاء کا تقاضہ ہے تو پہلے ان سے فراغت حاصل کر لی جائے پھر نماز پڑھی جائے، اس کے برعکس کرنے کی صورت میں خشوع وخضوع میسر نہیں آئے گا، لیکن اگر کسی نے بھوک کی شدت کے وقت پہلے نماز پڑھی، یا اسی طرح استنجا کو دبا کر کسی طور پر نماز ادا ہی کر لی، تو نماز ادا ہو جائیگی، لیکن کمال صلاۃ حاصل نہیں ہوگا اور یہاں کمالِ صلاۃ کی نفی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لاصلاۃ بحضرۃ یہاں کمالِ صلاۃ کی نفی ہے، لہٰذا اگر کسی نے بھوک کی شدت کو کسی طور پر دبا کر یا استنجا کے تقاضہ کو روک کر نماز پڑھی، تو نماز مکروہ ہوگی الاخبثان. دو خبیث چیزوں سے دو ناپاکیاں یعنی پیشاب وپاخانہ مراد ہے۔ اور اسی حکم میں وہ تمام اعذار ہیں جن کی وجہ سے نماز کا خشوع وخضوع باقی نہ رہے۔ جیسے ریح، قے وغیرہ۔

(مرقات، ص نمبر ۵۵، ج نمبر ۳)

حدیث نمبر ۹۹۲ ﴿جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنت پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۵۸

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۴۷، ج نمبر ۱، باب كراهية الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن، كتاب صلاة المسافرين، حديث نمبر ۷۱۰

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب نماز کھڑی ہو جائے، تو اس وقت فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب مؤذن تکبیر کہدے اور جماعت کھڑی ہو جائے، تو اب کسی قسم کی سنت نہ شروع کرنا چاہئے، جماعت کی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ جماعت میں شرکت کی جائے، بعض فقہاء نے فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے باوجود اگر ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فجر کی سنت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا اقیمت الصلاۃ مؤذن جب اقامت کہدے، المکتوبۃ. اس میں فرض نماز کے علاوہ کی نماز کی گنجائش نہیں ہے۔

جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنا: اس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز کھڑی ہونے کے بعد کسی قسم کی سنتیں شروع کرنا درست نہیں ہے۔ ظواہر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر پہلے سے سنتیں پڑھی جارہی ہیں اور جماعت کھڑی ہوگئی، تو شروع کی ہوئی سنتیں باطل ہو جائیں گی، کیوں کہ حدیث باب میں فرض کے علاوہ دیگر تمام نمازوں کی اقامت کے بعد نفی کی گئی ہے، لیکن جمہور کے نزدیک فرض نماز کیلئے اقامت کے بعد پہلے سے شروع کردہ سنن ونوافل باطل نہیں ہوتے۔ البتہ جمہور علماء کا فجر کی سنن کے حوالے سے اختلاف ہے، جس کو ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

شوافع کا مذہب: شوافع اور حنابلہ کے یہاں جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنا جائز نہیں ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آپ ﷺ نے صاف فرمایا "اذا اقیمت الصلاۃ فلاصلاۃ الا المکتوبۃ" جب نماز کھڑی ہوگئی تو فرض کے علاوہ نماز نہیں ہوتی۔

امام صاحب کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک جماعت فجر کھڑی ہونے کے باوجود فجر کی دو رکعت پڑھنا درست ہے، لیکن اس میں امام صاحبؒ یہ تفصیل کرتے ہیں کہ فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے باوجود فجر کی سنن اس وقت پڑھی جائے گی، جب کم از کم ایک رکعت ملنے کی توقع ہو، امام مالکؒ جماعت کی دونوں رکعتوں کے ملنے کی شرط لگاتے ہیں۔

دلائل: حنفیہ ومالکیہ دو طرح کے دلائل پیش کرتے ہیں، ایک تو وہ دلائل جن میں فجر کی سنت کی خاص طور پر بہت تاکید آئی ہے اور دوسرے وہ آثار جن سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ فجر کی نماز کھڑی ہونے کے بعد سنن پڑھی گئیں ہیں، چنانچہ فجر کی سنن کی بہت تاکید کے حوالے سے آپ ﷺ کا فرمان، صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: "لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی شَیْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدُّ تَعَاھُدًا مِنْہُ عَلٰی رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ" نبی پاک ﷺ نفل کے حوالے سے فجر کی سنن کی جتنی زیادہ تاکید فرماتے تھے کسی کی نہیں فرماتے تھے۔ مسلم کی روایت ہے "رَکْعَتَا الْفَجْرِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَافِیْھَا" فجر کی دو رکعت سنن، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ابوداؤد میں ہے "لَا تَدَعُوْا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ وَلَوْ طَرَدَتْکُمُ الْخَیْلُ" فجر کی سنتوں کو مت چھوڑو اگرچہ لشکر تم کو دھکیل رہے ہوں۔ احادیث بالا سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنتوں کی بڑی تاکید ہے ان کو چھوڑنا نہ چاہئے۔ جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنن فجر پڑھنے کے اثر کے سلسلہ میں عرض ہے کہ حضرت امام طحاویؒ نے حضرت ابن عمرؓ کا اثر نقل کیا ہے۔ "أَیْقَظْتُ اِبْنَ عُمَرؓ لِصَلَاۃِ الْفَجْرِ وَقَدْ أُقِیْمَتِ الصَّلَاۃُ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ" نافعؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو فجر کی نماز کیلئے بیدار کیا، تو آپؓ نے جماعت کھڑی ہونے کے باوجود دو رکعت سنتیں پڑھیں۔ اسی طرح حضرت مسروق، حضرت عبداللہ بن

مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کے آثار امام طحاویؒ نے نقل کیے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے باوجود ان حضرات نے سنن فجر پڑھیں ہیں۔ صاحب مرقاتؒ دلائل وغیرہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ اگر جماعت کی فضیلت اور سنن فجر پڑھنے کی فضیلت دونوں کو جمع کرنا ممکن ہو تو جمع کیا جائے گا، فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت، فجر کی سنن سے زیادہ ہے، اس وجہ سے ہے کہ فرض نماز جماعت سے پڑھنے کا ثواب تنہا نماز پڑھنے کے مقابل میں ستائیس گنا ہے، جبکہ فجر کی دو رکعت سنت فرض نماز کے ایک گنا ثواب کے برابر بھی نہیں ہے۔ اسی طرح جماعت ترک کرنے کے حوالے سے جو وعیدیں ہیں وہ فجر کی سنت ترک کرنے کی وعید سے زیادہ سخت ہیں۔ تو اگر ایک رکعت جماعت کی امید ہوگی تب سنت میں مشغول ہوا جائے گا۔ اور اگر ایک رکعت بھی ملنے کی امید نہ ہوگی تب سنت کو ترک کر دیا جائے گا، کیوں کہ اگر سنت نہ ترک کریں گے تو جماعت ترک ہو جائے گی۔

شوافع کی دلیل کا جواب: حدیث باب جس کو شوافع نے اپنا مستدل بنایا ہے وہ اپنے عموم پر نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اگر عموم مراد لیا تب تو یہ لازم آئے گا کہ "اقامت صلاۃ کے بعد دنیا کے کسی گوشہ میں فرض نماز کے علاوہ نماز درست نہ ہو" ظاہر بات ہے حدیث کا یہ مطلب تو ہے ہی نہیں، اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس مسجد میں جماعت کھڑی ہوگئی ہو اس مسجد میں دوسری نماز نہ شروع کی جائے، چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت ہے "خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَرَأَى نَاسًا يُصَلُّوْنَ رَكْعَتَيْنِ بِالْعَجَلَةِ فَقَالَ اَصَلَاتَانِ مَعًا فَنَهٰى أَنْ تُصَلَّيَا فِي الْمَسْجِدِ اِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ" اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ مسجد میں جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنت پڑھنا ت ممنوع ہے۔ تا کہ جماعت سے مخالفت لازم نہ آئے۔ اس لئے حنفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ گھر سے سنت پڑھ کر آنا سب سے بہتر ہے ورنہ مسجد کے دروازے یا کسی ایسی جگہ پڑھے جو مسجد کے حکم سے خارج ہو، حنفیہ میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر قعدۂ اولیٰ ملنے کی امید ہے تب فجر کی سنن پڑھ لینا چاہئے۔ (یہ مباحث معارف السنن، مرقات، بذل المجہود وغیرہ سے ماخوذ ہیں)

حدیث نمبر۹۹۳ ﴿عورتوں کی مسجد میں آمد﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۵۹

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَأْذَنَتْ امْرَأَةُ اَحَدِكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعَنَّهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۷۸۸، ج نمبر ۱، باب استئذان المرأة زوجها في الخروج إلى المسجد، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۲۸۳۸، مسلم، ص نمبر ۱۸۳، باب خروج النساء إلى المسجد، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۴۴۲

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے کسی کی عورت جب مسجد جانے کی اجازت مانگے، تو وہ اس کو ہرگز نہ روکے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عورتوں کی مسجد میں آمد نہ صرف جائز ہے، بلکہ مردوں سے ان کی عورتیں اگر مسجد آنے کی بابت اجازت طلب کریں تو مرد حضرات ان کو اجازت دیدیں۔ آپ ﷺ نے اجازت نہ دینے سے منع فرمایا ہے، علماء لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کا زمانہ مبارک فتنوں سے پر امن تھا، آپ ﷺ نے اپنے دور مبارک میں عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت دی، لیکن مسجد آنے کا حکم نہ دیا، دوسری طرف آپ ﷺ نے عورتوں کو ان کے گھروں ہی میں نماز پڑھنے کی بہت ترغیب دی، جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے دور میں بھی عورتوں کے لئے گھروں ہی میں نماز پڑھنا بہتر تھا، پھر بعد میں جب طرح طرح کے فتنہ وجود میں آنے لگے، تو مسجد میں عورتوں کے آنے پر پابندی عائد کر دی گئی، بعض شرائط کے ساتھ کچھ مخصوص عورتیں مسجد میں آسکتی ہیں، عام عورتیں گھر میں ہی نماز پڑھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا استأذنت امراۃاحد کم الی المسجد تم میں سے کسی کی عورت جب مسجد جانے کی اجازت طلب کرے، تو اس کو اجازت دے دو، یہاں مطلق مسجد میں آنا مذکور ہے جب کہ بخاری کی ایک روایت میں رات کی قید کا ذکر ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے حدیث ذکر کرنے سے پہلے جو باب قائم کیا وہ ہے "باب خروج النساء إلى المسجد بالليل والغلس" یہ باب اس بیان میں ہے کہ عورتوں کو مسجد میں رات کے وقت اور صبح کے اندھیرے میں آنا چاہئے، مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو دن کے اجالے میں نہ آنا چاہئے، بخاری نے اس باب کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے وہ ہے "عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اِسْتَأْذَنَكُمْ بِاللَّيْلِ اِلَی الْمَسَاجِدِ فَأْذَنُوْا لَهُنَّ" حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم سے تمہاری بیویاں رات میں مسجد جانے کی اجازت چاہیں تو تم ان کو اجازت دو" اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔(۱) آپ ﷺ نے عورتوں کو مسجد جانے کے لئے تاکیدی حکم نہیں دیا (۲) شوہر کی اجازت لے کر مسجد جانے کے لئے کہا (۳) رات میں یعنی جب اندھیرا ہو اس وقت مسجد جانے کے لئے کہا، آپ ﷺ کے زمانہ میں جو عورتیں مسجد جاتی تھیں وہ اس کا بھرپور لحاظ بھی کرتی تھیں، چنانچہ ایک حدیث ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّ الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ، مَايُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ" رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے جب فارغ ہوتے تو عورتیں چادر میں اپنے کو بالکل چھپا کر نماز سے واپس ہوتی تھیں۔ اندھیرے کی وجہ سے کوئی ان کو پہچان نہیں سکتا تھا، مسجد آنے کے لئے آپ ﷺ نے اور بھی بہت سی شرائط دیگر احادیث میں بیان کیں ہیں، مثلاً راستوں میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو، عورتیں خوشبو لگا کر نہ آئیں، ان شرائط کو میں نے حدیث نمبر ۸۸۸ کے تحت ذکر کیا ہے، دیکھ لیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کئی شرائط کے ساتھ عورتوں کو مسجد میں آنے کا حکم نہیں، بلکہ اجازت دی ہے، اجازت کے ساتھ آپ ﷺ نے عورتوں کے لئے بہتر یہی قرار دیا کہ عورتیں اپنے گھروں میں نماز ادا کریں، چنانچہ ایک صحابیہ ام حمیدؓ ساعدی آپ سے عرض کرتی ہیں کہ "اِنِّیْ اُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ" اے اللہ کے رسول میں آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش رکھتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "قَدْ عَلِمْتُ" مجھے تمہاری اس چاہت کا علم ہے، پھر آپ ﷺ نے ام حمیدؓ ساعدی سے فرمایا کہ "صَلَاتُكِ فِیْ بَيْتِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِیْ حُجْرَتِكِ وَصَلَاتُكِ فِیْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِكِ فِیْ دَارِكِ وَصَلَاتُكِ فِیْ دَارِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِكِ فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ وَصَلَاتُكِ فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِكِ فِیْ مَسْجِدِ الْجَمَاعَةِ" (تمہارا کوٹھری میں نماز پڑھنا، گھر کے کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور کمرہ میں نماز پڑھنا گھر کے کھلے حصہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور گھر کے کھلے حصہ میں نماز پڑھنا محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے) (مسند احمد بحوالہ فتح الباری) آپ ﷺ نے اپنے ہی عہد مبارک کی عورتوں کیلئے گھر میں نماز پڑھنے کو بہتر قرار دیا ہے، پھر آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہؓ کی موجودگی ہی میں عورتوں نے جب کچھ بننا سورنا شروع کیا اور اسی عالم میں عورتوں کی مسجد میں آمد ہوئی، تو مزاج نبوت سے آشنا، آپ ﷺ کی عالمہ وفقیہ بیوی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "لَوْاَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَااَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَامُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ" (بخاری) اگر رسول اللہ ﷺ لوگوں کے احوال دیکھتے، تو آپ ﷺ عورتوں کو اسی طرح مسجد آنے سے منع فرماتے، جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔ حضرت عائشہؓ اس دور کے حالات سے مطمئن نہیں ہیں، عورتوں کا مسجد میں آنا ان کو ناگوار ہے، اگرچہ انہوں نے مسجد میں آنے کو حرام قرار نہیں دیا، تو آج کیسے عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

سوال: حضور ﷺ نے جس چیز کی اجازت دی، بعد والے اس کی اجازت کیسے ختم کر سکتے ہیں؟

جواب: مسجد میں آنے کی رخصت جس طرح حضور ﷺ کے دور میں تھی، اسی طرح آج بھی ہے۔ لیکن چوں کہ آپ ﷺ نے جن شرائط کے ساتھ اجازت دی تھی، ان کی رعایت نہیں ہے، اور مسجد آنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے، اس لئے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا جاتا ہے، گویا کہ عورتوں کا مسجد میں آنا ممنوع لذاتہ نہیں، بلکہ لغیرہ ہے، گذشتہ سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ نے عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت دی، لیکن بہتر بھی فرمایا کہ عورتیں گھر میں نماز پڑھیں، چنانچہ آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ "لَاتَمْنَعُوْا نِسَائَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ" اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو، اوران کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں، بعد میں فتنہ وفساد کی وجہ سے علماء نے عورتوں کو مسجد میں آکر مردوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کیا، یہ منشاء نبوت کے عین موافق ہے۔ آج جو لوگ عورتوں کا مسجد میں آنا پسند کرتے ہیں، وہ فتنہ وفساد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔

اشکال: جب آپ ﷺ کو عورتوں کا مسجد میں آنا پسند نہیں تھا، تو آپ ﷺ نے عورتوں کو مسجد آنے سے کیوں نہیں روکا۔؟

جواب: عورتیں آپ ﷺ کی نماز سے بہت کچھ سیکھتی تھیں، آپ ﷺ کے عمل کو دیکھ کر جو کیفیت ان سے ذہن ودماغ پر منقش ہوتی تھی، زبانی تعلیم سے اس کیفیت کا پیدا ہونا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ عورتیں اس خیر سے محروم نہ ہوں، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو مسجد آنے سے روکا نہیں، نیز مردوں کی طرح عورتوں کی بھی آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی آرزو تھی، جیسا کہ ام حمیدؓ ساعدی کی حدیث گذری ہے اور آپ ﷺ کو عورتوں کی اس کیفیت کا علم بھی تھا، آپ ﷺ کے زمانے میں عورتوں کے مسجد آنے میں کوئی فتنہ بھی نہیں تھا، اس لئے آپ ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا نہیں، اوران کے شوہروں کو بھی روکنے سے منع فرمایا، لیکن چوں کہ آپ ﷺ نگاہ نبوت سے بعد والے فتنوں کا مشاہدہ فرمارہے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے عورتوں کے لئے ان کے گھروں میں نماز پڑھنے کو بہتر قرار دے کر اسی کی ترغیب دی۔

اشکال: آپ ﷺ نے یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ میرے زمانے میں عورتیں مسجد میں آسکتی ہیں، بعد میں عورتوں کے مسجد آنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے میرے وصال کے بعد عورتیں مسجد میں نہ جائیں۔؟

جواب: آپ ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں شرائط کے ساتھ اجازت دینے کے ساتھ ساتھ، ان کے گھروں میں نماز پڑھنے کو بہتر قرار دیکر آپ ﷺ نے وارثوں اور دین کے خدام کو یہ واضح اشارہ دے دیا تھا کہ جب عورتوں کے مسجد میں آنے سے بگاڑ پیدا ہو، تو اس پر روک لگا دیا جائے، چنانچہ فقہائے عظام نے ایسا ہی کیا بھی اور آج کے نام نہاد اہلحدیث کے علاوہ ہر زمانے کے علماء وفقہاء نے اس فیصلہ کو شریعت کے مطابق تسلیم کرتے ہوئے پسند فرمایا، آج بھی اگر حضور ﷺ کے زمانہ کی طرح امن وچین پیدا ہو جائے، تو آج بھی عورتوں کے لئے مسجد جانے کی گنجائش پیدا ہو جائے گی، کیوں کہ اپنی ذات کے اعتبار سے عورتوں کے لئے مسجد میں جانا جائز ہے۔ ممانعت دیگر خرابیوں کی بنا پر ہے، جب وہ خرابیاں نہ رہیں گی، تو ممانعت بھی نہ رہے گی۔ (یہ مباحث اختصار کے ساتھ ارمغانِ حق تالیف مولانا ابوبکر صاحب غازیپوری مدظلہ سے ماخوذ ہیں) بوڑھی عورتیں، بغیر بناؤ سنگھار اور خوشبو لگائے ظہر اور عصر کے علاوہ اوقات میں مسجد آکر نماز پڑھ سکتی ہیں۔ حدیث باب میں جو نہی ہے وہ نہی تنزیہی ہے، یعنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکنا مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا کہ سابق میں گذرا یہ ممانعت آج کل حالات کے اعتبار سے نہیں، بلکہ آپ ﷺ کے مبارک دور کے اعتبار سے ہے۔

حدیث نمبر ۹۹۴ ﴿عورتوں کو خوشبو لگا کر مسجد آنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶۰

وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ. قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۱۸۳، ج نمبر ۱، باب خروج النساء إلى المساجد، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ٤٤٣

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی حضرت زینبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم عورتوں سے فرمایا کہ "تم میں سے جب کوئی مسجد آئے، تو خوشبو لگا کر نہ آئے۔" (مسلم)

خلاصۂ حدیث گذشتہ حدیث میں عورتوں کے مسجد آ کر جماعت میں شریک ہونے کے جواز سے متعلق کافی تفصیل سے بحث کی گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے دور خیر میں، جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہونے کے برابر تھا، عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت دی تھی لیکن یہ اجازت مطلق نہ تھی، بلکہ بعض شرائط کے ساتھ مقید تھی، ان ہی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ مسجد میں آنے والی عورت خوشبو لگا کر نہ آئے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا شهدت یعنی جب کوئی عورت مسجد آنے کا ارادہ کرے: فلا تمس طيبًا مسجد آنے والی عورت خوشبو لگا کر نہ آئے، خوشبو لگانے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ یہ فتنہ کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے، یعنی جب عورت خوشبو لگا کر مسجد آئے گی، تو اس میں فتنہ بڑھنے کا امکان قوی ہے۔

حدیث نمبر ۹۹۵ ﴿کپڑوں پر دھونی دیکر مسجد آنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶۱

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ اَصَابَتْ بَخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۱۸۳، ج نمبر ۱، باب خروج النساء الى المساجد، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ٤٤٤

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس عورت نے دھونی دی ہو، وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک مت ہو۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں عورتوں کے مسجد میں آنے سے متعلق ایک شرط کا ذکر ہے، کہ عورت کپڑوں یا جسم پر دھونی دے کر مسجد نہ آئے، مسجد میں اس وقت آئے جب اس کے بدن یا کپڑوں وغیرہ سے خوشبو نہ اٹھ رہی ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح اصابت بخوراً. وہ خوشبودار چیز جس کو جلا کر کپڑوں وغیرہ پر دھونی دی جائے تا کہ جسم و کپڑے پر خوشبو آ جائے۔ یہاں "بخور" کا ذکر ہے۔ گذشتہ حدیث میں مطلقاً خوشبو کی ممانعت کی جا چکی ہے:
العشاء الاخرة. مغرب کو "عشاء" اور عشاء کو عشاء آخرۃ سے دور اوّل میں تعبیر کیا جاتا تھا۔ کسی عورت کے مسجد آنے کے لئے خوشبو کے بغیر مسجد آنا شرط ہے، اس کا تعلق صرف عشاء کی نماز کے ساتھ نہیں، لیکن عشاء کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ اس وقت تاریکی ہوتی ہے، اور راستہ خالی ہوتا ہے، لہٰذا عورت کے جسم یا لباس سے خوشبو پھیلنے کی بنا پر اس وقت فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے، اس بنا پر خاص طور پر اس وقت کی صراحت کی گئی، ورنہ دیگر اوقات میں بھی عورت کے لئے خوشبو لگا کر مسجد آنا ممنوع ہے۔

حدیث نمبر ۹۹۶ ﴿عورتوں کی بہتر نماز پڑھنے کی جگہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶۲

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا نِسَائَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ۸٤، ج نمبر ۱، باب ماجاء فی خروج النساء إلى المساجد، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ٥٦٧.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اپنی عورتوں کو مسجدوں سے مت روکو، جبکہ ان کے گھر ان کے حق میں زیادہ بہتر ہیں۔" (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ آپ ﷺ کا منشا یہی ہے کہ عورتیں اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھیں، لیکن آپ ﷺ نے مسجد آنے کی اجازت عورتوں کے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے شدتِ اشتیاق، نیز تعلیم ودینی مضبوطی کی بنا پر دی تھی، پھر آپ ﷺ کے دور میں فتنہ وفساد بھی نہیں تھا، لیکن آج کے دور میں عورتیں قطعاً مسجد میں آکر نماز نہ پڑھیں، خصوصاً جوان عورتوں کا مسجد میں آنا عظیم فتنہ کو دعوت دینا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وبیوتھن خیر لھن عورتوں کے بارے میں قرآن کریم واحادیث میں ستر پوشی کا حکم بکثرت آیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ" یعنی عورتو تم اپنے گھروں میں جم کر رہو، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دور میں بعض مصالح کی بناپر عورتوں کو مسجد آنے سے روکا نہیں، ان ہی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ نماز کے اوقات میں عموماً کچھ وعظ وتعلیم بھی فرماتے تھے، لہٰذا ان احکام شرعیہ کی تعلیم واشاعت کی غرض سے مسجد میں آنے کی اجازت تھی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے فرمان "بیوتھن خیر لھن" سے یہ بتایا کہ گنجائش مسجد جانے کی ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ عورتیں گھروں ہی میں نماز پڑھیں۔ عورتوں کا مستور ہونا شریعتِ اسلامیہ میں کتنا محبوب ہے۔ اگلی حدیث سے یہ بات بخوبی معلوم ہورہی ہے۔

حدیث نمبر ۹۹۷ ﴿عورتوں کی سب سے بہتر نمازپڑھنے کی جگہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶۳

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِي مَخْدَعِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص نمبر ٨٤، ج نمبر ١، باب التشديد في خروج النساء إلى المساجد، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٥٧٠

حل لغات: مَخْدَعٌ: کوٹھری، جو بڑے کمرہ کے اندر ہو، چھوٹا کمرہ، جمع مَخَادِع.

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "عورت کا کمرہ کے اندر نماز پڑھنا صحن کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور کوٹھری میں اس کا نماز پڑھنا بڑے کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ عورت گھر میں جس قدر پوشیدہ جگہ نماز پڑھے وہ اس کے حق میں بہتر ہے، کیوں کہ اس میں پردہ کا اہتمام خوب رہے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح بیتھا گھر کا اندرونی حصہ مراد ہے: حجرتھا گھر کا صحن مراد ہے: مخدھا جو کوٹھری تعمیر کی جاتی ہے وہ مراد ہے، چونکہ یہ کوٹھری قیمتی سامانوں کو دھوکہ دھڑی سے محفوظ رکھتی ہے، اس لئے اس کو "مخدع" کہتے ہیں، اس میں عورت کے حق میں تستر خوب ہے، اس لئے نماز کے لئے عورتوں کے حق میں بہتر قرار دیا، آج جو لوگ عورتوں کو مسجد میں لانے کا نعرہ دے رہے ہیں وہ آپ ﷺ کے اس فرمان سے عبرت پکڑیں۔

حدیث نمبر ۹۹۸ ﴿عورت کے خوشبولگاکر مسجد آنے کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶٤

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ حِبِّيَ اَبَاالْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ امْرَاَةٍ تَطَيَّبَتْ لِلْمَسْجِدِ حَتّٰى تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۵۷۵، ج نمبر ۱، باب ماجاء فی تطیب المرأۃ للخروج، کتاب الترجل، حدیث نمبر ۴۱۷۴، مسند احمد، ص نمبر ۲۴۶، ج نمبر ۲، نسائی، ص نمبر ۲۴۰، ج نمبر ۲، باب اغتسال المرأۃ من الطیب، کتاب الزینۃ، حدیث نمبر ۵۱۴۲

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "کسی عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی، جو مسجد آنے کیلئے خوشبو لگائے، یہاں تک کہ وہ ایسا غسل کرے، جیسا کہ جنابت کیلئے غسل کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد، مسند احمد، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورت مسجد آتے وقت خوشبو کا استعمال نہ کرے، کیوں کہ اس میں فتنہ کے پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے، اگر کسی عورت نے خوشبو کا استعمال کر لیا ہے اور مسجد آنا چاہتی ہے تو پہلے خوشبو کو زائل کرے پھر مسجد آئے پورے جسم میں اگر خوشبو پھیلی ہوئی ہے تو پورے جسم کو دھوئے، ورنہ جس حصہ کے ساتھ خوشبو مخصوص ہے، اس کو دھوئے عورت کا گھر میں رہتے ہوئے خوشبو استعمال کرنا درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتقبل مراد یہ ہے کہ نماز کامل و مکمل نہیں ہوتی ہے: حتی تغتسل غسلها من الجنابة مطلب یہ ہے کہ جس طرح جنابت میں پورے جسم کو دھویا جاتا ہے، اسی طرح عورت نے اگر خوشبو کا استعمال کیا ہے اور مسجد آنا چاہتی ہے، تو پورے جسم کو دھوئے، پھر مسجد آئے، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ پورے جسم پر خوشبو پھیلی ہو، اگر جسم کے مخصوص حصہ میں خوشبو لگائی ہے اور اس کے دھونے سے خوشبو زائل ہو جاتی ہے، تو اس کا دھونا کافی ہے، آپ ﷺ نے خوشبو کے حوالے سے یہ فرمان اس وجہ سے دیا ہے کہ اس کی وجہ سے فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہے، آج کل عورتوں کا محض مسجد میں آنا باعث فتنہ ہے، اس لئے علماء عورتوں کو مسجد آنے سے روکتے ہیں۔ علماء کا یہ فتویٰ منشاء رسول ﷺ کے عین موافق ہے۔

حدیث نمبر ۹۹۹ ﴿خوشبو لگا کر عورت کو باہر نکلنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶۵

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَیْنٍ زَانِیَةٌ وَّاِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِیَ كَذَا وَكَذَا یَعْنِیْ زَانِیَةٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَلِاَبِیْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیِّ نَحْوَهٗ.

حوالہ: ترمذی، ص نمبر... ج نمبر ۱، باب ماجاء فی کراهیة خروج المرأة متعطرة، کتاب الأدب، حدیث نمبر ۲۷۸۶، نسائی، ص نمبر... ج نمبر ۱، باب مایکره للنساء من التطیب، کتاب الزینة، حدیث نمبر ۵۱۴۱، ابوداؤد، ص نمبر ۵۷۵، ج نمبر ۱، باب ماجاء فی تطیب المرأة للخروج، کتاب الترجل، حدیث نمبر ۴۱۷۳

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے، بے شک عورت جب خوشبو لگا کر مجلس سے گذرے تو وہ ایسی ہے، یعنی زناکار ہے، ترمذی۔ اسی جیسے مفہوم کی روایت ابوداؤد و نسائی نے بھی نقل کی ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ اجنبی مرد کا عورت کی طرف یا عورت کا مرد کی طرف نگاہ کرنا یہ درحقیقت آنکھوں کا زنا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت خوشبو وغیرہ کا استعمال کر کے مردوں کی مجلس میں آتی ہے، اور ان کو آنکھوں کی زنا میں مبتلا کرتی ہے، تو وہ بدکار ہوئی اور چونکہ یہ عورت اس گناہ کا وسیلہ اور ذریعہ بنی، اس لئے یہ بھی حکماً زنا کرنے والی ہوئی۔

کلمات حدیث کی تشریح کل عین. ہر وہ آنکھ جو شہوت کے ساتھ اجنبیہ کو دیکھنے والی ہے وہ زناکار ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "زنا العینین النظر" آنکھوں کا زنا شہوت سے دیکھنا ہے، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ہر آنکھ میں خوبصورت صورتوں کے جھانکنے کی قوت مرکوز ہوئی ہے، بالخصوص اگر خوشبو یا دوسری ہیجان کو بڑھانے والی چیزیں خوبصورت صورتوں کے ساتھ مل جائیں، تو یہ چیز بالعموم زنا کی طرف لے جانے والی ہے، الا یہ کہ یہ قوت محنت و ریاضت کے ذریعہ سے جڑ سے اکھاڑ دی جائے

(مرقات ص نمبر ۵۷۸، ج نمبر ۳) تو جب صورت حال یہ ہے، ایسے میں کوئی عورت عطر وغیرہ کا استعمال کر کے مردوں کے ہیجان کو بڑھانے کے لئے ان کی مجلس میں جائے، یا وہاں سے گذرے، تو یہ آنکھوں کے زنا کا سبب بنے گی تو یہ گناہ پر ابھارنے کی وجہ سے اور آنکھوں کے زنا کی دعوت دینے کی بنا پر خود زانیہ ہے۔ ابن مالکؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عورتوں کو عطر لگا کر باہر نکلنے سے بہت شدت کے ساتھ روکنا مقصود ہے۔ ورنہ بعض نگاہیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے زنا سے ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۰۰۰ ﴿جماعت کی کثرت میں ثواب زیادہ ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶۶

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاھِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اَشَاھِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ ھَاتَیْنِ الصَّلَاتَیْنِ اَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِیْھِمَا لَاَتَیْتُمُوْھُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَی الرُّکَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰی مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِکَۃِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِیْلَتُہٗ لَابْتَدَرْتُمُوْہُ وَاِنَّ صَلَاۃَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْکٰی مِنْ صَلَاتِہٖ وَحْدَہٗ وَصَلَاتُہٗ مَعَ الرَّجُلَیْنِ اَزْکٰی مِنْ صَلَاتِہٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا کَثُرَ فَھُوَ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤٗدَ وَالنَّسَائِیُّ.

حواله: ابوداؤد، ص نمبر ۸۲، ج نمبر ۱، باب فی فضل صلاۃ الجماعۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۵٤، نسائی، ص نمبر ۹۷، ج نمبر ۱، باب الجماعۃ اذا کانوا اثنین، کتاب الامامۃ، حدیث نمبر ۸٤۳.

حل لغات: حبواً سرین کے بل چلنا مراد ہے، ایک مخصوص نشست، ج حبیٌ.

ترجمه: حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز ہم لوگوں کو پڑھائی، آپ ﷺ نے سلام پھیر کر دریافت فرمایا فلاں فلاں نماز میں حاضر ہیں صحابہ نے جواب دیا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا "بلاشبہ یہ دو نمازیں منافقین پر بہت زیادہ بوجھ ہیں، اگر تم لوگ جان لو کہ ان میں کیا کچھ فضیلت ہے تو تم لوگ ضرور آؤ، اگر چہ تم کو گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے، اور بے شک پہلی صف فرشتوں کی صف کے مانند ہے، اگر تم لوگوں کو اس کی فضیلت کا علم ہو جائے تو تم لوگ اس کی طرف سبقت کرتے ہوئے آؤ، بے شک ایک آدمی کی نماز ایک آدمی کے ساتھ اس کی تنہا نماز سے بہتر ہے، اور ایک آدمی کی نماز دو آدمیوں کے ساتھ یہ ایک آدمی کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور جتنے زیادہ آدمی جماعت میں ہوں گے وہ جماعت اتنی ہی زیادہ اللہ کو محبوب ہوگی۔ (ابوداؤد ونسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) فجر اور عشاء کی نماز کا ثواب زیادہ ہے، اور یہ دونوں نمازیں منافقین پر بہت بوجھ ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ ان سے بہت کتراتے ہیں (۲) صفِ اول کی بہت زیادہ فضیلت ہے آدمی اس کی فضیلت سے صحیح طور پر واقف نہیں ہے اسی وجہ سے اس فضیلت کے حصول کے لئے کوئی کوشش نہیں کرتا، اگر صحیح معنی میں فضیلت جان جائے تو بھاگتا ہوا آئے (۳) جماعت کی شرکت سے نماز کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان هاتین الصلاتین اثقل مراد فجر اور عشاء کی نمازیں ہیں یعنی منافقین کیلئے فجر اور عشاء کی نماز پڑھنا بہت دشوار ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں اس کی یوں صراحت بھی موجود ہے "لَیْسَ صَلَاۃٌ اَثْقَلَ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ" اصل میں منافقین کیلئے ہر نماز بہت گراں ہے، کیونکہ انکا مقصد نماز سے قرب الٰہی اور ثواب تو ہے نہیں، فقط ریاکاری مقصود ہوتی ہے، اور فجر وعشاء میں اندھیرے کیوجہ سے ریاکاری اور شہرت کا موقع بھی کم ہے، نہ پڑھنے کی صورت میں دنیوی ذلت اور رسوائی کا بھی اندیشہ نہیں ہے، اسلئے یہ بالعموم ان نمازوں کو ٹال ہی جاتے ہیں اور اگر پڑھنا پڑتا ہے تو بہت زیادہ بوجھ محسوس کرتے ہیں، اس بنا پر مسلمانوں کو ان نمازوں کی مواظبت پر بہت ابھارا گیا ہے، تاکہ مخلصین اور منافقین میں واضح امتیاز رہے: ولو تعلمون ما فیھما فجر اور عشاء کی نماز میں بہت ثواب ہے، اگر لوگ ثواب جان لیں تو جتنی بھی مشقت اٹھانا پڑے، اٹھالیں، لیکن

ان نمازوں کیلئے ضرور حاضر ہوں، فجر اور عشاء کے ثواب کا کچھ اندازہ آپ ﷺ کے اس فرمان سے ہوتا ہے "مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ" (مسلم) جس نے عشاء کی نماز جماعت کیساتھ پڑھی تو اس نے گویا آدھی رات قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو اس نے گویا ساری رات نماز پڑھی "وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهُ" صف اول کی فضیلت جان لو تو اس کیلئے دوڑ کر آؤ۔ صف اول کی فضیلت سے متعلق اگلے باب میں احادیث مذکور ہیں، ابوداؤد کے حوالے سے ایک حدیث ہے "إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْأَوَّلِ" اللہ اور اس کے فرشتوں کی رحمت نازل ہوتی ہے صف اول والوں پر وان صلاة الرجل جماعت سے نماز پڑھنے کا تنہا نماز پڑھنے کے مقابل میں ثواب بہت زیادہ ہے حدیث گذر چکی ہے "صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة" "وما كثر فهو احب. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کثیرہ میں ثواب زیادہ ہے، جتنی مقدار میں مصلی زیادہ ہوں گے، اتنا ہی ثواب میں اضافہ ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۰۰۱ ﴿جماعت سے نماز شیطان سے حفاظت کا ذریعہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶۷

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلَاةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حواله: مسند احمد، ص نمبر ۱۹۶، ج نمبر ۵، ابو داؤد، ص نمبر ۸۱، ج نمبر ۱، باب التشديد في ترك الجماعة، حديث نمبر ۵۴۷، نسائي، ص نمبر ۹۷، ج نمبر ۱، باب التشديد في ترك الجماعة، كتاب الامامة، حديث نمبر ۸۴۶۔

حل لغات: استحوذ على الشيء. قابض ہونا، على فلان، غالب آنا۔

ترجمه: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس بستی اور جنگل میں تین آدمی ہوں اور ان میں جماعت قائم نہ کی جاتی ہو، تو شیطان ان پر غالب آجاتا ہے، لہٰذا تمہارے لئے جماعت کو لازم پکڑنا ضروری ہے، اس وجہ سے کہ بھیڑیا دور ہوجانے والی بکری کو کھالیتا ہے۔" (احمد، نسائی، ابو داؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ (۱) اگر کسی جگہ تین مسلمان بھی رہتے ہوں تو ان کو جماعت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اگر جماعت کا اہتمام رہے گا تو شیطان ان سے مغلوب رہے گا، جماعت کے ترک کر دینے سے شیطان ان پر غالب آکر ان کو گمراہی میں ڈال دے گا (۲) جماعت کو جملہ امور میں لازم پکڑنا چاہئے، کسی بھی معاملہ میں اپنے کو الگ تھلگ نہ کرنا چاہئے، کیوں کہ جماعت پر اللہ کی خاص عنایت ہوتی ہے، جماعت سے نکلنے والے کو شیطان اسی طرح اپنے دام میں پھانس لیتا ہے جیسے ریوڑ سے الگ ہوجانے والی بکری کو بھیڑیا اپنا شکار بنالیتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ما من ثلاثة اگرچہ جماعت دو آدمیوں سے متصور ہوجاتی ہے، لیکن کامل جماعت کے لئے تین افراد کی شرکت ضروری ہے، اس لئے آپ ﷺ نے تین فرمایا، مراد تین مرد ہیں، کیوں کہ تنہا عورتوں کی جماعت اور ان کی امامت مکروہ ہے۔ ولا بدوٍ. بادیہ کے اطلاق کی بنا پر یہ بات معلوم ہوئی کہ حالتِ سفر میں بھی جماعت سے نماز پڑھنا سنت ہے، یہی حنفیہ کا مذہب بھی ہے۔ فعليك بالجماعة. جماعت کو لازم پکڑو، اس وجہ سے کہ شیطان جماعت سے بھاگتا ہے، اور جماعت سے کنارہ کشی اختیار کرنے والے پر غالب آجاتا ہے، ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا "مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ" جس نے جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدائی اختیار کی اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی کا پھندا اتار دیا۔

(مشکوۃ) يَاْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ. جس طرح ریوڑ سے دور ہونے والی بکری کو بھیڑیا بہت آسانی سے اپنا شکار بنالیتا ہے، اسی طرح جماعت سے الگ ہونے والے کو شیطان نہایت آسانی سے شکار کرلیتا ہے، اسی بات کو آپ ﷺ نے ایک موقعہ پر یوں فرمایا کہ "اِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ اِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ" بلاشبہ شیطان انسان کا ایسا ہی بھیڑیا ہے جیسے کہ بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے۔ وہ ریوڑ سے الگ ہوجانے والی، دور ہوجانے والی اور جدا ہوجانے والی بکری کو پکڑلیتا ہے۔ تم پہاڑوں کے دروں سے بچو، اور جماعت نیز عام لوگوں کے ساتھ جڑے رہو۔

حدیث نمبر ۱۰۰۲ ﴿عذر کی صورت میں ترک جماعت کی رخصت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶۸

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنِ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ صَلّٰى رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارَ قُطْنِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۸۱، ج نمبر ۱، باب في التشديد في ترك الجماعة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۵۵۱، دارقطني، باب الحث لجار المسجد على الصلوة فيه إلا من عذر، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۶.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص پکارنے والے (مؤذن) کی آواز سنے تو سوائے کسی عذر کے کوئی چیز اس کی اتباع سے روکے نا، لوگوں نے سوال کیا عذر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "خوف یا بیماری" وہ نماز قبول نہیں ہوتی جو بغیر جماعت کے پڑھے۔" (ابوداؤد، دارقطنی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عذرِ شرعی کی وجہ سے ترکِ جماعت کررہا ہے، تب تو اس کیلئے رخصت ہے اور اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر کسی نے بغیر عذرِ شرعی کے ترکِ جماعت کیا تو وہ گناہ گار ہے۔ تنہا نماز اگر پڑھتا ہے، تو اگرچہ فریضہ ساقط ہوجائے گا؟ لیکن نماز کے کامل ثواب سے محروم رہے گا، یہاں مثال کے طور پر دو اعذار خوف اور بیماری کا ذکر ہے، اس کے علاوہ بھی اعذار ہیں، چند کی گذشتہ احادیث میں صراحت ہوچکی ہے۔ شامی کے حوالے سے چند اشعار احادیث نمبر ۹۸۹ کے تحت نقل کئے گئے ہیں، ان میں سب اعذار جمع ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح من سمع المنادی جس نے پکارنے والے کو سنا، فرض نماز کیلئے مؤذن کی دی ہوئی اذان مراد ہے: فلم يمنعه اذان سننے کے بعد مسجد کی حضوری سے کوئی چیز اس کو نہ روکے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مؤذن کی اذان سن کر مسجد آنے کی قید اکثری احوال کے اعتبار سے ہے، یعنی عام طور پر آدمی مؤذن کی اذان سن کر ہی مسجد آتا ہے، یہ کوئی قیدِ احترازی نہیں ہے کہ اذان نہیں سنی تو جماعت سے نماز پڑھنا ساقط ہوجائے: خوف اپنی جان، یا سامان، یا مال کے ضیاع کا خوف ہو، یعنی جماعت میں شرکت کی وجہ سے ان چیزوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، تو ترکِ جماعت کی گنجائش ہے، اس کے علاوہ بھی اعذار ہیں حدیث نمبر ۹۸۹ دیکھئے: لم تقبل. بغیر عذر کے ترکِ جماعت کی صورت میں تنہا نماز پڑھنے سے نماز قبول نہیں ہوتی۔ "قبول" کے دو معنی ہیں۔ (۱) قبول اصابت (۲) قبول اجابت۔ قبولِ اصابت کا مطلب ہے دنیوی اعتبار سے فراغ الذمہ۔ اور قبولِ اجابت کا مطلب ہے اخروی ثواب، یہاں قبولِ اجابت کی نفی ہے، قبولِ اصابت کی نفی نہیں ہے، یعنی دنیا کے اعتبار سے ذمہ سے فراغت ہوگئی۔ فریضہ ساقط ہوگیا۔ لیکن بلاعذرِ شرعی کے ترکِ جماعت کی وجہ سے قبولِ اجابت حاصل نہیں ہوا، یعنی اس کو نماز کا ثواب نہیں ملے گا۔ جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ سے متعلق تحقیق کے لئے گذشتہ احادیث دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۰۰۳ ﴿جماعت کے وقت استنجے کا تقاضہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۶۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَوَجَدَ

اَحَدُکُمُ الْخَلَاءَ فَلْیَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَیٰ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ نَحْوَہٗ.

حوالہ: مؤطا امام مالك، ص نمبر... باب النهی عن الصلاۃ الخ، کتاب قصر الصلاۃ فی السفر، حدیث نمبر ٤٩، ابوداؤد، ص نمبر ١٢، ج نمبر ١، باب أیصلی الرجل وهو حاقن، کتاب الطهارۃ، حدیث نمبر ٨٨، ترمذی، ص نمبر ٣٦، ج نمبر ١، باب ماجاء اذا اقیمت الصلاۃ ووجد احدکم الخلاء، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ١٤٢، نسائی، ص نمبر ٩٨، ج نمبر ١، باب العذر فی ترك الجماعة، کتاب الامامة، حدیث نمبر ٨٥١.

ترجمہ: عبداللہ بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "جب نماز کھڑی ہوجائے اور تم میں سے کسی کو استنجے کا تقاضہ ہو تو پہلے استنجے سے فارغ ہوجائے۔ (ترمذی) امام مالکؒ ابوداؤد، اور نسائی نے بھی اس کے مانند روایت نقل کی ہے۔

خلاصۂ حدیث اعذار کی وجہ سے ترکِ جماعت کی رخصت ہے، استنجے کا تقاضہ بھی ایک عذر ہے، لہٰذا اگر استنجا محسوس ہو رہا ہو تو پہلے استنجا کرے پھر جماعت میں شریک ہووے، استنجے کی وجہ سے جماعت فوت ہوجائے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ اگر استنجے کے تقاضہ کو دبا کر نماز میں جائے گا تو طبیعت کے عدمِ سکون کی بنا پر نماز کا خشوع وخضوع فوت ہوجائے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح فلیبدأ بالخلاء استنجا کی حاجت ہو تو اس کو روک کر نماز نہ شروع کرنا چاہئے، بلکہ پہلے استنجا کرے، پھر نماز شروع کرے، اگر کسی نے استنجا کے تقاضہ کے باوجود نماز پڑھ لی، تو امام مالکؒ کے نزدیک وقت کے اندر اعادہ ضروری ہے، اور اگر وقت گذر گیا تو نماز ہوجائے گی، حنفیہ کے نزدیک اگر تقاضہ بہت ہی شدید ہے اور استنجا کو دبا کر نماز پڑھ رہا ہے تو مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر شدید تقاضہ نہ ہو یعنی ایسا تقاضہ نہ ہو جو اضطراب تک پہنچادے، تاہم نماز سے توجہ ہٹا دینے اور خشوع کو فوت کرنے والا ہے، تو ایسی صورت میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر تقاضہ بہت ہی معمولی ہے، نماز سے توجہ ہٹانے والا نہیں ہے تو یہ ترکِ جماعت کے اعذار میں سے نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اگر جماعت کھڑی ہورہی ہے تو جماعت میں شریک ہونا چاہئے۔ عملی بات تو یہ ہے کہ جماعت کھڑی ہونے سے پہلے ہی استنجا وغیرہ سے فارغ ہوکر جماعت میں شریک ہونا چاہئے۔ تاکہ جماعت بھی مل جائے، اور استنجا کا تقاضہ بھی نہ ہو، اگر نماز کے دوران شدید استنجا کا تقاضہ ہو، تو نماز قطع کردے، لیکن اس میں عجلت نہ کرے جب تقاضہ زیادہ ہو تب نماز منقطع کرے، اگر استنجا کے شدید تقاضہ کی وجہ سے جماعت چھوٹ گئی تو دوسری مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے، جماعت پانے کی امید پر کوئی دوسری مسجد چلا گیا تو بہتر ہے، اور اگر اپنے محلّہ کی مسجد ہی میں تنہا نماز پڑھ لی تو بھی ٹھیک ہے۔ (دیکھئے معارف السنن، ص نمبر ۱۷۴، ج نمبر ۱)

حدیث نمبر ۱۰۰۴ ﴿استنجا روک کر نماز پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۷۰

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّفْعَلَهُنَّ لَا یَؤُمَّنَّ رَجُلٌ قَوْمًا فَیَخُصُّ نَفْسَهٗ بِالدُّعَاءِ دُوْنَهُمْ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا یَنْظُرُ فِیْ قَعْرِ بَیْتٍ قَبْلَ اَنْ یَّسْتَأْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا یُصَلِّ وَهُوَ حَقِنٌ حَتّٰی یَتَخَفَّفَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَلِلتِّرْمِذِیِّ نَحْوَهٗ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ١٢، ج نمبر ١، باب أیصلی الرجل وهو حاقن، کتاب الطهارۃ، حدیث نمبر ٩، ترمذی، ص نمبر ٨٢، ج نمبر ١، باب ماجاء فی کراهیة أن یخص الامام نفسه بالدعاء، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ٣٥٧.

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تین کام کسی کے لئے کرنا جائز نہیں ہیں۔ (۱) جو آدمی کسی قوم کی امامت کرے، اس کے لئے دعا میں دوسروں کو چھوڑ کر اپنی ذات کو خاص کرنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے قوم کے ساتھ دغابازی کی (۲) اجازت لینے سے قبل کسی کے گھر کے اندر جھانکنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے گھر والوں کے ساتھ

خیانت کی (۳) کسی کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ استنجا روک کر نماز پڑھے، یہاں تک کہ استنجا سے فارغ ہو جائے۔ (ابوداؤد) ترمذی نے کچھ فرق کے ساتھ یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کے اندر تین چیزوں کی ممانعت ہے۔ (۱) امام دعاء میں مقتدیوں کو بھی شامل کرے خالص اپنے لئے دعا نہ کرے (۲) کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانک تانک نہ کرے، اجازت لے کر گھر کے اندر داخل ہو اور گھر میں اجازت لے کر ہی دیکھے بھی (۳) پیشاب یا بیت الخلاء کا تقاضہ ہو تو اس حالت میں نماز شروع نہ کرے، بلکہ پہلے ان سے فراغت حاصل کر لے پھر نماز پڑھے۔

کلمات حدیث کی تشریح حقن پیشاب کے تقاضہ کے باوجود اس کو روکنے والے کو "حاقن" کہتے ہیں، بیت الخلاء بتکلف روکنے والے کو "حاقب" کہتے ہیں، ریح کو روکنے والے کو "حاذق" کہتے ہیں، جب ان چیزوں کا تقاضہ ہو تو پہلے فراغت کی جائے، پھر نماز شروع کی جائے، ورنہ نماز کا خشوع حاصل نہ ہوگا، اور نماز مکروہ ہوگی۔ اس مسئلہ سے متعلق تحقیق کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیے۔

حدیث نمبر ۱۰۰۵ ﴿کھانے کی وجہ سے نماز میں تاخیر کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۷۱

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُؤَخِّرُوا الصَّلَاةَ لِطَعَامٍ وَلَا لِغَيْرِهٖ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ.

حواله: بغوی فی شرح السنة، باب البداْة بالطعام الخ، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۸۰۰.

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز کو مؤخر نہ کرو۔ (شرح السنہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کھانا وغیرہ آجائے تو اس میں لگ کر اتنی تاخیر نہ کرنا چاہئے کہ نماز کا وقت ہی نکل جائے۔ بھوک کے شدید تقاضہ کے وقت نماز کو مؤخر کر کے پہلے کھانا کھانا چاہئے تاکہ خشوع فوت نہ ہو، لیکن اتنی بھی تاخیر نہ ہو کہ وقت ہی نکل جائے۔ لہٰذا اگر وقت تنگ ہے تو بھوک کے تقاضہ کے باوجود پہلے نماز پڑھی جائے، پھر کھانا کھایا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح **لا تؤخروا الصلاة لطعام** کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز کو مؤخر مت کرو، یہ حدیث بظاہر حدیث نمبر ۹۹۰ کے مخالف ہے، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "**اذا وضع عشاء احدكم واقيمت الصلاة فابدء وا بالعشاء ولا يعجل حتى يفرغ منه**" جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے، اور اسی وقت جماعت بھی کھڑی ہو جائے، تو وہ کھانا شروع کرے اور کھانے سے جب تک فارغ نہ ہو جائے، نماز کے حوالے سے جلدی نہ کرے، ان دونوں احادیث کا ظاہری تعارض دور کرنے کے لئے یہ بات کہی گئی ہے کہ نماز کو کھانے کے لئے مؤخر کرنے کی ممانعت ہے، لیکن جب کھانا آجائے تو پھر کھانا پہلے کھا لے۔ حاصل یہ ہے کہ نماز اپنی ذات کے اعتبار سے تمام امور پر مقدم ہے، اور کھانے کو جو اس پر مقدم کیا جا رہا ہے، وہ بھی اس میں کمال پیدا کرنے کے لئے ہے، کیونکہ اگر بھوک کی شدت میں کھانا ہوتے ہوئے نماز میں لگے گا، تو ذہن کھانے کی طرف متوجہ رہے گا، جس کی وجہ سے نماز کا خشوع فوت ہو جائے گا، نیز یہاں نماز کو مؤخر کرنے سے مراد اتنی تاخیر ہے کہ وقت ہی نہ نکل جائے، لہٰذا اتنی تاخیر کی بھی صورت درست نہیں ہے، اور جس حدیث میں کھانے کو مقدم کر کے نماز کو مؤخر کرنے کی بات ہے، وہاں تاخیر سے مراد اتنی تاخیر ہے کہ وقت کے اندر اچھی طرح نماز پڑھ لی جائے، اگر اتنا وقت ہے کہ صرف کھانا کھایا جا سکتا ہے، یا صرف نماز پڑھی جا سکتی ہے، تو پہلے نماز پڑھی جائے گی، پھر کھانا کھایا جائے گا، اور ایسی صورت میں بھوک کی شدت دبانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۰۰۶ ﴿مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۷۲

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ ﷺ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ اِلٰى مَسْجِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوْهَا حَسَنَةً وَرَفَعَهٗ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهٖ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۳۲، ج نمبر ۱ . باب فضل صلاۃ الجماعۃ الخ، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۵۴.

حل لغات: یعمد. عَمَدَ (ض) عَمدًا (ض) کسی چیز کا قصد وارادہ کرنا یھادی، ھَادی. فلان فلاناً. کسی کو لڑکھڑاتے ہوئے چلانا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم نے اپنے کو اس حال میں دیکھا کہ کوئی شخص نماز سے پیچھے نہیں ہوتا تھا۔ الّا یہ کہ کوئی ایسا منافق ہو جس کا نفاق معلوم ہو، یا کوئی مریض ہو، مریض بھی ایسا ہوتا کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر (سہارا لے کر) جماعت میں شریک ہوتا، اور عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سنن ہدیٰ سکھایا، بے شک سنن ہدیٰ میں سے اس مسجد میں نماز پڑھنا ہے جس میں اذان دی جاتی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ کل وہ اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے، تو اس کو چاہئے کہ وہ ان پانچ نمازوں کی وہاں پابندی کرے جہاں اذان دی جاتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لئے جو سنن ہدیٰ مشروع فرمائی تھیں، ان ہی سنن ہدیٰ میں سے ایک یہ بھی سنن ہدیٰ ہے، اور اگر تم اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنے لگو گے، جیسے کہ یہ پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے، تب تو تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے، اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت چھوڑ دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے، جو کوئی آدمی بھی وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد کا رخ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر قدم پر جس کو وہ اٹھاتا ہے، ایک نیکی لکھ دیتے ہیں، اس کے ذریعہ سے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں، اور اس کا ایک گناہ مٹا دیتے ہیں، اور البتہ تحقیق کہ ہم نے اپنے کو اس حال میں دیکھا کہ کوئی شخص نماز سے پیچھے نہیں ہٹتا تھا، الّا یہ کہ وہ ایسا منافق ہو کہ جس کا نفاق ظاہر ہو۔ البتہ تحقیق کہ آدمی اس حال میں لایا جاتا تھا کہ دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوتا تھا، یہاں تک کہ اس کو صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے مسجد کے اندر آکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اہمیت خوب اچھی طرح معلوم ہو رہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جماعت کو سنن ہدیٰ میں سے قرار دیا ہے اور سنن ہدیٰ سے یہاں سنن مؤکدہ مراد ہے جو کہ تقریباً واجب کے ہم معنی ہے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ کے دور میں جماعت کا اس قدر شوق تھا کہ بیمار بھی کسی نہ کسی طرح سہارا وغیرہ لے کر ٹکتے ٹکاتے مسجد آکر جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ شریک ہو کر نماز پڑھنے کیلئے گھر سے اچھی طرح وضو کر کے چلنا چاہئے۔ کیونکہ وضو کر کے مسجد کی طرف چلنے میں ہر قدم پر نیکی بھی ملتی ہے، گناہ بھی ٹلتا ہے، درجہ بھی بلند ہوتا ہے۔ جماعت کو حتی الامکان ترک نہ کرنا چاہئے، کیونکہ آپ ﷺ کے

دور کے اعتبار سے یہ کھلے منافق کا وطیرہ تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح وما یتخلف دور نبوت میں بغیر عذر کے جماعت کوئی بھی ترک نہیں کرتا تھا: الا منافق قد علم نفاقه. جس منافق کا نفاق جانا جاتا تھا وہی جماعت ترک کرتا تھا، منافق کے نفاق جاننے کے بعد اس سے حضور ﷺ تعرض کیوں نہیں فرماتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں لوگ کہتے کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کو ہی قتل کردیتے ہیں، نیز یہاں "علم" ظن کے معنی میں ہے، یعنی لوگ کسی کو متعین طور پر اور یقینی طور پر منافق جانتے ہوں ایسا تھا بھی نہیں، یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ جو بھی جماعت چھوڑیگا تو وہ نفاق ہی کی وجہ سے جماعت چھوڑے گا، کیونکہ بسا اوقات دل سے اسلام قبول کرنے کے باوجود کاہلی سستی کی بنا پر بعض لوگ نماز ترک کردیتے ہیں، یہاں بس یہ مراد ہے کہ اس دور میں نفاق کی وجہ سے لوگ جماعت ترک کرتے تھے، اس تشریح سے اس حدیث کا مطلب بھی سمجھ میں آگیا، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لقدهممت أن امر" یعنی جماعت ترک کرنے والوں کے گھر کو جلانے کا آپ ﷺ نے ارادہ کرلیا تھا، معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو گھروں میں پڑے رہتے تھے اور نماز پڑھنے نہیں آتے تھے منافق تھے۔ مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۸۷ دیکھیں۔

وان من سنن الهدیٰ الصلاة فی المساجد: آپ ﷺ نے جو امور انجام دیئے وہ دو طرح کے تھے۔ (۱) وہ امور جو آپ ﷺ نے عادت کے طور پر انجام دیے تھے، مثلاً داہنے پیر میں پہلے جوتا پہنتے تھے پھر بائیں پیر میں پہنتے تھے۔ (۲) وہ امور جو آپ ﷺ عبادت کے طور پر انجام دیتے تھے، جو کام آپ ﷺ عبادت کے طور پر کرتے تھے وہی سنن ہدیٰ کہلاتے ہیں، پھر سنن ہدیٰ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ امور جو عبادت کے طور پر مواظبت اور پابندی کے ساتھ انجام دیتے ہوں، ان کو سنن مؤکدہ کہا جاتا ہے، وہ امور جو بغیر مواظبت کے انجام دیتے ہوں، سنن غیر مؤکدہ کہلاتے ہیں، اس تفصیل کے بعد آپ سمجھئے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کو حدیث باب میں سنن ہدیٰ میں سے کہا گیا ہے، اور سنن ہدیٰ مؤکدہ اور غیر مؤکدہ دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا جماعت سے نماز پڑھنے کو احناف سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں، کیونکہ اس پر آپ ﷺ نے مواظبت فرمائی ہے۔ بعض لوگ واجب کہتے ہیں، تو یہ بھی صحیح ہے، کیونکہ سنن مؤکدہ ایک عام لفظ ہے، اس میں واجب بھی شامل ہے، چنانچہ صاحب مرقات ابن ہمام کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "قَالَ اِبْنُ هُمَامٍ وَتَسْمِيَتُهَا سُنَّةً عَلٰى مَافِيْ حَدِيْثِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ لَا حُجَّةَ فِيْهِ لِلْقَائِلِيْنَ بِالسُّنَّةِ اِذْ لَاتُنَا فِي الْوُجُوْبَ فِيْ خُصُوْصِ ذٰلِكَ الْاِطْلَاقِ لِاَنَّ سُنَنَ الْهُدٰى اَعَمُّ مِنَ الْوَاجِبِ لُغَةً كَصَلَاةِ الْعِيْدِ"

ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم: آپ ﷺ نے مسجد میں جماعت کو ترک کرنے والے پر سخت وعید فرمائی ہے، بعض لوگ ان وعیدوں کی طرف نگاہ کر کے جماعت کو فرض قرار دیتے ہیں۔ جبکہ بعض دیگر لوگ لفظ سنت دیکھ کر جماعت سے نماز پڑھنا سنت قرار دیتے ہیں، احناف کے نزدیک جماعت سے نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ اختلاف مع دلائل حدیث نمبر ۹۸۶ دیکھیں **یهادی بین الرجلین** اس سے جماعت کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے کہ صحابہؓ مرض کے باوجود دو آدمیوں کا سہارا لے کر کسی نہ کسی طرح مسجد آجاتے اور جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۰۰۷ ﴿ترک جماعت پر شدید وعید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۷۳

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا مَا فِي الْبُيُوْتِ مِنَ النِّسَاۤءِ وَالذُّرِّيَّةِ اَقَمْتُ صَلَاةَ الْعِشَاۤءِ وَاَمَرْتُ فِتْيَانِيْ يُحَرِّقُوْنَ مَا فِي الْبُيُوْتِ بِالنَّارِ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر ۳۶۷، ج نمبر ۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشا کی نماز کھڑی کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم کرتا کہ گھروں میں جو کچھ ہے اس کو آگ سے جلا دیں۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں ان لوگوں کی سخت مذمت ہے، جو جماعت سے نماز ترک کرتے ہیں، وہ اپنے اس جرم کی وجہ سے اس لائق ہیں کہ ان کو ان کے مال و اسباب کے ساتھ جلا دیا جائے، لیکن چونکہ ان کو سزا دینے کی وجہ سے کچھ غیر مکلف بھی مثلاً عورتیں اور بچے کہ جن پر نماز واجب نہیں ہے، سزا کے شکار ہو جائیں گے، اس لئے ان کو دنیا میں چھوڑا جا رہا ہے، آپ ﷺ کی اس وعید سے تارکین جماعت کو بہت ڈرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح لولا مافی البیوت من النساء و الذریة عورتوں اور بچوں کا ذکر ہے، اس معنی میں تمام عذر والے شامل ہیں، یعنی جن پر جماعت واجب نہیں ہے ان کو بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو جن پر جماعت فرض ہے اور گھروں میں پڑے رہتے ہیں، ان کو گھروں اور مال متاع کے ساتھ جلا دینے کا حکم کرتا: اقمت صلاۃ. یعنی عشاء کی جماعت کھڑی کرنے کا حکم کرتا، عشاء کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ اس میں بہت سے لوگ حاضر نہیں ہوتے۔ جیسا کہ حدیث گذری "لیس صلاۃ اثقل علی المنافقین من الفجر و العشاء" تشریح کے لئے حدیث نمبر ۵۸۰ دیکھیں فتیانی. مراد طاقت ور صحابہؓ ہیں۔ و ما فی البیوت. جو کچھ گھر میں موجود ہے "ما" کے ذریعہ سے غیر ذوی العقول کو غلبہ دیا ہے۔ ذوی العقول کو غیر ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا ہے کہ اگر ان میں عقل و دانش ہوتی، تو جماعت کو ترک نہ کرتے۔ (مرقات، ص نمبر ۶۳، ج نمبر ۳)

حدیث نمبر ۱۰۰۸ ﴿اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۷۴

وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَنُوْدِيَ بِالصَّلَاةِ فَلَا يَخْرُجْ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر ۵۳۷، ج نمبر ۲.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم مسجد میں ہو اور نماز کے لئے اذان دی جائے، تو تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے بغیر مسجد سے نہ نکلے۔ (احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے سے مسجد میں موجود تھا، اور اس کی موجودگی میں مسجد میں اذان دی گئی تو اب وہ شخص نماز پڑھ کر مسجد سے جائے، بغیر نماز پڑھے مسجد سے جانا مکروہ ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فلا یخرج احدکم حتی یصلی مسجد میں موجود شخص کیلئے اذان سننے کے بعد مسجد سے نکلنا درست نہیں ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ اس نے نماز نہ پڑھی ہو اگر نماز پڑھ چکا ہو تو مسجد سے نکل سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دوسری مسجد کا منتظم ہے تو وہ بھی اپنی مسجد میں جماعت کے قیام کے اہتمام کی غرض سے مسجد سے نکل سکتا ہے۔

(تلخیص مرقات ص نمبر ۶۳، ج نمبر ۳)

حدیث نمبر ۱۰۰۹ ﴿اذان کے بعد مسجد سے نکلنے والا نافرمان ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۷۵

وَعَنْ اَبِي الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا اُذِّنَ فِيْهِ فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۲۳۲، ج نمبر ۱، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶۵۵.

ترجمہ: حضرت ابوشعثاءؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلا، تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ "بہرحال اس شخص نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔" (مسلم)

خلاصۂ حدیث: گذشتہ حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں موجود شخص کو اذان ہونے کے بعد نکلنے سے منع کیا، لیکن ایک شخص نے اس ممانعت کی پرواہ نہیں کی اور مسجد سے اذان ہونے کے بعد نکل گیا، تو چوں کہ اس نے آقا کے فرمان کی نافرنی کی اس لئے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ اس نے ابوالقاسم حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: فقد عصی علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں تھا، اذان ہوئی تو وہ مسجد میں ٹھہرا رہا اور نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا تو وہ حضور ﷺ کا فرمانبردار ہے، کیونکہ جب نکلنے والا نافرمان ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ٹھہرنے والا فرمانبردار ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۱۰ ﴿ضرورت کے وقت مسجد سے نکلنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۷۶

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَّهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجہ، ص نمبر ۵۳، باب اذا اذن وانت فی المسجد فلا تخرج، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۳٤.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مسجد میں موجود رہتے ہوئے اذان کو پایا، پھر وہ بغیر کسی ضرورت کے مسجد سے نکلا اور لوٹنے کا ارادہ نہیں رکھتا، تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث میں بھی مسجد میں اذان کے وقت موجود رہنے کے لئے بغیر عذر کے مسجد سے نکلنے کی صورت میں سخت مذمت کی گئی ہے اور چونکہ یہ منافقانہ عمل ہے، اس لئے اس کو منافق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح: لحاجة اگر کسی نے مسجد میں رہتے ہوئے اذان سنی، لیکن وہ کسی ضرورت سے مسجد سے نکلا، مثلاً دوسری مسجد کا امام ہے، یا پھر دوسری مسجد کا منتظم ہے وھو لایرید الرجعة اگر کوئی مسجد سے بلاعذر نکل رہا ہے، لیکن اس کا اسی مسجد میں آکر جماعت سے نماز پڑھنے کا ارادہ ہے تو وہ بھی حدیث میں مذکور وعید کا مصداق نہیں ہے۔ حدیث میں جن کی مذمت ہے ان میں دو باتیں جمع ہیں۔ (۱) بغیر کسی ضرورت کے مسجد سے نکلنا پایا جائے۔ (۲) لوٹنے کا ارادہ نہ ہو۔ فھو منافق. وہ نافرمان ہے یا پھر جماعت ترک کرنے میں منافق کے مانند ہے۔ (مرقات، ص نمبر ٦٤، ج نمبر ۳)

حدیث نمبر ۱۰۱۱ ﴿اذان کے جواب کی اہمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۷۷

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَآءَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَا صَلَاةَ لَهُ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ رَوَاهُ الدَّارَ الْقُطْنِيُّ.

حوالہ: دارقطنی، ص نمبر ٤٢٠، ج نمبر ۱، باب الحث لجار المسجد علی الصلوٰة فیه الا مِنْ عذرٍ، کتاب الصلوٰة، حدیث نمبر ٤.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے اذان سنی پھر اس کا جواب نہیں دیا، تو اس کی نماز نہ ہوئی۔ الّا یہ کہ اس کو کوئی عذر ہو۔ (دارقطنی)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اذان کا جواب ضرور دینا چاہئے، اگر کوئی اذان کا جواب نہیں دیتا ہے تو اس کی نماز کامل نہیں ہوتی، اذان کے جواب دینے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) قولی، یعنی اذان کے کلمات مؤذن کے ساتھ

دہرائے جائیں (۲) فعلی، یعنی اذان سن کر مسجد آیا جائے اور نماز پڑھی جائے، اگر کسی نے اذان کا جواب کسی عذر شرعی کی بناپر نہیں دیا تو کوئی حرج نہیں، ورنہ تو نماز کامل نہیں ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح من سمع النداء فرض نمازوں کے لئے دی گئی اذان سنی: فلم یجبه قول اور فعل کے ذریعہ سے جواب نہیں دیا، اصل تو فعلی اجابت مراد ہے، یعنی اذان سن کر جماعت سے نماز پڑھنے کیلئے مسجد نہیں آیا فلاصلوٰۃ. مراد یہ ہے کہ تنہا اگر نماز پڑھی تو کامل نہیں ہے، یا مقبول نہیں ہے۔ الا من عذر. عدم اجابت سے استثناء ہے، یعنی اگر عذر کی وجہ سے ترک جماعت ہے تو تنہا پڑھی ہوئی نماز بھی مقبول اور کامل ہے، اعذار کیا ہیں؟ تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۹۸۹ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۰۱۲ ﴿ترک جماعت کی اجازت نہ دینا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۷۸

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ كَثِيْرَةُ الْهَوَامِّ وَالسِّبَاعِ وَاَنَا ضَرِيْرُ الْبَصَرِ فَهَلْ تَجِدُ لِيْ مِنْ رُخْصَةٍ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَيَّ هَلًا وَلَمْ يُرَخِّصْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۸۱، ج نمبر ۱، باب التشديد فی ترك الجماعة، كتاب الصلوٰة، حديث نمبر ۵۵۳. نسائی، ص نمبر ۹۸، ج نمبر ۱، باب المحافظة علی الصلوٰة الخ، كتاب الامامة، حديث نمبر ۸۵۰.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مدینہ میں موذی جانور اور درندے کثرت سے ہیں اور میں نابینا ہوں تو کیا آپ ﷺ میرے لئے رخصت پاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح کی آواز سنتے ہو، عبداللہ ابن ام مکتومؓ نے کہا کہ جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ تب تو تم مسجد آؤ اور آپ ﷺ نے رخصت نہیں دی۔

(ابوداؤد، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد اگر گھر کے قریب ہے جس کی بناپر اذان سنائی دیتی ہے تو مسجد آنا لازمی ہے، اسی بنا پر آپ ﷺ نے عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو مسجد نہ آکر گھر میں نماز ادا کرنے کی رخصت نہیں دی۔

کلمات حدیث کی تشریح كثيرة الهوام والسباع مدینہ میں موذی جانور مثلاً سانپ بچھو اور درندے مثلاً بھیڑیے اور کتے وغیرہ بکثرت ہیں: ضرير البصر مراد نابینا: فهل تجدلی من رخصة کیا آپ ﷺ مجھے جماعت ترک کر کے انفرادی طور پر گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت دیتے ہیں۔ حدیث نمبر ۹۸۸ کے تحت یہ بات گذر چکی ہے کہ حضور ﷺ نے پہلے اجازت دی تھی، لیکن پھر منع کر دیا، اور کہا کہ اذان کے کلمات سنتے ہو تو مسجد آکر نماز پڑھو، آپ ﷺ نے پہلے اجازت دینے کے بعد پھر رخصت نہیں دی، تو اس کی وجہ اجتہاد میں تغیر تھا، حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ نابینا تھے۔ نابینا ہونا تو عذر ہے، تو عذر کی موجودگی میں آپ ﷺ نے رخصت کیوں نہیں دی؟ یہ واقعہ آیت عذر سے پہلے کا ہے۔ مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۸۸ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۰۱۳ ﴿جماعت سے نماز اس امت کی خصوصیت ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۷۹

وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ اَبُوالدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۹۰، ج نمبر ۱، باب فضل صلاة الفجر فی جماعة، كتاب الاذان، حديث نمبر ۶۵۰.

ترجمہ: حضرت ام درداءؓ سے روایت ہے کہ میرے پاس ابودرداءؓ سخت غصہ میں آئے، میں نے کہا آپ ﷺ کیوں غصہ میں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں امت محمدیہ ﷺ کی جس خصوصیت کو جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ امت کے افراد جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا اس امت کے خصائص و امتیازات میں سے ہے، اس حوالے سے اس میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کرنا چاہئے، ابو درداءؓ نے جب کچھ لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھنے میں کوتاہی کرتے ہوئے دیکھا، تو بہت برہم ہوئے۔

کلمات حدیث کی تشریح ماا عرف من امر امة اس جز کے دو مطلب ممکن ہیں۔(۱) وہ مطلب جس کی طرف خلاصۂ حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے، یعنی جماعت سے نماز پڑھنا اس امت کی خصوصیت ہے، لیکن لوگ اس میں سستی کرر ہے تھے، جس کی بنا پر ابو درداءؓ کو غصہ آ گیا (۲) ابو درداءؓ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ بہت سی چیزوں میں تبدیلی آ گئی ہے۔ بہت سی منکر چیزیں داخل ہو گئیں ہیں، ان ہی چیزوں پر مجھے غصہ ہے لیکن ان چیزوں کی صراحت نہ کر کے بس اتنی بات کہی کہ لوگوں میں صرف ایک بات باقی ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں، اور جماعت سے نماز پڑھنا اس امت کی خصوصت میں سے ہے۔ اس پر لوگوں کو عمل پیرا دیکھ کر کچھ سکون مل جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۱۴ ﴿جماعت فجر کی اهمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۸۰

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِبْنِ سُلَیْمَانَ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ قَالَ اِنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَیْمَانَ بْنَ اَبِیْ حَثْمَةَ فِیْ صَلاَةِ الصُّبْحِ وَاِنَّ عُمَرَ غَدَا اِلَی السُّوْقِ وَمَسْکَنُ سُلَیْمَانَ بَیْنَ الْمَسْجِدِ وَالسُّوْقِ فَمَرَّ عَلَی الشِّفَاءِ اُمِّ سُلَیْمَانَ فقال لَهَا لَمْ اَرَسُلَیْمَانَ فِی الصُّبْحِ فَقَالَتْ اِنَّهٗ بَاتَ یُصَلِّیْ فَغَلَبَتْهُ عَیْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَاَنْ اَشْهَدَ صَلاَةَ الصُّبْحِ فِیْ جَمَاعَةٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَقُوْمَ لَیْلَةً رَوَاهُ مَالِكٌ.

حواله: مؤطا امام محمدؒ، مؤطا امام مالك، ص نمبر ٤٦، ج نمبر ١، باب ماجاء فی ا لعتمة، و الصبح. كتاب صلاة الجماعة، حديث نمبر ٧.

ترجمه: حضرت ابو بکر بن سلیمان بن حثمہؒ سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک دن فجر کی نماز میں سلیمان بن ابو حثمہؒ کو غائب پایا، حضرت عمرؓ بازار جانے لگے تو سلیمان کا گھر جو کہ مسجد اور بازار کے درمیان میں تھا، سلیمان کی والدہ شفاء کے پاس سے ہوتے ہوئے گذرے، حضرت عمرؓ نے ''شفاء'' سے کہا کہ کیا بات ہے فجر میں سلیمان دکھائی نہیں دیے۔ سلیمان کی والدہ شفاء نے کہا بلاشبہ سلیمان رات بھر جاگ کر نماز پڑھتے رہے، پھر ان پر نیند غالب آ گئی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''فجر کی نماز میں جماعت کے ساتھ حاضر ہونے کو رات بھر عبادت کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔ (مؤطا امام مالکؒ)

خلاصۂ حدیث فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا بہت بڑا ثواب ہے، اور یہ ثواب اتنا زیادہ ہے کہ اگر کسی کو یہ اندیشہ ہو کہ رات میں تہجد وغیرہ کی مشغولی کی وجہ سے فجر کی نماز با جماعت چھوٹ جائیگی، تو تہجد ترک کر دے، لیکن فجر کی نماز جماعت سے پڑھے، اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ تہجد کی نماز کی کوئی وقعت نہیں ہے (العیاذ باللّٰہ) تہجد کی نماز بہت اہم ہے قرب خداوندی کا بہت بڑا ذریعہ ہے لیکن بہر حال یہ نفل ہے جو کہ فرائض واجبات سے بہر صورت مقام میں کم ہے، اسلئے کوشش تو یہ ہونا چاہئے کہ دونوں فضیلتیں جمع ہوں، لیکن اگر تہجد میں جاگنے سے فجر کی جماعت یا نماز چھوٹتی ہے، تو سودا نقصان کا ہے، لہٰذا فجر کی جماعت کا اہتمام کرے تہجد ترک کر دے۔

کلمات حدیث کی تشریح صلاة الصبح فجر کی نماز میں ابو حثمہؒ کو حضرت عمرؓ نے موجود نہیں پایا، جماعت سے نماز پڑھنا علی العموم ''انفرادی نماز سے بہت اہم ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے ''جماعت کی نماز تم میں سے کسی کی تنہا نماز سے پچیس حصہ افضل ہے، لیکن تمام نمازوں میں فجر وعشاء کی نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے میں امتیازی مقام حاصل ہے، اور عشاء وفجر میں فجر کا مقام بہت بلند ہے، عشاء کی نماز کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے '' مَنْ صَلَّی الْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَةٍ فَکَاَنَّمَا قَامَ

نِصْفَ اللَّيْلِ" جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی، اس نے گویا آدھی رات عبادت کی، جبکہ فجر کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے "مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ اللَّيْلَ كُلَّهُ" جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا تمام رات عبادت کی: قال عمرؓ لان اشهد حضرت عمرؓ نے تہجد وغیرہ میں مشغول ہو کر فجر کی نماز فوت کرنے سے بہتر اس کو قرار دیا کہ فجر کی نماز جماعت سے پڑھی جائے، تہجد چاہے ترک ہو جائے، کیونکہ تہجد کی نماز نفل ہے، اور فجر کی نماز فرض ہے، جماعت سنت مؤکدہ ہو، یا واجب ہو۔ بہر حال اس کا مقام نفل سے بلند ہے، حضرت عمرؓ کے فرمان سے بھی فجر کی نماز با جماعت پڑھنے کی اہمیت معلوم ہوئی، فجر کی نماز میں دن ورات کے فرشتے بھی جمع ہوتے ہیں، آپ ﷺ کا فرمان ہے " تَجْمَعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ "(فجر کی نماز میں دن رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں)(بخاری) قرآن مجید کی آیت "ان قرآن الفجر كان مشهودا" میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۱۵ ﴿جماعت کے لئے افراد کی تعداد﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۸۱

وَعَنْ اَبِی مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قال قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَانِ فَمَافَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حواله: ابن ماجه، ص نمبر ۶۹، ج نمبر ۱، باب الاثنان جماعة، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر ۹۷۲.

ترجمه: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "دو آدمی یا ان سے زائد ہیں تو وہ جماعت ہیں (ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جماعت کے لئے کم از کم دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، اگر دو آدمی ہیں تو جماعت سے نماز پڑھیں، ایک امام بن جائے اور دوسرا مقتدی بن جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح اثنان فما فوقهما جماعة آپ ﷺ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد میں دو ہی لوگ ہیں اور وہ جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں، تو ان کو جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب جو کہ گذشتہ احادیث میں مذکور ہوا ہے ملے گا، اس کی تاکید بخاری شریف کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے "اِذَاحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَاَذِّنَاوَاَقِيْمَاثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا" جب نماز کا وقت آجائے، تو دونوں میں سے ایک اذان دے اور اقامت کہے، اور تم دونوں میں سے جو بڑا ہے وہ امامت کرے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسجد میں دو نمازی ہیں، تو وہ کثرت جماعت کے ثواب کی غرض سے دوسری مسجد نہیں جائیں گے۔ بلکہ یہیں اذان و اقامت کہہ کر جماعت سے نماز پڑھیں گے، اس میں انہیں مسجد کو آباد کرنے کا ثواب بھی ملے گا۔

حدیث نمبر ۱۰۱۶ ﴿عورتوں کا جماعت میں شرکت کیلئے مسجد آنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۸۲/۱۰۸۳

وَعَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا النِّسَآءَ حُظُوْظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ وَّاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ اَنْتَ لَنَمْنَعُهُنَّ وَفِيْ رِوَايَةِ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ فَسَبَّهُ سَبًّا مَاسَمِعْتُ سَبَّهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَقَالَ اُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۱۸۳، ج نمبر ۱، باب خروج النساء الى المساجد اذا لم يترتب عليه فتنة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۴۴۲.

ترجمه: حضرت بلال بن عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم لوگ عورتوں کو مساجد کے حوالے سے ان کے حصہ سے مت روکو، جبکہ وہ تم سے اجازت طلب کریں، بلالؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں تو ان کو ضرور روکونگا، ایک روایت میں سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بلال کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کو اتنا برا بھلا کہا کہ میں

نے اتنا زیادہ سخت وست کہتے ہوئے کبھی بھی نہیں سنا، اور کہا کہ میں تمکو رسول اللہ ﷺ کا فرمان بتا رہا ہوں اور تو کہتا ہے میں ضرور روکوں گا۔

خلاصۂ حدیث آپ ﷺ کے دورے مبارک میں مسلمانوں میں فتنہ وفساد کا وجود نہیں تھا، اور عورتوں کو آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی بہت آرزو رہتی تھی، اسوجہ سے آپ ﷺ نے مردوں کو حکم دیا تھا کہ عورتیں اگر تم سے اجازت لیکر مسجد آنا چاہیں، تو انکو اجازت دیدو، انکو منع مت کرو، عبداللہ بن عمرؓ کا آپ ﷺ کا یہ فرمان "بلال" کو سنایا تو انہوں نے کہا میں روکونگا یہاں پر دو چیزیں ہیں، (۱) بلال کا مقصد یہ تھا کہ آج کل فتنہ وفساد شروع ہو چکا ہے، اور جن شرائط کیساتھ آپ ﷺ نے عورتوں کو اجازت دی تھی وہ شرائط مفقود ہورہی ہیں، اور جن مصالح سے مردوں کو عورتوں کے روکنے سے منع کیا تھا وہ مصلحتیں اب نہیں رہیں۔ لہٰذا اب عورتوں کو روکنے میں کوئی حرج نہیں، حضرت بلال کا مقصد اپنی جگہ بالکل درست تھا (۲) حضرت بلال نے جس انداز پر یہ بات کہی کہ میں تو ضرور روکونگا۔ وہ طرز ٹھیک نہیں تھا، اس سے ظاہری طور پر آپ ﷺ کے فرمان سے تعارض ہورہا تھا۔ لہٰذا حضرت ابن عمرؓ اس طرز وانداز پر خفا ہو گئے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تمنعوا النساء حظوظهن عورتوں کو مسجد آکر ثواب حاصل کرنے سے روکو مت، حضور ﷺ کے زمانے میں عورتوں کے مسجد آنے میں چند حکمتیں ہیں (۱) دشمنانِ اسلام کی نگاہ میں مسلمانوں کی کثرت ظاہر ہو، عورتیں حضور ﷺ کی تعلیم سے استفادہ کریں، اور احکام شرعیہ کو پھیلائیں (۲) حضور ﷺ کی اقتدا کا ثواب عورتوں کو مل جائے۔ اس کے ساتھ حضور ﷺ نے عورتوں کو مسجد آنے کے لئے چند شرائط کا پابند بنایا تھا، فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا، بعد میں حالات بھی خراب ہوئے شرائط کا بھی اہتمام نہ رہا، اس لئے لوگوں نے عورتوں کا مسجد آنا بہتر نہیں سمجھا لمنعهن حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے نے کہا کہ میں عورتوں کو روکوں گا، ان کا مقصد یہ تھا کہ اب حضور ﷺ کے زمانے والے حالات نہیں ہیں، اس لئے میں عورتوں کو مسجد آنے سے روکوں گا۔ یہی بات حضرت عائشہؓ نے دوسرے انداز سے یوں بیان کیا "لو أَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ" (بخاری) یعنی عہد رسالت میں حالات بہتر تھے، اس وجہ سے عورتوں کو مسجد آنے کی اجازت تھی، آج حالات خراب ہو گئے ہیں، ان حالات کو اگر حضور ﷺ بچشم خود ملاحظہ فرماتے، تو آپ ﷺ بھی عورتوں کو مسجد آنے سے منع فرماتے، اقول قال رسول الله ﷺ وتقول انت لمنعهن. حضرت بلالؒ نے بات ٹھیک کہی تھی، لیکن انداز غلط تھا، لہٰذا حضرت ابن عمرؓ انپر بہت برہم ہوئے، کیونکہ ان کے جواب سے ظاہری طور پر یہ محسوس ہوا کہ وہ حضور ﷺ کے معارض کلام پیش کررہے ہیں، اور ظاہر بات ہے کہ حضور ﷺ کے معارض بات ایک امتی کے طرف سے پیش کرنا بڑی نافرمانی ہے، اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت امام ابو یوسفؒ کا نقل کیا جاتا ہے، ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ "اِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يُحِبُّ الدُّبَّاءَ" آپ ﷺ کو لوکی بہت پسند تھی، ایک شخص نے کہا کہ "وَاَنَا مَا اُحِبُّهُ" میں تو لوکی نہیں پسند کرتا، اس کا مقصد تھا کہ طبعاً مجھے لوکی پسند نہیں ہے، یہ کوئی بہت غلط بات نہیں تھی۔ لیکن ایسے انداز سے کہا کہ گویا حضور ﷺ کے معارض بات پیش کررہا ہے، چنانچہ حضرت ابو یوسفؒ نے اس سے کہا کہ "جَدِّدِ الْاِيْمَانَ وَاِلَّا لَاَقْتُلَنَّكَ" ایمان کی تجدید کرو ورنہ میں تم کو قتل کردوں گا۔ حضرت ابن عمرؓ نے بھی اپنے بیٹے حضرت بلالؒ کو بہت برا بھلا کہا، بلکہ آگے روایت ہے کہ آپ نے عمر بھر بات ہی نہیں کی، عورتوں کے مسجد آکر نماز پڑھنے سے متعلق تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۹۹۳ دیکھیں

حدیث نمبر ۱۰۱۷ ﴿عورتوں کی مسجد میں نماز کیلئے آمد﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۸۴

وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلٌ اَهْلَهُ اَنْ يَّأْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنٌ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَاِنَّا نَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ هٰذَا قَالَ فَمَا كَلَّمَهُ عَبْدُ اللّٰهِ حَتّٰى مَاتَ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حواله: مسند احمد، ص نمبر ۳۶، ج نمبر ۲.

ترجمہ: حضرت امام مجاہدؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے اہل کو مسجد آنے سے مت روکو۔ عبداللہ بن عمرؓ کے ایک صاحبزادے نے کہا ہم ان کو روکیں گے، عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو آپ علیہ السلام کا فرمان بیان کر رہا ہوں اور تم یہ بات کہتے ہو، پھر عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے اپنی وفات تک کبھی بات نہیں کی۔ (مسند احمد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں سابقہ حدیث کا مضمون ہے کہ حضور ﷺ نے عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دی تھی، اور لوگوں کو عورتوں کے مسجد آنے پر منع کرنے سے روکا تھا، عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے نے کہا کہ میں تو ان کو روکوں گا، انہوں نے اپنے اعتبار سے حالاتِ زمانہ پر نظر رکھ کر صحیح بات کہی تھی، لیکن چونکہ ظاہری طور پر یہ بات حضور ﷺ کے فرمان کے معارض تھی، لہٰذا حضرت ابن عمرؓ ان سے غصہ ہوگئے، اور پھر کبھی ان سے بات نہیں کی۔

کلمات حدیث کی تشریح فما کلمه عبدالله حتی مات چونکہ عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے نے ایسی بات کہی جو ظاہری طور پر بھی حضور ﷺ کے فرمان کے مخالف تھی، اور اتباع سنت کے حوالے سے عبداللہ بن عمرؓ ایک امتیازی شان رکھتے تھے لہٰذا انہوں نے بیٹے سے ہمیشہ قطع کلام رکھا۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ ترکِ حدیث کے مرتکب ہوں ان سے سلام کلام بند کرنا جائز ہے۔ حدیث کے مابقیہ اجزاء کے لئے گذشتہ حدیث نمبر ۱۰۱۶ اور عورتوں کے مسجد آکر نماز پڑھنے سے متعلق تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۹۹۳ دیکھیں۔

باب تسویة الصفوف

﴿صفیں سیدھی کرنے کا بیان﴾

اس باب کے تحت وہ احادیث ہیں جن میں صفوں کے درست کرنے اور صفوں کو پر کرنے کا بیان ہے، صفیں درست رکھنے والوں کے حق میں بشارات ہیں، اور صفوں کی درستگی سے لاپرواہی برتنے والوں کے حق میں وعیدات ہیں، صف اول میں کھڑے ہونے کی فضیلت بھی مذکور ہے۔ اور پہلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے دوسری صف میں کھڑے ہونے کی ممانعت بھی ہے۔ آپ ﷺ نے صف کی درستگی پر اتنا زور دیا ہے کہ ائمہ نے اس کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے۔

صف سے متعلق چند مسائل: اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے آگے ہوگئی تو مقتدی کی نماز نہ ہوگی، اگر ایڑی برابر ہو تو نماز ہو جائے گی، خواہ مقتدی کی انگلیاں آگے کیوں نہ ہوں، امام کے پیچھے اگر نابالغ بچے نے بھی اقتدا کر لی تو جماعت کا ثواب ملے گا، بشرطیکہ وہ بچہ عاقل ہو، اگر ایک بچہ اور ایک عورت ہے تو بچہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت پیچھے کھڑی ہو، امام ایک مقتدی کو اپنے دائیں جانب کھڑا کر کے نماز پڑھ رہا ہے، دوران سجدہ دوسرے لوگ آگئے تو وہ پیچھے صف بنا کر سجدہ میں چلے جائیں، آگے والا مقتدی سجدہ سے فراغت کے بعد پیچھے آئے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۰۱۸ ﴿صفوں کو درست رکھنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۸۵

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُّكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۱۸۲، ج نمبر ۱، باب تسوية الصفوف وإقامتها، كتاب الصّلاة، حديث نمبر ۴۳۶.

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اسطرح سیدھا کرتے تھے، گویا اسکے ذریعہ سے تیروں کو

سیدھا کر رہے ہیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جان لیا کہ ہم نے یہ ادب سیکھ لیا ہے، پھر ایک دن آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز کے لئے کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کہنے ہی والے تھے کہ ایک شخص کو آپ ﷺ نے دیکھا کہ اسکا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے اللہ کے بندوں اپنی صفوں کو سیدھا رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دیں گے'' (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں صفوں کو سیدھا رکھنے کے لئے بہت زیادہ تاکید کے ساتھ صفوں کو سیدھا نہ رکھنے کی صورت میں سخت دھمکی بھی مذکور ہے، آپ ﷺ صفوں کو سیدھا رکھنے کا حد درجہ اہتمام فرماتے تھے اور اس وقت تک نماز شروع نہ فرماتے تھے جب تک کہ صفیں درست نہ ہوجائیں، صفوں کو سیدھا رکھنا سنتِ مؤکدہ ہے اور صفوں کو ٹیڑھا رکھنا مکروہ ہے، صفوں میں کجی کی بنا پر اللہ تعالیٰ آپس میں اختلاف پیدا فرمادیتے ہیں۔

کلماتِ حدیث کی تشریح كان رسول الله ﷺ يسوى صفوفنا رسول اللہ ﷺ صفوں کو سیدھا فرماتے تھے، یا تو آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے صفوں کو سیدھا کرتے تھے، یا پھر آپ ﷺ حکم دیتے تھے صفوں کے سیدھا کرنے کا، اسی کو راوی نے بیان کیا ہے کہ آپ صفوں کو سیدھا کرتے تھے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صفوں کو سیدھا کرنے کی ذمہ داری امام کی ہے۔ آپ ﷺ کبھی کبھی تکبیر تحریمہ سے قبل ''اقيموا صفوفكم'' بھی فرماتے تھے، یعنی آپ ﷺ کہتے تھے کہ اپنی صفیں درست کرلو۔ لہٰذا امام کو چاہئے کہ پہلے صفوں کی درستگی کا اطمینان کرے پھر نماز شروع کرے، امام صفوں کی درستگی اپنے تابعین سے بھی کرواسکتا ہے۔

حتى كانما يسوى القداح: اس کا مطلب صفوں کی درستگی میں مبالغہ کرنا ہے، آپ ﷺ صفوں کو اتنا درست کرتے کہ تیر جو بالکل سیدھے ہوتے ہیں، وہ ان صفوں سے سیدھے کرلئے جائیں۔ (فتح الملہم ص نمبر ۶۷، ج نمبر ۲)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اپنے عکس پر محمول ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صفیں سیدھی کرنے میں اتنا مبالغہ کرتے تھے کہ گویا صفیں تیروں کے ذریعہ برابر کرتے تھے۔ (مرقات، ص نمبر ۶۷، ج نمبر ۳) اصل میں اہل عرب جنگ میں جن تیروں کو استعمال کرتے تھے ان کو بہت سیدھا بنانے کی کوشش کرتے تھے، لہٰذا کسی چیز کے بہت زیادہ سیدھے ہونے کو بیان کرنے کے لئے یوں کہا جاتا تھا کہ اس سے تیروں کو سیدھا کیا جاسکتا ہے یہاں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے کہ حضور ﷺ ہماری صفوں کو سیدھا کرنے کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ اس میں ذرا سی بھی کجی کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ (خلاصہ، معارف الحدیث، ص نمبر ۲۰۶، ج نمبر ۳)

تسویہ صفوف: یعنی صفوں کو سیدھا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک صف میں جتنے نمازی ہیں وہ سب ایک ہی سمت میں برابر ہوں، کوئی آگے پیچھے نہ ہو۔ اور نمازیوں کے درمیان فاصلہ بھی نہ ہو۔ (فتح الباری، ص نمبر ۱۳۱، ج نمبر ۳)

حتى رأى انا قد عقلنا: آپ ﷺ کافی عرصہ تک صحابہؓ کو صفوں کی درستگی سے متعلق تعلیم دیتے رہے، جب آپ ﷺ نے سمجھ لیا کہ صحابہؓ نے صفوں کی درستگی کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے اور اس کا اہتمام کرنے لگے ہیں تو آپ ﷺ نے یہ سمجھ کر کہ اب ضرورت نہیں ہے صفیں سیدھی کرنے سے متعلق ہدایت دینا ترک کردیا۔

ثم خرج يوماً ایک دن آپ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے اور آپ تکبیر تحریمہ کہنے ہی والے تھے کہ ایک شخص پر نگاہ پڑی کہ وہ صف میں برابر نہیں کھڑا ہے۔ حدیث باب کے الفاظ ہیں ''حتى كاد ان يكبر'' یعنی آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کہنے ہی والے تھے، گویا اقامت ہورہی تھی کہ آپ ﷺ نے صفیں درست رکھنے سے متعلق ہدایت دی، اور بخاری ہی میں ایک روایت ہے ''اقيمت الصلوٰة فاقبل علينا'' اقامت کہدی گئی تو آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے پھر آپ ﷺ نے صفیں درست رکھنے سے متعلق ہدایت دی، معلوم ہوا کہ اقامت کے دوران صفوں کو درست کرلیا جائے، بہر حال صفیں درست کرنے کے بعد نماز شروع کی جائے، یہی بات ہے کہ

بخاری نے تسویہ صفوف سے متعلق احادیث پر جو باب باندھا ہے وہ یہ ہے "باب تسویة الصفوف عند الاقامة وبعدها" اقامت کے وقت یا اقامت کے بعد صفوں کو درست کرنے کا بیان۔

عباد الله لتسون صفوفکم اولیخالفن الله بین وجوهکم: اس میں آپ ﷺ نے دو باتیں فرمائیں ہیں۔(۱) صفوں کو سیدھا رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔(۲) صفیں سیدھی نہ کرنے کی صورت میں وعید بھی ذکر کی ہے، اسی بنا پر اکثر ائمہ صفوں کو سیدھا رکھنے کو سنت مؤکدہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے ترک کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اگر صفیں سیدھی نہ رکھو گے تمہارے چہرے مخالف کردیئے جائیں گے۔ بعض لوگوں نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے اور بعض لوگوں نے مجاز پر محمول کیا ہے، حقیقت پر محمول کرنے کی صورت میں مطلب یہ ہے کہ صفوں کو کج رکھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو مسخ کردیں گے اور اس کی صورت یہ بھی ممکن ہے کہ چہرے گدی کی طرف کردیئے جائیں، اس معنی کی تائید مسند احمد کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: "لَتُسَوُّنَّ الصُّفُوْفَ اَوْ لَتُطْمَسَنَّ الْوُجُوْهُ" حافظ نے اس معنی کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ علامہ نوویؒ نے اس کو مجاز پر محمول کیا ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بغض وعداوت مراد ہے، یعنی اگر صفوں کو سیدھا نہ رکھو گے تو تمہارے اندر بغض وعداوت پیدا ہوجائے گا۔ کیوں کہ صفوں میں اختلاف ظاہری اختلاف ہے اور عدوات ونفاق جو دل میں ہوتا ہے وہ باطنی اختلاف ہے اور ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ لہٰذا صفوں کی کجی سے آپس میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔(فتح الباری ص نمبر ۱۳۱، جن نمبر ۳) اس معنی کی تائید میں ابوداؤد میں حدیث ہے۔"اولیخالفن الله بین قلوبکم" صفوں کو سیدھا رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف ڈالدیں گے۔

حدیث نمبر ۱۰۱۹ ﴿صفوں کی درستگی کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۸۶

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قَالَ اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ.

حواله: بخاری، ص نمبر ۱۰۰، ج نمبر ۱، باب اقبال الامام علی الناس، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۱۹.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نماز کے لئے اقامت کہدی گئی، تو رسول اللہ ﷺ اپنے رخ انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "اپنی صفیں سیدھی کرلو اور مل مل کر کھڑے ہو، بلاشبہ میں تم لوگوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔(بخاری) بخاری ومسلم کی روایت میں یوں ہے کہ صفوں کو پورا کرو بلاشبہ میں تم لوگوں کو اپنی پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ صفوں کی درستگی کی نگرانی فرماتے تھے، کسی کو اگر دیکھتے کہ سیدھا نہیں کھڑا ہے یا صفوں میں خلا ہے، تو مل کر کھڑے ہونے سیدھا کھڑے ہونے اور خلا کو پر کرنے کی ہدایت دیتے تھے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ صفوں کو درست کرانے کی ذمہ داری امام پر ہے، صفوں کی درستگی میں ذرا بھی غفلت نہ ہو، اس لئے آپ ﷺ نے مزید یہ بات بیان کردی کہ میں تم لوگوں کو پشت کی جانب سے دیکھتا ہوں، صحابہ کے علم میں جب یہ بات آگئی کہ آقا ﷺ بذات خود نگرانی فرمارہے ہیں، تو مکمل طور سے غفلت کا امکان ختم ہوگیا۔

کلمات حدیث کی تشریح **اقیمت الصلوٰۃ فاقبل علینا:** جب تکبیر تحریمہ کہدی گئی تو آپ ﷺ اپنے چہرۂ مبارکہ کے ذریعہ سے صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوگئے، گذشتہ حدیث میں یہ بات نقل ہوئی کہ تکبیر تحریمہ آپ ﷺ کہنے والے تھے کہ آپ ﷺ کی نظر ایک شخص پر پڑی کہ ان کا سینہ صف سے آگے نکلا ہے تو آپ ﷺ نے صف کی درستگی کے متعلق ہدایت دی معلوم

ہوا کہ آپ ﷺ نے تکبیر ختم ہونے سے پہلے صف کی درستگی کے بارے میں حکم دیا، یہاں صراحت ہے تکبیر کہی جا چکی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ نے صف کی درستگی کا حکم دیا، اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ اقامت کے وقت ہی صفوں کی درستگی سے فراغت پالی جائے، اور اقامت کے متصلاً بعد امام تکبیر تحریمہ کہے، لیکن اگر اقامت ختم ہونے تک بھی صفیں درست نہیں ہوئیں ہیں تو پہلے صفیں درست کی جائیں، پھر امام تکبیر تحریمہ کہے، احادیث میں اقامت کے وقت اور اقامت کے بعد دونوں موقعوں پر صفوں کی درستگی کا حکم دیا: اقیموا صفوفکم. اقامت تسویہ کے معنی میں ہے، یعنی اپنی صفوں کو سیدھی رکھو۔ وتراصوا. مل مل کر کھڑے ہو، یہاں تک کہ تمہارے کاندھے ایک دوسرے سے مل جائیں اور تمہارے درمیان کی جگہ میں خلا نہ رہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو اور ان کو صف درست کرنے کا حکم دے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب صف میں کجی یا خلا کو دیکھے، ورنہ تو امر کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (مرقات، ص نمبر ۶۸، ج نمبر ۳)

فانی اراکم من وراء ظھری: میں اپنی پشت کی جانب سے بھی تم کو دیکھتا ہوں، تسویہ صفوں کا اہتمام تو اسلئے ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہیں، وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ لیکن جب حضور ﷺ کے دیکھنے کا بھی پتا چل گیا تو مزید غفلت کا امکان ختم ہوگیا۔ آپ ﷺ پشت سے معجزہ کے طور پر دیکھ لیتے تھے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ ہمیشہ ہمیش پشت کی جانب سے دیکھتے تھے، اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ معجزہ کے طور پر تھا تو اس حدیث سے اس حدیث کا معارضہ بھی ختم ہوگیا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "لَا أَعْلَمُ مَاوَرَاءَ جِدَارِیْ" اس دیوار کے پیچھے کیا ہے میں نہیں جانتا، آپ ﷺ کا پشت کی طرف سے دیکھنا نماز کی حالت اور نمازیوں کے ساتھ خاص ہوگا۔ (مرقات، ص نمبر ۶۸، ج نمبر ۳)

عینی لکھتے ہیں کہ ممکن ہے یہاں مجازی معنی مراد ہوں، یعنی ادراک بالالہام یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے آپ ﷺ کے پیچھے کی طرف بھی آنکھ ہو۔ (عینی ص نمبر ۸۷۹، ج نمبر ۳) اتموا الصفوف: اس سے معلوم ہوا کہ جب تک اگلی صف پوری بھر نہ جائے، پیچھے کی جانب صف نہ بنائی جائے۔

حدیث نمبر ۱۰۲۰ ﴿صفوں کی درستگی کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۸۷

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلَاةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ.

حوالہ: بخاری، ص نمبر ۱۰۰، ج نمبر ۱، باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۲۳. مسلم، ص نمبر ۱۸۲، ج نمبر ۱، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۳۳.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "صفوں کو سیدھا رکھو، اس لئے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کو قائم رکھنے میں سے ہے، اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے، لیکن مسلم نے "من اقامۃ الصلوٰۃ" کے بجائے "من تمام الصلوٰۃ" کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی تسویہ صفوف کی اہمیت سمجھ میں آرہی ہے کہ تسویہ صفوف بخاری کی روایت کے مطابق اقامت صلاۃ کا حصہ ہے، یعنی تسویہ صفوف اگرچہ نماز کی حقیقت میں داخل نہیں ہے، نماز سے خارج کی چیز ہے، لیکن اس کا اس قدر اہتمام ہے کہ گویا یہ نماز کی داخل چیز ہے۔ اور اس کے نقصان سے نماز کا نقصان ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوٰۃ: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے "اقیموا الصلوٰۃ" نماز قائم کرو، جس طرح اقامت صلاۃ میں تعدیل ارکان، اور دیگر سنن وآداب وغیرہ کی رعایت

داخل ہے، اسی طرح تسویہ صفوف بھی داخل ہے، اگر تسویہ صفوف کا لحاظ نہیں ہے تو اقامت صلاۃ کا حق ادا نہ ہوگا اور نماز کامل و مکمل نہ ہوگی۔(ماخوذ مرقات، ص نمبر ۶۸، ج نمبر ۳)

حدیث نمبر ۱۰۲۱ ﴿صف بندی کی ترتیب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۸۸

وَعَنْ اَبِی مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْسَحُ مَنَاکِبَنَا فِی الصَّلٰوۃِ وَیَقُوْلُ اسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُولُوْا الْاَحْلَامِ وَالنُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ فَاَنْتُمُ الْیَوْمَ اَشَدُّ اخْتِلَافًا رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۱۸۱، ج نمبر ۱، باب تسویۃ الصفوف، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۳۲.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھانے کے وقت ہمارے کاندھوں پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے برابر کھڑے رہو، اور مختلف نہ ہو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہوجائے گا، اور تم میں بالغ و عاقل لوگ میرے قریب رہیں، پھر وہ لوگ جوان کے قریب ہوں، پھر وہ لوگ جوان کے قریب ہوں، حضرت ابو مسعودؓ نے فرمایا آج تم لوگوں میں اختلاف بہت زیادہ ہے۔(مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں صفوں کی درستگی کا حکم دیا گیا ہے، اور صفوں میں کجی پیدا کرنے سے گریز کرنے کے لئے کہا گیا ہے، صفوں میں اگر افتراق کی صورت پیدا کی گئی تو اس سے دل بھی متاثر ہوگا، جس کے نتیجہ میں آپس میں عداوت و نفرت پیدا ہوگی، اس حدیث میں آپ ﷺ نے صف بندی کی ترتیب بھی بتادی کہ پہلے وہ لوگ کھڑے ہوں جو ذی عقل و ہوش اور بالغ ہوں، پھر ان سے قریب کے لوگ یعنی مراہق پھر خنثی اور عورتیں و بچہ وغیرہ کھڑے ہوں۔

کلمات حدیث کی تشریح لاتختلفوا فتختلف قلوبکم. صف میں کاندھے سے کاندھا ملا کر اگر نہ کھڑا ہوا جائے گا، آگے پیچھے کھڑے ہو کر انتشار کی صورت پیدا کی جائیگی تو لوگوں کے اندر افتراق پیدا ہوگا۔

اشکال: دل متبوع ہے، ظاہری اعضاء تابع ہیں، حدیث باب سے بظاہر سمجھ میں آرہا ہے کہ اعضاء ظاہری متبوع ہیں اور دل تابع ہے۔ کیونکہ نماز میں ظاہری اعضاء کے آگے پیچھے کر کے کھڑے ہونے کی وجہ سے دل متاثر ہو رہا ہے؟

جواب: کبھی ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے، کبھی باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے، یہاں ظاہر کا اثر باطن پر پڑ رہا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دل تابع ہوگیا، اصلاً تو دل متبوع ہے، لیکن وہ ظاہری اعضاء کے اثر کو قبول کرتا ہے، اس سے اس کے متبوع ہونے پر اثر نہیں پڑتا ہے۔

لیلنی منکم اولوا الاحلام. جو لوگ فہم و دانش میں امتیازی مقام رکھتے ہوں ان کو آپ ﷺ نے اپنے قریب کھڑے ہونے کا حکم دیا، پھر درجہ بدرجہ کھڑے ہونے کا حکم دیا، امام کے قریب عاقل و دانش کے کھڑے ہونے کی صورت میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ اگر امام سے کوئی بھول ہو رہی ہے، تو یہ ٹوک دیگا اگر حدث وغیرہ امام کو پیش آ گیا تو یہ نیابت کر سکے گا، دوسرے امام سے احکام وغیرہ بھی یہی صحیح طور پر سیکھ سکیں گے، خاص طور پر حضور ﷺ کے قریب کھڑے ہونے میں تو یہ حکمت بہت اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے، کیونکہ ذی عقل و ہوش اور فہم و دانش میں امتیازی مقام کے حاملین حضور ﷺ کے قریب کھڑے ہو کر احکام و سنن زیادہ بہتر طور پر سیکھ کر ان کی اشاعت و تعلیم کا فریضہ انجام دے سکیں گے۔

حدیث نمبر ۱۰۲۲ ﴿مسجد میں شور کرنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۸۹

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَلِیَنِیْ مِنْکُمْ اُولُوْا الْاَحْلَامِ وَالنُّھٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثَلَاثًا وَاِیَّاکُمْ وَھَیْشَاتِ الْاَسْوَاقِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۱۸۱، ج نمبر ۱، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۳۲.

حل لغات: ھَیْشَات جمع ہے، ھَیْشَۃٌ کی، فتنہ، ہنگامہ، ہلچل، ھَاشَ (ض) ھَیْشًا القوم، جوش میں آنا، مشتعل ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جو لوگ بالغ اور ذی عقل ہوں وہ مجھ سے قریب کھڑے ہوں، پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان سے قریب ہوں، آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی، اور تم لوگ بازاروں میں شوروشغب مچانے کیطرح مسجد میں شور کرنے سے گریز کرو۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ (۱) صف بندی میں ترتیب کا خیال رکھا جائے، سب سے پہلے فہم وفراست میں کامل اور عاقل وبالغ لوگ کھڑے ہوں، تاکہ وہ نماز کے ارکان وافعال کو ٹھیک طرح سمجھ کر امت تک پہنچائیں، پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو پہلے والوں سے کم درجہ کے ہوں، پھر ان سے کم درجہ کے کھڑے ہوں (۲) مسجد کے وقار کا لحاظ رکھا جائے، اس میں بازاروں کی طرح شوروشغب نہ کیا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح لیلنی منکم امام سے قریب ایسے شخص کو کھڑے ہونا چاہئے جو امام کا خلیفہ بن سکے، حضرت نبی کریم ﷺ کے ٹھیک پیچھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہوتے تھے، آپ ﷺ نے اپنے قریب عقل ودانش میں ممتاز لوگوں کو کھڑے ہونے کا حکم اس حکمت سے بھی دیا تاکہ یہ لوگ دین کے کام اچھی طرح سمجھ کر امت تک پہنچائیں۔ حدیث میں "اولوا الاحلام" سے مراد بالغ اور "نھیٰ" سے عاقل مراد ہیں: وایاکم وھیشات الاسواق. اس جز کے دو مطلب بیان کئے جاتے ہیں۔ (۱) مسجد کے وقار کو مکمل طور پر ملحوظ رکھو، مسجد میں بازاروں کی طرح شور شغب کرنے سے گریز کرو (۲) جس طرح بازاروں میں بڑے چھوٹے، عاقل اور بے عقل ایک ساتھ کھڑے ہوتے ہیں ملتے جلتے ہیں مسجد میں ایسا مت کرو، مسجد میں فرقِ مراتب کے لحاظ کے ساتھ کھڑے ہو، لیکن فرقِ مراتب سے مراد اخروی اعتبار سے افضلیت ہے، دنیوی اعتبار سے مراتب کا تعین نہیں کیا جائے گا۔

حدیث نمبر ۱۰۲۳ ﴿صف اول میں کھڑے ہونے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۹۰

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَصْحَابِہٖ تَأَخُّرًا فَقَالَ لَھُمْ تَقَدَّمُوْا وَائْتَمُّوْابِیْ وَلْیَأْتَمَّ بِکُمْ مَنْ بَعْدَکُمْ لَا یَزَالُ قَوْمٌ یَّتَاَخَّرُوْنَ حَتّٰی یُؤَخِّرَھُمُ اللّٰہُ رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: مسلم، ص نمبر ۱۸۲، ج نمبر ۱، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۳۸.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے کچھ کو پیچھے دیکھا، تو ان سے فرمایا کہ آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو، اور چاہئے کہ تمہاری اقتداء وہ لوگ کریں جو تمہارے پیچھے ہیں ایک قوم ہمیشہ پیچھے رہیگی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو پیچھے ڈال دے گا۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا مضمون بھی یہی ہے کہ جو لوگ بصیرت رکھتے ہیں ان کو اگلی صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔ کیونکہ پیچھے والے ان ہی کو دیکھ کر نماز ادا کرتے ہیں، یہاں یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ آگے والے امام کی اتباع کرتے ہیں اور پیچھے والے آگے والوں کی اقتدا کرتے ہیں، اقتدا تو سب ہی لوگ امام کی کریں گے، بس پیچھے والے براہ راست امام کو نہ دیکھیں گے۔ بلکہ وہ آگے والوں کو دیکھ کر ارکان صلاۃ انجام دیں گے۔ لہٰذا سب سے آگے سب سے دانش مند لوگ کھڑے ہوں پھر حسب درجہ کھڑے ہوں جو لوگ پیچھے کھڑے ہونے کا معمول بنائیں گے اور اللہ کی رحمت کا مستحق بننے کے لئے آگے نہیں آئیں گے اللہ تعالیٰ ان کو مقام ومرتبہ کے اعتبار سے پیچھے ڈال دیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح تاخروا. تاخر کے دو معنی ہیں (۱) نماز کی صف میں پیچھے ہونا (۲) حصول علم میں پیچھے ہونا: ائتموا بی. میری اقتدا کرو یعنی جیسے میں کروں ویسے تم بھی کرو: ولیاتم. اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتداء کریں ''تاخر'' کے دو معنی ذکر کئے ان میں سے پہلے معنی لینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عقل وعلم والے پہلی صف میں کھڑے ہوں، اور ان سے کم درجہ کے لوگ ان کے بعد کھڑے ہوں، دوسری صف والے ظاہری طور پر پہلی صف والوں کی اقتدا کرتے ہیں، حکمی طور پر تو سب ہی امام کی اقتدا کرتے ہیں، اور تاخر کے دوسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ اے صحابہؓ کی جماعت اتم لوگ علوم شریعت مجھ سے سیکھو اور بعد والے یعنی تابعین وہ تم سے علوم حاصل کریں۔ اسی طرح تابعین کے بعد والے تابعین سے علم سیکھیں اور یہ سلسلہ قرناً بعد قرنٍ چلے: لایزالون جو لوگ صف میں یا نیکی میں یا حصول علم یا فضائل وکمالات اختیار کرنے اور رزائل سے بچنے میں پیچھے رہنے کا معمول بناتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو دخول جنت میں پیچھے کر دیگا۔ علامہ نوویؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے عظیم فضل اور درجات کی بلندی عطا کرنے اور ان جیسی قابل قدر چیزوں سے پیچھے کر دیں گے۔ (مرقات، ص نمبر ۸۰، ج نمبر ۳)

حدیث نمبر ۱۰۲۴ ﴿اگلی صفیں مکمل کرنے کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۹۱

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰنَا حِلَقًا فَقَالَ مَالِیْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالَ يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰى وَيَتَرَاصُّوْنَ فِي الصَّفِّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر ۱۸۱، ج نمبر ۱، باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۳۰.

حل لغات: عزین. جمع ہے واحد العزة، ج عِزَىً وَعِزُوْنَ، قرآن میں ہے۔ ''عن اليمين وعن الشمال عزين'' فرقہ، گروہ۔ یتراصون، تَرَاصَّ الْقَوْم، لوگوں کا نماز میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا، رَصَّ (ن) رَصًّا ایک دوسرے سے ملنا۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس نکل کر آئے، تو آپ نے دیکھا کہ ہم لوگ الگ الگ حلقے بنائے بیٹھے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تم کو الگ الگ بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں؟ پھر آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا ''تم لوگ ویسے صف بستہ ہو کر کیوں نہیں بیٹھتے ہو'' جیسا کہ فرشتہ اپنے رب کے پاس بیٹھتے ہیں، تو ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ملائکہ اپنے رب کے پاس صف بستہ ہو کر کیسے بیٹھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ پہلے اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صفوں میں مل کر بیٹھتے ہیں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کے انتظار میں حلقہ بنا کر بیٹھنے کو ناپسند کیا اور فرشتوں کی طرح صف بستہ ہو کر بیٹھنے کی ہدایت کی، نیز اگلی صفوں کو مکمل کرنے اور درمیان میں خلا نہ رکھنے کی بھی آپ ﷺ نے ہدایت کی

کلمات حدیث کی تشریح کیف تصف الملائكة: فرشتے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس کیسے صف بستہ ہو کر کھڑے ہوتے ہیں؟

یتمون الصفوف: یہاں سے فرشتوں کی کثرت کا علم ہوا، نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگلی صف کے مکمل ہونے سے پہلے پچھلی صف بنانا ٹھیک نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۲۵ ﴿بہترین صف کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۹۲

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا اٰخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَاءِ اٰخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص نمبر۱۸۲، ج نمبر۱، باب تسویة الصفوف وإقامتها، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ٤٤٠.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردوں کی بہترین صف ان کی پہلی صف ہے، اور انکی بدترین صف آخری صف ہے۔ اور عورتوں کی سب سے بہترین صف آخری صف ہے، اور عورتوں کی بدترین صف پہلی صف ہے۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مردوں میں جو پہلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں ان کو ثواب زیادہ ملتا ہے، پھر درجہ بدرجہ کم ہوتا جاتا ہے۔ جو مرد سب سے آخیر کی صفوں میں ہوتے ہیں ان کو سب سے کم ثواب ملتا ہے، اور عورتوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے وجہ یہ ہے کہ جو عورتیں جتنا پیچھے ہوں گی وہ مردوں سے اتنی دور رہوں گی اور جو مرد جتنے آگے ہوں گے وہ اتنا زیادہ عورتوں سے دور رہوں گے، اس لئے ثواب میں بھی بڑھے ہوں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح **خیر صفوف الرجال اولها:** مردوں کی پہلی صف سب سے بہتر ہے، یعنی سب سے پہلی صف میں کھڑے ہونے والے سب سے زیادہ ثواب کے مستحق ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ امام کے قریب ہیں اور عورتوں سے دور ہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ مردوں کو تقدم کا حکم دیا گیا ہے تو شریعت کے حکم کی تعمیل کی بنا پر جو شخص سب سے آگے ہوگا، وہ سب سے زیادہ تعظیم اور ثواب کا مستحق ہوگا، اور اسی کو وہ فضیلت حاصل ہوگی اس کے علاوہ کو حاصل نہیں ہوگی: **وشرها اخرها.** اور مردوں کی سب سے آخری صف سب سے بدتر ہے، اسوجہ سے کہ اس میں عورتوں کا قرب ہے، اور امام سے دوری ہے: **وشرها اولها.** اور عورتوں کی سب سے بہترین صف سب سے آخری صف ہے، کیونکہ اس میں مردوں سے دوری ہے، اور سب سے بدترین صف عورتوں کی سب سے اگلی صف ہے، کیوں کہ اس میں مردوں کا قرب ہے، چونکہ عورتوں کو حجاب کا بلکہ پیچھے ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا جو عورتیں شریعت پر عمل کریں گی وہ زیادہ ثواب کی مستحق ہونگی۔ (تلخیص مرقات، ص نمبر ۷، ج نمبر۳)

اس حدیث سے عورتوں کا مسجد میں آکر نماز پڑھنا سمجھ میں آرہا ہے، عورتوں کی مسجد میں آمد سے متعلق تحقیق کے لئے حدیث نمبر۸۸۸ دیکھیں۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر۱۰۲۶ ﴿صفوں میں خلا رکھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر۱۰۹۳

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ اِنِّىْ لَاَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَاَنَّهَا الْحَذَفُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابوداؤد، ص نمبر۹۷، ج نمبر۱، باب تسویة الصفوف، کتاب الصلاة، حدیث نمبر٦٦٧.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی صفوں کو ملا ہوا رکھو، اور صفوں کے درمیان نزدیکی رکھو، اور گردنیں برابر رکھو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کے شگافوں میں ایسے گھستا ہے جیسے بکری کا بچہ۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ صف میں خلا نہ چھوڑنا چاہئے تمام لوگوں کو ملکر کھڑا ہونا چاہیے، اگر شیطان شگاف پالیتا ہے تو صفوں میں گھس کر نماز خراب کرنے اور دلوں میں طرح طرح کے وساوس ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، شیطان صفوں میں نہ گھسے اس کے لئے حدیث میں موجود ہدایت پر عمل کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

کلمات حدیث کی تشریح رصّوا صفوفکم مل مل کر کھڑے ہو، درمیان میں خلا نہ چھوڑو: **وقاربوا بینها:** صفیں قریب قریب ہوں دو صفوں کے درمیان اتنی جگہ نہ ہونا چاہئے کہ اسمیں ایک اور صف قائم ہوجائے: **وحاذوا بالاعناق**

سب نمازی ہموار جگہ پر کھڑے ہوں، بعض بلند جگہ پر بعض پست جگہ پر نہ کھڑے ہوں، بعض لوگوں نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ گردنیں برابر رکھیں، یعنی گردنیں نمازیوں کے آگے پیچھے نہ ہوں: کانها الحذف. سیاہ چھوٹی بکری کو ''حذف'' کہتے ہیں۔

حدیث نمبر۱۰۲۷ ﴿اگلی صف مکمل کرنے کی تاکید﴾ عالمی حدیث نمبر۱۰۹۴

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِيْ يَلِيْهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر۹۸، ج نمبر۱، باب تسویة الصفوف، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۶۷۱.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگلی صف مکمل کرو، پھر جو اس سے متصل ہے جو کمی ہو وہ سب سے آخیر کی صف میں ہونی چاہئے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی اگلی صفوں کو مکمل کیے بغیر پچھلی صفیں قائم کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، جب پہلی صف مکمل ہو جائے تب دوسری صف بنائی جائے، یہی حال تیسری صف بنانے کا بھی ہے، جو کمی ہو وہ آخیر صف میں ہو یہ نہ ہونا چاہئے کہ کئی ایک صفیں ناتمام بنی ہوئی ہوں۔

کلمات حدیث کی تشریح اتموا الصف المقدم. آپ ﷺ نے اس فرمان میں اگلی صف کو مکمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کوئی شخص صف کو مکمل کرنے کا اہتمام کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر خصوصی رحمت فرماتے ہیں۔ ابوداؤد میں روایت ہے ''مَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ'' جو شخص صف کو ملائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے ملائے گا، صف کو ملانے کی صورت یہی ہے کہ بیچ میں خلا ہے تو اس کو پورا کردے، اگلی صف ناتمام ہے یعنی اس میں ایک دو آدمیوں کے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے، تو اس میں کھڑے ہو کر صف کو مکمل کردے: فما كان من نقص. سب سے آخری صف اگر ناتمام ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس میں مصلیوں کا کوئی قصور نہیں ہے اور اگر اگلی صفیں نامکمل ہونے کے باوجود پچھلی صفیں قائم کی جارہی ہیں، تب غلط کام ہوگا، اور اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''مَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ'' قطع صف کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ صف میں گنجائش ہے لیکن اس میں داخل ہونے سے کوئی شخص دوسرے کو روکے۔

حدیث نمبر۱۰۲۸ ﴿اگلی صفوں کی برکت﴾ عالمی حدیث نمبر۱۰۹۵

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يَلُوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰى وَمَا مِنْ خَطْوَةٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ خَطْوَةٍ يَمْشِيْهَا يَصِلُ بِهَا صَفًّا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر۸۰، ج نمبر۱، باب فی الصلاة تقام ولم يأت الامام، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۵۴۳.

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو پہلی صفوں کے قریب ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو وہ قدم بہت پسند ہیں جو صف کیطرف اٹھتے ہیں اور صف کو ملاتے ہیں۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اگلی صف میں جگہ حاصل کرنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے اگلی صف میں جگہ نہ ملے تو اس کے بعد اسی طرح درجہ بدرجہ ثواب میں کمی بیشی ہوتی ہے، اگر صفوں میں کہیں خلا وغیرہ ہے کوئی شخص اس کو پر کرتا ہے تو اللہ اس شخص کو بہت پسند کرتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح یلون الصفوف الاولیٰ اگلی صف میں کھڑے ہونے سے متعلق آپ ﷺ نے بہت کچھ بیان فرمایا ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَاسْتَهَمُوْا'' (بخاری)

اگر لوگوں کو صفِ اول میں جگہ لینے کا ثواب معلوم ہو جائے تو اس کے لئے قرعہ اندازی کی نوبت آجائے، صفِ اول میں جگہ نہ ملے تو مایوس نہ ہونا چاہئے صف اول کے بعد کی صف پھر اس کے بعد کی صف ان صفوں میں کھڑے ہونے والے بھی رحمتِ خداوندی کے مستحق ہوتے ہیں، اپنی کوشش اگلی صف کی ہونی چاہئے۔ صف اول سے کون سی صف مراد ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو سب سے پہلے مسجد پہونچیں خواہ وہ نماز کسی بھی صف میں پڑھیں، لیکن راجح قول کے مطابق صف اول وہ ہے جو امام کے بعد یمین سے یسار تک ممتد ہو، ہندوستان کے اعتبار سے صف اول وہ صف ہے جو امام کے بعد جنوب سے لے کر شمال تک ممتد ہو، اس پہلی صف میں جتنے لوگ بھی کھڑے ہونگے سب صف اول میں شمار ہونگے۔

حدیث نمبر ۱۰۲۹ ﴿صف میں دائیں طرف کھڑے ہونے کی فضیلت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۹۶

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۹۸، ج نمبر ۱، باب من يستحب أن يلي الامام في الصف، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۶۷۶

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو صفوں میں دائیں طرف ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ امام کے دائیں طرف کھڑے ہونے والے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے مستحق ہوتے ہیں۔ لہٰذا کوشش اس بات کی کی جائے کہ دائیں طرف کھڑا ہوا جائے۔

کلمات حدیث کی تشریح میامن الصفوف ابن الملک فرماتے ہیں کہ حدیث کا یہ جز صفوں کے دائیں طرف کھڑے ہونے والوں کی عظمت پر دلالت کر رہا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اولاً امام کے دائیں طرف سے آخیر صف تک رحمت نازل فرماتا ہے پھر امام کے بائیں جانب والے سے دائیں جانب کی آخیر صف تک رحمت نازل کرتا ہے۔ لیکن اگر بائیں جانب کی صف نمازیوں سے خالی ہے تو بائیں جانب کھڑا ہونا دائیں طرف کھڑے ہونے سے افضل ہے۔ (مرقات، ص نمبر ۲۷، ج نمبر ۳)

ایضاح البخاری میں ہے کہ ''البحر الرائق'' میں ایک روایت ذکر کی گئی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ اس کا درجہ کیا ہے، کہ صف اول میں امام کے پیچھے بالکل محاذات جگہ حاصل کرنے والے کی نماز کا ثواب ۱۰۰ گنا، داہنی طرف جگہ لینے والوں کا ثواب ۷۵ گنا، اور بائیں طرف جگہ لینے والوں کا ثواب پچاس گنا، اور بقیہ صفوں کے نمازیوں کا ثواب ۲۵ گنا ہے۔ (ایضاح البخاری، ص نمبر ۲۹۲، ج نمبر ۴)

حدیث نمبر ۱۰۳۰ ﴿تکبیر تحریمہ سے پہلے صفیں سیدھی کرانیکا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۹۷

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا اِذَا قُمْنَا اِلَى الصَّلَاةِ فَاِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابو داؤد، ص نمبر ۹۷، ج نمبر ۱، باب تسوية الصفوف، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۶۶۵.

ترجمه: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس وقت درست فرماتے تھے جب ہم کھڑے ہوتے تھے۔ چنانچہ جب ہم برابر کھڑے ہو جاتے، تو آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ امام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صفوں کی درستگی کا اہتمام کرتے اور جب تک صفیں درست نہ ہو جاتیں نماز شروع نہ کرتے۔

کلمات حدیث کی تشریح یسوی صفوفنا اذا قمنا اقامت ختم ہونے سے پہلے صفوں کی درستگی کر لینا چاہیے، تاکہ اقامت ختم ہوتے ہی امام تکبیر تحریمہ کہے۔ لیکن اگر اقامت ختم ہوگئی اور ابھی صف بندی صحیح طور پر نہیں ہوئی، تو پہلے صف درست کی جائے پھر امام تکبیر تحریمہ کہے۔ اس کی وضاحت حدیث نمبر ۱۰۱۸ کے تحت ہو چکی ہے۔

فاذا استوینا کبر امام کی ذمہ داری ہے کہ وہ صفیں درست کرائے، امام صفوں کی درستگی اپنے نائبین سے بھی کرا سکتا ہے۔ بہر حال جب صفیں درست ہوں تب ہی نماز شروع کرے۔ آپ ﷺ کے عمل سے متعلق ابوداؤد میں اسی باب کے تحت حدیث ہے "یَتَخَلَّلُ الصَّفَّ مِنْ نَاحِیَۃِ الخ" صف میں پھر کر، لوگوں کے مونڈھوں اور سینوں پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کر کے صفیں سیدھی فرماتے تھے اور زبان سے یہ فرماتے تھے "لا تختلفوا فتختلف قلوبکم" صفوں میں آگے پیچھے ہو کر اختلاف نہ ڈالو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دیگا۔ امام ترمذیؒ نے حضرت عمرؓ کا یہ عمل نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو صفیں سیدھی کرنے کے لئے مقرر کر دیا تھا جب وہ آکر اطلاع دیتا کہ صفیں درست ہو گئیں ہیں تب آپ ﷺ نماز شروع فرماتے تھے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۰۳۱ ﴿آپ ﷺ کا صفیں درست کرانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۹۸

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَنْ یَمِیْنِہٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَکُمْ وَعَنْ یَسَارِہٖ اِعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَکُمْ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۹۸، ج نمبر ۱، باب تسویۃ الصفوف، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۷۰.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے، سیدھے کھڑے ہو، اپنی صفیں درست کرلو، پھر آپ ﷺ اپنی بائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے سیدھے کھڑے ہو، اپنی صفیں درست کرلو۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں صفیں درست کرانے سے متعلق آپ ﷺ کا عمل مذکور ہے، آپ ﷺ دائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ اپنی صفیں سیدھی کرو، پھر بائیں طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ اپنی صفیں سیدھی کرو، شروع میں تو آپ ﷺ اپنے ہاتھوں سے صحابہؓ کی صفیں درست کراتے تھے، جب صحابہؓ نے صفیں درست کرنا سیکھ لیا تو آپ ﷺ زبان سے ہی صف درست کرنیکا حکم دیتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح عن یمینہ آپ ﷺ اپنے چہرے سے دائیں طرف متوجہ ہو کر دائیں طرف صف بستہ لوگوں کو صفیں درست کرنے سے متعلق حکم دیتے تھے کہ اگر درمیان میں خلا ہے تو اس کو پر کرلو، کوئی سیدھا نہ کھڑا ہو تو سیدھا کھڑا ہو جائے: وعن یسارہ. بائیں طرف متوجہ ہو کر صف میں بائیں جانب والوں کو بھی صف درست کرنے کا حکم دیتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۰۳۲ ﴿صف میں کھڑے ہونے والے بہتر لوگ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۰۹۹

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خِیَارُکُمْ اَلْیَنُکُمْ مَنَاکِبَ فِی الصَّلٰوۃِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص نمبر ۹۸، ج نمبر ۱، باب تسویۃ الصفوف، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۶۷۳.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو نماز میں اپنے مونڈھے کو زیادہ نرم رکھنے والے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ صف میں مونڈھوں کو بایں طور نرم رکھتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص صف کو درست کرنے کی خاطر ان کو پکڑ کر آگے پیچھے کرے تو وہ برضاء ورغبت صف کی درستگی کی خاطر آگے پیچھے ہو جائیں، تن کر

کھڑے نہ رہیں، تو ایسے لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح خیار کم الینکم اسکے متعدد معنی بیان کیئے جاتے ہیں، اس موقع کے سب سے مناسب وہ معنی ہیں جو خلاصہ حدیث کے تحت نقل ہوئے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں انقیاد واطاعت مراد ہے، یعنی صفیں درست کرنے والا موںڈھے پکڑ کر آگے پیچھے کرے، تو یہ اس کے حق میں نرم پڑ جائے، ضد کرتے ہوئے تن کر کھڑا نہ ہو، بعض نے یہاں خضوع وخشوع مراد لیا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ معنی نقل کئے ہیں کہ صف میں خلا ہونے کی صورت میں کوئی بیچ میں آکر کھڑا ہورہا ہے تو اس کے حق میں نرم ہونے والا یہاں مراد ہے، یعنی اس کو کھڑا ہونے دے، اگر کوئی ضد کرتے ہوئے تن کر کھڑا ہوجائے اور خلا باقی رکھے لیکن کسی کو بیچ میں داخل نہ ہونے دے، ایسا شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۳۳ ﴿صف کی درستگی کے لئے آپؐ کا فرمان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰۰

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِسْتَوُوْا اِسْتَوُوْا اِسْتَوُوْا فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ اِنِّىْ لَاَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِىْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ بَيْنِ يَدَىَّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: نسائی، ص نمبر ۹۳، ج نمبر ۱، باب كم مرة يقول استووا، كتاب الامامة، حديث نمبر ۸۵٤.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے، کہ صفوں کو درست کرو، صفوں کو درست کرو، صفوں کو درست کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک میں تم کو اپنی پشت کی جانب سے ایسے ہی دیکھتا ہوں، جیسا کہ میں تم کو اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث صفوں کی درستگی کی بہت اہمیت ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے عملاً صفوں کو درست بھی کراتے تھے، اور زبان مبارک سے بھی صفوں کی درستگی کی تاکید فرماتے تھے، راوی حدیث فرماتے ہیں کہ نماز شروع کرنے سے پہلے آپ ﷺ تین مرتبہ بطور تاکید کے صفوں کی درستگی کی خاطر سیدھا اور درست کھڑے ہونے کا حکم دیتے تھے، اور اس میں اہتمام پیدا کرنے کی خاطر آپ ﷺ نے اپنے معجزوں کا بھی ذکر کیا، جس کے ذریعہ سے آپ مصلیوں کو پشت کی جانب سے بھی دیکھ لیتے تھے، مقصد یہ تھا کہ جب صحابہ کو یہ معلوم ہوگا کہ اللہ کے نبی ان کو دیکھتے ہیں۔ تو صفوں کی درستگی میں مزید اہتمام کریں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح استووا صفوں کو درست اور سیدھا کرنے کی خاطر سیدھے اور برابر کھڑے ہو، آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ کلمات یا تو تاکید کی خاطر فرماتے یا پھر پہلی مرتبہ مجملاً سب کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا، دوسری مرتبہ خاص داہنی جانب والوں کے لئے یہ حکم دیا، اور تیسری مرتبہ خاص بائیں جانب والوں کے لئے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ لاراکم من خلفی آپ ﷺ معجزہ کے طور پر نمازیوں کو پشت کی جانب سے دیکھتے تھے (تلخیص مرقات، ص نمبر ۷۲، ج نمبر ۳) اس جز سے متعلق مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۰۱۹ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۰۳٤ ﴿پهلی صف میں کھڑے ہونے کا ثواب﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰۱

وَعَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِىْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِىْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِىْ قَالَ وَعَلَى الثَّانِىْ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَحَاذُوْا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ وَلِيْنُوْا فِىْ اَيْدِىْ اِخْوَانِكُمْ وَسُدُّوا الْخَلَلَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ يَعْنِىْ اَوْلَادَ الضَّأْنِ الصِّغَارِ رَوَاهُ اَحْمَدُ.

حوالہ: مسند احمد، ص نمبر ۲۶۲، ج نمبر ۵.

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے پہلی صف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! اور دوسری صف والوں پر؟ آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے پہلی صف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! دوسری صف والوں پر؟ آپ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے پہلی صف والوں پر رحمت بھیجتے ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! اور دوسری صف والوں پر؟ آپ ﷺ نے فرمایا اور دوسری صف والوں پر بھی، اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اپنی صفوں کو درست رکھو، اپنے کاندھوں کو برابر رکھو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں کے آگے نرم رہو، شگاف کو پر کرو، اسلئے کہ شیطان تمہارے درمیان ''حذف'' یعنی بھیڑ کے چھوٹے بچوں کی طرح داخل ہوجاتا ہے۔ (مسند احمد)

خلاصہ حدیث اس حدیث میں پہلے آپ ﷺ نے صفِ اول کی فضیلت کے بیان کی خاطر یہ بتایا کہ اس صف پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ صحابہؓ کے کئی مرتبہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے صفِ اول کے ثواب اور فضیلت میں صف ثانی کو اگرچہ شریک کیا، لیکن صفِ اول کا مقام صفِ ثانی سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ چوتھی مرتبہ میں صف ثانی کو شریک کرنا یہ خود ہی صفِ اول کی افضلیت کے لئے کافی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے چند باتوں کا مزید حکم دیا، یہ چیزیں وضاحت سے گذشتہ احادیث کے تحت نقل ہوچکی ہیں۔ (۱) صفوں کو درست رکھو (۲) سب لوگ برابر کھڑے ہوں، صف میں کچھ لوگ اونچی جگہ پر اور کچھ نیچی جگہ پر کھڑے ہوں ایسا نہ ہو (۳) صفیں درست کرنے والے کی خاطر اپنے کاندھے نرم رکھو، ضد کرتے ہوئے تن کر کھڑے نہ ہو (۴) صفوں میں خلا اور شگاف نہ چھوڑو کیونکہ شگاف پاکر صفوں کے درمیان شیطان گھس جاتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون اللہ تعالیٰ کی صفِ اول والوں پر رحمت نازل ہوتی ہے، اور فرشتوں کے ''تصلیہ'' کا مطلب ہے وہ صفِ اول والوں کے لئے توفیق وغیرہ کی دعا کرتے ہیں: وعلی الثانی. اس عطف کو عطف تلقین والتماس کہتے ہیں، یعنی بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے صفِ اول کی فضیلت تو ذکر کی، دوسری صف کے بارے میں ارشاد فرمائیے۔ (مرقات، ص نمبر ۷۲، ج نمبر ۳)

ان اللّٰہ وملائکتہ آپ ﷺ تین مرتبہ تک صفِ اول ہی کیلئے ارشاد فرماتے رہے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ اس سے صفِ اول کی بقیہ صفوں پر تین گنا فضیلت معلوم ہوتی ہے، صفِ اول کی فضیلت کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے بہت اسباب ذکر کئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (۱) نماز کی ادائیگی کیلئے جلدی کرنا (۲) مسجد جلد آنا (۳) امام کا قرب ملنا (۴) امام کی قرأت اچھی طرح سننا (۵) ضرورت کے وقت امام کو لقمہ دینا (۶) امام کی آواز دوسروں تک پہونچانا (۷) دوران صلوٰۃ سامنے سے گذرنیوالوں سے مامون رہنا (۸) سامنے سے کسی کے گذرنے کیوجہ سے دل کا یکسو ہونا (۹) نمازیوں کے دامن سے سجدہ گاہ کا محفوظ رہنا (فتح الباری، ص: ۱۳۳ ج: ۳)

سووا صفوفکم صفوں کو درست کرو، آپ ﷺ کے تسویہ صفوف کے بہت زیادہ تاکید فرماتے اور سیدھا نہ کرنے پر وعید ذکر کرنے کی بنا پر اکثر ائمہ نے ''تسویہ صفوف'' کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے: وحاذوا بین مناکبکم یعنی نمازی اپنے کاندھوں میں محاذات یعنی برابری قائم کریں، آگے پیچھے نہ ہو، بلکہ بالکل برابر کھڑے ہوں: ولینوا فی ایدی اخوانکم. یہاں اطاعت وفرمانبرداری مراد ہے، اس سے پہلے حدیث نمبر ۱۰۳۲ گذری جس میں الفاظ ہیں ''خیارکم الینکم مناکب فی الصلوٰۃ'' یعنی صفیں درست کرنے والا مونڈھے پکڑ کر آگے پیچھے کرے، تو اس کے حق میں اپنے مونڈھے نرم کرو، اور جو نرم کرے گا وہ بہت بہتر شخص ہوگا: وسدو الخلل ''خلل'' کے معنی فرج، کشادگی، صفوں کے درمیان کشادگی نہ چھوڑنا چاہئے، غیر مقلدین اپنے ٹخنے اپنے بغل والے کے ٹخنے سے ملاکر

کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں اولاً یہ منشاء حدیث ہے ہی نہیں، ثانیاً یہ خلاف ہیئت صلاۃ ہے، ثالثاً اس میں تکلف بے جا ہونے کے ساتھ سعی لا حاصل ہے، پھر اپنے بغل والے اور اپنے درمیان جو کشادگی ہے وہ تو ختم ہو جاتی ہے، لیکن خود اپنے دونوں قدموں کے درمیان بہت کشادگی پیدا ہو جاتی ہے، جو کہ حدیث باب کے خلاف ہے: فان الشیطان صفوں کے درمیان خلا پا کر شیطان داخل ہو جاتا ہے، پھر وہ وسوسہ اندازی کرتا ہے:الحذف اس کی تفسیر راوی حدیث نے بھیڑ کے بچہ سے کی ہے، یہ تفسیر آپ ﷺ نے نہیں فرمائی ہے، عام طور پر ''حذف'' حجازی بکری کے لئے بولا جاتا ہے جو کہ سیاہ اور چھوٹی ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۳۵ ﴿صفوں میں شگاف بھرنے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰۲

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوْا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوْا الْخَلَلَ وَلِيْنُوْا بِاَيْدِیْ اِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَّصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهٗ قَطَعَهُ اللّٰهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِیُّ مِنْهُ قَوْلَهٗ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا اِلٰی اٰخِرِهٖ.

حواله: ابوداؤد، ص نمبر ۹۷، ج نمبر ۱، باب تسوية الصفوف، كتاب الصلوٰة، حديث نمبر ٦٦٦. نسائی، ص نمبر ۹۳، ج نمبر ۱، باب من وصل صفاً، كتاب الاقامة، حديث نمبر ۸۱۸.

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''صفوں کو درست رکھو، مونڈھوں کے درمیان برابری قائم کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں کے آگے نرم رہو، اور شیطان کیلئے کشادگی نہ چھوڑو، جس نے صف کو ملایا، اللہ تعالیٰ اسکو ملائیگا، اور جس نے صف کو کاٹا اللہ تعالیٰ اسکو کاٹے گا، ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے، اور نسائی نے آپ ﷺ کے فرمان "من وصل" سے اخیر تک نقل کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی ان ہی چیزوں کا حکم ہے، جن کی وضاحت گذشتہ حدیث میں ہوئی، یعنی صفیں درست کرنے، کاندھے ملا کر کھڑے ہونے، خلا کو پر کرنے اور کاندھوں کو صفیں درست کرنے والوں کیلئے نرم رکھنے کی تاکید ہے

کلمات حدیث کی تشریح من وصل صفا صف ملانے کی دو صورتیں ہیں (۱) کہیں خلا ہے تو اس کو پر کردے (۲) اگلی صف ناقص ہے تو اس کو پورا کردے: وصله الله اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی رحمت سے ملائیگا، یعنی اس کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرمائے گا: ومن قطعه قطع صف کی چند شکلیں ہیں۔ (۱) صف میں کھڑا نہ ہو (۲) خلا کو پر نہ کرے (۳) صف کے بیچ میں بیٹھا رہے (۴) صف میں گنجائش کے باوجود کسی شخص کو صف میں داخل ہونے سے روکے: قطعه الله. اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت اور عنایت سے دور کردیتا ہے، سخت وعید اور شدید دھمکی ہے، اسی بنا پر حافظ ابن حجرؒ نے اس کو اپنی کتاب ''الزواجر'' میں گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے۔ (مرقات، ص نمبر ۷۳، ج نمبر ۳)

حدیث نمبر ۱۰۳۶ ﴿امام کو درمیان میں رکھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوْا الْاِمَامَ وَسُدُّوْا الْخَلَلَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابوداؤد، ص نمبر ۹۹، ج نمبر ۱، باب مقام الامام من الصف. كتاب الصلوٰة. حديث نمبر ٦٨١.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''امام کو درمیان میں رکھو، اور خلا کو پر کرو۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے صف بندی کے حوالے سے یہ تاکید فرمائی ہے کہ صف میں اس طرح کھڑے ہو کہ امام بیچ میں ہو جائے، یعنی امام کے دائیں بائیں دونوں طرف برابر نمازی کھڑے ہوں۔ نیز حدیث باب میں خلا کو پر کرنے کی بھی تاکید ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح توسطوا الامام. امام اس طرح کھڑا ہو کہ اسکے دائیں بائیں مقتدی برابر ہوں، بعض لوگ "وسط" بالفتح سے ماخوذ مانتے ہیں، یعنی بہتر کے معنی میں۔ ایسی صورت میں مطلب ہوتا ہے کہ اپنے میں جو بہتر ہو اسکو آگے بڑھاؤ، بعض محدثین نے یہ حدیث عورتوں کی امامت کے متعلق قرار دی ہے، عورت کی امامت میں یہی ہوتا ہے۔ کہ امامت کرنے والی عورت اقتدا کرنے والی عورتوں کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے، ان سے آگے نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ حکم ہے کہ اس کے دائیں بائیں عورتیں کھڑی ہوں۔

حدیث نمبر۱۰۳۷ ﴿صفِ اول سے جی چرانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰۴

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَّتَأَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابوداؤد، ص نمبر ۹۹، ج نمبر ۱، باب صف النساء و كراهية التأخر عن الصف الاول، كتاب الصلوة، حديث نمبر ۶۷۹.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "کچھ لوگ ہمیشہ صفِ اول سے پیچھے رہیں گے یہاں تک اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں پیچھے ڈالے گا۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ صفِ اول میں کھڑے ہونے سے جی چراتے رہیں گے اور اس سلسلہ میں ہمیشہ غفلت برتتے رہیں گے، تو بالآخر وہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے، اس سے صفِ اول کی اہمیت اور اس نعمت عظمٰی کی ناقدری کی قباحت خوب اچھی طرح سمجھ میں آ رہی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح حتی یؤخرھم اللہ فی النار مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ صفِ اول کو ترک کرنا ایسے گناہوں کے ارتکاب کا سبب بن سکتا ہے، جن گناہوں کی وجہ سے وہ جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ یا پھر مطلب یہ ہے کہ صفِ اول سے جی چرانے والے لوگ سب سے آخیر میں جہنم سے نکالے جائیں گے۔

حدیث نمبر۱۰۳۸ ﴿صف میں تنہا کھڑا ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰۵

وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلَاةَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

حواله: مسنداحمد، ص نمبر ج نمبر ۴. ابوداؤد، ص نمبر ۹۹، باب الرجل يصلى وحده خلف الصف، كتاب الصلوٰة، حديث نمبر ۶۸۲. ترمذى، ص نمبر ۵۴، ج نمبر ۱، باب ماجاء فى الصلوٰة خلف الصف وحدهٗ. كتاب الصلوٰة، حديث نمبر ۲۳۰.

ترجمه: حضرت وابصہ بن معبدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو تنہا صف کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کو نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اکیلے کھڑے ہو کر صف میں نماز نہ پڑھنا چاہئے، اور اگر جگہ خالی ہے پھر ایسا کیا تو قباحت میں مزید اضافہ ہوگا آپ ﷺ کا اعادہ صلاۃ کا حکم بطور استحباب کے تھا، وجوب کے طور پر نہیں تھا۔

کلمات حدیث کی تشریح رجلا یصلی خلف الصف صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ امام احمدؒ اسی حدیث باب سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صف میں تنہا کھڑا ہوا تو اس کی نماز نہیں ہوتی

نماز کا اعادہ کرے، حنفیہ کے نزدیک انفرادا خلف الصف مکروہ ہے، لیکن اس سے نماز باطل نہ ہوگی، اور نہ اعادہ لازم ہوگا، کراہت کا ثبوت تو حدیث باب سے ہے اعادہ نہ کرنے پر استدلال اس حدیث سے ہے "اِنَّ اَبَابَكْرَةَ اِنْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ وَهُوَرَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَصِلَ اِلَى الصَّفِّ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ" حضرت ابوبکرآپ ﷺ کے پاس اس حال میں حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ رکوع میں جا چکے تھے، انہوں نے صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع کرلیا، اس کے بعد چل کر صف تک پہنچے، اس واقعہ کا ذکر حضور ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تمہیں اور شوق عطا فرمائے ایسا دوبارہ مت کرنا، اس حدیث سے اچھی طرح معلوم ہوا کہ تنہا صف میں نماز پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، ورنہ حضرت ابوبکرۃ کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم ہوتا، جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس کو جمہور نے استحباب پر محمول کیا ہے یعنی اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پیچھے نماز پڑھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کا اعادہ کرو، یعنی اعادہ کرنا مستحب ہے، یا پھر یہ حکم زجر وتوبیخ کے لئے ہے، اگر کوئی شخص آیا اور وہ تنہا ہے، اگلی صف مکمل ہے تو اب وہ کیا کرے؟ بعض نے کہا ہے کہ اگلی صف سے کسی کو کھینچ لے، جبکہ حنفیہ کے یہاں مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ نہ کھینچے، کیونکہ معلومات نہ ہونے کی وجہ سے ناگواریوں کے اظہار اور فتنے کے کھڑے ہونے کا اندیشہ ہے۔

باب الموقف

﴿نماز میں کھڑے ہونے کا بیان﴾

اس باب کے تحت وہ احادیث ذکر کی گئی ہیں، جن میں امام اور مقتدیوں کو نماز میں صحیح طور پر کھڑے ہونے کی ہدایات کی گئی ہیں، اور یہ بتایا گیا ہے کہ کتنے لوگ ہوں تو جماعت بنائی جائے۔ جماعت میں کس ترتیب سے کھڑے ہوا جائے امام کہاں کھڑا ہو، مقتدی کہاں کھڑے ہوں ان تمام چیزوں سے متعلق تفصیلات احادیث میں اور احادیث کے ذیل میں جو بحثیں ہیں ان میں مذکور ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ سمجھنا چاہئے کہ جب دو لوگ ہوں گے تو جماعت سے نماز پڑھی جائے گی، اور امام مقتدی کو اپنے دائیں طرف برابر میں کھڑا کرے گا، اور اس بات پر توجہ رہے گی کہ مقتدی امام سے ہرگز آگے نہ بڑھے۔ اگر مقتدی امام سے آگے کھڑا ہوا تو اقتدا درست نہ ہوگی۔ اور اگر مقتدی لاعلمی کی بنا پر امام کے بائیں طرف کھڑا ہوجائے، تو امام عمل قلیل کے ذریعہ سے مقتدی کو ایسے طور پر اپنے داہنی طرف کرے کہ مقتدی کی امام پر سبقت لازم نہ آئے یہ تفصیل اس وقت ہے جب دو نفوس ہوں۔ اگر تین افراد ہیں تو امام آگے کھڑا ہو اور مقتدی پیچھے کھڑے ہوں۔ احادیث باب میں تنہا ایک شخص کے صف میں کھڑے ہونے کی ممانعت بھی مذکور ہے۔ اور امام کا بلند جگہ پر اور مقتدیوں کے نیچے کھڑے ہونے کو بھی منع کیا گیا ہے۔ امام کے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو فہم وفراست اور دینی علوم کے حامل ہوں۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر یہ امامت کرسکیں۔ مردوں کی صف کے پیچھے بچوں کی صف ہوگی، اور بچوں کی صف کے پیچھے عورتوں کی صف ہوگی، اور عورت مرد کے بغل میں ہرگز نہ کھڑی ہو۔ اگرچہ صف میں کھڑے ہونے والے مرد عورت کے محرم کیوں نہ ہوں۔ اگر عورت تنہا ہے، تو وہ صف تو بنائے گی، لیکن مردوں کی صف میں نہیں کھڑی ہوگی۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۰۳۹ ﴿مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰۶

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِيْ بَيْتِ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِيْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ فَعَدَلَنِيْ كَذٰلِكَ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ اِلَى الشِّقِّ الْاَيْمَنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حواله: بخاری، ص۹۷ ج۱، باب من يقوم عن يمين الامام بحذائه الخ، كتاب الاذان، حديث نمبر ۶۸۸. مسلم، ص ۲۶۰ ج۱، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه. كتاب صلاة المسافرين وقصرها، حديث نمبر ۷۷۳.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے یہاں رات گذاری، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا، آپ ﷺ نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور اس طرح اپنی پیٹھ کے پیچھے سے پھرا کر مجھ کو اپنی دائیں جانب کھڑا کرلیا۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر مقتدی اکیلا ہو تو اس کو امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے، اور اگر مقتدی بائیں طرف کھڑا ہوگیا تو امام عمل قلیل کے ذریعہ اس طور پر مقتدی کو دائیں طرف کرے کہ مقتدی کا امام سے تقدم لازم نہ آئے، حضرت ابن عباسؓ حضور ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہوگئے، تو آپ ﷺ نے پیچھے سے ان کو پھرا کر دائیں جانب کھڑا کرلیا، اس صورت میں ابن عباسؓ کا آپ ﷺ سے تقدم لازم نہ آیا۔

کلمات حدیث کی تشریح **فقمت عن یسارہ:** رسول اللہ ﷺ رات میں تہجد کی نماز کی ادائیگی کے لئے بیدار ہوئے، اور تہجد کی نماز شروع کی، تو عبداللہ بن عباسؓ بھی آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑے ہوکر نماز میں شامل ہوگئے۔

فاخذ بیدی: آپ ﷺ نے عبداللہ بن عباسؓ کو بائیں طرف سے ہٹا کر دائیں طرف کھڑا کرلیا، معلوم ہوا کہ جب امام کے ساتھ مقتدی ہو تو اس کو امام کے داہنی طرف کھڑا ہونا چاہئے اور اگر وہ غلطی سے بائیں طرف کھڑا ہوجائے تو امام کو داہنی طرف کرلینا چاہئے۔ من وراء ظھری آپ ﷺ نے عبداللہ بن عباسؓ کو بائیں طرف سے داہنی طرف کرنے میں ان کو اپنے سے آگے نہیں کیا۔ بلکہ ان کو اپنی پشت کے پیچھے سے پھرا کر داہنی طرف کیا، معلوم ہوا کہ مقتدی کا تقدم امام پر جائز نہیں ہے۔ اس لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ جب مقتدی اکیلا ہو تو وہ امام کے ساتھ داہنی طرف کھڑا ہو، لیکن ذرا سا مؤخر ہوکر کھڑا ہو، تاکہ امام سے آگے بڑھنے کا اندیشہ ختم ہوجائے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے بعد میں آکر نماز میں آپ ﷺ کی اقتدا کی حالانکہ آپ ﷺ انفرادی نماز پڑھ رہے تھے، معلوم ہوا کہ جس شخص نے ابتدا میں امامت کی نیت نہ کی ہو، اس کے پیچھے اقتدا کرنا جائز ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ تنہا نماز پڑھ رہے تھے، حضرت ابن عباسؓ نے بعد میں آکر آپ ﷺ کے پیچھے اقتدا کی۔ (تلخیص مرقات، ص۷۴-۷۵، ج۳)

یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نفل نماز بھی جماعت کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہے، لیکن نفل نماز جماعت کے ساتھ اس وقت پڑھی جائے گی جب کہ تداعی نہ ہو۔ اور تداعی کا مطلب حضرت گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ میں بیان کیا ہے کہ چار آدمی کا مقتدی ہونا تداعی ہے، فرض نمازوں کے ساتھ جو نفل یعنی سنن راتبہ پڑھے جاتے ہیں ان میں جماعت مشروع نہیں ہے۔

حدیث باب میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا، ترمذی کی روایت میں ہے کہ "فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسِيْ" (ترمذی ص۵۵، ج۱) یعنی حضور ﷺ نے میرے سر کو پکڑا، اور نسائی کی روایت میں ہے کہ "وَأَخَذَ بِأُذُنِيْ الْيُمْنٰى" (نسائی ص۱۸۴، ج۱) یعنی حضور ﷺ نے میرے کان کو پکڑا۔ الفاظ حدیث میں تفاوت ممکن ہے کہ اس بنا پر ہو کہ حضور ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کا پہلے سر، پھر کان، پھر ہاتھ پکڑا ہو، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز میں عمل قلیل جائز ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۴۰ ﴿مقتدی دو ہوں تو امام آگے کھڑا ہو﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰۷

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَاَدَارَنِيْ حَتّٰى اَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهٗ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حوالہ: مسلم، ص ۴۱۵ تا ۴۱۹، ج۲. باب حدیث جابر، کتاب الزھد والرقاق، حدیث نمبر ۳۰۱۰

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، تو میں بھی آکر آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا، آپ ﷺ نے مجھے گھما کر دائیں جانب کھڑا کرلیا، پھر جبار بن صخرؓ آئے اور نبی کریم ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہوگئے، تو آپ ﷺ نے ہم دونوں کے ایک ساتھ ہاتھ پکڑے اور ہمیں اپنے پیچھے کرلیا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر مقتدی ایک ہے تو وہ امام کے داہنی طرف کھڑا ہو، اور اگر مقتدی ایک سے زائد ہو تو امام آگے کھڑا ہو، اور مقتدی پیچھے کھڑے ہوں۔ دو لوگ آپ ﷺ کے دائیں بائیں کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے پیچھے کردیا۔

کلمات حدیث کی تشریح فاخذ بیدینا جمیعاً: آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ سے ایک کا بایاں ہاتھ پکڑا، اور اپنے بائیں ہاتھ سے دوسرے کا دایاں ہاتھ پکڑا، قاضی نے کہا ہے کہ یہیں سے معلوم ہوا کہ ایسا عمل جسمیں ہاتھ کو ایک بار یا پے درپے دو بار حرکت دینا پڑے، تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح وقفہ کیساتھ زیادہ بار کی حرکت بھی نماز فاسد نہ کریگی۔ (مرقات ص ۷۵، ج۳)

جماعت میں تین آدمیوں کے کھڑے ہونے کی ترتیب میں اختلاف مذہب

اگر جماعت تین نفوس پر مشتمل ہے اور ان میں ایک امام اور دو مقتدی ہیں، تو صف بندی کی ترتیب میں کچھ اختلاف ہے۔

جمهور کا مذهب: جمہور کے نزدیک اگر مقتدی دو ہوں تو ان کو امام کے پیچھے صف بنانا چاہئے۔

دلیل: (۱) ایک دلیل تو حدیث باب ہی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دو مقتدی اگر ہیں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

(۲) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً اَنْ يَّتَقَدَّمَنَا اَحَدُنَا. (ترمذی ص۵۵، ج۱) سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جب تین لوگ ہوں تو ہم میں سے ایک یعنی امام آگے رہے

امام ابویوسفؒ کا مذهب: امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب تین لوگ ہوں تو امام درمیان میں کھڑا ہو اور مقتدی حضرات میں سے ایک امام کے داہنی جانب کھڑا ہو اور دوسرا مقتدی بائیں جانب کھڑا ہو۔

دلیل: (۱) امام ابویوسفؒ کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر ہے: عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ صَلّٰى بِعَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدَ فَاَقَامَ اَحَدَهُمَا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَالْاٰخَرَ عَنْ يَّسَارِهٖ وَرَوَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (ترمذی) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت علقمہؒ اور حضرت اسود کو نماز پڑھائی، تو ان میں سے ایک حضرت ابن مسعودؓ کے داہنی جانب کھڑے ہوئے اور دوسرے بائیں جانب کھڑے ہوئے اور اس کو نبی کریم ﷺ تک مرفوع بھی کیا امام ابویوسفؒ اس حدیث کی روشنی میں کہتے ہیں کہ امام اس وقت درمیان میں کھڑا ہوگا جب مقتدی دو ہوں۔

جواب: (۱) مکان کی تنگی کی بنا پر حضرت ابن مسعودؓ درمیان میں کھڑے ہوئے۔ (۲) آپ ﷺ نے بیان جواز کے لئے مکروہ تنزیہی پر عمل کیا تھا اس بنا پر عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی خلاف اولیٰ پر بیان جواز کے لئے عمل کیا، ورنہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ امام آگے کھڑا ہو اور مقتدی پیچھے کھڑے ہوں۔

حدیث نمبر ۱۰۴۱ ﴿عورتوں کے صف میں پیچھے کھڑے ہونیکا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰۸

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حوالہ: بخاری، ص ۱۰۸، ج۱. باب المرأۃ وحدھا تکون صفا. کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۲۷

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اور یتیمؓ نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، اور ام سلیم ہمارے پیچھے کھڑی تھیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جماعت میں اگر عورت شریک ہے تو وہ مردوں کے پیچھے کھڑی ہو، اگر کسی عورت کے صرف بچے ہی اگلی صف میں کھڑے ہوں تو بھی اپنی سگی اولاد کے بغل میں کھڑے ہو کر کسی عورت کے لئے نماز پڑھنا درست نہیں ہے، عورت اگر تنہا ہے تو وہ تنہا صف بنائے گی، لیکن مردوں کی صف میں کھڑی ہو کر نماز نہیں پڑھے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح وام سلیم خلفنا: ام سلیم یہ راوی حدیث حضرت انسؓ کی والدہ ہیں، جیسا کہ بخاری کی روایت میں اس کی یوں صراحت ہے "وَاُمِّي خَلْفَنَا اُمُّ سُلَيْمٍ" مردوں کو آپ ﷺ نے صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے کی ممانعت فرمائی ہے، لیکن جب ایک مرد ہو تو وہ امام کے داہنی جانب کھڑا ہو جیسا کہ ماقبل کی احادیث میں گذرا، لیکن عورت کے حق میں یہ حکم نہیں ہے۔ عورت اگر تنہا ہے تو وہ علیحدہ صف بنائے گی، وہ ہرگز مردوں کے صف میں نہ کھڑی ہوگی، حدیث باب میں ام سلیم گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہی ہیں، اگلی صف میں جو مرد ہیں وہ ان کے محرم ہیں، لیکن اس کے باوجود تنہا پیچھے صف بنا رہی ہیں، اگر کوئی عورت مرد کے برابر کھڑی ہوگی، تو عورت کی نماز تو درست ہوگی، لیکن جو مرد عورت کے محاذات یعنی بغل میں ہوگا، اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، بظاہر یہ حکم خلاف قیاس ہے، لیکن امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ إِلَى جَانِبِ الرَّجُلِ وَ كَانَا فِي صَلَاةٍ فَسَدَ صَلَاتُهُ" جب کسی عورت نے مرد کے بغل میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور دونوں کی نماز ایک تھی تو مرد کی نماز فاسد ہوگئی، یہ خلاف قیاس ہے لیکن تابعی کی خلاف قیاس بات حکماً مرفوع ہوتی ہے، ابراہیم نخعیؒ نے یہ بات عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ سے سنی اور عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۴۲ ﴿عورت کو مرد کے پیچھے کھڑا کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۰۹

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِ وَبِاُمِّهِ اَوْ خَالَتِهِ قَالَ فَاَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ وَاَقَامَ الْمَرْأَةَ خَلْفَنَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص ۲۳۴، ج ۱. باب جواز الجماعة في النافلة. كتاب المساجد. حديث نمبر ۶۶۰.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اور ان کی ماں یا کہا کہ ان کی خالہ کو نماز پڑھائی، حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ کو اپنی داہنی جانب کھڑا کیا، اور عورت کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر امام کے علاوہ مقتدی ایک مرد ہے، تو وہ امام کے داہنی جانب کھڑا ہوگا، اگر عورت بھی ہے تو وہ بہر صورت مردوں سے پیچھے ہی کھڑی ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح واقام المرأة خلفنا: عورتوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہی ہوگی، اگر ایک عورت ہے تو وہ تنہا تو صف بنائے گی، لیکن مردوں کی صف میں کھڑی نہ ہوگی، عورتوں کو نماز میں پیچھے کرنا واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ "أَخِّرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ" عورتوں کو اس جگہ سے پیچھے ہٹاؤ جہاں سے اللہ نے ان کو پیچھے ہٹانے کا حکم دیا ہے، عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت نماز ہی سے متعلق ہے عورت مرد کے بغل میں کسی صورت میں نہیں کھڑی ہو سکتی، اگر شدید مجبوری لاحق ہو تو محاذات ختم کرنے کے لئے مرد و عورت کے درمیان کسی چیز کو حائل کرنا لازم ہوگا، شدید مجبوری کی صورت میں وہ بھی ہو سکتی ہے جس کی وضاحت مسند احمد کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ حضرت حارث بن معاویہ سفر کر کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر چند مسائل دریافت کرتے ہیں، ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے "رُبَّمَا كُنْتُ اَنَا وَالْمَرْأَةُ فِي بِنَاءٍ

ضَيِّقٍ فَتَحْضُرُ الصَّلَاةُ فَإِنْ صَلَّيْتُ أَنَا وَهِيَ كَانَتْ بِحِذَائِي فَإِنْ صَلَّتْ خَلْفِي خَرَجَتْ مِنَ الْبِنَاءِ قَالَ لِتَسْتُرْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بِثَوْبٍ ثُمَّ تُصَلِّي بِحِذَائِكَ إِنْ شِئْتَ" (مسند احمد ص ۵۸۵ ج ۱۷)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں اور عورت تنگ عمارت میں ہوتے ہیں اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو اگر ہم دونوں عمارت کے اندر نماز پڑھتے ہیں تو عورت کی محاذات ہو جاتی ہے، اور اگر عورت میرے پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھتی ہے تو وہ عمارت سے باہر نکل جاتی ہے، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اور عورت کے درمیان کوئی کپڑا حائل کرلو، پھر اگر چاہو تو عورت کے بغل میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہو، حضرت عمرؓ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ محاذات کی اجازت کسی صورت میں نہیں ہے، شدید مجبوری میں کسی حائل کے ذریعہ محاذات ختم کی جائے اور مرد و عورت ایک صف میں کھڑے ہو جائیں۔

حدیث نمبر ۱۰۴۳ ﴿صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱۰

وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصاً وَلَا تَعُدْ رَوَاهُ الْبُخَارِي.

حواله: بخاری، ص ۱۰۸، ج ۱، باب اذا رکع دون الصف. کتاب الاذان. حدیث نمبر ۷۸۳.

ترجمه: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس اس وقت پہنچے جب کہ آپ ﷺ رکوع میں تھے، چنانچہ ابوبکرہؓ صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے، پھر چل کر صف میں شامل ہو گئے، اس کے بعد آپ ﷺ سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری (اس نیک کام میں) حرص میں اضافہ کرے، لیکن پھر اس طرح نہ کرنا۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) حضرت ابوبکرہؓ نے رکعت فوت ہونے کے خدشہ کی بنا پر صف کے پیچھے تنہا نیت باندھی، اور نماز شروع کردی، اور پھر چل کر صف میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی نماز کا ابتدائی حصہ تنہا صف میں کھڑے ہو کر ادا ہوا، لیکن نبی ﷺ نے آپؓ کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس عمل کے اعادہ نہ کرنے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ تنہا صف میں نماز پڑھنے کی ممانعت تو ہے، لیکن اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ (۲) ابوبکرہؓ صف میں شامل ہونے کیلئے نماز کے دوران چلے معلوم ہوا کہ ایک دو قدم چلنے سے نماز فاسد یا واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔ (۳) نماز میں شامل ہونے کی فکر کرنا اور جماعت کا کوئی حصہ نہ چھوٹے اس کا اہتمام کرنا بہت اچھا جذبہ ہے، آپ ﷺ نے اس جذبہ میں اضافہ کی ابوبکرہؓ کو دعا عنایت فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح قبل ان یصل الی الصف: حضرت ابوبکرہؓ جب مسجد پہنچے تو آپ ﷺ رکوع میں تھے، لہٰذا ابوبکرہؓ صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی نیت باندھکر جلدی سے رکوع میں چلے گئے، تاکہ رکعت مل جائے آپ ﷺ کا فرمان ہے "مَنْ أَدْرَكَ الرُّكُوعَ فَقَدْ أَدْرَكَ تِلْكَ الرَّكْعَةَ" جس نے رکوع پالیا، اسنے وہ رکعت پالی، ثم مشى الى الصف: ایک دو قدم چلے یا پھر زیادہ چلے، لیکن چلنا پھر پھر کر تھا، اسطرح چلنے سے اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی، لیکن اجتناب اولیٰ ہے، زادك الله حرصاً و لا تعد: آپ ﷺ نے اس فرمان کے ذریعے نیت کی تحسین فرمائی، لیکن عمل سے اجتناب کی تلقین کی، آپ ﷺ کی ممانعت کا تعلق کس عمل سے ہے؟ ممکن ہے کہ اسکا تعلق نماز کے دوران چلنے سے ہو، یعنی نماز کے دوران مت چلو، جیسا کہ میں نے ذکر کیا، اگرچہ ایک دو قدم نماز کے دوران چلنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، لیکن اجتناب بہر حال کرنا چاہئے، اس بات کا بھی امکان ہے کہ ممانعت کا تعلق تنہا صف میں کھڑے ہونے سے ہو، یعنی تنہا صف میں کھڑے ہونا اگرچہ نماز کو فاسد نہیں کرتا، لیکن ممنوع ضرور ہے، اس طرح اس بات کا بھی امکان ہے کہ ممانعت کا تعلق صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع میں جانے سے ہو، اسکو ایک موقع پر صراحتاً بھی منع فرمایا ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے "إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ فَلَا يَرْكَعْ دُونَ الصَّفِّ" نماز کیلئے آؤ تو صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع میں نہ جاؤ۔

ظاہر بات یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے ممانعت ہے، نماز میں چلنا بھی نہ چاہئے، تنہا صف میں کھڑے نہ ہونا چاہئے، اور صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع بھی نہ کرنا چاہئے۔ (تلخیص مرقات ص ۷۶)

نماز میں شامل ہونے کے لئے بہت زیادہ عجلت اور دوڑ بھاگ سے بھی گریز کرنا چاہئے، وقار اور اطمینان سے چل کر جماعت میں شامل ہونا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ "أَذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَلَا تَأْتُوْهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ" نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے مت آؤ۔ "وَأْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ" سکون اور وقار کے ساتھ چل کر صف میں شامل ہو۔ ان چیزوں سے ممانعت کے باوجود اگر کسی نے ان اعمال کو کرلیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، بلکہ ہوجائے گی، کیونکہ کسی عمل سے ممانعت الگ چیز ہے اور ممانعت کے باوجود اس عمل کے ارتکاب سے عمل کی صحت ایک علیحدہ چیز ہے۔ **ولا تعد:** اس لفظ میں تین قرأت ہیں۔ (۱) **عاد یعود (ن) عاداً** سے صیغہ نہی ہے، ایسی صورت میں مطلب ہوگا اس عمل کا دوبارہ اعادہ نہ کرنا۔ (۲) **عدا یعدو، عدواً،** سے صیغہ نہی، اس صورت میں مطلب ہوگا کہ نماز میں دوڑ کر مت آؤ **اعادہ، یعیدہ، اعادۃ** سے نہی، اب مطلب ہوگا نماز کا اعادہ مت کرو۔

تنہا صف میں نماز پڑھنا اختلاف ائمہ

اتنی بات تو محقق ہے کہ تنہا ایک شخص کا صف میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنا شریعت میں ناپسندیدہ عمل ہے، کیوں کہ اس میں جماعت کی شان مفقود محسوس ہوتی ہے، البتہ ائمہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کسی نے تنہا صف میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ لی تو وہ نماز قابلِ اعادہ ہے یا نہیں؟

امام احمدؒ کا مذهب: امام احمدؒ کے نزدیک صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہوکر پڑھی گئی نماز فاسد اور واجب الاعادہ ہے۔

دلیل: حضرت وابصہؓ کی روایت ہے "رَأَىٰ رَجُلاً يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِ وَحْدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيْدَ الصَّلَاةَ" (ابوداؤد) آپ نے ایک شخص کو صف کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کو نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔

ائمہ ثلاثہ کا مذهب: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کسی نے صف میں تنہا کھڑے ہوکر نماز پڑھی تو نماز ہوجائے گی، لیکن یہ عمل مکروہ ہوگا۔ ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے۔

جواب: (۱) حضرت وابصہؓ سے جو روایت نقل ہوئی ہے وہ روایت مضطرب ہے لہٰذا قابل استدلال نہیں ہے۔ (۲) اعادہ کا حکم فساد صلاۃ کی بناء پر نہیں ہے، بلکہ کراہت کی بناء پر ہے، لہٰذا اعادہ لازم نہیں بلکہ مستحب ہے۔

سوال: صف بھری ہوئی ہو ایسے میں کوئی شخص آئے تو وہ کیا کرے؟

جواب: رکوع تک انتظار کرے، اگر کوئی دوسرا آدمی آجائے تو اس کے ساتھ مل کر صف بنائے، ورنہ اگلی صف سے کسی کو کھینچ لے، اس کے ساتھ صف بنائے، لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو تنہا صف بنالے، چونکہ آج کل جہالت اور دیگر امور کی بناء پر فتنہ کا اندیشہ قوی ہے، لہٰذا اکیلے کھڑے ہوکر نماز پڑھ لینا چاہئے، کسی کو کھینچنے سے گریز کرنا چاہئے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۰۴۴ ﴿جماعت میں تین فرد ہوں تو ایک آگے رہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱۱

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنَّا ثَلَاثَةً اَنْ يَتَقَدَّمَنَا اَحَدُنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

حوالہ: ترمذی، ص ۵۵، ج ۱، باب ما جاء في الرجل يصلي مع الرجلين، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۲۳۳.

ترجمہ: حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم تین لوگ ہوں، تو ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھ جائے۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب تین نفوس پر جماعت مشتمل ہو تو دو لوگ پیچھے صف میں کھڑے ہوں، اور ایک شخص جو کہ امام ہو وہ آگے کھڑے ہو کر امامت کرے، معلوم ہوا کہ تین نفوس ہوں تو نماز جماعت سے پڑھی جائے، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب صرف دو لوگ ہوں، لیکن بس فرق یہ ہے کہ ایسی صورت میں مقتدی امام کے داہنی جانب کھڑا ہوگا، یعنی نماز جماعت سے ہوگی، لیکن امام آگے نہیں کھڑا ہوگا بلکہ مقتدی کے برابر کھڑا ہوگا۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا كنا ثلاثة ان يتقدمنا أحدنا: حدیث کے ان الفاظ سے جمہور کی تائید ہوتی ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ کے مذہب کی تردید ہوتی ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جب ایک امام اور دو مقتدی ہوں تو ایک مقتدی امام کے داہنی جانب کھڑا ہو، جبکہ دوسرا مقتدی امام کے بائیں جانب کھڑا ہو، امام کے آگے نہ کھڑا ہو، بلکہ مقتدیوں کے درمیان میں کھڑا ہو، حدیث کے ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب تین لوگ ہوں گے تو امام آگے کھڑا ہوگا، اور مقتدی حضرات امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے، یہی جمہور کا مذہب ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۰۴۰ دیکھئے۔)

حدیث نمبر ۱۰۴۵ ﴿امام مقتدیوں سے بلند جگہ پر نہ کھڑا ہوے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱۲

وَعَنْ عَمَّارٍ اَنَّهُ اَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ وَقَامَ عَلٰى دُكَّانٍ يُصَلِّيْ وَالنَّاسُ اَسْفَلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حُذَيْفَةُ فَاَخَذَ عَلٰى يَدَيْهِ فَاتَّبَعَهُ عَمَّارٌ حَتّٰى اَنْزَلَهُ حُذَيْفَةُ فَلَمَّا فَرَغَ عَمَّارٌ مِنْ صَلَاتِهِ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ اَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِيْ مَقَامٍ اَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ اَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِذٰلِكَ اتَّبَعْتُكَ حِيْنَ اَخَذْتَ عَلٰى يَدَيَّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص۸۸، ج۱. باب الإمام يقوم مكانا أرفع من مكان القوم، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۵۹۸.

ترجمہ: حضرت عمارؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مدائن میں لوگوں کو نماز پڑھانے کا ارادہ کیا، چنانچہ وہ نماز پڑھانے کی غرض سے ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہوئے، اور مقتدی نیچے تھے، پس حضرت حذیفہؓ آگے بڑھے، اور انہوں نے حضرت عمارؓ کا ہاتھ پکڑا، حضرت عمارؓ نے حضرت حذیفہؓ کی اتباع کی، یہاں تک کہ حضرت حذیفہؓ نے حضرت عمارؓ کو اس بلند جگہ سے نیچے اتار دیا، جب حضرت عمارؓ اپنی نماز سے فارغ ہو گئے، تو حضرت حذیفہؓ نے ان سے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ جب کوئی شخص کسی جماعت کا امام بنے تو وہ شخص ایسی جگہ نہ کھڑا ہو جو مقتدیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے بلند ہو، یا اس کے مثل آپ ﷺ نے فرمایا حضرت عمارؓ نے کہا کہ جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں نے اسی بنا پر آپ کی اتباع کی۔ (ابوداود)

خلاصۂ حدیث یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشوا عبادت کے وقت خود اونچی جگہ کھڑے ہوتے اور قوم کو نیچے رکھتے ہیں، اس مشابہت سے بچانے کیلئے آپ ﷺ نے اپنی امت کو اس سے منع کیا، حضرت عمارؓ کے ذہن سے آپ ﷺ کی ممانعت نکل گئی ہوگی، لہٰذا انھوں نے اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر امامت کرنے کا ارادہ کیا، لیکن حضرت حذیفہؓ نے تعریض کیا، تو فوراً نیچے اتر آئے، اور آقا کا فرمان بھی ان کے ذہن میں تازہ ہو گیا۔

کلمات حدیث کی تشریح على دكان: "دکان" سے اونچی جگہ مراد ہے، امام کا اونچی جگہ پر کھڑا ہونا اور مقتدیوں کا نیچے کھڑے ہونا، ائمہ اربعہ کے نزدیک متفقہ طور پر مکروہ ہے، لیکن اس مسئلہ کی تفاصیل میں قدرے اختلاف ہے۔ حنابلہ کے نزدیک امام کا بلندی پر ہونا مطلقاً مکروہ ہے۔ شوافع کے نزدیک اگر ارتفاع کسی ضرورت سے ہے تو جائز ہے، جیسا کہ اگلی

روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تعلیم کی غرض سے ارتفاع فرمایا، حنفیہ کے نزدیک کراہت اس وقت ہے جب امام تنہا بلند جگہ پر ہو اور مقتدی نیچے ہوں، اگر امام کے ساتھ کچھ مقتدی بھی اونچی جگہ پر کھڑے ہوں تو کراہت نہ ہوگی۔

سوال: مقتدی بلند جگہ پر ہوں اور امام پست جگہ پر ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب: ظاہر روایت کے مطابق یہ بھی مکروہ ہے۔

سوال: ارتفاع سے کونسی مقدار مراد ہے، اور امام کتنی بلندی پر کھڑا ہو تو کراہت کا حکم لگے گا؟

جواب: اس میں چند اقوال ہیں۔ (۱) آدمی کے قد کے برابر جو بلندی ہو وہ مراد ہے، (ابو یوسفؒ) (۲) اس سے وہ بلندی مراد ہے جو آدمی کے قد سے اونچی ہو، (طحاوی) (۳) وہ بلندی مراد ہے جو ایک ذراع کے برابر ہو، یہی قول معتمد ہے۔ (مرقات ص ۷۷، ج ۳)

حدیث نمبر ۱۰۴۶ ﴿تعلیم کی غرض سے امام کا اونچی جگہ پر کھڑے ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱۳

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ اَنَّهُ سُئِلَ مِنْ اَيِّ شَيْئٍ الْمِنْبَرُ فَقَالَ هُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهُ فُلَانٌ مَوْلٰى فُلَانَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عُمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ فَقَرَأَ وَرَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ عَادَ اِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ نَحْوُهُ وَقَالَ فِيْ اٰخِرِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَاْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ.

حواله: بخاری، ص ۱۲۵، ج ۱. باب الخطبة علی المنبر، کتاب الجمعة، حدیث نمبر ۹۱۷.

حل لغات: الاثل: جھاؤ کا درخت۔ الغابة: ج الغابات، جنگل۔

ترجمه: حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کا منبر کس چیز کا تھا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ جنگل کی جھاؤ لکڑی کا تھا، اس کو فلاں عورت کے آزاد کردہ فلاں شخص نے رسول اللہ ﷺ کے لئے بنایا تھا، جس وقت وہ بن گیا اور رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ اس پر کھڑے ہوئے، آپ ﷺ نے قبلہ کا رخ کیا، اور تکبیر تحریمہ کہی، لوگ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوگئے، آپ ﷺ نے قرأت فرمائی اور رکوع کیا، لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے رکوع کیا، پھر آپ ﷺ نے اپنے سر کو اٹھایا، اس کے بعد الٹے پاؤں پیچھے ہٹ گئے، یہاں تک کہ زمین پر سجدہ کیا، یہ بخاری کے الفاظ ہیں، اور بخاری و مسلم دونوں میں جو روایت ہے وہ اسی کے مانند ہے۔ البتہ اس کے اخیر میں ارشاد ہے کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگوں! میں نے ایسا اس لئے کیا تا کہ تم لوگ میری پیروی کرو، اور میری نماز سیکھو۔

خلاصۂ حدیث آپ کے لئے جب منبر نہیں بنا تھا، اس وقت آپ لکڑی کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، پھر آپ ﷺ کے لئے منبر بنا دیا گیا، تو آپ ﷺ نے لکڑی کے اس تنے کو جس کو "اسطوانه حنانه" کہا جاتا ہے، دفن کرنے کا حکم دیا اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے، امام کا اونچی جگہ پر تنہا کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مکروہ ہے، لیکن آپ ﷺ نے ایسا تعلیم کی غرض سے کیا، اور تعلیم کی غرض سے ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **من ای شئی المنبر:** پوچھنے والے نے رسول اللہ ﷺ کے منبر کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کس چیز کا تھا؟ منبر کی تعمیر سے پہلے آپ ﷺ "اسطوانه حنانه" پر ٹیک لگاتے تھے، روایت ہے کہ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا یہاں "خشبة" سے مراد اسطوانہ حنانہ ہے۔ **من اثل الغابة:** "غابة" مشہور

جنگل ہے، جو جبل احد کی پشت پر کچھ فاصلہ سے واقع ہے، عرنیین کا مشہور واقعہ اس جنگل میں پیش آیا تھا، ''اثل'' ایک درخت ہے جس کو اردو میں جھاؤ کہا جاتا ہے، مسجد نبوی کے لئے جو منبر بنا تھا وہ اسی جنگل کی جھاؤ لکڑی کا تھا۔ **عمله فلان مولٰی فلانة:** بنانے والے کا نام ''یا قوم رومی'' تھا، اور عورت حضرت عائشہ انصاریہ ہیں۔ **وقام علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم:** آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہوکر نماز تعلیم کی غرض سے پڑھائی، لہٰذا آپ ﷺ کا بلند ہونا، اور صحابہ کا پست ہونا کراہت کو مستلزم نہیں ہے۔ **ثم رجع القهقری:** منبر کے صرف تین درجے تھے، اور وہ بھی قریب قریب تھے، لہٰذا ایک دو قدم سے اتر نا نہایت آسان تھا، اس میں نماز کے باطل ہونے کا امکان نہیں تھا، کیوں کہ اس میں عمل قلیل ہے اور عملِ قلیل مفسد صلاۃ نہیں ہے۔ (تلخیص مرقات ص ۸۷ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۰۴۷ ﴿حجرہ میں آپؐ کی امامت کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱۴

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُجْرَتِهٖ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّوْنَ بِهٖ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجْرَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابوداؤد، ص ۱۶۰، ج ۱. باب الرجل یا تم بالامام وبینهما جدار. حدیث نمبر ۱۱۲۶.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرہ میں نماز پڑھی اور لوگوں نے حجرہ کے باہر آپ ﷺ کی اقتدا کی۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد ہی کا ایک حصہ اعتکاف کیلئے مختص کر لیا تھا، جس کو آپ ﷺ کے حجرہ سے تعبیر کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے اس حصہ میں امامت کی، اور لوگوں نے مسجد کے اندر رہتے ہوئے اقتدا کی، لیکن لوگ اس حصہ سے باہر تھے، اس لئے ام المومنین فرما رہی ہیں کہ لوگوں نے حجرہ کے باہر سے اقتدا کی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح **صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجر ته:** آپ ﷺ نے اعتکاف کی غرض سے مسجد ہی میں چٹائی کا ایک حجرہ بنالیا تھا آپ ﷺ نے نماز تراویح اسی حجرہ میں پڑھائی اور لوگوں نے اس حجرہ کے باہر سے آپ ﷺ کی اقتدا کی، حجرہ سے حضرت عائشہؓ کا حجرہ مراد نہیں ہے، کیوں کہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا دروازہ قبلہ کی طرف تھا، حضرات صحابہ کا حجرہ سے باہر رہ کر یعنی مسجد سے آپ ﷺ کی اقتدا کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۰۴۸ ﴿بچوں کی صف کا بیان﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱۵

عَنْ اَبِيْ مَالِكِنِ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلَاتَهٗ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ قَالَ عَبْدُ الْاَعْلٰى لَا اَحْسِبُهٗ اِلَّا قَالَ اُمَّتِيْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حواله: ابوداؤد، ص ۹۸-۹۹، ج ۱. باب مقام الصبیان، کتاب الصلاۃ. حدیث نمبر ۶۷۷.

ترجمه: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں تم لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بیان کروں؟ پھر ابو مالکؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کھڑی کی، پہلے مردوں کی صف قائم کی، پھر ان کے پیچھے لڑکوں کی صف بنائی، پھر ان کو نماز پڑھائی، پھر ابو مالک نے تفصیل سے حضور اکرم ﷺ کی نماز ذکر کی، اور کہا کہ نماز کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''نماز اس طرح ہے'' عبد الاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ابو مالکؓ نے ''هکذا صلاة'' کے بعد ''امتی'' کا لفظ نقل کیا (یعنی حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کی نماز اس طرح ہے) (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں ابو مالکؓ نے حضور ﷺ کی نماز کے طریقہ کو بیان کیا ہے، اگر کوئی حضور ﷺ کے طریقہ کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو اپنے آپ کو حضور ﷺ کا امتی سمجھنا چاہئے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بچوں کی علیحدہ صف بنے گی، اور وہ مردوں کے پیچھے ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح وصف خلفهم الغلمان: جمہور علماء کے نزدیک بچوں کی صف علاحدہ ہوگی، اور وہ مردوں کی صف کے پیچھے ہوگی، بعض شوافع اختلاف کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بچے مردوں کے درمیان کھڑے کئے جائیں، تاکہ وہ نماز کے طریقہ کو سیکھیں، حدیث باب سے جمہور کے مذہب کی تائید ہورہی ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۴۹ ﴿امام کے قریب کھڑے ہونے کی اهمیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱۶

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا فِي الْمَسْجِدِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَجَبَذَنِي رَجُلٌ مِنْ خَلْفِي جَبْذَةً فَنَحَّانِي وَقَامَ مَقَامِي فَوَاللّٰهِ مَا عَقَلْتُ صَلَاتِي فَلَمَّا انْصَرَفَ اِذَا هُوَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَقَالَ يَا فَتَى لَا يَسُوْءُكَ اللّٰهُ اِنَّ هٰذَا عَهْدٌ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْنَا اَنْ نَلِيَهُ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَقَالَ هَلَكَ اَهْلُ الْعَقْدِ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ مَا عَلَيْهِمْ اٰسٰى وَلٰكِنْ اٰسٰى عَلٰى مَنْ اَضَلُّوْا قُلْتُ يَا اَبَا يَعْقُوْبَ مَا تَعْنِي بِاَهْلِ الْعَقْدِ قَالَ الْاُمَرَآءَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حواله: نسائي، ص ۹۲، ج ۱. باب من يلي الامام ثم الذى يليه، كتاب الامامة، حديث نمبر ۸۰۷.

ترجمه: حضرت قیس بن عبادؓ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں پہلی صف میں تھا، کہ اچانک ایک شخص نے مجھے پیچھے کھینچ کر ایک کونہ میں کردیا، اور وہ شخص میری جگہ پر کھڑا ہوگیا، اللہ کی قسم اس واقعہ کی بناپر مجھے اپنی نماز کی سمجھ بھی نہیں رہی، جب نماز سے فراغت ہوگئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ شخص حضرت ابی بن کعبؓ ہیں، حضرت ابیؓ نے کہا اے جوان اللہ تعالیٰ تم کو رنج سے دور رکھے، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لئے نبی کریم ﷺ کا یہ عہد تھا کہ میں آپ ﷺ سے قریب رہوں پھر وہ قبلہ کی طرف رخ کرکے گویا ہوئے، رب کعبہ کی قسم ارباب حل وعقد ہلاک ہوئے، آپ نے تین مرتبہ یہ کلمات کہے، پھر آپ نے فرمایا اللہ کی قسم مجھے ارباب حل وعقد کا غم نہیں ہے، لیکن مجھے ان لوگوں کا غم ہے جن کو ارباب حل وعقد نے گمراہ کیا، میں نے کہا کہ اے ابو یعقوب ارباب حل وعقد سے آپ کن کو مراد لے رہے ہیں، حضرت ابیؓ نے فرمایا امراء مراد ہیں۔ (نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ میرے قریب بالغ اور عقل وبصیرت والے لوگ کھڑے ہوں، یعنی صف اول میں باشعور لوگوں کو کھڑا ہونا چاہئے، حضرت ابیؓ نے حضرت قیس کو اس درجہ کا نہیں پایا لہٰذا ان کو پیچھے کرکے خود ان کی جگہ پر کھڑے ہوگئے، حضرت ابی کے اس عمل سے حضرت قیسؓ کو تکلیف ہوئی، لہٰذا حضرت ابیؓ نے ان کو تسلی دی، حضرت ابیؓ نے ان امراء وحکام کی مذمت کی ہے، جو اپنے فرائض سے غافل رہ کر لوگوں کے لئے مصیبت اور وبال بن جاتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح ماعقلت: حضرت ابیؓ نے جب حضرت قیسؓ کو اگلی صف سے کھینچ لیا، اور انکی جگہ خود کھڑے ہوگئے، تو حضرت قیس کو یہ بات اتنی ناگوار گذری کہ انکو اس بات کا بھی خیال نہیں رہا کہ وہ نماز میں کتنی رکعت وغیرہ پڑھ چکے ہیں، ان هذا عهد: نبی کریم ﷺ کے جس عہد کیطرف حضرت ابیؓ نے اشارہ کیا وہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے "لِيَلِنِي مِنْكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى"، حضرت قیس اسدرجہ کے نہیں تھے، لہٰذا حضرت ابی نے انکو کنارہ کردیا، (مرقات ص ۸۰) الامراء: ممکن ہیکہ حضرت ابیؓ کو اپنے زمانہ کے بعض حکام وعمال سے شکایت ہوئی ہو، چنانچہ انھیں کیطرف اپنے اس فرمان سے اشارہ کررہے ہوں

باب الامامۃ

«امامت کا بیان»

امامت ایک گراں قدر چیز اور اہم فریضہ ہے، امام کی نماز کی صحت پر مقتدیوں کی نماز کی صحت کا دارومدار ہے۔ لہٰذا ہر کس وناکس امامت کا اہل نہیں قرار دیا جائے گا اور جو امامت کے اہل ہوں ان میں بھی ترتیب قائم کی گئی ہے، اس موضوع پر استاد محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نے قیمتی بحث فرمائی ہے۔ مناسب ہوگا اس کو یہاں نقل کر دیا جائے، امامت کے حوالے سے حدیث میں افضلیت کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی ہے۔

اوّل أقرأ لكتاب الله: یعنی سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا۔ دوم أعلم بالسنة: یعنی معمول بہ احادیث کو سب سے زیادہ جاننے والا۔ سوم اقدم في الهجرة: یعنی دین کے خاطر سب سے پہلے وطن چھوڑنے والا۔ چہارم أكبرهم سنًا: یعنی عمر میں سب سے بڑا، اور فقہ کی کتابوں میں جو ترتیب قائم کی گئی ہے وہ اس طرح ہے: اوّل اعلم بالدين: یعنی احکام شریعت کو سب سے زیادہ جاننے والا، اور اگر ساری شریعت کے احکام سے واقف نہ ہو تو کم از کم نماز کے مسائل کو سب سے زیادہ جاننے والا۔ دوم احسن تلاوةً وتجويداً: یعنی قرآن کریم کو قرآت وتجوید کے لحاظ سے سب سے اچھا پڑھنے والا۔ سوم الأورع: یعنی سب سے زیادہ پرہیز گار۔ چہارم الأسن: یعنی عمر میں سب سے بڑا، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فقہائے کرام نے حدیث کی ترتیب کیوں بدلی؟ اس کی کیا ضرورت پیش آئی؟ **جواب**: ہجرت کی فضیلت تو بعد میں باقی نہ رہی اس لئے فقہاء نے اس کو ترتیب سے خارج کر دیا، اور چوتھے نمبر پر عمر کی زیادتی کی جو فضیلت تھی اس کو اپنی جگہ پر برقرار رکھا اور حدیث میں جو اول ودوم تھے ان کو ملا کر ان کے تین درجے قائم کئے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تین چیزوں ساتھ تھیں۔ اول قرآن کریم کی صحت کے ساتھ تلاوت، صحابۂ کرام عام طور پر اہل لسان تھے قرآن کریم ان کی مادری زبان میں نازل ہوا تھا، اس لئے اس کو غلط پڑھنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ دوم وہ اعلیٰ درجہ کے پرہیز گار بھی تھے البتہ کچھ حضرات معمول بہا احادیث کا بھی زیادہ علم رکھتے تھے اس لئے حدیث میں یہ دو درجے علاحدہ قائم کیے گئے تھے، لیکن بعد میں یہ دو باتیں علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں بلکہ دونوں علم ایک ساتھ ہو گئے اور اس کا نام علم فقہ ہو گیا، اور قرآن کریم کو صحت اور عمدگی کے ساتھ پڑھنے کا فن علیحدہ تجوید وقرآت کے نام سے وجود میں آ گیا، اور تقویٰ کا جوہر بھی لازم ملزوم نہ رہا، بلکہ اس نے علیحدہ حیثیت اختیار کر لی چنانچہ فقہائے کرام نے احکام شریعت کے جاننے والے کو اول نمبر پر رکھا اور تجوید وقرآت کے ماہر کو دوسرا درجہ دیا اور آخر میں متقی اور پرہیز گار کو رکھا پس اب تجرید (خالی ہونے) کے اعتبار سے ترتیب اس طرح قائم ہو گئی کہ اگر تجوید وتقویٰ کا جوہر لوگوں میں موجود نہیں تو امامت کا سب سے زیادہ حق احکام شریعت کو سب سے زیادہ جاننے والے کا ہے یا کم از کم نماز کے مسائل سب سے زیادہ جاننے والے کا ہے، اور اگر یہ بات کسی کو حاصل نہ ہو تو تجوید وقرات میں جس کا پایہ بلند ہے وہ احق بالامامت ہوگا اور اگر یہ بات بھی کسی میں نہ پائی جائے تو ضرور پرہیز گاری دیکھی جائے گی اور وجود (پائے جانے) کے اعتبار سے ترتیب برعکس ہوگی، یعنی جس میں تینوں باتیں پائی جائیں یعنی وہ دین یا نماز کے احکام سے بھی زیادہ واقف ہو، قاری بھی اور متقی بھی تو اس کا نمبر پہلا ہے، اور اگر مسائل سے پوری طرح واقف نہیں ہے مگر قاری ہے اور پرہیز گار ہے تو اس کا دوسرا نمبر ہے، پھر آخر میں صرف پرہیز گار کا نمبر ہے، غرض فقہاء کی قائم کی ہوئی یہ ترتیب حدیث میں وارد ترتیب ہی کی تفسیر ہے کوئی بھی نئی چیز نہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ زمانے کے ساتھ اقدار، اصطلاحات اور مفاہیم بدلتے ہیں جن کا احکام میں لحاظ کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں قاری صرف پڑھنے والے کو کہتے تھے، پہلی وحی کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا تھا: ما أنا بقارئ، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اور عربوں میں یہ لفظ آج بھی اسی معنی میں مستعمل

ہے البتہ عجم میں قاری مجوّد کو کہتے ہیں، اسی قاری کا اسم تفضیل اَقْرَأُ ہے۔ جس کا مفہوم زیادہ قرآن پڑھنے والا ہے البتہ اس کے جلوہ میں صحت کے ساتھ قرآن کریم پڑھنا بھی ہے اور آواز کی عمدگی کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اقرأهم لكتاب الله کا خطاب ملا ہے اس میں یہ سب باتیں شامل ہیں، پس تجوید وقرأت کا لحاظ بھی کیا جائے گا۔ اور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جو بھی قرآن کریم پڑھتا تھا وہ سمجھ کر پڑھتا تھا اور جو کچھ قرآن کریم نے پیش کیا ہے وہی دین ہے۔ پس قرآن کریم کا زیادہ پڑھا ہوا اس زمانہ میں دین سے زیادہ واقف ہوتا تھا، اس لئے اعلمیت کا بھی لحاظ کرنا ہوگا۔ البتہ اس زمانے میں دین کے احکام احادیث میں بھی وارد ہوئے تھے پھر احادیث میں منسوخ ومخصوص احادیث بھی تھیں جو معمول بہا نہیں ہیں اس لئے اس زمانہ میں دوسرے درجہ میں اعلم بالسنة کو رکھا گیا تھا۔ اب یہ دونوں باتیں مل گئی ہیں اور علم فقہ وجود میں آ گیا ہے، اس لئے بعد میں نئی ترتیب قائم کرنی ضروری ہوگی اور اس فریضہ کو فقہاء کرامؒ نے انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان کو امت کی طرف سے جزائے خیر عطائے فرمائے۔

اس کی نظیر: اولوالامر کا معاملہ ہے، سورت النساء آیت ۵۹ میں ان کی اطاعت (کہا ماننے) کا حکم دیا گیا ہے، اولوالامر سے اہل حکومت مراد ہے ہیں مگر دورے اول میں جو اہل حکومت تھے وہی دین کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے مگر بعد میں یہ دونوں باتیں علیحدہ علیحدہ ہوگئیں۔ علماء کے پاس اقتدار نہ رہا اور ارباب اقتدار کے پاس علم نہ رہا تو سوال پیدا ہوا کہ اولوالامر کا مصداق کون ہیں؟ چنانچہ فقہاء کرام نے علماء کو اولوالامر کا پہلا مصداق قرار دیا اور ارباب اقتدار کو دوسرے نمبر پہ رکھا یہ فقہاء نے کوئی نئی بات پیدا نہیں کی بلکہ زمانہ کی تبدیلی کیساتھ جو نئی بات پیدا ہوئی تھی اس کے احکام مرتب کئے پس آج جو حاکم عالم بھی ہے وہ تو اولوالامر کا مصداق اولیں تھے۔ لیکن جو حاکم عالم نہیں ہے، وہ آیت کا مصداق اولیں نہیں ہوسکتا بصورت انفکاک مصداق اولیں علماء ہوں گے۔ (ماخوذ از تحفۃ الالمعی)

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۰۵۰ ﴿امامت کا حقدار﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱۷

عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ كَانُوْا فِى الْقِرَاءَةِ سَوَآءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ كَانُوْا فِى السُّنَّةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِى الْهِجْرَةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَّلَا يَؤُمَّنَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِى سُلْطَانِهٖ وَلَا يَقْعُدُ فِىْ بَيْتِهٖ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِىْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَلَا يَؤُمَّنَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِىْ اَهْلِهٖ.

حواله: مسلم، ص ۲۳۶، ج ۱. باب من أحق بالامامة، كتاب المساجد. حديث نمبر ۶۷۳.

ترجمه: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کریگا جو انمیں کتاب اللہ زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر قرآن پڑھنے میں سب برابر ہوں، تو پھر وہ امامت کرے جو سنت سے زیادہ واقف ہو، اور اگر سنت سے واقفیت میں بھی سب برابر ہوں، تو پھر انمیں سے جس نے پہلے ہجرت کی ہو وہ امامت کرے، اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں، تو پھر انمیں سے جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے، اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کی حکومت میں امامت نہ کرے اور نہ اس کے گھر میں اسکی مخصوص بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھے، اِلَّا یہ کہ وہ بیٹھنے کی اجازت دے دے۔ (مسلم) مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی اسکے گھر میں امامت نہ کرے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) امامت ایک بڑا منصب اور اہم ذمہ داری ہے، لہٰذا اس کے لئے اس شخص کا انتخاب ہونا چاہئے جو نمازیوں میں افضل وبہتر ہو۔ (۲) امامت کا مستحق سب سے پہلے حدیث باب کے مطابق وہ ہے جو سب سے زیادہ قرآنی علوم سے واقف ہو، پھر احادیث رسول سے واقف کار کا درجہ ہے، اس کے بعد ہجرت میں مقدم رہنے والے کا مقام ہے، اور آج کل کے اعتبار سے یوں کہا جائے کہ متقی کا درجہ ہے، پھر سن رسیدہ کا درجہ ہے۔ (۳) کچھ لوگ ایسے ہوتے

ہیں جو اپنے رتبہ اور حیثیت کی وجہ سے ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ مطلقاً امامت کے لئے راجح قرار دیئے جائیں گے، چاہے ان کی اندر امامت کے تقدم کی دیگر ترجیحی چیزیں ہوں یا نہ ہوں، مثلاً بادشاہ، خلیفہ، امیر، محلہ کا امام، گھر کا مالک، اگر گھر میں نماز ہو رہی ہے، اپنے اپنے حکومتی مقامات پر بھی امامت کے زیادہ مستحق ہوں گے۔ خواہ جماعت میں ان سے بڑا عالم کیوں نہ موجود ہو، یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن عمر باوجودیکہ صحابی رسول ہیں لیکن حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے۔

کلمات حدیث کی تشریح

یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللّٰہ: موجود نمازیوں میں جو شخص فن قرأت و تجوید سے زیادہ واقف اور قرآن بہترین پڑھتا ہو، وہ امامت کا سب سے پہلے مستحق ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ ضروری نماز کے مسائل سے واقف بھی ہو۔ **فاعلمھم بالسنۃ:** احکام شریعت سے واقف شخص مراد ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ مراد وہ شخص ہے جس کو احادیث خوب یاد ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ قرأتِ مسنونہ اچھی طرح پڑھ لیتا ہو۔ **فاقدمھم ھجرۃ:** کتاب و سنت کے علوم میں اگر سب برابر ہوں تو کس کو امامت کے لئے آگے بڑھایا جائے؟ حدیث باب میں ہے کہ جو ہجرت میں مقدم ہے اس کو امامت کے لئے مقدم رکھا جائے، ابن مالکؒ کہتے ہیں کہ اب ہجرت کا سلسلہ منقطع ہو گیا، لہٰذا یہاں ہجرت سے معنوی ہجرت یعنی گناہ کو چھوڑنا مراد ہے، جس کی طرف فرمان مشیر ہے۔ "**والمھاجر من ھجر ما نھی اللّٰہ عنہ ورسولہ**" اور مہاجر وہ ہے جس نے اللہ اور رسول کی منع کردہ باتوں کو ترک کر دیا، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تیسرے نمبر پر امامت کا مستحق وہ ہے جو تقویٰ میں ممتاز ہو۔ **ولا یؤمن الرجل الرجل فی سلطانہ:** اگر کوئی شخص اپنے حلقہ اثر میں امام ہے تو دوسرا شخص جو کہ پہلے کے حلقہ اثر میں پہنچ رہا ہے، خواہ کتنی بڑی شخصیت کا حامل کیوں نہ ہو، اس کو امامت کے لئے آگے نہ بڑھنا چاہئے، کیونکہ جماعت کی ایک بہت بڑی حکمت آپس میں محبت و مودت کا پیدا کرنا ہے۔ اب اگر کسی کے حلقہ اثر میں پہنچ کر اس کی اجازت کے بغیر دوسرا شخص امامت کرے گا تو اس میں سیادت و سلطنت والے کی توہین کا پہلو سامنے رہے گا۔ اور اختلاف و انتشار کا دروازہ کھلے گا، لہٰذا ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صاحبِ خانہ صاحب مجلس اور مسجد کے مقرر امام کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو، امامت کا حق دار نہیں ہے، البتہ اجازت کے بعد امامت کی گنجائش ہے۔ **ولا یقعد فی بیتہ علی تکرمتہ إلا باذنہ:** اگر کسی شخص کے اپنے بیٹھنے کی کوئی خاص جگہ ہے تو آنے والے کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، کہ وہ اس مخصوص جگہ میں نہ بیٹھے، کیوں کہ ایسی صورت میں صاحب خانہ کو تکلیف ہو گی، البتہ اگر صاحب خانہ بیٹھنے کی اجازت دے تو پھر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اقرأ اور اعلم میں ترجیح: اختلاف ائمہ

امامت کے اوصاف میں سب سے اہم دو وصف ہیں۔ (۱) کتاب اللہ کا اچھا پڑھنا۔ (۲) علم سنت کا خوب جاننا، ان دو اوصاف میں کون راجح ہے؟ یعنی ایک شخص قرآن مجید بہترین پڑھتا ہے اور دوسرا شخص علم شریعت میں ماہر ہے۔ ایسے میں امامت کا مستحق کون ہوگا؟ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک "**اقرأ**" امامت کا زیادہ حقدار ہے، اور وہ **اعلم** پر مقدم ہے۔

دلیل: امام احمدؒ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آپ نے **اقرأ** کو **اعلم** پر مقدم رکھا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ **اعلم** کو **اقرأ** پر ترجیح دیتے ہیں، اور اعلم کو امامت کا زیادہ حقدار بتاتے ہیں، یہی مذہب ابن تیمیہ کا بھی ہے، ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ "**فَإِذَا كَانَ الرَّجُلَانِ مِنْ أَهْلِ الدِّيَانَةِ فَأَيُّهُمَا كَانَ أَعْلَمَ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَجَبَ تَقْدِيمُهُ عَلَى الْآخَرِ مُتَعَيِّنًا**" دو دیندار آدمی ہوں تو ان میں جو کتاب و سنت کو زیادہ جانتا ہو، اس کو متعین طور پر مقدم کرنا واجب ہے۔

دلیل: حضرت ابی بن کعبؓ کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے "اقرأکم ابی" تم سب میں سب سے بہتر ابی بن کعبؓ قران کریم پڑھتے ہیں، اور حضرت ابوبکرؓ سب سے بڑے عالم تھے، جیسا کہ ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ "و کان ابوبکر أعلمنا" آپ ﷺ نے مرض الوفات میں ابی بن کعبؓ کو امام نہ بنا کر حضرت ابوبکرؓ کو امام بنایا، معلوم ہوا کہ امامت کا پہلا حقدار "اعلم" ہے اقرأ نہیں ہے۔

حدیث باب کا جواب حدیث باب میں "اقرأ" سے مراد "اعلمھم بکتاب اللّٰہ" ہے، یعنی حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے امامت کا حقدار وہ ہے جو کتاب اللہ کے علم میں دوسروں پر فائق ہو، اور اگر کتاب اللہ کے علم میں سب برابر ہیں تو پھر سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا، کہ اس میں کون زیادہ ماہر ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ بھی اقرأ کی تشریح یوں کرتے ہیں "فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَقْدِيْمِ الْأَفْضَلِ بِالْعِلْمِ بِالْكِتَابِ" آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جو کتاب اللہ کا زیادہ جاننے والا ہو اس کو امامت کے لئے مقدم رکھو۔

حدیث نمبر ۱۰۵۱ ﴿امامت کا حقدار کون﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱۸

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانُوْا ثَلَاثَةً فَلْيَؤُمَّهُمْ اَحَدُهُمْ وَاَحَقُّهُمْ بِالْاِمَامَةِ اَقْرَأُهُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ فِيْ بَابٍ بَعْدَ بَابِ فَضْلِ الْاَذَانِ۔

حواله: مسلم، ص ۲۳۶، ج ۱. باب من أحق بالإمامة. كتاب المساجد، حديث نمبر ۶۷۲.

ترجمه: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تین لوگ ہوں تو ان میں سے ایک شخص ان کی امامت کرے، اور امامت کا زیادہ حقدار ان میں وہ شخص ہے جو ان میں سب سے اچھا قرآن پڑھتا ہو، حضرت مالک بن حویرث کی روایت اس باب میں نقل ہو چکی ہے جو "باب فضل الاذان" کے بعد ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دو باتیں بیان ہوئیں ہیں۔(۱) جب تین لوگ ہوں تو باقاعدہ جماعت سے نماز پڑھی جائے، ایک شخص امامت کرے، اور دو لوگ اس کے پیچھے اقتدا کریں۔(۲) امامت کا حقدار وہ ہے جو ان میں سب سے اچھا قرآن پڑھتا ہو، لیکن ساتھ ساتھ وہ علوم شریعت سے بھی واقف ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح **اذا کانوا ثلاثة:** جب تین لوگ ہوں تو ان میں سے ایک امامت کرے، تین کا عدد اتفاقی ہے، ورنہ اگر دو لوگ ہوں یا تین سے زائد لوگ ہوں تو بھی ایک امامت کرے گا بقیہ اقتدا کریں **احقهم بالامامة اقرأهم:** "اقرأ" امامت کا سب سے بڑا حقدار ہے، لیکن اقرأ سے مراد ہمارے دور کے قاری نہیں، بلکہ اقرأ سے "اعلم بالکتاب" مراد ہے، صحابہ کرامؓ کے دور میں پہلے لوگ دینی علوم سیکھتے تھے، پھر قرآتِ قرآن کی طرف متوجہ ہوتے تھے، جو قاری قرآن ہوتا تھا، وہ قرآن کے احکام کا عالم بھی ہوتا تھا، لہٰذا اقرأ سے مراد صرف تجوید سے قرآن پڑھنے والا مراد نہیں ہے۔

اشکال: اگر دور صحابہ میں "اقرأ" ہی "اعلم" ہوتا تھا تب تو ابی بن کعبؓ "اعلم" ہوں گے، کیونکہ وہ "اقرأ" تو تھے ہی پھر حضرت ابوبکرؓ کو آپ ﷺ نے امامت کے لئے کیوں بڑھایا؟

جواب: بالعموم اس زمانہ میں اقرأ، اعلم ہوا کرتے تھے، بعض کے استثنا میں مضائقہ نہیں ہے۔

اشکال: اگر "اقرأ" سے اعلم بالکتاب مراد ہے یعنی عالم مراد ہے تو اعلم بالسنة سے کیا مراد ہوگا، نتیجہ کے اعتبار سے دونوں ایک ہو جائیں گے، یعنی دینی علوم کو جاننے والے، حالانکہ حدیث میں دونوں کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا مصداق الگ الگ ہے۔

جواب: اقرأ سے اعلم بالقرآن مراد ہے اور اعلم بالسنۃ سے اعلم بالحدیث مراد ہے، دونوں میں تکرار نہیں ہے، جیسے کہ بعض صحابہ تھے جن پر قرآن کے رنگ کا غلبہ تھا، حضرت ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ وغیرہ، اور بعض صحابہ پر حدیث کا رنگ غالب تھا جیسے کہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ وغیرہ، اب اگر قوم میں ان دونوں طرح کے لوگ ہوں تو اعلم بالکتاب کو اعلم بالسنۃ پر مقدم کیا جائے، یہی حدیث کا مقصد بھی ہے۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۰۵۲ ﴿امامت کا مستحق﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۱۹

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّائُكُمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص۸۷، ج۱. باب من احق بالامامۃ. کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۹۰.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چاہئے کہ تمہارے لیے وہ لوگ اذان دیں جو تم میں بہترین لوگ ہوں، اور تمہاری امامت وہ لوگ کریں جو پڑھے ہوئے ہوں۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اذان سے بہت اہم چیز وابستہ ہیں۔ لہٰذا اذان دینے والا شخص نیک کردار اور اچھے اوصاف کا ہونا چاہئے، اور امامت وہ شخص کرے جو دینی علوم سے واقف ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح: لیؤذن لکم خیارکم: تم میں جو نیک ہوں وہ اذان دیں، یہ امر استحباب کے لئے ہے، مؤذن بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اذان دیتا ہے، ایسے میں مؤذن نیک ہوگا تو گناہ سے محفوظ رہے گا، ورنہ گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی امکان ہے، اس کے ساتھ روزے اور نماز کے امور مؤذن سے متعلق ہیں، نیک آدمی وقت کا لحاظ رکھ کر اذان دے گا۔

ولیؤمکم قرائکم: امامت کا حقدار وہ ہے جو قرآنی علوم سے خوب واقف ہو، تفصیل کے لئے گذشتہ احادیث دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۰۵۳ ﴿میزبان امامت کرے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲۰

وَعَنْ اَبِىْ عَطِيَّةَ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يَاْتِيْنَا اِلٰى مُصَلَّانَا يَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ يَوْمًا قَالَ اَبُوْ عَطِيَّةَ فَقُلْنَا لَهُ تَقَدَّمْ فَصَلِّهْ قَالَ لَنَا قَدِّمُوْا رَجُلًا مِّنْكُمْ يُصَلِّيْ بِكُمْ وَسَاُحَدِّثُكُمْ لِمَ لَا اُصَلِّيْ بِكُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يَؤُمَّهُمْ وَلْيَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِّنْهُمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهُ اقْتَصَرَ عَلٰى لَفْظِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حوالہ: ابودؤاد، ص۸۸، ج۱. باب امامۃ الزائر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر۵۹۶. ترمذی، ص۸۲، ج۱. باب ماجاء فیمن زار قوماً. کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر۳۵۶. نسائی، ص۹۰، ج، باب امامۃ الزائر، کتاب الإمامۃ، حدیث نمبر ۷۸۶.

ترجمہ: حضرت ابوعطیہ عقیلیؒ سے روایت ہے کہ مالک بن حویرث ہماری مسجد میں ہمارے پاس آکر حدیث بیان کرتے تھے، ایک دن نماز کا وقت ہوگیا ابوعطیہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے عرض کیا کہ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے، مالک بن حویرث نے فرمایا کہ اپنے میں سے کسی آدمی کو بڑھاؤ وہ تم کو نماز پڑھائے، اور میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ میں کیوں نماز نہیں پڑھا رہا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص کسی قوم کے پاس ملاقات کے لئے جائے، تو وہ ان کی امامت نہ کرے، بلکہ اس قوم میں سے ہی کوئی شخص اپنی قوم کی امامت کرے۔ (ابوداؤد) ترمذی، نسائی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے، لیکن انھوں نے نبی کریم ﷺ کے بیان پر اکتفا کیا ہے۔

خلاصۂ حدیث: اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مہمان کو امامت نہ کرنا چاہئے، امامت کا حقدار میزبان ہے، لہٰذا میزبان ہی کو امامت کرنا چاہئے، البتہ اگر میزبان اجازت دے تو مہمان بھی امامت کرسکتا ہے، مالک بن حویرث نے فرمان

رسول کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے امامت سے اس لیے انکار کیا کیوں کہ وہ مہمان تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح من زار قوماً: بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کو حق تقدم حاصل ہے، خواہ وہ اعلم و اقرأ ہوں یا نہ ہوں، جن لوگوں کو حق تقدم حاصل ہے ان ہی میں سے ایک صاحب خانہ ہے، صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر مہمان خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کا کیوں نہ ہو امامت کا حقدار نہیں۔ البتہ اگر صاحب خانہ اجازت دے دے تو مہمان امامت کرسکتا ہے، اس مسئلہ میں اسحٰق بن راہوی بہت متشدد ہیں۔ علامہ ترمذی بیان کرتے ہیں کہ اسحٰق بن راہوی کے نزدیک مہمان کی امامت اس وقت بھی درست نہیں جب کہ صاحب خانہ اس کو امامت کی اجازت دیدے۔ لیکن اسحٰق کا یہ قول جمہور کے مخالف ہے۔

سوال: میزبان حضرات نے جب مالک بن حویرث کو اجازت دیدی بلکہ ان سے امامت کی درخواست کی تو انھوں نے امامت کیوں نہیں کی؟

جواب: ظاہر حدیث سے میزبان کی امامت کی مطلقاً مخالفت سمجھ میں آتی ہے، لہٰذا مالک بن حویرث نے احتیاط کی بنا پر امامت نہیں کی۔

حدیث نمبر ۱۰۵۴ ﴿نابینا کی امامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲۱

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ اُمِّ مَكْتُوْمٍ يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ اَعْمٰى رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص ۸۸، ج ۱۔ باب امامة الاعمٰی. کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۹۵۔

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ام مکتومؓ کو لوگوں کی امامت کیلئے مقرر فرمایا، حالانکہ وہ نابینا تھے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نابینا شخص امامت کرسکتا ہے اور اس کو امام مقرر کرنا درست ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح استخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم: عبداللہ بن ام مکتوم کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو دو مرتبہ اپنا نائب مقرر کیا، ایک قول ہے کہ تمام امور میں نائب بنایا، جب کہ دوسرا قول ہے کہ صرف نماز کی امامت میں اپنا نائب مقرر کیا، تیسرا قول ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو تیرہ مرتبہ اپنا نائب مقرر کیا، آپ ﷺ عبداللہ بن مکتومؓ کو اس وقت اپنا نائب بنایا ہے جب آپ ﷺ غزوات کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ وھو اعمٰی: عبداللہ بن ام مکتومؓ نابینا تھے، اس کے باوجود آپ ﷺ کا ان کو امام مقرر کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ نابینا کی امامت درست ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ نابینا کی امامت پر تو اتفاق ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ نابینا کی امامت اولیٰ ہے **یا بینا کی امامت** اولیٰ ہے؟ شافعیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں دونوں برابر ہیں، اس وجہ سے کہ اعمٰی میں اگر یہ خوبی ہے کہ وہ آنکھوں کے گناہ سے **محفوظ رہتا** ہے، تو بینا میں یہ وصف ہے کہ وہ نجاست کو دیکھ کر اس سے صحیح طور پر بچ سکتا ہے استقبال قبلہ کا بہتر طور پر اہتمام کرسکتا ہے، **بعض لوگ جن** میں امام غزالی بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ امامتِ اعمٰی افضل ہے۔ اس لئے کہ اس کی نماز خشوع کے زیادہ قریب ہے بینا کی نسبت سے، ملا علی قاری نے ابن ملک کا قول نقل کیا ہے کہ نابینا کی امامت اس وقت مکروہ ہے جب کہ جماعت میں ایسا شخص موجود ہو کہ جو علم کے اعتبار سے نابینا پر فائق ہو۔ (مرقات-بذل)

حدیث نمبر ۱۰۵۵ ﴿ناپسندیدہ افراد کی نماز﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲۲

وَعَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ اٰذَانَهُمْ اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ وَامْرَاَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَاِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی، ص ۸۲-۸۳، ج ۱۔ باب ماجاء فیمن أم قوماً وھم له کارھون، کتاب الصلاۃ. حدیث نمبر ۳۶۰

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تین لوگ ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے کانوں سے بلند نہیں ہوتی ہے۔ (۱) بھاگا ہوا غلام جب تک واپس نہ آجائے۔ (۲) وہ عورت جو اس حالت میں رات گذارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔ (۳) کسی قوم کا ایسا امام کہ قوم اس کو ناپسند کرتی ہو۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تین طرح کے لوگوں کی نماز قبول نہیں ہوتی ہے۔ (۱) غلام یا باندی فرار ہو گئے، تو ان کی نماز بارگاہ رب العزت میں اسی وقت شرف قبولیت سے نوازی جائے گی جب کہ وہ آقا کے پاس لوٹ آئیں۔ (۲) کسی عورت کا شوہر ناراض ہے، عورت کی بد خلقی وغیرہ کی بنا پر اور رات گذارنے سے پہلے پہلے عورت شوہر کو راضی نہیں کر لیتی ہے، تو عورت کی بھی نماز قبول نہ ہوگی۔ (۳) اسی طرح اگر امام گناہ گار ہے اور قوم اس کی گناہ کی وجہ سے اس کو ناپسند کرتی ہے تو ایسے امام کی نماز بھی مقبول نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تجاوز صلاتهم: مراد یہ ہے کہ نماز قبول نہیں ہوتی ہے **العبد الأبق**: غلام کے حکم میں باندی بھی شامل ہے، غلام کا آقا کے گھر سے بھاگنا بہت بڑا جرم ہے، لہٰذا شریعت کی نگاہ میں یہ شخص اس لائق بھی نہیں کہ اس کی نماز قبول کی جائے **و امرأة باتت**: عورت اس وقت گناہ گار ہوگی جب شوہر کی خفگی درست ہو، مثلاً شوہر کی ناراضگی عورت کی اطاعت شعاری کے فقدان یا بدخلقی کے عروج کی بنا پر ہو، اگر ناراضگی بلا سبب ہے یا کسی ناحق بات پر ہے تو گناہ گار نہ ہوگی۔ **و امام قوم**: امام کی نماز نامقبول اس وقت ہوگی، جب قوم امام کو اس کی بدعت، جہالت یا فسق و فجور کی بنا پر ناپسند کرتی ہو، اگر دنیوی عداوت کی بنا پر ناپسند کرتی ہے تو خود قوم گناہ گار ہوگی۔ اگر بعض لوگ ناپسند کرتے ہیں اور بعض پسند کرتے ہیں تو اعتبار عام کا ہوگا۔ اور اگر علما بھی مختلف ہوں تو فیصلہ اکثریت سے ہوگا۔ لیکن کثرت سے علماء کی کثرت مراد ہے، جہلا کی کثرت مراد نہیں ہے، امام کی کوتاہی کی وجہ سے لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (خلاصہ مرقات ص ۸۴، ج ۳، و معارف السنن ص ۱۱۱ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۰۵۶ ﴿ناپسندیدہ امام کی نماز﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲۳

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ صَلَاتُهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ وَرَجُلٌ اَتَى الصَّلَاةَ دِبَارًا وَالدِّبَارُ اَنْ يَاْتِيَهَا بَعْدَ اَنْ تَفُوْتَهُ وَرَجُلٌ اِعْتَبَدَ مُحَرَّرَةً رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابوداؤد، ص ۸۸، ج ۱. باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون. كتاب الصلاة، حديث نمبر ۵۹۳. ابن ماجة، ص ۶۸، باب من ام قوماً وهم له كارهون، كتاب اقامة الصلاة. حديث نمبر ۹۷۰.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تین طرح کے لوگوں کی نماز قبول نہیں ہوتی ہے۔ (۱) وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرے، اور قوم اس کو ناپسند کرے۔ (۲) وہ شخص جو نماز کو مؤخر کر کے پڑھے، اور مؤخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وقت گذر جانے کے بعد پڑھے۔ (۳) وہ شخص جو کسی آزاد نفس کو غلام بنالے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں آپ ﷺ نے چند ایسے لوگوں کی نشاندہی فرمائی ہے، جن کے گناہ کے وبال کی بنا پر ان کی سب سے افضل عبادت یعنی نماز اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول نہیں ہو پاتی ہے ان تین طرح کے لوگوں میں پہلا تو وہ امام ہے جس کا ذکر گذشتہ حدیث میں ہو چکا ہے، دوسرا وہ شخص ہے جو وقت مستحب گذرنے کے بعد نماز پڑھتا ہے، اور تیسرا وہ شخص ہے جو کسی آزاد کو زبردستی اپنا غلام بنا کر مالکانہ تصرف کرتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح وهم له كارهون: جس امام کی لوگ امامت کو ناپسند کرتے ہیں اس کی نماز مقبول نہیں ہوتی ہے۔ لیکن ناپسندیدگی کی وجہ دنیوی عداوت نہ ہو، بلکہ دینی وجہ ہو، مزید تحقیق کے لیے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

اتی الصلاۃ دباراً: جو شخص نماز کو بہت دیر سے پڑھے حتیٰ کہ اس کو قضا کردے یا جماعت فوت کردے، یا وقت مستحب نکال
ں کی نماز بھی غیر مقبول ہے۔ اعتبد محررۃ: کسی آزاد آدمی کو زبردستی غلام بنالے یا اپنے آزاد کردہ غلام کو بھی غلام سمجھے اور
رف کرتے ہوئے پہلے کی طرح خدمت لے، تو اس شخص کی بھی نماز قابل قبول نہ ہوگی۔

حدیث نمبر ۱۰۵۷ ﴿امامت سے بچنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲۴

عَنْ سَلَامَةَ بِنْتِ الْحُرِّ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یَتَدَافَعَ اَھْلُ
الْمَسْجِدِ لَا یَجِدُوْنَ اِمَاماً یُصَلِّیْ بِھِمْ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

: مسند احمد، ص ۳۸۱، ج ۶. ابو داؤد، ص ۸۶، ج ۱. باب فی کراھیۃ التدافع علی الامامۃ، کتاب الصلاۃ
نمبر ۵۸۱. ابن ماجۃ، ص ۶۹، باب مایجب علی الامام، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر ۹۸۲.

: حضرت سلامہ بنت حر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "قیامت کی علامت میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد کے لوگ
سے گریز کریں" وہ امام نہیں پائیں گے جو ان کو نماز پڑھائے۔ (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ قیامت سے قبل ہر طرف جہالت وظلمت کا دور دورہ ہوگا، مساجد میں لائق امام میسر نہ
آئیں گے۔ ہر کوئی اپنی جہالت کی بنا پر اس ذمہ داری کو اپنے سر لینے سے گریز کرے گا۔

حدیث کی تشریح: ان یتدافع اھل المسجد: حدیث کے اس جزء کا مطلب ہے لوگ اپنے سروں سے امامت کا بوجھ
ہٹا کر دوسرے پر ڈالنا چاہیں گے اگر چند لوگ ہیں اور وہ سب امامت کے لائق ہیں تو ان میں سے ایک
ے اور دوسرا کا تیسرے کو آگے بڑھانا اور خود آگے بڑھنے سے سستی وکاہلی یا ٹال مٹول کی بنا پر پیچھے ہٹنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی
کو اس لئے آگے بڑھا رہا ہے کہ وہ اس سے افضل ہے تو پھر کراہت نہیں ہے، اخیر زمانہ میں نا اہلی اتنی عام ہوگی کہ ہر کوئی نا اہل
لیے آگے بڑھنے سے گریز کرے گا۔ نا اہل رہنا خود گناہ ہے، ہر مسلمان کو نماز کے احکام سیکھ کر امامت کا اہل بننے کی کوشش کرنا
۔ نا اہل اگر کسی کو اہل سمجھ کر آگے بڑھا رہا ہے تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے، اگر کوئی اہل میسر نہ آئے تو نا اہل خود امام بنے۔
(خلاصہ حدیث اعلاء السنن ص ۳۶۰، ج ۴)

حدیث نمبر ۱۰۵۸ ﴿فاسق کی امامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲۵

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْجِھَادُ وَاجِبٌ عَلَیْکُمْ مَعَ کُلِّ اَمِیْرٍ بَرًّا کَانَ اَوْ
فَاجِراً وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ وَالصَّلَاۃُ وَاجِبَۃٌ عَلَیْکُمْ خَلْفَ کُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ
الصَّلَاۃُ وَاجِبَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ۔

: ابو داؤد، ص ۳۴۳، ج ۲. باب فی الغز ومع ائمۃ الجور. کتاب الجھاد. حدیث نمبر ۲۵۳۳.

: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تمہارے اوپر جہاد واجب ہے، ہر امیر کیساتھ خواہ وہ نیک
اگرچہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو، اور مسلمان پر نماز جنازہ (فرض کفایہ کے طور پر) واجب ہے، خواہ وہ نیک ہو یا بد۔
گناہ کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو۔ (ابوداؤد)

حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امیر خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو، اس کی اطاعت کی جائے، اسکے ساتھ مل کر جہاد کیا جائے،
فریضہ جہاد امیر کی بدعملی کی بنا پر عام مسلمانوں سے ساقط نہیں ہوسکتا۔ ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، گو فاسق
مع الکراہت ہوتی ہے، نماز جنازہ ہر مسلمان پر بطور کفایہ واجب ہے، اس لئے ہر ایک کو اس میں شرکت کا خیال رکھنا چاہیے۔

کلمات حدیث کی تشریح الجهاد واجب علیکم: جہاد کسی حالت میں فرض عین ہوتا ہے اور کسی حالت میں فرض کفایہ ہوتا ہے مع کل امیر: ہر امیر کیساتھ ملکر جہاد کرنا چاہئے، خواہ خود سلطان ہو یا اسکا نائب وغیرہ ہو، برا کان او فاجرا وان عمل الکبائر: امیر کی اطاعت کی جائیگی، اگر چہ وہ کبائر کا مرتکب کیوں نہ ہو، اسوجہ سے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ فاجر آدمی کے ذریعہ دین کی تائید و نصرت فرماتے ہیں، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اسمیں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ فاسق امیر بن سکتا ہے، اور فسق وفجور کی بنا پر اسکو معزول نہیں کیا جائے گا۔ اور جب تک وہ معصیت کا حکم نہ کرے اس کی اطاعت بھی لازم ہوگی، سلف کی ایک جماعت کا ظالم امراء کے خلاف بغاوت، بغاوت کی حرمت پر اجماع کے قیام سے پہلے کی بات ہے۔ والصلاۃ: جماعت کے ساتھ نماز واجب ہے، اور یہ فرض عملی ہے اعتقادی نہیں ہے۔ کیونکہ جماعت کی فرضیت کا ثبوت خبر واحد سے ہے خلف کل مسلم: نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے، یہاں وجوب سے جواز مراد ہے، فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن کراہت کے ساتھ جائز ہے، اور یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کا فسق کفر کو نہ پہنچے۔ والصلاۃ: جنازہ کی نماز ہر مسلمان پر فرض کفایہ کے طور پر لازم ہے۔ برا کان او فاجراً: ہر اس مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنی ضروری ہے جس کا مسلمان ہونا ظاہر ہو، خواہ نیک ہو یا بد۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہوتا ہے، اور نہ وہ اسلام سے نکلتا ہے، اور نہ اس کے اعمال صالحہ ضائع ہوتے ہیں، اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ (مرقات ص ۸۶ ج ۳)

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۰۵۹ ﴿نابالغ کی امامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲۶

عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَآءٍ مَمَرِّ النَّاسِ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ نَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُوْنَ يَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهٗ اَوْحٰى اِلَيْهِ اَوْحٰى اِلَيْهِ كَذَا فَكُنْتُ اَحْفَظُ ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَاَنَّمَا يُغْرىٰ فِيْ صَدْرِيْ وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِاِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَيَقُوْلُوْنَ اتْرُكُوْهُ وَقَوْمَهٗ فَاِنَّهٗ اِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِاِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ اَبِيْ قَوْمِيْ بِاِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللّٰهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا.وَصَلَاةَ كَذَا فِيْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْثَرُكُمْ قُرْاٰنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَكْثَرَ قُرْاٰنًا مِنِّيْ لِمَا كُنْتُ اَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِيْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَاَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّيْ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِنَ الْحَيِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِيْ قَمِيْصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ فَرَحِيْ بِذٰلِكَ الْقَمِيْصِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حواله: بخاری، ص ۶۱۵-۶۱۶، ج ۲. کتاب المغازی، حدیث نمبر ۴۳۰۲.

ترجمه: حضرت عمرو بن سلمہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ پانی کے کنارے لوگوں کی گذرگاہ پر رہتے تھے، جو قافلہ ہمارے پاس سے گذرتا تھا، ہم اس سے دریافت کرتے تھے کہ لوگوں کے لئے جونئی بات ظاہر ہوئی ہے وہ کیا ہے؟ اور لوگوں کے لئے جونئی بات ظاہر ہوئی ہے وہ کیا ہے؟ اس آدمی کا کیا حال ہے؟ تو لوگ بتاتے تھے کہ وہ شخص اس بات کا دعوٰی کرتا ہے، کہ وہ اللہ کا رسول ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی بھیجتے ہیں، قرآن سنا کر بتاتے ہیں کہ اس طرح کی اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے، حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں اس کلام کو اس طرح یاد کر لیتا تھا گویا وہ کلام میرے سینے میں جم جاتا تھا، عرب اسلام لانے کے لئے فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے، چنانچہ وہ کہتے تھے کہ اس شخص کو اور اس کی قوم کو چھوڑ دو، اگر وہ اپنی قوم پر غالب آجاتا ہے تو سچا نبی ہے، چنانچہ جب مکہ کے فتح کا واقعہ پیش آیا تو ہر قوم نے اسلام لانے میں سبقت کی، میری قوم میں اسلام لانے میں میرے والد نے قوم پر سبقت کی، چنانچہ جب مدینہ سے واپس تشریف لائے تو انھوں نے

کہا کہ میں بخدا سچے نبی کے پاس سے آیا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فلاں وقت میں فلاں نماز پڑھو، اور فلاں وقت میں فلاں نماز پڑھو، اور جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے، اور تم میں سے جو قرآن زیادہ جاننے والا ہو، وہ امامت کرے، چنانچہ لوگوں نے غور کیا تو مجھ سے زیادہ قرآن جاننے والا کوئی نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں قافلہ والوں سے قرآن سیکھا کرتا تھا، چنانچہ لوگوں نے مجھے اپنے آگے کر دیا، حالانکہ میں اس وقت چھ یا سات سال کا بچہ تھا، میرے جسم پر صرف ایک چادر تھی، جب میں سجدہ میں جاتا تو وہ چادر سرک جاتی تھی، قوم کی ایک عورت نے کہا کہ تم لوگ اپنے امام کی سرین ہمارے سامنے کیوں نہیں ڈھانکتے ہو، لہٰذا لوگوں نے ایک کپڑا خریدا اور میرے لئے کرتا بنوایا، مجھے جتنی خوشی اس سے ہوئی کسی اور چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے دو باتیں خاص طور پر سمجھ میں آتی ہے۔ (۱) جو سب سے زیادہ قرآن کا جاننے والا ہو، وہ امامت کا مستحق ہے۔ (۲) اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ باشعور نابالغ بچہ امامت کر سکتا ہے، بعض کا ظاہر حدیث کے مطابق مذہب ہے، اور بعض اس حدیث کی توجیہ کرتے ہیں، تفصیل ذیل کے سطور میں ملاحظہ کریں۔

کلمات حدیث کی تشریح فلیؤمکم اکثرکم قرآنا: حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اسلام لا کر جو وفد حاضر ہوا آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص سب سے زیادہ قرآن جانتا ہو وہ امامت کرے، ظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "اقرأ" "اعلم" پر مقدم ہے، اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۱۰۵۰ دیکھیں۔ وانا ابن ست أو سبع سنین: حضرت عمرو بن سلمہؓ چھ یا سات کے بچے تھے، لیکن چونکہ قرآن سب سے زیادہ یاد تھا، لہٰذا آپؐ کے فرمان "کہ تم میں جس کو سب سے زیادہ قرآن یاد ہو، اس کو امام بناؤ" کے مطابق عمل کرتے ہوئے لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو امام بنایا، حدیث کے اس جز سے نابالغ کی امامت کا جواز سمجھ میں آتا ہے۔

فرائض میں نابالغ کی امامت کا مسئلہ

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک نابالغ لڑکا امامت کر سکتا ہے، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث (حدیث باب) اس بات پر حجت ہے کہ صبی ممیز فرائض کی امامت کر سکتا ہے۔

دلیل: امام شافعیؒ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں صاف صراحت ہے کہ عمرو بن سلمہ نے چھ یا سات سال کی عمر میں امامت فرمائی۔

جمہور کا مذہب: جمہور علماء وائمہ ثلاثہ کے نزدیک صبی ممیز فرائض کی امامت کا اہل نہیں ہے۔

دلیل: (۱) حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے: "لَا یَؤُمُّ الْغُلَامُ حَتّٰی یَحْتَلِمَ" بلوغت سے پہلے لڑکا امامت نہیں کر سکتا ہے۔ (۲) حضرت ابن مسعودؓ کا فرمان ہے: "لَا یَؤُمُّ الْغُلَامُ الَّذِیْ لَا تَجِبُ عَلَیْهِ الْحُدُوْدُ" وہ لڑکا امامت نہ کرے جس پر حدود واجب نہیں ہوئیں، یعنی جو بچہ شرعی طور پر بالغ نہیں ہوا وہ امامت کا اہل نہیں ہے۔ (۳) صبی پر نماز فرض نہیں ہے، لہٰذا اس کی نماز نفل ہوگی، ایسی صورت میں فرض نماز پڑھنے والوں کی نماز نفل پڑھانے والے کے پیچھے درست ہو جائے ممکن نہیں، کیوں کہ آپ کا فرمان ہے: "الامام ضامن" یعنی امام کی نماز صحت وفساد کے اعتبار سے مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے، اور شئی اپنے سے مافوق چیز کو متضمن ہو نہیں سکتی، لہٰذا اقتدار المفترض خلف المتنفل بھی صحیح نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب: حدیث باب میں عمرو بن سلمہؓ کا امامت کرنا یہ لوگوں کا اپنا اجتہاد تھا، آپ ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "فلیؤمکم اکثرکم قرآنا" تم میں جو قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے وہ امامت کرے، حاضرین میں سب بالغ حضرات تھے، لیکن انہوں نے یہ کہا کہ پورے قبیلہ میں جو سب سے زیادہ قرآن جاننے والا تھا، اس کو امام بنایا،

ظاہر بات یہ ہے کہ یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا، فرمان رسول یہ نہیں تھا کہ نابالغ بھی اگر قرآن زیادہ جانتا ہے تو اس کو امام بناؤ۔ پھر حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی ہو اور حضور ﷺ نے اس کی تائید فرمائی ہو اس کی بھی قطعاً کہیں صراحت نہیں ہے، یہ فرمان رسول نہیں تھا بلکہ ان کا اجتہاد تھا اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے جس بچہ کو امام بنایا اس کے پاس اتنا لباس بھی نہیں تھا جو ستر عورت کے لئے کافی ہو، اس کے باوجود وہ امامت کر رہا ہے اور نماز کے دوران ہی کشفِ عورت ہو رہا ہے، پھر بھی وہ نماز پڑھا رہا ہے، حالانکہ ستر عورت ہر ایک کے نزدیک لازم ہے اور کشفِ عورت کی بنا پر فساد صلاۃ پر اجماع ہے۔

نوافل میں نابالغ کی امامت کا مسئلہ

نابالغ نوافل کی امامت کرسکتا ہے کہ نہیں؟ جو لوگ فرائض میں نابالغ کی امامت کے عدم جواز پر متفق تھے، نوافل میں صبی ممیز کے امامت کے حوالے سے ان میں آپس میں اختلاف ہو رہا ہے، امام ابوحنیفہؒ سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں ایک جواز کی دوسرے عدم جواز کی، مشائخ بلخ نے تراویح اور نوافل میں نابالغ کی امامت کو جائز قرار دیا ہے۔ امام محمدؒ کی بھی یہی رائے ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ اور علماء بخارا وغیرہ کے نزدیک نابالغ کی امامت نوافل میں درست نہیں ہے، اسی کو ترجیح حاصل ہے، اس لئے کہ نفل نماز شروع کرنے کے بعد بالغین پر واجب ہو جاتی ہے، جبکہ نابالغ پر نفل نماز شروع کرنے کے باوجود واجب نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی قوی کی اقتدا ضعیف کے پیچھے لازم آئے گی۔

حدیث نمبر ۱۰۶۰ ﴿آزادی پانے والے شخص کی امامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲۷

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الْمَدِيْنَةَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰى اَبِیْ حُذَيْفَةَ وَفِيْهِمْ عُمَرُ وَاَبُوْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الْاَسَدِ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

حوالہ: بخاری، ص ۹۶، ج ۱۔ باب امامۃ العبد والمولی۔ کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۹۲

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جو پہلے مہاجرین مدینہ آئے ان کی امامت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ شخص حضرت سالم کیا کرتے تھے، حالانکہ ان میں حضرت عمرؓ اور ابو سلمہ بن عبد الاسد بھی تھے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث (۱) اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اگر آزاد شدہ ہے، جس کو مولیٰ کہا جاتا ہے، تو اس کی امامت بالاتفاق درست ہے۔ (۲) حضرت سالم قرآن خوب یاد کرنے والے اور بہترین پڑھنے والے تھے، اس لئے اہل مدینہ کے وہی امام تھے، ایک روایت میں ہے کہ "كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا" حضرت عمرؓ کی موجودگی میں حضرت سالم کی امامت سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اقرأ کو اعلم پر ترجیح حاصل ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح سالم مولی ابی حذیفة: یہ سالم بن معقل ہیں، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کے آزاد کردہ شخص ہیں، فارسی النسل تھے، جلیل القدر صحابہ اور گنے چنے قراء میں اُن کا شمار ہے، ان کو قرآن کریم بہت حفظ تھا، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَسَالِمٍ مَوْلٰى أَبِيْ حُذَيْفَةَ" قرآن کا پڑھنا چار لوگوں سے سیکھو، وہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہ ہیں۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی موجودگی میں سالم مولیٰ ابو حذیفہ کا امامت کرنا، ان لوگوں کے مذہب کی بہت مضبوط دلیل ہے، جو اقرأ کو افقہ پر مقدم رکھتے ہیں۔

حدیث باب کا جواب آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر کو امام بنایا یعنی اعلم کو امام بنایا، یہ سب سے مضبوط دلیل ہے، اعلم کے اقرأ پر مقدم ہونے کی یہاں بعض صحابہ نے حضرت سالم کو امام بنایا ہے، نیز اس بات کا قوی امکان ہے کہ حضرت سالم کا

حضرت عمرؓ کی موجودگی میں امام بننا کسی دوسری مصلحت کی بنا پر ہو، علاوہ ازیں حضرت سالم اگرچہ حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں اعلم نہیں تھے، لیکن اس کے باوجود فضل وکمال اور علم وعمل میں صحابہ کے درمیان ممتاز مقام کے حامل تھے۔(مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۰۵۰ دیکھیں)

حدیث نمبر ۱۰۶۱ ﴿ناپسندیدہ امام کی امامت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲۸

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُرْفَعُ لَهُمْ صَلَاتُهُمْ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ شِبْرًا رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَّهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَّاَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

حوالہ: ابن ماجة، ص ۶۹. باب من ام قوما وهم له كارهون. كتاب اقامة الصلاة، حديث نمبر ۹۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین لوگ ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی ہے۔(۱) وہ آدمی جو کسی قوم کی امامت کرے اور قوم اس کو ناپسند کرتی ہو۔(۲) وہ عورت جو اس حالت میں رات گذارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔(۳) وہ بھائی جو آپس میں تعلقات منقطع کرنے والے ہوں۔(ابن ماجہ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی تین طرح کے لوگوں کے بارے میں اس بات کا بیان ہے کہ ان کی نماز مقبول نہیں ہوتی ہے، اول الذکر دونوں کا گذشتہ احادیث میں ذکر آچکا ہے، حدیث باب میں تیسرے طبقے کے ذکر میں ان دو بھائیوں کا بیان ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے تعلقات ترک کرنے والے ہوں، جو لوگ تعلقات توڑنے والے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہوتا ہے، اس ناراضگی کی بنا پر اس کی نمازیں بھی قبول نہیں کرتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح رجل اَمَّ قوماً: حدیث نمبر ۱۰۵۵ میں اس کی تشریح ملاحظہ کی جائے۔ وامرأة باتت: حدیث نمبر ۱۰۵۵ کے تحت ملاحظہ کی جائے۔ وَأَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ: دو لوگوں میں اتنی ناراضگی ہو جائے کہ سلام دعا بند ہو جائے، اور تین دن سے زائد اسی عالم میں گذر جائیں، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہیں، لیکن اگر کسی کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی رضا کی بنا پر ہے تب یہ حکم نہیں، بلکہ کمال ایمان کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے بغض وعداوت رکھنے کا مطلب کیا ہے۔

باب ما علی الامام

﴿امام پر لازم چیزوں کا بیان﴾

اس باب میں ان چیزوں کا بیان ہے جن کا امام کو خیال رکھنا لازم ہے، امام کے لئے بنیادی طور پر مقتدیوں کی رعایت لازم اور ضروری ہے۔ اگر امام مقتدیوں کی رعایت نہ کرے گا تو مقتدی اُکتا جائیں گے اور امام سے بددل ہو جائیں گے جس کی بنا پر جماعت کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ آپ ﷺ کے سامنے اگر اس بات کی شکایت آتی کہ کوئی امام مقدار مسنون سے زائد قرآت کر رہا ہے، اور کمزور لوگ اس کا تحمل نہیں کر پا رہے ہیں تو آپ ﷺ سخت غصہ ہوتے تھے، فقہ کی کتابوں میں نمازوں میں قرآت کی جو تفصیل مذکور ہے، یعنی فجر اور ظہر میں طِوال مفصل، عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل، اور مغرب میں قصارِ مفصل۔ یہی مقدار مسنون ہے، جس کو احادیث مبارکہ کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا عام حالات میں اس سے کم مقدار میں تلاوت کا معمول نہ بنایا جائے، اگر کوئی شخص اس قدر کمزور یا معذور ہے کہ وہ اتنی مقدار قرأت سننے کا بھی متحمل نہیں ہے، تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے، اس کی رعایت میں مقدار مسنون ترک نہ کی جائے گی۔

الفصل الاول

حدیث نمبر ۱۰۶۲ ﴿امامت میں مقتدیوں کی رعایت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۲۹

عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَآءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلَاةً وَّلَا اَتَمَّ صَلَاةً مِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص۹۸، ج۱. باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي. كتاب الاذان، حديث نمبر ۷۰۸.
مسلم، ص۱۸۸، ج۱. باب امر الائمة بتخفيف الصلاة. كتاب الصلاة. حديث نمبر ۴۶۹.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے کبھی بھی کسی امام کے پیچھے نبی کریم ﷺ سے زیادہ ہلکی اور مکمل نماز نہیں پڑھی، اگر نبی کریم ﷺ بچے کے رونے کی آواز سن لیتے تو اس اندیشہ سے نماز ہلکی کردیتے کہ کہیں اس کی ماں تشویش میں نہ پڑ جاوے۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نماز بہت زیادہ شانِ تمامیت کی حامل ہوتی تھی، آپ ﷺ کی نماز میں ایجاز واختصار بھی ہوتا تھا، اور تمامیت وکمال کی رعایت بھی ہوا کرتی تھی، یعنی قرآت بھی قدرِ مسنون ہوتی، پڑھنے کا انداز بے تکلف اور ترتیل کی رعایت کے ساتھ تھا، رکوع وسجود کی تسبیحات بھی مکمل ہوتی تھیں، ان سب کے باوجود آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز بوجھ محسوس نہیں ہوتی، آپ ﷺ مقتدیوں کی اس درجہ رعایت فرماتے تھے کہ بچے کے رونے کی آواز سن کر قرآت مختصر کردیتے، تاکہ ماں کو نماز کے دروان پریشانی لاحق نہ ہو۔

کلمات حدیث کی تشریح اخف صلاة ولا اتم صلاة: آپ ﷺ کی نماز شانِ تمامیت کے اعلیٰ درجہ کی حامل تھی، اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کی نماز میں تخفیف بھی تھی، اور اتمام بھی تھا، سوال یہ ہے کہ تخفیف اور اتمام دونوں کیسے جمع ہوں؟ امام بخاری نے اس سوال کو ترجمۃ الباب کے ذریعہ یوں حل فرمایا کہ "بَابُ تَخْفِيفِ الْإِمَامِ فِي الْقِيَامِ وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُوْدِ" (امام کے قیام میں تخفیف رکوع اور سجود میں تمامیت ملحوظ رکھنے کا بیان) مطلب یہ ہے کہ تخفیف کا تعلق قرآت سے ہے، اور تمامیت کا تعلق رکوع وسجود سے ہے، آپ ﷺ نے اماموں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ مقتدیوں کی رعایت کر کے نماز پڑھائیں۔ اتنی لمبی قرآت سے گریز کریں جو اکتا دینے الی ہو، آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا "إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ" (آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو نماز میں تخفیف کا خیال رکھنا چاہئے، اس لئے کہ نمازیوں میں کمزور، بیمار، اور بوڑھے ہوتے ہیں، اور جب کوئی تم میں سے انفرادی نماز پڑھے تو جتنا دل چاہے طول دے۔ (بخاری)

— ولَمّن كان لِيَسْمَعُ بكاء الصبي: جماعت میں عورت شریک ہوئی اور اس کا بچہ رونے لگتا تو بچہ کا رونا ماں پر شاق گذرے گا، اور بے چینی کی بنا پر نماز کا ذوق ختم ہوجائے گا، لہٰذا آپ ﷺ ماں کی رعایت میں قرآت ہلکی کردیتے تھے، بخاری شریف کی ایک روایت میں آپ ﷺ کا یوں فرمان ہے "إِنِّي لَأَقُوْمُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيْدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ" میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور یہ ارادہ کرتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھاؤں گا پھر میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو میں نماز میں تخفیف کردیتا ہوں، اس بات کو ناگوار سمجھتے ہوئے کہ بچے کی ماں پر لمبی قرآت شاق گذرے۔

کیا آنے والے کے انتظار میں امام رکوع لمبا کرے

اس حدیث کے ذیل میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آتا ہے کہ امام رکوع میں ہے اور وہ نماز میں شرکت کی غرض سے آنے والے کے قدموں کی آہٹ سن رہا ہے، تو کیا اس غرض سے کہ یہ آنے والا رکوع میں شریک ہوکر رکعت پالے، امام رکوع کو لمبا کرسکتا ہے یا نہیں؟

شوافع کا مذہب: بعض شوافع کے نزدیک رکوع میں انتظار کرنا جائز ہے۔

دلیل: (۱) حدیث باب سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بچے کے رونے کی بنا پر نماز میں تخفیف فرماتے تھے، تو جب انسانی ضرورت کی بنا پر تخفیف درست ہے تو عبادت کے لئے طول دینا بھی درست ہوگا۔

(۲) ابوداؤد شریف میں حدیث ہے "كَانَ يَقُوْمُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ حَتّٰى لَا يَسْمَعُ وَقْعَ قَدَمٍ" رسول اللہ ﷺ نماز ظہر میں پہلی رکعت میں اتنا قیام فرماتے تھے کہ مقتدیوں کے زمین پر پیروں کے پڑنے کی آواز ختم ہوجایا کرتی تھی۔

بظاہر معلوم ہوا کہ آپ ﷺ قرآت کو اس لئے طول دیتے تھے کہ جو لوگ چل کر آرہے ہیں وہ جماعت میں شریک ہوجائیں، معلوم ہوا کہ آنے والے کے انتظار میں تطویل درست ہے۔

امام صاحب کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک آنے والے کے انتظار میں رکوع لمبا کرنا مکروہ ہے، بلکہ ایک موقع پر تو آپ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ "أَخْشٰى عَلَيْهِ أَمْرًا عَظِيْمًا" مجھے اس شخص کے بارے میں بڑی بات کا اندیشہ ہے۔ بعض حضرات نے بڑی بات کی تشریح شرک سے کی ہے۔

دلیل: یہ رکوع غیر اللہ کی بنا پر ہوگا، یعنی انتظار کرتے وقت نیت غیر اللہ کی ہوگی، البتہ عبادت غیر اللہ کی نہیں ہے، لہٰذا اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا گیا ہے۔

شوافع کی دلیل کا جواب: بعض شوافع کی جانب سے ابوداؤد کی حدیث سے جو استدلال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ پہلے سے طویل قرآت کا ارادہ فرماتے تھے، لہٰذا آپ ﷺ طویل قرأت فرماتے اور سب لوگ رکوع سے پہلے اس میں شریک ہوجاتے تھے، اس روایت میں یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ آپ ﷺ کا ارادہ مختصر قرأت کا ہوتا تھا، لیکن آپ نماز میں شرکت کی غرض سے آنے والوں کی رعایت میں قرأت لمبی فرماتے تھے۔ شوافع کی جانب سے جو دوسری دلیل پیش کی جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تخفیف کے جواز سے تطویل کے جواز کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیوں کہ تطویل میں ایک شخص کی رعایت ہے باقی تمام مقتدیوں کے لئے مشقت ہے، بخلاف تخفیف کے کہ اس میں لوگوں کو راحت ہے، نیز کسی کی رعایت میں اگر اختصار ہے تو جو بھی عمل ہوا وہ لوجہ اللہ ہوا، اس کے برخلاف اگر کسی کی رعایت میں تطویل ہے، تو جتنی مقدار نماز انتظار میں پڑھی گئی وہ مقدار لوجہ اللہ نہ ہوکر غیر اللہ کی خاطر ہوگئی اس لئے تطویل کو تخفیف پر نہ قیاس کیا جائے۔

حدیث نمبر ۱۰۶۳ ﴿مقتدیوں کی رعایت میں نماز میں تخفیف﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳۰

وَعَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيْدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حوالہ: بخاری، ص ۹۸، ج ۱۔ باب من أخف الصلاة، کتاب الاذان. حدیث نمبر ۷۰۷.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نماز شروع کرتا ہوں، اور اس کو طول دینے کا ارادہ رکھتا ہوں، پھر بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں، تو نماز میں تخفیف کردیتا ہوں، کیوں کہ بچے کے رونے سے اس کی ماں کو کتنا شدید رنج لاحق ہوتا ہے، اس کو میں بخوبی جانتا ہوں۔" (بخاری)

خلاصۂ حدیث حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ مقتدیوں کی خوب رعایت فرماتے تھے، لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ ہوتا، لیکن اگر جماعت میں شریک عورت کا بچہ رونے لگتا، تو نماز میں شریک عورت کی پریشانی کے خیال سے آپ ﷺ نماز مختصر کردیتے تھے

کلمات حدیث تشریح فأتجوز في صلاتي: نماز میں تخفیف کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) وہ تخفیف جو ہر امام سے مقتدیوں کے احوال کے پیش نظر مطلوب ہے، یہ تخفیف امام کا وظیفہ ہے امام کو اسی کے مطابق نماز پڑھانا چاہئے۔ (۲) خصوصی احوال کی بنا پر عارض تخفیف اس حدیث سے اسی دوسری قسم کی تخفیف کا جواز معلوم ہوتا ہے، مثلاً اصول تخفیف کی رعایت کے

ساتھ نماز ہو رہی ہے کہ درمیان میں کوئی ایسی بات پیش آ گئی جو خصوصی تخفیف کی طالب ہے تو خصوصی تخفیف کی جائے گی، اس کی مزید صراحت اس روایت سے ہوتی ہے، جس میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے نماز شروع فرمائی اور معمول کے مطابق پہلی رکعت میں ساٹھ آیات پڑھیں، پھر بچے کے رونے کی آواز آئی تو دوسری رکعت میں آپ ﷺ نے صرف تین آیات کی قرأت پر اکتفا کیا، اس حدیث سے خصوصی احوال میں مقتدی کی رعایت کے پیش نظر تخفیف سمجھ میں آتی ہے۔ کیا مقتدی جماعت میں شریک ہو جائے اس غرض سے نماز کو لمبی کرنا درست ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں، اس حدیث سے سمجھ میں آتا ہے کہ عورتیں جماعت میں شریک ہوں۔ مسئلہ کی تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۸۸۸ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۰۶٤ ﴿تخفیف کرکے نماز پڑھانے کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳۱

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْهِمُ السَّقِیْمَ وَالضَّعِیْفَ وَالْکَبِیْرَ وَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْیُطَوِّلْ مَاشَاءَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حواله: بخاری، ص۹۷، ج۱، باب اذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۰۳. مسلم، باب أمر الائمة بتخفیف الصلاة، کتاب الصلاة. حدیث نمبر ٤٦٧.

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہیکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں جب کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسکو چاہئے کہ نماز ہلکی پڑھائے باسوجہ سے کہ مقتدیوں میں بیمار، کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اور جب تم میں سے کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں مقتدیوں کی رعایت کے پیش نظر امام کو تخفیف کی ہدایت دی گئی ہے، لیکن یہ تخفیف ایسی نہ ہو کہ مقدار مسنونہ سے بھی کم ہو جائے، آپ ﷺ کی نماز بہت ہلکی ہوتی تھی، لیکن اس کے باوجود کامل ہوتی تھی، جیسا کہ حدیث نمبر ۱۰۶۲ میں گذرا، جب آدمی تنہا نماز پڑھے، تو اس کو اختیار ہے، جتنی لمبی نماز پڑھنا چاہے پڑھے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا صلی احد کم للناس فلیخفف: امام کو تخفیف کا حکم ہے، تخفیف کا مطلب ہے کہ امام نماز میں مسنون مقدار سے زیادہ قرأت نہ کرے، رکوع وسجود میں امام تین تین تسبیحات سے زائد بلا کراہت پڑھ سکتا ہے، اسی طرح جب مقتدی شوقین ہوں اور کسی کو بیماری یا کمزوری وغیرہ لاحق نہ ہو، تو امام لمبی قرأت بھی کر سکتا ہے۔ فلیطول ماشاء: جب آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو اختیار ہے جتنا چاہے نماز کو طول دے، قرأت بھی لمبی کر سکتا ہے، حدیث باب سے سمجھ میں آرہا ہے کہ مقتدی تنہا ہے تو اس کے لئے نماز کو طول دینا مستحسن عمل ہے، جب کہ ترمذی کے روایت کے الفاظ ہیں "فلیصل کیف شاء" یعنی منفرد جس طرح چاہے نماز پڑھے، یعنی تخفیف وتطویل دونوں کی اس کے لئے اپنی سہولت کے اعتبار سے گنجائش ہے، صحابہ میں سے بعض انفرادی نماز میں اختصار فرماتے تھے، جب کہ بعض طول دیتے تھے، اخلاص کے ساتھ جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے درست ہے، لیکن آج کل کی صورت حال آپ ﷺ کے اس فرمان سے قطعی الگ نظر آتی ہے، جب امامت کا موقع ہاتھ آتا ہے تو اس میں خوب طول طولانی سے کام لیا جاتا ہے، اور جب انفرادی نماز کا موقع آتا ہے تو نہایت عجلت سے کام لیا جاتا ہے، اللہ ہمیں نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق نماز پڑھنے اور پڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حدیث نمبر ۱۰۶۵ ﴿تخفیف نہ کرنیوالے امام پر آپ ﷺ کا غصہ﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳۲

وَعَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْمَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَ تَاَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا یُطِیْلُ بِنَا فَمَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ یَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْکُمْ مُنَفِّرِیْنَ فَاَیُّکُمْ مَا صَلّٰی بِالنَّاسِ فَلْیَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِیْهِمُ الضَّعِیْفَ وَالْکَبِیْرَ وَذَا الْحَاجَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

حوالہ: بخاری، ص ۹۷، ج ۱، باب تخفیف الامام فی القیام، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۰۳. مسلم، ج ۱، باب أمر الائمة بتخفیف الصلاة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ٤٦٦.

ترجمہ: حضرت قیس بن حازم سے روایت ہے کہ مجھ کو ابو مسعودؓ نے بتایا کہ ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں فجر کی نماز میں فلاں شخص کی طویل قرأت کی بنا پر پیچھے رہ جاتا ہوں، ابو مسعودؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی نصیحت کے موقعہ پر اس دن سے زیادہ غصے میں نہیں دیکھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اے لوگو! بلاشبہ تم میں سے بعض لوگ نفرت دلانے والے ہیں، تم میں سے جو شخص لوگوں کی امامت کرے، تو اسکو چاہئے کہ نماز میں تخفیف کرے، کیونکہ اسکے پیچھے کمزور، عمر رسیدہ اور ضرورت مند لوگ ہوتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ امام کو مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے قرأت میں تخفیف کرنا چاہئے، یعنی مسنون، مقدار سے زیادہ لمبی قرأت نہ کرنی چاہئے، لیکن اگر کوئی امام مقتدیوں کی رعایت نہیں کر رہا ہے، اور مقتدی پریشان ہورہے ہیں، تو ان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حکام سے ائمہ کی شکایت کر دیں، اور حکام امام کو مقتدیوں کی رعایت کا خصوصی حکم کریں۔ آپ ﷺ سے شکایت کی گئی تو آپ ﷺ سخت غصہ ہوئے۔

کلمات حدیث کی تشریح إن منکم منفرین: جماعت سے نماز لوگوں کو جمع کرنے کی غرض سے ہے، اب اگر کوئی اتنی طویل قرأت کر رہا ہے کہ لوگ جماعت میں شرکت سے عاجز ہوتے جارہے ہیں، اور جماعت ٹوٹ رہی ہے، تو یہ عمل نہایت غیر مناسب اور جماعت کے مقصد کے خلاف ہے، اسی بناء پر آپؐ کو سخت غصہ آیا، اور آپ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ نفرت دلانے والے ہیں، یعنی اتنی طویل قرأت کرتے ہیں کہ لوگ جماعت سے بیزار ہورہے ہیں، ان کو اپنے عمل کی اصلاح کرنا چاہئے۔

حدیث نمبر ۱۰٦٦ ﴿خطا کار امام کا وبال﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلُّوْنَ لَکُمْ فَاِنْ اَصَابُوْا فَلَکُمْ وَاِنْ اَخْطَأُوْا فَلَکُمْ وَعَلَیْهِمْ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِیْ.

حوالہ: بخاری، ص ۹٦، ج ۱، باب إذا لم یتم الامام واتم من خلفه، کتاب الاذان، حدیث نمبر ٦۹٤.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ائمہ تم کو نماز پڑھائیں گے، پس اگر وہ ٹھیک طور پر نماز پڑھتے ہیں تو تمہارے حق میں نفع کی بات ہے، اور اگر وہ غلطی کرتے ہیں، تو اس میں تمہارا نفع ہے، اور ان کا نقصان ہے۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب ظالم وجابر حکمراں پیدا ہوں اور وہ نماز کو مکمل آداب کی رعایت کے ساتھ نہ پڑھائیں تو تم اپنے طور پر درست نماز ادا کرتے رہو، اور مقتدی ہونے کی حیثیت سے اپنی نمازوں میں کوئی کوتاہی نہ کرنا، ان کے وبال کا اثر تمہارے اوپر نہ آئے گا، تمہاری نماز عنداللہ مقبول ہوگی۔

کلمات حدیث کی تشریح یصلون لکم فان اصابوا فلکم وإن اخطأوا فلکم وعلیهم: امام اگر درست نماز پڑھا رہا ہے تو امام مقتدی دونوں کے حق میں یہ چیز نافع ہے، لیکن اگر امام کی نماز میں کمی ہے تب اسکی خطاء کا وبال امام پر ہوگا مقتدی پر نہ ہوگا، سوال یہ ہے کہ یہاں اصابت اور خطا کا تعلق کس چیز سے ہے؟ ابن بطال نے اصابت اور خطا کو وقت پر محمول کیا ہے کہ اگر یہ لوگ ٹھیک وقت پر نماز پڑھتے ہیں تو آپس تمہارا نفع ہے، اور نقصان کے ذمہ دار وہی ائمہ ہیں، ابن بطال کی وقت پر محمول کرنے کی بات محض ذوق ووجدان کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ روایات میں اسکی صراحت ہے، حضرت قبیصہؓ بن وقاص سے ابوداؤد شریف میں روایت موجود ہے، "تکون علیکم امراء من بعدی یؤخرون الصلاة فهی لکم وهی علیهم فصلو معهم ماصلوا" (کہ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد ایسے امراء ہوں گے جو نماز میں تاخیر کریں گے، پس یہ نماز تمہارے حق میں نفع اور امراء کے حق میں نقصان کا سبب ہوگی) بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ائمہ کی اس تاخیر کا نمازیوں کی نماز پر اثر نہیں پڑیگا، بلکہ اسکا نقصان صرف ائمہ کو پہنچے گا

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۰۶۷ ﴿نماز میں مختصر قرأت کا حکم﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳۴

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ اٰخِرُ مَا عَهِدَ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَمْتَ قَوْمًا فَاَخِفَّ بِهِمُ الصَّلَاةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَايَةٍ لَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ اُمَّ قَوْمَكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ شَيْئًا قَالَ اُدْنُهْ فَاَجْلَسَنِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهٗ فِیْ صَدْرِیْ بَيْنَ ثَدْيَیَّ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَهَا فِیْ ظَهْرِیْ بَيْنَ كَتِفَیَّ ثُمَّ قَالَ اُمَّ قَوْمَكَ فَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الْكَبِيْرَ وَاِنَّ فِيْهِمُ الْمَرِيْضَ وَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَاِنَّ فِيْهِمْ ذَا الْحَاجَةِ فَاِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ وَحْدَهٗ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ.

حواله: مسلم، ص۱۸۸، ج۱، باب امر الائمة بتخفيف الصلاة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۴۶۸.

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو آخری نصیحت فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ جب تم کسی قوم کی امامت کرو تو ان کو ہلکی نماز پڑھاؤ۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے، مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عثمان بن ابی العاصؓ سے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں دل میں کچھ پاتا ہوں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ قریب ہو جاؤ، چنانچہ آپ ﷺ نے مجھ کو اپنے سامنے بٹھالیا، پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر دونوں پستانوں کے درمیان رکھا، پھر کہا کہ گھوم جاؤ، پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کو میری پیٹھ پر میرے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی قوم کی امامت کرو، جو شخص کسی قوم کی امامت کرے تو اس کو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے، اس وجہ سے کہ ان میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں، اور ان میں مریض بھی ہوتے ہیں، اور ان میں کمزور بھی ہوتے ہیں، اور ان میں ضرورت مند بھی ہوتے ہیں، جب تم میں سے کوئی شخص تنہا نماز پڑھے تو وہ جیسے چاہے نماز پڑھے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ امام کو مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھانا چاہئے، چونکہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے ضرورت مند ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، لہٰذا عام حالات میں مقدار مسنون سے زائد قرأت سے امام کو گریز کرنا چاہئے، حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو نبی کریم ﷺ نے امامت کے ساتھ ساتھ نماز ہلکی پڑھانے کا حکم کیا، حضرت ابن ابی العاصؓ نے اپنے دل میں ایک قسم کا ضعف محسوس کیا اور اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا، جس کی برکت سے وہ ضعف جاتا رہا، اس حدیث میں اس بات کی بھی تاکید ہے کہ انفرادی نماز آدمی اپنی مرضی کے مطابق پڑھے، چاہے تو اس میں طویل قرأت وغیرہ کرے، اور چاہے تو مختصر کرے، دونوں طرح کی گنجائش ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح آپ ﷺ نے عثمان بن ابی العاصؓ کو قوم کی امامت کا حکم دیا تو انھوں نے یہ عذر پیش کیا کہ میں اپنے دل میں کچھ پاتا ہوں، علامہ طیبیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان بعض وساوس اور قرآن وحدیث وفقہ کے قلت تحمل کی بنا پر اپنے دل میں ایک قسم کا ضعف محسوس کر رہے تھے، اسی بنا پر اپنے آپ کو امامت کا اہل نہیں سمجھ رہے تھے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے اندر کبر محسوس کر رہے ہوں، بہر حال جو کچھ بھی ہوگا جب آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے وپیٹھ پر پھیرا تو ان کو تقویت حاصل ہوگئی، اور ان کا عذر دور ہوگیا، اور وہ اپنے کو امامت کے لائق محسوس کرنے لگے۔

فاذا صلی احدکم وحده فلیصل کیف شاء: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب آدمی تنہا نماز پڑھے، تو اس

کو اختیار ہے کہ مختصر نماز پڑھے یا طویل نماز پڑھے، بخاری کی روایت گذر چکی ہے جس میں "فلیطول ماشاء" کے الفاظ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنے کی صورت میں طویل نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، احادیث دونوں طرح کی ہیں، اور اسلاف سے دونوں طرح کے عمل ملتے ہیں، لہٰذا اخلاص کے ساتھ جس پہلو کو اختیار کیا جائے درست ہوگا، لیکن آج کل جو صورت حال ہے کہ امام صاحب جماعت کے ساتھ نماز پڑھاتے ہیں تو لمبی نماز پڑھاتے ہیں، ظاہری تمام آداب کی رعایت کرتے ہیں، لیکن جب انفرادی نماز کا موقع آتا ہے تو بے حد عجلت سے کام لیا جاتا ہے، یہ طریقہ قطعاً غیر مناسب ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۶۸ ﴿آپ کی قرأت کی خصوصیت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳۵

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا بِالتَّخْفِيْفِ وَيَؤُمُّنَا بِالصّٰفّٰتِ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

حواله: نسائی، ص ۹۴، ج ۱، باب الرخصة للامام فی التطویل، کتاب الامامة، حدیث نمبر ۸۲۵.

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو تخفیف کا حکم فرماتے تھے، اور خود ہماری امامت فرماتے تھے تو سورۃ "الصافات" پڑھاتے تھے۔ (نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام کو نماز میں تخفیف کرنا چاہئے، یعنی مقدار مسنون سے زائد قرأت کرنے سے گریز کرنا چاہئے، آپ ائمہ کو اس کی سخت تاکید فرماتے تھے، دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ بظاہر اپنے فرمان کے خلاف نماز میں طویل قرأت کرتے تھے، ظاہری طور پر فرمان اور عمل میں تضاد محسوس ہو رہا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی قرأت کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ مختصر وقت میں بہت زیادہ قرأت فرمالیا کرتے تھے، لہٰذا حکم کے مقصد اور عمل دونوں میں منافات نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح **ویؤمنا بالصافات:** تخفیف کے حکم کے باوجود نبی کریم ﷺ طویل قرأت کرتے تھے، اس کی چند وجوہات ہیں۔ (۱) نبی کریم ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ مختصر وقت میں بھی لمبی قرأت ترتیل کے ساتھ فرمالیتے تھے، اس خصوصیت میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ (۲) آپ ﷺ نے یہ کبھی کبھی بیان جواز کیلئے کیا ہے۔ (۳) آپ ﷺ کے طویل قرأت کرنے سے قوم کو اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی، بلکہ آپ ﷺ کی تلاوت سے لوگوں کو لذت ملتی تھی اور کمزور سے کمزور شخص آپ ﷺ کی تلاوت سے اپنے کو توانا محسوس کرتا تھا، اور ہر ایک اس بات کا آرزومند ہوتا تھا کہ پوری عمر آپ ﷺ کے ساتھ رکعت میں شامل رہتے ہوئے گذر جائے، ایسے حالات میں طویل قرأت میں کوئی حرج نہیں، آج بھی اگر کسی امام کے سب مقتدی طویل قرأت کے خواہش مند ہوں، اور ان میں ضعف و اضمحلال نہ ہو، تو طویل قرأت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

باب ما علی المأموم من المتابعة وحكم المسبوق

﴿مقتدی کو امام کی پیروی کرنے اور مسبوق کے حکم کا بیان﴾

اس باب کے تحت جو احادیث ہیں اس میں مقتدیوں کو تاکید ہے کہ وہ امام کی کامل اتباع کریں، امام سے کسی بھی رکن کی ادائیگی میں ہرگز سبقت نہ کریں، کیوں کہ امام کی تقرری کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، ایسے میں اگر کوئی مقتدی امام سے سبقت کر رہا ہے تو مقصد اصلی کو فوت کر رہا ہے، امام کی اتباع کا مطلب ہے کہ جو امام کرے وہی مقتدی کرے اور جو امام پڑھے وہی مقتدی پڑھے، لیکن جب امام **سمع الله لمن حمده** کہے، تو اس وقت مقتدی امام کی اقتدا **ربنا لك الحمد** کہہ کر کرے، اور جب امام قرأت کرے تو مقتدی خاموش رہ کر اقتدا کرے، اور جب **ولا الضالین** امام کہے، تب یہ **آمین** کہے، یہی اقتدا ہے اور جب امام معذوری کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھائے تو جو مقتدی قیام پر قادر ہوں وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں، یہی امام کی اتباع ہے۔ مسبوق کہتے

ہیں جس کی نماز فوت ہوگئی ہو، مسبوق فوت شدہ نماز کس طرح ادا کرے۔

اگر ایک یا دو رکعت فوت ہوئی ہے تو مسبوق ان کو بھری پڑھے گا، یعنی سورۂ فاتحہ اور سورت کے قرأت کے ساتھ رکعت پڑھے گا، اور اگر تین رکعت فوت ہوئی ہیں تو وہ شروع کی دو بھری پڑھے گا، اور تیسری میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے گا، جو شخص امام کی اتباع نہ کرے اس کے حق میں سخت وعیدیں بھی ہیں، تفصیلات احادیث باب کے ذیل میں دیکھی جائیں۔

الفصل الاوّل

حدیث نمبر ۱۰۶۹ ﴿مقتدی کیلئے امام کی اتباع ضروری ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳۶

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّ الْبُخَارِيَّ لَمْ يَذْكُرْ وَإِذَا قَالَ وَلَا الضَّالِّيْنَ.

حواله: بخاری، ص ۱۱۲، ج ۱، باب السجود علی سبعة. کتاب الاذان، حدیث نمبر ۸۱۱، مسلم، ص ۱۸۹، ج ۱، باب متابعة الامام، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۴۷۴.

ترجمه: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ جب "سمع الله لمن حمده" کہتے، تو جب تک آپ ﷺ اپنی پیشانی زمین پر نہیں رکھتے تھے، اس وقت تک کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ نہیں جھکا تا تھا۔ (بخاری ومسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مقتدی کے لئے امام کی اتباع لازم ہے، امام کے کسی رکن کے ادا کرنے سے پہلے مقتدی کے لئے اس رکن کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہونا درست نہیں ہے، نبی کریم ﷺ جب کسی رکن کی ادائیگی کیلئے متوجہ ہوتے تو صحابہ آپ ﷺ کی اتباع کرتے اور آپ ﷺ کے پیچھے اس رکن کو ادا کرتے۔

کلمات حدیث کی تشریح لم یحن أحد مناظھرہ: کوئی ہم میں سے پیٹھ جھکا تا نہیں تھا، مطلب یہ ہے کہ ہم رکوع سے جب قومے میں کھڑے ہوتے، تو اس وقت تک قومے میں ہی رہتے جب تک آقا ﷺ سجدہ میں چلے نہ جاتے آقا ﷺ کے سجدہ میں جانے کے بعد ہم سجدہ میں جاتے تھے، حدیث کے اس جز سے معلوم ہوا کہ مقتدی کیلئے امام کی متابعت ضروری ہے۔

اتباع کی قسمیں

مقتدی کے لئے امام کی متابعت واتباع کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) "مقارنت" اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ نماز کے ارکان ادا کرے، امام رکوع میں جائے، تو مقتدی بھی فوراً رکوع میں جائے، امام سجدہ میں جائے تو مقتدی بھی امام کے ساتھ ہی ساتھ سجدہ میں جائے، اسی طرح دیگر ارکان کا معاملہ ہے، اس اتباع ومتابعت کو مقاربت ومواصلت کہتے ہیں۔ (۲) "معاقبت" اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی امام کے فعل کے بعد متصلاً اس فعل کو ادا کرے، یعنی مقتدی امام کی پیروی اس کے ساتھ نہ کرے، بلکہ قدرتاخیر کے ساتھ کرے، حدیث باب میں جس متابعت کا ذکر ہے یہ وہی دوسری والی متابعت ہے، جس کو متابعت بطریق معاقبت کہتے ہیں، کیونکہ حضرت براءؓ کہہ رہے ہیں کہ ہم لوگ اُس وقت تک سجدہ کے لئے جھکتے نہیں تھے جب تک کہ آپ ﷺ سجدہ میں چلے نہیں جاتے تھے۔

اتباع کی افضل قسم

اتباع کی دو قسمیں گذریں، ان میں افضل کون ہے؟ اس مسئلہ میں امام صاحب وصاحبینؒ کا اختلاف ہے۔

امام صاحب کی رائے امام صاحب کے نزدیک مقارنت افضل ہے، امام صاحب کی دلیل آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "انما جعل الامام لیؤتم به" حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ مطلقاً امام کی اتباع واجب ہے، اور چونکہ مقارنت کی صورت میں اتباع کامل ومکمل ہوتی ہے، لہٰذا متابعت بطریق مقارنت افضل ہے۔

صاحبین کی رائے: صاحبین کے نزدیک متابعت بطریق معاقبت افضل ہے، صاحبین کا مستدل ابوداؤد کی یہ حدیث ہے "فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَلَا تُكَبِّرُوْا حَتّٰى يُكَبِّرَ وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَلَا تَرْكَعُوْا حَتّٰى يَرْكَعَ الخ" حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو اس بات کا حکم ہے کہ امام کے فعل کے بعد متصلاً اس فعل کو ادا کریں، اور اسی کا نام متابعت بطریق معاقبت ہے، صاحبین کے قول میں زیادہ احتیاط ہے، اسی بناپر بعض متاخرین نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے، کیوں کہ مقارنت میں اس بات کا امکان ہے کہ کہیں امام پر مقتدی کی سبقت نہ ہو جائے اور امام پر سبقت تو ممنوع ہے، ملا علی قاریؒ نے اس موقع پر یہ بات نقل کی ہے، حنفیہ کے نزدیک مقارنت لازم ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے، اصل میں متابعت لازم ہے اور مقارنت میں افضلیت وغیر افضلیت کا اختلاف ہے، جو کہ گذرا، تفصیل کے لئے مرقات اور اعلاء السنن دیکھی جاسکتی ہے۔

حتی یضع النبی صلی اللہ علیه وسلم جبهته: حدیث کے اس جز میں یہ بات ہے کہ آپ ﷺ جب سجدہ میں پیشانی رکھ دیتے تھے، تب ہم لوگ سجدہ کیلئے جھکتے تھے، یہاں لفظ "جبهته" مذکور ہے، لیکن یہ سجدہ سے کنایہ ہے، اور سجدہ سے کنایہ کا مطلب یہ ہوا کہ جب آپ ﷺ اعضاء سبعہ کو زمین پر رکھ دیتے تب ہم سجدہ میں جاتے تھے، سجدہ میں صرف پیشانی رکھنا کافی نہیں ہے، بلکہ سات ہڈیوں کو سجدہ میں رکھنا ہے، بخاری میں روایت ہے "أُمِرْنَا أَنْ نَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ" آپ ﷺ کو یہ حکم تھا کہ سات اعضاء پر سجدہ کریں، بخاری کی دوسری حدیث میں ان سات اعضاء کی یوں صراحت ہے، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ نَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَأَشَارَ بِيَدِهٖ عَلٰى أَنْفِهٖ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ. (حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پیشانی پر اور آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ناک پر، دونوں ہاتھوں پر، دونوں گھٹنوں پر، اور دونوں پیروں کی انگلیوں پر پھیرا) خلاصہ یہ ہے کہ یہاں "جبهته" سے سجدہ مراد ہے، اور سجدہ سات ہڈیوں پر ہوتا ہے، لیکن اسکے باوجود خاص طور پر "جبهة" کا ذکر اس بات کیطرف اشارہ ضرور کرتا ہے کہ سجدہ کا دارو مدار پیشانی پر ہے، پیشانی سے شرعاً کیا مراد ہے؟ اسکی وضاحت بھی حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث سے ہوگئی جسکو میں نے سطور بالا میں نقل کیا، سجدہ میں پیشانی کو پوری طرح زمین پر رکھنے کیلئے ناک کا رکھنا بھی ضروری ہوگا، لہٰذا سجدہ میں ناک کا رکھنا ضروری ہے، چنانچہ اگر کوئی مجبوری نہیں ہے، تب سجدہ میں دونوں چیزوں کا رکھنا مطلوب ہے، اور مجبوری میں ایک پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۷۰ ﴿مقتدی کو امام کی اتباع کا حکم ہے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳۷

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ إِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِيْ بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْإِنْصِرَافِ فَإِنِّيْ أَرَاكُمْ أَمَامِيْ وَمِنْ خَلْفِيْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

حواله: مسلم، ص ۱۸۹، ج ۱، باب تحریم سبق الامام برکوع اوسجود اونحوها، کتاب، الصلاة، حدیث نمبر ۴۲۶.

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہم کو نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور کہا کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تمہارا امام ہوں، تم مجھ سے رکوع میں سبقت نہ کرو، اور نہ سجدہ مجھ سے پہلے کرو، نہ مجھ سے پہلے کھڑے ہو، اور نہ مجھ سے پہلے سلام پھیرو، بے شک میں تم کو سامنے سے بھی دیکھتا ہوں، اور میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے

سے بھی دیکھتا ہوں۔ (مسلم)

خلاصۂ حدیث چونکہ مقتدی کے لئے امام کی متابعت لازم ہے، اس لئے آپ ﷺ نے صراحتاً متابعت کا حکم دیا، اور فرمایا کہ دیکھو نماز کے کسی عمل میں امام سے آگے نہ بڑھو، جو عمل امام کرے تم اس عمل کو امام کے بعد انجام دو۔

کلمات حدیث کی تشریح فلا تسبقونی بالرکوع: آپ ﷺ نے رکوع، سجدہ، قیام اور سلام میں وضاحت کے ساتھ امام سے سبقت کرنے سے منع فرمایا ہے، اصل بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے "انما جعل الامام لیؤتم به" امام بنایا ہی اسی لئے جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب امام بنانے کا مقصد یہ ہے تو اب مقتدی کو امام سے کسی چیز میں آگے نہیں بڑھنا ہے، لیکن اگر وہ آگے بڑھ گیا تب کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ یہاں تین چیزیں ہیں۔ (۱) تحریمہ (۲) سلام (۳) بقیہ نماز کے ارکان رکوع سجدہ وغیرہ، اگر مقتدی تحریمہ میں امام پر سبقت کر رہا ہے تو اس کی نماز چاروں اماموں کے نزدیک فاسد ہے، سلام میں مقتدی کا تقدم ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مفسد صلاۃ ہے، حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، دیگر ارکان میں تقدم ائمہ اربعہ کے نزدیک مفسد صلاۃ نہیں ہے، البتہ مکروہ تحریمی سب کے نزدیک ہے۔ فانی اراکم: آپ ﷺ کا یہ معجزہ تھا کہ آپ ﷺ پشت کی جانب سے بھی دیکھ لیا کرتے تھے، تحقیق کیلئے حدیث نمبر ۷۵۶ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۰۷۱ ﴿امام پر سبقت کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳۸

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ اِلَّا اَنَّ الْبُخَارِیَّ لَمْ یَذْكُرْ وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ.

حواله: بخاری، ص ۱۰۹، ج ۱، باب فضل اللهم ربنا لك الحمد، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۹۶. مسلم، ص ۱۷۷، ج ۱، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۴۱۵.

ترجمه: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "امام سے سبقت مت کرو، جب امام تکبیر تحریمہ کہے تو تم تکبیر کہو، اور جب امام "ولا الضالین" کہے تو تم لوگ آمین کہو، اور جب امام رکوع کرے تو تم لوگ رکوع میں جاؤ، اور جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم لوگ "اللهم ربنا لك الحمد" کہو۔ (بخاری و مسلم) بخاریؒ نے "اذا قال و لاالضالین" کے الفاظ ذکر نہیں کیے ہیں۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ مقتدی کے لئے امام کی متابعت لازم ہے، اور امام پر سبقت کی ممانعت ہے، مقتدی کو امام کی نماز کے افعال میں بھی اقتدا کرنا ہے، اور اقوال میں بھی اقتدا کرنا ہے، لیکن افعال اور اقوال میں تھوڑا فرق ہے، اس فرق کی حدیث میں وضاحت ہو رہی ہے، افعال میں تو یہ حکم ہے کہ رکوع سجدہ وغیرہ میں امام کے ساتھ رہو، اس سے آگے مت بڑھو، اقوال کے بارے میں حکم یہ ہے کہ امام قرأت کرے تو مقتدی خاموش رہیں، یعنی امام کی اقتدا کا قرأت میں یہی طریقہ ہے، کہ مقتدی خاموش رہے، اور جب امام "ولا الضالین" کہے تو اب اقتدا یہ ہے کہ مقتدی آمین کہے، اس طرح امام جب "سمع الله الخ" کہے تو اب مقتدی امام کی اقتدا یوں کرے کہ وہ "اللهم ربنا لك الحمد" کہے۔

کلمات حدیث کی تشریح لا تبادروا الامام: مقتدی کو امام سے سبقت کرنے کی ممانعت ہے، مقتدی امام کی متابعت کرے، متابعت سے کونسی متابعت مراد ہے؟ "متابعت بطریق مقارنت یا متابعت بطریق معاقبت" اس کی تفصیل کیلئے حدیث نمبر ۱۰۶۹ دیکھیں۔ اگر مقتدی امام سے آگے بڑھ جائے تو کیا حکم ہے؟ اس کیلئے حدیث نمبر ۱۰۷۰ دیکھیں، مقتدی حضرات کو آمین کہنے کا حکم ہے سراً آمین کہیں یا جہراً؟ اس کے لئے حدیث نمبر ۷۲۹ دیکھیں۔ ربنالك الحمد: حدیث کے اس جزء سے معلوم

ہوا کہ امام اور مقتدی کے ذکر میں تقسیم ہے، جو امام کو کہنا ہے وہ مقتدی نہ کہے، اور جو مقتدی کہے وہ امام نہ کہے، امام جب "سمع اللہ الخ" کہے گا تب مقتدی "ربنا لك الحمد" کہے گا، اگر اب امام مقتدی کے بعد یہی کلمات "ربنا لك الحمد" کہتا ہے تو وہ مقتدیوں سے مؤخر ہو جائے گا۔ اور امام کا مقتدیوں سے مؤخر ہونا یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ مقتدیوں کے لئے سبقت کی ممانعت ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۷۲ ﴿معذور شخص کی اقتداء﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۳۹

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْاَيْمَنُ فَصَلّٰى صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُوْدًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا صَلّٰى قَائِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَّاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ قَوْلُهٗ اِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا هُوَ فِيْ مَرَضِهِ الْقَدِيْمِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهٗ قِيَامٌ لَمْ يَاْمُرْهُمْ بِالْقُعُوْدِ وَاِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ اِلٰى اَجْمَعُوْنَ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا۔

حوالہ: بخاری، ص ۹۶، ج ۱، باب انما جعل الامام ليؤتم به. كتاب الاذان، حديث نمبر ۶۸۹، مسلم، ص ۱۷۷، ج ۱، باب ائتمام المأموم بالامام، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۴۱۱.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے، پس آپ ﷺ گھوڑے پر سے گر پڑے، آپ ﷺ کی داہنی کروٹ چھل گئی، تو آپ ﷺ نے نمازوں میں سے کوئی نماز بیٹھ کر پڑھی، ہم نے بیٹھ کر آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ امام کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ رکوع سے اٹھے تو تم بھی رکوع سے اٹھو، جب وہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے تو تم "ربنا لك الحمد" کہو اور جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، حمیدی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ "اذا صلی جالساً" (امام جب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو) آپ ﷺ کی پہلی بیماری کے موقع پر تھا، اس کے بعد (مرض الوفات میں) آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، اور آپ ﷺ نے ان کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا، اور آپ ﷺ کے اسی فعل پر عمل کیا جاتا ہے، جو آپ ﷺ کے اخری فعل ہے، یہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسلم نے بخاری کے ساتھ لفظ "اجمعون" تک اتفاق کیا ہے، اور ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے، "فلا تختلفوا الخ" امام کی مخالفت نہ کرو، امام جب سجدہ کرے تم لوگ بھی کرو۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اس بات کی تاکید ہے کہ امام کی مکمل طور پر اقتدا کی جائے، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ امام اگر کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہے تو ان لوگوں کی اس کے پیچھے نماز درست ہو جائے گی، جو کہ قیام پر قادر نہیں، البتہ جو لوگ قادر ہیں وہ "قاعد" یعنی بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں یا بیٹھ کر نماز پڑھیں، یہ بات طلب حل ہے۔ حدیث باب سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے شروع میں تو اسی بات کی تاکید فرمائی تھیں کہ قاعد امام کے پیچھے مقتدی حضرات بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا، چنانچہ وفات سے ایک روز قبل آپ ﷺ نے اپنی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور حضرات صحابہ کرامؓ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ اب یہی حکم ہے، کہ اگر امام کسی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہے جو لوگ قیام پر قادر ہیں وہ کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھیں۔

کلمات حدیث کی تشریح رکب فرسا فصرع عنه: آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تھے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کا داہنا پہلو زخمی ہوگیا اسی بنا پر آپ کھڑے ہوکر امامت کرنے سے قاصر ہوگئے، چنانچہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی، یہ واقعہ سن ۵ھ کا ہے۔

مسئلہ: اقتداء القائم خلف القاعد

اس مسئلہ سے پہلے یہ بات سمجھنا چاہئے کہ ایک شخص کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہا ہے، اور مقتدی عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے یہ بالاتفاق درست ہے، اسی طرح فرض نماز بلا عذر کے بیٹھ کر پڑھنا نہ امام کیلئے جائز ہے، نہ مقتدی کیلئے جائز ہے، یہ بھی متفقہ مسئلہ ہے۔

اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو وہ شخص جو قیام پر قادر ہے اس کی اقتدا کرے یا نہ کرے، اور اگر کرے تو بیٹھ کر نماز پڑھے یا کھڑے ہوکر نماز پڑھے، اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام مالکؒ کا مسئلہ: امام مالکؒ کے نزدیک غیر معذور شخص کے لئے قاعد امام کی اقتدا درست نہیں ہے، اگر قائم امام ملے تو اس کی اقتدا میں نماز پڑھے، اور اگر نہ ملے تو منفرداً نماز پڑھے۔

دلیل: آپ ﷺ کا فرمان ہے "لَا يَؤُمَّنَّ رَجُلٌ بَعْدِيْ جَالِساً" (مصنف عبدالرزاق) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاعد امام کی امامت ہی درست نہیں ہے۔ (۲) قیام رکن ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وقوموا للّٰه قانتين" لہٰذا مقتدیوں کا بلا عذر قیام ترک کرنا درست نہ ہوگا۔

امام احمدؒ کا مذہب: قاعد امام کے پیچھے حالت قعود یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنا ضروری ہے، مطلب یہ ہے کہ مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں، البتہ اگر امام کو قعود درمیان میں لاحق ہوا ہے، تو مقتدی حضرات کھڑے ہوکر بھی اقتدا کر سکتے ہیں۔

دلیل: امام احمدؒ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں صحابہ نے آپ ﷺ کے پیچھے اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھی، جب آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور مرض الوفات میں صحابہؓ نے آپ ﷺ کے بیٹھ کر نماز پڑھانے کے باوجود کھڑے ہوکر نماز پڑھی، وہ اس لئے کہ قعود درمیان میں لاحق ہوا تھا، کیونکہ پہلے صدیق اکبرؓ نماز پڑھا رہے تھے اور آپ ﷺ نے اثناء صلاۃ میں بیٹھ کر امامت شروع کی تھی، لہٰذا صحابہ نے چونکہ نماز کی شروعات کھڑے ہوکر کی تھی، اور قعودِ امام درمیان میں لاحق ہوا تھا، لہٰذا نماز کی تکمیل کھڑے ہوکر کی۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب و امام شافعیؒ کے نزدیک قاعد امام کی اقتداء درست ہے، لیکن مقتدی حضرات اگر قیام پر قادر ہیں تو ان کے لئے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ضروری ہے۔

دلیل: وقوموا لِلّٰه قانتين. اللہ تعالیٰ نے مطلقاً قیام کو فرض کیا، لہٰذا جو مقتدی قیام پر قادر ہیں وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھیں گے اگر چہ امام بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو۔ (۲) آپ ﷺ نے مرض الوفات میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور حضرات صحابہ نے کھڑے ہوکر نماز پڑھی۔

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب: (۱) امام مالکؒ کی طرف سے جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ حدیث ضعیف ہے، کیوں کہ اس کی سند میں راوی جابر جعفی ہے جو کہ ضعیف ہے، نیز یہ حدیث مرسل بھی ہے۔ (۲) قیام فرض ہے، لیکن کبھی کبھی ساقط ہو جاتا ہے، جیسا کہ جو شخص رکوع میں شریک ہوا، اس کو رکعت پانے والا شمار کیا جاتا ہے، اگر چہ اس کا قیام فوت ہوگیا ہے، ایسا ہی یہاں بھی ہے، کہ معذور سے قیام ساقط ہوگیا، لہٰذا اس کی اقتدا درست ہے، البتہ اقتدا کرنے والے چونکہ قیام پر قادر ہیں، اس لئے وہ کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھیں گے۔

امام احمدؒ کی دلیل کا جواب: (۱) حدیث الباب کا واقعہ جس سے قادر علی القیام کا بیٹھ کر نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے ۵ھ کا ہے یہ حکم مرض الوفات کے واقعہ سے منسوخ ہے، اس جواب کو صاحب مشکوٰۃ نے حمیدی کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے۔ (۲) آپ ﷺ

اگر بیٹھ کر نماز پڑھاتے تو اقتدا کرنے والے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے تھے، یعنی یہ حکم آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ ابوعروہؒ نقل کرتے ہیں کہ "بَلَغَنِيْ أَنَّهُ لَا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَؤُمَّ قَاعِداً لِغَيْرِهِمْ"(مزید تحقیق کے لئے بذل المجہود اور اعلاء السنن دیکھی جائیں۔)

حدیث نمبر ۱۰۷۳ ﴿آپ کا بیٹھ کر امامت کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴۰

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ اَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْبَكْرٍ حِسَّهٗ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَاَوْمَأَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا يَتَاَخَّرَ فَجَآءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ قَائِمًا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَاعِدًا يَقْتَدِيْ اَبُوْبَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يَقْتَدُوْنَ بِصَلَاةِ اَبِيْ بَكْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا يُسْمِعُ اَبُوْبَكْرٍ النَّاسَ التَّكْبِيْرَ.

حواله: بخاری، ص۹۵، ج۱، باب انما جعل الامام لیؤتم به، کتاب الاذان، حدیث نمبر ٦٨٧. مسلم، ص ۱۷۷ - ۱۷۸، ج۱، باب استخلاف الإمام الخ، کتاب الصلوة، حدیث نمبر٤١٨.

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ بہت بیمار تھے، تو حضرت بلالؓ آپ ﷺ کو نماز کے بارے میں بتانے آئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ ان دنوں میں حضرت ابوبکرؓ نے نمازیں پڑھائیں، پھر جب آپ ﷺ نے اپنے آپ کو کچھ ہلکا محسوس کیا تو آپ ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لیکر اس حال میں چلے کہ آپ ﷺ کے پیر زمین میں گھسٹے جاتے تھے، آپ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی آمد کی آہٹ محسوس کرلی، چنانچہ وہ پیچھے ہٹنے لگے، آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ پیچھے نہ ہٹیں۔ پھر آپ ﷺ بڑھے اور حضرت ابوبکرؓ کے بائیں طرف بیٹھ گئے، چنانچہ حضرت ابوبکر کھڑے ہوکر نماز پڑھتے رہے، اور آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے رہے، حضرت ابوبکرؓ آپ کی اقتدا کرتے اور لوگ حضرت ابوبکر کی اقتدا کرتے۔ (بخاری ومسلم) ان دونوں کی ایک روایت میں ہیں "یسمع ابو بکر الخ" حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو تکبیر سناتے تھے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے درج ذیل باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ (۱) حضور ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز کا امام متعین کیا، جوکہ امامت صغریٰ ہے، اس سے اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہی امامت کبریٰ یعنی خلافت کے بھی مستحق تھے۔ (۲) حضرت نبی پاک ﷺ کی آمد کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے امامت ترک کردی، اور نبی کریم ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ چونکہ بیٹھنے کی وجہ سے مقتدیوں سے آپ ﷺ کے احوال مخفی تھے۔ لہٰذا حضرت ابوبکرؓ نے تکبیر وغیرہ کے فرائض انجام دیئے۔ (۳) صدیق اکبرؓ بیماری کے عالم میں مسلسل نماز پڑھاتے رہے لیکن جب کبھی آپ ﷺ کو افاقہ ہوتا تو آپ ﷺ تشریف لاتے، اس وقت آپ ﷺ ہی امامت فرماتے تھے، اور صدیق اکبرؓ آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔

کلمات حدیث کی تشریح مروا ابابکر ان یصلی بالناس: حضرت محمد ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ ابوبکرؓ کو اپنا امام بنائیں، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ لوگ حضور ﷺ کے بعد ابوبکرؓ کو حضور کا خلیفہ بنائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضور کی بیماری کے دنوں میں سترہ نماز پڑھائیں۔ ثم ان النبی صلی الله علیه وسلم وجد فی نفسه خفة: حضرت نبی پاک ﷺ جب اپنے مرض میں کچھ خفت محسوس کرتے تو مسجد میں تشریف لاتے اور پھر خود امامت فرماتے، اس مدت کے دوران آپ ﷺ چار مرتبہ مسجد میں تشریف لائیں ہیں۔ (۱) حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے تشریف لاتے ہیں

اسی موقع پر حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کرا چکے تھے، یہی وہ موقع ہے جس کا ذکر حدیث باب میں ہے۔(۲) نماز مغرب میں تشریف لائے، سر مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۃ المرسلات تلاوت فرمائی۔(۳) حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔(۴) آخری مرتبہ وفات کے دن حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر جماعت کا حال ملاحظہ فرمایا، یہیں سے وہ اشکال بھی دور ہوگیا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر امام تھے، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ امام تھے، اشکال یوں دور ہوا کہ واقعات کا تعدد ہے، حدیث باب اس واقعہ سے متعلق ہے کہ آپ ﷺ امام تھے، اور ابوبکرؓ مقتدی، اور دوسرے موقع پر مرض الوفات ہی میں آپ ﷺ نے ابوبکر کی اقتدا کی تھی۔ **یسمع ابوبکر:** یہیں سے معلوم ہوا کہ اگر بڑا مجمع ہے، امام کی آواز لوگوں تک نہیں پہنچ پارہی ہے تو مؤذن ومکبر کے لئے گنجائش ہے کہ وہ لوگوں تک امام کی آواز پہنچائیں۔

حدیث نمبر ۱۰۷۴ ﴿امام پر سبقت کرنیوالے کے حق میں سخت وعید﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴۱

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا يَخْشَى الَّذِيْ يَرْفَعُ رَاْسَهُ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَاْسَهُ رَاْسَ حِمَارٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص ۹۶، ج ۱، باب أثم من رفع رأسه قبل الامام، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۶۹۱، مسلم، ص ۱۸۱، ج ۲، باب تحریم سبق الامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۲۷.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہ شخص جو امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے، اس بات سے نہیں ڈرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے جیسا کردیں۔ (بخاری)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اس شخص کے لئے وعید ہے جو نماز میں عجلت سے کام لیتا ہے، اور امام سے پہلے ہی ارکان سے فراغت کی کوشش کرتا ہے، ابھی امام نے رکوع سے سر اٹھایا نہیں کہ آنجناب سر اٹھا چکے، اسی طرح امام ابھی سجدہ سے فارغ بھی نہ ہوا کہ یہ صاحب اپنا سر اٹھا چکے ہیں، ایسے شخص کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر کی طرح کردیں۔

کلمات حدیث کی تشریح **اما یخشی الذی یرفع رأسه قبل الامام:** مقتدی کا امام سے پہلے سر اٹھانا ممنوع ہے، سر اٹھانے کی ضرورت رکوع اور سجدہ کے بعد ہوتی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص رکوع یا سجدہ میں امام کے سر اٹھانے سے پہلے سر اٹھاتا ہے تو وہ سخت گناہ گار ہے۔

سوال: امام کے سر اٹھانے سے پہلے سر اٹھانا ممنوع ہے، لیکن اگر کسی نے ایسا کیا تو کیا اس کی نماز فاسد ہوگی؟

جواب: ظواہر نماز کے فاسد ہونے کے قائل ہیں، لیکن جمہور علماء وائمہ اس بات کے قائل ہیں کہ سر اٹھانے سے پہلے مقتدی کا سر اٹھانا گناہ کبیرہ ہے، اور اس پر سخت وعید ہے، لیکن یہ مفسدِ صلاۃ نہیں ہے۔

وعید: حقیقت یا مجاز؟

اس شخص سے بڑا احمق کون ہوگا جو ایک طرف امام کی اقتدا کی نیت سے جماعت میں شریک ہو، پھر رکوع اور سجود وغیرہ میں امام سے پہلے فراغت کی کوشش کرے ظاہر بات ہے کہ یہ نہایت 'حمقانہ فعل ہے، کیونکہ مقتدی امام سے پہلے سلام پھیر نہیں سکتا، پھر اس کی عجلت سے کیا فائدہ؟ اسی بنا پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے قبیح فعل کا مرتکب کیا اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اس کا سر مسخ کر کے گدھے کی سر کی طرح کردیا جائے؟ آپ ﷺ نے جو وعید ذکر فرمائی ہے حقیقت پر محمول ہے، یا مجاز پر؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ امت پر مسخ کا عذاب ممکن نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ کی برکت سے اس امت سے صورتوں کے مسخ کئے جانے کا عذاب موقوف کردیا گیا ہے، لہٰذا مسخ سے

مجازی مسخ مراد ہے، اور مجاز مراد لینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح گدھا حماقت میں مشہور ہے اسی طرح اس کو احمق و بے وقوف بنادیا جائے گا، چوں کہ اس شخص نے امام اور مقتدی کے حقوق سے نظریں چرائیں، اس لئے اس کو گدھے کے مانند کہا گیا ہے۔ جیسا کہ توریت سے استفادہ نہ کرنے والے بنی اسرائیلوں کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے "مثل الذین حملو التوراة ثم لم یحملوها کمثل الحمار" جن لوگوں پر تورات کی ذمہ داری کا بوجھ ڈالا گیا پھر انہوں نے اس ذمہ داری کو ادا نہ کیا تو وہ گدھے کے مانند ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں مسخ سے حقیقی مسخ مراد ہے، جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت بھی ہے کہ "ان یحول اللہ صورته صورة حمار" حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہاں مسخ حقیقی مراد ہے، اور جہاں تک اس امت سے مسخ کے عذاب کا موقوف ہونا ہے، تو اس کا تعلق عمومی مسخ سے ہے، یعنی عمومی طور پر امت مسخ کے عذاب سے دوچار نہ ہوگی، لیکن خصوصی مسخ اس امت کے افراد کے لئے بھی ممکن ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کے معنی حقیقی پر محمول ہونے کی تائید میں ایک حکایت نقل کی ہے، جس کو ملا علی قاریؒ نے بھی ذکر کیا ہے، کہ ایک محدث دمشق کے ایک مشہور محدث کے پاس علم حدیث حاصل کرنے کے لئے تشریف لئے گئے، کافی دنوں تک وہاں علم حاصل کرتے رہے، لیکن اس پورے عرصہ میں استاذ و شاگرد کے درمیان ایک پردہ حائل رہا، جس کی بنا پر شاگرد اپنے شیخ کا چہرہ نہیں دیکھ سکے، جب شیخ نے محسوس کرلیا کہ یہ علم حدیث کے بہت ہی حریص ہیں تو انھوں نے پردہ ہٹادیا، اور شاگرد کو اپنا چہرہ دکھایا، شیخ کا چہرہ بالکل گدھے کے چہرے کی طرح تھا، پھر شیخ نے اپنے شاگرد کو نصیحت کی، دیکھو کبھی بھی امام پر سبقت مت کرنا، میں حدیث باب کو بعید از وقوع سمجھتا تھا، چنانچہ میں نے امام پر سبقت کی، جس کے نتیجہ میں میرا چہرہ مسخ ہوگیا۔ علامہ سندھیؒ کا اس حدیث کی توجیہ میں قول ہے، کہ حدیث میں اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے، وہ حماقت میں تو گدھے کی طرح ہے ہی، اب اگر وہ اسی طرح امام کی مخالفت کرتا رہا تو اسکے بارے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ صورت میں بھی گدھے کی طرح ہوجائے، خلاصہ کلام یہ ہیکہ امام سے پہلے سر اٹھانے والے کو ہرگز بے خوف نہ ہونا چاہئے، ایسے قبیح فعل کی سزا ہی ہے، جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، اب یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس خطرناک عذاب سے عام طور سے بچادیتے ہیں۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۰۷۵ ﴿مقتدی امام کے ساتھ شریک ہو﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴۲

عَنْ عَلِيٍّ وَّمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حوالہ: ترمذی، ص ۱۳۰، ج ۱، باب ما ذکر فی الرجل یدرك الامام الخ، ابواب السفر، حدیث نمبر ۱۱۴۲.

ترجمہ: حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ دونوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے اس حال میں آئے کہ امام کسی رکن میں ہو، تو اس آنے والے کو چاہئے کہ وہی کرے جو امام کر رہا ہے۔ (ترمذی) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

خلاصۂ حدیث عام طور پر لوگ جب امام کو قیام یا رکوع میں پاتے ہیں تو رکعت میں شامل ہوتے ہیں، لیکن اگر امام سجدے میں ہے تو کھڑے رہتے ہیں کہ اب رکعت تو چھوٹ گئی، امام کے ساتھ سجدہ کرنے سے کیا فائدہ؟ چنانچہ جب امام سجدہ کے مابعد والی رکعت میں کھڑا ہوتا ہے تو لوگ امام کے ساتھ شامل ہوتے ہیں، اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ آنے والے کو امام کا دوسری رکعت میں کھڑے ہونے کا انتظار نہ کرنا چاہئے، بلکہ امام کو جس رکن میں بھی پایا جائے اسی رکن میں شریک ہوجائے۔

کلمات حدیث کی تشریح والامام علی حال: امام جب سجدہ میں چلا گیا تو بلا شبہ رکعت فوت ہوگئی، لیکن اگر آنے والا امام کے ساتھ شریک ہوگا تو یہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا، ممکن ہے کہ سجدہ میں جو لوگ شریک ہیں، ان کی مغفرت کردی جائے، اور یہ شخص انتظار ہی کرتا رہ جائے، علاوہ ازیں امام جس رکن میں شریک ہوگا، تو وہیں سے ثواب بھی شروع ہو جائے گا، لہٰذا یہ شرکت رائیگاں نہیں جائے گی۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے، لیکن اہل علم کے نزدیک یہ حدیث قابلِ استدلال ہے، اور اس پر ان کا عمل بھی ہے۔ (مرقات ص ۹۸ ج ۳)

حدیث نمبر ۱۰۷۶ ﴿مقتدی کا امام کو سجدہ میں پانا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴۳

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهُ شَیْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص ۱۲۹، ج ۱، باب فی الرجل یدرك الامام ساجدًا كیف یصنع، كتاب الصلاة، حدیث نمبر ۸۹۳

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم لوگ مسجد میں آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں گے تو تم لوگ بھی سجدہ میں چلے جاؤ، اور اس سجدہ کو کچھ نہ شمار کرو، جس شخص نے ایک رکعت پالی اس نے درحقیقت نماز پالی۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں دو باتیں خاص طور پر مذکور ہیں۔ (۱) امام کو مقتدی جس حالت میں پائے اسی حالت میں امام کی اقتدا کرے، اگر امام سجدہ میں ہے تو سجدہ کو خالی از فائدہ سمجھ کر اس میں شرکت سے گریز نہ کرنا چاہئے، بلکہ اگر امام سجدہ میں ہے تو آنے والا سجدہ میں ہی شریک ہو۔ (۲) لیکن سجدہ میں شرکت سے یہ خیال نہ ہو کہ رکعت مل گئی، جس نے ایک رکعت پالی تو اس کو باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل ہوگئی۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا جئتم الی الصلاة: جماعت میں شرکت کی غرض سے آنے والا امام کو سجدہ میں پاکر امام کے قیام کا انتظار نہ کرے، بلکہ سجدہ ہی میں امام کے ساتھ شرکت کرے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے بعض لوگوں سے نقل کیا ہے کہ "لَعَلَّهٗ لَا یَرْفَعُ رَأْسَهٗ مِنْ تِلْكَ السَّجْدَةِ حَتّٰی یُغْفَرَ لَهٗ" مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہی سجدہ مغفرت کا سبب بن جائے۔ ولا تعدوه شیئا: حدیث کے اس جز کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ میں شریک ہونے والا یہ خیال نہ کرے کہ اس کو رکعت مل گئی ہے، بلکہ اس سجدہ کو زائد خیال کرے، اس کے ملنے کی وجہ سے نماز میں تخفیف نہ ہوگی۔ ومن ادرك ركعة: جس نے رکعت پالی، رکعت کے دو معنی ہیں۔ (۱) رکوع اس معنی کے مراد لینے میں "الصلاة" کے معنی رکعت کے ہوں گے، اور مطلب یہ ہوگا کہ جس کو رکوع مل گیا اس کو رکعت پانے والا شمار کیا جائے گا۔ (۲) ركعةً سے مراد نماز کی ایک رکعت ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ جس کو نماز کی ایک رکعت مل گئی اس کو جماعت ملنے والا شمار کیا جائے گا، اور اس کو باجماعت پڑھنے کا ثواب ملے گا۔

حدیث نمبر ۱۰۷۷ ﴿چالیس دن با جماعت نماز پڑھنیوالے کو بشارت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴۴

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی لِلّٰهِ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَةٍ یُدْرِكُ التَّكْبِیْرَةَ الْاُوْلٰی كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ.

حوالہ: ترمذی، ص ۵۶، ج ۱، باب ما جاء فی فضل التكبیرة الاولی، كتاب الصلاة، حدیث نمبر ۲۴۱.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص نے چالیس دن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس طور پر نماز پڑھی کہ اس کو تکبیر اولیٰ بھی ملتی رہی تو اس کے لئے دو نجاتیں لکھ دی جاتی ہیں۔ (۱) جہنم کی آگ سے نجات (۲) نفاق سے نجات۔ (ترمذی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور تکبیر اولیٰ ہی سے شریک رہتا ہے، اور چالیس دن تک اس عمل پر مواظبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو ایسے اعمال سے دنیا میں محفوظ رکھتے ہیں جو منافقانہ اعمال ہیں، اور آخرت میں اس کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھیں گے۔

کلمات حدیث کی تشریح **یدرك التكبيرة الاولى**: جو شخص امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہوا اور اس نے امام کی تکبیر کے ساتھ متصلا تکبیر کہی تو اس کو تکبیر اولیٰ پانے والا حقیقتا کہا جائے گا، علماء نے لکھا ہے کہ امام کے دعاء استفتاح پڑھنے میں جو شخص شریک ہو گیا وہ بھی تکبیر اولیٰ حقیقتاً پانے والا ہے، اور جو شخص پہلی رکعت میں رکوع سے پہلے شامل ہوا وہ حکماً تکبیر اولیٰ پانے والا ہے، **كتب له براتئان**: پورا سوا مہینے با جماعت نماز پڑھنے کی فضیلت یہ ہے کہ اس کیلئے دو نجاتیں مقدر کر دی جاتی ہیں (۱) نفاق سے یہ شخص محفوظ رہتا ہے، یعنی منافقوں کے کام مثلاً جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی وغیرہ سے من جانب اللہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ (۲) اس عذاب سے محفوظ رہے گا جو منافقوں کیلئے ہے، کیونکہ اسکے حق میں گواہی دی جائے گی کہ یہ منافق نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۷۸ ﴿جماعت سے نماز پڑھنے کی نیت سے مسجد آنیوالا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴۵

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ.

حواله: ابوداؤد، ص ۸۳، ج ۱، باب فیمن خرج یرید الصلاة الخ، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۵۶۴، نسائی، ص ۹۸، ج ۱، باب حد ادراك الجماعة، کتاب الامامة، حدیث نمبر ۸۵۴.

ترجمه: حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا، پھر وہ مسجد پہنچا تو لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس شخص کے مانند اجر عطا کرتے ہیں جس نے جماعت کے ساتھ شریک ہو کر نماز پڑھی ہو، اور اللہ تعالیٰ جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھنے والوں کے ثواب میں سے کچھ کمی نہیں فرماتے ہیں۔ (ابوداؤد ونسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی شخص نے خوب اچھی طرح وضو کیا اور جماعت میں شرکت کی غرض سے مسجد پہنچا، اب دیکھتا ہے کہ مسجد میں جماعت ہو چکی ہے، جماعت کا چھوٹنا اس کی کوتاہی و کاہلی کی بنا پر نہ ہو، بلکہ کسی امر اتفاق کی بنا پر ہو، تو ایسے دل گرفتہ شخص کو اللہ تعالیٰ جماعت میں شرکت کرنے والوں کے مانند ثواب عطا فرماتے ہیں، لیکن ثواب ان جماعت میں شرکت کرنے والوں کے ثواب میں کٹوتی کر کے نہیں دیتے، بلکہ ان کو پورا ثواب ملتا ہے، یہ ثواب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی حسن نیت کی بنا پر دیتے ہیں۔

کلمات حدیث کی تشریح **من توضأ فاحسن وضوءه**: اچھی طرح وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وضو کو اس کی جملہ شرائط و آداب کا خیال رکھ کر کیا جائے۔ **اعطاه الله مثل**: اگر جماعت میں شرکت کے ارادہ سے کوئی مسجد آئے اور بروقت پہنچنے میں کسی عذر کی وجہ سے تاخیر ہو جائے، جس کی بنا پر جماعت فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس کو جماعت میں شرکت کرنے والوں کے مانند ثواب عنایت فرماتے ہیں، ابوداؤد شریف میں اس سے پہلے جو حدیث ہے اس میں خوب وضاحت ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے "اذا توضأ احدكم فأحسن الوضوء ثم خرج الى الصلاة لم يرفع قدمه اليمنى الا كتب الله عزوجل له حسنة ولم يضع قدمه اليسرى الا حط الله عزوجل عنه سيئة فليقرب احدكم او ليبعد فان اتى المسجد فصلى فى جماعة غفرله فان اتى المسجد وقد صلوا بعضا وبقى بعض صلى ما أدرك واتم ما بقى كذالك فان اتى المسجد وقد صلوا فأتم الصلاة كان كذالك" جب تم میں سے کسی شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا،

پھر مسجد جانے کے ارادے سے گھر سے نکلا، تو پھر داہنے قدم کے اٹھنے پر اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں، اور بائیں قدم کے رکھنے پر اس کا ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں، گھر دور ہو یا قریب ہو ہر قدم پر ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ پھر اگر مسجد آ کر جماعت سے نماز پڑھی تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور اگر مسجد اس حال میں پہنچا کہ کچھ نماز باقی تھی اور کچھ ہو چکی تھی، پھر اس نے ما بقیہ نماز جماعت سے پڑھی اور فوت شدہ نماز منفرداً پڑھ کر مکمل کی تو اس کے لئے بھی بخشش ہے، اور اگر کوئی شخص اس حال میں پہنچا کہ جماعت ہو چکی تھی، (لہٰذا اس نے منفرداً نماز پڑھی) تو اس کے لئے بھی اسی طرح کی بخشش ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۷۹ ﴿مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴۶

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَا رَجُلٌ یَّتَصَدَّقُ عَلٰی ھٰذَا فَیُصَلِّیَ مَعَہٗ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلّٰی مَعَہٗ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ.

حوالہ: ابو داؤد، ص ۸۵، ج ۱، باب فی الجمع فی المسجد مرتین. کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۷۴. ترمذی، ص ۵۳، ج ۱، باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ مرۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۲۲۰.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی (مسجد میں) اس حال میں آیا کہ آپ ﷺ جماعت سے نماز پڑھ چکے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس شخص کو صدقہ دے، کہ یہ شخص اس کے ساتھ نماز پڑھے، پس ایک آدمی کھڑا ہو، چنانچہ اس نے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھی۔ (ترمذی، وابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کی جماعت چھوٹ گئی، اس پر احسان کرنے کے لئے دوسرے کو ابھارا کہ ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہو کر ان پر احسان کر دو، تا کہ ان کو جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے، اس حدیث سے مسجد میں جماعت ثانیہ کی اجازت سمجھ میں آتی ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح الا رجل یتصدق: مطلب یہ تھا کہ کوئی شخص بطور احسان کے ان کے ساتھ نماز پڑھ لے، تا کہ اس کو بھی جماعت کا ثواب مل جائے فقام رجل فصلی معہ: وہ شخص جنھوں نے آنیوالے شخص کے ساتھ نماز پڑھی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم: اس حدیث سے مسجد میں جماعت ثانیہ کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا حکم کیا ہے؟ اس مسئلہ کیلئے یہ بات ذہن نشین رہے، کہ جس مسجد میں امام و مؤذن مقرر نہ ہو، یا جو مسجد سوق یا طریق ہو، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس مسجد میں بالاتفاق تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح اگر محلہ کی مسجد میں غیر محلہ والوں نے اگر جماعت کر لی، تو محلہ والوں کے لئے جماعت ثانیہ بالاتفاق جائز ہے۔ اختلاف اس مسجد میں جماعت ثانیہ سے متعلق ہے جو محلہ کی مسجد ہو اور اس میں محلہ والے ایک بار جماعت سے نماز پڑھ چکے ہوں، ایسی مسجد میں کیا دوبارہ جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک مطلقاً بلا کراہت جماعت ثانیہ جائز ہے۔

دلیل: (۱) حدیث باب ہے، جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں آنے والے نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، اور یہ جماعت جماعت ثانیہ ہی تھی، جو آپ ﷺ کی منشا سے ہوئی۔ (۲) حضرت انسؓ کا واقعہ جو بخاری میں تعلیقاً مذکور ہے کہ وہ اپنے اصحاب کے ساتھ ایک ایسی مسجد میں پہنچے، جہاں جماعت ہو چکی تھی، چنانچہ انھوں نے اذان و اقامت کہی، پھر با جماعت نماز پڑھی۔

جمہور کا مذہب: ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ بالا صورت میں جماعت ثانیہ مکروہ تحریمی ہے۔

دلیل: (۱) ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا "لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ فِتْیَتِیْ اَنْ یَّجْمَعُوْا حُزَمَ الْحَطَبِ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوۃِ فَتُقَامَ

ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰی اَقْوَامٍ لَا یَشْهَدُوْنَ الصَّلَاۃَ" میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اپنے خدام کو یہ حکم دوں کہ وہ ایندھن جمع کریں، پھر میں نماز کا حکم کروں، پھر اس کے لئے اذان کہی جائے، پھر میں حکم کروں ایک آدمی کو جو لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں نہیں آتے، اور ان کے گھر کو جلادوں، پھر آپ ﷺ کو عورتوں اور بچوں کا خیال آیا، لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہیں پہنایا، اگر جماعت ثانیہ کی مسجد میں گنجائش ہوتی تو لوگوں کے پاس یہ عذر ہوتا کہ ہم دوسری جماعت میں شرکت کی غرض سے پیچھے رہ گئے، ایسے معقول عذر کے ہوتے ہوئے ان کو سزا دینے کا کوئی جواز نہیں ہوتا، یہ سزا کی بات صاف بتا رہی ہے کہ عام حالات میں جماعت ثانیہ کی مسجد میں گنجائش نہیں ہے۔ (۲) آپ ﷺ مدینہ منورہ ہی میں ایک موقع پر کہیں تشریف لے گئے، واپسی میں تاخیر کی بنا پر جماعت فوت ہوگئی، آپ ﷺ نے گھر کی عورتوں کو جمع کیا اور جماعت سے نماز پڑھی، اگر مسجد میں جماعت ثانیہ کی بلا کراہت گنجائش ہوتی تو آپ ﷺ مسجد نبوی کو چھوڑ کر گھر میں نماز نہ پڑھتے۔

امام احمدؒ کی دلیل کا جواب: حدیث باب کا تعلق زیر بحث مسئلہ سے نہیں ہے، کیوں کہ عرف میں جماعت ثانیہ سے مراد وہ جماعت ہے جس میں امام و مقتدی سب فرض نماز پڑھ رہے ہوں، جب کہ حدیث باب میں جو واقعہ ہے اس میں مقتدی کی نفل نماز ہے، اور امام فرض پڑھ رہا ہے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل درست نہیں، کیوں کہ اگر اس کی گنجائش ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ امامت کرتے، اقتدا نہ کرتے، حضرت ابوبکرؓ کا افضل ہونے کے باوجود اقتدا کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفل نماز پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی امامت کا اہل نہیں ہے، اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۱۳ دیکھیں، نیز حدیث باب جماعت ثانیہ کی ناپسندیدہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور صدقہ کا لفظ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جماعت ثانیہ ایسے ہی گوارہ کی گئی ہے جیسے کہ صدقہ کو گوارہ کیا جاتا ہے۔

اور جہاں تک امام احمدؒ کی دلیل ثانی کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت انسؓ نے مسجد طریق میں جماعت ثانیہ کی ہو، اور اس کے جواز بلا کراہت میں سب کا اتفاق ہے، اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے اذان و اقامت کے ساتھ با جماعت نماز پڑھی، جب کہ محلہ کی مسجد میں تکرار اذان کا کوئی بھی قائل نہیں، نیز حضرت انسؓ کا قول ہے کہ جب صحابہ کی جماعت فوت ہو جاتی تو وہ تنہا نماز پڑھتے تھے، یہ قول جماعت ثانیہ کی صراحتاً نفی کرتا ہے۔ (فتح الباری)

مذہب جمہور کی ترجیح: رسول اکرم ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ مسجد نبوی میں جماعتِ ثانیہ ہوئی ہو، حالانکہ اس پورے عرصہ میں بہت سے لوگوں کی جماعت چھوٹی ہوگی، اگر جماعت ثانیہ کی بلا کراہت اجازت ہوتی تو سیکڑوں واقعات جماعت ثانیہ کے مسجد نبوی میں ہونے کے ہوتے، لیکن ایک واقعہ بھی نہ پیش آنا صاف بتا رہا ہے کہ جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۰۸۰ ﴿بیٹھ کر امامت کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴۷

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَائِشَةَ فَقُلْتُ اَلَا تُحَدِّثِيْنِيْ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلٰی ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصَلَّی النَّاسُ فَقُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ فَقَالَ ضَعُوْالِي مَآءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّی النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْالِي مَآءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّی النَّاسُ قُلْنَا لَاهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ

ضَعُوْالِی مَآءً فِی الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ فَاُغْمِیَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّی النَّاسُ قُلْنَا لَاهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَالنَّاسُ عُكُوْفٌ فِی الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلَاةِ الْعِشَآءِ الْاٰخِرَةِ فَاَرْسَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی اَبِیْ بَكْرٍ بِاَنْ يُصَلِّیَ بِالنَّاسِ فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُكَ اَنْ تُصَلِّیَ بِالنَّاسِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَّكَانَ رَجُلًا رَقِيْقًا يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اَنْتَ اَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلّٰی اَبُوْبَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِیْ نَفْسِهٖ خِفَّةً وَّخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَاَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّیْ بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَاٰهُ اَبُوْبَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَاَخَّرَ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنْ لَا يَتَاَخَّرَ قَالَ اَجْلِسَانِیْ اِلٰی جَنْبِهٖ فَاَجْلَسَاهُ اِلٰی جَنْبِ اَبِیْ بَكْرٍ وَّالنَّبِیُّ ﷺ قَاعِدٌ وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَدَخَلْتُ عَلٰی عَبْدِاللهِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهٗ اَلَا اَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِیْ عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيْثَهَا فَمَا اَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ اَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِیْ كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِیٌّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص۹۵، ج۱، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ، کتاب الاذان، حدیث نمبر۶۸۷، مسلم، ص۱۷۷ – ۱۷۸، ج۱، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر۴۱۸.

ترجمہ: حضرت عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا کہ کیا آپ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی تفصیلات نہیں بیان فرمائیں گی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ رسول اللہ ﷺ جب زیادہ بیمار ہوئے تو فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ تو ہم نے کہا کہ نہیں، اے اللہ کے رسول! لوگ آپ ﷺ کا انتظار کررہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے لگن میں پانی رکھ دو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا، پھر آپ ﷺ نے غسل فرمایا، پھر بمشقت اٹھنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ بے ہوش ہوگئے، پھر جب ہوش میں آئے تو پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا نہیں اے اللہ کے رسول! لوگ آپ ﷺ کا انتظار کررہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے لگن میں پانی رکھ دو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ بیٹھے، پھر آپ ﷺ نے غسل فرمایا، پھر بمشقت اٹھنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ بے ہوش ہوگئے، پھر جب ہوش آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی، ہم نے کہا کہ نہیں، اے اللہ کے رسول! لوگ آپ ﷺ کا انتظار کررہے ہیں، لوگوں کا حال یہ تھا کہ لوگ مسجد میں جمے بیٹھے تھے، اور عشاء کی نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کے منتظر تھے، تب آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ آپ ﷺ کا قاصد حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم ہے کہ آپؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت ابوبکرؓ نرم دل انسان تھے، انہوں نے کہا کہ اے عمرؓ! آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں، چنانچہ ان دنوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ پھر ایک دن رسول اکرم ﷺ نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی، تو ظہر کی نماز کے لئے اس حال میں نکلے کہ آپ ﷺ دو آدمیوں کا سہارا لیے ہوئے تھے، ان میں ایک حضرت عباسؓ تھے، اس وقت حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، جب ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا، آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو اشارہ کیا کہ پیچھے نہ ہٹیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھادو، چنانچہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بٹھادیا، اور نبی کریم ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

حضرت عبیداللہ راوی کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عباسؓ کے پاس حاضر ہوا، اور کہا کہ کیا میں آپ کے سامنے وہ حدیث پیش کروں جو حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کی بیماری کے متعلق مجھ سے بیان کی ہے، حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ پیش کرو، عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے

حضرت عائشہؓ کی حدیث انسے بیان کی، تو حضرت ابن عباسؓ نے اسمیں کسی چیز سے اختلاف نہیں کیا، مگر یہ بات کہی کہ کیا حضرت عائشہؓ نے تم سے اس آدمی کا نام ذکر کیا جو حضرت عباسؓ کیساتھ تھے؟ میں نے کہا نہیں، تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ وہ حضرت علیؓ تھے (بخاری و مسلم)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ نماز اسلام کا بہت اہم رکن ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ شدید ترین بیماری میں بھی ذرا سا ہوش میں آتے تو نماز میں شرکت کی کوشش کرتے اور آدمیوں کا سہارا لے کر مسجد جاتے اور نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو آپ ﷺ نے نماز کا امام بنایا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ خلافت کے بھی وہی مستحق ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کی بیماری کے ایام میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔

کلمات حدیث کی تشریح والنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قاعد: بخاری شریف میں اس سے پہلے یہ الفاظ بھی ہیں "فجعل ابوبکرؓ یصلی وھو یاتم بصلاۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم والناس بصلاۃ ابی بکر والنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قاعدٌ" حضرت ابوبکرؓ نماز میں حضور اکرم ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے، اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے، نبی اکرم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے، حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو پھر خود آپ ﷺ نے ہی بیٹھ کر امامت فرمائی، چونکہ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے، لہٰذا آپ ﷺ کے احوال مخفی تھے، اور ضعف بھی طاری تھا لہٰذا حضرت ابوبکرؓ بلند آواز سے تکبیرات انتقالیہ فرما رہے تھے، خود ابوبکرؓ بھی آپ ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے، اور بقیہ لوگ ابوبکرؓ ہی کی اقتدا کر رہے تھے، اور مقتدی حضرات کھڑے تھے، حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء کا ذکر اس لئے ہے کہ وہ آپ ﷺ کے تکبیر کہنے پر لوگوں تک آواز پہنچانے کے لئے بلند آواز سے تکبیر کہہ رہے تھے، حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قاعد امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی اگر قیام پر قادر ہیں تو وہ کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھیں، مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۰۷۲ و ۱۰۷۳ دیکھیں۔

قال ھو علیؓ: حضور اکرم ﷺ کو جو دو لوگ سہارے دیئے ہوئے تھے ان میں سے ایک طرف تو حضرت عباسؓ اور دوسری طرف کوئی مستقل شخص نہیں تھے، بلکہ باری باری کئی لوگوں نے سہارا دیا، لہٰذا اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے صراحت نہیں کی، البتہ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں "دوسری طرف اہل بیت میں سے ایک شخص تھے، جو لوگ دوسری طرف سہارا دینے والے تھے ان میں حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ بھی تھے، حضرت ابن عباسؓ نے ان میں سے ایک حضرت علیؓ کی صراحت فرمائی ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۸۱ ﴿رکوع پانے والا رکعت پانے والا ھے﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴۸

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ مَنْ اَدْرَکَ الرَّکْعَۃَ فَقَدْ اَدْرَکَ السَّجْدَۃَ وَمَنْ فَاتَتْہُ قِرَاءَۃُ اُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَدْ فَاتَہٗ خَیْرٌ کَثِیْرٌ رَوَاہُ مَالِکٌ۔

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ، ص ۱۸، باب من ادرک رکعۃ من الصلاۃ، کتاب وقوت الصلاۃ، حدیث نمبر ۱۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی، اور جس کی سورۂ فاتحہ پڑھنے سے رہ گئی اس کا خیر کثیر فوت ہوگیا۔ (مؤطا امام مالکؒ)

خلاصہ حدیث اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، رکوع میں شرکت کرنے والے کو رکعت میں شریک ہونے والا مانا جائے گا، اور یہ کہا جائے کہ یہ رکوع قیام وغیرہ کی تلافی کردینے والا ہے۔ (۲) سورۂ فاتحہ کی تلاوت بہت اہم ہے اگر کسی سے فوت ہوگئی تو اس کا بہت سا ثواب کم ہوگیا۔

کلمات حدیث کی تشریح انہ کان یقول: علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ ضمیر ابو ہریرہؓ کی طرف راجع ہو، ایسی صورت میں یہ حدیث موقوف ہوگی، صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ ظاہر بات یہ ہے کہ حدیث موقوف ہے

اس حدیث کے مرفوع ہونے کا احتمال بعید ہے، لیکن اس جیسی موقوف حدیثیں حکم میں مرفوع کے ہوتی ہیں۔ الرکعۃ: رکوع مراد ہے۔ السجدۃ: رکعت مراد ہے یا نماز مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ جماعت کی مکمل فضیلت ایسے شخص کو حاصل ہو جائے گی۔ ومن فاتتہ قراءۃ ام القرآن: تلاوت فوت ہوگئی ہے اس لئے ثواب میں کمی آگئی۔ (مرقات ص۱۰۲ ج۳) اس سے سورۂ فاتحہ کی اہمیت ضرور معلوم ہوئی، لیکن یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرض نہیں ہے، اگر نماز میں سورۂ فاتحہ فرض ہوتی، تو ثواب میں کمی کی بات نہ کہی جاتی، بلکہ یہ بات کہی جاتی کہ ایسے شخص کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۷۶۶ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۰۸۲ ﴿امام سے پہلے سر اٹھانیوالے کی مذمت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۴۹

وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ الَّذِيْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَخْفِضُهُ قَبْلَ الْإِمَامِ فَإِنَّمَا نَاصِيَتُهُ بِيَدِ الشَّيْطَانِ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا امام مالک، ص ۳۲، باب ما یفعل من رفع رأسہ قبل الامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۷.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اٹھائے یا جھکائے، تو بلاشبہ اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ (مؤطا مالک)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اس شخص کے لئے وعید اور مذمت ہے جو امام کی اقتدا کرنے کے باوجود نماز کے افعال میں امام پر سبقت کرنے کی جسارت کرتا ہے، امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے یا سجدہ سے سر اٹھانے سے پہلے خود اپنا سر اٹھالیتا، اسی طرح امام سے پہلے رکوع وسجدہ میں چلا جاتا ہے، ایسا شخص نہایت احمق ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فانما ناصیتہ بید الشیطان: جو شخص امام کی اقتدا کر رہا ہے، اس کو یہ بات اپنے ذہن میں مرتکز کر لینا چاہئے کہ امام سے پہلے نماز سے فارغ نہیں ہوسکتا، کیونکہ مقتدی کیلئے امام سے پہلے سلام پھیر کر نکل جانا جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں رکوع یا سجدہ میں امام سے پہلے جانا یا رکوع وسجدہ سے امام سے پہلے سر اٹھانا یہ ایک حماقت ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے شخص کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے، حقیقتاً شیطان کے ہاتھ میں ہے یا پھر مجازاً ہے، مجازاً ہے تو مطلب ہوگا کہ تصرف میں ہے، اور اس کے حکم کو قبول کرنے میں ہے۔ مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۰۷۰ تا ۱۰۷۴ دیکھیں۔

باب من صلی صلاۃ مرتین

﴿ایک نماز دو مرتبہ پڑھنے کا بیان﴾

اس باب کے تحت وہ احادیث ہیں جنمیں اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ اگر کسی نے انفرادی طور پر گھر میں یا کسی اور جگہ پر نماز پڑھ لی، اور وہ پھر مسجد میں آئے تو اس کو چاہئے کہ مسجد میں ہونے والی جماعت میں بنیت نفل شرکت کرے، ایسا شخص بہت اجر وثواب کا مستحق ہوتا ہے، اور گھر کی نماز میں جو کمی رہ گئی ہوگی وہ اس مسجد کی نماز سے پوری ہو جائے گی، لیکن فجر عصر اور مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد جماعت کے ساتھ ان نمازوں میں شرکت نہ کرے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فجر بعد اور عصر بعد نماز پڑھنے کی طلوع شمس اور غروب شمس تک ممانعت فرمائی ہے، اسی طرح مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں ہونے والی مغرب کی نماز میں بھی شرکت نہ کرے، کیونکہ نفل نماز تین رکعت مشروع نہیں ہے، اور چوتھی ملانے میں امام کی مخالفت نظر آئے گی۔

الفصل الأول

حدیث نمبر ۱۰۸۳ ﴿ایک نماز دو مرتبہ پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۵۰

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهُ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حوالہ: بخاری، ص ۹۷، ج ۱، باب اذا طول الامام، کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۰۰. مسلم، ص ۱۸۸، ج ۱،

باب القرأۃ فی العشاء. کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ٤٦٥.

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر اپنی قوم میں آکر ان کو نماز پڑھاتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاذؓ عشاء کی نماز بظاہر دو مرتبہ پڑھتے تھے۔ (۱) حضور ﷺ کے پیچھے۔ (۲) اپنی قوم میں آکر امامت کرتے تب پڑھتے۔

کلمات حدیث کی تشریح ثم یاتی قومه یصلی بهم: حضرت معاذ بن جبلؓ جب قوم کو نماز پڑھاتے تو کس نیت سے نماز پڑھاتے تھے؟ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضور ﷺ کے پیچھے حضرت معاذؓ اپنا فریضہ ادا کر چکے ہوتے تھے، لہٰذا وہ قوم کو جب نماز پڑھاتے تو خود نفل کی نیت کرتے اور قوم کے لوگ فرض کی نیت کرتے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ "اقتداء المفترض خلف المتنفل" جائز ہے، یعنی نفل پڑھانے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں "اقتداء المفترض خلف المتنفل" درست نہیں ہے، اور حدیث باب سے اس پر استدلال بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت معاذؓ حضور اکرم ﷺ کے پیچھے نفل کی نیّت سے شریک ہوتے ہوں، اور پھر قوم کو جب نماز پڑھاتے ہوں تو فرض کی نیت کرتے ہوں، بہر حال جب احتمال دونوں ہیں تو اس سے استدلال درست نہیں ہے، امام صاحبؒ کی جانب سے "اقتداء المفترض خلف المتنفل" کے عدم جواز کے دلائل اور حدیث باب کے دیگر جوابات کے لئے حدیث نمبر ۶۱۳ اور حدیث نمبر ۶۷۷ دیکھیں۔

حدیث نمبر ١٠٨٤ ﴿دو مرتبہ نماز پڑھنا﴾ عالمی حدیث نمبر ١١٥١

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَآءَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى قَوْمِهٖ فَيُصَلِّيْ بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهٗ نَافِلَةٌ رَوَاهُ.

حواله: بخاری، ص ٩٧، ج ١، باب اذا طول الامام الخ، کتاب الاذان، حدیث نمبر ٧٠٠. مسلم، ص ١٨٧، ج ١، باب القرأۃ فی العشاء، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ٤٦٥.

ترجمه: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے، پھر اپنی قوم میں آکر ان کو عشاء کی نماز پڑھاتے تھے، اور وہ نماز اُن کے لئے نفل ہوتی تھی۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاذؓ عشاء کی نماز دو مرتبہ پڑھتے تھے، ایک مرتبہ نفل کی نیت سے اور دوسری مرتبہ فرض کی نیت سے، نفل کون سی تھی، فرض کون سی؟ اس کے بارے میں قطعی بات اس وقت نہیں کہی جا سکتی ہے۔ جب تک کہ حضرت معاذؓ کا خود کوئی قول سامنے نہ آئے، اس لئے کہ نیت کا تعلق دل سے ہوتا ہے، اور دل کا حال کوئی دوسرا شخص نہیں بتا سکتا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح فیصلی بهم العشاء: ممکن ہے کہ حضرت معاذؓ دو مرتبہ عشاء کی نماز اس وقت پڑھتے ہوں جب کہ ایک فرض نماز کو دو مرتبہ پڑھنے کی اجازت تھی، پھر یہ اجازت منسوخ ہوگئی، آپ ﷺ نے فرمایا: **"لا تصلوا الصلاۃ فی الیوم مرّتین"** ایک دن میں ایک ہی فرض نماز دو مرتبہ مت پڑھو۔ **وهی له نافلة:** اس جزء سے استدلال کر کے حضرات شوافع کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ دوسری مرتبہ نفل پڑھتے تھے، اور قوم کے لوگ فرض پڑھتے تھے، معلوم ہوا کہ "اقتداء المفترض خلف المتنفل" جائز ہے، حالانکہ یہ استدلال درست نہیں ہے اور اس کی چند وجہیں ہیں۔ (۱) "وهی له نافلة" الفاظ

زائد معلوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ صحیح احادیث میں یہ موجود نہیں ہیں۔ (۲) حضرت معاذؓ کی دوسری نماز نفل تھی یہ اس وقت تسلیم کے لائق بات ہوگی، جب کہ حضرت معاذؓ کا قول پیش کیا جائے، کیونکہ نیت کا تعلق دل سے ہے، اور دل کے احوال پر کوئی دوسرا شخص مطلع نہیں ہوسکتا۔ (۳) ان الفاظ کا تعلق اس نماز سے بھی ممکن ہے جو کہ حضرت معاذؓ حضور ﷺ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ (۴) یہ کلمات اس لئے ذکر کیے گئے ہوں گے کہ حضرت معاذؓ کا دوبارہ نماز پڑھنا ان کے اجر میں اضافہ کا سبب ہے، اصطلاحی نفل مراد نہ ہوں۔ "اقتداء المفترض خلف المتنفل" کے عدم جواز کے متعلق تفصیلات کے لئے حدیث نمبر ۱۱۳۱ اور ۷۷۶ دیکھیں۔

الفصل الثانی

حدیث نمبر ۱۰۸۵ ﴿گھر میں نماز پڑھنے کے بعد جماعت میں شرکت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۵۲

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ وَانْحَرَفَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِي اٰخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهُ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِيئَ بِهِمَا تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا اَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا اِذَا صَلَّيْتُمَا فِي رِحَالِكُمَا ثُمَّ اَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ فَاِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حواله: ابوداؤد، ص۸۵، ج۱، باب فيمن صلى في منزله ثم ادرك الجماعة يصلي معهم، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۵۷۵. ترمذی، ص۵۲-۵۳، ج۱، باب ماجاء في الرجل يصلي وحده ثم يدرك الجماعة، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۲۱۹. نسائی، ص۹۸-۹۹، ج۱. باب إعادة الفجر مع الجماعة لمن صلى وحده، كتاب الامامة، حديث نمبر ۸۵۷.

ترجمہ: حضرت یزید بن الاسودؓ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے حج میں حاضر ہوا، پس میں نے آپ ﷺ کے ساتھ مسجد خیف میں فجر کی نماز پڑھی، جب آپ ﷺ نے نماز مکمل کرلی، تو پیچھے کی طرف متوجہ ہوئے، اچانک آپ ﷺ کی نگاہ ان دو آدمیوں پر پڑی جو لوگوں میں سب سے پیچھے تھے اور انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ، چنانچہ ان دونوں کو لایا گیا اور ان کے شانے کا گوشت کپکپا رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے اپنے ٹھکانوں پر نماز پڑھ لی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر کبھی ایسا مت کرنا جب تم دونوں اپنے ڈیروں میں نماز پڑھ لو، پھر ایسی مسجد میں آؤ جہاں جماعت ہو رہی ہے، تو لوگوں کے ساتھ بھی نماز پڑھ لو، یہ نماز تمہارے لیے نفل ہوگی۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ کوئی شخص اگر گھر میں یا کسی اور جگہ میں نماز پڑھ کر مسجد جاتا ہے تو اگر مسجد میں جماعت ہو رہی ہے، تو اس کو جماعت میں شرکت کرنا چاہئے، جب وہ دوبارہ نماز پڑھے گا، تو دوسری نماز نفل شمار ہوگی، کیونکہ فرض وہ پہلے ہی ادا کر چکا ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اذا صلیتما فی رحالکما: اگر کسی نے فرض پڑھ لی ہے، پھر جماعت کو پائے تو نفل کی نیت سے جماعت میں شرکت کرے، یہ مسئلہ اتفاقی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فجر، عصر، اور مغرب میں نفل کی نیت سے شرکت اور اختلاف ائمہ

فجر، عصر اور مغرب میں نفل کی نیت سے شرکت کی جاسکتی ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تو پانچوں نمازوں میں نفل کی نیت سے شرکت ہو سکتی ہے، البتہ امام شافعیؒ مغرب کے حوالے سے یہ بات کہتے ہیں کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد نفل کی نیت سے شریک شخص ایک رکعت اور پڑھ لے، تا کہ اس کی نفل نماز طاق عدد نہ رہے، بلکہ شفعہ ہو جائے۔ امام مالکؒ مغرب کی نماز کا استثناء کرتے ہیں، یعنی مغرب کی نماز میں نفل کی نیت سے شرکت کے قائل نہیں ہیں۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، کیوں کہ حدیث میں جو واقعہ ہے وہ فجر کی نماز سے متعلق ہے، اور عصر کا حکم بھی فجر ہی کی طرح ہے، آپ ﷺ نے صاف طور پر اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جب تم لوگ منفرداً نماز پڑھ کر مسجد میں آؤ تو مسجد میں ہونے والی جماعت میں شرکت کرو، آپ ﷺ کا یہ حکم مطلق ہے، لہٰذا ہر نماز میں نفل کی نیت سے شرکت کی گنجائش ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک صرف عشاء اور ظہر کی نماز میں نفل کی نیت سے شرکت کی گنجائش ہے، بقیہ نمازوں میں نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر اور فجر کے بعد نفل نماز کی ممانعت ہے اور مغرب طاق نماز ہے جبکہ کوئی نفل نماز طاق نہیں ہے، مزید ایک رکعت ملانے سے امام کی مخالفت ہوگی، اس لیے کہا گیا ہے کہ مغرب کی نماز میں بھی نفل کی نیت سے شرکت کی گنجائش نہیں ہے۔

دلیل: سنن دارقطنی میں صریح حدیث ہے "عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا صَلَّيْتَ فِي أَهْلِكَ ثُمَّ أَدْرَكْتَ الصَّلَاةَ فَصَلِّهَا إِلَّا الْفَجْرَ وَالْمَغْرِبَ" (جب کوئی شخص اپنے گھر پر نماز پڑھ لے، پھر جماعت پائے، تو اس میں شامل ہو جائے، سوائے فجر اور مغرب کی نماز کے) جو حکم فجر کی نماز کا ہے وہی حکم عصر کی نماز کا ہے، لہٰذا امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان تین نمازوں میں نفل کی نیت سے شرکت نہیں کرنا چاہئے۔

شوافع کی دلیل کا جواب: (۱) فجر اور عصر کے بعد نماز کی ممانعت کی احادیث متواتر ہیں، لہٰذا جن روایات سے جواز معلوم ہوتا ہے وہ منسوخ ہوں گی۔ (۲) جب امیر کے عقاب کا اندیشہ ہو تب ہر نماز میں نفل کی نیت سے شرکت کی گنجائش ہے، کیونکہ نفل نماز اگر چہ عصر بعد اور فجر بعد مکروہ ہے، لیکن امیر کا عقاب بھی ایک مصیبت ہے، لہٰذا اہون کو اختیار کرتے ہوئے نماز پڑھ لیے۔ (۳) حدیث باب میں جو واقعہ ہے اس میں جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر پہلے سے نماز پڑھی جا چکی ہے، تو پھر جماعت میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں، اس خیال کی تردید کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا آئندہ ایسا مت کرنا، بلکہ منفرداً نماز پڑھ بھی لی ہو تب بھی اگر مسجد میں آنا ہو اور جماعت ہو رہی ہو، تو اس میں شرکت کرنا چاہئے، اب رہی یہ بات کہ کس نماز میں نفل کی نیت سے شرکت ہو سکتی ہے، اور کس میں نہیں؟ تو اس کی عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں صراحت ہوگئ، کہ فجر اور مغرب میں شرکت نہیں کی جائے اور عصر کا حکم فجر کی طرح ہے، لہٰذا عصر میں بھی شرکت نہ کی جائے گی، بقیہ نمازوں میں نفل کی نیت سے شرکت کی جائے۔

الفصل الثالث

حدیث نمبر ۱۰۸۶ ﴿اپنی نماز پڑھ لینے کے بعد جماعت میں شریک ہونا﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۵۳

عَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ كَانَ فِيْ مَجْلِسٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُذِّنَ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَرَجَعَ وَمِحْجَنٌ فِيْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ النَّاسِ اَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ فَقَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ اَهْلِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ فَاُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: مؤطا امام مالک، ص ٤٦، ج ١، باب إعادة الصلاة مع الامام، كتاب صلاة الجماعة، حديث نمبر ٨.

نسائی، ص ۹۸، ج ۱، باب إعادة الصلاة مع الجماعة، كتاب الامامة، حديث نمبر ۸۵۶۔

ترجمہ: حضرت لبید بن محجنؓ اپنے والد حضرت محجن سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (محجن) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مجلس میں تھے، نماز کے لئے اذان دی گئی، تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی، جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو حضرت محجنؓ اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا کہ تم کو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا؟ کیا تم مسلمان شخص نہیں ہو؟ حضرت محجنؓ نے عرض کیا کہ بلاشبہ میں مسلمان ہوں اے اللہ کے رسول ﷺ! اصل بات یہ ہے کہ میں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ نماز پڑھ لی تھی، تو ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں کہیں سے نماز پڑھ کر آؤ، پھر مسجد میں نماز کھڑی ہو، تو تم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھو، اگرچہ تم وہ نماز پڑھ چکے ہو۔ (مالک، نسائی)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے اگر کوئی شخص منفرداً یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر مسجد میں آیا ہے، تو اس کو چاہئے کہ نفل کی نیت سے مسجد میں جو نماز ہو رہی ہے، اس میں شرکت کرے البتہ اگر فجر یا عصر یا مغرب کی نماز مسجد میں ہو رہی ہے اور آنے والا ان نمازوں کو ادا کر کے آیا ہے، تو وہ امام صاحبؒ کے مذہب کے مطابق شرکت نہ کرے۔

کلمات حدیث کی تشریح فصل مع الناس وإن كنت قد صليت: نماز پڑھ چکنے کے باوجود نفل کی نیت سے مسجد میں موجود شخص کو شرکت کرنا چاہئے، حدیث باب سے بظاہر عموم معلوم ہوتا ہے، یعنی ہر نماز میں نفل کی نیت سے مسجد میں آنے والے کو شرکت کرنا چاہئے، فجر، عصر، اور مغرب کی نماز اس حکم سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گزرا، تفصیل کے لئے حدیث نمبر ۸۵ ا دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۰۸۷ ﴿دوبارہ نماز پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۵٤

وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ اَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّهُ سَأَلَ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّي اَحَدُنَا فِي مَنْزِلِهِ الصَّلَاةَ ثُمَّ يَاْتِي الْمَسْجِدَ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَاُصَلِّي مَعَهُمْ فَاَجِدُ فِي نَفْسِي شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذٰلِكَ لَهُ سَهْمُ جَمْعٍ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: مؤطا امام مالك، ص ٤٧، باب إعادة الصلاة مع الامام، كتاب الامامة، حديث نمبر ۲. ابو داؤد، ص ۸۵ ج ۱، باب فيمن صلى في منزله ثم أدرك الجماعة يصلي معهم، كتاب الصلاة، حديث نمبر ۵۷۸.

ترجمہ: اسد بن خزیمہ کے ایک آدمی سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے، پھر مسجد آتا ہے اور مسجد میں نماز کھڑی ہوتی ہے، تو کیا میں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھوں۔ میں اپنے دل میں اس سلسلہ میں کچھ پاتا ہوں، ابوایوب انصاریؓ نے جواب دیا کہ ہم نے اس چیز کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ تو جماعت میں سے اس کا حصہ ہے۔

خلاصۂ حدیث اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں حاضری ہو اور مسجد میں وہی پڑھی ہوئی نماز کھڑی ہو، تو جماعت میں شریک ہونا ثواب کا کام ہے، اس حوالہ سے دل میں وسوسہ نہ ہونا چاہئے، کہ دوبارہ نماز پڑھنا کارِ خیر ہے یا نہیں؟ گھر میں نماز پڑھنے کی صورت میں جو کمی آگئی تھی، مسجد آکر جماعت کیساتھ نماز پڑھنے سے کافی حد تک اس کی تلافی ہو جائے گی۔

کلماتِ حدیث کی تشریح فاجد في نفسي شيئاً: میرے دل میں شبہ وخلجان ہے کہ میرے لیے دوبارہ نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ فذلك له سهم جمع: اس شخص کے لیے دو نمازوں کے مجموعہ کا ثواب ہے۔ (۱) ایک فرض نماز پڑھنے کا دوسرے نفل نماز پڑھنے کا، ایک قول یہ بھی ہے کہ جمع سے جیش اور لشکر مراد ہے، اور حدیث کے اس جز کا مطلب یہ ہے کہ اس

کو غنیمت کا بہت بڑا حصہ حاصل ہو گیا، دوبارہ نماز پڑھنے سے متعلق تفصیلات کے لئے حدیث نمبر ۱۰۸۵ دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۰۸۸ ﴿دوبارہ نماز پڑھنے کی ھدایت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۵۵

وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ اَدْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰنِيْ جَالِسًا فَقَالَ اَلَمْ تُسْلِمْ يَا يَزِيْدُ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِي صَلَاتِهِمْ قَالَ اِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ مَنْزِلِيْ اَحْسِبُ اَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ اِذَا جِئْتَ الصَّلَاةَ فَوَجَدْتَّ النَّاسَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةً وَهٰذِهٖ مَكْتُوْبَةٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

حوالہ: ابو دؤاد، ص ۸۵، ج ۱، باب فیمن صلّی فی منزلہ ثم أدرك الجماعة یصلی معھم، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۵۷۷

ترجمہ: حضرت یزید بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت میں حاضر ہوا کہ آپ نماز پڑھا رہے تھے، میں بیٹھ گیا، اور لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہوا، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے اور مجھے بیٹھے ہوئے دیکھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے یزید کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! میں بے شک مسلمان ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم کو لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہونے سے کس چیز نے روکا؟ حضرت یزیدؓ نے کہا بے شک میں نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی تھی، اور میرا خیال تھا کہ آپ بھی نماز پڑھ چکے ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز کو آؤ اور لوگوں کو نماز میں پاؤ، تو ان کے ساتھ نماز پڑھو، اگر چہ تم نماز پڑھ چکے ہو، یہ تمہارے لیے نفل نماز ہوگی، اور وہ تمہارے لئے فرض ہوگی۔ (ابوداؤد)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں بھی سابقہ حدیث کا مضمون ہے، کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ کر مسجد گیا ہے اور مسجد میں جماعت کھڑی ہے تو جانے والے کو نماز میں نفل کی نیت سے شرکت کرنا چاہئے، ایک دن یزید بن عامرؓ نماز پڑھ کر مسجد گئے اور مسجد میں جو نماز جماعت سے ہو رہی تھی، اس میں شرکت نہیں کی، تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ گھر سے نماز پڑھ کر آنے کے باوجود مسجد میں ہونے والی جماعت میں شرکت کرو، گھر میں جو نماز پڑھی ہے وہ فرض شمار ہوگی اور مسجد میں جو بعد میں پڑھو گے وہ نفل ہو جائے گی۔

کلمات حدیث کی تشریح **فصل معھم:** حدیث کے ان الفاظ سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ گھر میں منفرداً یا جماعت سے نماز پڑھکر مسجد آنے والا شخص تمام نمازوں میں شرکت کرے، اگر مسجد میں جماعت کھڑی ہے تو، حالانکہ یہ چیز خاص طور پر مذہب حنفیہ کے خلاف ہے، کیوں کہ احناف کہتے ہیں کہ یہ حکم صرف ظہر اور عشاء کی نماز کے ساتھ خاص ہے، اور اس حکم سے فجر، عصر اور مغرب کی نمازیں مستثنیٰ ہیں، حنفیہ کے جانب سے حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث جس میں عصر اور فجر کے بعد نفل نماز کی ممانعت ہے وہ قوی اور متواتر ہے، نیز حرمت اباحت پر مقدم ہے، یا پھر حدیث باب کا حکم ممانعت سے پہلے کا ہے۔ مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۰۸۵ دیکھیں۔ **تکن لك نافلة وھذہ مکتوبة:** پہلی نماز نفل ہے اور یہ جواب مسجد میں آکر نماز پڑھی ہے یہ فرض ہے، ایک قول اس کے برعکس ہے، یعنی پہلے والی فرض ہے اور بعد والی نفل ہے، پہلی والی کو نفل قرار دینے میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جماعت واجب، فرض یا شرط کے درجہ میں ہے، لہٰذا جس نے جماعت والی نماز جماعت سے نہیں پڑھی، گویا کہ اس کا اعتبار نہیں، یعنی اس سے فریضہ ساقط نہیں ہوا، ہاں البتہ وہ نفل شمار ہوگی۔ واللہ اعلم (مرقات ص ۱۰۷ ج ۳) جمہور علماء وائمہ کے نزدیک پہلی نماز فرض ہوگی اور دوسری نفل اس کی تائید بھی بہت سی احادیث سے ہوتی ہے، اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۰۸۹ ﴿دو مرتبہ نماز پڑھی تو فرض پہلی ہوگی یا دوسری؟﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۵۶

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَهٗ فَقَالَ اِنِّيْ اُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ ثُمَّ اُدْرِكُ الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الْاِمَامِ اَفَاُصَلِّيْ

مَعَهُ قَالَ لَهُ نَعَم قَالَ الرَّجُلُ اَيَّتَهُمَا اَجعَلُ صَلَاتِي قَالَ ابنُ عُمَرَ وَذٰلِكَ اِلَيكَ اِنَّمَا ذٰلِكَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَجعَلُ اَيَّتَهُمَا شَاءَ رَوَاهُ مَالِكٌ.

حوالہ: مؤطا امام مالك، ص ٤٦، باب إعادة الصلاة مع الامام، كتاب صلاة الجماعة، حديث نمبر ٩.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اُن سے سوال کیا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا ہوں، اور پھر وہی نماز مسجد میں امام کے ساتھ پاؤں تو کیا میں امام کے ساتھ وہ نماز دوبارہ پڑھوں؟ حضرت ابن عمرؓ نے اُن سے فرمایا کہ ہاں! تو اس آدمی نے سوال کیا کہ اُن دونوں نمازوں میں سے کس نماز کو میں اپنی فرض نماز قرار دوں؟ حضرابن عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اِن دونوں نمازوں میں سے جس کو چاہے گا فرض قرار دے گا۔ (مؤطاامام مالکؒ)

خلاصۂ حدیث اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ (۱) گھر میں منفرداً نماز پڑھنے والا مسجد آئے اور مسجد میں وہی نماز ہو رہی ہے تو امام کے ساتھ اُس نماز میں شرکت کرے۔ (۲) ایک ہی نماز دوبار پڑھیں، ایک مرتبہ گھر میں تنہا، دوبارہ مسجد میں امام کے ساتھ، ظاہر ہے دونوں مرتبہ یہ نماز فرض تو محسوب نہ ہوگی، ایک مرتبہ کی پڑھی فرض قرار دی جائے گی اور ایک مرتبہ کی نفل شمار ہوگی، کون سی فرض ہوگی، کون سی نفل ہوگی؟ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے فرض شمار کرے اور جس کو چاہے نفل شمار کرے اس میں بندہ کا اختیار نہیں ہے۔

کلمات حدیث کی تشریح اجعل صلاتي: یعنی میں کس نماز کو فرض سمجھوں؟ صاحب مرقات کہتے ہیں کہ یہ اس بات پر مبنی ہے کہ انھوں نے نماز لوٹائی اور اُن میں سے کسی کو نفل کے ساتھ خاص نہیں کیا، بلکہ دونوں نمازیں فرض کی نیت سے پڑھیں، اور یہ بات اس پر محمول ہے کہ اُن کو ایک نماز کو دوبار بنیت فرض پڑھنے کی ممانعت کا علم نہیں تھا، کیوں کہ پہلے ایک نماز کو دوبار بنیت فرض پڑھنے کی اجازت تھی یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ حقیقی اعادہ کی اگلی حدیث میں کراہت منقول ہے۔ حاصل یہ ہے کہ انھوں نے دونوں مرتبہ نماز بنیتِ فرض پڑھی، پھر سوال کیا کون سی فرض شمار کروں اور کون سی نفل شمار کروں؟ و ذلك اليك: یہ اخبار استفہام کے معنی میں ہے۔ انما ذلك إلى الله عز و جل يجعل اَيَّتَهُمَا شاء: حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ تمہارا کام نہیں، یہ چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، کہ جس کو چاہیں فرض قرار دیں اور جس کو چاہیں نفل شمار کریں، یہی مالکیہ کے یہاں راجح اور مختار قول ہے، لیکن جمہور فقہا پہلی کو فرض قرار دیتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی میں کچھ خرابی پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو نفل شمار کرلیں اور دوسری کو اس کے بدلے فرض شمار کریں، پہلی نماز فرض شمار ہوتی ہے اس پر حضرت نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان صریح ہے "اَنَّهُ عَلَيهِ السَّلَامُ قَالَ فِي الاَئِمَّةِ الَّذِينَ يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ صَلُّوا الصَّلَاةَ لِوَقتِهَا وَاجعَلُوا صَلَاتَكُم مَعَهُم نَافِلَةً."

حدیث نمبر ۱۰۹۰ ﴿ایک نماز دو مرتبہ پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۵۷

وَعَن سُلَيمَانَ مَولٰى مَيمُونَةَ قَالَ اَتَينَا ابنَ عُمَرَ عَلَى البَلَاطِ وَهُم يُصَلُّونَ فَقُلتُ اَلَا تُصَلِّي مَعَهُم قَالَ قَد صَلَّيتُ وَاِنِّي سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لَا تُصَلُّوا صَلَاةً فِي يَومٍ مَرَّتَينِ رَوَاهُ اَحمَدُ وَاَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

حوالہ: مسند احمد، ص ١٩، ج ٢. ابو دؤاد، ص ٨٥-٨٦، ج ١. باب اذا صلى فى جماعة الخ، كتاب الصلاة، حديث نمبر ٥٧٩. نسائى، ص ٩٩، ج ١، باب سقوط الصلاة عن من صلى مع الامام الخ، كتاب الامامة، حديث نمبر ٨٥٩.

ترجمہ: حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ حضرت سلیمانؒ سے روایت ہے کہ ہم ابن عمرؓ کے پاس اس وقت آئے جب کہ وہ چبوترہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے کہا کہ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے ہیں؟ تو حضرت ابن عمرؓ نے

جواب دیا کہ میں نماز پڑھ چکا ہوں، بلاشبہ میں نے حضرت رسولِ کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''ایک ہی نماز ایک دن میں دو مرتبہ مت پڑھو۔'' (مسند احمد، ابوداؤد، نسائی)

خلاصۂ حدیث پہلے ایک ہی نماز فرض کی نیت سے دو مرتبہ پڑھی جاسکتی تھی، بعد میں آپ ﷺ نے منع فرمایا اور چونکہ یہ عصر یا مغرب یا پھر فجر کی نماز تھی لہٰذا نفل کی نیت سے بھی شرکت کی گنجائش نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ نماز پڑھ لینے کے بعد دوبارہ جماعت میں شرکت نہیں فرمائی۔

کلمات حدیث کی تشریح **لا تصلوا صلاة في يوم مرتين:** آپ ﷺ نے ایک نماز کو ایک دن میں دو مرتبہ پڑھنے کی ممانعت فرمائی، حالانکہ سابقہ کئی احادیث میں آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو گھر سے نماز پڑھکر آئے تھے، اس نماز کو دوبارہ مسجد میں جماعت سے پڑھنے کا حکم دیا، بظاہر دونوں طرح کی احادیث میں تعارض ہے، جواب یہ ہیکہ سابقہ احادیث میں جو حکم ہے، وہ اس شخص کے حق میں ہے جس نے اولاً منفرداً نماز پڑھی ہو اور جو شخص جماعت سے نماز پڑھ چکا ہے وہ اب دوبارہ نہ پڑھے، یا پھر ممانعت کا تعلق فرض کی نیت سے دوبارہ نماز پڑھنے سے ہے، حدیث میں لفظ ''بلاط'' آیا ہے یہ وہ چبوترہ ہے، جو حضرت عمرؓ نے اس غرض سے مسجد کے باہر بنوایا تھا کہ اگر کسی کو باتیں کرنا ہوں، تو وہ مسجد کے باہر جا کر اس چبوترہ پر بیٹھکر باتیں کرے تا کہ مسجد میں بات چیت کا سلسلہ شروع نہ ہو

حدیث نمبر ۱۰۹۱ ﴿فجر اور مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنے کی ممانعت﴾ عالمی حدیث نمبر ۱۱۵۸

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ اَوِ الصُّبْحَ ثُمَّ اَدْرَكَهُمَا مَعَ الْاِمَامِ فَلَا يَعُدْ لَهُمَا رَوَاهُ مَالِكٌ.

حواله: مؤطا امام مالك، ص ٤٧، باب إعادة الصلاة مع الامام، كتاب صلاة الجماعة، حديث نمبر ١٢.

ترجمه: حضرت نافعؒ سے روایت ہے کہ بے شک عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جس شخص نے مغرب یا فجر کی نماز پڑھ لی ہو پھر وہ ان دونوں نمازوں کو امام کے ساتھ پائے تو ان کا اعادہ نہ کرے۔ (مؤطا امام مالک)

خلاصۂ حدیث اس حدیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ فجر اور مغرب کی نماز دوبارہ نہیں پڑھی جائے گی، یعنی ان نمازوں کو اگر کوئی شخص منفرداً پڑھ چکا ہے، تو پھر نفل کی نیت سے بھی امام کے ساتھ شرکت کی گنجائش نہیں ہے، اور جو حکم فجر کا ہے وہی حکم عصر کا ہے، لہٰذا عصر کی نماز اگر کسی نے منفرداً پڑھ لی ہے، تو وہ بھی نفل کی نیت سے امام کے ساتھ عصر میں شرکت نہیں کرے گا۔

کلمات حدیث کی تشریح **فلا يعد لهما** مغرب اور فجر کی نماز کا اعادہ نہیں ہے، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جن نمازوں میں مطلقاً آپ ﷺ نے دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا ہے، اس سے مغرب اور فجر کی نماز مستثنیٰ ہے اور جو حکم فجر کا ہے وہی عصر کا ہے، لہٰذا عصر کی نماز بھی مستثنیٰ ہے، تو گویا کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی مؤید ہے۔ مزید تحقیق کے لئے حدیث نمبر ۱۰۸۵ دیکھیں۔

الحمد للہ فیض المشکوٰۃ کی جلد دوم مکمل ہوئی

ناشر

مکتبہ فیض القرآن نزد مسجد چھتہ دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

فہرست مضامین فیض المشکوۃ جلددوم